

پیشوا کاظمی علیہ السلام کی

حیات الحق

عقیدہ
ظہر امتیازاً و توفیقاً
امام احمد رضا علیہ السلام

ترجمہ

فرید نسکدہ پور ریاست

پیشوا کاظمی علیہ السلام کی

علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائل میں حاصل
کرنے کے لئے

”فقہ حنفی PDF BOOK“

چینل کو جوائن کریں

<http://T.me/FiqahHanfiBooks>

عقائد پر مشتمل پوسٹ حاصل کرنے کے لئے

تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن کریں

<https://t.me/tehqiqat>

علماء اہلسنت کی نایاب کتب گوگل سے اس لنک

سے فری ڈاؤن لوڈ کریں

[https://archive.org/details/](https://archive.org/details/@zohaibhasanattari)

[@zohaibhasanattari](https://archive.org/details/@zohaibhasanattari)

طالب دعا۔ محمد عرفان عطاری

زوہیب حسن عطاری

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ ط
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

تقلید کی بحث

تقلید کے باب میں پانچ باتیں خیال میں رہنا ضروری ہیں۔

- (۱) تقلید کے معنی اور اس کی قسمیں
- (۲) تقلید کوئی ضروری ہے اور کوئی منع
- (۳) تقلید کس پر لازم ہے اور کس پر نہیں
- (۴) تقلید کے واجب ہونے کے دلائل
- (۵) تقلید پر اعتراضات اور اُنکے مکمل جوابات۔ اس لئے اس بحث کے پانچ باب کئے جاتے ہیں۔

باب اول

تقلید کے معنی اور اس کے اقسام

تقلید کے دو معنی ہیں۔ ایک لغوی دوسرے شرعی۔ لغوی معنی ہیں۔ قلاوہ و گردن بستن گلے میں ہار یا پٹہ ڈالنا۔ تقلید کے شرعی معنی یہ ہیں کہ کسی کے قول و فعل کو اپنے پر لازم شرعی جاننا یہ سمجھ کر کہ اس کا کلام اور اس کا کام ہمارے لئے حجت ہے۔ کیونکہ یہ شرعی محقق ہے۔ جیسے کہ ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لئے دلیل سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے۔

حاشیہ حسامی باب متابعت رسول اللہ ﷺ میں صفحہ ۸۶ پر شرح مختصر المار سے نقل کیا اور یہ عبارت نور الانوار بحث تقلید میں بھی ہے۔

التَّقْلِيْدُ اِتِّبَاعُ الرَّجُلِ غَيْرِهِ فَيَمَّا سَمِعَهُ يَقُوْلُ
اَوْفَىٰ فَعِلَهُ عَلٰى زَعَمِ اَنَّهُ مُحِقٌّ بِلَا نَظَرٍ فِی الدَّلِيْلِ.

تقلید کے معنی ہیں کسی شخص کا اپنے غیر کی اطاعت کرنا اس میں جو اس کو کہتے ہوئے یا کرتے ہوئے سن لے یہ سمجھ کر کہ وہ اہل تحقیق میں سے ہے۔ بغیر دلیل میں نظر کئے ہوئے۔

نیز امام غزالی کتاب المستصفیٰ جلد دوم صفحہ ۳۸۷ میں فرماتے ہیں التَّقْلِيْدُ هُوَ قَبُوْلُ قَوْلِ بِلَا حُجَّتِهِ. مسلم الثبوت میں ہے التَّقْلِيْدُ اَلْعَمَلُ بِقَوْلِ الْغَيْرِ مِنَ غَيْرِ حُجَّتِهِ. ترجمہ وہی جو اوپر بیان ہوا اس تعریف سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کرنے کو تقلید نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ انکا ہر قول و فعل دلیل شرعی ہے تقلید میں ہوتا ہے۔ دلیل شرعی کو نہ دیکھنا۔ لہذا ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی کہلائیں گے نہ کہ مقلد۔ اسی طرح صحابہ کرام و آئمہ دین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی ہیں نہ کہ مقلد۔ اسی طرح عالم کی اطاعت جو عام مسلمان کرتے ہیں اس کو بھی تقلید نہ کہا جائے گا۔ کیونکہ کوئی بھی ان عالموں کی بات یا ان کے کام کو اپنے لئے حجت نہیں بناتا۔ بلکہ یہ سمجھ کر ان کی بات ماننا ہے کہ مولوی آدمی ہیں کتاب سے دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے اگر ثابت ہو جائے کہ ان کا یہ فتویٰ غلط تھا کتب فقہ کے خلاف تھا تو کوئی بھی نہ مانے بخلاف قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے کہ اگر وہ حدیث یا قرآن یا اجماع امت کو دیکھ کر مسئلہ فرمادیں تو بھی قبول اور اگر اپنے قیاس سے حکم دیں تو بھی قبول ہوگا۔ یہ فرق ضرور یاد رہے۔

تقلید دو طرح کی ہے۔ تقلید شرعی اور غیر شرعی۔ تقلید شرعی تو شریعت کے احکام میں کسی کی پیروی کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسے روزے نماز زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل میں آئمہ دین کی اطاعت کی جاتی ہے اور تقلید غیر شرعی دنیاوی باتوں میں کسی کی پیروی کرنا ہے۔ جیسے طبیب لوگ علم طب میں بوعلی سینا کی اور شاعر لوگ داغ امیر یا مرزا غالب کی یا نحوی و صرنی لوگ سیسویہ اور خلیل کی پیروی کرتے ہیں اسی طرح ہر پیشہ وراپے پیشہ میں اس فن کے ماہرین کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ تقلید دنیاوی ہے۔

صوفیائے کرام جو وظائف و اعمال میں اپنے مشائخ کے قول و فعل کی پیروی کرتے ہیں وہ تقلید دینی تو ہے مگر تقلید شرعی نہیں بلکہ تقلید فی الطریقت ہے۔ اس لئے کہ یہ شرعی مسائل حرام و حلال میں تقلید نہیں۔ ہاں جس چیز میں تقلید ہے وہ دینی کام ہے۔

تقلید غیر شرعی اگر شریعت کے خلاف میں ہے تو حرام ہے اگر خلاف اسلام نہ ہو تو جائز ہے بوڑھی عورتیں اپنے باپ داداؤں کی ایجاد کی ہوئی شادی غمی کی ان رسموں کی پابندی کریں جو خلاف شریعت ہیں تو حرام ہے اور طبیب لوگ جو طبی مسائل میں بوعلی سینا وغیرہ کی پیروی کریں جو کہ مخالف اسلام نہ ہوں تو جائز ہے۔ اسی پہلی قسم کی حرام تقلید کے بارے میں قرآن کریم جگہ جگہ ممانعت فرماتا ہے اور ایسی تقلید کرنے والوں کی برائی فرماتا ہے۔

وَلَا تَطْعَمْنَ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ
'وَكَانَ اَمْرُهُ فُرُطًا'. (پارہ ۱۵ سورۃ الکہف آیت ۲۸)

اور اس کا کہنا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

وَأَن جَاهِدَاكَ عَلَىٰ أَن تَشْرِكَ بِى مَالِيسَ

لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا. (پارہ ۳ سورہ لقمان آیت ۱۵)

وَإِذَا قِيلَ لَهُم تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَىٰ
الرُّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَائَنَا
أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا

يَهْتَدُونَ. (پارہ ۵ سورہ آل عمران آیت ۱۰۳)

وَإِذَا قِيلَ لَهُم اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ
مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَائَنَا. (پارہ ۳ سورہ آل عمران آیت ۱۴۰)

اور اگر وہ تجھ سے کوشش کریں کہ تو میرا شریک ٹھہرا اس کو جس کا تجھ کو
علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان۔

اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اس طرف جو اللہ نے اُتارا اور
رسول کی طرف کہیں ہم کو وہ بہت ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو
پایا۔ اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ نہ جانتیں اور نہ راہ پر ہوں۔

اور جب ان سے کہا جاوے کہ اللہ کے اُتارے ہوئے پر چلو تو کہیں
گے ہم تو اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔

ان میں اور ان جیسی آیتوں میں اسی تقلید کی برائی فرمائی گئی ہے جو شریعت کے مقابلہ میں جاہل باپ داداؤں کے حرام کاموں میں کی جاوے کہ چونکہ
ہمارے باپ دادا ایسا کرتے تھے ہم بھی ایسا کریں گے۔ چاہے یہ کام جائز ہو یا ناجائز۔ رہی شرعی تقلید اور ائمہ دین کی اطاعت اس سے ان آیات کو
کوئی تعلق نہیں ان آیتوں سے تقلید ائمہ کو شرک یا حرام کہنا محض بے دینی ہے۔ اُس کا بہت خیال رہے۔

دوسرا باب

کن مسائل میں تقلید کی جاتی ہے کن میں نہیں

تقلید شرعی میں کچھ تفصیل ہے شرعی مسائل تین طرح کے ہیں۔ (۱) عقائد (۲) وہ احکام جو صراحۃً قرآن پاک یا حدیث شریف سے ثابت ہوں
اجتہاد کو ان میں دخل نہ ہو۔ (۳) وہ احکام جو قرآن یا حدیث سے استنباط و اجتہاد کر کے نکالے جائیں۔

عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔ تفسیر روح البیان آخر سورہ ہود زیر آیت نَصِيْبُهُمْ غَيْرَ مَنْقُوضٍ میں ہیں۔ وَفِي الْآيَةِ دَمٌ
التَّقْلِيدُ وَهُوَ قَبُولُ قَوْلِ الْغَيْرِ بِلَا دَلِيلٍ وَهُوَ جَائِزٌ فِي الْفُرُوعِ وَالْعَمَلِيَّاتِ وَلَا يَجُوزُ فِي أَصُولِ
الدِّينِ وَالْإِعْتِقَادِيَّاتِ بَلْ لَا بُدَّ مِنَ النَّظَرِ وَالِاسْتِدْلَالِ. اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ توحید و رسالت وغیرہ تم نے کیسے مانی تو یہ
نہ کہا جاوے گا کہ حضرت امام ابوحنیفہ ؒ کے فرمانے سے یا کہ فقہ اکبر سے بلکہ دلائل توحید و رسالت سے۔ کیونکہ عقائد میں تقلید نہیں ہوتی۔ مقدمہ
شامی بحث تقلید المفضل مع الافضل میں ہے۔

یعنی جن کا ہم اعتقاد رکھتے ہیں شرعی مسائل کے علاوہ کہ جن کا اعتقاد
رکھنا ہر مکلف پر بغیر کسی کی تقلید کے واجب ہے وہ عقائد وہ ہی ہیں
جن پر اہلسنت و جماعت ہیں اور اہلسنت اشاعرہ اور ماترید یہ ہیں۔

(عَنْ مُعْتَقِدِنَا) أَيَّ عَمٍّ نَعْتَقِدُهُ مِنْ غَيْرِ
الْمَسَائِلِ الْفَرَعِيَّةِ مِمَّا يَجِبُ إِعْتِقَادُهُ عَلَى كُلِّ
مَكْلَفٍ بِلَا تَقْلِيدٍ لِأَحَدٍ وَهُوَ مَا عَلَيْهِ أَهْلُ
السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَهُمْ الْأَشَاعِرَةُ وَالْمَاتَرِيدِيَّةُ

نیز تفسیر کبیر پارہ ۵ زیر آیت فاجرہ حتیٰ یسمع کلام اللہ میں ہے۔ **هَذِهِ الْآيَةُ تَدُلُّ عَلَىٰ أَنَّ التَّقْلِيدَ غَيْرُ كَافٍ فِي الدِّينِ**
وَأَنَّهُ لَا بَدَّ مِنَ النَّظَرِ وَالِاسْتِدْلَالِ. صریح احکام میں بھی کسی کی تقلید جائز نہیں۔ پانچ نمازیں نماز کی رکعتیں تیس روزے روزے
میں کھانا پینا حرام ہونا یہ وہ مسائل ہیں جن کا ثبوت نص سے صراحۃً ہے اس لئے یہ نہ کہا جائے گا کہ نمازیں پانچ اس لئے ہیں یا روزے ایک ماہ کے
اس لئے ہیں کہ فقہ اکبر میں لکھا ہے یا امام ابوحنیفہ ؒ نے فرمایا ہے بلکہ اس لئے قرآن و حدیث سے دلائل دیئے جائیں گے۔

جو مسائل قرآن و حدیث یا اجماع امت سے اجتہاد و استنباط کر کے نکالے جائیں۔ ان میں غیر مجتہد پر تقلید کرنا واجب ہے۔ مسائل کی جو ہم نے
تقسیم کردی اور بتا دیا کہ کون سے مسائل تقلید یہ ہیں اور کون سے نہیں اس کا بہت لحاظ رہے بعض موقع پر غیر مقلد اعتراض کرتے ہیں کہ مقلد کو حق
نہیں ہوتا کہ دلائل سے مسائل کو نکالے پھر تم لوگ نماز روزے کے لئے قرآنی آیتیں یا احادیث کیوں پیش کرتے ہو اس کا جواب بھی اس امر میں
آ گیا کہ روزہ و نماز کی فرضیت تقلیدی مسائل سے نہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ سوائے احکام خبر وغیرہ میں تقلید نہ ہوگی۔ جیسے کہ مسئلہ کفر یزید وغیرہ۔ نیز
قیاسی مسائل میں فقہاء کا قرآن و حدیث سے دلائل پیش کرنا صرف مانے ہوئے مسائل کی تائید کیلئے ہوتا ہے۔ وہ مسائل پہلے ہی سے قول امام سے

مانے ہوئے ہوتے ہیں تو بلا نظر فی الدلیل کے یہ معنی نہیں کہ مقلد دلائل دیکھے ہی نہیں بلکہ یہ دلائل سے مسائل حل نہ کرے۔

تیسرا باب

کس پر تقلید کرنا واجب ہے اور کس پر نہیں

مكلف مسلمان دو طرح کے ہیں ایک مجتہد دوسرے غیر مجتہد۔ مجتہد وہ ہے جس میں اس قدر علم لیاقت اور قابلیت ہو کہ قرآنی اشارات و رموز سمجھ سکے اور کلام کے مقصد کو پہچان سکے اس سے مسائل نکال سکے۔ ناسخ و منسوخ کا پورا علم رکھتا ہو۔ علم صرف و جوبلاغت وغیرہ میں اکوپوری مہارت حاصل ہو احکام کی تمام آیتوں اور احادیث پر اس کی نظر ہو۔ اس کے علاوہ ذکی اور حوش فہم ہو دیکھو تفسیرات احمدیہ وغیرہ جو کہ اس درجہ پر نہ پہنچا ہو وہ غیر مجتہد یا مقلد ہے۔ غیر مجتہد پر تقلید ضروری ہے۔ مجتہد کے لئے تقلید منع۔ مجتہد کے چھ طبقے ہیں۔

(۱) مجتہد فی الشرع

(۲) مجتہد فی المذہب

(۳) مجتہد فی المسائل

(۴) اصحاب التخریج

(۵) اصحاب التریج

(۶) اصحاب التزیین (مقدمہ شامی بحث طبقات الفقہاء)

(۱) مجتہد فی الشرع وہ حضرات ہیں جنہوں نے اجتہاد کرنے کے قواعد بنائے۔ جیسے چاروں امام ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین
(۲) مجتہد فی المذہب وہ حضرات ہیں جو ان اصول میں تقلید کرتے ہیں اور ان اصول سے مسائل شرعیہ فرعیہ خود استنباط کر سکتے ہیں۔ جیسے امام ابو یوسف و محمد ابن مبارک رحمہم اللہ اجمعین۔ کہ یہ قواعد میں حضرت امام ابوحنیفہ ؒ کے مقلد ہیں اور مسائل میں خود مجتہد۔

(۳) مجتہد فی المسائل وہ حضرات ہیں جو قواعد اور مسائل فرعیہ دونوں میں مقلد ہیں۔ مگر وہ مسائل جن کے متعلق ائمہ کی تصریح نہیں ملتی۔ ان کو قرآن و حدیث وغیرہ دلائل سے نکال سکتے ہیں۔ جیسے امام طحاوی اور قاضی خان، شمس الائمہ سرخسی وغیرہم۔

(۴) اصحاب تخریف وہ حضرات ہیں جو اجتہاد تو بالکل نہیں کر سکتے ہاں ائمہ میں سے کسی کے مجمل قول کی تفصیل فرما سکتے ہیں جیسے امام کرنی وغیرہ۔

(۵) اصحاب ترجیح وہ حضرات ہیں جو امام صاحب کی چند روایات میں سے بعض کو ترجیح دے سکتے ہیں۔ یعنی اگر کسی مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہ ؒ کے دو قول روایت میں آئے تو ان میں سے کس کو ترجیح دیں۔ یہ وہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جہاں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہو تو کسی کے قول کو ترجیح دے سکتے ہیں کہ ہذا اولیٰ یا ہذا اصح وغیرہ جیسے صاحب قدوری اور صاحب ہدایہ۔

(۶) اصحاب تمیز وہ حضرات ہیں جو ظاہر مذہب اور روایات نادرہ اسی طرح قول ضعیف اور قوی اور اقویٰ میں فرق کر سکتے ہیں کہ اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو ترک کر دیں۔ اور صحیح روایات اور معتبر قول کو لیں۔ جیسے کہ صاحب کنز اور صاحب درمختار وغیرہ۔

جن میں ان چھ وصفوں میں سے کچھ بھی نہ ہوں۔ وہ مقلد محض ہیں۔ جیسے ہم اور ہمارے زمانہ کے عام علماء کہ ان کا صرف یہ ہی کام ہے کہ کتاب سے مسائل دیکھ کر لوگوں کو بتادیں۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مجتہد کو تقلید کرنا حرام ہے۔ تو ان چھ طبقوں میں جو صاحب ہیں جس درجہ کے مجتہد ہوں گے۔ وہ اس درجہ سے کسی کی تقلید نہ کریں گے۔ اور اس سے اوپر والے درجہ میں مقلد ہوں گے جیسے امام ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کہ یہ حضرات اصول اور قواعد میں تو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں چونکہ خود مجتہد ہیں۔ اس لئے ان میں مقلد نہیں۔

ہماری اس تقریر سے غیر مقلدوں کا یہ سول بھی اٹھ گیا کہ جب امام ابو یوسف و محمد علیہما الرحمۃ حنفی ہیں اور مقلد ہیں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جگہ مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ تو یہی کہا جاوے گا کہ اصول و قواعد میں یہ حضرات مقلد ہیں۔ اس میں مخالفت نہیں کرتے اور فرعی مسائل میں مخالفت کرتے ہیں اس میں خود مجتہد ہیں۔ وہ کسی کے مقلد نہیں۔

یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ تم بہت سے مسائل میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دیتے ہو اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کو چھوڑتے ہو پھر تم حنفی کیسے؟ جواب آ گیا کہ بعض درجہ کے فقہاء اصحاب ترجیح بھی ہیں جو چند قولوں میں سے بعض کو ترجیح دیتے ہیں اسی لئے ہم کو ان فقہاء کا ترجیح دیا ہوا جو قول ملا اس پر فتویٰ دیا گیا یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ تم اپنے کو حنفی پھر کیوں کہتے ہو۔ یوسفی یا محمدی یا ابن مبارکی کہو! کیونکہ بہت سی جگہ تم ان کے قول پر عمل کرتے ہو امام ابوحنیفہ ؒ کا قول چھوڑ کر۔ جواب یہ ہی ہوا کہ چونکہ ابو یوسف و محمد ابن مبارک رحمہم اللہ تعالیٰ کے تمام اقوال امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے

اصول اور قوانین پر بنے ہیں۔ لہذا ان میں سے کسی بھی قول کو لینا درحقیقت امام صاحب ہی کے قول کو لینا ہے جیسے حدیث پر عمل درحقیقت قرآن پر ہی عمل ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے مثلاً امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جاوے تو وہ ہی میرا مذہب ہے۔ اب اگر کوئی محقق فی المذہب کوئی صحیح حدیث پا کر اس پر عمل کرے تو وہ اس سے غیر مقلد نہ ہوگا۔ بلکہ حنفی رہے گا۔ کیونکہ اس نے اس حدیث پر امام صاحب کے اس قاعدے سے عمل کیا یہ پوری بحث دیکھو مقدمہ شامی مطلب **صَحَّ مَنِ الْإِمَامُ إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي**۔ امام صاحب کے اس قول کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہوئی ہے تو وہ میرا مذہب بنی یعنی ہر مسئلہ اور ہر حدیث میں میں نے بہت جرح قدح اور تحقیق کی ہے تب اسے اختیار کیا چنانچہ حضرت امام کے یہاں ہر مسئلہ کی بڑی چھان بین ہوتی تھی۔ مجتہد شاگردوں سے نہایت تحقیقی گفتگو کے بعد اختیار فرمایا جاتا تھا۔

اگر یہ مختصری تقریر خیال میں رکھی گئی تو بہت مشکلوں کو ان شاء اللہ عزوجل حل کر دے گی اور بہت کام آوے گی بعض غیر مقلد کہتے ہیں کہ ہم میں اجتہاد کرنے کی قوت ہے۔ لہذا ہم کسی کی تقلید نہیں کرتے۔ اس کے لئے بہت طویل گفتگو کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اجتہاد کے لئے کس قدر علم کی ضرورت ہے اور ان حضرات کو وہ قوت علمی حاصل ہے یا نہیں۔

حضرت امام رازی، امام غزالی وغیرہ امام ترمذی و امام ابوداؤد وغیرہ حضور غوث پاک۔ حضرت بایزید بسطامی، شاہ بہاء الحق نقشبند اسلام میں ایسے پایہ کے علماء اور مشائخ گزرے کہ ان پر اہل اسلام جس قدر بھی فخر کریں کم ہے۔ مگر ان حضرات میں سے کوئی صاحب بھی مجتہد نہ ہوئے بلکہ سب مقلد ہی ہوئے۔ خواہ امام شافعی کے مقلد ہوں۔ یا امام ابوحنیفہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ زمانہ موجودہ میں کون ان کی قابلیت کا ہے جب ان کا علم مجتہد بننے کیلئے کافی نہ ہوا۔ تو جن بے چاروں کو ابھی حدیث کی کتابوں کے نام لینا بھی نہ آتے ہوں وہ کس شمار میں ہیں۔

ایک صاحب نے دعویٰ اجتہاد کیا میں نے ان سے صرف اتنا پوچھا کہ سورۃ مکارئ سے کس قدر مسائل آپ نکال سکتے ہیں اور اس میں حقیقت مجاز صریح و کنایہ ظاہر نص کتنے ہیں۔ ان بیچارے نے ان چیزوں کے نام بھی نہ سنے تھے۔

چوتھا باب

تقلید واجب ہونے کے دلائل

اس باب میں ہم دو فصلیں لکھتے ہیں۔ پہلی فصل میں تو مطلقاً تقلید کے دلائل ہیں۔ دوسری تقلید شخص کے دلائل۔

فصل اوّل:

تقلید کا واجب ہونا قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور عمل امت اور اقوال مفسرین سے ثابت ہے۔ تقلید مطلقاً بھی اور تقلید مجتہدین بھی ہر ایک تقلید کا ثبوت ہے۔

اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین ہم کو سیدھا راستہ چلا۔ ان کا راستہ جن پر تو نے احسان کیا۔ (سورۃ فاتحہ)

أَنعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ (پارہ ۱ سورۃ آیت ۵)

اس سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم وہی ہے۔ جس پر اللہ کے نیک بندے چلے ہوں اور تمام مفسرین محدثین فقہاء اولیاء اللہ غوث قطب و ابدال اللہ کے نیک بندے ہیں وہ سب ہی مقلد گزرے۔ لہذا تقلید ہی سیدھا راستہ ہوا۔ کوئی محدث و مفسر ولی غیر مقلد نہ گزرا۔ غیر مقلد وہ ہے جو مجتہد نہ ہو۔ پھر تقلید نہ کرے۔ جو مجتہد ہو لگ تقلید نہ کرے۔ وہ غیر مقلد نہیں کیونکہ مجتہد کو تقلید کرنا منع ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔ (سورہ بقرہ) اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ طاقت سے زیادہ کام کی خدا تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔ تو جو شخص اجتہاد نہ کر سکے اور قرآن سے مسائل نہ نکال سکے۔ اس سے تقلید نہ کرانا اور اس سے استنباط کرنا طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالتا ہے۔ جب غریب آدمی پر زکوٰۃ اور حج فرض نہیں تو بے علم پر مسائل کا استنباط کرانا کیونکر ضروری ہوگا۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور حکم والوں کی جو تم میں

سے ہوں۔

مِنْكُمْ۔ (پارہ ۲ سورۃ آیت ۵۹)

اس آیت میں تین ذاتوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ اللہ کی (قرآن) رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی (حدیث) امر والوں کی (فقہ و استنباط کے علماء) مگر کلہ اطیعوا و جبکہ لایا گیا۔ اللہ کے لئے ایک اور رسول علیہ السلام اور حکم والوں کے لئے ایک۔ کیونکہ اللہ کی صرف اس کے فرمانے میں ہی اطاعت کی جائے گی نہ کہ اس کے فعل میں اور نہ اس کے سکوت میں۔ وہ کفار کو روزی دیتا ہے کبھی ان کو ظاہری فتح دیتا ہے وہ کفر کرتے ہیں۔ مگر ان کو فوراً

عذاب نہیں بھیجتا۔ ہم اس میں رب تعالیٰ کی پیروی نہیں کر سکتے کہ کفار کی امداد کریں بخلاف نبی علیہ السلام و امام مجتہد کے کہ ان کا ہر حکم ان کا ہر کام اور ان کا کسی کو کچھ کرتے ہوئے دیکھ کر خاموش ہونا۔ تینوں چیزوں میں ان کی پیروی کی جاوے گی۔ اس فرق کی وجہ سے دو جگہ اطیعوا ابولا اگر کوئی کہے کہ امر والوں سے مراد سلطان اسلامی ہے تو سلطان اسلامی کی اطاعت شرعی احکام میں کی جاوے گی نہ کہ خلاف شرع چیزوں میں اور سلطان وہ شرعی احکام علماء مجتہدین ہی سے معلوم کرے گا حکم تو سب میں فقیہ کا ہوتا ہے۔ اسلامی سلطان محض اس کا جاری کرنے والا ہوتا ہے۔ تمام رعایا کا حاکم بادشاہ اور بادشاہ کا حاکم۔ عالم مجتہد لہذا نتیجہ وہی نکلا کہ اولی الامر علمائے مجتہدین ہی ہوئے اگر بادشاہ اسلامی بھی مرادلو۔ جب بھی تقلید ثابت ہوئی گئی۔ عالم کی نہ ہوئی بادشاہ کی ہوئی۔

یہ بھی خیال رہے کہ آیت میں اطاعت سے مراد شرعی اطاعت ہے۔

ایک نکتہ اس آیت میں یہ بھی ہے کہ احکام تین طرح کے ہیں۔ صراحۃً قرآن سے ثابت جیسے کہ جس عورت غیر حاملہ کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے ان کے لئے حکم ہوا اطیعوا اللہ دوسرے وہ جو صراحۃً حدیث سے ثابت ہیں۔ جیسے کہ چاندی سونے کا زیور مرد کو پہننا حرام ہے اس کے لئے فرمایا گیا و اطیعوا الرسول تیسرے وہ جو نہ تو صراحۃً قرآن سے ثابت ہیں نہ حدیث سے جیسے کہ جاول میں سود کی حرمت قطعی ہے۔ اس کے لئے فرمایا گیا اولی الامر منکم تین طرح کے احکام اور تین علم۔

تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تم کو علم نہیں۔

فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص جس مسئلہ کو نہ جانتا ہو۔ وہ اہل علم سے دریافت کرے۔ وہ اجتہادی مسائل جن کے نکالنے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ مجتہدین سے دریافت کئے جائیں۔ بعض لوگ جتے ہیں کہ اس سے مراد تاریخی واقعات ہیں۔ جیسا کہ اوپر کی آیت سے ثابت ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس آیت کے کلمات مطلق بغیر قید کے ہیں اور پوچھنے کی وجہ ہے نہ جاننا تو جس چیز کو ہم نہ جانتے ہوں اس کا پوچھنا لازم ہے۔

اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرنے والوں کی اتباع (تقلید) ضروری ہے یہ حکم بھی عام ہے کیونکہ آیت میں کوئی قید نہیں۔

اور وہ جو عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دے ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں میں ٹھنڈک اور ہم کو پرہیز گاروں کی پیشوا بنا۔

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا

وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا۔

(پارہ ۱۹ سورہ ۲۵ آیت ۷۷)

اس آیت کی تفسیر میں معالم التنزیل میں ہے۔

ہم پرہیز گاروں کی پیروی کریں اور پرہیز گار ہماری پیروی کریں۔

فَنَقْتَدِيَ بِالْمُتَّقِينَ يُقْتَدَىٰ بِأَكْثَرِهِم يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی پیروی اور ان کی تقلید ضروری ہے۔

جس دن ہر جماعت کو ہم اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ۔

(پارہ ۱۵ سورہ ۷۸ آیت ۷۱)

اس کی تفسیر روح البیان میں اس طرح ہے۔

یا امام دینی پیشوا ہے۔ پس قیامت میں کہا جاوے گا کہ اے خفی اے شافعی۔

أَوْ مُقَدِّمٌ فِي الدِّينِ فَيَقَالُ يَا خُنْفَىٰ يَا شَافِعِيُّ۔

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن ہر انسان کو اس کے امام کے ساتھ بلایا جاوے گا۔ یوں کہا جاوے گا کہ: اے خفی اے شافعی اے مالکیو چلو! تو جس نے امام ہی نہ پکڑا اس کو کس کے ساتھ بلایا جائے گا۔ اس کے بارے میں صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی امام نہیں اس کا امام شیطان ہے۔

یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایسا ایمان لاؤ جیسا کہ مخلص مومن ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا یہ بے وقوف ایمان لائے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْكُثُوا كَمَا مَكَثُوا قَالُوا إِنَّا فَاعِلُونَ۔

كَمَا أَمَرْنَا السُّفَهَاءَ۔

معلوم ہوا کہ ایمان بھی وہی معتبر ہے جو صالحین کا سا ہو۔ تو مذہب بھی وہی ٹھیک ہے۔ جو نیک بندوں کی طرح ہو اور وہ تقلید ہے۔

دوسری فصل تقلید شخصی کے بیان میں

مکھوۃ کتاب الامارۃ میں بحوالہ مسلم ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

من اتاكم وامرکم جميعاً على رجل واحد
یرید ان یشق عصاکم ویفرق جماعتکم
فاتقلوه۔

اس میں مراد امام اور علماء دین ہی ہیں۔ کیونکہ حاکم وقت کی اطاعت خلاف شرع احکام میں جائز نہیں ہے۔

مسلم نے کتاب الامارۃ میں ایک باب باندھا باب وجوب طاعته الامراء فی غیر معصيته۔ یعنی امیر کی اطاعت غیر معصیت میں واجب ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی کی اطاعت ضروری ہے۔

مشکوٰۃ شریف کتاب البیوع باب الفرائض میں بروایت بخاری ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت ابن مسعود کے بارے میں فرمایا لا تسئلوا فی مادام هذا الحبر فیکم جب تک کہ یہ علامہ تم میں رہیں۔ مجھ سے مسائل نہ پوچھو۔ معلوم ہوا کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی اطاعت نہ کرے اور ہر مقلد کی نظر میں اپنا امام افضل ہوتا ہے۔ فتح القدیر میں ہے۔

من تولیٰ امر المسلمین شیئاً فاستعمل
علیہم رجلاً ویعلم ان فیہم من هو اولی
بذالک و اعلم منه بکتاب اللہ وسنۃ رسولہ
فقد خان اللہ ورسولہ وجماعۃ المسلمین۔

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ فصل اول میں ہے۔

من مات و لیس فی عنقہ بیعة مت میتة
جاہلیة۔

جو مر جائے حالانکہ اس کے گلے میں کسی کی بیعت نہ ہو۔ وہ جہالت کی موت مرا۔

اس میں امام کی بیعت یعنی تقلید اور بیعت اولیاء سب ہی داخل ہیں ورنہ بتاؤ فی زمانہ وہابی کس سلطان کی بیعت میں ہیں۔

یہ تو چند آیات و احادیث تھیں۔ اس کے علاوہ اور بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی پر قناعت کی گئی۔ اب امت کا عمل دیکھو۔ تو تبع تابعین کے زمانہ سے اب تک ساری امت مرحومہ اس ہی تقلید کی عامل ہے کہ جو خود مجتہد نہ ہو۔ وہ ایک مجتہد کی تقلید کرے اور اجماع امت پر عمل کرنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور ضروری ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

ومن یُشاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ
الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهِ
مَا تَوَلٰى وَ نَصْلِهِ جَهَنَّمَ وَ سَاعَتٌ مُّصِيْرًا۔

اور جو رسول کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راستہ چلے ہم اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دیں گے اور اس کو دوزخ میں داخل کریں گے۔ اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ جو راستہ عام مسلمانوں کا ہو اس کو اختیار کرنا فرض ہے اور تقلید پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آج بھی اور اس سے پہلے بھی عام مسلمان تقلید شخصی ہی کو اچھا جانتے آئے اور مقلد ہی ہوئے آج بھی عرب و عجم میں مسلمان تقلید شخصی ہی کرتے ہیں اور جو غیر مقلد ہوا وہ اجماع کا منکر ہوا اگر اجماع کا اعتبار نہ کرو تو خلاف صدیقی و فاروقی کس طرح ثابت کرو گے تو اجماع لغت سے ہی ثابت ہوئی۔ یہاں تک کہ جو شخص ان دونوں میں سے کسی کا بھی انکار کرے وہ کافر ہے۔ دیکھو شامی وغیرہ اسی طرح تقلید پر بھی اجماع ہوا۔

تفسیر خازن زیر آیت وَ كُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ہے کہ ابو بکر صدیق ؓ نے انصار سے فرمایا کہ قرآن شریف نے مجاہدین کو صادقین کہا اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُونَ پھر فرمایا وَ كُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ بچوں کے ساتھ رہو۔ لہذا تم بھی علیحدہ خلافت نہ قائم کرو۔ ہمارے ساتھ رہو ایسے ہی ہیں غیر مقلدوں سے کہتا ہو کہ بچوں نے تقلید کی ہے تم بھی ان کے ساتھ رہو۔ مقلد بنو۔

عقلی دلائل:

دنیا میں انسان کوئی بھی کام بغیر دوسرے کی پیروی کے نہیں کر سکتا۔ ہر ہنر اور علم کے قواعد۔ سب میں اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوتی ہے۔ دین کا معاملہ تو دنیا سے کہا زیادہ مشکل ہے۔ اس میں بھی اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوگی۔ علم حدیث میں بھی تقلید ہے کہ فلاں حدیث اس لئے ضعیف

ہے کہ بخاری نے یا فلاں محدث نے فلاں راوی کو ضعیف کہا ہے۔ اس کا قول ماننا یہی تو تقلید ہے۔ قرآن کی قرأت میں قاریوں کی تقلید ہے کہ فلاں نے اس طرح اس آیت کو پڑھا ہے قرآن کے اعراب آیات سب ہی تقلید ہی تو ہے نماز میں جب جماعت ہوتی ہے۔ تو امام کی تقلید سب مقتدی کرتے ہیں۔ حکومت اسلامی میں تمام مسلمان ایک بادشاہ کی تقلید کرتے ہیں۔ ریل میں بیٹھتے ہیں تو ایک انجن کی ساری ریل والے تقلید کرتے ہیں۔ غرضیکہ انسان ہر کام میں مقلد ہے اور خیال رہے کہ ان سب عورتوں میں تقلید شخصی ہے۔ نماز کے امام دو نہیں۔ بادشاہ اسلام دو نہیں۔ تو شریعت کے امام ایک شخص دو کس طرح مقرر کر سکتا ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الجہاد باب ادب السفر میں ہے۔

جبکہ تین آدمی سفر میں ہوں تو ایک کو اپنا امیر بنالیں۔

إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ.

پانچواں باب

تقلید پر اعتراضات اور جوابات کے بیان میں

مسئلہ تقلید پر جن افہام کے اعتراضات دو طرح کے ہیں۔ ایک واجبات طعنے اور تمسخران کے جوابات ضروری نہیں۔ دوسرے وہ جن سے مقلدین کو غیر مقلد دھوکا دیتے ہیں۔ اور عام مقلدین دھوکا کھا لیتے ہیں۔ یہ حسب ذیل ہیں:

سوال (۱): اگر تقلید ضروری تھی تو صحابہ کرام کسی کے مقلد کیوں نہ ہوئے؟

جواب: صحابہ کرام کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی برکت سے تمام مسلمانوں کے امام اور پیشوا ہیں کہ ائمہ دین امام ابوحنیفہ و شافعی وغیرہ و غیرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پیروی کرتے ہیں۔ مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے:

أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ.

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم جن کی پیروی کرو گے ہدایت

پالو گے۔ تم لازم پکڑو میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ.

یہ سوال تو ایسا ہے کہ جیسے کوئی کہے ہم کسی کے امتی نہیں۔ کیونکہ ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی کے امتی نہ تھے تو امتی نہ ہونا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ اس سے یہ بھی کہا جاوے گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو خود نبی ہیں سب آپ کی امت ہیں وہ کس کے امتی ہوتے۔ ہم کو امتی ہونا ضروری ہے ایسے ہی صحابہ کرام تمام کے امام ہیں۔ ان کا کون مسلمان امام ہوتا؟

نہر سے پانی اس کھیت کو دیا جاوے گا جو دریا سے دو ہو۔ مکمرین کی آواز پر وہ ہی نماز پڑھے گا جو امام سے دو ہو لب دریا کے کھیتوں کو نہر کی ضرورت نہیں۔ صف اول کے مقتدیوں کو مکمرین کی ضرورت نہیں صحابہ کرام صف اول کے مقتدی ہیں۔ وہ بلا واسطہ سینہ پاک مصطفیٰ ﷺ سے فیض لینے والے ہیں۔ ہم چونکہ اس بحر سے دور ہیں لہذا کسی نہر کے حاجمند ہیں۔ پھر سمندر سے ہزار ہا دریا جاری ہوتے ہیں۔ جن سب میں پانی تو سمندر ہی کا ہے مگر ان سب کے نام اور راستے جدا ہیں کوئی گنگا کہلاتا ہے کوئی جمنا ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ رحمت کے سمندر ہیں۔ اس سینہ میں سے جو نہر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے سینہ سے ہوتی ہوئی آئی اسے خفی کہا گیا جو امام مالک کے سینہ سے آئی وہ مذہب مالکی کہلایا۔ پانی سب کا ایک ہے مگر نام جدا گانہ اور ان نہروں کی ہمیں ضرورت پڑی نہ کہ صحابہ کرام کو جیسے حدیث کی اسناد ہمارے لئے ہے صحابہ کرام کے لئے نہیں۔

سوال (۲): رہبری کے لئے قرآن و حدیث کافی ہیں۔ ان میں کیا نہیں جو کہ فقہ سے حاصل کریں قرآن فرماتا ہے کہ:

وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ.

اور نہ ہے کوئی تر اور خشک چیز جو ایک روشن کتاب میں تھی نہ ہو اور بیشک ہم نے قرآن یاد کرنے کے لئے آسان فرما دیا تو ہے کوئی یاد کرنے والا۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ قرآن میں سب ہے اور قرآن سب کے لئے آسان بھی ہے پھر کس لئے مجتہد کے پاس جاویں؟

جواب: قرآن و حدیث بیشک رہبری کے لئے کافی ہیں۔ اور ان میں سب کچھ ہے۔ مگر ان سے مسائل نکالنے کی قابلیت ہونی چاہئے۔ سمندر میں موتی ہی۔ مگر ان کو نکالنے کے لئے غوطہ خور کی ضرورت ہے۔ ائمہ دین اس سمندر کے غوطہ زن ہیں۔ طب کی کتابوں میں سب کچھ لکھا ہے۔ مگر ہم کو حکیم کے پاس جانا اور اس سے نسخہ تجویز کرانا ضروری ہے۔ ائمہ دین طب ہیں وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ میں فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لئے آسان کیا ہے۔ نہ کہ اس سے مسائل استنباط کرنے کے لئے۔ اگر مسائل نکالنا آسان ہیں تو پھر حدیث کی بھی کیا ضرورت ہے۔ قرآن میں سب کچھ ہے اور قرآن آسان ہے نیز پھر قرآن سکھانے کے لئے نبی کیوں آئے؟ قرآن میں ہے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

اور وہ نبی ان کو کتاب اللہ اور حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں۔ قرآن وحدیث روحانی دوائیں ہیں، امام روحانی طیب۔

سوال (۳):

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار مت مان کسی کا قول و قرار
دین حق راچار مذہب سا ختمہ فتنہ در دین نبی اندا ختمہ!

جواب:

یہ شعر اصل میں چکڑالویوں کا ہے:

ہوتے ہوئے کبریا کی گفتار مت مان نبی کا قول و قرار
دوسرا شعر بھی اس طرح ہے۔

مسجد دوخشت علیحدہ سا ختمہ فتنہ در دین نبی اندا ختمہ
چار مذہب کا جواب ہم نے اپنے دیوان میں دو شعروں میں اس طرح دیا ہے:

چار رسل فرشتے چار چار کتب ہیں دین چار سلسلے دونوں چار چار لطف عجب ہے چار میں
آتش و آب و خاک و باد سب کا انہی سے ہے چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں

ثبات

چار کا عدد تو خدا کو بڑا ہی پیارا ہے۔ کتابیں بھی چار بھیجیں۔ اور دین بھی چار ہی بتائے انسان کا خمیر بھی چار ہی چیزوں سے کیا وغیرہ وغیرہ۔ جب مقصود کے چاروں راستے گھر گئے تو پھر وہاں پہنچنا ناممکن کیونکہ راستے چار ہی ہو سکتے ہیں۔ خانہ کعبہ کے ارگرد چار طرف نماز ہوتی ہے۔ مگر رخ سب کا کعبہ کو ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو کعبہ ایمان ہیں۔ چاروں مذہبوں نے چاروں راستے گھیر لئے۔ وہابی کس راستے سے وہاں پہنچیں گے؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

مذہب چار چوں چہار راہ اند بہر منت جو جاہ پیاکی
خود یکے بنی از چہار طرف کعبہ راچوں تو سجدہ بنمائی

جس طرح قرآن کے ہوتے ہوئے حدیث کی ضرورت ہے اسی طرح حدیث کے ہوتے ہوئے فقہ کی ضرورت ہے۔ فقہ قرآن وحدیث کی تفسیر ہے اور جو حکم کہ ہم کو نہ حدیث میں ملے نہ قرآن میں اس کو فقہ ہی بیان فرماتا ہے۔

آخر میں میں منکرین قیاس سے دریافت کرتا ہوں کہ جن چیزوں کی تصریح قرآن وحدیث میں نہ ملے یا بظاہر احادیث میں تعارض واقع ہو وہاں کیا کرو گے؟ مثلاً ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا کیسی ہے؟ اسی طرح اگر جمعہ کی نماز میں رکعت اول میں جماعت تھی۔ رکعت دوم میں جماعت پیچھے سے بھاگ گئی اب ظہر پڑھیں یا جمعہ؟ اسی طرح دیگر مسائل قیاسیہ میں کیا جواب ہوگا؟ اس لئے بہتر ہے کہ کسی امام کا دامن پکڑ لو۔ اللہ عزوجل توفیق دے۔

بحث علم غیب

اس میں ایک مقدمہ ہے اور دو باب اور ایک خاتمہ بمنہ و کرہ

مقدمہ

اس میں چند فصلیں ہیں

پہلی فصل

غیب کی تعریف اور اس کی اقسام کے بیان میں

غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے۔ جس کو انسان نہ تو آنکھ ناک کان وغیرہ حواس سے محسوس کر سکے اور نہ بلا دلیل بدائع عقل میں آسکے لہذا پنجاب والے کے لئے بمبئی نہیں۔ کیونکہ وہ یا تو آنکھ سے دیکھ آیا ہے یا سن کر کہہ رہا ہے کہ بمبئی ایک شہر ہے۔ یہ حواس سے علم ہوا۔ اسی طرح کھانوں کی لذتیں اور ان کی خوشبو وغیرہ غیب نہیں کیونکہ یہ چیزیں اگرچہ آنکھ سے چھپی ہیں۔ مگر دوسرے حواس سے معلوم ہیں جن اور ملائکہ اور جنت و دوزخ ہمارے لئے اس وقت غیب نہیں ہیں۔ کیونکہ نہ انکو حواس سے معلوم کر سکتے ہیں اور نہ بلا دلیل عقل سے۔ غیب دو طرح کا ہے ایک وہ جس پر کوئی دلیل قائم ہو سکے۔ یعنی دلائل سے معلوم ہو سکے دوسرا وہ جس کو دلیل سے بھی معلوم نہ کر سکیں پہلے غیب کی مثال جیسے جنت دوزخ اور خدائے پاک کی ذات و صفات کہ عالم کی چیزیں اور قرآن کی آیات دیکھ کر ان کا پتہ چلتا ہے۔ دوسرے غیب کی مثال جیسے قیامت کا علم کہ کب ہوگی۔ انسان کب مرے گا اور عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی، بد بخت ہے یا نیک بخت کہ ان کو دلائل سے بھی معلوم نہیں کر سکتے۔ اسی دوسرے غیب کو مفاتیح الغیب کہا جاتا ہے اور اس کو پروردگار عالم فرمایا **فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ** تفسیر بیضاوی **يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ** کے ماتحت ہے۔

وَالْمُرَادُ بِهِ الْخَفِيُّ الَّذِي لَا يُدْرِكُهُ الْحَسَنُ وَلَا تَقْتَصِينِيهِ بَدَاهَةُ الْعَقْلِ

”غیب سے مراد وہ چھپی ہوئی چیز ہے جسکو حواس نہ پاسکیں اور نہ بدائت اس کو عقل چاہے۔“
تفسیر کبیر سورہ بقرہ کے شروع میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُ جَمْهُورِ الْمُفَسِّرِينَ أَنَّ الْغَيْبَ هُوَ الَّذِي يَكُونُ غَائِبًا عَنِ الْحَاسَّةِ ثُمَّ هَذَا يَنْقَسِمُ إِلَى مَا عَلَيْهِ دَلِيلٌ وَإِلَى مَا لَا دَلِيلَ عَلَيْهِ

عام مفسرین کا یہ قول ہے کہ غیب وہ ہے جو حواس سے چھپا ہوا ہو۔ پھر غیب کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تو وہ جس پر دلیل ہے دوسرے وہ جس پر کوئی دلیل نہیں۔

تفسیر روح البیان میں شروع سورہ بقرہ **يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ** کے ماتحت ہے۔

وَهُوَ مَا غَابَ عَنِ الْحَسِّ وَالْعَقْلِ غَيْبَةً كَامِلَةً بَحِيْثٌ لَا يُدْرِكُ بِوَاحِدٍ مِنْهَا ابْتِدَاءً بِطَرِيقِ الْبَدَاهَةِ وَهُوَ قِسْمَانِ قِسْمٌ لَا دَلِيلَ عَلَيْهِ وَهُوَ الَّذِي أُرِيدَ بِقَوْلِهِ عِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ وَقِسْمٌ نُصِبَ عَلَيْهِ دَلِيلٌ كَمَا الصَّانِعُ وَصِفَاتِهِ وَهُوَ الْمُرَادُ

”غیب وہ ہے جو حواس اور عقل سے پورا پورا چھپا ہوا ہو اس طرح کہ کسی ذریعہ سے بھی ابتداء کھلم کھلا معلوم نہ ہو سکے۔ غیب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قسم جس پر کوئی دلیل نہ ہو وہ ہی اس آیت سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ دوسری قسم وہ جس پر دلیل قائم ہو جیسے اللہ تعالیٰ اور انکی صفات وہ ہی اس جگہ مراد ہے۔“

فائدہ رنگ آنکھ سے دیکھا جاتا ہے۔ بوناک سے سونگھی جاتی ہے اور لذت زبان سے اور آواز کان سے محسوس ہوتی ہے۔ تو رنگت زبان و کان کے لئے غیب ہے اور بو آنکھ کے لئے غیب اگر کوئی اللہ کا بندہ ہو اور لذت کو ان کی شکلوں میں آنکھ سے دیکھ لے وہ بھی علم غیب اضافی ہے جیسے اعمال قیامت میں مختلف شکلوں میں نظر آئیں گے۔ اگر کوئی ان شکلوں کو یہاں دیکھ لے تو یہ بھی علم غیب ہے۔ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَمَا مِنْهَا شُهُورًا وَذُهُورًا تَمُرُّ وَتَنْقُضِي إِلَّا آتَالِي

”کوئی مہینہ اور کوئی زمانہ عالم میں نہیں گزرتا مگر وہ ہمارے پاس ہو کر اجازت لے کر گزرتا ہے۔“

اسی طرح جو چیز فی الحال موجود نہ ہونے یا بہت دور ہونے یا اندھیرے میں ہونے کی وجہ سے نظر نہ آسکے وہ بھی غیب ہے اور اس کا جاننا علم غیب۔

جیسے حضور علیہ السلام نے آئندہ پیدا ہونے والی چیزوں کو ملاحظہ فرمایا یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہاد میں حضرت ساریہ کو مدینہ پاک سے دیکھ لیا اور ان تک اپنی آواز پہنچادی۔ اسی طرح کوئی پنجاب میں بیٹھ کر مکہ معظمہ یا دیگر دور دراز ملکوں کو مثل کف دست کے دیکھے یہ سب غیب ہی میں داخل ہیں۔

بذرِ یعدا لات کے جو چھپی ہوئی چیز معلوم کی جاوے وہ علم غیب نہیں۔ مثلاً کسی آلہ ذریعہ سے عورت کے پیٹ کا بچہ کا معلوم کرتے ہیں۔ یا کہ ٹیلیفون اور ریڈیو سے دور کی آوازن لیتے ہیں۔ اس کو علم غیب نہ کہیں گے۔ کیونکہ غیب کی تعریف میں عرض کر دیا گیا کہ جو حواس معلوم نہ ہو سکے۔ اور ٹیلیفون یا ریڈیو میں سے جو آواز نکلی۔ وہ آواز حواس سے معلوم ہونے کے قابل ہے آلہ سے جو پیٹ کے بچہ کا حال معلوم ہوا۔ یہ بھی غیب کا علم نہ ہوا۔ جبکہ آلہ نے اس کو ظاہر کر دیا تو اب غیب کہاں رہا۔

خلاصہ یہ کہ اگر کوئی آلہ چھپی ہوئی چیز کو ظاہر کر دے۔ پھر ظاہر ہو چکنے کے بعد ہم اس کو معلوم کر لیں تو علم غیب نہیں۔

دوسری فصل ضروری فوائد کے بیان میں

علم غیب کے مسئلہ میں گفتگو کرنے سے پہلے چند باتیں خوب خیال رکھی جاویں تو بہت فائدہ ہوگا اور بہت سے اعتراضات خود بخود ہی دفع ہو جائیں گے۔

۱۔ نفس علم کسی چیز کا بھی ہو برائیں۔ ہاں بری باتوں کا کرنا کرنے کے لئے سیکھنا برا ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بعض علم دوسرے علموں سے زیادہ افضل ہوں۔ جیسے علم عقائد۔ علم شریعت۔ علم تصوف دوسرے علموں سے افضل ہیں مگر کوئی علم فی نفسہ برا نہیں جیسے بعض آیات قرآنیہ بعض سے زیادہ ثواب

رکھتی **قُلْ هُوَ اللَّهُ** میں تہائی قرآن کا ثواب ہے مگر **تَبَّتْ يَدَا** میں یہ ثواب نہیں (دیکھو روح البیان زیر آیت) **وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ**

لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا لیکن کوئی آیت بری نہیں۔ اس لئے کہ اگر کوئی علم برا ہوتا تو خدا کو بھی وہ حاصل نہ ہوتا کہ خدا ہر برائی سے پاک ہے نیز فرشتوں کو خدا کی ذات و صفات کا علم تو تھا۔ مگر حضرت آدم علیہ السلام کو عالم کی ساری اچھی بری چیزوں کا علم دیا۔ اور وہ ہی علم ان کی افضلیت کا ثبوت ہوا۔ اس علم کی وجہ سے وہ ملائکہ کے استاد قرار پائے اگر بری چیزوں کا علم برا ہوتا تو حضرت آدم علیہ السلام کو علم دے کر استاد نہ بنایا جاتا۔ نیز دنیا میں سب سے بدتر چیز ہے کفر و شرک۔ مگر فقہا فرماتے ہیں کہ علم حسد بغض اور الفاظ کفریہ شریک کا جاننا فرض ہے تاکہ اس سے بچے۔ اسی طرح جادو سیکھنا فرض ہے دفع جادو کے لئے شامی کے مقدمہ میں ہے۔

وَعِلْمُ الرِّيَاءِ وَعِلْمُ الْحَسَدِ وَالْعَجَبِ وَعِلْمُ الْأَلْفَاظِ الْمُحَرَّمَةِ وَالْمُكَفَّرَةِ وَلَعَمْرِي هَذَا مِنْ أَهَمِّ الْمَهْمَاتِ (ملخصاً)

”یعنی علم ریا اور حسد و حرام اور کفریہ کلموں کا سیکھنا فرض ہے اور واللہ یہ بہت ہی ضروری ہے۔“

اسی مقدمہ شامی بحث علم نجوم و رمل میں فرماتے ہیں۔ **وَفِي ذَخِيرَةِ النَّظَرِ تَعَلُّمُهُ فَرَضٌ لِرَدِّ سَاحِرِ أَهْلِ الْحَرْبِ**

”ذخیرہ ناظرہ میں لکھا ہے کہ جادو سیکھنا فرض ہے اہل حرب کے جادو کو دفع کرنے کے لئے۔“

احیاء العلوم جلد اول باب اول فصل سوم برے علوم کے بیان میں ہے علم کی برائی خود علم ہونے کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ بندوں کے حق میں تین وجہوں سے ہے الخ۔ اس بیان سے بخوبی واضح ہوا کہ نفس علم کسی شے کا برا نہیں۔ اب منکرین کا وہ سوال اٹھ گیا کہ حضور علیہ السلام کو بری چیزوں، چوری، زنا، جادو، اشعار کا علم نہیں تھا۔ کیونکہ ان کا جاننا عیب ہے۔ بتاؤ خدا کو بھی ان کا علم ہے یا نہیں؟ اسی لئے انہوں نے شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ مانا یہ تو ایسا ہوا، جیسے مجوسی کہتے ہیں کہ خدائے پاک بری چیزوں کا خالق نہیں ہے کیونکہ بری چیزوں کا پیدا کرنا بھی برا ہے۔ نعوذ باللہ۔ اگر علم جادو برا ہے تو اس کی تعلیم کے لئے رب کی طرف سے دو فرشتے ہاروت و ماروت کیوں زمین پر اترے؟ موسیٰ علیہ السلام کے جادو گروں نے جادو کے علم کے ذریعہ سے موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت پہچانی اور آپ پر ایمان لائے۔ دیکھو علم جادو ایمان کا ذریعہ بن گیا۔

۲۔ سارے انبیاء اور ساری مخلوق کے علوم حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ اس کو مولوی محمد قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس میں مانا ہے۔ جس کے سارے حوالے آتے ہیں تو جس چیز کا علم کسی مخلوق کو بھی ہے وہ حضور علیہ السلام کو ضرور ہے بلکہ سب کو جو علم ملا وہ حضور علیہ السلام ہی کی تقسیم سے ملا۔ جو علم شاگرد استاد سے لے ضروری ہے کہ استاد بھی اس کا جاننے والا ہو۔ انبیاء میں حضرت آدم علیہ السلام بھی ہیں۔ اس لئے ہم حضرت آدم و حضرت خلیل اللہ علیہما السلام کے علم سے بھی بحث کریں گے۔

۳۔ قرآن اور لوح محفوظ میں سارے واقعات کل ماکان و مایکون میں ہیں اور اس پر ملائکہ اور بعض اولیاء و انبیاء کی نظریں ہیں اور ہر وقت وہ حضور علیہ السلام کے پیش نظر ہے۔ اس کے حوالہ بھی آتے ہیں۔ اس لئے ہم لوح محفوظ اور قرآنی علوم کا بھی ذکر کر دیں گے۔ اسی طرح کاتب تقدیر و فرشتہ

کے علوم کا بھی ذکر کر دیں گے۔
یہ تمام بحثیں علم مصطفیٰ علیہ السلام کے ثابت کرنے کو ہوں گی۔

تیسری فصل

علم غیب کے متعلق عقیدہ اور علم غیب کے مراتب کے بیان میں

علم غیب کی تین صورتیں ہیں اور ان کے علیحدہ علیحدہ احکام ہیں (از خالص الاعتقاد صفحہ ۵)

۱۔ اللہ عز وجل عالم بالذات ہے۔ اس کے بغیر بتائے کوئی ایک حرف بھی نہیں جان سکتا۔

۲۔ حضور علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام کو رب تعالیٰ نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا۔

۳۔ حضور علیہ السلام کا علم ساری خلقت سے زیادہ ہے۔ حضرت آدم و خلیل علیہما السلام اور ملک الموت و شیطان بھی خلقت ہیں۔ یہ تین باتیں ضروریات دین میں سے ہیں ان کا انکار کفر ہے۔

(۱) **قسم دوم** اولیائے کرام کو بھی بالواسطہ انبیائے کرام کچھ علوم غیب ملتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی پانچ غیو میں سے بہت جزئیات کا علم دیا۔ جو اس قسم دوم کا منکر ہے وہ گمراہ اور بد مذہب ہے کہ صداہا احادیث کا انکار کرتا ہے۔

(۱) **قسم سوم** حضور علیہ السلام کو قیامت کا بھی علم ملا کہ کب ہوگی۔

۲۔ تمام گزشتہ اور آئندہ واقعات جو لوح محفوظ میں ہیں ان کا بلکہ ان سے بھی زیادہ کا علم دیا گیا۔

۳۔ حضور علیہ السلام کو حقیقت روح اور قرآن کے سارے تشابہات کا علم دیا گیا۔

چوتھی فصل جب علم غیب کا منکر اپنے دعوے پر دلائل قائم کرے تو چار باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ (از احوال الغیب صفحہ ۴)

۱۔ وہ آیت قطعی الدلالت ہو جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں اور حدیث ہو تو متواتر ہو۔

۲۔ اس آیت یا حدیث سے علم کے عطا کی نفی ہو کہ ہم نے نہیں دیا۔ یا حضور علیہ السلام فرمادیں مجھ کو یہ علم نہیں دیا گیا۔

۳۔ صرف کسی بات کا ظاہر نہ فرمانا کافی نہیں ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم تو ہو مگر کسی مصلحت سے ظاہر نہ کیا ہو اسی طرح حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ خدا ہی جانے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یا مجھے کیا معلوم وغیرہ کافی نہیں کہ یہ کلمات کبھی علم ذاتی کی نفی اور مخاطب کو خاموش کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔

۴۔ جس کے لئے علم کی نفی کی گئی ہو وہ واقعہ ہو اور اور قیامت تک کا ہو ورنہ کل صفات الہیہ اور بعد قیامت کے تمام واقعات کے علم کا ہم بھی دعوے نہیں کرتے یہ چار فصلیں خوب خیال میں رکھی جائیں۔

پہلا باب

علم غیب کے ثبوت کے بیان میں

اس میں چھ فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں آیات قرآنیہ سے ثبوت۔ دوسری میں احادیث سے ثبوت تیسری میں احادیث کے شارحین کے۔ چوتھی میں علمائے امت اور فقہاء کے اقوال۔ پانچویں میں خود منکرین کی کتابوں سے ثبوت۔ چھٹی میں عقلی دلائل اولیاء اللہ کے علم غیب کا بیان۔ پہلی فصل آیات قرآنیہ میں۔

(۱) **وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ** (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت ۳۱)

”اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کیں۔“

تفسیر مدارک میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَمَعْنَى تَعْلِيمِهِ أَسْمَاءَ الْمُسَمَّيَاتِ أَنَّهُ تَعَالَى أَرَاهُ الْأَجْنَاسَ الَّتِي خَلَقَهَا وَعَلَّمَهُ أَنَّ هَذَا إِسْمُهُ فَرَسٌ

وَهَذَا إِسْمُهُ بَعِيرٌ وَهَذَا إِسْمُهُ كَذَا وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلَّمَهُ إِسْمَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى الْقَصْعَةَ الْغُرْفَةَ

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتانے کے معنی یہ ہیں کہ رب تعالیٰ نے انکو وہ تمام جنسیں دکھا دیں جس کو پیدا کیا ہے اور انکو بتا دیا کہ اس کا نام گھوڑا اور اس کا نام اونٹ اور اس کا نام فلاں ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ان کو ہر چیز کے نام سکھا دیئے۔ یہاں تک کہ پیالی اور چلو کے بھی۔

تفسیر خازن میں اسی آیت میں یہ ہی مضمون بیان فرمایا اتنا اور بھی زیادہ فرمایا۔

وَقِيلَ عَلَّمَ آدَمَ أَسْمَاءَ الْمَلَائِكَةِ وَقِيلَ أَسْمَاءَ ذُرِّيَّتِهِ وَقِيلَ عَلَّمَهُ اللُّغَاتِ كُلَّهَا

”کہا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں کے نام سکھادیئے اور کہا گیا کہ ان کی اولاد کے نام اور کہا گیا کہ ان کو تمام زبانیں سکھادیں۔“
تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُهُ أَى عَلَّمَهُ صِفَاتِ الْأَشْيَاءِ وَنَعْوَتَهَا وَهُوَ الْمَشْهُورُ أَنَّ الْمُرَادَ أَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ خَلْقٍ مِنْ أَجْنَاسِ الْمُحَدَّثَاتِ مِنْ جَمِيعِ اللُّغَاتِ الْمُخْتَلِفَةِ الَّتِي يَتَكَلَّمُ بِهَا وَلَدَ آدَمَ الْيَوْمَ مِنَ الْعَرَبِيَّةِ وَالْفَارِسِيَّةِ وَالزُّومِيَّةِ وَغَيْرِهَا

آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اوصاف اور ان کے حالات سکھادیئے اور یہ ہی مشہور ہے کہ مراد مخلوق میں سے ہر حادث کی جنس کے سارے نام ہیں جو مختلف زبانوں میں ہونگے۔ جنکو اولاد آدم آج تک بول رہی ہے عربی۔ فارسی۔ رومی وغیرہ۔
تفسیر ابوالسعود میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَقِيلَ أَسْمَاءَ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ وَقِيلَ أَسْمَاءَ خَلْقِهِ مِنَ الْمَعْقُولَاتِ وَالْمَحْسُوسَاتِ وَالْمُتَخَيَّلَاتِ وَالْمَوْهُومَاتِ وَالْهَمَمَةِ مَعْرِفَةِ ذَوَاتِ الْأَشْيَاءِ وَأَسْمَاءَ هَا وَخَوَاصِهَا وَمَعَارِفِهَا أَصُولَ الْعِلْمِ وَقَوَائِنِ الصَّنَاعَاتِ وَتَفَاصِيلِ الْأَنْتَاهَا وَكَيْفِيَّةِ اسْتِعْمَالِهَا

”کہا گیا کہ حضرت آدم کو گزشتہ اور آئندہ چیزوں کے نام بتادیئے اور کہا گیا ہے کہ اپنی ساری مخلوق کے نام بتادیئے عقلی، حسی، خیالی، وہمی چیزیں بتادیں ان چیزوں کی ذات، ان کے نام ان کے خاصے ان کی پہچان، علم کے قواعد، ہنروں کے قانون، ان کے اوزاروں کی تفصیل اور انکے استعمال کے طریقے کا علم حضرت آدم کو الہام فرمایا۔“
تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَعَلَّمَهُ أَحْوَالَهَا وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهَا مِنَ الْمَنَافِعِ الدِّينِيَّةِ وَالْدُّنْيَوِيَّةِ وَعَلَّمَ أَسْمَاءَ الْمَلَائِكَةِ وَأَسْمَاءَ ذُرِّيَّتِهِ وَأَسْمَاءَ الْحَيَوَانَاتِ وَالْحَمَازَاتِ وَصَنَعَةَ كُلِّ شَيْءٍ وَأَسْمَاءَ الْمُدُنِ وَالْقُرَى وَأَسْمَاءَ الطَّيْرِ وَالشَّجَرِ وَمَا يَكُونُ وَأَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ يَخْلُقُهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَأَسْمَاءَ الْمَطْعُومَاتِ وَالْمَشْرُوبَاتِ وَكُلِّ نَعِيمٍ فِي الْجَنَّةِ وَأَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ وَفِي الْخَبَرِ عَلَّمَهُ سَبْعَ مِائَةِ أَلْفِ لُغَاتٍ

”اور حضرت آدم کو چیزوں کے حالات سکھاتے اور جو کچھ ان میں دینی و دنیاوی نفع ہیں وہ بتائے اور انکو فرشتوں کے نام انکی اولاد اور حیوانات اور جمادات کے نام بتائے اور ہر چیز کا بنانا بتایا تمام شہروں اور گاؤں کے نام پرندوں اور درختوں کے نام جو ہو چکا یا جو کچھ بھی ہوگا ان کے نام اور جو قیامت تک پیدا فرمایا ان کے نام اور کھانے پینے کی چیزوں کے نام جنت کی ہر نعمت غرضیکہ ہر چیز کے نام بتادیئے حدیث میں ہے کہ حضرت آدم کو سات لاکھ زبانیں سکھائی گئیں۔“

ان تفسیروں سے اتنا معلوم ہوا کہ ان اور مایکون کے سارے علوم حضرت آدم علیہ السلام کو دیئے گئے زبانیں چیزوں کے نفع و ضرر بنانے کے طریقے۔ آلات کا استعمال سب دکھادیئے۔ لیکن اب میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم تو دیکھو۔ حق یہ ہے کہ یہ علم آدم میرے آقا کے علم کے دریا کا ایک قطرہ یا میدان کا ایک ذرہ ہیں۔ شیخ ابن عربی فتوحات مکیہ باب دہم میں فرماتے ہیں۔

أَوَّلُ نَائِبٍ كَانَ لَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَلِيفَتُهُ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

”حضور علیہ السلام کے پہلے خلیفہ اور نائب آدم علیہ السلام ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے خلیفہ ہیں۔ خلیفہ اس کو کہتے ہیں جو اصل کی غیر موجودگی میں اس کی جگہ کام کرے۔ حضور علیہ السلام کی پیدائش پاک سے قبل سارے انبیاء حضور علیہ السلام کے نائب تھے یہ مولوی قاسم صاحب نے بھی تذکیر الناس میں لکھا ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کریں گے خلیفہ کے علم کا یہ حال ہے۔ نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض میں ہے۔

إِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَرِضَتْ عَلَيْهِ الْخَلَائِقُ مِنْ لَدُنْ آدَمَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ فَعَرَفَهُمْ كُلَّهُمْ كَمَا عَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا

”حضور علیہ السلام پر ساری مخلوقات از حضرت آدم تا روز قیامت پیش کی گئیں پس ان سب کو پہچان لیا جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سب نام

”سکھائے۔“

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام سب کو جانتے پہچانتے ہیں۔

(۲) وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت ۱۴۳) ”اور یہ رسول تمہارے گمبھان و گواہ ہوں۔“
تفسیر عزیزی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

رسول علیہ السلام مطلع است بنور نبوت بردین ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست و حجابے کہ بداں از ترقی محبوب ماندہ است کدام است پس اوسے شناسد گناہان شمارا و درجات ایمان شمارا و اعمال بدو نیک شمارا و اخلاق و نفاق شمارا لہذا شہادت او در دنیا بحکم شرع در حق امت مقبول واجب العمل است۔

”حضور علیہ السلام اپنے بنور نبوت کی وجہ سے ہر دیندار کے دین کو جانتے ہیں کہ دین کے کس درجہ تک پہنچا ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے۔ اور کون سا حجاب اس کی ترقی سے مانع ہے پس حضور علیہ السلام تمہارے گناہوں کو اور تمہارے ایمانی درجات کو اور تمہارے نیک و بد اعمال اور تمہارے اخلاص اور نفاق کو پہچانتے ہیں لہذا ان کی گواہی دنیا میں بحکم شرع امت کے حق میں قبول اور واجب العمل ہے۔“
تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

هَذَا مَبْنِيٌّ عَلَى تَصْنِيمِ الشَّهِيدِ مَعْنَى الرَّقِيبِ وَالْمُطَّلَعِ وَالْوَجْهَ فِي إِعْتِبَارِ تَصْنِيمِ الشَّهِيدِ أَلَا شَارَةً إِلَى أَنَّ التَّعْدِيلَ وَالتَّذْكِيَةَ إِنَّمَا يَكُونُ عَنْ خُبْرَةٍ وَمُرَاقَبَةٍ بِحَالِ الشَّاهِدِ. وَمَعْنَى شَهَادَةِ الرَّسُولِ عَلَيْهِمْ أَطْلَاعُهُ رُتْبَةً كُلِّ مُتَدِينٍ بِدِينِهِ فَهُوَ يَعْرِفُ دُنُوَّ بِهِمْ وَحَقِيقَةَ إِيْمَانِهِمْ وَأَعْمَالِهِمْ وَحَسَنَاتِهِمْ وَسَيِّئَاتِهِمْ وَإِخْلَاصِهِمْ وَنِفَاقِهِمْ وَغَيْرِ ذَلِكَ بِنُورِ الْحَقِّ وَأُمْتُهُ يَعْرِفُونَ ذَلِكَ مِنْ سَائِرِ الْأُمَمِ بِنُورِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

”یہ اس بنا پر ہے کہ کلمہ شہید میں محافظ اور خبردار کے معنے بھی شامل ہیں اور اس معنی کے شامل کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کسی کو عادل کہنا اور صفائی کی گواہی دینا گواہ کے حالات پر مطلع ہونے سے ہو سکتا ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی مسلمانوں پر گواہی دینے کے معنے یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام ہر دیندار کے دینی مرتبہ کو پہچانتے ہیں پس حضور علیہ السلام مسلمانوں کے گناہوں کو انکے ایمان کی حقیقت کو ان کے اچھے برے اعمال کو ان کے اخلاص اور نفاق وغیرہ کو نور حق سے پہچانتے ہیں اور حضور علیہ السلام کی امت بھی قیامت میں ساری امتوں کے یہ حالات جانے کی مگر حضور علیہ السلام کے نور سے۔“

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

ثُمَّ يُؤْنَى بِمُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَسْأَلُهُ عَنْ أُمَّتِهِ فَيُزَكِّيهِمْ وَيَشْهَدُ بِصِدْقِهِمْ

”پھر قیامت میں حضور علیہ السلام کو بلایا جاویگا پس رب تعالیٰ حضور علیہ السلام سے آپ کی امت کے حالات پوچھے تو آپ انکی صفائی کی گواہی دیں گے اور انکی سچائی کی گواہی دیں گے۔“

تفسیر مدارک پارہ ۲ سورہ بقرہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَيَقُولُ بِمُحَمَّدٍ فَيَسْأَلُ عَنْ حَالِ أُمَّتِهِ فَيُزَكِّيهِمْ وَيَشْهَدُ بِعَدَالَتِهِمْ وَيَعْلَمُ بِعَدَالَتِهِمْ

”پھر حضور علیہ السلام کو بلایا جاویگا اور آپکی امت کے حال پوچھے جائیں گے پس آپ اپنی امت کی صفائی بیان کریں گے اور انکے عادل ہونے کی گواہی دیں گے لہذا حضور علیہ السلام تمہاری عدالت کو جانتے ہیں۔“

اس آیت اور ان تفاسیر میں یہ فرمایا گیا کہ قیامت کے دن دوسرے انبیائے کرام کی امتیں بارگاہ الہی میں عرض کریں گی کہ ہمارے پاس تیرا کوئی پیغمبر نہ پہنچا۔ ان امتوں کے نبی عرض کریں گے کہ خدایا ہم ان میں گئے، تیرے احکام پہنچائے مگر ان لوگوں نے قبول نہ کئے۔ رب تعالیٰ کا انبیاء کو حکم ہوگا کہ چونکہ تم مدعی ہو اپنا کوئی گواہ لاؤ۔ وہ اپنی گواہی کے لئے امت مصطفیٰ علیہ السلام کو پیش فرمائیں گے مسلمان گواہی دیں گے کہ خدایا تیرے پیغمبر سچے ہیں، انہوں نے تیرے احکام پہنچائے تھے۔

اب دو باتیں تحقیق کے لائق ہیں۔ اول یہ کہ مسلمان گواہی کے قابل ہیں یا نہیں (فاسق و فاجر اور کافر کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ مسلمان پر بیہوشی کی گواہی قبول ہوتی ہے) دوسرے یہ کہ ان لوگوں نے اپنے سے پہلے پیغمبروں کا زمانہ دیکھا نہ تھا۔ پھر گواہی کس طرح دے رہے ہیں مسلمان عرض کریں گے کہ خدایا ہم سے تیرے محبوب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ پہلے پیغمبروں نے تبلیغ کی تھی اس کو سن کر ہم گواہی دے رہے ہیں تب حضور علیہ السلام کو بلایا جاویگا اور

حضور علیہ السلام دو باتوں کی گواہی دیں گے ایک یہ کہ لوگ فاسق یا کافر نہیں تاکہ ان کی گواہی قبول نہ ہو۔ بلکہ مسلمان اور پرہیزگار ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہاں ہم نے ان سے کہا تھا کہ پہلے نبیوں نے اپنی قوم تک احکام الہیہ پہنچائے تب ان پیغمبروں کے حق میں ڈگری ہوگی۔

اس واقعہ سے چند باتیں حاصل ہوئیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ السلام قیامت تک کے مسلمان کے ایمان اعمال روزہ، نماز و نیت سے بالکل خبردار ہیں ورنہ پہلی یعنی صفائی کہ گواہی کیسی ممکن نہیں کہ ایک مسلمان کا بھی کوئی حال آپ سے چھپا رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی آنے والی نسل کا حال معلوم فرمایا کہ خدایا ان کی اولاد بھی اگر ہوئی تو کافر ہوگی **وَلَا يَلِدُ وَاللَّا فَاجِرًا كَفَّارًا** لہذا تو ان کو غرق کر دے حضرت خضر علیہ السلام نے جس بچہ کو قتل فرمایا اس کا آئندہ حال معلوم کر لیا تھا کہ آئندہ اگر زندہ رہا تو سرکش ہوگا تو سید الانبیاء علیہ السلام پر کسی کا حال کیونکر چھپ سکتا ہے دوسرے یہ کہ گزشتہ پیغمبروں اور ان کی امتوں کے حالات حضور علیہ السلام نے بنور نبوت دیکھے تھے اور آپ کی گواہی دیکھی ہوئی تھی اگر سنی ہوئی ہوتی تو ایسی گواہی تو اس سے پہلے مسلمان بھی دے چکے تھے سنی گواہی کی انتہا دیکھی گواہی پر ہوتی ہے تیسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ تو جانتا ہے کہ سچے نبی ہیں مگر پھر بھی گواہیاں لے کر فیصلہ فرماتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام مقدمات میں تحقیق فرمادیں اور گواہیاں وغیرہ لیں تو اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ حضور علیہ السلام کو خبر نہ ہو۔ بلکہ مقدمات کا قاعدہ یہ ہی ہوتا ہے اور زیادہ تحقیق اس کی دیکھا ہو تو ہماری کتاب شان حبیب الرحمان من آیات القرآن میں دیکھ اس گواہی کا ذکر آئندہ آیت میں بھی ہے۔

(۳) وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا (پارہ ۵ سورہ النساء آیت ۴۱)

”اور اے محبوب تم کو ان سب پر نگہبان بنا کر ہم لا دیں گے۔“

تفسیر نیشاپوری میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

لَإِنَّ رُوحَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ شَهِدٌ عَلَىٰ جَمِيعِ الْأَرْوَاحِ وَالْقُلُوبِ وَالنَّفُوسِ بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ تَوْرِي
”اس لئے حضور علیہ السلام کی روح مبارک تمام روحوں اور دلوں اور نفسوں کے دیکھنے والی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے جو پہلے پیدا فرمایا وہ میرا نور ہے۔“

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَأَعْلَمَ أَنَّهُ يُعَرِّضُ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَعْمَالُ أُمَّتِهِ غَدَوَةٌ وَعَشِيَّةٌ فَيَعْرِفُهُمْ أَعْمَالُهُمْ فَلِذَلِكَ يَشْهَدُ عَلَيْهِمْ
”حضور علیہ السلام پر آپ کی امت کے اعمال صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں لہذا آپ امت کو انکی علامات سے جانتے ہیں اور انکے اعمال کو بھی اس لئے آپ ان پر گواہی دیں گے۔“

أَيُّ شَهِيدًا عَلَىٰ مَنْ آمَنَ بِالْإِيمَانِ وَعَلَىٰ مَنْ كَفَرَ بِالْكَفْرِ وَعَلَىٰ مَنْ نَافَقَ بِالنِّفَاقِ

”حضور علیہ السلام گواہ ہیں مومنوں پر انکے ایمان کے کافروں پر ان کے کفر کے منافقوں پر ان کے نفاق کے۔“

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام از اول تا روز قیامت تمام لوگوں کے کفر و ایمان و نفاق و اعمال وغیرہ سب کو جانتے ہیں اسی لئے آپ سب کے گواہ ہیں یہ ہی تو علم غیب ہے۔

(۴) مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ

وہ کون ہے جو اس کے یہاں شفاعت کرے بغیر اسکے حکم کے جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ انکے پیچھے ہے۔

تفسیر نیشاپوری میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْلَمُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ مِنْ أَوَّلِيَّاتِ الْأَمْرِ قَبْلَ الْخَلْقِ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنْ أَحْوَالِ الْقِيَامَةِ
”حضور علیہ السلام مخلوق کے پہلے کے اول معاملات بھی جانتے ہیں اور جو مخلوق کے بعد قیامت کے احوال ہیں وہ بھی جانتے ہیں۔“

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْلَمُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ مِنَ الْأُمُورِ الْأَوَّلِيَّاتِ قَبْلَ الْخَلْقِ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنْ أَحْوَالِ الْقِيَامَةِ وَفَزَعَ الْخَلْقِ وَغَضَبِ الرَّبِّ

”حضور علیہ السلام مخلوق کے پہلے کے حالات جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کے مخلوقات کو پیدا کر کے پہلے کے واقعات اور انکے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں قیامت کے احوال مخلوق کی گھبراہٹ اور رب تعالیٰ کا غضب وغیرہ۔“

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ آیت الکرسی میں **مَنْ ذَا الَّذِي** سے لیکر **إِلَّا بِمَا شَاءَ** تک تین صفات حضور علیہ السلام کے بیان

ہوئے۔ باقی اول و آخر میں صفات الہیہ ہیں۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاس کوئی بغیر اجازت کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا اور جن کو شفاعت کی اجازت ہے وہ حضور علیہ السلام ہیں اور شفیع کے لئے ضروری ہے کہ گنہگاروں کے انجام اور ان کے حالات سے واقف ہوتا کہ نازل کی شفاعت نہ ہو جاوے اور مستحق شفاعت سے محروم نہ رہ جائیں جیسے طبیب کے لئے ضروری ہے کہ قابل علاج اور لا علاج مریضوں کو جانے تو فرمایا گیا **يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ** کہ جس کو ہم نے شفیع بنایا ہے۔ اس کو تمام کا علم بھی دیا ہے کیوں کہ شفاعت کبریٰ کے لئے علم غیب لازمی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام قیامت میں منافقین کو نہ پہچانیں گے۔ یا حضور علیہ السلام کو اپنی بھی خبر نہیں کہ میرا کیا انجام ہوگا محض فلت اور بے دینی ہے جیسا کہ آئندہ آتا ہے **وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ** اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں مگر جتنا وہ چاہے۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَحْتَمِلُ أَنْ تَكُونَ الْهَاءُ كِنَايَةً عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْنِي هُوَ شَاهِدٌ عَلَى أَحْوَالِهِمْ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ مِنْ سَيْرِهِمْ وَمُعَامَلَاتِهِمْ وَقَصَصِهِمْ وَمَا خَلَفَهُمْ مِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ وَأَحْوَالِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا مِمَّنْ مَعْلُومَاتِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ مِنْ مَعْلُومَاتِهِ عِلْمُ الْآلِ وَلِيَاءِ مِنْ عِلْمِ الْأَنْبِيَاءِ بِمَنْزِلَةِ قَطْرَةٍ مِنْ سَبْعَةِ أَبْحَرٍ وَعِلْمُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ عِلْمِ نَبِيِّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ بِهِذِهِ الْمَنْزِلَةِ فَكُلُّ رَسُولٍ وَنَبِيٍّ وَوَلِيٍّ أَخِذُونَ بِقَدْرِ الْقَابِلِيَّةِ وَالِاسْتِعْدَادِ مِمَّا لَدَيْهِ وَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يُعَدِّوهُ أَوْ يَتَقَدَّمَ عَلَيْهِ

احتمال یہ بھی ہے اس ضمیر سے حضور علیہ السلام مراد ہوں یعنی حضور علیہ السلام لوگوں کے حالات کو مشاہدہ فرمانے والے ہیں اور ان کے سامنے کے حالات جانتے ہیں ان کے اخلاق ان کے معاملات اور ان کے قصے وغیرہ اور ان کے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں آخرت کے احوال جنتی و دوزخی لوگوں کے حالات اور وہ لوگ حضور علیہ السلام کے معلومات میں سے کچھ بھی نہیں جانتے مگر اسی قدر جتنا کہ حضور چاہیں اولیاء اللہ کا علم علم انبیاء کے سامنے ایسا ہے جیسے ایک قطرہ سات سمندروں کے سامنے اور انبیاء کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے سامنے اسی درجہ کا ہے اور ہمارے حضور علیہ السلام کا علم رب العظیم کے سامنے اسی درجہ کا۔ پس ہر نبی اور ہر رسول اور ہر ولی اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے موافق حضور سے ہی لیتے ہیں اور کسی کو یہ ممکن نہیں کہ حضور علیہ السلام سے آگے بڑھ جائے۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْنِي أَنْ يَطَّلِعَهُمْ عَلَيْهِ وَهُمْ الْأَنْبِيَاءُ وَالرُّسُلُ وَ لِيَكُونَ مَا يَطَّلِعُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ عِلْمٍ غَيْبٍ دَلِيلًا عَلَى نُبُوَّتِهِمْ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا لَّا مَن ار تَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ

”یعنی خدا تعالیٰ انکو اپنے علم پر اطلاع دیتا ہے اور وہ انبیاء و رسول ہیں تاکہ ان کا علم غیب پر مطلع ہونا انکی نبوت کی دلیل ہو جیسے رب نے فرمایا ہے کہ پس نہیں ظاہر فرماتا اپنے غیب خاص پر کسی کو سوائے اس کے رسول جس سے رب راضی ہے۔“

تفسیر معالم التنزیل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْنِي لَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِ الْغَيْبِ إِلَّا بِمَا شَاءَ مِمَّا أَخْبَرَهُ الرُّسُلُ

”یعنی یہ لوگ علم غیب کو نہیں گھیر سکتے مگر جس قدر کہ خدا چاہے جس کی خبر رسولوں نے دی۔“

اس آیت اور ان تفاسیر سے اتنا معلوم ہوا کہ اس آیت میں یا تو خدا کا علم مراد ہے خدا کا علم کسی کو حاصل نہیں ہاں جس کو رب ہی دینا چاہے تو اس کو علم غیب حاصل ہوتا ہے اور رب تو انبیاء کو دیا اور انبیاء کے ذریعہ سے بعض مومنین کو دیا۔ لہذا ان کو بھی بہ عطائے الہی علم غیب حاصل ہوا۔ کتنا دیا اس کا ذکر آئندہ آوے گا۔

یہ مراد ہے کہ حضور علیہ السلام کے علم کو کوئی نہیں پاسکتا۔ مگر جس کو حضور علیہ السلام ہی دینا چاہیں تو عطا فرمادیں۔ لہذا از حضرت آدم تا روز قیامت جس کو جس قدر علم ملا۔ وہ حضور علیہ السلام کے علم دیا کے دریا کا قطرہ ہے اس میں حضرت آدم اور فرشتوں وغیرہ کا علم بھی شامل ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت ہم **عَلَّمَ آدَمَ** کی آیت کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

(۵) وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ (پارہ ۴ سورہ ۳ آیت ۱۷)

”اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اسے عام لوگوں کو غیب کا علم دے ہاں اللہ جن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے۔“

تفسیر بیضاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُوتِيَ أَحَدًا كُمْ عِلْمَ الْغَيْبِ فَيُطْلِعَ عَلَى مَا فِي الْقُلُوبِ مِنْ كُفْرٍ وَ إِيْمَانٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي لِرِسَالَتِهِ مَن يَشَاءُ فَيُوحِي إِلَهُ وَيَخْبِرُهُ بِبَعْضِ الْمَغْيبَاتِ أَوْ يُنْصِبُ لَهُ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ.

”خدا تعالیٰ تم میں سے کسی کو علم غیب نہیں دینے کا کہ مطلع کرے اس کفر و ایمان پر جو کہ دلوں میں ہوتا ہے لیکن اللہ اپنی پیغمبری کیلئے جسکو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس اسکی طرف وحی فرماتا ہے اور بعض غیب کی ان کو خبر دیتا ہے یا ان کیلئے ایسے دلائل قائم فرماتا ہے جو غیب پر راہبری کریں۔“

تفسیر خازن میں ہے۔

لَكِنَّ اللَّهَ يَصْطَفِي وَيَخْتَارُ مِنْ رُسُلِهِ مَن يَشَاءُ فَيُطْلِعُهُ عَلَى بَعْضِ عِلْمِ الْغَيْبِ

”لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے پس انکو خبر دار کرتا ہے بعض علم غیب پر۔“

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَأَمَّا مَعْرِفَةُ ذَلِكَ عَلَى سَبِيلِ الْإِلَهِ مِنَ الْغَيْبِ فَهُوَ مِنْ خَوَاصِّ الْأَنْبِيَاءِ (جمل) الْمَعْنَى لَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي أَنْ يَصْطَفِي مِنْ رُسُلِهِ مَن يَشَاءُ فَيُطْلِعُهُ عَلَى الْغَيْبِ (جلالین) وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ فَتَعْرِفُوا الْمُنَافِقَ قَبْلَ التَّمْيِزِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي وَيَخْتَارُ مَن يَشَاءُ فَيُطْلِعُ عَلَى غَيْبِهِ كَمَا أَطْلَعَ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى حَالِ الْمُنَافِقِينَ

”لیکن ان باتوں کا بطریق غیب پر مطلع ہونیکے جان لینا یہ انبیاء کرام کی خصوصیت ہے۔ (جمل) معنی یہ ہیں کہ اللہ اپنے رسولوں میں سے جسکو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس ان کو غیب پر مطلع کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ تم کو غیب پر مطلع نہیں کر دیتا کہ فرق کرنے سے پہلے منافقوں کو جان لو۔ لیکن اللہ جسکو چاہتا ہے چھانٹ لیتا ہے تو اسکو اپنے غیب پر مطلع فرماتا ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام کو منافقین کے حال پر مطلع فرمایا۔“

روح البیان میں ہے۔

فَإِنَّ غَيْبَ الْحَقَائِقِ وَالْأَحْوَالِ لَا يَنْكَشِفُ إِلَّا بِإِذْنِ الرَّسُولِ.

”کیونکہ حقیقتوں اور حالات کے غیب نہیں ظاہر ہوتے بغیر رسول علیہ السلام کے واسطے سے۔“

ان آیت کریمہ اور ان تفاسیر سے معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ کا خاص علم غیب پیغمبر پر ظاہر ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے جو فرمایا کہ بعض غیب اس سے مراد ہے علم الہی کے مقابلہ میں بعض اور کل ماکان و مایکون بھی خدا کے علم کا بعض ہے۔

٦) وَعَلَّمَكُمَا لِمَا تَعْلَمُونَ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا أَيْ مِنَ الْأَحْكَامِ وَالْغَيْبِ أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَأَطْلَعَكَ عَلَى أَسْرَارِهِمَا وَوَأَقْفَكَ عَلَى حَقِّ نَقِيهِمَا. يَعْنِي مِنْ أَحْكَامِ الشَّرْعِ وَأُمُورِ الدِّينِ وَقِيلَ عَلَّمَكُمَا مِنْ عِلْمِ الْغَيْبِ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَقِيلَ مَعْنَاهُ عَلَّمَكُمَا مِنْ خَفِيَّاتِ الْأُمُورِ وَأَطْلَعَكَ عَلَى صَنَائِعِ الْقُلُوبِ وَعَلَّمَكُمَا مِنْ أَحْوَالِ الْمُنَافِقِينَ وَكَيْدِهِمْ مِنْ أُمُورِ الدِّينِ وَالشَّرَائِعِ أَوْ مِنْ خَفِيَّاتِ الْأُمُورِ وَصَنَائِعِ الْقُلُوبِ

”اور تم کو سکھادیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (جلالین) یعنی احکام اور علم غیب (تفسیر کبیر) اللہ نے آپ پر قرآن اتارا اور حکمت اتاری اور آپ کو ان کے بھیدوں پر مطلع فرمایا اور انکی حقیقتوں پر واقف کیا۔ (خازن) یعنی شریعت کے احکام اور دین کی باتیں سکھائیں اور کہا گیا ہے کہ آپ کو علم غیب میں وہ وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہ جانتے تھے اور کہا گیا ہے کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ آپ کو چھپی چیزیں سکھائیں اور دلوں کے راز پر مطلع فرمایا اور منافقین کے مکر و فریب آپ کو بتا دیئے (مدارک) دین اور شریعت کے امور سکھائے اور چھپی ہوئی باتیں دلوں کے راز بتائے۔“

تفسیر حسینی بحر الحقائق سے اسی آیت کے ماتحت نقل فرماتے ہیں۔

”آں علم ماکان و مایکون ہست کہ حق سبحانہ، در شب اسرا بدار حضرت عطا فرمود۔ چنانچہ در حدیث معراج ہست کہ من در زیر عرش بودم قطرہ در حلق من ریختندہ فَقَلِمْتُ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ جامع البیان قَبْلَ نُزُولِ ذَلِكَ مِنْ خَفِيَّاتِ الْأُمُورِ یہ ماکان اور مایکون کا علم ہے کہ حق تعالیٰ نے شب معراج میں حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ چنانچہ معراج شریف کی حدیث میں ہے کہ ہم عرش کے نیچے تھے ایک قطرہ ہمارے حلق میں ڈالا پس ہم نے سارے گزشتہ اور آئندہ کے واقعات معلوم کر لئے یعنی آپ کو وہ سب باتیں بتا دیں جو قرآن کے نزول سے پہلے

آپ نہ جانتے تھے۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو تمام آئندہ اور گزشتہ واقعات کی خبر دے دی گئی۔ کلمہ ماعربی زبان میں عموم کے لئے ہوتا ہے تو آیت سے یہ معلوم ہوا کہ شریعت کے احکام دنیا کے سارے واقعات، لوگوں کے ایمانی حالات وغیرہ جو کچھ بھی آپ کے علم میں تھا سب ہی بتا دیا اس میں یہ قید لگانا کہ اس سے مراد صرف احکام ہیں اپنی طرف سے قید ہے جو قرآن وحدیث اور اہلسنت کے عقیدے کے خلاف ہے۔ جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔

(۷) مَا فَرَطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ إِنَّ الْقُرْآنَ مُشْتَمِلٌ عَلَىٰ جَمِيعِ الْأَحْوَالِ (خازن)

”ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھانہ رکھا قرآن کریم تمام حالات پر شامل ہے۔ (خازن)“

تفسیر انوار القرآن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْنِي اللَّوْحَ الْمَحْفُوظَ فَإِنَّهُ مُشْتَمِلٌ عَلَىٰ مَا يَجْرِي فِي الْعَالَمِ مِنْ جَلِيلٍ وَدَقِيقٍ لَمْ يُهْمَلْ فِيهِ أَمْرٌ حَيَوَانٍ وَلَا جَمَادٍ
”کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے کیونکہ یہ لوح محفوظ ان باتوں پر مشتمل ہے جو عالم میں ہوتا ہے ہر ظاہر اور باریک اس میں کسی حیوان اور جماد کا معاملہ چھوڑا نہ گیا۔“

تفسیر عرأس البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

أَيُّ مَا فَرَطْنَا فِي الْكِتَابِ ذِكْرَ أَحَدٍ مِنَ الْخَلْقِ لَكِنْ لَا يَبْصُرُ ذِكْرُ فِي الْكِتَابِ إِلَّا الْمُؤَيَّدُونَ بِأَنْوَارِ الْمَعْرِفَةِ
”یعنی اس کتاب میں مخلوقات میں سے کسی کا ذکر نہ چھوڑا ہے لیکن اس ذکر کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ مگر وہ جنکی معرفت کے انوار سے تائید کی گئی ہو۔“

امام شعرانی طبقات کبر نے میں فرماتے ہیں۔ ماخوذ از وخال السنان صفحہ ۵۵

لَوْ فَتَحَ اللَّهُ عَنْ قُلُوبِكُمْ أَقْفَالَ الْمُسَدِّدِ لَا طَلَعْتُمْ عَلَىٰ مَا فِي الْقُرْآنِ مِنَ الْعُلُومِ وَاسْتَغْنَيْتُمْ عَنِ النَّظَرِ فِي سِوَاهُ فَإِنَّ فِيهِ جَمِيعَ مَا رَقِمَ فِي صَفَحَاتِ الْوُجُودِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ مَا فَرَطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ
”اگر خدا تعالیٰ تمہارے دلوں کے بند قفل کھول دے تو تم ان علموں پر مطلع ہو جاؤ جو قرآن میں ہیں اور تم قرآن کے سوا دوسرے چیز سے بے پرواہ ہو جاؤ۔“

کیونکہ قرآن میں تمام وہ چیزیں ہیں جو وجود کے صفحوں میں لکھی ہیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا فَرَطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ

اس آیت اور ان تفاسیروں سے معلوم ہوا کہ کتاب میں دنیا و آخرت کے سارے حالات موجود ہیں اب کتاب سے مراد یا تو قرآن ہے یا لوح محفوظ۔ اور قرآن بھی حضور علیہ السلام کے علم میں ہے اور لوح محفوظ بھی جیسا کہ آئندہ آدے گا۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ تمام دنیا و آخرت کے حالات حضور علیہ السلام کے علم میں ہوئے۔ کیونکہ سارے علوم قرآن اور لوح محفوظ میں ہیں۔ اور قرآن و لوح محفوظ حضور کے علم میں ہیں۔

(۸) وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (بارہ سورہ ۶ آیت ۵۹)

(روح البیان) هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوظُ فَقَدْ صَنَبَطَ اللَّهُ فِيهِ جَمِيعَ الْمَقْدُورَاتِ الْكُونِيَّةِ لِفَوَائِدِ تَرْجِعُ إِلَىٰ

الْعِبَادِ يَعْرِفُهَا الْعُلَمَاءُ بِاللَّهِ (تفسیر کبیر یہی آیت) وَفَائِدَةُ هَذَا الْكِتَابِ أُمُورٌ أَحَدُهَا أَنَّهُ تَعَالَىٰ كَتَبَ هَذِهِ الْأَحْوَالَ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ لِتَقِفَ الْمَلَائِكَةُ عَلَىٰ نَفَادِ عِلْمِ اللَّهِ فِي الْمَعْلُومَاتِ فَيَكُونُ ذَلِكَ عِبْرَةً تَامَةً كَامِلَةً لِلْمَلَائِكَةِ الْمُؤَكَّلِينَ بِاللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ لِأَنَّهُمْ يُقَابِلُونَ بِهِ مَا يَحْدُثُ فِي صَحِيفَةِ هَذَا الْعَالَمِ فَيَجِدُونَهُ مُوَافِقًا لَهُ (تفسیر خازن ہی آیت) وَالتَّانِي أَنَّ الْمُرَادَ بِالْكِتَابِ الْمُبِينِ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوظُ لِأَنَّ اللَّهَ كَتَبَ فِيهِ عِلْمَ مَا يَكُونُ وَمَا قَدْ كَانَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَفَائِدَةُ إِحْصَاءِ الْأَشْيَاءِ كُلِّهَا فِي هَذَا الْكِتَابِ لِتَقِفَ الْمَلَائِكَةُ عَلَىٰ نَفَادِ عِلْمِهِ

”وہ لوح محفوظ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ساری ہو سکنے والی چیزیں جمع فرمادیں ان فائدوں کی وجہوں سے جو بندوں کی طرف لوٹتے ہیں۔ انکو علمائے ربانی جانتے ہیں اس لکھنے میں چند فائدے ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان حالات کو لوح محفوظ میں اس لئے لکھا تھا۔ تاکہ ملائکہ خبردار ہو جائیں ان معلومات میں علم الہی جاری ہونے پر پس یہ بات ان فرشتوں کے لئے پوری پوری عبرت بن جائے جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں کیونکہ وہ فرشتے ان واقعات کا اس تحریر سے مقابلہ کرتے ہیں جو عالم میں نئے نئے ہوتے رہتے ہیں تو اس کو لوح محفوظ کے موافق پاتے ہیں دوسری توجہ یہ ہے کہ کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں جو کچھ ہوگا اور جو کچھ آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے ہو چکا سب کا علم لکھ دیا

اور ان تمام چیزوں کے لکھنے سے اس کتاب میں فائدہ یہ ہے کہ فرشتے اسکے علم کے جاری کرنے پر واقف ہو جائیں۔“

تفسیر مدارک یہی آیت **هُوَ عِلْمُ اللَّهِ وَاللُّوحُ** ”وہ کتاب یا تو علم الہی ہے یا لوح محفوظ۔“

تفسیر تنویر المقیاس میں تفسیر ابن عباس میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

كُلُّ ذَلِكَ فِي اللُّوحِ الْمَحْفُوظِ مَبِينٌ مِّمَّزَارُهَا وَفَتْهُهَا

”یہ تمام چیزیں لوح محفوظ میں ہیں کہ ان کی مقدار اور ان کا وقت بیان کر دیا گیا ہے۔“

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں ہر خشک و تر ادنیٰ و اعلیٰ چیز ہے اور لوح محفوظ کو فرشتے اور اللہ کے خاص بندے جانتے ہیں اور علم مصطفیٰ علیہ السلام ان سب کو محیط ہے لہذا یہ تمام علوم علم مصطفیٰ علیہ السلام کے دریا کے قطرے ہیں۔

(۹) **نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ** (بارہ ۱۳ سورہ ۱۶ آیت ۸۹)

”اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔“

تفسیر حسینی یہی آیت **نَزَّلْنَا فَرَسْتَادِيمَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ** بر تو قرآن تیبیا نالکُلِّ شئی بیان روشن برائے

ہمہ چیز از امور دین و دنیا تفصیل و اجمال (تفسیر روح البیان یہی آیت) **يَتَعَلَّقُ بِأُمُورِ الدِّينِ مِنْ ذَلِكَ**

أَحْوَالُ الْأُمَمِ وَأَنْبِيَاءِهِمْ (تفسیر اتقان یہی آیت) **قَالَ الْمُجَاهِدُ يَوْمًا مَا مِنْ شَيْءٍ فِي الْعَالَمِ إِلَّا هُوَ فِي**

كِتَابِ اللَّهِ فَقِيلَ لَهُ فَايَنْ ذَكَرُ الْخَنَازِ فَقَالَ فِي قَوْلِهِ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ

مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ

”ہم نے آپ پر یہ کتاب قرآن دین و دنیا کی ہر چیز کا روشن بیان بنا کر بھیجی تفصیلی و اجمالی۔ اس کے بیان کیلئے جو دینی چیزوں سے تعلق رکھتی ہوں اور اس میں سے امتوں اور ان کے پیغمبروں کے حالات ہیں حضرت مجاہد نے ایک دن فرمایا کہ علام میں کوئی شے ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو تو ان سے کہا گیا کہ سرایوں کا ذکر کہاں ہے انہوں نے فرمایا کہ اس آیت میں ہے کہ تم پر گناہ نہیں کہ تم ان گھروں میں داخل ہو جس میں کوئی رہتا نہ ہو اور تمہارا وہاں سامان ہو۔“

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں ہر ادنیٰ و اعلیٰ چیز ہے اور قرآن رب تعالیٰ نے محبوب علیہ السلام کو سکھایا **الْرَّحْمَنُ عِلْمُ الْقُرْآنِ** یہ تمام چیزیں علم مصطفیٰ علیہ السلام میں آئیں۔

(۱۰) **وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ** (بارہ ۱۱ سورہ ۱۰ آیت ۳۷)

”اور لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے قرآن سب کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں۔“

(جلالین یہی آیت) **تَفْصِيلَ الْكِتَابِ تُبَيِّنُ مَا كَتَبَ اللَّهُ تَعَالَى مِنَ الْأَحْكَامِ وَغَيْرِهَا** (جمل یہی آیت) **أَيُّ فِي**

اللُّوحِ الْمَحْفُوظِ (روح البیان یہی آیت) **أَيُّ وَتَفْصِيلَ مَا حَقَّقَ وَأَثَبَتْ مِنَ الْحَقَائِقِ وَالشَّرَائِعِ وَفِي**

التَّوَاتُؤَاتِ النَّجْمِيَّةِ أَيْ تَفْصِيلَ الْجُمْلَةِ الَّتِي هِيَ الْمُقَدَّرُ الْمَكْتُوبُ فِي الْكِتَابِ الَّذِي لَا يَتَطَرَّقُ إِلَيْهِ

الْمُحْوُ وَالْإِثْبَاتُ لِأَنَّهُ أَزَلِيٌّ أَبَدِيٌّ

یہ تفصیلی کتاب ہے اس میں وہ احکام اور ان کے سوا دوسری چیزیں بیان کی جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیں۔ یعنی لوح محفوظ میں تفصیل ہے۔ یعنی یہ قرآن ان شرعی اور حقیقت کی چیزوں کی تفصیل ہے جو ثابت کی جا چکی ہیں اور تاویلات تجمیہ میں ہے کہ اس تمام کی تفصیل ہے جو تقدیر میں آچکی ہیں اور اس کتاب میں لکھی جا چکی ہیں جس میں رد و بدل نہیں ہوتا کیونکہ وہ کتاب ازلی وابدی ہے۔

اس آیت میں سارے تفسیر سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم میں احکام شرعیہ اور تمام علوم موجود ہیں۔ اس آیت سے پتہ لگا کہ قرآن میں سارے لوح محفوظ کی تفصیل ہے اور لوح محفوظ میں سارے علوم ہیں۔ **وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ** اور قرآن حضور علیہ السلام کے

علم میں ہے۔ **الْرَّحْمَنُ عِلْمُ الْقُرْآنِ** لہذا اسرار الوح محفوظ حضور علیہ السلام کے علم میں ہے کیونکہ قرآن لوح محفوظ کی تفصیل ہے۔

(۱۱) **مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَى وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ** (بارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۱۱۱)

(تفسیر خازن یہی آیت) **يَعْنِي فِي هَذَا الْقُرْآنِ الْمُنْزَلِ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ تَفْصِيلُ كُلِّ تَحْتَاجٍ إِلَيْهِ مِنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَالْحُدُودِ وَالْأَحْكَامِ وَالْقَصَصِ وَالْمَوَاعِظِ وَالْأَمْثَالِ وَغَيْرِ ذَلِكَ مِمَّا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ الْعِبَادُ فِي أَمْرِ دِينِهِمْ وَدُنْيَاهُمْ** تفسیر حسینی میں ہے **وَتَفْصِيلُ كُلِّ شَيْءٍ مَا مِنْ شَيْءٍ فِي الْعَالَمِ إِلَّا هُوَ فِي كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى** ”یعنی اس قرآن میں ہر اس چیز کا بیان ہمہ چیز ہا کہ محتاج باشد در دین و دنیا۔“

(۱۲) **الرَّحْمَنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝** (پارہ ۲۷ سورہ ۵۵ آیت ۴ تا ۷)

تفسیر معالم التنزیل و حسینی یہی آیت **خَلَقَ الْإِنْسَانَ أَى مُحَمَّدًا عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ يَعْنِي بَيَانَ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ** ”یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں اپنے سے اگلی کلاموں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصل بیان۔ یعنی اس قرآن میں جو آپ پر اتارا گیا۔“
 اے محمد ﷺ ہر اس چیز کی تفصیل ہے جسکی آپ کو ضرورت ہو حلال اور حرام سزائیں اور احکام اور قصے اور نصیحتیں اور مثالیں۔ ان کے علاوہ اور وہ چیزیں جن کی بندوں کو اپنے دینی و دنیاوی معاملات میں ضرورت پڑتی ہے۔ یعنی اس قرآن میں ہر اس چیز کا بیان ہے جسکی دین و دنیا میں ضرورت ہو۔ (کتاب الاعجاز لابن سراقہ میں ہے) عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔ رحمان نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ماکان وما یکون کا بیان اس کو سکھایا۔ اللہ نے انسان یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا اور ان کو بیان یعنی ساری اگلی پچھلی باتوں کا بیان سکھادیا۔

تفسیر خازن یہی آیت۔ **قِيلَ أَرَادَ بِالْإِنْسَانِ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ يَعْنِي بَيَانَ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَبِيٌّ عَنْ خَيْرِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَعَنْ يَوْمِ الدِّينِ** ”کہا گیا ہے کہ انسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ان کو اگلے پچھلے امور کا بیان سکھادیا گیا کیونکہ حضور علیہ السلام کو اگلوں اور پچھلوں کی اور قیامت کے دن خبر دے دی گئی۔“

(روح البیان یہی آیت) **وَعَلَّمَ نَبِيَّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ الْقُرْآنَ وَأَسْرَارَ الْأُلُوهِيَةِ كَمَا قَالَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ** ”یعنی ہمارے نبی علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے قرآن اور اپنی ربوبیت کے بھید سکھادیے جیسا کہ خود رب تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کو سکھادیں وہ باتیں جو آپ نہ جانتے تھے۔ انسان سے مراد جنس انسانی ہے یا آدم علیہ السلام یا حضور علیہ السلام۔“

(معالم التنزیل یہی آیت) **وَقِيلَ الْإِنْسَانُ هَلْ نَمُحَمَّدٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَبَيَّانُهُ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ** ”کہا گیا ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد حضور علیہ السلام ہیں اور بیان سے مراد ہے کہ آپ کو وہ تمام باتیں سکھائیں جو نہ جانتے تھے۔“
 تفسیر حسینی یہی آیت یا وجود محمد را ہیا موزانید وے یا مراد ہے کہ پیدا فرمایا حضور علیہ السلام کی ذات کو اور سکھایا ان کو جو ہو چکا ہے یا ہوگا۔ ان آیتوں اور تفاسیر سے معلوم ہوا کہ قرآن میں سب کچھ ہے اور اس کا سارا علم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا گیا۔

(۱۳) **مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ (تفسیر روح البیان یہی آیت) أَى لَيْسَ بِمُسْتَوِرٍ عِلْمًا كَانَ فِي الْأَزَلِ وَمَا سَيَكُونُ إِلَى الْأَبَدِ لِأَنَّ الْجَنَّ هُوَ السُّرْبَلُ أَنْتَ عَالِمٌ بِمَا كَانَ وَخَبِيرٌ بِمَا سَيَكُونُ** ”تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔ یعنی آپ سے وہ باتیں چھپی ہوئی نہیں ہیں جو ازل میں تھیں اور وہ جو اب تک ہوگی۔ کیونکہ جن کے معنی ہیں چھپنا بلکہ آپ اس کو جانتے ہیں جو ہو چکا اور خبردار ہیں اس سے جو ہوگا۔“
 اس آیت و تفسیر سے علم غیب کلی ثابت ہوا۔

(۱۴) **وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ (پارہ ۱۰ سورہ ۹ آیت ۲۵)** ”اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو گے تو کہیں گے کہ ہم یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے۔“
 (تفسیر درمنشور طبری یہی آیت) **عَنْ مُجَاهِدٍ أَنَّهُ قَالَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمُ الْخ قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمُنَافِقِينَ يُحَدِّثُنَا مُحَمَّدٌ أَنَّ نَاقَةَ فُلَانٍ بَوَادَ كَذَا وَكَذَا وَمَا يُدْرِيه بِالْغَيْبِ**

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے اس آیت کے نزول کے بارے میں **وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ** کہ ایک منافق نے کہا تھا کہ محمد ﷺ خبر دیتے ہیں کہ فلاں کی اونٹنی فلاں جنگل میں ہے ان کو غیب کی کیا خبر۔

اس آیت اور تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے غیب کا انکار کرنا منافقین کا کام تھا۔ جس کو قرآن نے کفر قرار دیا۔

(۱۵) **فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ** (بارہ ۲۹ سورہ ۷۲ آیت ۲۶)

”تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔“

(تفسیر کبیر یہی آیت)

أَيَّ وَقْتٍ وَقُوعِ الْقِيَمَةِ مِنَ الْغَيْبِ الَّذِي لَا يُظْهِرُهُ اللَّهُ لِأَحَدٍ فَإِنْ قِيلَ فَإِذَا أَحْمَلْتُمْ ذَلِكَ عَلَى الْقِيَمَةِ

فَكَيْفَ قَالَ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ مَعَ أَنَّهُ لَا يُظْهِرُ هَذَا الْغَيْبَ لِأَحَدٍ قُلْنَا بَلْ يُظْهِرُهُ عِنْدَ قَرِيبٍ الْقِيَمَةِ

یعنی قیامت کے آنے کا وقت ان غیبوں میں سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی پر ظاہر نہیں فرماتا پس اگر کہا جاوے کہ جب تم نے اس غیب کو قیامت پر محمول کر لیا تو اب رب تعالیٰ نے یہ کیسے فرمایا! مگر پسندیدہ رسولوں کو حالانکہ یہ غیب تو کسی پر بھی ظاہر نہیں کیا جاتا تو ہم کہیں گے کہ رب تعالیٰ قیامت کے قریب ظاہر فرما دیگا۔“

تفسیر عزیزی صفحہ ۱۷۳۔ آنچہ بہ نسبت ہمہ مخلوقات عائب است عائب مطلق است مثل وقت آمدن قیامت واحکام تکوینیہ وسرعیہ باری تعالیٰ در ہر

روز و ہر شریعت و مثل حقائق ذات وصفات او تعالیٰ علی سبیل التفصیل اس قسم را غیب خاص او تعالیٰ نیز می نامند **فَلَا يُظْهِرُهُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا**

پس مطلع نمی کند بر غیب خاص خود ہچکس را مگر کسی را کہ پسند میکند و آن کس رسول باشد خواہ از جنس ملک و خواہ از جنس بشر مثل حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام اور اظہار بعضی از عیوب خاصہ خودی فرماید۔

(تفسیر خازن یہی آیت) **إِلَّا مَنْ يَصْطَفِيهِ لِرِسَالَةٍ وَنُبُوَّتِهِ فَيُظْهِرُهُ عَلَىٰ مِنْ يَشَاءُ مِنَ الْغَيْبِ حَتَّىٰ يُسْتَدَلَّ**

عَلَىٰ نُبُوَّتِهِ بِمَا يُخْبِرُهُ مِنَ الْمُغِيبَاتِ فَيَكُونُ ذَلِكَ مُعْجَزَةً لَهُ

جو چیز تمام مخلوقات سے عائب ہو وہ عائب مطلق ہے جیسے قیامت کے آنے کا وقت اور روزانہ اور ہر چیز کے پیدائشی اور شرعی احکام اور جیسے پروردگار کی ذات وصفات بر طریق تفصیل اس قسم کو رب تعالیٰ کا خاص غیب کہتے ہیں پس اپنے خاص غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ اس کے سوا جس کو پسند فرمادے اور وہ رسول ہوتے ہیں خواہ فرشتے کی جنس سے ہوں یا انسان کی جنس سے جیسے حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام ان کو اپنے بعض خاص غیب ظاہر فرماتا ہے۔ سوا اس کے جس کو اپنی نبوت اور رسالت کیلئے چن لیا پس ظاہر فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے غیب تاکہ انکی نبوت پر دلیل پکڑی جاوے ان غیب چیزوں سے جس کی وہ خبر دیتے ہیں پس یہ ان کا معجزہ ہوتا ہے۔

(روح البیان یہی آیت) **قَالَ ابْنُ الشَّيْخِ أَنَّهُ تَعَالَىٰ لَا يُطْلَعُ عَلَى الْغَيْبِ الَّذِي يَخْتَصُّ بِهِ تَعَالَىٰ عِلْمُهُ إِلَّا**

لِمُرْتَضَىٰ الَّذِي يَكُونُ رَسُولًا وَمَا لَا يَخْتَصُّ بِهِ يُطْلَعُ عَلَيْهِ غَيْرَ الرَّسُولِ

ابن شیخ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ اس غیب پر جو اس سے خاص ہے کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے برگزیدہ رسول کے اور جو غیب کہ رب سے خاص نہیں اس پر غیر رسول کو بھی مطلع فرما دیتا ہے۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدائے قدوس کا حاصل علم غیب حتیٰ کہ قیامت کا علم بھی حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا اب کیا شے ہے جو علم مصطفیٰ علیہ السلام سے باقی رہ گئی۔

(۱۶) **فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ** ”اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔“

مدارج النبوة جلد اول وصل رویۃ الھی میں ہے۔

فَأَوْحَىٰ الْآيَةُ بِتَمَامِ عُلُومِ وَمَعَارِفِ وَحَقَائِقِ وَبَشَارَاتِ وَأَشَارَاتِ، أَخْبَارِ وَأَخْبَارِ وَكِرَامَاتِ وَكَمَالَاتِ دَرَجَاتِ اِهْبَامِ دَاخِلِ اسْتِ وَهَمِّ رَاشِئِلِ وَ كَثَرَتِ وَعِظَمَتِ اَوَسْتِ كَمَا مَسَّهَمُ آدِرْدُو بَيَانِ نَهْ كَرْدِ اَشَارَاتِ بَا نَكْهْ جَزْ عِلْمِ اَعْلَامِ الْغُيُوبِ وَرَسُولِ مَحْبُوبِ بَهْ آسْ مَحِيطِ نَوَ اَشْدْ مَكْرَ آسْ چہ آں حضرت بیان کردہ۔ معراج میں رب نے حضور علیہ السلام پر جو سارے علوم اور معرفت اور بشارتیں اور اشارے اور خبریں اور کرامتیں و کمالات وحی فرمائے وہ اس اہبام میں داخل ہیں اور سب کو شامل ہیں انکی زیادتی اور عظمت ہی کی وجہ سے ان چیز و کتب و بطور اہبام ذکر کیا بیان نہ فرمایا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان علوم غیبیہ کو سوائے رب تعالیٰ اور محبوب علیہ السلام کے کوئی نہیں احاطہ کر سکتا۔ ہاں جس قدر حضور نے بیان فرمایا وہ معلوم ہے۔

اس آیت اور عبارت سے معلوم ہوا کہ معراج میں حضور علیہ السلام کو، وہ علوم عطا ہوئے جن کوئی نہ کوئی بیان کر سکتا ہے اور نہ کسی کے خیال میں آسکتے ہیں ماکان و مایکون تو صرف بیان کے لئے ہے ورنہ اس سے بھی کہیں زیادہ کی عطا ہوئی۔

(۱۷) **وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِصَنِينٍ** ”وہ یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔“

یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کو علم غیب ہو۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ السلام لوگوں کو اس سے مطلع فرمادیتے ہوں۔

(معالم التنزیل یہی آیت) **عَلَى الْغَيْبِ وَخَبَرِ السَّمَاءِ وَمَا أُطْلِعَ عَلَيْهِ مِنَ الْأَخْبَارِ وَالْقَصَصِ بِصَنِينِ أَيْ**
بِخَيْلٍ يَقُولُ إِنَّهُ يَأْتِيهِ عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يَخْلُ بِهِ عَلَيْكُمْ بَلْ يُعَلِّمُكُمْ وَيُخْبِرُكُمْ وَلَا يَكْتُمُهُ كَمَا يَكْتُمُ

الْكَاهِنُ (خازن یہی آیت) **يَقُولُ إِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَأْتِيهِ عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يَخْلُ بِهِ عَلَيْكُمْ بَلْ يُعَلِّمُكُمْ**

حضور علیہ السلام غیب پر اور آسمانی خبروں پر اور ان خبروں و قصوں پر بخیل نہیں ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس علم غیب آتا ہے پس وہ اس میں تم پر بخیل نہیں کرتے بلکہ تم کو سکھاتے ہیں اور تم کو خبر دیتے ہیں جیسے کہ کاہن چھپاتے ہیں ویسے نہیں چھپاتے مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس علم غیب آتا ہے تو تم پر اس میں بخیل نہیں فرماتے۔ بلکہ تم کو سکھاتے ہیں۔

اس آیت و عبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام لوگوں کو علم غیب سکھاتے ہیں۔ اور سکھائے گا وہ ہی جو خود جانتا ہے۔

(۱۸) **وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا** ”اور ان کو اپنا علم لدنی عطا کیا یعنی حضرت خضر کو۔“

(بیضاوی میں یہی آیت) **أَيِّ مِمَّا يَخْتَصُّ نَبَاهُ لَا يَعْلَمُ إِلَّا بِتَوْقِيفِنَا وَهُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ**

”حضرت خضر کو وہ علم سکھائے جو ہمارے ساتھ خاص ہیں بغیر ہمارے بتائے کوئی نہیں جانتا اور وہ علم غیب ہے۔“

تفسیر ابن جریر میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے۔

قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا كَانَ رَجُلًا يَعْلَمُ عِلْمَ الْغَيْبِ قَدْ عَلِمَ ذَلِكَ

”حضرت خضر نے فرمایا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے وہ خضر علم غیب جانتے تھے کہ انہوں نے جان لیا۔“

(روح البیان یہی آیت) **هُوَ عِلْمُ الْغُيُوبِ وَالْأَخْبَارُ عَنْهَا بِإِذْنِهِ تَعَالَى كَمَا ذَهَبَ إِلَيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ**

”حضرت خضر کو جو لدنی علم سکھایا گیا وہ علم غیب ہے اور اس غیب کے متعلق خبر دینا ہے خدا کے حکم سے جیسا کہ اس طرف ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے ہیں۔“

(تفسیر مدارک یہی آیت) **يَعْنِي الْأَخْبَارَ بِالْغُيُوبِ وَقِيلَ الْعِلْمُ اللَّذْنِي مَا حَصَلَ لِلْعَبْدِ بِطَرِيقِ الْإِلَهَامِ**

”یعنی حضرت خضر کو غیب کی خبریں اور کہا گیا ہے کہ علم لدنی وہ ہوتا ہے جو بندے کو الہام کے طریقہ پر حاصل ہو۔“

(تفسیر خازن یہی آیت) **أَيِّ عِلْمِ الْبَاطِنِ الْهَامَا** ”یعنی حضرت خضر کو علم باطن الہام کے طریقہ پر عطا فرمایا۔“

اس آیت و تفسیری عبارتوں سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضرت خضر کو بھی علم غیب عطا فرمایا تھا جس سے لازم آیا کہ حضور علیہ السلام کو بھی علم غیب عطا ہوا۔ کیونکہ آپ تمام مخلوق الہی سے زیادہ عالم ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام بھی مخلوق ہیں۔

(۱۹) **وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ** (بارہ سورہ ۲۶ آیت ۷۵)

”اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں۔ ساری بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی۔“

(تفسیر خازن یہی آیت) **أُقِيمَ عَلَى صَخْرَةٍ وَكُشِفَ لَهُ عَنِ السَّمُوتِ حَتَّى رَأَى الْعَرْشَ وَالْكَرْسِيَّ وَمَا فِي**

السَّمُوتِ وَكُشِفَ لَهُ عَنِ الْأَرْضِ حَتَّى نَظَرَ إِلَى أَسْفَلَ الْأَرْضَيْنِ وَرَأَى مَا فِيهِمَا مِنَ الْعَجَائِبِ.

”حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صخرہ پر کھڑا کیا گیا اور ان کیلئے آسمان کھول دیئے گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے عرش و کرسی اور جو کچھ آسمانوں میں ہے دیکھ لیا اور آپ کیلئے زمین کھول دی گئی یہاں تک کہ انہوں نے زمینوں کی نیچی زمین اور ان عجائبات کو دیکھ لیا جو زمینوں میں ہیں۔“

(تفسیر مدارک یہی آیت) **قَالَ مُجَاهِدٌ فَرَجَتْ لَهُ السَّمُوتُ السَّبْعُ فَنَظَرَ إِلَى مَا فِيهِنَّ حَتَّى انْتَهَى نَظَرُهُ إِلَى**

الْعَرْشِ وَفَرَجَتْ لَهُ الْأَرْضُونَ السَّبْعُ حَتَّى نَظَرَ إِلَى مَا فِيهِنَّ

”روح البیان یہی آیت“ عجائب و بدائع آسمانہا و زمین ہا از در وہ عرش تا تحت الطری بروے منکشف ساخت۔ مجاہد نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لئے ساتوں آسمان کھول دیئے گئے پس انہوں نے دیکھ لیا۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ یہاں تک کہ ان کی نظر عرش تک پہنچ گئی اور ان کے لئے سات زمینیں کھولی گئیں کہ انہوں نے وہ چیزیں دیکھ لیں جو زمینوں میں ہیں۔ ابراہیم کو آسمان و زمین کی عجائبات و غرائب دکھائے اور عرش کی بلندی سے تحت الطری تک کھول دیا۔

تفسیر ابن جریر ابن حاتم میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

إِنَّهُ جَلَّ لَهُ الْأَمْرُ سِرُّهُ وَعَلَانِيَتُهُ فَلَمْ يَخْفَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ أَعْمَالِ الْخَلَائِقِ.

”حضرت ابراہیم پر کھلی و پوشیدہ تمام چیزیں کھل گئیں پس ان پر مخلوق کے اعمال میں سے کچھ بھی چھپانہ رہا۔“

(تفسیر کبیر یہی آیت) **إِنَّ اللَّهَ شَقَّ لَهُ السَّمُوتِ حَتَّى رَأَى الْعَرْشَ وَالْكَرْسِيَّ وَالْإِلٰهَ حَيْثُ يَنْتَهَى إِلَيْهِ فَوْقِيَّةُ**

الْعَالَمِ الْجِسْمَالِي وَرَأَى مَا فِي السَّمُوتِ مِنَ الْعَجَائِبِ وَالْبَدَائِعِ وَرَأَى مَا فِي بَطْنِ الْأَرْضِ مِنَ

الْعَجَائِبِ وَالْغَرَائِبِ

”اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کیلئے آسمانوں کو چیر دیا یہاں تک کہ انہوں نے عرش و کرسی اور جہاں تک جسمانی علم کی فوقیت ختم ہوتی ہے دیکھ لیا۔ اور

وہ عجیب و غریب چیزیں بھی دیکھ لیں جو آسمانوں میں ہیں۔ اور وہ عجیب و غریب چیزیں بھی دیکھ لیں جو زمین کے پیٹ میں ہیں۔“

اس آیت اور ان تفسیری عبارات سے معلوم ہوا کہ از عرش تا تحت العرش حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے گئے اور مخلوق کے اعمال کی بھی ان کو خبر دی گئی اور حضور علیہ السلام کا علم ان سے کہیں زیادہ ہے تو ماننا پڑے گا کہ حضور علیہ السلام کو بھی یہ علوم عطا ہوئے۔

خیال رہے کہ عرش کے علم میں لوح محفوظ بھی آگئی اور لوح محفوظ میں کیا لکھا ہے اس کو ہم پہلے بیان کر چکے۔ لہذا اما کان وما یکون کا علم تو ان کو بھی حاصل ہوا اور علم ابراہیمی اور علم حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے علم کے دریا کا قطرہ ہے۔

(۲۰) یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا **لَا يَأْتِيَكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَسْتَكُفُّمَا بِتَأْوِيلِهِ** اس کی تفسیر روح البیان و کبیر و خازن میں

ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ میں تمہیں کھانے کے گزشتہ و آئندہ کے سارے حالات بتا سکتا ہوں کہ غلہ کہاں سے آیا اور اب کہاں جائے گا۔ تفسیر کبیر نے تو فرمایا کہ یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ یہ کھانا نفع دے گا یا نقصان۔ یہ چیزیں وہ ہی بتا سکتا ہے جو ہر ذرہ کی خبر رکھتا ہو پھر فرماتے ہیں۔

ذَلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي (پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت ۳۷) یہ علم تو میرے علوم کا بعض حصہ ہے۔

اب بتاؤ کہ حضور علیہ السلام کا علم کتنا ہوگا۔ علم یوسفی تو علم مصطفیٰ کے سمندر کا قطرہ ہے اور عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

وَأَنْبَتُكُمْ بِمَآثَا كُلُّونَ وَمَاتَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۳۹)

”میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے اور اور جو کچھ جمع کرتے ہو۔“

دیکھو کھانا گھر میں کھایا اور رکھا گیا۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام موجود نہیں تھے اور اس کی خبر آپ باہر دے رہے ہیں یہ علم غیب۔

(۲۱) **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبَدِّلُكُمْ تَسْؤُكُمْ** (پارہ ۷ سورہ ۵ آیت ۱۰۱)

”اے ایمان والو! ایسی باتیں ہمارے محبوب سے نہ پوچھو کہ اگر تم پر ظاہری جاویں تو تمہیں ناگوار ہوں۔“

بخاری شریف میں سیدنا عبد اللہ ابن عباس سے روایت کی **عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ قَوْمٌ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ**

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِسْتَهْزَاءً فَيَقُولُ الرَّجُلُ مَنْ أَبِي وَيَقُولُ الرَّجْدُ أَيْنَ نَاقَتِي فَأَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِمْ هَذِهِ الْآيَةَ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ

فَتَعْلَمُ ان میں مراد شریعت کے احکام ہیں نہ کہ اور چیزیں اس کے لئے چند دلائل لاتے ہیں۔

(۱) **كُلُّ شَيْءٍ** غیر متناہی (بے انتہا) ہیں اور غیر متناہی چیزوں کا علم خدا کے سوا کسی کو ہونا منطقی قاعدے سے بالکل باطل ہے دلیل تسلسل سے۔

(۲) بہت سے مفسرین نے بھی **كُلُّ شَيْءٍ** کے معنی لئے ہیں **مِنْ أُمُورِ الدِّينِ** یعنی دین کے احکام جیسے جلالین وغیرہ۔

(۳) قرآن پاک میں بہت جگہ **كُلُّ شَيْءٍ** فرمایا گیا ہے مگر اس سے بعض چیزیں مراد ہیں جیسے **وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ** بلقیس کو **كُلُّ شَيْءٍ**

شَيْءٍ دی گئی۔ حالانکہ بلقیس کو بعض چیزیں ہی دی گئی تھیں۔

مگر یہ دلائل نہیں صرف غلط فہمی ہے اور دھوکا۔ ان کے جوابات یہ ہیں۔

عربی زبان میں کلمہ کل اور کلمہ ماعوم کے لئے آتے ہیں۔ اور قرآن کا ایک ایک کلمہ قطعی ہے اس میں کوئی قید لگانا محض اپنے قیاس سے جائز نہیں۔

قرآن پاک کے عام کلمات کو حدیث احاد سے بھی خاص نہیں بنا سکتے۔ چہ جائیکہ محض اپنی رائے سے۔

(۱) **كُلُّ شَيْءٍ غَيْرُ مُتَنَاهٍ** نہیں۔ بلکہ متناہی ہیں۔ تفسیر کبیر زیر آیت **وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا** ہے۔

قُلْنَا لَا شَيْءَ إِلَّا حِصَاءُ الْعَدَدِ إِنَّمَا يَكُونُ فِي الْمُنْتَاهِي فَأَمَّا لَفْظَةُ كُلِّ شَيْءٍ فَإِنَّهَا لَا تَدُلُّ عَلَىٰ كَوْنِهِ غَيْرَ مُتَنَاهٍ لِأَنَّ الشَّيْءَ عِنْدَ مَا هُوَ الْمَوْجُودَاتِ وَالْمَوْجُودَاتُ مُتَنَاهِيَةٌ فِي الْعَدَدِ اس میں شک نہیں کہ عدد سے

شمار کرنا متناہی چیز میں ہو سکتا ہے لیکن لفظ **كُلِّ شَيْءٍ** اس شئی کے غیر متناہی ہونے پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ ہمارے نزدیک **شَيْءٍ** موجودات ہی ہیں اور موجود چیزیں متناہی میں شمار ہیں۔ تفسیر روح البیان میں اسی آیت **وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ** کے ماتحت فرمایا۔

وَهَذِهِ الْأَيْتَةُ مِمَّا يُسْتَدَلُّ عَلَىٰ أَنَّ الْمَعْدُومَ لَيْسَ بِشَيْءٍ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ شَيْئًا لَكَانَتْ إِلَّا شَيْئًا غَيْرَ مُتَنَاهٍ هِيَ وَكَوْنُهُ أَحْصَىٰ عَدَدَهَا يَقْتَضِي كَوْنَهَا مُتَنَاهِيَةً **إِحْصَاءُ الْعَدَدِ إِنَّمَا يَكُونُ فِي الْمُنْتَاهِي**

اس آیت سے اس پر بڑی دلیل پکڑی جاتی ہے کہ معدوم (غیر موجود) شئی نہیں ہے کیونکہ اگر وہ بھی شئی ہوتی تو چیزیں غیر متناہی (بے انتہا) ہو جاتیں۔ اور چیزوں کا شمار میں آنا چاہتا ہے کہ چیزیں متناہی ہوں کیونکہ عدد سے شمار متناہی ہو سکتی ہے۔

(۲) اگر بہت سے مفسرین نے **كُلِّ شَيْءٍ** سے صرف شریعت کے احکام مراد لئے ہیں تو بہت سے مفسرین نے کلی علم غیب بھی مراد لیا ہے اور جبکہ بعض دلائل نفی کے ہوں۔ اور بعض ثبوت کے۔ تو ثبوت والوں کو یہی اختیار کیا جاتا ہے۔

نوالانوار بحث تعارض میں ہے۔ **وَالْمُبْتَدَأُ أَوَّلِي مِنَ النَّافِي** ثابت کرنے والے دلائل نفی کرنے والے سے زیادہ بہتر ہیں۔ تو جن تفسیروں کے حوالہ ہم پیش کر چکے ہیں۔ چونکہ ان میں زیادہ کا ثبوت ہے لہذا وہ ہی قابل قبول ہیں۔ نیز **كُلِّ شَيْءٍ** کی تفسیر خود احادیث اور علمائے امت کے اقوال سے ہم بیان کریں گے کہ کوئی ذرہ کوئی قطرہ ایسا نہیں جو حضور علیہ السلام کے علم میں نہ آگیا ہو اور ہم مقدمہ کتاب میں لکھ چکے ہیں کہ تفسیر قرآن بالحدیث اور تفسیروں سے بہتر ہے لہذا حدیث ہی کی تفسیر مانی جاوے گی۔

نیز مفسرین نے امور دین سے تفسیر کی انہوں نے بھی دوسری چیزوں کی نفی تو نہ کی۔ لہذا تم نفی کہاں سے نکالتے ہو؟ کسی چیز کے ذکر نہ کرنے سے اس کی نفی کیسے ہوگی۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **نَفِيَكُمْ الْحَرِّ** یعنی تمہارے کپڑے تم کو گرمی سے بچاتے ہیں۔ تو کیا کپڑے سردی سے نہیں بچاتے؟ مگر ایک چیز کا ذکر نہ فرمایا۔ نیز دین تو سب ہی کو شامل ہے۔ عالم کی کون سے چیز ایسی ہے۔ جس پر دین کے احکام حرام حلال وغیرہ جاری نہیں ہوتے تو ان کا یہ فرمانا کہ دینی علم مکمل کر دیا سب کو شامل ہے۔

(۳) بلیقوس وغیرہ کے قصہ میں جو **كُلِّ شَيْءٍ** آیا ہے۔ وہاں قرینہ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں **كُلِّ شَيْءٍ** سے مراد سلطنت کے کاروبار کی چیزیں ہیں۔ اس لئے وہاں گویا مجازی معنی مراد لئے گئے یہاں کونسا قرینہ ہے جس کی وجہ سے **كُلِّ شَيْءٍ** کے حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی مراد لئے جاویں خیال رہے۔ کہ قرآن کریم نے ہد ہد کا قول نقل فرمایا کہ اس نے کہا **أَوْبَيْتُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ** بلیقوس کو ہر چیز دی گئی خود رب نے یہ خبر نہ دی۔ ہد ہد سمجھا کہ بلیقوس کو دنیا کی تمام چیزیں مل گئیں۔ مگر مصطفیٰ علیہ السلام کے لئے خود رب تعالیٰ نے فرمایا۔ **بَيْنَا لِكُلِّ شَيْءٍ** ہد ہد غلطی کر سکتا ہے رب کا کلام غلط نہیں ہو سکتا اس نے تو یہ بھی کہا **وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ** کیا تخت بلیقوس عرش عظیم تھا۔ بلکہ قرآن کی اور آیتیں تو بتا رہی ہیں کہ

كُلِّ شَيْءٍ سے مراد یہاں عالم کی تمام چیزیں ہیں۔ فرماتا ہے۔ **وَلَا زَكَبَ وَ يَابِسَ إِلَّا فِي كِتَابِ مُبِينٍ** کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں جو لوح محفوظ یا قرآن کریم میں نہ ہو پھر آنے والی احادیث اور علماء اور محدثین کے قول بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کہ عالم کی ہر چیز کا حضور علیہ السلام کو علم دیا گیا۔ ہم حاضر و ناظر کی بحث میں انشاء اللہ بتائیں گے کہ تمام عالم ملک الموت کے سامنے ایسا ہے۔ جیسا ایک طشت۔ اور ابلقوس آن کی آن میں

تمام زمین کا چکر لگاتا ہے۔ اور یہ دیوبندی بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ساری مخلوقات سے زیادہ حضور علیہ السلام کا علم ہے۔ لہذا اثابت ہوا کہ حضور ﷺ کو بھی ان چیزوں کا علم ہو۔ حضرت آدم اور کاتب تقدیر فرشتہ کا علم ہم علوم خمسہ کی بحث میں بتائیں گے جس سے معلوم ہوگا کہ سارے علوم خمسہ ان کو حاصل ہوتے ہیں۔ اور حضور علیہ السلام تو ساری مخلوق سے زیادہ عالم لہذا حضور علیہ السلام کو بھی یہ علوم بلکہ اس سے زیادہ ماننا پڑیں گے۔ ہمارا مدعی ہر حال میں ثابت ہے، والحمد للہ۔

دوسری فصل

علم غیب کی احادیث کے بیان میں

اس فصل میں ہم نمبر وار احادیث بیان کرتے ہیں۔ پھر اسی نمبروں کی ترتیب سے تیسری فصل میں ان حدیثوں کی شرح بیان کریں گے۔
(۱) بخاری کتاب بدء الخلق اور مشکوٰۃ جلد دوم باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء میں حضرت فاروق سے روایت ہے۔

قَامَ فَيُنَارُ سَوَّلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَاخْبَرَنَا عَنْ بَدِءِ الْخَلْقِ حَتَّى دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ
وَاَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذَلِكَ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ

”حضور علیہ السلام نے ایک جگہ قیام فرمایا پس ہم کو ابتداء پیدائش کی خبر دے دی۔ یہاں تک کہ جنتی لوگ اپنی منزلوں میں پہنچ گئے اور جہنمی اپنی میں جس نے یاد رکھا۔ اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔“

اس جگہ حضور علیہ السلام نے دو قسم کے واقعات کی خبر دی (۱) عالم کی پیدائش کی ابتداء کس طرح ہوئی (۲) پھر عالم کی انتہا کس طرح ہوگی۔ یعنی از روز اول تا قیام قیامت ایک ایک ذرہ بیان کر دیا۔

(۲) مشکوٰۃ باب المعجزات میں مسلم سے بروایت عمرو ابن اخطب اسی طرح منقول ہے مگر اس میں اتنا اور ہے۔

فَاخْبَرَنَا بِمَا هُوَ كَائِنٌ اِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ فَاَعْلَمْنَا اَحْفَظْنَا

”ہم کو تمام ان واقعات کی خبر دے دی جو قیامت تک ہونیوالے ہیں۔ پس ہم میں بڑا عالم وہ ہے جو ان باتوں کا زیادہ حافظ ہے۔“
(۳) مشکوٰۃ باب الفتن میں بخاری و مسلم سے بروایت حضرت حذیفہ ہے۔

مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُونُ مَقَامِهِ اِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ اِلَّا حَدَّثَ بِهِ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ

”حضور علیہ السلام نے اس جگہ قیامت تک کی کوئی چیز نہ چھوڑی مگر اس کی خبر دے دی جس نے یاد رکھا یا درکھا جو بھول گیا وہ بھول گیا۔“
(۴) مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں مسلم سے بروایت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ زَوَى لِيَ الْاَرْضِ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا
”اللہ نے میرے لئے زمین سمیٹ دی پس میں نے زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا۔“

(۵) مشکوٰۃ باب المساجد میں عبدالرحمن بن عائش سے روایت ہے۔

رَأَيْتُ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ فَوَصَّنَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتَفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ
فَاَفِی السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ

”ہم نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا رب تعالیٰ نے اپنا دست قدرت ہمارے سینہ پر رکھا۔ جسکی ٹھنڈک ہم نے اپنے قلب میں پائی پس تمام آسمان و زمین کی چیزوں کو ہم نے جان لیا۔“

(۶) شرح مواہب لدنیہ للزرقانی میں حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایت سے ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ رَفَعَ لِيَ الدُّنْيَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهَا وَ اِلَى مَا هُوَ كَائِنٌ فِيْهَا اِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ كَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلَى كَفِّيْ هَذَا
”اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے ساری دنیا کو پیش فرمادیا پس ہم اس دنیا کو اور جو اس میں قیامت تک ہونیوالا ہے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ کو دیکھتے ہیں۔“

(۷) مشکوٰۃ باب المساجد بروایت ترمذی ہے۔

فَتَجَلَّى لِيْ كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ ”پس ہمارے لئے ہر چیز ظاہر ہوگئی اور ہم نے پہچان لی۔“

(۸) مسند امام احمد بن حنبل میں بروایت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَائِدٍ فِتْنَةٍ اِلَى اَنْ تَنْقَضِيَ الدُّنْيَا يَبْلُغُ مِنْ ثَلَاثِ مِائَةٍ

فَصَاعِدًا قَدْ سَمَاهُ لَنَا بِاسْمِهِ وَاسْمِ اَبِيْهِ وَاسْمِ قَبِيْلَتِهِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ

”نہیں چھوڑا حضور علیہ السلام نے کسی فتنہ چلائیوالے کو دنیا کے ختم ہونے تک جن کی تعداد تین سو سے زیادہ تک پہنچے گی مگر ہم کو اس کا نام اس کے باپ کا نام اس کے قبیلے کا نام بتا دیا۔“

(۱۰) مشکوٰۃ باب ذکر الانبیاء میں بخاری سے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

خُفِّفَ عَلَى دَاوُدَ الْقُرْآنُ فَكَانَ يَأْمُرُ دَوَّابَّهُ فَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ قَبْلَ أَنْ تُسْرَجَ

”حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن (زبور) کو اس قدر ہلکا کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنے گھوڑوں کو زین لگانے کا حکم دیتے تھے تو آپ ان کی زین سے پہلے زبور پڑھ لیتے تھے۔“

یہ حدیث اس جگہ اس لئے بیان کی گئی کہ اگر حضور علیہ السلام نے ایک وعظ میں ازاول تا آخر واقعات بیان فرمادیئے تو یہ بھی آپ کا معجزہ تھا۔ جیسا کہ حضرت داؤد آن کی آن میں ساری زبور شریف پڑھ لیتے تھے۔

(۱۱) مشکوٰۃ باب مناقب اہل البیت میں ہے۔

تَلِدُ فَاطِمَةُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ غُلَامًا يَكُونُ فِي حَجْرِكَ.

”حضور علیہ السلام نے خبر دی کہ فاطمہ زہرا کے فرزند پیدا ہوگا۔ جو تمہاری پرورش میں رہے گا۔“

(۱۲) بخاری باب اثبات عذاب القبر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل ہے۔

مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ يُعَذَّبَانِ فَقَالَ إِنَّهُمَا يُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَنْزِهُ مِنَ الْبَوْلِ وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً وَقَالَ لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَبْسَسَا

”حضور علیہ السلام دو قبروں پر گزرے جن میں عذاب ہو رہا تھا تو فرمایا کہ ان دونوں شخصوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور کسی دشوار بات میں عذاب نہیں ہو رہا ہے ان میں سے ایک تو پیشاب سے نہ بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا پھر ایک تر شاخ کو لے کر اسکو آدھا آدھا چیرا پھر ہر قبر میں ایک ایک کو گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ ٹکڑے خشک نہ ہوں گے ان دونوں شخصوں سے عذاب میں کمی کی جاوے گی۔“

(۱۳) بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ اور تفسیر خازن میں زیر آیت **لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءٍ إِنْ تُبَدِّلُكُمْ** ہے۔

قَامَ عَلَى الْمَنْبَرِ فَذَكَرَ السَّاعَةَ وَذَكَرَ أَنَّ بَيْنَ يَدَيْهَا أُمُورًا عِظَامًا ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ أَحَبَّ أَنْ يُسْأَلَ عَنْ شَيْءٍ فَلَيْسَئِلُ عَنْهُ فَوَاللَّهِ لَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْئِي إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ مَا دُمْتُ فِي مَقَامِي هَذَا فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ أَيْنَ مُدْخَلِي قَالَ النَّارُ فَقَامَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ حُذَافَةَ فَقَالَ مَنْ ابْنِي قَالَ أَبُوكَ حُذَافَةُ ثُمَّ كَثُرَ أَنْ قُولَ سَلُونِي سَلُونِي

”حضور علیہ السلام منبر پر کھڑے ہوئے پس قیامت کا ذکر فرمایا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات ہیں پھر فرمایا کہ جو شخص جو بات پوچھنا چاہے پوچھ لے قسم خدا کی جب تک ہم اس جگہ یعنی منبر پر ہیں تم کوئی بات ہم سے نہ پوچھو گے مگر ہم تم کو اس کی خبر دیں گے ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میرا ٹھکانا کہاں ہے؟ فرمایا جہنم میں عبد اللہ اب حذافہ نے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے فرمایا حذافہ۔ پھر بار بار فرماتے رہے کہ پوچھو پوچھو۔“

خیال رہے کہ جہنمی یا جنتی ہونا علوم خمسہ میں سے ہے کہ سعید ہے یا شقی اسی طرح کون کس کا بیٹا ہے یہ ایسی بات ہے کہ جس کا علم سوائے اس کی ماں کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا قربان ان نگاہوں کے جو کہ اندھیرے اجالے، دنیا و آخرت سب کو دیکھتی ہیں۔

(۱۴) باب مناقب علی میں ہے۔

قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ لَا عَطِيقَ هَذِهِ الرَّايَةِ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللَّهُ وَرَسُولَهُ.

”حضور علیہ السلام نے خیبر کے دن فرمایا کہ ہم کل یہ جھنڈا اس کو دیں گے جسکے ہاتھ پر اللہ خیر فتح فرمادے گا اور وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔“

(۱۵) مشکوٰۃ باب المساجد میں ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

عُرِضَتْ عَلَيَّ أَعْمَالُ أُمَّتِي حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا فَوَجَدْتُ فِي مَحَاسِنِ أَعْمَالِهَا الْآذِيَ يُمَاطُ عَنِ الطَّرِيقِ

”ہم پر ہماری امت کے اعمال پیش کئے گئے اچھے بھی اور برے بھی ہم نے انکے اچھے اعمال میں وہ تکلیف وہ چیز بھی پائی جو راستے سے ہٹا دی جائے۔“

(۱۶) مسلم جلد دوم کتاب الجہاد باب غزوہ بدر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا مَصْرَعُ فَلَانٍ يَصْنَعُ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ هَهُنَا قَالُ فَمَا مَاطَ أَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعٍ يَدْرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

”حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ فلاں شخص کے گرنے کی جگہ ہے اور اپنے دست مبارک کو ادھر ادھر زمین پر رکھتے تھے راوی نے فرمایا کہ کوئی بھی مقتولین میں سے حضور علیہ السلام کے ہاتھ کی جگہ سے ذرا بھی نہ ہٹا۔“

خیال رہے کہ کونسی جگہ مرے گا۔ یہ علوم خمسہ میں سے ہے جس کی خبر حضور علیہ السلام جنگ بدر میں ایک روز پہلے دے رہے ہیں۔
(۱۷) مشکوٰۃ باب المعجزات میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

فَقَالَ رَجُلٌ تَاللهِ اِنْ رَئِيتُ كَالْيَوْمِ ذَنْبٌ يَتَكَلَّمُ فَقَالَ الذِّبْ اَعْجَبُ مِنْ هَذَا رَجُلٌ فِي النَّخَلَاتِ بَيْنَ الْحَرَتَيْنِ يُخْبِرُكُمْ بِمَا مَضَىٰ وَمَا هُوَ كَاِثْنٌ بَعْدَكُمْ

”شکاری آدمی نے کہا کہ میں نے آج کی طرح کبھی نہ دیکھا کہ بھیڑیا باتیں کر رہا ہے تو بھیڑیا بولا کہ اس سے عجیب بات یہ ہے کہ ایک صاحب (حضور) دومیدانوں کے درمیانی نخلستان (مدینہ) میں ہیں اور تم کو گزشتہ اور آئندہ کی خبریں دے رہے ہیں۔“

(۱۸) تفسیر خازن پارہ ۴ زیر آیت مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ هِيَ۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عُرِصَتُ عَلِيٍّ أُمِّي فِي صُورِهَا فِي الطِّينِ كَمَا عُرِصَتُ عَلَىٰ آدَمَ وَ أَعْلِمْتُ مَنْ يُؤْمِنُ وَمَنْ يَكْفُرُ بِي فَبَلَغَ ذَلِكَ الْمُنَافِقِينَ قَالُوا السُّتَهْزَاءُ زَعَمَ مُحَمَّدٌ أَنَّهُ يَعْلَمُ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمَنْ يَكْفُرُ مِمَّنْ لَمْ يُخْلَقْ بَعْدُ وَنَحْنُ مَعَهُ وَمَا يَعْرِفُنَا فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللَّهَ وَآلَنِي عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ طَعَنُوا فِي عِلْمِي لَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ فِيمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ السَّاعَةِ إِلَّا أَنْبَأْتُكُمْ بِهِ

”حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم پر ہماری امت پیش فرمائی گئی اپنی اپنی صورتوں میں مٹی میں جس طرح کہ حضرت آدم پر پیش ہوئی تھی ہم کو بتا دیا گیا کون ہم پر ایمان لاویگا اور کون کفر کریگا۔ یہ منافقین کو پہنچی تو وہ ہنس کر کہنے لگا کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کو لوگوں کی پیدائش سے پہلے ہی کافر و مومن کی خبر ہوگئی ہم تو ان کے ساتھ ہیں اور ہم کو نہیں پہچانتے یہ خبر حضور علیہ السلام کی پہنچی تو آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا کہ قوموں کا کیا حال ہے کہ ہمارے علم میں طعن کرتے ہیں اب سے قیامت تک کسی چیز کے بارے میں جو بھی تم ہم سے پوچھو گے ہم تم کو خبر دیں گے۔“

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ حضور علیہ السلام کے علم میں طعن کرنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ دوسرے یہ کہ قیامت تک کہ واقعات سارے حضور علیہ السلام کے علم میں ہیں۔

(۱۹) مشکوٰۃ کتاب النفتن باب الملاحم فصل اول میں مسلم سے بروایت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

إِنِّي لَا عَرِفَ أَسْمَاءَهُمْ وَأَسْمَاءَ آبَاءِهِمْ وَالْوَأَنَ خِيُولِهِمْ خَيْرُ فَوَارِسَ أَوْ مِنْ خَيْرِ فَوَارِسَ عَلَىٰ ظَهْرِ الْأَرْضِ

”ہم ان کے (دجال سے جہاد کی تیاری کرنے والوں) نام ان کے باپ دادوں کے نام ان کے گھوڑوں کے رنگ پہچانتے ہیں وہ روئے زمین پر بہترین سوار ہیں۔“

(۲۰) مشکوٰۃ شریف باب مناقب ابی بکر و عمر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ کیا کوئی ایسا بھی ہے جس کی نیکیاں تاروں کے برابر ہوں فرمایا ہاں وہ عمر ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے سارے لوگوں کے تمام ظاہری اور پوشیدہ اعمال کی پوری خبر ہے اور آسمانوں کے تمام ظاہر و پوشیدہ تاروں کا بھی تفصیلی علم ہے۔ حالانکہ بعض تارے اب تک فلاسفہ کو سائنسی آلات سے بھی معلوم نہ ہو سکے۔ حضور علیہ السلام نے ان دونوں چیزوں کو ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ عمر کی نیکیاں تاروں کے برابر ہیں۔ دو چیزوں کی برابری یا کمی بیشی وہ ہی بتا سکتا ہے جسے دونوں چیزوں کا علم بھی ہو اور مقدار بھی معلوم ہو۔

ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اختصار اسی قدر پر کفایت کی گئی ان احادیث سے اتنا معلوم ہوا کہ تمام عالم حضور ﷺ

کے سامنے اس طرح ہے جیسے اپنی کف دست۔ خیال رہے کہ عالم کہتے ہیں ماسواء اللہ کو تو عالم اجسام، عالم ارواح، عالم امر، عالم امکان عالم ملائکہ، عرش و فرش غرضیکہ ہر چیز پر حضور علیہ السلام کی نظر ہے اور عالم میں لوح محفوظ بھی ہے۔ جس میں سارے حالات ہیں۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اگلے پچھلے سارے واقعات پر بھی اطلاع رکھتے ہیں۔ تیسرے یہ معلوم ہوا کہ تاریک راتوں میں تنہائی کے اندر جو کام کئے جاویں وہ بھی نگاہ مصطفیٰ ﷺ سے پوشیدہ نہیں کہ عبد اللہ کے والد حذیفہ کو بتا دیا۔ چوتھے یہ معلوم ہوا کہ کون کب مرے گا۔ کہاں مرے گا۔ کس حال میں مرے گا۔ کافر یا مومن، عورت کے پیٹ میں کیا ہے یہ بھی میرے حضور علیہ السلام پر مخفی نہیں غرضیکہ ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ علم میں ہے۔

تیسری فصل

شارحین احادیث کے اقوال میں، دربارہ علم غیب

(۱) عینی شرح بخاری۔ فتح الباری ارشاد الساری شرح بخاری۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث نمبر ۱ کے ماتحت ہے۔

فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّهُ أَخْبَرَ فِي الْمَجْلِسِ الْوَاحِدِ بِجَمِيعِ أَحْوَالِ الْمَخْلُوقَاتِ مِنْ ابْتِدَاءِ هَا إِلَى ابْتِهَائِهَا

اس حدیث میں دلالت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک ہی مجلس میں ساری مخلوقات کے سارے حالات کی از ابتداء تا انتہا خبر دے دی۔

(۲) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور شرح شفا للملا علی قاری و زرقانی شرح مواہب۔ نسیم الریاض شرح شفا میں حدیث نمبر ۴ میں ہے۔

وَحَاصِلُهُ أَنَّهُ طَوَى لَهُ الْأَرْضَ وَجَعَلَهَا مَجْمُوعَةً كَهَيْئَةِ كَفِّ فِيهِ مِرَّةً قَبْلَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى جَمْعِهَا وَطَوَاهَا

بِتَقْرِيبِ بَعِيدِهَا إِلَى قَرِيبِهَا حَتَّى إِطْلَعَتْ عَلَى مَا فِيهَا

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کیلئے زمین سمیٹ دی گئی اور اسکو ایسا جمع فرما دیا گیا جیسے ہاتھ میں آئینہ ہو اور وہ شخص اس پورے آئینے کو دیکھتا ہے اور زمین کو اس طرح سمیٹا کہ دور والی کو قریب کر دیا اسکے قریب کی طرف۔ یہاں تک کہ ہم نے دیکھ لیا ان تمام چیزوں کو جو زمین میں ہیں۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث نمبر ۵ کے ماتحت ہے۔

فَعَلِمْتُ بِسَبَبٍ وَصُولِ ذَلِكَ الْغَيْضِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَعْنِي مَا أَعْلَمَهُ اللَّهُ مِمَّا فِيهِمَا مِنَ

الْمَلَائِكَةِ وَالْأَشْجَارِ وَغَيْرِهَا وَهُوَ عِبَارَةٌ عَنْ سَعَةِ عِلْمِهِ الَّذِي فَتَحَ اللَّهُ وَقَالَ ابْنُ حَجَرٍ أَرَى جَمِيعَ

الْكَائِنَاتِ الَّتِي فِي السَّمَوَاتِ بَلْ وَمَا فَوْقَهَا كَمَا يُسْتَفَادُّ مِنْ قِصَّةِ الْمِعْرَاجِ وَالْأَرْضِ هِيَ بِمَعْنَى

الْجَنَسِ وَجَمِيعَ مَا فِي الْأَرْضَيْنِ السَّبْعِ بَلْ وَمَا تَحْتَهَا كَمَا أَفَادَهُ إِخْبَارُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الثَّوْرِ

وَالْحُوتِ الَّذِي عَلَيْهِمَا الْأَرْضُونَ

”اس فیض کے پہنچنے سے ہم نے تمام وہ چیزیں جان لیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں یعنی آسمان و زمین میں وہ چیزیں جو اللہ نے بتائیں فرشتے اور درخت وغیرہ یہ آپ کے اس وسیع علم کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر ظاہر فرمایا۔ ابن حجر نے فرمایا کہ جان لی وہ تمام مخلوقات جو آسمانوں (بلکہ جو اس

کے اوپر ہے) جیسا کہ حدیث معراج سے معلوم ہوتا ہے اور زمین میں ہے اور تمام وہ چیزیں جو ساتوں زمین بلکہ جو اس سے نیچے ہیں جیسا کہ ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے جن میں حضور علیہ السلام نے گائے اور مچھلی کی خبر ہے دی جن پر زمینیں قائم ہیں۔“

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث ۵ کے ماتحت ہے۔

”عبارت است از حصول تمام علوم جزوی و کلی و احاطہ آں“ یہ حدیث تمام جزئی و کلی علموں کے حاصل ہونے اور اسکے احاطہ کا بیان ہے۔

(۷) اشعۃ اللمعات میں حدیث نمبر ۷ کے ماتحت بیان فرمایا۔

”پس ظاہر شد مرا ہر چیز از علوم و شناختم ہمدرا“ ہم پر ہر قسم کا علم ظاہر ہو گیا اور ہم نے سب کو پہچان لیا۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں اسی حدیث نمبر ۷ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

أَيُّ أَظْهَرَ وَكُشِفَ لِيَ الدُّنْيَا بِحَيْثُ أَحْطَتْ بِجَمِيعِ مَا فِيهَا فَانَّا أَنْظَرُ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا هُوَ كَائِنٌ فِيهَا إِلَى

يَوْمِ الْقِيَمَةِ كَأَنَّمَا أَنْظَرُ إِلَى كَفَى هَذِهِ إِشَارَةً إِلَى أَنَّهُ نَظَرَ حَقِيقَةً دَفَعَ بِهِ أَنَّهُ أُرِيدَ بِالنَّظَرِ الْعِلْمُ

”یعنی ہمارے سامنے دنیا ظاہر کی گئی اور کھولی گئی کہ ہم نے اسکی تمام چیزوں کا احاطہ کر لیا پس ہم اس دنیا کو اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا

ہے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ہیئت ملاحظہ فرمایا یہ احتمال دفع ہو گیا کہ نظر سے مراد علم ہے۔“
(۸) امام احمد قسطلانی مواہب شریف میں زیر حدیث نمبر ۸ فرماتے ہیں۔

وَلَا شَكَّ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَطْلَعَهُ أَزِيدَ مِنْ ذَلِكَ وَالْقَى عَلَيْهِ عِلْمَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ
”اس میں شک نہیں کہ اللہ نے حضور کو اس سے بھی زیادہ پر مطلع فرمایا اور آپ کو سارے اگلے پچھلے حضرات کا علم دیا۔“
ملا علی قاری مرقاة میں حدیث نمبر ۱ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

يُخْبِرُكُمْ بِمَا مَصْنَعِيَ أَيْ سَبَقَ مِنْ خَيْرِ الْأَوَّلِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَا هُوَ كَائِنُ بَعْدَكُمْ أَيْ مِنْ نَبَا الْآخِرِينَ فِي الدُّنْيَا وَمِنْ أَحْوَالِ الْأَجْمَعِينَ فِي الْعُقْبَى
”تم کو حضور علیہ السلام اگلوں کی گزری ہوئی خبریں دیتے ہیں اور جو کچھ تمہارے بعد پچھلوں کی خبریں ہیں وہ بھی بتاتے ہیں۔ دنیاوی حالات اور آخرت کے سارے حالات۔“
(۹) مرقاة میں حدیث نمبر ۱۹ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

فِيهِ مَعَ كَوْنِهِ مِنَ الْمُعْجَزَاتِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّ عِلْمَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُحِيطٌ بِالْكُلِّيَّاتِ وَالْجُزْئِيَّاتِ مِنَ الْكَائِنَاتِ وَغَيْرِهَا
اس حدیث میں معجزہ ہونیکے ساتھ ہی ساتھ اس پر بھی دلالت ہے کہ حضور علیہ السلام کا علم کُلّی اور جزئی واقعات کو گھیرے ہوئے ہے۔
محدثین کے ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام تمام عالم کو اور اس میں ازل تا ابد ہونے والے واقعات کو اس طرح ملاحظہ فرما رہے ہیں۔
جیسے کوئی اپنے ہاتھ میں آئینہ لے کر اس کو دیکھتا ہے اس عالم میں لوح محفوظ بھی ہے دوسرے یہ معلوم ہوا کہ تمام اولین و آخرین یعنی انبیاء و ملائکہ و اولیاء کا علم آپ کو عطا فرمایا گیا۔ انبیاء میں حضرت آدم و حضرت خلیل و حضرت خضر علیہم السلام داخل ہیں۔ اور ملائکہ میں حاملین عرش اور حاضرین لوح محفوظ بھی شامل ہیں اور ان کا علم تو سارے ماکان و مایکون کو محیط ہے۔ تو حضور کے علم کا کیا پوچھنا۔ اس وسعت علم میں علوم خمسہ بھی آگئے۔

چوتھی فصل

علمائے امت کے اقوال کے بیان میں دربارہ علم غیب

مدارج النبوة کے خطبہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (بارہ ۲ سورہ ۵۷ آیت ۳)
”وہ ہی اول ہے وہ ہی آخر وہ ہی ظاہر وہ ہی پوشیدہ اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔“

یہ خدا کی حمد بھی ہے اور نعت مصطفیٰ علیہ السلام بھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ ”وہ صلی اللہ علیہ وسلم دانا است بمعہ چیز از شیونات و احکام الہی و احکام و صفات حق و اسماء و افعال و آثار و تجميع علوم ظاہر و باطن و اول و آخر احاطہ نمودہ و مصداق **فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ** شد“ حضور علیہ السلام تمام چیزوں کے جاننے والے ہیں اور انہوں نے خدائے پاک کی شانیں اس کے احکام حق تعالیٰ کے صفات اور افعال اور سارے ظاہری باطنی اول و آخر کے علوم احاطہ فرمالیا ہے۔

اسی مدارج جلد اول باب پنجم در ذکر فضائل آنحضرت صفحہ ۱۴۳ میں ہے۔ ”از زمان آدم تا نوحہ اولیٰ بروئے علیہ السلام مکشف ساختہ تا ہمد احوال اودا از اول و آخر معلوم گردد و یاران خود را نیز بعضی احوال خبر داد۔

حضرت آدم سے صور پھونکنے تک تمام حضور علیہ السلام پر ظاہر فرمایا تا کہ اول سے آخر تک کے سارے حالات آپ کو معلوم ہو جائیں اور حضور ﷺ نے بعض حالات کی خبر اپنے صحابہ کو بھی دی۔
علامہ ذرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں۔

وَقَدْ تَوَاتَرَتْ الْأَخْبَارُ وَاتَّفَقَتْ مَعَانِيهَا عَلَى إِطْلَاعِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى الْغَيْبِ وَلَا يَتَنَا فِي الْآيَةِ الدَّلَالَةُ عَلَى أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ لِأَنَّ الْمَنْفِيَّ عِلْمُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ أَمَّا إِطْلَاعُهُ عَلَيْهِ بِإِعلامِ اللَّهِ فَمُحَقَّقٌ بِقَوْلِهِ تَعَالَى إِلَّا مَنْ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ

احادیث اس پر متواتر ہیں اور انکے معانی اس پر متفق ہیں کہ حضور علیہ السلام کو غیب پر اطلاع ہے اور یہ مسئلہ ان آیتوں کے خلاف نہیں جو اس دلالت کرتی ہیں کہ خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا کیونکہ جس غیب کی نفی ہے وہ علم بغیر واسطہ ہے (ذاتی) لیکن حضور کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتانے سے وہ

ثابت ہے، رب کے اس قول سے کہ سوائے پسندیدہ رسول کے۔

شفا شریف میں قاضی عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں (ماخوذ از خرپوتی شرح قصیدہ مددہ)۔

خَصَّ اللَّهُ تَعَالَىٰ بِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْإِطْلَاعِ عَلَىٰ جَمِيعِ مَصَالِحِ الدُّنْيَا وَالْدِّينِ وَمَصَالِحِ أُمَّتِهِ وَكَانَ فِي الْأُمَمِ وَمَا سَيَكُونُ فِي أُمَّتِهِ مِنَ النَّقِيرِ وَالْقَطْمِيرِ وَعَلَىٰ جَمِيعِ فُنُونِ الْمَعَارِفِ كَأَحْوَالِ الْقَلْبِ وَالْفَرَائِضِ وَالْعِبَادَةِ وَالْحِسَابِ

”اللہ نے حضور علیہ السلام کو خاص فرمایا تمام دینی و دنیاوی مصلحتوں پر مطلع فرما کر اور اپنی امت کے مصلحت اور گزشتہ امتوں کے واقعات اور اپنی امت کے ادنیٰ سے ادنیٰ واقعہ پر خبردار فرمادیا۔ اور تمامی معرفت کے فنون پر مطلع فرمادیا جیسے دل کے حالات، فرائض عبادات اور علم حساب۔“

فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتْهَا وَمِنْ عُلُومِكَ عِلْمُ اللُّوحِ وَالْقَلَمِ

”دنیا و آخرت آپ ہی کے کرم سے ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا بعض حصہ ہے۔“

شرح قصیدہ بردہ مصنفہ علامہ ابراہیم بھجوری میں اس شعر کے ماتحت ہے۔

فَإِنْ قِيلَ إِذَا كَانَ عِلْمُ اللُّوحِ وَالْقَلَمِ بَعْضُ عُلُومِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَمَا الْبَعْضُ الْآخَرُ هُوَ مَا أَخْبَرَهُ اللَّهُ تَعَالَىٰ مِنْ أَحْوَالِ الْآخِرَةِ لِأَنَّ الْقَلَمَ إِنَّمَا كَتَبَ فِي اللُّوحِ مَا هُوَ كَاتِبٌ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ

”اگر کہا جاوے کہ جب لوح و قلم کا علم حضور کے علوم کا بعض ہوا تو دوسرے بعض کون سے علوم ہیں جواب دیا جاوے گا کہ وہ بعض آخرت کے حالات کا علم ہے جسکی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خبر دی کیونکہ قلم نے تو لوح میں وہ ہی لکھا ہے جو قیامت تک ہونے والا ہے۔“

ملا علی قاری حل العقد شرح قصیدہ بردہ میں اسی شعر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وَكُونُ عُلُومِهِمَا مِنْ عُلُومِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّ عُلُومَهُ تَتَنَوَّعُ إِلَى الْكُلِّيَّاتِ وَالْجُزْئِيَّاتِ وَحَقَائِقِ وَمَعَارِفِ وَعَوَارِفِ تَتَعَلَّقُ بِالذَّاتِ وَالصِّفَاتِ وَعِلْمُهُمَا يُكُونُ نَهْرَ أَمْنٍ بُحُورِ عِلْمِهِ وَحَرْفًا مِنْ سَطُورِ عِلْمِهِ

”اور لوح و قلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علوم کے بعض اس لئے ہیں کہ حضور کے علوم منقسم ہیں جزئیات اور کلیات اور حقائق اور معرفت اور ان معرفتوں کی طرف جس کا تعلق ذات اور صفات سے ہے لہذا لوح و قلم کا علم حضور کے علم کے دریاؤں کی ایک نہر ہے اور حضور علیہ السلام کے علم کی سطروں کا ایک حرف۔“

ان عبارتوں نے فیصلہ فرمادیا کہ وہ لوح و قلم جن کے علوم کو قرآن نے فرمایا کہ۔

وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ”کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو۔“

اس کے علوم علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمندروں کا ایک قطرہ ہے تو معلوم ہوا کہ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے دفتر کا ایک نقطہ ہے۔

امام بصری صاحب قصیدہ بردہ اپنے دوسرے قصیدہ اُمّ القراط میں فرماتے ہیں۔

وَسَعَ الْعَالَمِينَ عِلْمًا وَحِلْمًا فَهُوَ بَحْرٌ لَمْ تَعْيَهَا الْأَعْيَاءُ

”حضور علیہ السلام نے اپنے علم و اخلاق سے جہانوں کو گھیر لیا۔ پس آپ ایسے سمندر ہیں کہ اس کو گھیرنے والے نہ گھیر سکے۔“

شیخ سلیمان جمل اس شعر کی شرح میں فتوحات احمدیہ میں فرماتے ہیں۔

أَيَّ وَسَعَ عِلْمُهُ عُلُومَ الْعَالَمِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلَائِكَةِ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَىٰ أَطْلَعَهُ عَلَى الْعَالَمِ كُلِّهِ فَعَلِمَ عِلْمَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَمَا كَانَ وَمَا يَكُونُ وَحَسْبُكَ عِلْمُ الْقُرْآنِ وَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ مَا فَرَطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ

”یعنی آپ کا علم تمام جہانوں یعنی جن و انسان اور فرشتوں کے علم کو گھیرے ہوئے ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کو تمام عالم پر خبردار فرمایا پس اگلے پچھلوں کا علم سکھایا اور ماکان و مایکون بتایا اور حضور علیہ السلام کے علم کے لئے علم قرآنی کافی ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز اٹھانہ رکھی۔“

امام ابن حجر مکی اس شعر کی شرح میں افضل القدی میں فرماتے ہیں۔

لَآنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَطْلَعَهُ عَلٰی الْعَالَمِ فَقَلِمَ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ وَ مَا كَانَ وَ مَا یَكُوْنُ.

”کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام جہان پر خبردار فرمایا پس آپ نے اولین و آخرین کو اور جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا اس کو جان لیا“ ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ سارے جہان والوں کا علم حضور علیہ السلام کو دیا گیا۔ جہان والوں میں حضرت آدم و ملائکہ اور ملک الموت اور شیطان وغیرہ سب ہی ہیں۔ اور ملک الموت و شیطان کے لئے علم غیب تو دیوبندی بھی مانتے ہیں۔ امام بوصیری قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں۔

وَ كُلُّهُمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ غَرْفًا مِنَ الْبَحْرِ اَدْرَ شَفَا مِنَ الدَّیْمِ

”تمام رسول حضور علیہ السلام سے ہی لینے والے ہیں سمندر سے ایک چلو یا تیز بارش سے چھینٹنا۔“ علامہ خرپوتی شرح قصیدہ بردہ میں اس شعر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اِنَّ جَمِیْعَ الْاَنْبِیَاءِ كُلِّ وَ اَحَدٍ مِنْهُمْ طَلَبُوْا وَ اَخَذُوْا الْعِلْمَ مِنْ عِلْمِهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ الَّذِیْ كَالْبَحْرِ فِی السَّعَةِ وَالْكَرَمِ مِنْ كَرَمِهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ الَّذِیْ هُوَ كَالدَّیْمِ لِاَنَّهُ عَلَیْهِ السَّلَامُ مُفِیضٌ وَ هُمْ مُسْتَفَاصِنُوْنَ لِاَنَّهُ تَعَالٰی خَلَقَ اِبْتَدَاءً رُوْحَهُ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَ وَصَّعَ عُلُوْمَ الْاَنْبِیَاءِ وَ عِلْمَ مَا كَانَ وَ مَا یَكُوْنُ ثُمَّ خَلَقَهُمْ فَآخَذُوْا وَ اَعْلُوْمَهُمْ مِنْهُ عَلَیْهِ السَّلَامُ

”ہر نبی نے حضور علیہ السلام کے اس علم سے مانگا اور لیا جو وسعت میں سمندر کی طرح ہے اور سب نے کرم حضور ﷺ کے اس کرم سے حاصل کیا جو تیز بارش کی طرح ہے کیونکہ حضور علیہ السلام فیض دینے والے ہیں اور وہ نبی فیض لینے والے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے لولا حضور علیہ السلام کی روح پیدا فرمائی پھر اس روح میں نبیوں کے اور ماکان و مایکون کے علم رکھے پھر ان رسولوں کو پیدا فرمایا پس ان سب نے اپنے علوم حضور ﷺ سے لئے۔ حافظ سلیمان ابریز شریف صفحہ ۲۵۸ میں فرماتے ہیں۔

یَعْلَمُ عَلَیْهِ السَّلَامُ مِنَ الْعَرْشِ اِلٰی الْفَرْشِ وَ یَطْلُعُ عَلٰی جَمِیْعِ مَا فِیْهَا وَ هَذَا الْعُلُوْمُ بِالنِّسْبَةِ اِلَیْهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ كَاْلِفِ مِنْ سِتِّیْنَ جُزْءٍ الَّتِیْ هِیَ الْقُرْاٰنُ الْعَزِیْزُ

حضور علیہ السلام عرش سے فرش تک کو جانتے ہیں اور جو کچھ ان میں ہے اسکی خبر رکھتے ہیں اور یہ سارے علوم حضور علیہ السلام کی نسبت سے ایسے ہیں جیسے الف ۶۰ جزو کی نسبت سے جو قرآن کریم ہیں۔

امام قسطلانی مواہب میں فرماتے ہیں۔

اَلنَّبُوَّةُ مَا خُوذَقْنَا مِنَ النَّبَاِ بِمَعْنٰی الْخَبْرِ اٰی اَطْلَعَهُ اللّٰهُ عَلٰی الْغَیْبِ

”نبوت بنا سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں خبر یعنی اللہ نے ان کو غیب پر خبردار فرمایا۔“

مواہب لدنیہ جلد دوم صفحہ ۱۹۲ القسم الثانی فِیْمَا اَخْبَرَ بِهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ مِنَ الْغُیُوْبِ میں ہے۔

لَا شَكَّ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدْ اَطْلَعَهُ عَلٰی اَزِیْدٍ مِنْ ذٰلِكَ وَ اَلْقٰی عَلَیْهِ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ

”اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ پر اطلاع دی اور آپ پر انگوں پچھلوں کا علم پیش کر دیا۔“

حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات شریف جلد اول مکتوب ۳۱۰ میں فرماتے ہیں۔

ہر علم کہ مخصوص بہ ادست سبحانہ، خاص رسل را اطلاع سے بخشید ”مدارج النبوة جلد اول میں ہے۔“ از بعضی صلحا از اہل فضل شنیدہ شدہ کہ بعضی از عرفا کتابے نوشتہ احزابا ثبات کردہ اند کہ آں حضرت را تمام علوم الہی معلوم ساختہ بودند و ایں سخن بظاہر مخالف بسیارے از اولہ است تا قائل آنچہ قصد باشد۔

جو علم رب تعالیٰ کیساتھ خاص ہے اس پر خاص رسولوں کو اطلاع دیتے ہیں۔ بعض علمائے صالحین میں سے سنا گیا ہے کہ بعض عارفین نے کوئی کتاب لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کو تمام علوم الہیہ معلوم کرادیئے گئے تھے۔ یہ کلام بظاہر تو بہت سے دلائل کے خلاف ہے نہ معلوم کہ قائل نے اس سے کیا مراد لی ہے۔

یہ عبارت اس لئے پیش کی گئی کہ بعض لوگوں نے حضور علیہ السلام کا علم خدا کے علم کے برابر مانا اور فرق صرف ذاتی اور عطائی کا جانا۔ مگر شیخ عبدالحق نے ان کو مشرک نہ مانا۔ بلکہ عارف کہا۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے علم غیب ماننا شرک نہیں۔ میرزا ہدر سالہ کے خطبہ میں ہے۔

كَانَ صَوَادِقُ التَّصَدِیْقَاتِ بِطَبَائِعِهَا مُتَوَجِّهَةً اِلٰی حَضْرَتِهِ الْاَقْدَسِ وَ حَقَائِقُ التَّصَوُّرَاتِ بِاَنْفُسِهَا

مَائِلَةً اِلٰی جَنَابِ الْمُقَدَّسِ فَرُوْجِهِ الْمَعْلٰی مَرَكَزَ الْمَعْقُوْلَاتِ تَصَوُّرَاتِهَا وَ تَصَدِیْقَاتِهَا وَ نَفْسُهُ الْعُلَیَّا

مَنْبَعُ الْعَقَلِيَّاتِ نَظَرُ يَاتِهَا وَفِطْرِيَّاتِهَا اس کی شرح لواء الہدیٰ مصنفہ غلام محلیٰ میں اس عبارت کے ماتحت ہے **فَدَاتِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَامِعٌ بَيْنَ جَمِيعِ أَنْحَاءِ الْعُلُومِ** سبحان اللہ اس عبارت نے پردے اٹھا دیئے۔ منطقوں نے بھی بارگاہ نبوت میں پیشانی رگڑ دی۔

مولانا بحر العلوم عبد اعلیٰ لکھنوی علیہ الرحمۃ خطبہ حواشی میرزا ہدیر سالہ میں فرماتے ہیں۔

عَلَّمَهُ غُلُومًا مَا احْتَوَى عَلَيْهِ الْعِلْمُ الْآلِ عَلَىٰ وَمَا اسْتَطَاعَ عَلَىٰ إِحَاطَتِهَا اللَّوْحُ الْآلِ وَفِي لَمْ يَلِدِ الدَّهْرُ مِثْلَهُ مِنَ الْآزَلِ وَلَمْ يُؤَلَدِ إِلَى الْآبَدِ فَلَيْسَ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُفُوًا أَحَدٌ
 ”حضور علیہ السلام کو رب نے وہ علوم سکھائے جن پر علم اعلیٰ بھی مشتمل نہیں اور جس کے گھیرے نے پر لوح محفوظ قادر نہیں نہ تو آپ کی مثل زمانے میں پیدا ہوا ازل سے اور نہ ابد تک ہوا اور آسمانوں و زمین میں کوئی آپ کا ہمسر نہیں۔“
 علامہ شنوانی جمع النہلیۃ میں فرماتے ہیں۔

قَدْ وَارَدَ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمْ يُخْرِجِ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى أَطْلَعَهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ.
 ”یہ وارد ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو دنیا سے نہ نکالا یہاں تک کہ آپکو ہر چیز پر مطلع فرما دیا۔“
 شرح عقائد نفی ص ۵۷۱ میں ہے۔

بِالْجُمْلَةِ الْعِلْمُ بِالْغَيْبِ أَمْرٌ تَفَرَّدَ بِهِ اللَّهُ تَعَالَى لَا سَبِيلَ إِلَيْهِ لِلْعِبَادِ إِلَّا بِاعْلَامٍ مِنْهُ أَوْ الْهَامًا بِطَرِيقِ الْمُعْجَزَةِ أَوْ الْكَرَامَةِ
 ”خلاصہ یہ ہے کہ غیب جاننا ایک ایسی بات ہے، جو خدا سے خاص ہے بندوگلو اس تک کوئی راہ نہیں بغیر رب کے بتائے یا الہام فرمائے معجزے یا کرامت کے طریقہ پر۔“
 درمختار شروع کتاب الحج میں ہے۔

فَرَضَ الْحَجَّ سَنَةً تَسْعَ وَائْتِمَا آخِرَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعَثَ لِعُذْرٍ مَعَ عِلْمِهِ بِبَقَاءِ حَيَاتِهِ لِيَكْمَلَ التَّبْلِغُ
 ”حج سنہ ۹ھ میں فرض ہوا اور حضور علیہ السلام نے اس کو سنہ ۱۰ھ تک مؤخر فرمایا کسی عذر کی وجہ سے اور حضور علیہ السلام کو اپنی زندگی پاک کے باقی رہنے کا علم بھی تھا۔ تاکہ تبلیغ پوری ہو جائے۔“
 اس عبارت سے معلوم کہ کب وفات ہوگی اس کا جاننا علوم خمسہ سے ہے مگر حضور علیہ السلام کو اپنی وفات کی خبر تھی۔ کہ سنہ ۹ھ میں نہ ہوگی۔ اسی لئے اس سال حج نہ فرمایا۔ ورنہ حج فرض ہوتے ہی اس کا ادا کرنا ضروری ہے کیونکہ ہم کو موت کی خبر نہیں۔
 خروپتی نے شرح قصیدہ بردہ میں اس شعر کے ماتحت بیان فرمایا۔

وَوَاقِفُونَ لَدَيْهِ عِنْدَ حَدِّهِمْ وَفِي حَدِيثٍ يُرَوَّى عَنْ مُعَاوِيَةَ أَنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ بَيْنَ يَدَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لَهُ أَلْقِ الدُّوَاءَ حُرِّفَ الْقَلَمُ وَاقِمِ الْبَاءَ وَفَرَّقِ السِّينَ وَلَا تَعَوِّرِ الْمِيمَ مَعَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَكْتُبْ وَلَمْ يَقْرَأْ مِنْ كِتَابِ الْآوَلِينَ

”حضرت امیر معاویہ سے حدیث مروی ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے سامنے لکھا کرتے تھے۔ پس حضور علیہ السلام نے ان کو فرمایا کہ دو اوت اس طرح رکھو۔ قلم کو پھیرا، ب کو سیدھا کرو، سین میں فرق کرو۔ اور میم کو ٹیڑھا کرو۔ باوجودیکہ حضور علیہ السلام نے لکھنا نہ سیکھا اور نہ اگلوں کی کتاب پڑھی۔“
 تفسیر روح البیان میں زیر آیت **وَلَا نَخْطُ بِمِمينِكَ** ہے۔

حضور علیہ السلام خطوں کو جانتے تھے اور اسکی خبر بھی دیتے تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام علم خط بھی بخوبی جانتے تھے۔ اسکی پوری تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمن بایات القرآن میں دیکھو۔
 مثنوی شریف میں ہے۔

سرمد کن در چشم خاک اولیاء	تابہ بنی ز ابتدا تا انتہا
کالماں از دور نامت بشنوند	تا بقعر تار و پودت در روند
بلکہ پیش از زادن تو سالہا	دیدہ باشندت بچندیں حالہا

حال تو داندیک یک موبہو زانکہ پر ہستند از اسرار ہُو

اسی مٹھوی شریف میں مولانا کفار قیدیوں کا ایک واقعہ نقل فرما کر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

بگرم سر عالم بنم نہاں
من شمارا وقت ذرات الست
آدم و خوا نرستہ از جہاں
دیدہ پابستہ و منکوس و پست
از حدوث آسمان بے عمد
آنچہ دانستہ بدم افزوں نہ شد

یعنی ہم سارے جہان کو اس وقت سے دیکھ رہے ہیں جب آدم و حوا پیدا بھی نہ ہوئے تھے اے کافر قیدیوں ہم نے تمہیں یشاق کے دن مومن اور نمازی دیکھا تھا۔ اس لئے تمہیں قید کیا ہے کہ تم ایمان لاؤ۔ بے ستون آسمان کی پیدائش ہم نے دیکھی ہے اس کچھ نہ زیادہ ہوا۔ علمائے کرام کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے سارے انبیاء ملائکہ سے زیادہ علوم عطا فرمائے لوح محفوظ و قلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علموں کا قطرہ ہے اور عالم کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اس چشم حق بین سے مخفی رہی ہو۔

پانچویں فصل

مخالفین کی تائید کے بیان میں

اب تک تو موافقین کی عبارات سے علم، غیب حضور علیہ السلام کے لئے ثابت کیا گیا۔ اب مخالفین کے اکابر کی وہ عبارات پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے مسئلہ علم غیب بخوبی حل ہو جاتا ہے۔

حاجی امداد اللہ صاحب شائے امدادیہ صفحہ ۱۱۰ میں فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ علم غیب انبیاء و اولیاء کو نہیں ہوتا، میں کہتا ہوں کہ اہل حق جس طرف نظر کرتے ہیں۔ دریافت و ادراک مغیبات کا ان کو ہوتا ہے۔ اصل میں یہ علم حق ہے۔ آنحضرت علیہ السلام کو حدیبیہ اور حضرت عائشہ کے معاملات کی خبر نہ تھی۔ اس کو دلیل اپنے دعویٰ کی سمجھتے ہیں۔ یہ غلط ہے کیونکہ علم کے واسطے توجہ ضروری ہے۔ (ماخوذ از انوار غیبیہ صفحہ ۲۵)

مولوی رشید احمد گنگوہی لطائف رشیدیہ صفحہ ۲۷ میں فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہ السلام کو ہر دم مشاہدہ امور غیبیہ اور تحفیظ (حضور حق تعالیٰ کا رہتا ہے)

کَمَا قَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمَ لَصَحَحْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا اور فرمایا **إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ** (انوار غیبیہ صفحہ ۳۲)

مولوی اشرف علی تھانوی تکمیل الحقیقین مطبوعہ ہندوستان پرنٹنگ پریس صفحہ ۱۳۵ میں فرماتے ہیں کہ شریعت میں وارد ہوا ہے کہ رسل و اولیاء غیب اور آئندہ کی خبر دیا کرتے ہیں۔ کیونکہ جب خدا غیب اور آئندہ کے حوادث کو جانتا ہے اس لئے کہ ہر حادثہ اس کے علم سے اسی کے ارادے کے متعلق ہونے سے اسی کے فعل سے پیدا ہوتا ہے تو پھر اس سے کون امر مانع ہو سکتا ہے۔ کہ یہ ہی خدا ان رسل و اولیاء میں سے جسے چاہے اسے غیب یا آئندہ کی خبر دے دے۔ اگرچہ ہم اس کے قائل ہیں کہ فطرت انسانی کا یہ حقیقی نہیں کہ وہ بذاتہ اور خود مغیبات میں سے کسی شے کو جان سکے لیکن اگر خدا کسی کو بتادے تو اس کو کون روک سکتا ہے۔ پس ان لوگوں کو جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ خدا کے بتائے سے ہی معلوم ہوتا ہے اور پھر وہ لوگ اوروں کو خبر دیتے ہیں۔ ان میں سے ایسا کوئی نہیں جو بذاتہ علم غیب کا دعویٰ کرتا ہو۔ چنانچہ شریعت محمدیہ بالذات علم غیب کے دعویٰ کرنے کو اعلیٰ درجہ کے ممنوعات میں شمار کرتی ہے۔ اور جو اس کا دعویٰ کرے اس کو کافر بتاتی ہے۔

مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی تحذیر الناس کے صفحہ ۴ پر لکھتے ہیں۔ علوم اولین مثلاً اور ہیں اور علوم آخرین اور لیکن وہ سب علم رسول اللہ میں مجتمع ہیں۔ اسی طرح سے عالم حقیقی رسول اللہ ہیں اور انبیاء باقی اور اولیاء بالعرض ہیں۔

اس آخری عبارت پر غور کرنا چاہیے کہ مولوی قاسم صاحب نے حضور علیہ السلام میں اولین اور آخرین کا علم جمع مانا ہے۔ اور اولین میں حضرت آدم و حضرت خلیل و حضرت ابراہیم علیہم السلام اسی طرح سارے ملائکہ حاملان عرش و حاضرین لوح محفوظ بھی شامل ہیں۔ لہذا ان سب کے علوم سے حضور علیہ السلام کا علم زیادہ ہونا چاہیے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے علم کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

چھٹی فصل

علم غیب کے عقلی دلائل اور اولیاء کے علم غیب کے بیان میں

چند عقلی دلائل سے بھی علم ماکان و مایکون کا ثابت ہے وہ دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سلطنت الہیہ کے وزیر اعظم بلکہ اعظم ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ بنایا گیا۔ تو حضور علیہ السلام اس سلطنت کے خلیفہ اعظم اور زمین میں نائب رب العالمین ہیں۔ اور سلطنت کے مقرر کردہ حاکم میں دو وصف لازم ہیں۔ ایک تو علم دوسرے اختیارات۔ اس دنیاوی سلطنت کے حکام جس قدر بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ اسی قدر ان کی معلومات اور اختیارات زیادہ ہوتے ہیں۔ کلکٹر کو سارے ضلع کا علم و اختیارات۔ وائسرائے کو سارے ملک کے متعلق علم و اختیارات ضروری ہیں کہ ان دو صفوں کے بغیر وہ حکومت کر ہی نہیں سکتا۔ اور سلطانی قانون رعایا میں جاری ہی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حضرات انبیاء میں جن کا جس قدر بڑا درجہ اسی قدر ان کے اختیارات اور علم زیادہ۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کو رب العالمین نے ان کے علم ہی سے ثابت فرمایا کہ چونکہ ان کو اتنا وسیع علم دیا ہے وہ ہی خلافت الہیہ کے لئے موزوں ہیں پھر ملائکہ سے سجدہ کرانا ان کے اختیارات خصوصیت کا ثبوت تھا کہ ملائکہ بھی ان کے سامنے جھک گئے۔ چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سارے عالم کے بنی اور عرش و فرش کے لوگ آپ کے امتی ہیں۔ لہذا ضروری تھا کہ آپ کو تمام انبیاء سے زیادہ علم اور زیادہ اختیارات دیئے جائیں۔ اسی لئے بہت سے معجزات دکھائے گئے۔ چاند اشارے سے پھاڑا۔ ڈوبا ہوا سورج واپس فرمایا۔ بادل کو حکم دیا۔ پانی برسا، پھر حکم دیا۔ کھل گیا۔ یہ سب اپنے خدا داد اختیارات کا اظہار تھا۔

(۲) مولوی قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیر الاناس میں لکھا ہے کہ انبیاء امت سے علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ رہا عمل۔ اس میں بظاہر کبھی امتی نبی سے بڑھ جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ عمل میں امتی نبی سے بڑھ سکتے ہیں۔ مگر علم میں نبی کا زیادہ ہونا ضروری ہے اور حضور علیہ السلام کے امتی تو ملائکہ بھی ہیں **لَيَكُونَنَّ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا** تو علم میں حضور علیہ السلام کا ملائکہ سے زیادہ ہونا ضروری ہے ورنہ پھر حضور علیہ السلام کس وصف میں امت سے افضل ہوں گے اور ملائکہ حاضرین لوح محفوظ کو تو ماکان و مایکون کا علم ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ حضور علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ علم ہو۔ (۳) چند سال کامل استاد کی صحبت میں رہ کر انسان عالم بن جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام قبل ولادت پاک کروڑوں برس رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہے تو حضور کیوں نہ کامل عالم ہوں۔ روح البیان نے **لَقَدْ جَاءَكُمْ** کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت جبریل نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ ایک ستر ہزار سال بعد چمکتا تھا۔ اور میں نے اسے بہتر ہزار دفعہ چمکتے دیکھا۔ فرمایا وہ تارا ہم ہی تھے۔ حساب لگا لو۔ کتنے کروڑ برس دربار خاص میں حاضری رہی۔

(۴) اگر شاگرد کے علم میں کچھ کمی رہے تو اس کی صرف چار ہی وجہ ہو سکتی ہیں۔ اولاً تو یہ کہ شاگرد نا اہل تھا۔ استاد سے پورا فیض لے نہ سکا۔ دوم یہ کہ استاد کامل نہ تھا کہ مکمل سکھا نہ سکا۔ سوم یہ کہ استاد یا بخیل تھا کہ پورا پورا علم اس شاگرد کو نہ دیا یا اس زیادہ کوئی اور پیارا شاگرد تھا کہ اس کو سکھانا چاہتا ہے۔ چوتھے یہ کہ جو کتاب پڑھائی وہ ناقص تھی۔ ان چار وجوہوں کے سوا اور کوئی وجہ ہو سکتی ہی نہیں یہاں سکھانے والا پروردگار کی محبوب **مُحَمَّدٌ** کیا سکھایا قرآن اور اپنے خاص علوم بتاؤ آیا رب تعالیٰ کامل استاد نہیں۔ یا رسول اللہ علیہ السلام لائق شاگرد نہیں؟ حضور علیہ السلام سے زیادہ کوئی اور پیارا ہے؟ یا کہ قرآن مکمل نہیں؟ جب ان میں سے کوئی بات نہیں۔ رب تعالیٰ کامل عطا فرمانے والا محبوب علیہ السلام کامل لینے والے۔ قرآن کریم کامل کتاب۔ **الرَّحْمَنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ** وہ ہی سب سے زیادہ مقبول بارگاہ۔ پھر علم کیوں ناقص۔

(۵) رب تعالیٰ نے ہر بات لوح محفوظ میں کیوں لکھی۔ لکھنا تو اپنی یادداشت کے لئے ہوتا ہے کہ بھول نہ جائیں۔ یا دوسروں کے بتانے کے لئے رب تعالیٰ تو بھول سے پاک لہذا اس نے دوسروں ہی کے لئے لکھا اور حضور علیہ السلام تو دوسروں سے زیادہ محبوب لہذا وہ تحریر حضور کے لئے ہے۔

(۶) نبیوں کی غیب رب تعالیٰ کی ذات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی تمنا فرمائی تو فرما دیا گیا۔ **لَنْ تَرَانِي** تم ہم کو نہ دیکھ سکو گے۔ جب محبوب علیہ السلام نے رب ہی کو معراج میں اپنی ان ظاہری مبارک آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تو عالم کیا چیز ہے جو آپ سے چھپ سکے۔

جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا

دیدار الہی کی بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الایمان بالقدر فصل اول کے آخر میں ہے۔

كَمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَاهُ فِي الدُّنْيَا لَا نِقْلَابَهُ بِهِ نُورًا

”حضور علیہ السلام نے دنیا میں رب کو دیکھا۔ کیونکہ خود نور ہو گئے تھے۔“

۷) شیطان دنیا کا گمراہ کرنے والا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے ہادی۔ گویا شیطان وبائی بیماری ہے۔ اور نبی علیہ السلام طبیب مطلق۔

رب تعالیٰ نے شیطان کو گمراہ کرنے کے لئے اتنا وسیع علم دیا کہ دنیا کا کوئی شخص اس کی نگاہ سے قائب نہیں۔ پھر اسے یہ بھی خبر ہے کہ کون گمراہ ہو سکتا ہے۔ کون نہیں۔ اور جو گمراہ ہو سکتا ہے۔ وہ کس حیلہ سے۔ ایسے ہی وہ ہر دین کے ہر مسئلہ سے خبر دار ہے اس لئے ہر نیکی سے روکتا ہے۔ ہر برائی کراتا ہے۔

اس نے رب تعالیٰ سے عرض کیا تھا۔ **لَا غَوْ يَنْهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ** جب گمراہ کرنے والے کو اتنا علم دیا گیا۔ تو ضروری ہے کہ دنیا کے طبیب مطلق صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت دینے کے لئے اس کہیں زیادہ علم والے ہوں کہ آپ ہر شخص کو اس کی بیماری کو اس کی استعداد کو اس کے علاج کو جانیں۔ ورنہ ہدایت مکمل نہ ہوگی۔ اور رب تعالیٰ پر اعتراض پڑے گا کہ اس نے گمراہ کرنے والے کو قوی کیا اور ہادی کو کمزور رکھا۔ لہذا اگر اہی تو کامل رہی اور ہدایت ناقص۔

۸) رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کے خطاب سے پکارا **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ** اور نبی کے معنی ہیں۔ خبر دینے والا۔ اگر اس خبر سے صرف دین کی خبر مراد ہو تو ہر مولوی نبی ہے اور اگر دنیا کے واقعات مراد ہوں تو ہر اخبار۔ ریڈیو، خط، تاریخچہ والا نبی ہو جاوے۔ معلوم ہوا کہ نبی میں خبریں معتبر ہیں یعنی فرشتوں کی اور عرش کی خبر دینے والا جہاں تار، اخبار کا م نہ آسکیں۔ وہاں نبی کا علم ہوتا ہے معلوم ہوا کہ علم غیب نبی کے معنی میں داخل ہے۔ یہاں تک تو حضور علیہ السلام کے علم غیب کی بحث تھی۔ اب یہ بھی جاننا چاہئے کہ حضور علیہ السلام کے صدقے سے اولیائے کرام کو بھی علم غیب دیا جاتا ہے۔ مگر ان کا علم نبی علیہ السلام کے واسطے سے ہوتا ہے اور ان کے علم کے سمندر کا قطرہ۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں کتاب عقائد تالیف شیخ ابو عبد اللہ شیرازی سے نقل فرماتے ہیں۔

الْعَبْدُ يَنْقُلُ فِي الْأَحْوَالِ حَتَّى يَصِيرَ إِلَى نَعْتِ الزُّوْحَانِيَةِ فَيَعْلَمُ الْغَيْبَ

بندہ حالات میں منتقل ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ روحانیت کی صفت پالیتا ہے۔ پس غیب جانتا ہے۔

اسی کتاب مرقاۃ میں کتاب عقائد سے نقل فرمایا۔

يَطْلُعُ الْعَبْدُ عَلَى حَقَائِقِ الْأَشْيَاءِ وَيَتَجَلَّى لَهُ الْغَيْبُ وَغَيْبُ الْغَيْبِ.

”کامل بندہ چیزوں کی حقیقتوں پر مطلع ہو جاتا ہے اور اس پر غیب اور غیب الغیب کھل جاتے ہیں۔“

مرقاۃ جلد دوم صفحہ ۶ **بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ وَضَلِّهَا** میں فرماتے ہیں۔

الْأَنفُسُ الزُّكِّيَّةُ الْقُدْسِيَّةُ إِذَا تَجَرَّدَتْ عَنِ الْعَلَاقِ الْبَدَنِيَّةِ خَرَجَتْ وَاتَّصَلَتْ بِالْمَلَائِكَةِ الْأَعْلَى وَلَمْ يَبْقَ لَهُ حِجَابٌ فَتَرَى الْكُلَّ كَمَا لَمْشَاهِدٍ بِنَفْسِهَا أَوْ بِأَخْبَارِ الْمَلَكِ لَهَا

”پاک و صاف نفس جبکہ بدنی علاقوں سے خالی ہو جاتے ہیں تو ترقی کر کے بزم بالا سے مل جاتے ہیں اور ان پر کوئی پردہ باقی نہیں رہتا۔ پس وہ تمام

یزوں کا مثل محسوس و حاضر کے دیکھتے ہیں خواہ تو اپنے آپ یا فرشتہ کے الہام سے۔“

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی سورہ جن میں فرماتے ہیں۔ ”اطلاع بر لوح محفوظ و دیدن نقوش نیز از بعضی اولیاء بتواتر است۔“ لوح محفوظ کی خبر

رکھنا اور اس کی تحریر دیکھنا بعض اولیاء اللہ سے بھی بطریق تواتر منقول ہے۔

امام انب جگر کی کتاب الاعلام میں اور علامہ شامی سل الجسام میں فرماتے ہیں۔

الْخَوَاصُّ يَجُوزُ أَنْ يَعْلَمَ الْغَيْبَ فِي قَضِيَّةٍ أَوْ قَضَاءٍ كَمَا وَقَعَ لَكَثِيرٍ مِنْهُمْ وَاشْتَهَرَ

”جائز ہے کہ خاص خاص حضرات کسی معاملہ یا فیصلے میں غیب جان لیں جیسا کہ بہت سے اولیاء اللہ سے واقع ہوا اور یہ مشہور بھی ہو گیا۔“

شاہ ولی اللہ صاحب الطاف القدس میں فرماتے ہیں۔

”نفس کلیہ بجائے جسد عارف سے خود و ذات و عارف بجائے روح او ہمہ عالم بعلم حضوری سے بیند۔“

عارف کا نفس بالکل جسم بن جاتا ہے اور عارف کی ذات بجائے روح کے ہو جاتی ہے وہ تمام عارف کو علم حضوری سے دیکھتا ہے۔

زرقانی شرح مواہب جلد ۷ صفحہ ۲۲۸ میں فرماتے ہیں۔

قَالَ فِي لَطَائِفِ الْمَنَنِ إِطْلَاعُ الْعَبْدِ عَلَى غَيْبٍ مِنْ غُيُوبِ اللَّهِ بِدَلِيلِ خَبَرِ اتَّقُوا مِنْ فِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ

فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ لَا يَسْتَعْرِبُ وَهُوَ مَعْنَى كُنْتُ بَصَرُهُ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ فَمِنْ الْحَقِّ بَصَرُهُ فَاطْلَاعُهُ

عَلَى الْغَيْبِ لَا يَسْتَعْرِبُ

لِلْمُجْتَهِدِينَ الْقَدَمُ عَلُومِ الْغَيْبِ ”غیبی علوم میں مجتہدین کا قدم مضبوط ہے۔“
حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

کَخَر دَلَّتْهُ عَلٰی حُکْمِ اِتِّصَالِ
 ”جیسے چندرائی کے دانہ ملے ہوئے ہوں۔“

قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَا أَبْطَالُ يَا أَبْطَالُ هَلُمُّوْا خُذُوا عَنْ هَذَا الْبَحْرِ الَّذِي لَا سَاحِلَ لَهُ وَعِزَّةَ رَبِّي إِنَّ السُّنْعَاءَ وَالْأَشَقِيَاءَ يُعَرِّضُونَ عَلَيَّ وَأَنْ بُو بُوَاءَ قَعْنِي فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ وَأَنَا غَائِضٌ فِي بَحَارِ عِلْمِ اللَّهِ

”اے بہادر اے فرزندو! آؤ اس دریا سے کچھ لے لو۔ جسکا کنارہ ہی نہیں۔ قسم ہے اپنے رب کی کہ تحقیق نیک بخت اور بد بخت لوگ مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں اور ہمارا گوشہ چشم لوح محفوظ رہتا ہے اور میں اللہ کے علم کے سمندروں میں غوطے لگا رہا ہوں۔“

مولانا جانی نقحات الانس میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندیہ قدس سرہ کا قول نقل فرماتے ہیں۔

وَأَمَّا شَيْخُنَا السَّيِّدُ عَلَى الْخَوَاضِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ لَا يَكْمُلُ الرَّجُلُ عِنْدَنَا حَتَّى يَعْلَمَ حَرَكَاتِ مُرِيدِهِ فِي انْتِقَالِهِ فِي الْأَصْلَابِ وَهُوَ مِنْ يَوْمِ أَلَسْتُ إِلَى اسْتِقْرَارِهِ فِي الْجَنَّةِ أَوْ فِي النَّارِ

”ہم نے اپنے شیخ سید علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے نزدیک اس وقت تک کوئی مرد کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے مرید کی حرکات کسی کو نہ جان لے۔ یوم میثاق سے لے کر اس کے جنت یا دوزخ میں داخل ہونے تک کو۔“

شاہ ولی اللہ صاحب فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں۔

”پھر وہ مرد عارف بارگاہ حق کی طرف جذب ہو جاتے ہیں پس وہ اللہ کے بندے ہوتے ہیں اور انکو

فَإِذَا أَحْيَتْهُ فَكُنْتُ سَمْعُهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرُهُ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ وَيَدُهُ الَّذِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلُهُ
الَّذِي يَمْشِي بِهَا

”رب تعالیٰ فرماتا ہے پس جبکہ میں اس بندے سے محبت کرتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اسکا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں جس سے چلتا ہے۔“

یہ بھی خیال رہے کہ حضرت خضر علیہ السلام والیاس علیہ السلام اس وقت زمین پر زندہ ہیں۔ اور یہ حضرات اب امت مصطفیٰ علیہ السلام کے ولی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے وہ بھی اس امت کے ولی کی حیثیت سے ہوں گے۔ ان کے علوم کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے علوم بھی اب حضور علیہ السلام کی امت کے اولیاء کے علوم ہیں۔

دوسرا باب

علم غیب پر اعتراضات کے بیان میں

اس باب میں چار فصلیں ہیں۔ پہلی فصل ان آیات قرآنیہ کے بیان میں جو مخالفین پیش کرتے ہیں دوسری فصل احادیث کے بیان میں تیسری فصل اقوال علماء فقہاء کے بیان میں۔ چوتھی فصل عقلی اعتراضات کے بیان میں۔

اس بات کے شروع سے پہلے بطور چند ضروری بحثیں قابل غور ہیں۔

(۱) جن آیات و احادیث یا اقوال فقہاء میں حضور علیہ السلام کے علم غیب کی نفی ہے ان میں یا تو ذاتی علم مراد ہے یا تمامی معلومات یعنی رب تعالیٰ کے معلومات کے برابر عطائی علم کی نفی نہیں ورنہ پھر آیات و احادیث میں جو ہم اثبات میں بیان کر چکے ہیں مطابقت کیوں کر ہوگی۔ علامہ ابن حجر قلاوی حدیثیہ میں اس قسم کے تمام دلائل کے جواب میں فرماتے ہیں۔

مَعْنَاهَا لَا يَعْلَمُ ذَلِكَ إِسْتِقْلَالًا وَعِلْمَ إِحَاطَةٍ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى أَمَّا الْمُعْجَزَاتُ وَالْكَرَامَاتُ فَبِإِعْلَامِ اللَّهِ تَعَالَى

”ان کے معنی یہ ہیں کہ مستقل طور پر (ذاتی) اور احاطہ کے طور پر کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے لیکن معجزات اور کرامات پس وہ خدا کے بتانے سے ہوتے ہیں۔“

مخالفین کہتے ہیں کہ جن دلائل میں علم غیب کا ثبوت ہے اس سے مراد مسائل دینیہ کا علم ہے۔ اور جن میں نفی ہے ان سے مراد باقی دنیاوی چیزوں کے علوم ہیں۔ مگر یہ توجیہ ان آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ و اقوال علمائے امت کے خلاف ہے۔ جو ہم نے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کا علم۔ اسی طرح لوح محفوظ کا علم سب ہی چیز و کوشاں ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کا فرمانا کہ تمام عالم ہمارے سامنے مثل ہاتھ کے ہے لہذا یہ توجیہ بالکل باطل ہے۔

(۲) مخالفین کے پیش کردہ دلائل کہ رب فرماتا ہے کہ غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یا حضور فرماتے ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا یا فقہاء فرماتے ہیں کہ جو غیر خدا کے لئے علم غیب مانے وہ کافر ہے۔ وہ خود مخالفین کے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ بعض علوم غیبیہ کے تو وہ بھی قائل ہیں۔ صرف جمیع ماکان و مایکون میں اختلاف ہے ان آیات و اقوال فقہاء سے تو یہ بھی نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ اگر ایک بات کا بھی علم مانا۔ ان دلائل کے خلاف ہوا۔ سالیہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ ہوتی ہے۔

مخالفین کہتے ہیں کہ ان دلائل میں کل علم غیب کی نفی ہے نہ کہ بعض کی تو جھگڑا ہی ختم ہو گیا۔ کیونکہ ماکان و مایکون علم الہی کے سمندروں کا قطرہ ہے۔ ہم بھی حضور علیہ السلام کے لئے علوم الہیہ کے مقابلہ میں بعض ہی علم کے قائل ہیں۔

(۳) مخالفین کہتے ہیں کہ علم غیب خدا کی صفت ہے لہذا غیر خدا کے لئے ماننا کفر ہے اس کفر میں وہ بھی داخل ہو گئے۔ کیونکہ صفت الہیہ میں اگر ایک میں شرکت مانی تو کفر ہوا جو شخص عالم کی ایک چیز کا خالق کسی بندے کو مانے وہ بھی بے دین ہے۔ تمام عالم کا خالق کسی کو مانے تو بھی کافر اور وہ بھی بعض علم غیب تو حضور علیہ السلام کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ پھر کفر سے کیسے بچے ہاں یہ کہو کہ ذاتی علم خدا کی صفت عطائی علم حضور علیہ السلام کی صفت لہذا اشرف نہ ہوا، یہ ہی ہم کہتے ہیں۔

پہلی فصل

آیات قرآنیہ کے بیان میں

(۱) قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ (پارہ ۷ سورہ ۶ آیت ۵)

”تم فرما دو کہ تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہو کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں۔“

اس آیت کی چار توجہیں مفسرین نے کی ہیں اولاً تو یہ کہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے۔ دوم یہ کہ کل علم کی نفی ہے۔ تیسرے یہ کہ کلام توصیف اکسار کے طور پر بیان فرما دیا گیا ہے۔ چہارم یہ کہ آیت کے معنی یہ ہیں میں دعوے نہیں کرتا کہ میں غیب جانتا ہوں یعنی دعویٰ علم غیب کی نفی ہے نہ کہ علم غیب کی ملاحظہ ہوں تفاسیر۔

تفسیر نیشاپوری میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ عَطْفًا عَلَى لَا أَقُولُ لَكُمْ أَيْ قُلْ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ فَيَكُونُ فِيهِ دَلَالَةٌ أَنَّ الْغَيْبَ بِلَا سِتْقَالٍ لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللَّهُ

”اس آیت میں یہ احتمال بھی ہے کہ لا اعلم کا عطف لا اقول پر ہو یعنی اے محبوب فرما دو کہ میں غیب نہیں جانتا تو اس میں دلالت اس پر ہوگی کہ غیب بالاستقلال یعنی ذاتی سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔“

تفسیر بیضاوی یہی آیت۔

لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ مَا لَمْ يُوْحَ إِلَيَّ أَوْ لَمْ يَنْتَصِبْ عَلَيْهِ دَلِيلٌ

”میں غیب نہیں جانتا جب تک اسکی مجھ پر وحی نہ کی جاوے یا کوئی دلیل اس پر قائم نہ ہو۔“

یا اس سے مراد کل علم کی نفی ہے۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُهُ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ يَدُلُّ عَلَى اعْتِرَافِهِ بِأَنَّهُ غَيْرُ عَالِمٍ بِكُلِّ الْمَعْلُومَاتِ

”یہ فرمان کہ میں غیب نہیں جانتا حضور علیہ السلام کے اس اقرار پر دلالت کرتا ہے کہ آپ سارے معلومات نہیں جانتے۔“

یا یہ کلام بطور تواضع و اکسار فرمایا گیا۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَأَنَّمَا نَفْسِي عَنْ نَفْسِهِ الشَّرِيفَةِ هَذِهِ الْأَشْيَاءُ تَوَاصُعًا تَعَالَى وَاعْتِرَافًا لِلْعُبُودِيَّةِ فَلَسْتُ أَقُولُ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَدْعِيهِ

”حضور علیہ السلام نے ان چیزوں کی اپنی ذات کریمہ سے نفی فرمائی رب کے لئے عاجزی کرتے ہوئے اور اپنی بندگی کا اقرار فرماتے ہوئے یعنی میں اسمیں سے کچھ نہیں کہتا اور کسی چیز کا دعویٰ نہیں کرتا۔“

تفسیر عرائس البیان میں ہے۔

وَتَوَاصَعٌ حِينَ أَقَامَ نَفْسَهُ مَقَامَ الْإِنْسَانِيَّةِ بَعْدَ أَنْ كَانَ أَشْرَفَ خَلْقِ اللَّهِ مِنَ الْعَرْشِ إِلَى الثَّرَى وَ

أَطْهَرَ مِنَ الْكَزْبِ وَبَيِّنَ وَالزُّ وَحَائِثِينَ خُضُوعًا لِحَبْرُوتِهِ وَخُشُوعًا لِمَكُوتِهِ

”حضور علیہ السلام نے اکسار فرمایا کہ اپنی ذات کو انسانیت کی جگہ میں رکھا اور نہ آپ از عرش تا فرش ساری مخلوق میں اشرف ہیں اور ملائکہ اور روحانین سے زیادہ سترے ہیں۔ حق تعالیٰ کی شان جباری کے سامنے عاجزی کے طور پر اسکی سطوت کے سامنے پستی کے اظہار کے طریقہ پر یہ فرمایا۔ یہ دعویٰ علم غیب کی نفی ہے کہ میں علم غیب کا دعویٰ نہیں کرتا۔“

تفسیر نیشاپوری میں ہے۔

أَيْ لَا أَدْعِي الْقُدْرَةَ عَلَى كُلِّ الْمَقْدُورَاتِ وَالْعِلْمَ بِكُلِّ الْمَعْلُومَاتِ

”یعنی میں تمام مقدورات پر قدرت رکھنے اور تمام معلومات کے جاننے کا دعویٰ نہیں کرتا۔“

تفسیر کبیر یہی آیت۔

أَيْ لَا أَدْعِي كُنُوبِي مَوْصُوفًا بِعِلْمِ اللَّهِ وَبِمَجْمُوعِ هَذِهِ الْكَلَامِينَ حَصَلَ أَنَّهُ لَا يَدْعِي إِلَّا لِلْهِيَةِ

”یعنی میں اللہ کے علم سے متصف ہونیکا دعویٰ نہیں کرتا اور ان دونوں باتوں کے مجموعہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام خدا ہونیکا دعویٰ نہیں کرتا۔“

عَطَفَ عَلَىٰ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا مَذْكِرَةٌ لِلنَّفْيِ أَى وَلَا أَدْعَىٰ أَنِّي عِنْدِي وَلَكِنْ لَا أَقُولَ لَكُمْ فَمَنْ

قَالَ إِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَقَدْ أَخْطَأَ فِيمَا أَصَابَ اس کا عطف عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ پر ہے اور لَا زَائِدَہ ہے نفی کا یا د دلانے والا یعنی میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ خدا کے افعال میں غیب جانتا ہوں اس بنا پر کہ خَزَائِنُ اللَّهِ میرے پاس تو ہیں مگر میں یہ کہتا نہیں۔ تو جو شخص یہ کہے کہ نبی اللہ غیب نہیں جانتے تھے اس نے غلطی کی اس آیت میں جسمیں یہ مصیب تھا۔

تفسیر مدارک یہی آیت۔

وَمَحَلُّ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبِ النَّصْبُ عَطْفًا عَلَىٰ مَحَلِّ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ لِأَنَّهُ مِنْ جُمْلَةِ الْمَقُولِ كَأَنَّهُ قَالَ لَا أَقُولُ لَكُمْ هَذَا الْقَوْلَ وَلَا هَذَا الْقَوْلَ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ

”وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبِ اعراب زبر ہے عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ کے محل پر عطف کی وجہ سے کیونکہ یہ بھی کہی ہوئی بات میں سے ہے گویا آپ نے یوں فرمایا کہ میں تم سے نہ یہ کہتا ہوں اور نہ یہ۔“

تفسیر نیشاپوری اَى قُلْ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ فَيَكُونُ فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَىٰ أَنَّ الْغَيْبَ بِاسْتِقْلَالٍ لَا يَعْلَمُ إِلَّا اللَّهُ

نکتہ اس آیت میں لَا أَقُولَ دو جگہ ہے پہلے لَا أَقُولَ کے بعد دو چیزوں کا ذکر ہے کہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ غیب جانتا ہوں۔ دوسرے لَا أَقُولَ کے بعد صرف ایک چیز کا ذکر ہے میں نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ اس لئے کہ پہلے دو میں تو دعویٰ کی نفی ہے اور مدعی کا ثبوت اور دوسرے قول میں دعویٰ اور مدعی دونوں کی نفی ہے یعنی میرے پاس اللہ کے خزانے بھی ہیں اور میں غیب بھی جانتا ہوں۔ مگر ان کا دعویٰ اور مدعی دونوں کی نفی ہے یعنی میرے پاس اللہ کے خزانے بھی ہیں اور میں غیب بھی جانتا ہوں۔ مگر ان کا دعویٰ نہیں کرتا۔ حدیث پاک میں ہے۔ **أُوتِيَتْ مَفَاتِيحُ خَزَائِنِ الْأَرْضِ (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)** یعنی مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنیاں دے دی گئی اور علم غیب کی احادیث ہم پیش کر چکے ہیں۔ اور نہ میں واقع میں فرشتہ ہوں اور نہ اس کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اگر یہ نکتہ نہیں۔ تو ایک ہی جگہ لَا أَقُولَ انی تھا۔ دو جگہ کیوں لایا گیا اگر ہماری بیان کا ہوئی تو جہیں نہ کی جاویں تو یہ آیت مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ بعض علم غیب تو وہ بھی مانتے ہیں۔ اور یہ آیت بالکل نفی کر رہی ہے۔ نیز یہاں لَكُمْ میں کفار سے خطاب ہے یعنی اے کافروں میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں تم تو چور ہو۔ چوروں کو خزانے نہیں بتائے جاتے۔ تم شیطانوں کی طرح اسرار کی چوری نہ کر لو۔ رب تعالیٰ نے بھی شیطان کو آسمان پر جانے سے اسی لئے روکا کہ وہ چور ہے۔ یہ تو صدیق سے کہا جاویگا کہ مجھے خَزَائِنُ اللَّهِ کی کنجیاں سپرد ہوئیں نیز یہاں عندی فرما کر بتایا کہ خزانہ میرے پاس نہیں میری ملک میں ہیں۔ کیونکہ خزانہ خزانچی کے پاس اور مالک کی ملک میں ہوتا ہے۔ میں خزانچی نہیں کیا نہ دیکھا کہ ان کے اشارہ پر بادل برسا۔ ان کی انگلیوں سے جشمے جاری ہوئے۔

(۲) وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ (پارہ ۹ سورہ ۷۷ آیت ۱۸۸)

”اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی۔“

اس آیت کے بھی مفسرین نے تین مطلب بتائے ہیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کلام بطور انکسار کے ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں تمام معلومات الہیہ جاننے کی نفی کرنا مقصود ہے۔ تیسرے یہ کہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے۔ نسیم الریاض میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ فَإِنَّ الْمَنْفَىٰ عِلْمُهُ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ وَأَمَّا إِطْلَاعُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِإِعْلَامِ اللَّهِ تَعَالَىٰ فَاَمْرٌ مُّتَحَقِّقٌ بِقَوْلِهِ تَعَالَىٰ فَلَا يُظْهَرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنْ ارْتَضَىٰ مِنْ رَّسُولٍ

علم غیب کا ماننا اس آیت کے منافی نہیں کہ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ الخ کیونکہ نفی علم بغیر واسطہ کی ہے لیکن حضور علیہ السلام کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتانے سے واقع ہے رب تعالیٰ کے اس فرمان کہ وجہ سے

فَلَا يُظْهَرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ الخ کل معلومات الہیہ جاننے کی نفی ہے۔

شرح مواقف میں میر سید شریف فرماتے ہیں۔

أَلَا طَّلَاعٌ عَلَىٰ جَمِيعِ الْمُغَيَّبَاتِ لَا يَحِبُّ لِلنَّبِيِّ وَلِذَا أَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ
(الآيَةُ) وَجَمِيعِ مُغَيَّبَاتٍ غَيْرِ مُتَنَاهِيَةٍ
صاوی حاشیہ جلالین میں ہے یہی آیت۔

إِنْ قُلْتَ أَنَّ هَذَا يَشْكِلُ مَعَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ أَنَّهُ أُطْلِعَ عَلَىٰ جَمِيعِ مُغَيَّبَاتِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَالْجَوَابُ أَنَّهُ
قَالَ ذَلِكَ تَوَاصُّعًا

تمام غیبوں پر مطلع ہونا نبی کیلئے ضروری نہیں اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ الآیۃ تمام غیب غیر متناہی
ہیں۔ (یہ کلام انکسار کے طور پر ہے اگر تم کہو کہ یہ آیت گذشتہ کلام کے خلاف ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کو تمام دینی و دنیاوی غیبوں پر مطلع کر دیا گیا تو
جواب یہ ہے کہ یہ کلام لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ بطور انکسار فرمایا گیا ہے۔
تفسیر خازن میں جمیل حاشیہ جلال سے اسی آیت کے ماتحت نقل کیا۔

فَإِنْ قُلْتَ قَدْ أَخْبَرَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الْمُغَيَّبَاتِ قَدْ جَاءَتْ أَحَادِيثُ فِي الصَّحِيحِ بِذَلِكَ وَهُوَ
مِنْ أَعْظَمِ مُعْجَزَاتِهِ فَكَيْفَ الْجَمْعُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْلِهِ لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ قُلْتُ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ قَالَهُ
تَوَاصُّعًا وَأَذْبًا وَالْمَعْنَى لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا أَنْ يُطْلِعَنِي اللَّهُ عَلَيْهِ وَيُقَدِّرَهُ لِي وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ قَالَ
ذَلِكَ قَبْلَ أَنْ تُطْلِعَهُ اللَّهُ عَلَى الْغَيْبِ فَلَمَّا أَطْلَعَهُ اللَّهُ أَخْبَرَ بِهِ

پس اگر تم کہو کہ حضور علیہ السلام نے بہت سے غیبوں کی خبر دی ہے اور اس کے متعلق بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ اور علم غیب تو حضور علیہ السلام کا
بڑا معجزہ ہے تو ان باتوں میں اور اس آیت میں لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ میں مطابقت کس طرح ہوگی تو میں کہوں گا کہ یہاں احتمال یہ ہے کہ یہ
کلام انکسار کے طریقہ پر فرمایا ہوا اور اس کے معنی یہ ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا بغیر خدا کے بتائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کلام غیب پر مطلع ہونے سے
پہلے کا ہو۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو غیب پر مطلع فرمادیا تو خبریں دیں۔
علامہ سلیمان جمل نے فتوحات الہیہ حاشیہ جلالین جلد دوم صفحہ ۲۵۸ میں اسی کی مثل فرمایا۔

أَيُّ قَوْلٍ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ فَيَكُونُ فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّ الْغَيْبَ بِاسْتِقْلَالٍ لَا يَعْلَمُ إِلَّا اللَّهُ
”یعنی فرمادو کہ میں غیب نہیں جانتا الخ پس آیت میں اس پر دلالت ہے کہ غیب بالاستقلال یعنی ذاتی خدا کے سوائے کوئی نہیں جانتا۔“
تفسیر صاوی یہی آیت

وَأَنَّ عِلْمَهُ بِالْمُغَيَّبِ كَلَا عِلْمٍ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ لَا قُدْرَةَ لَهُ عَلَى تَغْيِيرِ مَا قَدَّرَ اللَّهُ فَيَكُونُ الْمَعْنَى حِينَئِذٍ
لَوْ كَانَ عِلْمٌ حَقِيقِيٌّ بِأَن أَقْدَرَ عَلَى مَا أُرِيدُ وَقُوَّةَ لَا سَتَكْثُرُ مِنَ الْخَيْرِ

”حضور علیہ السلام کا علم غیب جانات نہ جاننے کی طرح ہے۔ کیونکہ آپ کو اس چیز کے بدلنے پر قدرت نہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمادیں۔ تو معنی
یہ ہوئے کہ اگر مجھ کو علم حقیقی ہوتا اس طرح کہ میں اپنی مراد کے واقع کرنے پر قادر ہوتا تو خیر بہت سی جمع کر لیتا۔“

یہ تو جیہ نہایت ہی نفیس ہے کیونکہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی خیر جمع کر لیتا اور مجھ کو تکلیف نہ پہنچتا اور صرف کسی چیز کا جاننا
خیر جمع کرنے اور مصیبت سے بچنے کے لئے کافی نہیں جب تک کہ خیر کے حاصل کرنے اور مصیبت سے بچنے پر مستقل قدرت نہ ہو۔ مجھ کو علم ہے کہ
بڑھا پاؤں گا اور اس کے بعد مجھ کو یہ تکالیف پہنچیں گی۔ مگر بڑھا پے کے دفع کرنے پر قدرت نہیں۔ مجھے آج خبر ہے کہ غلہ چند روز کے بعد گراں
ہو جاوے گا۔ کہ میرے پاس آج روپیہ نہیں کہ بہت سا غلہ خرید لوں خرید نہیں سکتا۔ معلوم ہوا کہ خیر حاصل کرنا مصیبت سے بچتا علم اور قدرت دونوں
پر موقوف ہے اور یہاں قدرت کا ذکر نہیں۔ تو علم غیب سے وہ علم مراد ہے جو قدرت حقیقی کے ساتھ ہو یعنی علم ذاتی جو لازم الوہیت ہے جس کے ساتھ
قدرت حقیقی لازم ہے ورنہ آیت کے معنی نہیں درست ہوتے۔ کیونکہ مقدم اور تالی میں لزوم نہیں رہتا اور اس کے بغیر قیاس درست نہیں ہوتا۔

نیز دیوبندی تو اس آیت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ اگر میں غیب جانتا تو بہت خیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی مصیبت نہ پہنچتی۔ مگر چونکہ نہ میرے پاس خیر

ہے اور نہ میں مصیبت سے بچا ہذا غیب نہیں جانتا۔

ہم یہ ترجمہ کر سکتے ہیں کہ غور کر لو اگر میرے پاس خیر ہو اور میں مصیبت سے بچوں تو سمجھ لو کہ مجھے علم غیب بھی ہے میرے پاس بہت خیر تو ہے۔

مَنْ يُوْتِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا نِزًّا اَنَا اَعْطَيْتُكَ الْكُوْثَرَ نِزًّا يُّعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اور میں مصیبت سے بھی محفوظ کہ رب تعالیٰ نے فرمایا **وَاللّٰهُ يَعْصِيْكَ مِنَ النَّاسِ** لہذا مجھے علم غیب بھی ہے۔ یہ آیت تو علم غیب کے ثبوت میں ہے نہ کہ انکار میں۔

روح البیان یہی آیت

وَقَدْ ذَهَبَ بِعَظْمِ الْمَشَاحِخِ اِلَى اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَعْرِفُ وَقْتُ السَّاعَةِ بِاَعْلَامِ اللّٰهِ وَهُوَ لَا يَنَافِي الْحَصْرَ فِي الْاَيَةِ كَمَا لَا يَخْفَى

”بعض مشائخ اس طرف گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کا وقت بھی جانتے تھے اللہ کے بتانے سے اور ان کا یہ کلام اس آیت کے حق کے خلاف نہیں۔ جیسا کہ مخفی نہیں۔“

(۳) وَعِنْدَ مُفَاتِحِ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ (بارہ سورہ ۶۲ آیت ۵۹)

”اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی ان کو وہ ہی جانتا ہے۔“

مفسرین نے فرمایا ہے کہ **مُفَاتِحِ الْغَيْبِ** (غیب کی کنجیوں) سے مراد یا تو غیب کے خزانے ہیں۔ یعنی سارے معلومات الہیہ کا جانا یا اس سے مراد ہے غیب کو حاضر کرنے یعنی چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہونا۔ کیونکہ کنجی کا کام یہ ہی ہوتا ہے کہ اس سے قفل کھولا جائے اور اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر کر دی جائے اسی طرح حاضر کو غائب اور غائب کو حاضر کرنا یعنی پیدا کرنے اور موت دینے کی قدرے پروردگار ہی کو ہے۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَكَذٰلِكَ هُنَا لَمَّا كَانَ عَالِمًا بِجَمِيعِ الْمَعْلُوْمَاتِ عَبْرَ هٰذَا الْمَعْنٰی بِالْعِبَارَةِ الْمَذْكُوْرَةِ وَعَلٰی التَّقْدِيْرِ الثَّانِي الْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ عَلٰی كُلِّ الْمُمْكِنٰتِ

”جبکہ پروردگار تمام معلومات کا جاننے والا ہے تو اس مطلب کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری صورت پر مراد اس سے سارے ممکنات پر قادر ہونا ہے۔“ تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَقَلَمُ تَصْوِيْرِهَا الَّذِيْ هُوَ مِفْتَاحٌ يُفْتَحُ بِهِ بَابُ عِلْمِ تَكْوِيْنِهَا عَلٰی صُوْرَتِهَا وَكُوْنُهَا هُوَ الْمَلَكُوْثُ فَبِقَلَمِ مَلَكُوْثٍ كُلُّ شَيْءٍ يَكُوْنُ كُلُّ شَيْءٍ وَقَلَمُ الْمَلَكُوْثِ بِيَدِ اللّٰهِ لِاَنَّ الْغَيْبَ هُوَ عِلْمُ التَّكْوِيْنِ ”ان چیزوں کے نقش باندھنے کا قلم جو ایسی کنجی ہے جس سے ان چیزوں کے پیدائش کا دروازہ کھولا جاتا ہے (انکی مناسب صورتوں پر) وہ ہی ملکوت ہے، پس ہر چیز کے ملکوت کے قلم سے ہر چیز کی ہستی ہوتی ہے اور ملکوت کا قلم اللہ کا ہاتھ میں ہے اسلئے کہ غیب سے مراد پیدا کرنا جانتا ہے۔“ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

لَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَمَّا كَانَ عَالِمًا بِجَمِيعِ الْمَعْلُوْمَاتِ عَبْرَ هٰذَا الْمَعْنٰی بِهٰذَا الْعِبَادَةِ وَعَلٰی التَّفْسِيْرِ الثَّانِي يَكُوْنُ الْمَعْنٰی وَعِنْدَهُ خَزَائِنُ الْغَيْبِ وَالْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ الْكَامِلَةُ عَلٰی كُلِّ الْمُمْكِنٰتِ

”کیونکہ رب تعالیٰ جب تمام معلومات کا جاننے والا ہے تو اس کے معنی کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری تفسیر پر اس کے معنی یہ ہو گئے کہ اس کے نزدیک غیب کے خزانے ہیں اور اس سے مراد ہے ہر ممکن چیز پر قدرت کاملہ۔“

یا اس سے مراد ہے کہ غیب کی کنجیاں بغیر تعلیم الہی کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر عرائس البیان میں ہے۔

قَالَ الْحَرِيْرِيُّ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وَمَنْ يُطْلِعْهُ عَلَيْهَا مِنْ خَلِيْلٍ وَحَبِيْبٍ اَيَّ لَا يَعْلَمُهَا الْاَوَّلُوْنَ وَ الْاٰخِرُوْنَ قَبْلَ اِظْهَارِهِ تَعَالٰی ذٰلِكَ لَهُمْ

”حریری نے فرمایا کہ ان کنجیوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور سوائے ان محبوبوں کے جن کو اللہ خبردار کرے کوئی نہیں جانتا یعنی ان کو اگلے پچھلے اللہ کے

ظاہر فرمانے سے پہلے نہیں جانتے۔“

وَجْهٌ اِخْتِصَاصُهَا بِهٖ تَعَالٰی اَنَّهُ لَا يَعْلَمُهَا كَمَا هِيَ اِبْتِداءُ الْاَهْوٰ

”ان غیب کی کنجیوں کے خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جیسی وہ ہیں اس طرح ابتداء خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

اس آیت کے اگر وہ مطلب نہ بیان کئے جاویں جو ہم نے بتائے تو یہ مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ بعض علم غیب وہ بھی مانتے ہیں۔ اور اس میں علم غیب کی بالکل نفی ہے۔

نکتہ بعض صاحبوں نے مجھ سے فرمایا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس جگہ ایک نکتہ لکھا ہے وہ یہ کہ اس آیت میں ہے۔ **عِنْدَهُ مَفَاتِحُ**

الْغَيْبِ دوسری میں ہے **لَهُ مَقَالِيدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** مفاتح اور مقالید دونوں کے معنی ہیں کنجیاں اور اگر مفاتح کا اول و آخر یعنی م، ح، لو اور مقالید کا اول و آخر حرف یعنی م، دلو تو بنتا ہے محمد (ﷺ) جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ ذات رسول اللہ ہی ظہور عالم کی کنجی ہے

لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام جیسے ہیں ویسا کوئی نہیں جانتا۔ حقیقت محمد یہ کورب ہی جانے **مَفَاتِحِ** جمع اس

لئے بولا کہ آپ کی ہر ادا رحمت الہی کی کنجی ہے آپ کا نور عالم کی کنجی **كُلُّ الْخَلْقِ مِنْ نُّوْرِی** قیامت میں آپ کا سجدہ شفاعت کی کنجی ہے جنت میں آپ کا نام ہر نعمت کی کنجی اور جنت میں آپ کا جانا سب کے لئے جنت کے کھلنے کی کنجی ہے۔ دیکھو ہماری کتاب شان حبیب الرحمن۔

نکتہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں اب یہ سوال ہے کہ کنجی سے کسی کے لئے دروازہ غیب کھولا بھی گیا یا نہیں؟

یا کسی کو کوئی کنجی دی گئی یا نہیں؟ اس جواب قرآن وحدیث سے پوچھو قرآن فرماتا ہے۔ **اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا** ہم نے آپ کے لئے ظاہر پر کھول دیا۔ کیا کھول دیا؟ اس کی نفیس تو جہیں ہماری کتاب شان حبیب الرحمن من آیات القرآن میں دیکھو۔ قفل اور کنجی میں وہ ہی چیز رکھی جاتی ہے۔ جو کھول کر نکالنی ہو اور جسے نکالنا نہ ہو۔ وہ زمین میں دفن کر دی جاتی ہے۔ پتہ لگا کہ غیب کسی کو دینا تھا اس لئے کنجی بھی بھیجی۔

حدیث میں ہے۔ **اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ** مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو کنجی دی بھی گئی آپ کے لئے فتح باب بھی ہوا۔

(۴) **قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَغَیْبِ اِلَّا اللّٰهُ** (پارہ ۲۰ سورہ ۲۷ آیت ۶۵)

”تم فرماؤ خود غیب نہیں جانتے وہ آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔“

اس آیت کے بھی مفسرین نے دو مطلب بیان فرمائے غیب ذاتی کوئی نہیں جانتا۔ کلی غیب کوئی نہیں جانتا۔ تفسیر المودج جلیل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

مَعْنَاهُ يَعْلَمُ الْغَیْبَ بِلَا دَلِیْلِ اِلَّا اَوْ بِلَا تَعْلِیْمٍ اَوْ جَمِیْعَ الْغَیْبِ

”اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ بغیر دلیل یا بغیر بتائے یا سارے غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

تفسیر مدارک یہی آیت

وَالْغَیْبَ مَا لَمْ یَقُمْ عَلَیْهِ دَلِیْلٌ وَلَا اُطْلِعَ عَلَیْهِ مَخْلُوْقٌ

”غیب وہ ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور کسی مخلوق کو اس پر مطلع نہ کیا گیا ہو۔“

مدارک کی اس توجہ سے معلوم ہوا کہ ان کی اصطلاح میں جو علم عطائی ہو وہ غیب نہیں کیا جاتا غیب صرف ذاتی کو کہتے ہیں۔ اب کوئی اشکال ہی نہیں رہا۔ جن آیات میں غیب کی نفی ہے وہ علم ذاتی کی ہے، اس آیت کے کچھ آگے ہے۔ **مَا مِنْ غَایِبٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاۗءِ**

اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ جس سے معلوم ہوا کہ ہر غیب لوح محفوظ یا قرآن میں محفوظ ہے۔

فتاویٰ امام نودی

مَا مَعْنٰی قَوْلِ اللّٰهِ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ اَشْبَاهِ ذٰلِكَ مَعَ اَنَّهُ قَدْ عَلِمَ مَا فِیْ عَدِ و الْجَوَابُ

مَعْنَاهُ لَا يَعْلَمُ ذٰلِكَ اِسْتِغْلَالًا وَّ اَمَّا الْمُعْجَزَاتُ وَالْكَرَامَاتُ فَحَصَلَتْ بِاَعْلَامِ اللّٰهِ لَا اِسْتِغْلَالًا

آیت **لَا يَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ** وغیرہ کے کیا معنی ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام آئندہ کی باتیں جانتے ہیں جواب اس کے معنی یہ ہیں کہ غیب کو مستقل طور پر (ذاتی) کوئی نہیں جانتا لیکن معجزات اور کرامات پس یہ رب کے بتانے سے حاصل ہوئے نہ کہ بالاستقلال۔

امام ابن حجر مکی فتاویٰ حدیثیہ میں فرماتے ہیں۔

مَا ذَكَرْنَاهُ فِي الْآيَةِ صَرَّحَ بِهِ النَّوَوِيُّ فِي فَتَاوَاهُ فَقَالَ لَا يَعْلَمُ ذَلِكَ إِسْتِقْلَالًا وَعِلْمَ إِحَاطَةٍ بِكُلِّ الْمَعْلُومَاتِ

شرح شفاء غفاجی میں ہے۔ هَذَا لَا يَنَافِي الْآيَةَ الدَّالَّةَ عَلَى أَنَّهُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ فَإِنَّ النَّفْيَ عِلْمًا مِنْ غَيْرِ وَاسْطَةِ أَمَّا إِطْلَاقُهُ عَلَيْهِ بِإِعْلَامِ اللَّهِ فَأَمْرٌ مُتَحَقِّقٌ

ہم نے اس آیت کے بارے میں جو کچھ کہا اسکی امام نووی نے اپنے فتاویٰ تصریح کی ہے انہوں نے کہا کہ غیب مستقل طور پر سارے معلومات الہیہ کو کوئی نہیں جانتا یہ کلام ان آیات کے خلاف نہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ نفی بے واسطہ علم کی ہے لیکن اللہ کی تعلیم سے جانتا یہ ثابت ہے۔

اگر اس آیت کے یہ مطلب نہ مانے جاویں تو مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ بھی بعض غیپوں کا علم حضور علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ اور اس میں بالکل نفی ہے۔ نیز انہوں نے شیطان و ملک الموت کو علم غیب مانا ہے دیکھو براہین قاطعہ صفحہ ۵ پھر اس آیت کا کیا مطلب بتائیں گے قرآن کریم میں ہے **إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ** حکم خدا کے سوا کسی کا نہیں **لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ** خدا کی ہی وہ تمام چیزیں ہیں جو آسمان و زمین میں ہیں **وَكُفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا** اللہ کافی گواہ ہے **وَكُفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا** اللہ کافی وکیل ہے **وَكُفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا** اللہ کافی حساب لینے والا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حکومت، ملکیت، گواہی، وکالت، حساب لینا سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اب بادشاہ کو حاکم، ہر شخص کو اپنی چیزوں کا مالک، مشرکین کو وکیل محاسب اور عام لوگوں کو مقدمات کا گواہ مانا جاتا ہے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ان آیات میں حکومت ملکیت وغیرہ سے حقیقی اور ذاتی مراد ہے اور دوسروں کے لئے یہ اوصاف بہ عطاء الہی مانے گئے اسی طرح آیات غیب میں توجہ یہ کرنا لازم ہے کہ حقیقی کی غیر سے نفی ہے اور عطائی کا ثبوت۔

(۵) وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ (پارہ ۲۳ سورہ یس آیت ۶۹)

”اور ہم نے اس کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ انکی شان کے لائق ہے وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن۔“

مفسرین نے اس آیت کے تین مطلب بتائے ہیں اولاً یہ کہ علم کے چند معنی ہیں۔ جانتا بلکہ (مشق و تجربہ وغیرہ) اس جگہ علم کے دوسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر گوئی کا ملکہ نہ دیا نہ یہ کہ ان کو اچھا برا صحیح غلط شعر پہچاننے کا شعور نہ دیا۔ دوسرے یہ کہ شعر کے دو معنی ہیں ایک تو وزن و قافیہ والا کلام (غزل) دوسرے جھوٹی اور وہمی یعنی ہم نے ان کو جھوٹی اور وہمی باتیں نہ سکھائیں وہ جو کچھ فرماتے ہیں حق ہے۔

تیسرے یہ کہ شعر سے مراد اس جگہ اجمالی کلام ہے۔ یعنی ہم نے ان کو ہر چیز کی تفصیل بتائی ہے نہ کہ معمے اور جمالی باتیں **وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ** علم بمعنی ملکہ قرآن کریم فرماتا ہے **وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ** اور ہم نے ان کو تمہارا ایک پہنا دینا سکھایا۔

دہلی نے حضرت جابر سے روایت کیا۔

عَلَّمُوا بَيْنَكُمْ الرَّمْيَ یعنی اپنی اولاد کو تیر اندازی سکھاؤ۔

وَالَا صَخُّ أَنَّهُ كَانَ لَا يُحْسِنُهُ وَلَكِنْ كَانَ يُمَيِّزُ جَيِّدَ الشِّعْرِ وَرَدِيَّةً

”زیادہ صحیح یہ ہے کہ آپ شعر بخوبی پڑھتے نہ تھے لیکن اچھے اور ردی شعر میں فرق فرما لیتے تھے۔“

روح البیان یہی آیت **إِنَّا لَمُحَرِّمٌ عَلَيْهِ أَنْ يَتْلُوَ الشِّعْرَ** آپ کے لئے شعر بتانا منع تھا۔ شعر کے معنی ہیں جھوٹا کلام کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ قرآن کریم شعر ہے اور حضور علیہ السلام شاعر ہیں۔ **بَلْ هُوَ شَاعِرٌ** اس شعر سے مراد تھی جھوٹا کلام تو ان کے اس بکواس کی تردید اسی آیت نے کردی کیونکہ فرمایا گیا ہے۔ **إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ** وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن یہاں اگر شعر سے مراد منظوم کلام ہو تو اس عبارت سے آیت کا کیا تعلق ہوگا۔

مدارک یہی آیت

أَيُّ مَا عَلَّمْنَا النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَوْلَ الشِّعْرِ أَوْ مَا عَلَّمْنَاهُ بِتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ الشِّعْرَ عَلَىٰ مَعْنَى أَنَّ الْقُرْآنَ لَيْسَ بِشِعْرِ

”یعنی ہم نے نبی علیہ السلام کو شعر کہنا نہ سکھایا یا ہم نے ان کو قرآن کی تعلیم سے شعر نہ سکھایا۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم شعر نہیں۔“

خازن یہی آیت۔

وَلَمَّا نَفَىٰ أَن يَكُونَ الْقُرْآنُ مِنْ جِنْسِ الشَّعْرِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ

”جبکہ اس کی تردید فرمادی کہ قرآن کریم شعر کی جنس سے ہو تو رب تعالیٰ نے فرمادیا کہ نہیں ہے وہ مگر نصیحت اور روشن کتاب۔“

قِيلَ إِنَّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ قَالُوا إِنَّ مُحَمَّدًا شَاعِرٌ وَمَا يَقُولُهُ شِعْرٌ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَكْذِيبًا لَهُمْ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشَّعْرَ

”کہا گیا ہے کہ کفار قریش نے کہا تھا کہ حضور علیہ السلام شاعر ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں (قرآن) وہ شعر ہے اس کی تکذیب کیلئے رب تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔“

تنبیہ اس جگہ مخالفین یہ سوال کرتے ہیں کہ روایات میں آیا ہے کہ بنی علیہ السلام کی زبان پاک شعر کے موافق نہ تھی یعنی آپ کوئی شعر پڑھتے تھے تو

وزن بگڑ جاتا۔

دیکھو اسی خازن میں ہے۔

أَيَّ مَا يَسْهَلُ لَهُ ذَلِكَ وَمَا يُصْلِحُ مِنْهُ بِحَيْثُ لَوْ أَرَادَ نَظْمَ شِعْرِ لَمْ يَتَأْتِ لِذَلِكَ مَدَارِكُ أَيْ جَعَلْنَاهُ

بِحَيْثُ لَوْ أَرَادَ قِرَاءَةَ شِعْرٍ لَمْ يَتَسَهَّلْ

”یعنی آپ کو شعر پڑھنا آسان نہ تھا اور آپ سے درست نہ آدا ہوتا تھا اگر کسی شعر کو نظم فرمانیکا ارادہ فرماتے تو نہ ہو سکتا تھا یعنی ہم نے آپ کو اس طرح

کیا ہے کہ اگر آپ شعر پڑھنے کا ارادہ فرمادیں تو آسان نہ ہو۔“

تفسیر کبیر وَمَا يَتَسَهَّلُ لَهُ حَتَّىٰ أَنَّهُ إِنَّ تَمَثَّلَ لَهُ بَيْتٌ شِعْرٍ سُمِعَ مِنْهُ مُزَاحِفًا

”آپ کو شعر آسان نہیں۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو ادا فرمانے کا ارادہ فرمادیں تو آپ سے ٹوٹا ہوا سنا جاتا ہے۔“

اس کا جواب یہ ہے کہ شعر کا علم اور ہے شعر کا پڑھنا اور بڑے بڑے شعر اور علماء گا کر پڑھ نہیں سکتے بہت سے نعت خواں اور قوال علم شعر نہیں رکھتے مگر

شعر پڑھنے پر پورے قادر ہوتے ہیں۔ آپ روٹی پکانا جانتے نہیں مگر اچھی بری، موٹی باریک خوب جان لیتے ہیں۔

آپ کی ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو شعر پڑھنے کا ملکہ اور مشق نہ تھی۔ نہ کہ شعر کی پہچان نہ تھی۔ یہی ہم نے کہا تھا۔ حضور علیہ السلام

کو بعض شعر پسند تھے اور بعض ناپسند۔

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

كَانَ أَحَبَّ الْحَدِيثِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الشَّعْرُ وَأَيْضًا كَانَ أَبْغَضَ الْحَدِيثِ إِلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الشَّعْرُ

”حضور علیہ السلام کو شعر بہت پسند بھی تھا اور نہایت ناپسند بھی۔“

نیز احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے بعض شعراء کے شعر پڑھے ہیں اور ان کی تعریف فرمائی جیسے کہ لَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ

اگر اچھے برے شعر کی پہچان نہیں تو یہ تعریف فرمانا کیسا؟ شعر سے مراد اجمالی یعنی غیر مفصل کلام اور معنی ہیں۔

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ الشَّيْخُ الْأَكْبَرُ أَعْلَمَ أَنَّ الشَّعْرَ مَحَلٌّ لِلْجَمَالِ وَاللَّغْزِ وَالتَّوْرِيَةِ أَيْ مَارَمَزَنَا مُحَمَّدًا عَلَيْهِ

السَّلَامُ شَيْئًا وَلَا الْغَزَا وَلَا خَطْبَنَاهُ بِشَيْءٍ وَنَحْنُ نُرِيدُ شَيْئًا وَلَا جَعَلْنَا لَهُ الْخِطَابَ حَيْثُ لَمْ يَفْهَمُ

”جاننا چاہیے کہ شعر اجمالی اور پھسلنے اور اشاروں کا مقام ہے یعنی ہم نے حضور علیہ السلام کے لئے کسی چیز کے اشارے نہ کئے اور نہ یہ کیا کہ ہم ارادہ

کچھ فرمائیں اور خطاب کچھ کریں اور ان سے اس طرح اجمالی کلام نہ فرمایا کہ سمجھ میں نہ آوے۔“

(۶) مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (پارہ ۲۴ سورہ ۴۰ آیت ۷۸)

”ان نبیوں میں سے کسی کا احوال تم سے بیان فرمایا اور کسی کا احوال نہ بیان فرمایا۔“

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے چند تو جہیں فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں تمام انبیاء کے حالات کا علم دینے کی نفی نہیں۔ بلکہ قرآن کریم میں صراحتہ

ذکر کی نفی ہے۔ یعنی بعض انبیاء کے واقعات صراحتہ بیان نہ فرمائے۔ دوسرے یہ کہ ذکر تفصیلی کی نفی ہے۔ اور اجمالی ذکر سب کا فرمایا گیا ہے۔ تیسرے

یہ کہ وحی ظاہر میں سب کا بیان نہ ہوا۔ وحی خفی میں سب کا ذکر فرمایا گیا۔

تفسیر صاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

إِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى عَلِمَ جَمِيعَ الْأَنْبِيَاءِ تَفْصِيلاً كَيْفَ لَا وَهُمْ مُخْلَقُونَ مِنْهُ وَخَلَفَهُمْ لَيْلَةً إِلَّا سَرَاءً فِي بَيْتِ الْمُقَدَّسِ وَلَكِنَّهُ الْعِلْمُ الْمَكْنُونُ وَإِنَّمَا تَرَكَ بَيَانَ قَصَصِهِمْ لِأَمْتِهِ رَحْمَةً بِهِمْ فَلَمْ يُكَلِّفَهُمْ إِلَّا بِمَا كَانُوا يُطِيقُونَ

”حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ تمام انبیاء کو تفصیلاً جان لیا۔ کیونکہ نہ جانیں وہ سب پیغمبر آپ ہی سے پیدا ہوئے اور شب معراج بیت المقدس میں آپ کے متقدم بنے لیکن یہ علم مکنون ہے اور ان پیغمبروں کے قصے چھوڑ دیئے امت کے لئے ان پر رحمت فرماتے ہوئے پس انکو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔“
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول صفحہ ۵۰ میں ہے۔

هَذَا لِأَيِّنَافِي قَوْلِهِ تَعَالَى مِنْهُمْ مَنْ لَمْ تَفْصُصْ عَلَيْكَ لِأَنَّ الْمَنْفِيَّ هُوَ التَّفْصِيلُ وَالثَّابِتُ هُوَ الْجَمَالُ أَوِ النَّفْيُ مُقَيَّدٌ بِالْوَحْيِ الْجَلِيِّ وَالْقُبُوثُ مُتَحَقِّقٌ بِالْوَحْيِ الْخَفِيِّ

یہ کلام اس آیت کے خلاف نہیں کہ مِنْهُمْ مَنْ لَمْ تَفْصُصْ عَلَيْكَ کیونکہ نفی تو علم تفصیلی کی ہے اور ثبوت علم اجمالی کا ہے یا نفی وحی ظاہر (قرآن) کی ہے۔ اور ثبوت وحی خفی (حدیث) کا ہے۔

قرآن فرماتا ہے كَلَّا نَقْصُ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَنْثِبُ بِهِ قُرْآنَكَ
”اور سب کچھ ہم تم کو رسولوں کی خبریں سناتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں۔“

(یَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ) (پارہ ۷ سورہ ۵ آیت ۱۰۹)
”جس دن اللہ جمع فرمادیا رسولوں کو۔ پھر فرمادیا کہ تم کو کیا جواب ملا۔ عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں ہے شک تو ہی غیبوں کا خوب جاننے والا ہے۔“
مفسرین نے اس آیت کریمہ کی دو توجہیں فرمائی ہیں اولاً یہ کہ خدایا تیرے علم کے مقابلہ میں ہم کو علم نہیں۔ دوسرے یہ کہ اذبتا یہ عرض کیا گیا۔ تیسرے یہ کہ قیامت میں جس وقت نفسی نفسی فرمانے کا وقت ہوگا اس وقت انبیائے کرام یہ فرمائیں گے۔ بعد میں پھر عرض کریں گے ہم نے اپنی قوم کو تبلیغ احکام کی مگر انہوں نے نہ مانا۔ وہ کفار کہیں گے کہ ہم کو احکام نہ پہنچے۔ جس پر امت مصطفیٰ علیہ السلام انبیائے کرام کی گواہی دے گی۔
تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَعَلَىٰ هَذَا الْقَوْلِ إِنَّمَا نَفَوُ الْعِلْمَ عَنْ أَنْفُسِهِمْ وَإِنْ كَانُوا أَعْلَمَاءَ لِأَنَّ عِلْمَهُمْ صَارَ كَلَّا عِلْمٍ عِنْدَ عِلْمِ اللَّهِ
”پس اس قول کی بناء پر پیغمبروں نے اپنی ذات سے علم کی نفی کی اگرچہ وہ جانتے تھے کیونکہ علم اللہ کے علم کے سامنے مثل نہ ہونے کے ہوا گیا۔“

مبارک قَالُوا ذَلِكَ تَأْذُبًا أَيْ عِلْمُنَا سَاقِطٌ مَعَ عِلْمِكَ فَكَأَنَّهُ لَا عِلْمَ لَنَا
”ان انبیاء نے یہ عرض کیا اذبتا یعنی ہمارا علم تیرے علم کے ساتھ ساقط ہے پس گویا ہم کو علم ہی نہیں۔“

تفسیر کبیر یہی آیت۔ إِنَّ الرُّسُلَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَمَّا عَلِمُوا أَنَّ اللَّهَ عَالِمٌ لَا يَجْهَلُ حَلِيمٌ لَا يَسْفَهُ عَادِلٌ لَا يَظْلِمُ عَلِمُوا أَنَّ قَوْلَهُمْ لَا يَفِيدُ خَيْرًا وَلَا يَدْفَعُ شَرًّا فَالْأَذْبُ فِي السُّكُوتِ وَتَفْوِيضِ الْأَمْرِ إِلَى اللَّهِ وَعَدَّ لَهُ فَقَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا بِيضَاوَىٰ يَهِيَ آيَتِ وَقِيلَ الْمَعْنَى لَا عِلْمَ لَنَا إِلَىٰ جَنْبِ عِلْمِكَ

”(ازخازن) انبیائے کرام نے جب جان لیا کہ اللہ عالم ہے بے علم نہیں۔ حلیم ہے سفیہ نہیں۔ انصاف والا ہے ظالم نہیں تو وہ سمجھ گئے کہ ان کی بات نہ تو بھلائی کا قاعدہ دے گی اور نہ مصیبت کو دفع کرے گی۔ پس ادب خاموشی میں ہے اور معاملہ کو اللہ کے عدل کی طرف سپرد کر دینے میں ہے لہذا انہوں نے عرض کر دیا کہ ہم کو علم نہیں کہا گیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم کو تیرے علم کے مقابل علم نہیں۔“

روح البیان یہی آیت إِنَّ هَذَا الْجَوَابَ يَكُونُ فِي بَعْضِ مَوَاطِنِ الْقِيَمَةِ وَتَرْجِعُ عُقُولُهُمْ إِلَيْهِمْ فَيَشْهَدُونَ عَلَىٰ قَوْمِهِمْ أَنَّهُمْ بَلَّغُوا الرِّسَالََةَ وَأَنَّ قَوْمَهُمْ كَيْفَ رَذُوا عَلَيْهِمْ

یہ جواب قیامت کے بعض موقعوں میں ہوگا۔ اور اس کے بعد حواس قائم ہوں گے تو اپنی قوم پر گواہی دیں گے کہ ہم نے رسالت کی تبلیغ فرمادی اور ہمارے قوم نے کیا جواب دیا (ملخصاً)۔

(۸) وَمَا أَدْرِى مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ”اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جاویگا اور تمہارے ساتھ کیا۔“

اس سے مخالفین دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو نہ تو اپنی خبر تھی۔ نہ کسی اور کی کہ قیامت میں ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا۔ لیکن اس کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں روایت کی نفی ہے نہ کہ علم کی۔ وراثت انکل اور قیاس سے جاننے کو کہتے ہیں۔ یعنی میں بغیر وحی اپنے قیاس سے یہ امور نہیں جانتا۔ وحی سے جانتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت حضور علیہ السلام کو یہ باتیں بتانے سے پہلے کی ہے۔ لہذا یہ منسوخ ہے۔ تفسیر صاوی میں ہے یہی آیت۔

مَّا خَرَجَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى عَلَّمَهُ اللَّهُ فِي الْقُرْآنِ مَا يَعْمَلُ بِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ أَجْمَالًا وَتَفْصِيلًا

”کہ ان سے اور مؤمنین سے اور کافروں سے دنیا اور آخرت میں کیا کیا جاویگا۔ کہ ان سے اور مؤمنین سے اور کافروں سے دنیا اور آخرت میں کیا کیا جاوے گا۔“

ملا عبد الرحمن محمد مشقی رسالہ نسخ و منسوخ میں فرماتے ہیں۔ وَمَا أَدْرِى مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ نُسخ بِقَوْلِهِ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ آیت مَا أَدْرِى منسوخ ہے إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ سے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فَرِحَ الْمُشْرِكُونَ فَقَالُوا وَاللَّاتِ وَالْعُزَّى مَا أَمَرْنَا وَآمَرَ مُحَمَّدٌ إِلَّا وَاحِدًا أَوْ مَالَهُ عَلَيْنَا مِنْ مَزِيَّةٍ وَفَضْلٍ لَوْ لَا أَنَّهُ مَا ابْتَدَعَ مَا يَقُولُهُ لَا خَبْرَهُ الَّذِي بَعَثَهُ بِمَا يُفْعَلُ بِهِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ (الآية) فَقَالَتِ الصَّحَابَةُ هَيْئًا لَكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ قَدْ عَلِمْتَ مَا يُفْعَلُ بِكَ فَمَاذَا يُفْعَلُ بِنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ (الآية) وَأَنْزَلَ وَبَشَّرَ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّهُمْ مِنْ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا وَهَذَا قَوْلُ أَنَسٍ وَقَتَادَةَ وَعِكْرَمَةَ قَالُوا إِنَّمَا هَذَا قَبْلَ أَنْ يُخْبَرَ بِغُفْرَانِ ذَنْبِهِ وَإِنَّمَا أُخْبِرَ بِغُفْرَانِ ذَنْبِهِ عَامَ الْحُدَيْبِيَّةِ فَنُسَخَ ذَلِكَ

”جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ لات و عزیٰ کی قسم ہمارا اور حضور علیہ السلام کا تو یکساں حال ہے انکو ہم پر کوئی زیادتی اور بزرگی نہیں اگر وہ قرآن کو اپنی طرف سے گھڑ کر نہ کہتے ہوتے تو ان کو بھیجے والا خدا نہیں بتا دیتا کہ ان سے کیا معاملہ کریگا تو رب نے یہ آیت اتاری لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ پس صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو مبارک ہو آپ نے تو جان لیا جو آپ کے ساتھ ہوگا ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا تو یہ آیت اتری کہ داخل فرمایا اللہ مسلمان مرد اور عورتوں کو جنتوں میں (آلایہ) اور یہ آیت اتری کہ مسلمانوں کو خوشخبری دیجئے کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے یہ حضرت انس اور قتادہ و عکرمہ کا قول ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت سے پہلے کی ہے جبکہ حضور علیہ السلام کو ان کی مغفرت کی خبر دی گئی مغفرت کی خبر آچو حدیبیہ کے سال دی گئی تو یہ آیت منسوخ ہوگئی۔

اگر کوئی کہے کہ آیت لَا أَدْرِی خبر ہے اور منسوخ نہیں ہو سکتی تو اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ بہت سے علماء نسخ خبر جاز کہتے ہیں۔ جیسے وَإِنْ تُبَدَّلُوا (الآیہ) لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا سے منسوخ ہے ایسے ہی لَا أَدْرِی کو ابن عباس و انس و ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ سے منسوخ مانا (تفسیر کبیر در منشور و ابوالسعود) دوسرے یہ کہ یہاں گویا فرمایا گیا۔ قُلْ لَا أَدْرِی اور قل امر ہے۔ نسخ کا تعلق اسی سے ہے۔ تیسرے یہ کہ بعض آیات صورت میں خبر اور معنی میں حکم ہیں جیسے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ بِاللَّهِ عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ وغیرہ ان جیسی خبروں کا نسخ جاز ہے چوتھے یہ کہ اعتراض ہم پر نہیں بلکہ ان تفاسیر اور احادیث پر ہے جس سے نسخ ثابت ہے۔

اگر اس آیت کے مذکور بالا مطلب نہ بیان کئے جاویں تو صد ہا احادیث کی مخالفت ہوگی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن لَوَاءُ الْحَمْدِ ہمارے ہاتھ میں ہوگا آدم و آدمیان ہمارے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ شفاعت کبریٰ ہم فرمائیں گے۔ ہمارا حوض ایسا ہوگا۔ اس کے برتن اس طرح ہوں گے وغیرہ وغیرہ ابوبکر جنتی ہیں۔ حسن و حسین جو انان جنت کے سردار ہیں۔ فاطمہ زہرا خواتین جنت کی سردار ہیں۔ کسی کو فرمایا کہ تو جہنمی ہے۔ ایک آدمی بہت اچھا جہاد کر رہا ہے صحابہ کرام نے اس کی تعریف کی فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔ آخر کار اس نے خود کشی کی۔ اگر معاذ اللہ حضور علیہ السلام کو اپنی بھی خبر نہ ہو تو اپنی اور دیگر حضرات کی یہ خبریں کس طرح سنار ہے ہیں وہ تو جس کے ایمان کی رجسٹری فرمادیں۔ وہ کامل

مومن ہے۔ اس جگہ بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی پر کفایت کرتا ہوں، خدا درست سمجھ عطا فرمادے آمین۔

(۹) لَا نَعْلَمُهُمْ نَحْنُ تَعْلَمُهُمْ (پارہ ۱۱ سورہ ۹ آیت ۱۰۱) ”تم ان کو نہیں جانتے ہم انکو جانتے ہیں۔“

اس آیت سے مخالفین دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام دربار میں آنے والے منافقوں کو نہ پہچانتے تھے پھر علم غیب کیسا؟ مگر مفسرین نے اس آیت کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس آیت کے بعد یہ آیت نازل ہوئی وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ اور ضرور تم ان کو بات کے طریقہ سے پہچان لو گے لہذا یہ آیت منسوخ ہے یا یہ توجیہ ہے کہ بغیر ہمارے بتائے انکو نہیں پہچانتے۔
جمل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَإِنْ قُلْتَ كَيْفَ نَفَى عَنْهُ عِلْمُ بِحَالِ الْمُنَافِقِينَ وَ أَثْبَتَهُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ فَالْجَوَابُ أَنَّ آيَةَ النَّفْيِ نَزَلَتْ قَبْلَ آيَةِ الْإِثْبَاتِ

اسی جمل میں زیر آیت۔ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ہے فَكَانَ بَعْدَ ذَلِكَ لَا يَتَكَلَّمُ مُنَافِقٌ عِنْدَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَّا عَرَفَهُ وَيَسْتَدِلُّ عَلَى فَسَادِ بَاطِنِهِ وَنِفَاقِهِ

اسی جمل میں زیر آیت۔ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ہے فَكَانَ بَعْدَ ذَلِكَ لَا يَتَكَلَّمُ مُنَافِقٌ عِنْدَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَّا عَرَفَهُ وَيَسْتَدِلُّ عَلَى فَسَادِ بَاطِنِهِ وَنِفَاقِهِ

اگر تم کہو کہ حضور علیہ السلام کے منافقین کا حال جاننے کی نفی کیوں کی گئی حالانکہ آیت وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ میں اس کے جاننے کا ثبوت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نفی کی آیت ثبوت کی آیت سے پہلے اتری ہے اس آیت کے بعد کوئی بھی منافق حضور علیہ السلام کی حرفت میں کلام نہ کرتا تھا۔ مگر حضور علیہ السلام ان کو پہچان لیتے تھے اور اس کے فساد باطن اور نفاق پر دلیل پکڑتے تھے۔
تفسیر بیضاوی یہ ہی آیت۔

خَفِيَ عَلَيْكَ حَالُهُمْ مَعَ كَمَالِ فِطْنَتِكَ وَصِدْقِ فَرَاغَتِكَ

”آپ پر ان کا حال باوجود آپ کی کمال سمجھ اور سچی مردم شناسی کے مخفی رہ گیا۔“

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں اندازے سے پتہ لگانے کی نفی ہے۔ اگر اس آیت کی یہ توجیہ نہ کی جاوے تو ان احادیث کی مخالفت ہوگی جن سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام منافقوں کو پہچانتے تھے۔ مگر پردہ پوشی سے کام لیتے تھے۔
یعنی شرح بخاری جلد صفحہ ۲۲۱ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

خَطَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ أُخْرِجْ يَا فُلَانُ فَإِنَّكَ مُنَافِقٌ فَأَخْرَجَ مِنْهُمْ نَاسًا فَفَضَحَهُمْ

”حضور علیہ السلام نے جمعہ کے دن خطبہ پڑھا۔ پس فرمایا کہ اے فلاں نکل جا کیونکہ تو منافق ہے ان میں سے بہت سے آدمیوں کو رسوا کر کے نکال دیا۔“
شرح شفا ملا علی قاری جلد اول صفحہ ۲۲۱ میں فرماتے ہیں۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ الْمُنْفِقُونَ مِنَ الرِّجَالِ ثَلَاثَةَ مِائَةٍ وَمِنْ النِّسَاءِ مِائَةٌ وَسَبْعِينَ

”ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ منافقین مرد تین سو تھے اور عورتیں ایک سو ستر۔“

ہم اثبات علم غیب میں ایک حدیث پیش کر چکے ہیں۔ جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہم پر ہماری امت پیش کی گئی۔ لہذا ہم نے منافقوں اور کفار اور مومنین کو پہچان لیا۔ اس پر منافقین نے اعتراض کیا اور قرآن کی آیت ان کے جواب کے لئے آئی۔ ان سب دلائل میں مطابقت کرنے کے لئے یہ توجیہ کرنا ضروری ہے۔ نیز یہ کلام اظہار غضب کے لئے ہوتا ہے اگر بچہ کو باپ مارنے لگے اور کوئی باپ سے بچائے تو وہ کہتا ہے کہ اس خبیث کو تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں۔ اس سے علم کی نفی نہیں۔

۱۰) رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَا تَأْبَدُ** حضور علیہ السلام نے عبد اللہ ابن ابی منافق کی نماز جنازہ یا تو پڑھ لی یا پڑھنا چاہی فاروق اعظم نے منع کیا۔ مگر ان کی عرض نہ سنی تب یہ آیت اتری۔ جس میں آپ کو منافقین کی نماز جنازہ سے روکا گیا۔ اگر علم غیب تھا تو منافق کا جنازہ کیوں پڑھا؟

جواب اس منافق کا حضرت عباس پر کچھ احسان پر تھا اور اس کا فرزند مخلص مومن تھا اور خود اس منافق نے وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ حضور پڑھائیں۔ اس وقت تک اس کی ممانعت نہ تھی۔ لہذا دینی مصلحت سے اجازت پر عمل فرمایا۔ تفسیر کبیر و روح البیان نے فرمایا کہ اس کی وصیت علامت توبہ تھی اور شریعت کا حکم ظاہر پر ہے۔ جس پر حضور علیہ السلام نے عمل فرمایا۔ رب کو منظور نہ تھا کہ حبیب کا دشمن ظاہری عزت بھی پاوے۔ لہذا قرآن کریم نے حضرت فاروق کی تائید فرمادی غرضیکہ اس مسئلہ کو علم غیب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا منافق ہونا ظاہر تھا۔ مگر اس نماز میں بہت سی مصلحتیں تھیں۔ کریم کا کرم غیر اختیاری ہوتا ہے۔ اور پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ فاروق اعظم کو پتہ لگ جائے مگر حضور کو پتہ نہ لگے۔

۱۱) **وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا** (پارہ ۵ سورہ ۱۷ آیت ۸۵)
 ”اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں۔ تم فرماؤ کہ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے اور تم کو علم نہ ملا مگر تھوڑا۔“

مخالفین اس آیت سے دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم نہ تھا کہ روح کیا چیز ہے لہذا آپ کو علم غیب کلی نہ ہوا اس میں تین امور قابل غور ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ ہم نے حضور علیہ السلام کو یہ علم نہیں دیا۔ یا حضور علیہ السلام نے کہاں فرمایا کہ مجھے روح کا علم نہیں ملا۔ لہذا اس آیت کو نفی علم روح کی دلیل بنانا محض غلط ہے۔ اس میں تو پوچھنے والے کافروں سے فرمایا گیا کہ تم کو علم بہت تھوڑا سا دیا گیا ہے تم کو روح کی حقیقت کا علم نہیں دوسرے یہ کہ **قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي** کے معنی حضرت قبلہ عالم شیخ مہر علی شاہ صاحب فاضل گولڑوی علیہ الرحمۃ نے

سیف چشتیائی میں حضرت محی الدین ابن عربی سے نقل فرمایا کہ **قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي** فرمادو کہ روح امر رب سے ہے۔ یعنی عالم بہت سے ہیں عالم عناصر، عالم امر، عالم امکان وغیرہ تو روح عالم امر کی چیز ہے اور تم لوگ عالم عناصر کے تم اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتے کیونکہ اے کافرو تم کو تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ روح البیان میں زیر آیت **لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ** ہے۔

لَآئِهٖ تَجَاوَزَ فِي بِلَکِ اللَّیْلَةِ عَنِ عَالَمِ الْعَنَاصِرِ ثُمَّ عَنِ عَالَمِ الطَّبِیْعَةِ ثُمَّ عَنِ عَالَمِ الْأَرْوَاحِ حَتَّى وَصَلَ إِلَى عَالَمِ الْأَمْرِ وَعَيْنُ الرَّأْسِ مِنْ عَالَمِ الْأَجْسَامِ فَانْسَلَخَ عَنِ الْکُلِّ وَرَأَى رَبَّہٗ بِالْکُلِّ

”حضور علیہ السلام معراج کی رات عالم عناصر سے آگے بڑھے پھر عالم طبیعت سے پھر عالم ارواح سے یہاں تک کہ عالم امر تک جا پہنچے اور سر کی آنکھ عالم اجسام سے ہے پس آپ ان تمام چیزوں سے علیحدہ ہو گئے اور رب تعالیٰ کو کل ذات سے دیکھا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ شب معراج میں حضور علیہ السلام نے عالم امر کی سیر ہی نہیں فرمائی بلکہ خود بھی عالم امر میں سے بن گئے۔ اور اپنے رب کو دیکھا۔ اور اسی عالم امر کی روح بھی ہے۔ پھر آپ پر روح کی کٹر کھنٹی رہ سکتی ہے۔ جس طرح ہم جسم کو جاننے پہچانتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام آدھے بشر اور آدھے روح تھے کیونکہ حضرت مریم تو بشر تھیں اور حضرت جبریل روح **فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا** ہم نے حضرت مریم کے پاس اپنی روح یعنی

جبریل کو بھیجا۔ اور آپ کی پیدائش حضرت جبریل کی پھونک سے ہوئی۔ اس لئے دونوں امور آپ میں موجود ہیں۔

فتوحات کلیہ باب ۵۷۵ میں شیخ اکبر فرماتے ہیں۔

فَكَانَ نَصْفُهُ بَشَرًا وَنَصْفُهُ الْآخَرُ رُوحًا مُطَهَّرًا مَلَكًا لَّانَّ جِبْرِيلَ وَهَبَهُ لِمَرْيَمَ

”حضرت مسیح نصف بشر اور نصف دوم پاک روح ہیں۔ کیونکہ جبریل نے حضرت مریم کو انہیں بخشا۔“

اور ان کی پیدائش بھی حضور علیہ السلام کے نور سے ہے۔ تو گویا حضور علیہ السلام از سر تا پا روح ہیں۔

روح البیان نے اسی آیت **لَا تُدْرِكُ** کے ماتحت لکھا ہے۔

الْحَقِيقَةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ هِيَ حَقِيقَةُ الْحَقَائِقِ وَهُوَ الْمَوْجُودُ الْعَامُّ الشَّامِلُ

”حقیقت محمدیہ تمام حقیقتوں کی حقیقت ہے اور وہ ہی وجود عام ہے۔“

لہذا آیت کے معنی یہ ہوئے کہ روح وہ جو امر یعنی کن سے بلا واسطہ پیدا ہو۔ اور وہ حقیقت محمدیہ ہے۔ کہ بلا واسطہ ان کی پیدائش ان کے نور سے ہے مطلب یہ ہوا کہ عالم کی روح حقیقی میں ہوں۔ تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ یہاں روح سے قرآن یا جبریل مراد ہیں۔ کفار نے سوال کیا تھا کہ قرآن کیا ہے شعر ہے یا کہانت؟ جبریل کون ہیں؟ اور کیسے آتے ہیں؟ جواب دیا گیا کہ قرآن امر الہی ہے نہ شعر ہے نہ جادو۔ جبریل امر الہی سے آتے ہیں۔

وَمَا يَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ اسی کبیر میں ہے۔ **فَإِذَا كَانَ مَعْرِفَةُ اللَّهِ تَعَالَى مُمَكِّنَةً بَلْ حَاصِلَةٌ فَأَيُّ مَانِعٍ يَمْنَعُ مِنْ مَعْرِفَةِ الرُّوحِ** ”جب حضور علیہ السلام خدا کو پہچانیں تو روح کو کیوں نہ پہچانیں۔“
تیسرے یہ کہ مفسرین و محدثین نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم تھا۔
تفسیر خازن نے اسی آیت کے ماتحت لکھا۔

قِيلَ إِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلِمَ مَعْنَى الرُّوحِ لَكِنْ لَمْ يَخْبِرْ بِهِ لِأَنَّهُ تَرَكَ الْأَخْبَارَ كَانَ عِلْمًا لِنُبُوَّتِهِ وَالْقَوْلُ الْأَصَحُّ أَنَّ اللَّهَ اسْتَأْذَنَ بِعِلْمِ الرُّوحِ

”کہا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام کو حقیقت روح معلوم تھی لیکن اسکی خبر نہ دی کیونکہ یہ خبر دینا آپکی نبوت کی علامت اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علم روح سے خاص ہے۔ اس عبارت میں علم روح ماننے والوں کو مشرک نہ کہا گیا اور نہ ان کے قول کو غلط بتایا۔“
تفسیر روح البیان اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔

جَلَّ مَنْصَبُ حَبِيبِ اللَّهِ أَنْ يَكُونَ جَاهِلًا بِالرُّوحِ مَعَ أَنَّهُ عَالِمٌ بِاللَّهِ وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ

”حضور علیہ السلام کی شان اس سے بلند ہے کہ آپ روح سے ناواقف ہوں حالانکہ آپ اللہ سے واقف ہیں رب نے آپ پر احسان جنایا کہ فرمایا جو کچھ آپ نہ جانتے تھے وہ آپ کو بتا دیا۔“

تفسیر مدارک یہی آیت۔ **وَقِيلَ كَانَ السُّؤَالُ عَنْ خَلْقِ الرُّوحِ يَعْنِي مَخْلُوقٌ أَمْ لَا لِقَوْلِهِ مِنْ أَمْرِ رَبِّي دَلِيلٌ خَلْقِ الرُّوحِ فَكَانَ جَوَابًا**

”کہا گیا ہے کہ سوال روح کی پیدائش سے متعلق تھا کہ روح مخلوق بھی ہے یا نہیں اور رب کا فرمان **مِنْ أَمْرِ رَبِّي** روح کے مخلوق ہونے کی دلیل ہے لہذا یہ جواب ہو گیا۔“

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں روح کا علم ہونے نہ ہونے سے بحث ہی نہیں ہو رہی ہے یہاں تو ذکر مخلوقیت روح کا ہے، مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۴۰ وصل ایذا رسانی کفار فقراء صحابہ را میں شیخ فرماتے ہیں۔

”چہ گو نہ جرات کند مومن عارف کہ نفی علم بحقیقت روح از سید المرسلین و امام العارفین کند و داوہ است و اراحق سبحانہ، علم ذات و صفات خود و فتح کردہ برائے افح مبین از علوم اولین و آخرین روح انسانی چہ باشد کہ در حسب جامعیت وے قطرہ ایست از دریا و ذرہ ایست از بیدار۔
احیاء العلوم میں امام غزالی فرماتے ہیں۔

وَلَا تَظُنُّ أَنَّ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ مَكْشُوفًا لِرَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِنَّ مَنْ لَمْ يَعْرِفْ نَفْسَهُ فَكَيْفَ يَعْرِفُ اللَّهَ سُبْحَنَهُ فَلَا يُبْعَدُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ مَكْشُوفًا لِبَعْضِ الْأَوْلِيَاءِ وَالْعُلَمَاءِ

”مومن عارف یہ ہمت کس طرح کر سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے حقیقت روح کے علم کی نفی کرے حالانکہ رب نے ان کو اپنی ذات و صفات کا علم دیا ہے اور ان پر علوم اولین و آخرین کھول دیئے حضور علیہ السلام کے علم کے مقابل روح انسانی کی کیا حقیقت ہے وہ تو اس دریا کا ایک قطرہ اور جنگل کا ایک ذرہ ہے۔ تم یہ گمان نہ کرنا کہ روح حضور علیہ السلام کو نہ تھی۔ کیونکہ جو اپنے کو نہ پہچانے گا۔ وہ اللہ کو کس طرح پہچان سکتا ہے یہ بھی بعید نہیں کہ روح بعض اولیاء و علماء کو ظاہر ہو۔“

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم روح عطا ہوا بلکہ حضور کے صدقے سے بعض علماء و اولیاء کو بھی ملا۔ بعض لوگوں نے اس کا انکار بھی کیا۔ مگر وہ بلا دلیل ہے۔ نیز جب ثبوت نفی کے دلائل ہوں تو ثبوت کو اختیار کرنا چاہیے جیسا کہ ہم قاعدہ اصول کا بیان کر چکے ہیں۔

(۱۲) **عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَا أَذِنَتْ لَهٗم** غزوہ تبوک میں بعض منافقین نے غلط بہانہ کر کے شرکت نہ کی۔ حضور علیہ السلام کو ان کی حیلہ سازی کا پتہ لگا اور انہیں جہاد میں نہ جانکی اجازت دے دی اس آیت میں آپ پر عتاب فرمایا گیا کہ کیوں اجازت دی۔ اگر آپ کو علم غیب ہوتا۔ تو اصل حال آپ پر ظاہر ہوتا۔

جواب نہ اس آیت میں آپ پر عتاب ہے اور نہ حضور ان کے فریب سے بے خبر تھے۔ بلکہ حضور علیہ السلام نے انکی پردہ پوشی فرماتے ہوئے اجازت دی۔ رب نے فرمایا کہ اے مجرموں کے پردہ پوش! آپ نے ان کو رسوا کیوں نہ کیا؟ عتاب غلطی پر ہوتا ہے یہاں غلطی کون سے ہوئی تھی؟ **عَفَا اللَّهُ** کلمہ دعائیہ ہے نہ کے عتاب۔

(۱۳) **يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسِلُهَا فِيمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا** (پارہ ۳۰ سورہ ۷۹ آیت ۲۲، ۲۳)

”تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کے لئے ٹھہری ہوئی ہے تم کو اس بیان سے کیا تعلق۔“

اس آیت سے مخالفین دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہ تھا کہ کب ہوگی۔ لہذا آپ کو علم غیب کلی نہ ہوا۔ جواب صحیح یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یہ بھی عطا فرمایا۔ مفسرین نے اس آیت کی چند توجیہیں کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ آیت علم قیامت عطا کرنے سے پہلے کی ہے دوم یہ کہ اس سے مقصود سائلین کو جواب دینے سے روکنا ہے نہ کہ آپ کے علم کی نفی۔ تیسرے یہ کہ اس آیت میں فرمایا گیا۔ **أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا** آپ اس قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہیں آپ کو دیکھ کر ہی جان لینا چاہیے کہ قیامت قریب ہے۔ چوتھے یہ کہ اس میں فرمایا گیا ہے کہ دنیا میں آپ یہ باتیں بتانے نہیں بھیجے گئے۔

تفسیر صاوی یہی آیت۔

وَهَذَا قَبْلَ إِعْلَامِهِ بِوَقْتِهَا فَلَا يُنَا فِي أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّىٰ أَعْلَمَهُ اللَّهُ بِجَمِيعِ مَغِيَّاتِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

”یہ آیت حضور علیہ السلام کو قیامت کے وقت کی خبر دینے سے پہلے کی ہے لہذا یہ اس قول کے خلاف نہیں کہ حضور علیہ السلام دنیا سے نہ گئے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو دنیا و آخرت کے سارے علوم دے دیئے۔“

روح البیان یہی آیت۔

قَدْ ذَهَبَ بَعْضُ الْمَشَائِخِ إِلَىٰ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَعْرِفُ وَقْتَ السَّاعَةِ بِإِعْلَامِ اللَّهِ وَهُوَ لَا يُنَافِي الْحَصَرَ فِي الْآيَةِ

”بعض مشائخ ادھر گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کے وقت جانتے تھے اللہ کے بتانے سے اور یہ قول اس آیت کے حصر کے خلاف نہیں۔“

روح البیان میں یہی آیت پارہ ۹ زیر آیت **يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ خَفِيٌّ عَنْهَا** میں بھی ہے اور وہاں یہ بھی ہے کہ دنیا کی کل عمر ۷۰ ہزار سال ہے۔ یہ روایت صحیحہ ثابت ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے۔

تفسیر خازن یہی آیت **وَقِيلَ مَعْنَاهُ فِيمَ انْكَارَ لِسُؤَالِهِمْ أَيْ فِيمَ هَذَا السُّوَالُ ثُمَّ قَالَ أَنْتَ يَا مُحَمَّدُ مِنْ ذِكْرِهَا أَيْ مِنْ عَلَامَتِهَا لِأَنَّكَ أَخْبَرُ الرُّسُلَ فَكَفَاهُمْ ذَلِكَ دَلِيلًا عَلَىٰ ذُنُوبِهَا**

”کہا گیا ہے کہ **فِيمَا** کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی ان کا سوال کس شمار میں ہے پھر فرمایا کہ آپ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کیونکہ آپ آخری نبی ہیں پس ان کو دلیل کافی ہے قیامت قریب ہونے پر۔“

تفسیر مدارک یہی آیت **أَوْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَزَلْ يَذْكُرُ السَّاعَةَ وَيُسْأَلُ عَنْهَا حَتَّىٰ نَزَلَتْ فَهُوَ تَعَجَّبُ مِنْ كَثَرَةِ ذِكْرِهَا**

”یا حضور علیہ السلام قیامت کا بہت ہی ذکر فرماتے تھے اور اسکے بارے میں سوال کئے جاتے تھے یہاں تک کہ آیت اتری پس یہ آیت تعجب ہے آپ کے زیادہ ذکر قیامت فرمانے پر۔“

اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کس قدر ذکر قیامت فرماتے ہیں۔

مدارک یہی آیت **أَوْفِيْمَ اِنْكَارٍ لِّسْوَالِهِمْ عَنْهَا اٰی فِیْمَ هٰذَا السَّوَالُ ثُمَّ قَالَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرَهَا وَاَنْتَ اٰخِرُ الْاَنْبِیَآءِ عَلَآمَةٌ مِنْ عَلَآ مَا تَهَا فَلَآ مَعْنٰی لِّسْوَالِهِمْ عَنْهَا**

”یا فیما کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی یہ سوال کس شمار میں ہے پھر فرمایا کہ آپ اس قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کیونکہ آپ آخری نبی ہیں۔ قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہیں اب انکے قیامت کے پوچھنے کے کوئی معنی ہی نہیں۔“
اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا قیامت کے متعلق پوچھنا لغو ہے آپ خود اس کی علامت ہیں وہ کیوں پوچھتے ہیں۔
مدارک یہی آیت۔

قِیْلَ فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرَهَا مُتَّصِلٌ بِالسَّوَالِ اٰی یَسْئَلُوْنُکَ عَنِ السَّاعَةِ اٰیَانَ مُرْسَلَهَا وَیَقُوْلُوْنَ اٰیْنَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرَهَا ثُمَّ اسْتَاْنَفَ فَقَالَ اِلٰی رَبِّکَ

”اور کہا گیا ہے کہ **فِیْمَا اَنْتَ** سوال سے ملا ہوا ہے یعنی کفار آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کا قیام کب ہوگا؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کو اس کا علم کہاں سے آیا پھر رب تعالیٰ نے اپنی بات شروع کی **اِلٰی رَبِّکَ** اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کفار نے پوچھا کہ آپ کو یہ علم کہاں سے ہے۔ رب نے فرمایا کہ اللہ کی طرف سے تو یہ آیت علم قیامت کا ثبوت ہے۔

مدارک یہی آیت **اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ مِّنْ یُّخْشِیْهَا اٰی لَمْ تُبْعَثْ لَتُعْلِمَهُمْ بِوَقْتِ السَّاعَةِ اِنَّمَا اَنْتَ الْخَبَرُ** یعنی آپ اس لئے نہیں بھیجے گئے کہ ان کو قیامت کے وقت کی خبر دیں۔“

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کفار کا یہ کہنا کہ اگر آپ قیامت کی خبر دے دیں تو آپ نبی ہیں ورنہ نہیں۔ محض بیہودہ ہے کیونکہ قیامت کی خبر دینا نبوت کے فرائض میں سے نہیں۔ نبی کے لئے تبلیغ احکام ضروری ہے۔

مدارج النبوة جلد دوم صفحہ ۴۰ وصل ایذا رسائی کفار فقراء صحابہ را میں ہے۔

وبعض علماء علم ساعۃ نیز مثل ایں معنی گفتہ اند ”یعنی بعض علماء نے روح کی طرح حضور کو قیامت کا علم بھی مانا۔“

(۱۴) یَسْئَلُوْنُکَ کَاَنْکَ حَفِیٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عَلِمْتُهَا عِنْدَ اللّٰهِ (بارہ ۹ سورہ ۷۷ آیت ۱۸۷)

”تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے اس کو خوب تحقیق کر رکھا ہے تم فرماؤ کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔“

مخالفین اس آیت کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہیں۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں دیا۔ اس میں تو یہ ہے کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ دینے کی نفی نہیں۔ دوم یہ کہ علم قیامت دینے سے قبل کی آیت ہے۔

تَفْسِیْرُ صَاوِیْہِیْ اٰیْتِ وَالَّذِیْ یَجِبُ الْاِیْمَانُ بِہِ اَنَّ النَّبِیَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَمْ یَتَقَلَّ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی اَعْلَمَہُ اللّٰهُ بِجَمِیْعِ الْمَغِیْبَاتِ الَّتِیْ تَحْصُلُ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ فَہُوَ یَعْلَمُہَا کَمَا ہِیَ عَیْنٌ یَّقِیْنٌ لِّمَا وَرَدَ رُفِعَتْ لٰی الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ فِیْہَا کَمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفٰی ہٰذِہٖ وَوَرَدَ اَنّٰہُ اُطْلِعَ لٰی الْجَنَّةِ وَمَا فِیْہَا وَالنَّارِ وَمَا فِیْہَا وَغَیْرِ ذٰلِکَ مِمَّا تَوَاتَرَتْ الْاَخْبَارُ وَلٰکِنْ اَمْرٌ بِکِتْمَانٍ بَعْضُہَا

”جس پر ایمان لانا ضروری ہے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام دنیا سے منتقل نہ ہوئے یہاں تک کہ رب نے آپ کو وہ تمام چیزیں بتا دیں جو دنیا اور آخرت میں آیا کہ ہمارے سامنے دنیا پیش کی گئی۔ پس ہم اس میں اس طرح نظر کر رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ میں یہ بھی آیا ہے کہ ہم کو جنت اور وہاں کی نعمتوں اور دوزخ اور وہاں کے عذابوں پر اطلاع دی گئی علاوہ ازیں اور متواتر خبریں ہیں لیکن بعض کے چھپانے کا حکم دیا گیا۔“

تفسیر خازن میں اس آیت میں ہے کہ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔ **یَسْئَلُوْنُکَ عَنْہَا کَاَنْکَ حَفِیٌّ** یعنی یہ لوگ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا آپ ان پر بڑے مہربان ہیں۔ اور آپ ان کو بتائی دیں گے حالانکہ یہ اسرار الہی میں سے ہے اغیار سے چھپاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے مگر اظہار کی اجازت نہیں۔

يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ (پارہ ۲۲ سورہ ۳۳ آیت ۶۳)

”لوگ تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔“

جواب تفسیر صاوی یہی آیت **إِنَّمَا وَقْتُ السُّؤَالِ وَالْأَفْلَمُ يَخْرُجُ نَبِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى أَطْلَعَهُ اللَّهُ عَلَى جَمِيعِ الْمُغَيَّبَاتِ وَمِنْ جُمْلَتِهَا السَّاعَةُ**

”یعنی اس قیامت پر کوئی مطلع نہیں اور یہ سوال کے وقت تھا ورنہ نبی علیہ السلام تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ آپ کو اللہ نے تمام غیبیوں پر مطلع فرمادیا۔ جن میں سے قیامت بھی ہے۔“

روح البیان یہی آیت۔ **وَلَيْسَ مِنْ شَرَطِ النَّبِيِّ أَنْ يَعْلَمَ الْغَيْبَ بِغَيْرِ تَعْلِيمٍ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى**
”اور نبی شرائط میں سے یہ نہیں ہے کہ اللہ کے بغیر بتائے غیب جانے۔“

اس آیت میں کسی کو علم قیامت دینے کی نفی نہیں لہذا اس سے حضور علیہ السلام کے نہ جاننے پر دلیل پکڑنا غلط ہے۔
تفسیر صاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

الْمَعْنَى لَا يُفِيدُ عِلْمَهُ غَيْرُهُ تَعَالَى فَلَا يَنْبَغِي أَنْ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى أَطْلَعَ عَلَى مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ وَمَا هُوَ كَائِنٌ وَمِنْ جُمْلَتِهِ عِلْمُ السَّاعَةِ

”معنی یہ ہیں کہ قیامت کا علم خدا کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ پس یہ آیت اس کے خلاف نہیں کہ نبی علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے۔ یہاں تک کہ رب تعالیٰ نے ان کو سارے اگلے پچھلے واقعات پر مطلع فرمادیا۔ ان میں سے قیامت کا علم بھی ہے۔“

مخالفین علم قیامت کی نفی کی دلیل میں شروع مشکوٰۃ کی وہ ہدایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا **أَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ** مجھے قیامت کے متعلق خبر دیجئے تو فرمایا۔ **مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ** یعنی اس بارے میں ہم سائل سے زیادہ جاننے والے نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں۔

مگر یہ دلیل بھی محض لغو ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ اس میں حضور علیہ السلام نے اپنے جاننے کی نفی نہیں کی بلکہ زیادتی علم کی نفی کی۔ ورنہ فرماتے **لَا أَعْلَمُ** ”میں نہیں جانتا“ اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد فرمائی؟ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اے جبریل اس مسئلہ میں میرا اور تمہارا علم برابر ہے کہ مجھ کو بھی

خبر ہے اور تم کو بھی اس مجمع میں یہ پوچھ کر راز ظاہر کرانا مناسب نہیں۔ دوسرے یہ کہ جواب سن کر حضرت جبریل نے عرض کیا۔ **فَأَخْبِرْ عَنْ أَمَّا زَاتِهَا** تو قیامت کی نشانیاں ہی بتا دیجئے اس پر حضور علیہ السلام نے چند نشانیاں بیان فرمائیں کہ اولادنا فرمان ہوگی اوکین لوگ عزت پائیں گے وغیرہ وغیرہ جس کو قیامت کا بالکل علم ہی نہ ہو۔ ان سے نشان پوچھنا کیا معنی؟ نشان اور پتہ تو جاننے والے سے پوچھا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے قیامت قائم ہونے کا دن بتایا۔
مشکوٰۃ باب الجمعہ میں ہے۔

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ ”قیامت قائم نہ ہوگی مگر جمعہ کے دن۔“
کلمہ اور بیچ کی انگلی ملا کر فرمایا۔

بُعِثْتُ أَنَا وَ السَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ ”ہم اور قیامت اس طرح ملے ہوئے بھیجے گئے ہیں۔“ (مشکوٰۃ باب خطبہ یوم الجمعہ)

یعنی ہمارے زمانہ کے بعد بس قیامت ہی ہے اور اس قدر علامات قیامت ارشاد فرمائیں۔ کہ ایک بات بھی نہ چھوڑی۔ آج میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ابھی قیامت نہیں آسکتی کیونکہ نہ ابھی دجال آیا نہ حضرت مسیح و مہدی نہ آفتاب مغرب سے نکلا۔ ان علامات نے قیامت کو بالکل ظاہر فرمادیا پھر قیامت کا علم نہ ہونے کے کیا معنی؟ پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سنہ نہ بتایا کہ فلاں سنہ میں قیامت ہوگی۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ پاک میں سنہ مقرر ہی نہ ہوئی تھی۔ سنہ ہجری عہد فاروقی میں مقرر ہوئی کہ ہجرت تو ربیع الاول میں ہوئی مگر سنہ ہجری کا آغاز محرم سے ہوتا ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں قاعدہ یہ تھا کہ سال میں جو کوئی بھی اہم واقعہ ہوا اس سال منسوب کر دیا۔ سال فیل، سال فتح، سال حدیبیہ وغیرہ۔ تو سنہ ہجری کس طرح بتایا جاسکتا تھا۔ اس دن کے علامات وغیرہ سب بتا دیئے اور جو ذات اس قدر تفصیلی علامتیں بیان کرے وہ بے علم کس طرح ہو سکتی ہے؟ نیز ہم ثبوت علم غیب میں وہ حدیث پیش کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے قیامت تک کے من وعن واقعات بیان کر دیئے۔ اب کیسے ممکن ہے کہ قیامت کا علم نہ ہو۔ کیونکہ دنیا ختم ہوتے ہی قیامت ہے اور حضور علیہ السلام کو یہ علم ہے کہ کونسا واقعہ کس کے بعد ہوگا جو آخری واقعہ ارشاد فرمایا وہ ہی دنیا

کی انتہا ہے اور قیامت کی ابتداء دو ملی ہوئی چیزوں میں سے ایک کی انتہاء کا علم دوسری کے ابتداء کا علم ہوتا ہے۔ اس پر خوب غور کر لیا جاوے۔ نہایت نفیس تحقیق ہے جو حضرت صدرالافاضل مرشدی استاذی مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے ایک تقریر کے دوران ارشاد فرمائی۔

اعتراف ۱۶ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ

مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَ مَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ اَرْضٍ تَمُوتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (پارہ ۲۱ سورہ ۳۱ آیت ۳۴)

”بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی بیشک اللہ جاننے والا بتاؤ والا ہے۔“

اس آیت سے مخالفین کہتے ہیں کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں یہ اللہ کی صفت ہے جو کسی غیر کیلئے ثابت کرے وہ مشرک ہے اسی کو علوم خمسہ کہتے ہیں قیامت کب ہوگی، بارش کب ہوگی، عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور کل کیا ہوگا اور کون کہاں مرے گا؟ اس آیت کی تائید میں شرح مشکوٰۃ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نے حضور علیہ السلام سے قیامت کے متعلق دریافت کیا۔ تو فرمایا۔ **فِي خَمْسٍ لَا يَعْلَمُ**

هُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ قَرَأَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ یعنی پانچ چیزیں وہ ہیں جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ ہم علوم خمسہ کے بارے میں نہایت منصفانہ تحقیق کرتے ہیں اور ناظرین سے انصاف کی توقع اور اپنے رب سے تمنائے قبول رکھتے ہیں اور اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال پھر اس حدیث کے متعلق محدثین کے اقوال پھر اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

تفسیرات احمدیہ زیر آیت مذکورہ۔

وَلَكَّ اَنْ تَقُولَ اِنَّ عِلْمَ هَذِهِ الْخَمْسَةِ وَاَنْ لَا يَعْلَمَهَا اَحَدًا اِلَّا اللّٰهُ لَكِنْ يَجُوزُ اَنْ يَعْلَمَهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ مُحِبِّيهِ وَ اَوْلِيَآءِهِ بِقَرِيْنَةٍ قَوْلِهِ تَعَالٰى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ بِمَعْنَى الْمُخْبِرِ

”اور تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ ان پانچوں باتوں کو اگرچہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لیکن جائز ہے کہ خدا پاک اپنے ولیوں اور محبوبوں میں سے جس کو چاہے سکھائے اس قول کے قرینہ سے کہ اللہ جاننے والا بتانے والا ہے خیر بمعنی مخبر۔“

تفسیر صاوی آیت **مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا** کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اٰى مِنْ حَيْثُ ذَاتَهَا وَاَمَّا بِاعْلَامِ اللّٰهِ لِلْعَبْدِ فَلَا مَانِعَ مِنْهُ كَالَا نَبِيّآءٍ وَبَعْضِ الْاَوْلِيَآءِ قَالَ تَعَالٰى وَلَا يَحِيطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ اِلَّا بِمَا شَاءَ قَالَ تَعَالٰى فَلَا يَظْهَرُ عَلٰى غَيْبِهِ اَحَدًا اِلَّا مَن ارْتَضٰى مِنْ رُّسُوْلٍ فَلَا مَانِعَ مِنْ كَوْنِ اللّٰهِ يُطْلِعُ بَعْضَ عِبَادِهِ الصّٰلِحِيْنَ عَلٰى بَعْضِ الْمُغِيْبٰتِ فَتَكُوْنُ مُعْجَزَةً لِلنَّبِيِّ وَ كَرَامَةً لِلْوَلِيِّ وَلِذٰلِكَ قَالَ الْعُلَمَآءُ الْحَقُّ اَنَّهُ لَمْه يَخْرُجُ نَبِيْنًا مِّنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اَطْلَعَهُ عَلٰى تِلْكَ الْخَمْسِ

”یعنی ان باتوں کو کوئی اپنے آپ نہیں جانتا لیکن کسی بندے کا اللہ کے بتانے سے جانتا اس سے کوئی مانع نہیں جیسے انبیاء اور بعض اولیاء رب نے فرمایا کہ یہ لوگ خدا کے علم کو نہیں گھیر سکتے مگر جس قدر رب چاہے اور فرمایا کہ اپنے غیب پر کسی کو ظاہر نہیں فرماتا سوائے برگزیدہ رسولوں کے پس اگر خدا تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کو بعض غیبوں پر مطلع فرمادے تو کوئی مانع نہیں پس یہ علم نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت ہوگا اسی لئے علماء نے فرمایا کہ حق یہ ہے کہ حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ ان کو ان پانچوں باتوں پر رب نے مطلع فرمادیا۔“

تفسیر عرائس البیان زیر آیت **يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ** ہے۔

سَمِعْتُ اَيْضًا مِنْ بَعْضِ الْاَوْلِيَآءِ اَنَّهُ اَخْبَرَ مَا فِي الرَّحِمِ مِنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَرَأَيْتُ بِعَيْنِي مَا اَخْبَرَ

”ہم نے بعض اولیاء کو سنا کہ انہوں نے پیٹ کے بچہ لڑکی یا لڑکے کی خبر دی اور ہم نے اپنی آنکھوں سے وہی دیکھا جس کی انہوں نے خبر دی تھی۔ تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَمَا رَوٰى عَنْ الْاَنْبِيَآءِ وَالْاَوْلِيَآءِ مِنَ الْاَخْبَارِ عَنِ الْغُيُوْبِ فَبِتَعْلِيمِ اللّٰهِ اِمَّا بِطَرِيقِ الْوَحٰى اَوْ بِطَرِيقِ الْاِلْهَامِ وَالْكَشْفِ وَكَذَا اَخْبَرَ بَعْضُ الْاَوْلِيَآءِ عَنْ نُّزُوْلِ الْمَطَرِ وَاَخْبَرَ عَمَّا فِي الرَّحِمِ مِنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى فَوَقَعَ كَمَا اَخْبَرَ ”اور جو غیب کی خبریں انبیاء و اولیاء سے مروی ہیں پس یہ اللہ کی تعلیم سے ہے یا وحی یا الہام کے طریقے سے۔ اور اسی طرح بعض اولیاء نے بارش آنے کی خبر دی اور بعض نے رحم کے بچہ لڑکے یا لڑکی کی خبر دی تو وہی ہوا جو انہوں نے کہا تھا۔“

قیامت کے علم کی تحقیق ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔ جو علوم خمسہ میں سے ہے۔

ان تفاسیر کی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے علوم خمسہ اپنے حبیب علیہ السلام کو دیئے اور اس آیت میں خبیر بمعنی مخبر ہے۔ اس کے متعلق اور بھی تفاسیر کی عبارتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اس پر اختصار کرتا ہوں اب رہی مشکوٰۃ شروع کتاب الایمان کی حدیث کہ یہ پانچ چیزیں کوئی نہیں جانتا اس کی شرحیں ملاحظہ ہوں امام قرطبی، امام عینی، امام قسطلانی شرح بخاری میں اور ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل اول میں اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

فَمَنْ ادَّعى شَيْئاً مِنْهَا غَيْرَ مُسْنَدٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ كَاذِبًا فِي دَعْوَتِهِ

”پس جو شخص ان پانچوں میں سے کسی چیز کے علم کا دعویٰ کرے حضور علیہ السلام کی طرف بغیر نسبت کئے ہوئے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔“
لمعات میں شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

الْمُرَادُ يَعْلَمُ بِذَوْنِ تَعْلِيمِ اللَّهِ تَعَالَى ”مراد یہ ہے کہ ان پانچوں باتوں کو بغیر اللہ کے بتائے کوئی نہیں جانتا۔“

احمد الممعات میں شیخ عبدالحق اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں ”مراد آنسب کہ بے تعلیم الہی بحساب عقل ایہنا را اندامز امور الغیب اند کر کہ جز خدائے تعالیٰ کے آں را نداند مگر آنکہ دے تعالیٰ از نزد خود کے را بوحی والہام بداند۔“ مراد یہ ہے کہ ان امور غیب کو بغیر اللہ کے بتائے ہوئے عقل کے اندازہ سے کوئی نہیں جان سکتا۔ کیونکہ ان کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مگر وہ جس کو اللہ اپنی طرف سے بتا دے۔ وحی یا الہام سے۔ امام قسطلانی شرح بخاری کتاب التفسیر سورہ رد میں فرماتے ہیں۔

لَا يَعْلَمُ مَتَى تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا اللَّهُ وَالْأَمِّنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يُطْلِعُهُ عَلَى غَيْبِهِ وَالْوَلِيُّ التَّابِعُ لَهُ يَأْخُذْهُ عَنْهُ

”کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی سوائے اللہ کے اور پسندیدہ رسول کے کیونکہ رب تعالیٰ اس کو اپنے غیب پر مطلع فرماتا ہے اور ان کا اتباع ولی ان سے وہ غیب لیتا ہے۔“

انجام الحلیہ حاشیہ ابن ماجہ باب اشراط الساعۃ زیر حدیث **خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ** ہے۔

أَخْبَرَ الصَّدِيقُ زَوْجَتَهُ بِنْتَ خَارِجَةَ أَنَّهَا حَامِلَةٌ بِنْتُ فَوْ لَدَتْ بَعْدَ وَفَاتِهِ أُمُّ كُلْثُومٍ بِنْتُ أَبِي بَكْرٍ فَهَذَا مِنَ الْفِرَاسَةِ وَالظَّنِّ وَيُصَدِّقُ اللَّهُ فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ

”صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی بنت خارجہ کو خبر دی کہ وہ بیٹی سے حاملہ ہیں۔ لہذا صدیق کی وفات کے بعد ام کلثوم بنت صدیق پیدا ہوئیں پس یہ فراست اور ظن ہے خدا تعالیٰ مومن کی فراست کو سچا کر دیتا ہے۔“
سید شریف عبدالعزیز مسعود تاب الا بریز میں فرماتے ہیں۔

هُوَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ مِنْ شَيْءٍ مِنَ الْخَمْسِ الْمَذْكُورَةِ فِي الْآيَةِ وَكَيْفَ يَخْفَى ذَلِكَ وَالْأَقْطَابُ السَّبْعَةُ مِنْ أُمَّتِهِ الشَّرِيفَةِ يَعْلَمُونَهَا وَهُمْ دُونَ الْغَوِثِ فَكَيْفَ بِالْغَوِثِ فَكَيْفَ بِسَيِّدِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ الَّذِي هُوَ سَبَبُ كُلِّ شَيْءٍ وَمِنْهُ كُلُّ شَيْءٍ

”حضور علیہ السلام پر ان چانچ مذکورہ میں سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں اور حضور پر یہ امور مخفی کیونکر ہو سکتے ہیں حالانکہ آپ کی امت کے ساتھ قطب ان کو جانتے ہیں پس غوث کا کیا پوچھنا اور پھر سید الانبیاء ﷺ کا کیا کہنا جو ہر چیز کے سبب ہیں اور جن سے ہر چیز ہے۔“
علامہ جلال الدین سیوطی روض النظر شرح جامع صغیر میں اسی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔

قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَّا هُوَ مَعْنَاهُ بَأَنَّهُ لَا يَعْلَمُهَا أَحَدٌ بِذَاتِهِ إِلَّا هُوَ لَكِنْ قَدْ يَعْلَمُ بِهِ بِإِعْلَامِ اللَّهِ فَإِنَّ مَنْ يَعْلَمُهَا وَقَدْ وَجَدْنَا ذَلِكَ بِغَيْرِ وَاحِدٍ كَمَا رَأَيْنَا جَمَاعَةً عَلِمُوا أُمَّتِي يَمُوتُونَ وَعَلِمُوا مَا فِي الْأَرْحَامِ

”حضور علیہ السلام کا فرمانا **إِلَّا هُوَ** اس کے معنی یہ ہیں کہ انکو اپنے آپ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن کبھی اللہ کے بتانے سے جان لیتے ہیں کیونکہ یہاں وہ لوگ ہیں جو جانتے ہیں ہم نے متعدد کو ایسا پایا جیسے ہم نے ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ جان لیتے ہیں کہ کب مرینگے اور جانتے ہیں حکم کے بچہ کو۔
بھی علامہ جلال الدین سیوطی خصائص شریف میں فرماتے ہیں۔

عَرِضَ عَلَيْهِ مَا هُوَ كَائِنٌ فِي أُمَّتِهِ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ

”حضور علیہ السلام پر تمام وہ چیزیں پیش کر دی گئیں جو آپ کی امت میں قیامت تک ہونیوالی ہیں۔“

علامہ ججویری شرح قصیدہ بردہ صفحہ ۴۷ میں فرماتے ہیں۔

لَمْ يَخْرُجِ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا بَعْدَ أَنْ أَعْلَمَهُ اللَّهُ بِهَذِهِ الْأُمُورِ الْخَمْسَةِ

”حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لگے مگر اسکے بعد کہ اللہ نے آپ کو ان پانچوں چیزوں کا علم بتا دیا۔“
جمع النہایہ میں علامہ شنوانی فرماتے ہیں۔

قَدْ وَرَدَ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُخْرِجُ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّىٰ أَطْلَعَهُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ.

”یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو دنیا سے خارج نہ کیا یہاں تک کہ ہر چیز پر مطلع کر دیا۔“
یہی علامہ شنوانی اسی جمع النہایہ میں فرماتے ہیں۔

قَالَ بَعْضُ الْمُفَسِّرِينَ لَا يَعْلَمُ هَذَا الْخَمْسَ عِلْمًا لَدُنْيَا ذَاتِيًا بِلَا وَاسِطَةٍ إِلَّا اللَّهُ فَالْعِلْمُ بِهَذَا الصِّفَةِ مِمَّا اخْتَصَّ اللَّهُ بِهِ وَأَمَّا بِوَاسِطَةٍ فَلَا يَخْتَصُّ بِهِ

”بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان پانچ باتوں کو ذاتی طور پر بلا واسطہ تو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا پس اس طرح کا علم خدا سے خاص ہے لیکن علم بالواسطہ وہ خدا سے خاص نہیں۔“

فتوحات وہبہ شرح اربعین نودی میں فاضل ابن عطیہ فرماتے ہیں۔

الْحَقُّ كَمَا جَمَعَ أَنَّ اللَّهَ لَمْ يَقْضِ نَبِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّىٰ أَطْلَعَهُ عَلَىٰ كُلِّ مَا أَبْهَمَ عَنْهُ إِلَّا أَنَّهُ أَمَرَ بِكُتْمِ بَعْضٍ وَالْإِلَاحَ بَعْضٍ

”حق وہی ہے جو ایک جماعت نے کہا ہے کہ اللہ نے حضور علیہ السلام کو وفات ندوی یہاں تک کہ پوشیدہ چیزوں پر خبردار کر دیا لیکن بعض کے چھپانے اور بعض کے بتانے کا حکم دیا۔“

شاہ عبدالعزیز صاحب بستان محدثین صفحہ ۱۱۴ میں فرماتے ہیں۔ ”نقل می کند کہ والد شیخ ابن حجر را فرزندنی زیت کبیدہ خاطر بحضور شیخ فرمود کہ از پشت تو فرزندمے خواهد آمد کہ بعلم خود دنیار ا پر کند۔“

نقل ہے کہ شیخ ابن حجر کے والد کا کوئی بچہ نہ جیتا تھا۔ طول دل ہو کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے شیخ نے فرمایا کہ تمہاری پشت سے ایسا فرزند ہوگا کہ اپنے علم سے دنیا کو بھر دے گا۔ یہاں تک کہ علوم غسہ کے نقلی دلائل تھے۔ اسکی عقلی دلیل یہ ہے کہ مخالفین بھی مانتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا علم تمام مخلوق سے زیادہ ہے۔ جس کا حوالہ ہم تحذیر الناس سے پیش کر چکے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ مخلوق میں سے کسی کو ان پانچ چیزوں کا علم دیا گیا یا نہیں۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے کہ حکم مادر میں بچہ بننے کا ذکر فرماتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

ثُمَّ يَعَثُّ اللَّهُ إِلَيْهِ مَلَكًا بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ عَمَلَهُ وَاجَلَهُ وَرِزْقَهُ وَشَقِيَّ أَوْ سَعِيدَ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ

”یعنی پھر رب تعالیٰ ایک فرشتہ کو چار باتیں بتا کر بھیجتا ہے وہ فرشتہ لکھ جاتا ہے اسکا علم اسکی موت اس کا رزق اور یہ کہ نیک بخت ہے یا بد بخت پھر روح پھونکی جاتی ہے۔“

یہی علوم غسہ ہیں اور تمام موجودہ اور گزشتہ لوگوں کی یہ پانچ باتیں وہ فرشتہ کا تب تقدیر جانتا ہے مشکوٰۃ اسی باب میں ہے۔

كَتَبَ اللَّهُ مُقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يُخْلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ

”اللہ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھ دیں۔“

معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں علوم غسہ ہیں۔ تو وہ ملائکہ جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں اسی طرح انبیاء و اولیاء جن کی نظر لوح محفوظ پر رہتی ہے ان کو یہ علوم غسہ حاصل ہوئے۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے کہ میثاق کے دن حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اولاد آدم کی روحیں سیاہ و سفید رنگ میں دکھادی گئیں کہ سیاہ روحیں کافروں کی ہیں سفید مسلمانوں کی۔ معراج میں حضور علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس طرح دیکھا کہ ان کے داہنے جانب سفید اور بائیں جانب سیاہ رنگ کی ارواح ہیں یعنی جنتی و دوزخی لوگ مومنوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور کفار کو ملاحظہ فرما کر غمگین۔ اسی مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے۔ کہ ایک دن حضور علیہ السلام اپنے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں لئے ہوئے مجمع صحابہ میں تشریف لائے۔ اور داہنے ہاتھ کی کتاب کے بارے میں فرمایا کہ نام مع ان کے قبائل کے ہیں۔ اور آخر میں ان ناموں کا ٹوٹل بھی لگا دیا گیا ہے۔ کہ کل کتنے۔

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے مرقات میں فرمایا۔ **الظَّاهِرُ مِنَ الْاَشَارَاتِ اَنْهُمَا حَسِيَانٌ وَقِيلَ تَمَثَّلْ**۔ اشارہ ہے یہ ہی ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ کتابیں دیکھنے میں آ رہی تھیں۔ اسی مشکوٰۃ باب عذاب القبر میں ہے کہ جو مردہ نکیرین کے امتحان میں کامیاب یا ناکام ہوتا ہے تو نکیرین کہتے ہیں۔ **قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُولُ هَذَا** ہم تو پہلے ہی سے جانتے تھے کہ تو یہ کہے گا۔ معلوم ہوا کہ نکیرین کو امتحان میت سے پہلے ہی سعادت اور شقاوت کا علم ہوتا ہے۔ امتحان تو فقط پابندی قانون یا معترض کا منہ بند کرنے کو ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب کسی صالح آدمی کی بیوی اس لڑتی ہے تو جنت سے حور پکارتی ہے کہ یہ تیرے پاس چند دن کا مہمان ہے۔ پھر ہمارے پاس آئیو والا ہے اس جھگڑانہ کر مشکوٰۃ کتاب النکاح فی عشرة النساء معلوم ہوا کہ حور کو بھی خبر ہوتی ہے کہ اس کا خاتمہ بالخير ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے جنگ بدر میں ایک دن پہلے زمین پر نشان لگا کر فرمایا کہ یہاں فلاں کا فرمرے گا اور یہاں فلاں۔ موت کی زمین کا علم ہوا۔ (مشکوٰۃ کتاب الجہاد)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ علوم خمسہ کا علم اللہ نے بعض بندوں کو بھی دیا ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کا علم ان سب کے علموں کو محیط تو کس طرح ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علوم خمسہ حاصل نہ ہوں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ پانچ علوم عطائی حادث ہو کر خدا کی صفت نہیں۔ ورنہ کسی کو ان میں سے ایک بات کا بھی علم نہ ہوتا۔ صفت الہی میں شرکت نہ تو کلا جائز نہ محضاً۔ ان دلائل کے جواب ان شاء اللہ مخالف سے نہ بن سکیں گے۔

اعتراض ۱۷ وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيلَهُ اِلَّا اللّٰهُ متشابہات آیات کی تاویل رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو متشابہات آیات کا علم نہ تھا۔

جواب اس آیت میں یہ کہاں فرمایا گیا کہ ہم نے متشابہات کا علم کسی کو دیا بھی نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ** اپنے حبیب کو رحمان نے قرآن سکھایا۔ جب رب نے سارا قرآن حضور کو سکھادیا تو متشابہات بھی سکھادیے۔ اسی لئے خفی مذہب کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام متشابہات کو جانتے ہیں ورنہ ان کا نازل کرنا بیکار ہوگا۔ شافعیوں کے نزدیک علماء بھی جانتے ہیں وہ **وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ** پر وقف کرتے ہیں۔ شوافع کے ہاں اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ متشابہات کا علم اللہ تعالیٰ اور مضبوط علماء کے سوا کسی کو نہیں۔

دوسری فصل

نفی غیب کی احادیث کے بیان میں

مخالفین نفی غیب کے لئے بہت سی احادیث پیش کرتے ہیں ان سب کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ ان احادیث میں حضور علیہ السلام نے یہ نہ فرمایا کہ مجھے رب نے فلاں چیز کا علم نہ دیا بلکہ کسی میں تو ہے۔ **اللَّهُ أَعْلَمُ** کسی میں ہے مجھے کیا خبر کسی میں ہے کہ فلاں بات حضور علیہ السلام نے نہ بتائی۔ کسی میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فلاں سے یہ بات پوچھی۔ اور یہ تمام باتیں علم کی نفی ثابت نہیں کرتیں۔ نہ بتانا یا پوچھنا یا **اللَّهُ أَعْلَمُ** فرمانا اور بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے بہت سی باتیں خدا نے بندوں کو نہ بتائیں۔ سوال کے باوجود مخفی رکھا۔ بہت سی چیزوں کے متعلق پروردگار عالم فرشتوں سے پوچھتا ہے کیا اس کو بھی علم نہیں۔ ایک حدیث صحیح قطعی الدالالت ایسی لاؤ۔ جس میں عطائے علم غیب کی نفی ہو۔ مگر ان شاء اللہ نہ لاسکیں گے۔ یہ جواب نہایت کافی تھا مگر پھر بھی ان کی مشہور احادیث عرض کر کے جواب عرض کرتا ہوں۔ **وَبِاللَّهِ التَّوْفِيقِ**

اعتراض (۱) مشکوٰۃ باب اعلان النکاح کی پہلی حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام ایک نکاح میں تشریف لے گئے جہاں انصار کی کچھ بچیاں دف بجا کر جنگ بدر کے مقتولین کے مرثیہ کے گیت گانے لگیں ان میں سے کسی نے یہ مصرع پڑھا۔

وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ ”ہم میں ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں۔“

تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ چھوڑ دو۔ وہ ہی گائے جاؤ جو پہلے گارہی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب نہیں تھا اگر ہوتا تو آپ ان کو یہ کہنے سے نہ روکتے۔ سچی بات سے کیوں روکا۔

جواب اولاً تو غور کرنا چاہیے کہ یہ مصرع خود ان بچیوں نے تو بنایا ہی نہیں۔ کیونکہ بچیوں کو شعر بنانا نہیں آتا۔ اور نہ کسی کافر و مشرک نے بنایا۔ کیوں کہ وہ حضور علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے تھے لامحالہ یہ کسی صحابی کا شعر ہے۔ بتاؤ وہ شعر بنانے والے صحابی معاذ اللہ مشرک ہیں یا نہیں؟ پھر حضور ﷺ نے نہ تو اس شعر بنانے والے کو برا کہا نہ شعر کی مذمت کی۔ بلکہ ان کو گانے سے روکا۔ کیوں روکا؟ چار وجہ سے اولاً تو یہ کہ اگر کوئی ہمارے سامنے ہماری تعریف کرے۔ تو بطور انکسار کہتے ہیں۔ ارے میاں! یہ باتیں چھوڑ دو وہ ہی باتیں کرو۔ یہ بھی انکسار افرمایا۔ دوم یہ کہ کھیل کود، گانے بجانے کے درمیان نعت کے اشعار پڑھنے سے ممانعت فرمائی اس کے لئے ادب چاہیئے۔ تیسرے یہ کہ علم غیب کی نسبت اپنی طرف کرنے کو ناپسند فرمایا۔ چوتھے یہ کہ مرثیہ کے درمیان نعت ہونا ناپسند فرمایا۔ جیسا کہ آج کل نعت خواں کرتے ہیں کہ نعت و مرثیہ کو ملا کر پڑھتے ہیں۔

مرقاۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

لِكَرَامَةِ نَسَبِهِ إِلَيْهِ لِأَنَّهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَإِنَّمَا يَعْلَمُ الرَّسُولُ مِنَ الْغَيْبِ مَا أَعْلَمَهُ أَوْ لِكِرَامَةِ أَنْ يُذَكَّرَ فِي أَثْنَاءِ ضَرْبِ الدَّفِّ وَأَثْنَاءِ مَرَثِيَةِ الْقَتْلَى لِعُلُوِّ مَنْصَبِهِ عَنِ ذَلِكَ

”منع فرمایا کہ علم کی نسبت اپنی طرف کرنے کو۔ کیونکہ علم غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور رسول وہ ہی غیب جانتے ہیں جو اللہ بتائے یا یہ ناپسند کیا کہ آپ کا ذکر دف بجانے میں یا مقتولین کے مرثیہ کے درمیان کیا جاوے کہ آپ کا درجہ اس سے اعلیٰ ہے۔“

اوجہ الممعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

”گفتہ اند کہ منع آنحضرت ازیں قول بجہت آں است کہ دروے اسناد علم غیب است بہ آنحضرت رانا خوش امد و بعضے گویند کہ بجہت آں است کہ ذکر شریف دے در اثنا لہو مناسب نہ باشد۔“

شارحین نے کہا ہے حضور علیہ السلام کا اس کو منع فرمانا اسلئے ہے کہ اس میں علم غیب کی نسبت حضور کی طرف ہے۔ لہذا آپ کو ناپسند آئی اور بعض نے فرمایا کہ آپ کا ذکر شریف کھیل کود میں مناسب نہیں۔“

اعتراض (۲) مدینہ پاک میں انصار باغوں میں زرد درخت کی شاخ مادہ درخت میں لگاتے تھے تاکہ پھل زیادہ دے اس فعل سے انصار کو حضور ﷺ نے منع فرمایا (اس کام کو عربی میں تلقیح کہتے ہیں) انصار نے تلقیح چھوڑ دی۔ خدا کی شان پھل گھٹ گئے اس کی شکایت سرکارِ دو عالم کی خدمت میں پیش ہوئی تو فرمایا۔

أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُورِ دُنْيَاكُمْ ”اپنے دنیاوی معاملات تم جانتے ہو۔“

معلوم ہوا کہ آپ کو یہ علم نہ تھا کہ تلقیح روکنے سے پھل گھٹ جاوینگے اور انصار کا علم آپ سے زیادہ ثابت ہوا۔

جواب حضور علیہ السلام کا فرمانا **أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُورِ دُنْيَاكُمْ** اظہارِ ناراضی ہے کہ جب تم صبر نہیں کرتے تو دنیاوی معاملات تم جانو۔ جیسے ہم کسی سے کوئی بات کہیں اور وہ اس میں کچھ تامل کرے تو کہتے ہیں بھائی تو جان۔ اس سے نفی علم مقصود نہیں۔

شرح شفاء علی قاری بحث معجزات میں فرماتے ہیں۔

وَحَصَّه اللهُ مِنَ الْإِطْلَاحِ عَلَى جَمِيعِ مَصَالِحِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاسْتَشْكَلَ بِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَجَدَ الْإِنصَارَ يُلْقَحُونَ النَّخْلَ فَقَالَ لَوْ تَرَ كُتْمُوهُ فَتَرَ كُؤُهُ فَلَمْ يَخْرُجْ شَيْئًا وَخَرَجَ شَيْئًا فَقَالَ أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُورِ دُنْيَاكُمْ قَالَ الشَّيْخُ السَّيُوسِيُّ أَرَادَ أَنْ يَحْمِلَهُمْ عَلَى خَرَقِ الْعَوَائِدِ فِي ذَلِكَ إِلَى بَابِ التَّوَكُّلِ وَأَمَّا هُنَاكَ فَلَمْ يَمْتَلُوا فَقَالَ أَنْتُمْ أَعْرَفُ بِدُنْيَاكُمْ وَلَوْ امْتَلُوا وَتَحَمَّلُوا فِي سَنَةٍ أَوْ سَنَتَيْنِ لَكُفُّوا أَمْرَ هَذِهِ الْمَحَنَةِ

”اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تمام دینی و دنیاوی مصلحتوں پر مطلع فرمانے سے خاص فرمایا اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضور نے انصار کو درختوں کی تلخ کرتے ہوئے پایا تو فرمایا کہ تم اسکو چھوڑ دیتے تو اچھا تھا انہوں نے چھوڑ دیا تو کچھ پھل ہی نہ آیا یا ناقص آیا تو فرمایا کہ اپنے دنیاوی معاملات تم جانو۔ شیخ سنوی نے فرمایا کہ آپ نے چاہا تھا کہ ان کو خلاف عادت کام کر کے باب توکل تک پہنچادیں۔ انہوں نے نہ مانا تو فرمادیں کہ تم جانو۔ اگر وہ مان جاتے اور دو ایک سال نقصان برداشت کر لیتے تو اس محنت سے بچ جاتے۔“

ملاقاری اسی شرح شفاء جلد دوم صفحہ ۲۳۸ میں فرماتے ہیں۔

وَلَوْ ثَبَتُوا عَلَى كَلَامِهِ أَفَاقُوا إِنِّي الْفَنِّ تَقَعُ عَنْهُمْ كُلْفَةُ الْمَعَالِجَةِ

”اگر وہ حضرات حضور کے فرمان پر ثابت رہتے تو اس فن میں فوقیت لیجاتے اور ان سے اس تلخ کی محنت دور ہو جاتی۔“

فصل الخطاب میں علامہ قیسری سے نقل فرمایا۔

وَلَا يَعَزُبُ عَنْ عِلْمِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ مِنْ حَيْثُ مَرَّتَبَتِهِ وَإِنْ كَانَ يَقُولُ أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُورِ دُنْيَاكُمْ

”حضور علیہ السلام کے علم سے زمین و آسمان میں ذرہ بھر چیز پوشیدہ نہیں اگرچہ آپ فرماتے تھے کہ دنیاوی کام تم جانو۔“

حضرت یوسف علیہ السلام نے کبھی کاشتکاری نہ کی تھی اور نہ کاشتکاروں کی صحبت حاصل کی۔ مگر زمانہ قحط آنے سے پہلے حکم دیا کہ غلہ خوب کاشت کرو۔ اور فرمایا۔

فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ ”کہ جو کچھ کاٹو اس کو بالی ہی میں رہنے دو۔“

یعنی گیہوں کی حفاظت کا طریقہ سکھایا۔ آج بھی غلہ کو بھوسے میں رکھ کر اس کی حفاظت کرتے ہیں ان کو کھیتی باڑی کا خفیہ راز کس طرح معلوم ہوا؟ اور فرمایا۔

اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْمُ (پارہ ۳ سورہ ۲ آیت ۵۵)

”مجھ کو زمین کے خزانوں پر مقرر کر دو میں اس کا محافظ اور ہر کام جاننے والا ہوں۔“

یہ ملکی انتظامات وغیرہ کس سے سیکھے؟ تو کیا حضور علیہ السلام کی دانائی اور حضور کا علم حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی کم ہے، معاذ اللہ۔

اعتراض (۳) ترمذی کتاب التفسیر سورہ انعام میں ہے کہ حضرت مسروق عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت فرماتے ہیں کہ جو شخص کہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے رب کو دیکھا کسی شئی کو چھپایا وہ جھوٹا ہے۔

وَمَنْ زَعَمَ أَنَّهُ يَعْلَمُ فَا فِي غَدٍ فَقَدْ أَعْظَمَ الْفِرْيَةَ عَلَى اللَّهِ

”اور جو کہے کہ حضور علیہ السلام کل کی بات جانتے ہیں اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔“

جواب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ تینوں باتیں اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہیں آپ کے یہ قول اپنی رائے سے ہیں۔ اس پر کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں فرماتیں بلکہ آیات سے استدلال فرماتی ہیں رب تعالیٰ کو دیکھنے کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت پیش فرمائی۔ اور اب تک جمہور اہل اسلام اس کو مانتے چلے آئے ہیں۔ دیکھو اس کی تحقیق مدارج اور نسیم الریاض وغیرہ میں ہماری کتاب شان حبیب الرحمن سورہ والنجم میں اسی طرح صدیقہ کا فرمانا کہ حضور علیہ السلام نے کوئی چیز نہ چھپائی۔ اس سے مراد احکام شرعیہ تبلیغیہ ہیں۔ ورنہ بہت سے اسرار الہیہ پر لوگوں کو مطلع نہ فرمایا۔

مشکوٰۃ کتاب العلم دوم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو حضور علیہ السلام سے دو قسم کے علوم ملے۔ ایک وہ جن کی تبلیغ کردی۔ دوسرے وہ کہ اگر تم کو بتاؤں تو تم میرا گلا کاٹ دو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسرار الہیہ نا محرم سے چھپائے گئے۔ اسی طرح صدیقہ کا یہ فرمان کہ کل کی بات حضور علیہ السلام نہیں جانتے تھے۔ اس سے مراد ہے بالذات نہ جاننا ورنہ صد ہا احادیث اور قرآنی آیات کی مخالفت لازم آوے گی۔ حضور علیہ السلام نے قیامت کی، وصال کی، امام مہدی کی اور حوض

کوثر کی شفاعت بلکہ امام حسین کی شہادت کی۔ جنگ بدر ہونے سے پیشتر کفار کے قتل کی۔ اور جگہ قتل کی خبر دی۔ نیز اگر صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کے ظاہری معنی بھی کئے جاویں تو مخالفین کے بھی خلاف ہے کہ وہ بھی بہت سے غیوب کا علم مانتے ہیں اور اس میں بالکل نفی ہے۔ مجھے آج یقین ہے کہ کل پچھندہ ہوگا۔ سورج نکلے گا۔ رات آوے گی۔ یہ بھی تو کل کی بات کا علم ہوا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے معراج جسمانی کا بھی انکار فرمایا۔ مگر یہ ہی کہا جاتا ہے کہ واقعہ معراج انکے نکاح میں آنے سے پیشتر کا ہے۔ جواب تک انکے علم میں نہ آیا تھا۔

اعتراض (۴) صدیقہ کا ہارگم ہو گیا۔ جگہ جگہ تلاش کرایا گیا نہ ملا پھر اونٹ کے نیچے سے برآمد ہوا اگر حضور علیہ السلام کو علم تھا تو لوگوں کو اسی وقت کیوں نہ بتا دیا کہ باروہاں ہے۔ معلوم ہوا کہ علم نہ تھا۔

جواب اس حدیث سے نہ بتانا معلوم ہوا کہ نہ کہ نہ جاننا اور نہ بتانے میں صد ہا حکمتیں ہوتی ہیں حضرات صحابہ نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کا سبب دریافت کیا۔ رب تعالیٰ نے نہ بتایا تو کیا خدائے پاک کو بھی علم نہیں؟ مرضی الہی یہ تھی، کہ صدیقہ کا ہارگم ہو، مسلمان اس کی تلاش میں یہاں رک جاویں ظہر کا وقت آ جاوے پانی نہ ملے۔ جب حضور علیہ السلام سے عرض کیا جاوے کہ اب کیا کریں تب آیت تیمم نازل ہو جس سے حضرت صدیقہ کی عظمت قیامت تک مسلمان معلوم کر لیں کہ ان کے طفیل ہم کو تیمم ملا۔ اگر اسی وقت ہار بتا دیا جاتا۔ تو آیت تیمم کیوں نازل ہوتی۔ رب کے کام اسباب سے ہوتے ہیں۔ تعجب ہوتا کہ جو آنکھ قیامت تک کے حالات کو مشاہدہ کرے۔ اس سے اونٹ کے نیچے کی چیز کس طرح مخفی رہے۔ شان محبوب علیہ السلام پہچاننے کی خدا کی توفیق دے۔

اعتراض (۵) مشکوٰۃ باب الحوض والشفاء میں ہے۔

لَيَرِ دَنٌّ عَلَىٰ أَقْوَامٍ أَعْرَفُهُمْ وَيَعْرِفُونَنِي ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَأَقُولُ إِنَّهُمْ مِنِّي فَيَقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحَدٌ ثَوَّابَعَدَكَ فَأَقُولُ سَحَقًا سَحَقًا لِمَنْ غَيْرَ بَعْدِي

”حوض پر ہمارے پاس کچھ قومیں آئیں گی جنکو ہم پہچانتے ہیں اور وہ ہم کو پہچانتے ہیں پھر ہمارے اور ان کے درمیان آڑ کر دی جاوے گی ہم کہیں گے کہ یہ تو ہمارے لوگ ہیں تو کہا جاوے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نئے کام کئے پس فرمائیں گے دوری ہو دوری ہو اس کو جو میرے بعد دین بدلے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت میں بھی اپنے پرائے اور مومن و کافر کی پہچان نہ ہوگی کیونکہ آپ مرتدین کو فرمائیں گے کہ یہ میرے صحابہ ہیں اور ملائکہ عرض کریں گے کہ آپ نہیں جانتے۔

جواب حضور علیہ السلام کا ان کو صحابی کہنا طعن کے طور پر ہوگا کہ ان کو آنے دو یہ تو ہمارے بڑے مخلص صحابہ ہیں ملائکہ کا یہ عرض کرنا ان کو سنا کر غمگین کرنے کے لئے ہوگا۔ ورنہ ملائکہ نے ان کو یہاں تک آنے ہی کیوں دیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ جہنمی کافر سے کہا جاوے گا۔

ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ”عذاب چکھ۔ تو تو عزت کرم والا ہے۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج کو دیکھ کر فرمایا تھا۔ **هَذَا رَبِّي** یہ میرا رب ہے۔

پھر غور کی بات تو یہ ہے کہ آج تو حضور علیہ السلام اس سارے واقعہ کو جانتے ہیں اور فرماتے ہیں **أَعْرِفُهُمْ** ہم ان کو پہچانتے ہیں، کیا اس دن بھول جائیں گے؟ نیز قیامت کے دن مسلمانوں کی چند علامات ہوں گی۔ اعضاء وضو کا چمکنا، چہرہ نورانی ہونا **يَوْمَ تَبْيَضُ وَجُوهُ وَتَسْوَدُّ** داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال کا ہونا۔ پیشانی پر سجدہ کا داغ ہونا۔ (دیکھو مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ اور کفار کی علامت ہوگی ان کے خلاف ہونا۔ اور ان لوگوں کو ملائکہ کا روکنا۔ ان کے ارتداد کی خاص علامت ہوگی جو آج بیان ہو رہی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اتنی علامات کے ہوتے ہوئے حضور ان کو نہ پہچانیں۔ نیز آج تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنتی و جہنمی لوگوں کی خبر دے دی۔ عشرہ مبشرہ کو بشارت دی۔ دو کتابیں صحابہ کرام کو دکھا دیں۔ جن میں جنتی اور جہنمی لوگوں کے نام ہیں وہاں نہ پہچانتے کے کیا معنی؟ حضور علیہ السلام کو خبر نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

يُعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ نیز فرماتا ہے **يُعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فِي وَجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ** معلوم ہوا کہ قیامت میں نیک و بد لوگوں کی علامات چہروں پر ہوں گی۔

مشکوٰۃ باب الحوض والشفاء میں ہے کہ جنتی مسلمان جہنمی مسلمانوں کو نکالنے کے لئے جہنم میں جائیں گے اور ان کی پیشانی کے داغ سجدہ دیکھ کر ان کو جل چکنے کے بعد نکالیں گے اور ان سے فرمایا جاوے گا۔

فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ فَأَخْرِجُوهُ

”جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان پاؤ۔ اس کو نکال لے جاؤ۔“

دیکھو جنتی مسلمان دوزخی مسلمانوں کے دل کے ایمان کو پہچانتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کس کے دل میں کس درجہ کا ایمان ہے۔ دینار کے برابر یا ذرہ کے برابر۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چہرہ دیکھ کر علامات دیکھ کر بھی خبر نہیں ہوئی کہ یہ مسلمان ہیں یا کافر۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے۔

اعتراض (۶) بخاری جلد اول کتاب الجنائز میں حضرت ام العلاء کی روایت ہے۔

وَاللّٰهُ مَا اَدْرِى وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ يَفْعَلُ بِيْ

”خدا کی قسم میں نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جاوے گا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی بھی خبر نہ تھی کہ قیامت میں مجھ سے کیا معاملہ ہوگا۔

جواب اس جگہ علم کی نفی نہیں۔ بلکہ درایت کی نفی ہے۔ یعنی میں اپنے انکل و قیاس سے نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ بلکہ اس کا تعلق وحی الہی سے ہے تو اے ام العلاء تم جو عثمان ابن مظعون کے جنتی ہونے کی گواہی محض قیاس سے دے رہی ہو۔ یہ معتبر نہیں۔ اس غیب کی خبروں میں تو انبیاء کرام بھی قیاس نہیں فرماتے۔ ورنہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں ہے کہ ہم اولاد آدم کے سردار ہیں اس روز لواء الحمد ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔ آدم آدمیان ہمارے جھنڈے کے نیچے ہونگے ان کی مطابقت کس طرح کی جاوے گی۔

اعتراض (۷) بخاری جلد دوم کتاب المغازی باب حدیث افک میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگی۔ آپ اس میں پریشان تو رہے مگر بغیر وحی آئے ہوئے کچھ نہ فرما سکے کہ یہ تہمت صحیح ہے یا غلط اگر علم غیب ہوتا تو پریشانی کیسی؟ اور اتنے روز تک خاموشی کیوں فرمائی۔

جواب اس میں بھی نہ بتانا ثابت ہے نہ کہ نہ جاننا۔ نہ بتانے سے نہ جاننا لازم نہیں آتا۔ خود رب نے بھی بہت روز تک ان کی عصمت کی آیات نہ اتاریں تو کیا رب کو خبر نہ تھی نیز بخاری کی اسی حدیث میں ہے۔

مَا عَلِمْتُ عَلَىٰ اَهْلِيْ اِلَّا خَيْرًا ”میں اپنی بیوی کی پاکدامنی ہی جانتا ہوں۔“

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم ہے، وقت سے پہلے اظہار نہیں اور یہ تو ہو سکتا ہی نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ پر بدگمانی ہوئی ہو۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو عتاب فرمایا۔

لَوْ لَا اِذْ سَمِعْتُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوْا هٰذَا افْكٌ مُّبِيْنٌ (پارہ ۸ سورہ ۲۴ آیت ۱۲)

”یعنی مسلمان مردوں و عورتوں نے اپنے دلوں میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور فوراً کیوں نہ کہا کہ کھلا ہوا بہتان ہے۔“

پتہ لگا کہ نزول براءت سے پہلے ہی مسلمانوں پر نیک گمانی واجب اور بدگمانی حرام تھی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حرام سے معصوم ہیں۔ تو آپ بدگمانی ہرگز نہیں فرما سکتے۔ ہاں آپ کا فوراً یہ فرمانا **هٰذَا افْكٌ مُّبِيْنٌ** آپ پر واجب نہ تھا کہ کیونکہ آپ کے گھر کا معاملہ تھا۔ رہی پریشانی اور اتنا سکوت، یہ کیوں ہوا؟ پریشانی کی وجہ معاذ اللہ لاعلمی نہیں ہے۔ اگر کسی عزت و عظمت والے کو غلط الزام لگا دیا جاوے اور وہ خود جانتا بھی ہو کہ یہ الزام غلط ہے۔ پھر بھی اپنی بدنامی کے اندیشہ سے پریشان ہوتا ہے لوگوں میں افواہ کا پھیلنا ہی پریشانی کا باعث ہوا۔ اگر آیات نزول کے انتظار میں نہ فرمایا جاتا۔ اور پہلے ہی عصمت کا اظہار فرمایا جاتا تو منافقین کہتے کہ اپنی اہل خانہ کی حمایت کی۔ اور مسلمانوں کو تہمت کے مسائل نہ معلوم ہوتے اور پھر مقدمات میں تحقیقات کرنے کا طریقہ نہ آتا اور صدیقہ الکبریٰ کو صبر کا وہ ثواب نہ ملتا جواب ملا۔ اس تاخیر میں صد ہا حکمتیں ہیں۔ اور یہ تو مسئلہ عقائد کا ہے کہ نبی کی بیوی بدکار نہیں ہو سکتیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

الْغَيْبَاتُ لِلْغَيْبِيْنَ وَالْغَيْبِيُّوْنَ لِلْغَيْبَاتِ (پارہ ۸ سورہ ۲۴ آیت ۲۶)

”گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے۔“

اس گندگی سے مراد گندگی زنا ہے۔ یعنی نبی کی بیوی زانیہ نہیں ہو سکتی۔ ہاں کافر ہو سکتی ہے کہ کفر سخت جرم ہے۔ مگر گھنونی چیز نہیں۔ ہر شخص اس عار نہیں کرتا اور زنا سے ہر طبیعت نفرت اور عار کرتی ہے اسی لئے انبیاء کی بیوی کو کبھی خواب میں احتلام نہیں ہوتا۔ دیکھو مشکوٰۃ کتاب الغسل کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس پر تعجب فرمایا کہ عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے۔ اور اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمان میں بھی ہے۔ تو کیا حضور علیہ السلام کو عقیدے کا یہ مسئلہ بھی معلوم نہیں تھا کہ صدیقہ سید الانبیاء کی زوجہ پاک ہیں ان سے یہ قصور ہو سکتا ہی نہیں۔ نیز مرضی الہی یہ تھی کہ محبوبہ محبوب علیہ السلام کی عصمت کی گواہی ہم براہ راست دیں اور قرآن میں یہ آیات اتار کر قیامت تک کہ مسلمانوں سے تمام دنیا میں ان کی پاکدامنی کے خطبے پڑھوا لیں کہ نمازی نمازوں میں ان کی عفت کے گیت گایا کریں اب اگر حضور علیہ السلام خود ہی بیان فرما دیتے تو یہ خوبیاں حاصل نہ ہوتیں غرضیکہ علم تو تھا اظہار نہ تھا۔

لطف یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے تہمت لگائی۔ تو رب تعالیٰ نے ان کی صفائی خود بیان نہ فرمائی بلکہ ایک شیر خوار بچہ کے ذریعہ چاکدامنی سے پاکدامنی فرمادی۔ حضرت مریم کو تہمت لگی۔ تو شیر خوار روح اللہ سے ان کی عصمت ظاہر کی۔ مگر محبوب علیہ السلام کی محبوبہ زوجہ کو الزام لگا تو کسی

بچہ یا فرشتہ سے عصمت کی گواہی نہ دلوائی گئی۔ بلکہ یہ گواہی خود خالق نے دی اور گواہی کو قرآن کا جزو بنایا۔ تاکہ یہ گواہی ایمان کا رکن بنے اور مخلوق کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوبیت کا پتہ چلے۔

تنبیہ ایک جہل ہے ایک نسیان ایک ذہول۔ جہل نہ جانتا ہے۔ نسیان جان کر حافظہ سے نکل جانا۔ ذہول یہ ہے کہ کوئی چیز حافظہ میں ہو مگر ادھر توجہ نہ رہے۔ ایک شخص قرآن نہ پڑھا دوسرے نے حفظ کر کے بھلا دیا۔ تیسرا شخص حافظہ کامل ہے۔ اگر کسی وقت کوئی آیت اس پوچھی تو بتا نہ سکا۔ توجہ نہ رہی۔ پہلا تو قرآن سے جاہل۔ دوسرا ناسی، تیسرا ذلیل ہوا، انبیائے کرام کو بعض وقت کسی خاص چیز کا نسیان ہو سکتا ہے مگر بعد میں اس پر قائم نہیں رہتے۔ قرآن کریم سیدنا آدم علیہ السلام کے لئے فرماتا ہے۔ **فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا** وہ بھول گئے ہم نے ان کا قصد نہ پایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی نظر لوح محفوظ پر تھی۔ یہ تمام واقعات پیش نظر تھے۔ مگر ارادہ الہی کہ کچھ مدت کے لئے نسیان ہو گیا۔ قیامت میں شفیع کی تلاش میں سارے مسلمان جن میں محدثین و مفسرین و فقہاء سب ہی ہیں۔ انبیاء کرام کے پاس جائیں گے کہ آپ شفاعت فرمادیں۔ وہ شفاعت تو نہ کریں گے اور نہ شفیع المذنبین کا صحیح پتہ دیں گے۔ خیال سے فرمادیں گے کہ حضرت نوح کے پاس جاؤ۔ وہاں جاؤ، وہاں جاؤ شاید وہ تمہاری شفاعت کریں۔ حالانکہ دنیا میں سب کا عقیدہ تھا اور ہے کہ قیامت میں شفیع المذنبین حضور علیہ السلام ہی ہیں۔ یہ ہوا ذہول کہ ان باتوں کی طرف توجہ نہ رہی۔ اگر حضور علیہ السلام کسی وقت کوئی بات نہ بتائیں تو اس کی وجہ ذہول (ادھر توجہ کا نہ ہونا) ہو سکتی ہے۔ بے علمی ثابت نہ ہوگی رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الْغَافِلِينَ** اگرچہ آپ اس سے پہلے واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام سے بے پرواہ تھے غافل فرمایا جاہل نہ فرمایا۔ غافل وہ کہ واقعہ علم میں ہے۔ مگر ادھر دھیان نہیں گلستان میں فرماتے ہیں کسی نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے پوچھا۔

زمعشر بوئے پیرا بن شمدی چرا در چاہ کنعاش ندیدی !

کہ آپ نے حضرت یوسف کے کرتہ کی خوشبو مصر سے تو پائی۔ مگر کنعان کے کنویں میں رہے۔ تو آپ معلوم نہ کر سکے۔ جواب دیا۔

بگفت احوال ما برق جہاں است دے پیدا و دیگر دم نہان است گہے بر طارم اعلیٰ تشنیم! گہے بر پشت پائے خود نہ بنیم

فرمایا کہ ہمارا حال بجلی کی تڑپ کی طرح ہے کبھی ظاہر کبھی چھپا ہوا۔ قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو علم تھا کہ ماہ کنعان مصر میں قحطی دے رہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۸۶) ”مجھے خدا کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو نہیں معلوم۔“

روح البیان پارہ ۱۲ ازیر آیت **وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ** میں ہے کہ رب تعالیٰ کو اپنے پیاروں کا رونا بہت پسند ہے حضرت نوح اتنا روئے کہ نام ہی نوح ہوا۔ یعنی نوحہ اور گریہ زاری کرنے والے۔ حضرت یعقوب کے رونے کے لئے فراق یوسف سب ظاہری تھا ورنہ ان کا رونا

بلندی درجات کا سبب تھا۔ لہذا ان کا یہ رونا حضرت یوسف سے بے خبری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ **الْمَجَازُ قُنْطَرَةُ الْحَقِيقَةِ** مشنوی میں ہے۔

عشق الہی نیست امیں کارمنت حسن الہی عکس رخسارمنت خوش بیاید نالہ شب ہائے تو ذوقہا دارم بیار بہائے تو

بنیامین کو مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک حیلہ سے روک لیا۔ بھائیوں نے اگر قسم کھائی اور قافلے والوں کی گواہی پیش کی کہ بنیامین مصر شاہی قیدی بنائے گئے مگر فرمایا۔

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا (پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت ۱۸) ”کہ تمہارے نفس نے تمہیں حیلہ سکھا دیا۔“

یعنی یوسف کو بھی مجھ سے میری اولاد نے ہی جدا کیا اور بنیامین کو بھی، میری اولاد حضرت یوسف نے حیلہ ہی سے روکا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل واقعہ کی خبر ہے۔ پھر بظاہر مصر میں یعقوب علیہ السلام کے دو فرزند رہ گئے تھے ایک بنیامین دوسرا یہودا۔ مگر فرماتے ہیں۔

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ”قرب ہے کہ اللہ ان تینوں کو مجھ سے ملائے۔“

تین کون تھے؟ تیسرے حضرت یوسف علیہ السلام ہی تو تھے۔ جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گھر میں بند کر کے بری خواہش کرنا چاہی تو اس بند مکان میں یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف کے پاس پہنچے اور دانت تلے انگلی دبا کر اشارہ کیا کہ ہرگز نہیں۔ اے فرزند یہ کام تمہارا نہیں ہے کہ تم نبی کے بیٹے ہو جس کو قرآن فرماتا ہے۔

وَهُمْ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ”وہ بھی زلیخا کا قصد کر لیتے اگر رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے۔“

یہ بھی خیال رہے کہ برادران یوسف علیہ السلام نے خبر دی کہ ان کو بھیڑ یا کھا گیا اور آپ کو قمیض اور بھیڑیے کی خبر سے ان کا جھوٹا ہونا معلوم ہو گیا تھا کہ بھیڑیے نے عرض کیا تھا کہ ہم پر انبیاء کا گوشت حرام ہے، دیکھو تفسیر خازن، روح البیان سورہ یوسف۔ پھر آپ اپنے فرزند کی تلاش میں جنگل میں کیوں نہ گئے؟ معلوم ہوا کہ باخبر تھے مگر رازدار تھے جانتے تھے کہ فرزند سے مصر میں ملاقات ہوگی۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام کو بہت سے موقع ملے مگر والد اپنی خبر نہ دی معلوم ہوا کہ حکم کا انتظار تھا کنعان سے بیٹھے ہوئے یعقوب علیہ السلام اپنے فرزندوں کی ایک ایک بات دیکھ لیں۔ مگر

حضور علیہ السلام اپنی طیبہ طاہرہ صدیق کی بیٹی حضرت صدیقہ کے حالات سے بے خبر ہوں۔ مگر جو رب اکو اتنا علم دیتا ہے طاقت ضبط بھی دیتا ہے کہ دیکھتے ہیں مگر بے مرضی الہی راز فاش نہیں کرتے ہیں **اللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ** ہماری یہ تقریر اگر خیال میں رہی تو بہت مفید ہوگی۔

ان شاء اللہ

اعتراض (۸) حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے بعض ازواج کے گھر شہد ملاحظہ فرمایا اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ آپ کے دہن پاک سے مغفیر کی بو آرہی ہے۔ تو فرمایا کہ ہم نے مغفیر نہیں استعمال فرمایا۔ شہد پیا ہے۔ پھر حضور نے اپنے پر شہد حرام کر لیا۔ جس پر یہ آیت اتری **لِمَ يُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ** معلوم ہوا کہ اپنے دہن پاک کی بو کا بھی علم نہ تھا کہ اس بو آرہی ہے یا نہیں۔

جواب اس کا جواب اسی آیت میں ہے۔ **تَبْتَغِي مَرْضَاتِ اَزْوَاجِكَ** اے حبیب یہ حرام فرمانا آپ کی بے خبری سے نہیں بلکہ ان معترض ازواج کی رضا کے لئے ہے نیز اپنے منہ کی بو غیب نہیں محسوس چیز ہے ہر صبح الدماغ محسوس کر لیتا ہے کیا دیوبندی انبیاء کے حواس کو بھی ناقص ماننے لگے ان کے حواس کی قوت کو مولانا نے بیان فرمایا۔

نطق آب و نطق خاک و نطق گل ہست محسوس از حواس المل دل

قلفی گو منکر حنا نہ است از حواس اولیاء بیگانہ است !

اعتراض (۹) اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا تو خیبر میں زہر آلود گوشت کیوں کھالیا۔ اگر جانتے ہوئے کھایا تو یہ خودکشی کی کوشش ہے۔ جس سے نبی معصوم ہے۔

جواب اس وقت حضور علیہ السلام کو یہ بھی علم تھا کہ اس میں زہر ہے اور یہ بھی خبر تھی کہ زہر ہم پر حکم الہی اثر نہ کرے گا۔ اور یہ بھی خبر تھی کہ رب تعالیٰ کی مرضی یہ ہی تھی کہ ہم اسے کھالیں تاکہ بوقت وفات اس کا اثر لوٹے اور ہم کو شہادت کی وفات عطا فرمائی جاوے راضی برضا تھے۔

اعتراض (۱۰) اگر حضور علیہ السلام کو علم غیب تھا تو بیر معو نہ کے منافقین دھوکے سے آپ سے ستر (۷۰) صحابہ کرام کیوں لے گئے؟ جنہیں وہاں لے جا کر شہید کر دیا۔ اس آفت میں انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیوں پھنسایا۔

جواب جی ہاں حضور علیہ السلام کو یہ بھی خبر تھی کہ بیر معو نہ والے منافقین ہیں اور یہ بھی خبر تھی کہ لوگ ان ستر صحابہ کو شہید کر دیں گے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی خبر تھی کہ مرضی الہی یہ ہی ہے اور ان ستر کی شہادت کا وقت آگیا ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ رب تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا بندے کی شان ہے ابراہیم علیہ السلام تو مرضی الہی پا کر فرزند پر چھری لے کر تیار ہو گئے کی یہ بے گناہ پر ظلم تھا؟ نہیں بلکہ رضائے مولیٰ پر رضا تھی۔ اچھا بتاؤ رب تعالیٰ کو تو خبر تھی کہ گوشت میں زہر ہے۔ اور بیر معو نہ والے ان ستر کو شہید کر دیں گے۔ اس نے وحی بھیج کر کیوں نہ روک دیا۔ اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔

تیسری فصل

علم غیب کے خلاف عبارات فقہاء کے بیان میں

اعتراض (۱) فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔

رَجُلٌ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ شُهُودٍ فَقَالَ الرَّجُلُ وَالْمَرْءَةُ خُدا اور رسول را گواہ کر دیم قَالُوا اَيَكُونُ كُفْرًا لِاَنَّهُ اِعْتَقَدَ اَنَّ

رَسُولَ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ وَهُوَ مَا كَانَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ حِينَ كَانَ فِي الْحَيَاةِ فَكَيْفَ بَعْدَ الْمَوْتِ

”کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا تو مرد اور عورت نے کہا ہم خدا اور رسول کو گواہ کیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ قول کفر ہے کیونکہ اس اعتقاد کیا کہ رسول اللہ علیہ السلام غیب جانتے ہیں حالانکہ آپ تو غیب زندگی میں نہ جانتے تھے چہ جائیکہ موت کے بعد۔“

اعتراض (۲) شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وَذَكَرَ الْحَنْفِيَّةُ تَصْرِيحًا بِالتَّكْفِيرِ بِاعْتِقَادِ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ لِمُصَاوَصَةِ قَوْلِهِ تَعَالَى

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ

”حنفیوں نے صراحت ذکر کیا ہے کہ یہ اعتقاد کہ نبی علیہ السلام غیب جانتے تھے کفر ہے کیونکہ یہ عقیدہ خدائے پاک کے اس فرمان کے خلاف ہے کہ فرما دو آسمانوں اور زمین کا غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب ماننا کفر ہے۔

جواب ان دونوں عبارتوں کا اجمالی اور اثری جواب تو یہ ہے کہ مخالفین بھی حضور علیہ السلام کو بعض علم غیب مانتے ہیں۔ لہذا وہ بھی کافر ہوئے

کیونکہ ان عبارتوں میں کل یا بعض کا ذکر تو نہیں بلکہ یہ ہے کہ جو بھی حضور علیہ السلام کو علم غیب مانے وہ کافر ہے۔ خواہ ایک کا مانے یا زیادہ کا۔ تو وہ بھی خیر منائیں مولوی اشرف علی تھانوی نے حفظ الایمان میں بچوں، پاگلوں اور جانوروں کو بعض علم غیب مانتا ہے۔ مولوی خلیل احمد صاحب نے براہین قاطعہ میں شیطان اور ملک الموت کو وسیع علم غیب مانتا۔ مولوی قاسم صاحب نے تحذیر الناس میں کمال ہی کر دیا کہ ساری مخلوقات سے حضور علیہ السلام کو علم زیادہ مانا اب ان تینوں صاحبوں پر کیا حکم لگایا جاوے گا؟ تفصیلی جواب یہ ہے کہ قاضی خان کی عبارت میں ہے **قَالُوا** لوگوں نے کہا اور قاضی خان وغیرہ فقہاء کی عادت یہ ہے کہ وہ **قَالُوا** اس جگہ بولتے ہیں جہاں ان کو یہ قول پسند نہ ہو۔ شامی جلد پنجم صفحہ ۴۳۵ میں ہے۔

لَفْظَةُ قَالُوا اِنْذَكُرْ فِيمَا فِيهِ خِلَافٌ ”لفظ **قَالُوا** وہاں بولا جاتا ہے جہاں اختلاف ہو۔“

غزنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی بحث ثبوت میں ہے۔

كَلَامُ قَاضِي خَانَ يُشِيرُ إِلَى عَدَمِ اخْتِيَارِهِ لَهُ حَيْثُ قَالَ قَالُوا لَا يَصْلَى عَلَيْهِ فِي الْقَعْدَةِ الْآخِرَةِ فَفِي

قَوْلِهِ قَالُوا اِشَارَةً إِلَى عَدَمِ اسْتِحْسَانِهِ لَهُ وَ إِلَى أَنَّهُ غَيْرُ مَرْوِيٍّ عَنِ الْاِثْمَةِ كَمَا قُلْنَا فَإِنَّ ذَلِكَ

مُتَعَارَفٌ فِي عِبَارَاتِهِمْ لِمَنْ اسْتَقْرَأَهَا

”قاضی خان کا کلام ان کی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ انہوں نے کہا قالوا الخ ان کے قالوا کہنے میں اشارہ ادھر ہے کہ یہ قول پسندیدہ نہیں اور یہ اماموں سے مروی نہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا کیونکہ یہ فقہاء کی عبارات میں شائع ہے اس کو معلوم ہے جو ان کی تلاش کرے۔“

در مختار کتاب النکاح میں ہے۔

تَزَوَّجَ رَجُلٌ بِشَهَادَةِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ لَمْ يَجْزِبْ قِيلَ يَكْفُرُ

”ایک شخص نے نکاح کیا اللہ اور رسول کی گواہی سے تو نہیں جائز ہے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ وہ کافر ہو جاوے گا۔“

اس عبارت کے ماتحت شامی نے تاتارخانیہ سے نقل ہے۔

وَفِي الْحُجَّةِ ذِكْرٌ فِي الْمُلْتَقَطِ لَا يَكْفُرُ لِأَنَّ الْأَشْيَاءَ تُعَرَّضُ عَلَى رُوحِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَنَّ

الرُّسُلَ يَعْرِفُونَ بَعْضَ الْغَيْبِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنْ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ قُلْتُ

بَلْ ذَكَرُوا فِي كُتُبِ الْعَقَائِدِ أَنَّ مِنْ جُمْلَةِ كَرَامَاتِ الْأَوْلِيَاءِ الْإِطْلَاعُ عَلَى بَعْضِ الْمُغَيَّبَاتِ

”ملتقط میں ہے کہ وہ کافر نہ ہوگا کیونکہ تمام چیزیں حضور علیہ السلام کی روح پر پیش کی جاتی ہیں اور رسول بعض غیب جانتے ہیں رب نے فرمایا ہے کہ

پس نہیں ظاہر فرماتا اپنے غیب پر کسی کو سوائے پسندیدہ رسول کے میں کہتا ہوں کہ کتب عقائد میں ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات میں سے بعض غیبیوں پر مطلع ہونا بھی ہے۔“

شامی باب المرتدین میں مسئلہ بزاز یہ ذکر فرما کر فرمایا۔

حَاصِلُهُ أَنَّ دَعْوَى الْغَيْبِ مُعَارِضَةٌ لِنَصِّ الْقُرْآنِ يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا إِذَا اسْتَدَّ ذَلِكَ صَرِيحًا أَوْ دَلَالَةً إِلَى سَبَبٍ كَوَّحِي أَوِ الْهَامِ

”اس کا خلاصہ یہ ہے دعویٰ علم غیب نص قرآنی کے خلاف ہے کہ اس سے کافر ہوگا مگر جبکہ اس کو صراحت یا دلالت کسی سبب کی طرف نسبت کر دے جیسے کہ وحی یا الہام۔“

معدن الحقائق شرح کنز الدقائق اور خزائنہ الردات میں ہے۔

وَفِي الْمُضْمَرَاتِ وَالصَّحِيحِ أَنَّهُ لَا يَكْفُرُ لَأنَّ الْأَنْبِيَاءَ يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ وَيُعْرِضُ عَلَيْهِمُ الْأَشْيَاءَ فَلَا يَكُونُ كُفْرًا

”مضمورات میں ہے صحیح یہ ہے کہ وہ شخص کافر نہ ہوگا کیونکہ انبیائے کرام غیب جانتے ہیں اور ان پر چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔ پس یہ کفر نہ ہوگا۔“
ان عبارات سے معلوم ہوا کہ عقیدہ علم غیب پر فتوے کفر لگانا غلط ہے۔ بلکہ فقہاء کا بھی عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب دیا گیا۔
ملاقاری کی عبارت پوری نقل نہیں کی۔ اصل عبارت یہ ہے جو مطلب واضح کرتی ہے۔

ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يَعْلَمُوا الْمُغَيَّبَاتِ مِنَ الْأَشْيَاءِ إِلَّا مَا أَعْلَمَهُمُ اللَّهُ وَذَكَرَ الْحَنْفِيَّةُ تُصَرِّحًا بِإِلْكَافِيرِ الْخ

”پھر جانو کہ انبیائے کرام غیب چیز دیکھ نہیں جانتے سوائے اس کے جو انکو اللہ بتادیں اور حنفیوں نے کفر کی تصریح کی جو نبی علیہ السلام کو علم غیب جانے۔ الخ“
اب پورا مطلب معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کو علم غیب ذاتی ماننے کو ملاقاری کفر فرما رہے ہیں نہ کہ عطائی۔ کیونکہ عطائی کو تو مان رہے ہیں اور پھر ان کی عبارتیں ہم ثبوت علم غیب میں پیش کر چکے ہیں کہ ملا علی قاری حضور علیہ السلام کو تمام ماکان و مایکون کا علم مانتے ہیں۔

چوتھی فصل

علم غیب پر عقلی اعتراضات کے بیان میں

اعتراض (۱) علم غیب خدا کی صفت ہے اس میں کسی کو شریک کرنا شرک فی الصفت ہے لہذا حضور علیہ السلام کو علم غیب ماننا شرک ہے۔

جواب غیب جاننا بھی خدا کی صفت ہے حاضر چیزوں کا جاننا بھی خدا کی صفت ہے۔ **عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ** اسی طرح سننا دیکھنا زندہ ہونا سب خدا کی صفات ہیں۔ تو اگر کسی کو حاضر چیز کا علم مانا یا کسی کو سمیع یا بصیر یا حی مانا ہر طرح شرک ہوا۔ فرق یہ ہی کیا جاتا ہے کہ ہمارا سننا دیکھنا زندہ رہنا خدا کے دینے سے ہے اور حادث ہے۔ خدا کی یہ صفات ذاتی اور قدیم پھر شرک کیسا؟ اسی طرح علم غیب نبی عطائی اور حادث ہے اور فنا ہی ہے۔ رب کا علم ذاتی قدیم اور کل معلومات غیر متناہیہ کا ہے نیز یہ شرک تو تم پر بھی لازم ہے۔ کیونکہ تم حضور علیہ السلام کے لئے علم غیب مانتے ہو بعض ہی کا سہی۔ اور خدا کی صفت میں ٹکرا دینا ہر طرح شرک کرنا شرک ہے۔ نیز مولوی حسین علی صاحب واں پھر والے جو مولوی رشید احمد صاحب کے خاص شاگرد ہیں۔ اپنی کتاب بلغۃ الحیر ان زیر آیت **يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلُّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ** میں لکھتے ہیں کہ خدا کو ہر وقت مخلوقات کے اعمال کا علم نہیں ہوتا۔ بلکہ بندے جب اعمال کر لیتے ہیں۔ تب علم ہوتا ہے۔ اب تو علم غیب خدا کی صفت رہی ہی نہیں۔ پھر کسی کو علم غیب ماننا شرک کیوں ہوگا۔

اعتراض (۳) حضور علیہ السلام کو علم غیب کب حاصل ہوا۔ تم بھی تو کہتے ہو کہ شب معراج منہ میں قطرہ ٹپکا یا گیا اس علم غیب ملا اور کبھی کہتے ہو کہ خواب میں رب کو دیکھا کہ اس اپنا دست قدرت حضور علیہ السلام کے شانہ پر رکھا۔ جس تمام علوم حاصل ہوئے۔ کبھی کہتے ہو کہ قرآن تمام چیزوں کا بیان ہے۔ اس کے نزول ختم ہونے سے علم غیب ملا۔ اس میں کوئی بات درست ہے۔ اگر نزول قرآن سے پہلے علم مل چکا تھا تو قرآن سے کیا ملا۔ تحصیل حاصل محال ہے۔

جواب حضور علیہ السلام کو نفس علم غیب ولادت سے پہلے ہی عطا ہو چکا تھا کیونکہ آپ ولادت سے قبل عالم ارواح میں نبی تھے۔

كُنْتُ نَبِيًّا وَاَدَمُ بَيْنَ الطِّينِ وَالْمَاءِ اور نبی کہتے ہیں اس کو ہیں جو غیب کی خبر رکھے مگر ماکان وما یكون کی تکمیل شب معراج میں ہوئی۔ لیکن یہ تمام علوم شہودی تھے کہ تمام اشیاء کو نظر سے مشاہدہ فرمایا۔ پھر قرآن نے ان ہی دیکھی ہوئی چیزوں کا بیان فرمایا اسی لئے قرآن میں ہے۔ **تَبَيَّنَا لِكُلِّ شَيْءٍ** ہر چیز کا بیان، اور معراج میں ہوا **فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ** دیکھنا اور ہے بیان کچھ اور۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر ان کو تمام چیزیں دکھا دیں۔ بعد میں ان کے نام بتائے۔ وہ مشاہدہ تھا اور یہ بیان۔ اگر چیزیں دکھائی نہ گئی تھیں تو **ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ** کے کیا معنی ہوں گے۔ یعنی پھر ان چیزوں کو ملا لگہ پر پیش فرمایا لہذا دونوں قول صحیح ہیں کہ معراج میں بھی علم ہوا۔ اور قرآن سے بھی۔ اگر کہا جاوے کہ پھر نزول قرآن سے کیا فائدہ سب باتیں تو پہلے ہی سے حضور کو معلوم تھیں۔ بتائی جاتی ہے نامعلوم چیز۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نزول قرآن صرف حضور علیہ السلام کے علم کے لئے نہیں ہوتا۔ بلکہ اس ہزار ہا دیگر فائدے ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ کسی آیت کے نزول سے پہلے اس کے احکام جاری نہ ہوں گے۔ اس کی تلاوت وغیرہ نہ ہوگی اگر نزول قرآن حضور علیہ السلام کے علم کے لئے ہے تو بعض سورتیں دوبار کیوں نازل ہوئیں۔ تفسیر مدارک میں ہے۔

فَاتَحَهُ الْكِتَابُ مَكِّيَّةً وَقِيلَ مَدْيَنَةٌ وَالْاَصْحٰهُ اَنَّهَا مَكِّيَّةٌ وَمَدْيَنَةٌ نَزَلَتْ بِمَكَّةَ ثُمَّ نَزَلَتْ بِالْمَدِيْنَةِ

”سورۃ فاتحہ کی ہے اور کہا گیا ہے کہ مدنی ہے اور صحیح تر یہ ہے کہ یہ مکی بھی ہے اور مدنی بھی اولاً مکہ میں نازل ہوئی پھر مدینہ میں۔“

مشکوٰۃ حدیث معراج میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو شب معراج میں پانچ نمازیں اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات عطا ہوئیں۔ اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے سوال کیا کہ معراج تو مکہ معظمہ میں ہوئی اور سورہ بقرہ مدنی ہے۔ پھر اس کی آخری آیات میں کیسے عطا ہوئیں؟ تو جواب دیتے ہیں۔

حَاصِلُهُ اَنَّهُ وَقَعَ تَكَرُّارُ الْوَحْيِ فِيهِ تَعْظِيْمًا لِّهِ وَاهْتِمَامًا لِشَاْنِهِ وَحَيَّ اللهُ اِلَيْهِ فِي تِلْكَ اللَّيْلَةِ بِلَا

وَاسِطَةِ جَبْرِیْلَ

”خلاصہ یہ ہے کہ اس میں وحی مکرر ہوئی حضور علیہ السلام کی تعظیم اور آپ کے اہتمام شان کیلئے۔ پس اللہ نے اس رات بغیر واسطہ جبریل وحی فرمادی۔“

اسی حدیث کے ماتحت لمعات میں ہے۔

نَزَلَتْ عَلَيْهِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لَیْلَۃَ الْمِعْرَاجِ بِلَا وَاِسْطَۃٍ ثُمَّ نَزَلَ بِہَا جِبْرِیْلُ فَأَنْبِئَتْ فِی الْمَصَاحِفِ
 ”شب معراج میں یہ آیات بغیر واسطہ کے اتریں پھر ان جبریل نے اتارا تو قرآن میں رکھیں گئیں۔“
 بتاؤ کہ نزول کس لئے ہوا؟ حضور علیہ السلام کو تو پہلے نزول سے علم حاصل ہو چکا تھا۔ نیز ہر سال ماہ رمضان میں جبریل امین حضور علیہ السلام کو سارا قرآن سناتے تھے۔ مقدمہ نور الانوار تعریف کتاب میں ہے۔

لَاِنَّہٗ كَانَ یَنْزِلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ دَفْعَتَہٗ وَاحِدَۃً فِی کُلِّ شَہْرِ رَمَضَانَ جُمْلَتَہٗ
 بتاؤ یہ نزول کیوں تھا؟ بلکہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو تمام آسمانی کتابوں کا پورا علم تعالیٰ فرماتا ہے۔

یَا اَہْلَ الْکِتَابِ قَدْ جَاءَ کُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتَابِ وَیَعْفُو عَنْ کَثِیْرٍ
 (پارہ ۶ سورہ ۵ آیت ۱۵)

”یعنی اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے وہ رسول آگئے جو تمہاری بہت سی چھپائی ہوئی کتاب کو ظاہر فرماتے ہیں اور بہت سے درگزر فرماتے ہیں۔“
 اگر حضور علیہ السلام کے علم میں ساری کتب آسمانی نہیں تو ان کا ظاہر فرمانا یا نہ فرمانا کیا معنی حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اول ہی سے قرآن کے عارف تھے۔ مگر قرآنی احکام نزول سے قبل جاری نہ فرمائے اسی لئے بخاری کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل نے غار حرا میں پہلی بار آ کر عرض کیا **اقْرَءْ** آپ پڑھیے یہ نہ عرض کیا کہ فلاں آیت پڑھیے اور پڑھو اسی سے کہتے ہیں جو جانتا ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا **مَا اَنَا بِقَارِعٍ** میں نہیں پڑھنے والا میں تو پڑھانے والا ہوں پڑھ تو پہلے ہی لیا ہے لوح محفوظ میں قرآن ہے اور حضور علیہ السلام کے علم میں پہلے ہی سے ہے۔ آپ ولادت سے پہلے نبی صاحب قرآن ہیں۔ بغیر وحی کے نبوت کیسی؟ لہذا اماننا ہوگا کہ قبل ولادت ہی قرآن کے عارف ہیں۔ آج بھی بعض بچے حافظ پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے پیدا ہوتے ہی فرمایا **اِنَّا اِنَّا الْکِتَابِ** رب نے مجھے کتاب دی۔ معلوم ہوا کہ ابھی سے کتاب کو جانتے ہیں بعض پیغمبروں کے لئے فرمایا **اِنَّا اِنَّا الْحُکْمِ صَبِیًا** ہم نے انہیں بچپن ہی سے علم و حکمت دی۔ حضور نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کر کے امت کی شفاعت کی۔ حالانکہ سجدہ اور شفاعت حکم قرآنی ہے۔ حضور غوث پاک نے ماہ رمضان میں ماں کا دودھ نہ پیا۔ یہ بھی حکم قرآنی ہے۔ نور الانوار کے خطبہ میں خلق کی بحث میں ہے یعنی **اِنَّ الْعَمَلَ بِالْقُرْآنِ کَانَ جَبِلَتَہٗ لَہٗ مِنْ غَیْرِ تَکْلَفٍ** معلوم ہوا کہ قرآن پر عمل کرنا حضور ﷺ کی پیدا کئی عادت ہے ہمیشہ حلیمہ دانی کا ایک پستان پاک چوسا۔ دوسرا بھائی کے لئے چھوڑا۔ یہ عدل و انصاف بھی قرآنی حکم ہے۔ اگر ابتداء سے قرآن کے عارف نہیں تو یہ عمل کیسے فرما رہے ہیں۔ دیوبندیوں کا ایک مشہور اعتراض یہ بھی ہے کہ تمہاری پیش کردہ آیتوں کے عموم سے لازم آتا ہے کہ حضور کا علم رب کے برابر ہو۔ مگر ان آیتوں میں قیامت تک کی قید لگاتے ہو **مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمْ** میں نہ تو قیامت کی قید ہے نہ ماکان و مایکون کا ذکر۔ اور ایک دفعہ خاص ہونے سے آئندہ خصوص کا دروازہ کھل جاتا ہے دیکھو کتب اصول۔ لہذا ہم ان آیتوں میں احکام شرعیہ کی قید لگاتے ہیں یعنی اس سے صرف شرعی احکام مراد ہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں آیت میں تخصیص نہیں بلکہ عقلی استثناء ہے کیونکہ رب کا علم غیر متناہی ہے مخلوق کا دماغ غیر متناہی علوم نہیں لے سکتا۔ برہان تسلسل وغیرہ سے لہذا امتنا ہی ہوگا۔ احادیث سے پتہ لگا کہ قیامت تک کی حضور نے خبر دی اسی لئے یہ دعویٰ کیا گیا استثناء کا اور حکم ہے اور تخصیص کا حکم دوسرا دیکھو **اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ** سے بچے دیوانے حاکمہ خارج ہیں یہ تخصیص نہیں بلکہ استثناء ہے۔

فقیر نے یہ مختصری تقریر علم غیب کے متعلق کر دی۔ اس کی زیادہ تحقیق کرنا ہو تو رسا کہ مبارکہ الکلمۃ العلیاء کا مطالعہ کرو۔ جو کچھ میں نے کہا یہ اس بحر کی ایک لہر ہے چونکہ مجھے اور مسائل پر بھی گفتگو کرنا ہے۔ لہذا اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

وَصَلَّى اللہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَآصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ وَہُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ

حاضر و ناظر کی بحث

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مقدمہ حاضر و ناظر کی لغوی اور شرعی معنی کی تحقیق میں

حاضر کے لغوی معنی ہیں سامنے موجود ہونا یعنی غائب نہ ہونا المصباح الممیر میں ہے۔ حاضر **حَضْرَةٌ مَجْلِسِ الْقَاضِي وَحَضَرُ الْغَائِبِ حُضُورًا قَدِيمٌ مِنْ غَيْبَتِهِ** مفتی الارب میں ہے حاضر حاضر شومدہ۔ ناظر کے چند معنی ہیں۔ دیکھنے والا، آنکھ کا تل، نظر، تاک کی رگ، آنکھ کا پانی۔ المصباح الممیر میں ہے۔ **وَالنَّاظِرُ السَّوَادُ الْأَصْفَرُ مِنَ الْعَيْنِ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ الْإِنْسَانُ شَخْصَهُ** قاموس اللغات میں ہے۔ **وَالنَّاظِرُ السَّوَادُ فِي الْعَيْنِ أَوِ الْبَصَرُ بِنَفْسِهِ وَعِرْقٌ فِي الْأَنْفِ وَفِيهِ مَاءُ الْبَصَرِ** مختار الصحاح میں ابن ابی بکر رازی کہتے ہیں۔ **النَّاظِرُ فِي الْمَقْلَتِ السَّوَادُ لَا صَفَرُ الَّذِي فِيهِ الْمَاءُ الْعَيْنُ** جہاں تک ہماری نظر کام کرے وہاں تک ہم ناظر ہیں اور جس جگہ تک ہماری دسترس ہو کہ تصرف کر لیں وہاں تک ہم حاضر ہیں۔ آسمان تک نظر کام کرتی ہے وہاں تک ہم ناظر، یعنی دیکھنے والے ہیں مگر وہاں ہم حاضر نہیں۔ کیونکہ وہاں دسترس نہیں۔ اور جس حجرے یا گھر میں ہم موجود ہیں وہاں حاضر ہیں کہ اس جگہ ہماری پہنچ ہے۔ عالم میں حاضر و ناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھے اور دور و قریب کی آوازیں سنے یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے اور صد ہا کوس پر حاجتمندوں کی حاجت روائی کرے۔ یہ رفتار خواہ صرف روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ ہو یا اسی جسم سے ہو تو قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہے ان سب معنی کا ثبوت بزرگان دین کے لئے قرآن و حدیث و اقوال علماء سے ہے۔

پہلا باب

حاضر و ناظر کے ثبوت میں

اس میں پانچ فصلیں ہیں

پہلی فصل آیات قرآنیہ سے ثبوت

(۱) **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيَا ۚ اللَّهُ بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا** (پارہ ۲۲ سورہ ۳۳ آیت ۴۶)
 اے غیب کی خبریں بتانے والے پیغمبر! ہم نے تم کو بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دینا اور ڈر سنانا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانا اور چمکانے والا آفتاب۔
 شاہد کے معنی گواہ بھی ہو سکتے ہیں اور حاضر اور ناظر بھی، گواہ کو شاہد اس لئے کہتے ہیں کہ وہ موقعہ پر حاضر تھا۔ حضور علیہ السلام کو شاہد یا تو اس لئے فرمایا گیا کہ آپ دنیا میں عالم غیب کو دیکھ کر گواہی دے رہے ہیں ورنہ سارے انبیاء گواہ تھے یا اس لئے کہ قیامت میں تمام انبیاء کی عینی گواہی دیں گے یہ گواہی بغیر دیکھے ہوئے نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح آپ کا مبشر اور نذیر اور داعی الی اللہ ہونا ہے کہ سارے پیغمبروں نے یہ کام کئے مگر سن کر، حضور علیہ السلام نے دیکھ کر۔ اسی لئے معراج صرف حضور کو ہوئی۔ سراج منیر آفتاب کو کہتے ہیں وہ بھی عالم میں ہر جگہ ہوتا ہے گھر گھر میں موجود۔ آپ بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ اس آیت کے ہر کلمہ سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے۔

(۲) **وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا** (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت ۱۴۳)
 ”اور بات یونہی ہے کہ ہم نے تم کو سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ۔“

(۳) **فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا** (پارہ ۵ سورہ ۳ آیت ۴۱)
 ”تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تم کو ان سب پر گواہ و نگہبان بنا کر لائیں۔“
 ان آیتوں میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن دیگر انبیاء کرام کی امتیں عرض کریں گی کہ ہم تک تیرے پیغمبروں نے تیرے احکام نہ پہنچائے تھے۔ انبیاء کرام عرض کریں گے کہ ہم نے احکام پہنچا دیئے تھے اور اپنی گواہی کے لئے امت مصطفیٰ علیہ السلام کو پیش کریں گے۔ ان کو گواہی پر اعتراض ہوگا کہ تم نے ان پیغمبروں کا زمانہ نہ پایا۔ تم بغیر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہو؟ یہ عرض کریں گے کہ ہم سے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا تب حضور علیہ السلام کی گواہی لی جاوے گی۔ آپ دو گواہیاں دیں گے ایک تو یہ نبیوں نے تبلیغ کی۔ دوسری یہ کہ میری امت والے قابل گواہی ہیں۔ بس مقدمہ ختم۔ انبیاء کرام کے حق میں ڈگری۔ اگر حضور علیہ السلام نے گزشتہ انبیاء کی تبلیغ اور آئندہ اپنی امت کے حالات کو خود چشم حق بین سے ملاحظہ نہ فرمایا تھا تو آپ کی گواہی پر جرح کیوں نہ ہوئی؟ جیسی کہ امت کی گواہی پر جرح ہوئی تھی معلوم ہوا کہ یہ گواہی دیکھی ہوئی تھی اور پہلی سنی ہوئی۔ اس سے آپ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوا۔ اس آیت کی تحقیق ہم بحث علم غیب میں کر چکے ہیں۔

(۴) **لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ** (پارہ ۱۱ سورہ ۹ آیت ۱۲۸)
 ”بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔“

اس آیت سے تین طرح حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے ایک یہ کہ **جَاءَكُمْ** میں قیامت تک کے مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم سب کے پاس حضور علیہ السلام تشریف لائے جس سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام ہر مسلمان کے پاس ہیں اور مسلمان تو عالم میں ہر جگہ ہیں تو حضور علیہ السلام بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ دوم یہ فرمایا گیا **مِنْ أَنْفُسِكُمْ** تمہاری نفسوں میں سے ہے یعنی ان کا آنا تم میں ایسا ہے جیسے جان کا قالب میں آنا کہ قالب کی رگ رگ اور رو گئے رو گئے میں موجود اور ہر ایک سے خبر دار رہتی ہے۔ ایسے ہی حضور علیہ السلام ہر مسلمان کے ہر فعل سے خبر دار ہیں۔

آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظریوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جاں

ہیں مجھ میں وہ لیکن مجھ سے نہاں اس شان کی جلوہ نمائی ہے !

اگر آیت کے صرف یہ معنی ہوتے کہ وہ تم میں سے ایک انسان ہیں تو **مِنْكُمْ** کافی تھا **مِنْ أَنْفُسِكُمْ** کیوں ارشاد ہوا؟ تیسرے یہ کہ فرمایا گیا **عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ** ان پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہماری راحت و تکلیف کی ہر وقت حضور کو خبر ہے تب ہی تو

ہماری تکلیف سے قلب مبارک کو تکلیف ہوتی ہے ورنہ اگر ہماری خبر ہی نہ ہو تو تکلیف کیسی؟ یہ کلمہ بھی حقیقت میں **مِنْ أَنْفُسِكُمْ** کا بیان ہے کہ جس

طرح جسم کے کسی عضو کو دکھ ہو تو روح کو تکلیف اسی طرح تم کو دکھ ہو تو آقا کو گرائی اس کرم کے قربان۔ **صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**

(۵) وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۶۴)

”اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمادیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ گنہگاروں کی بخشش کی سبیل صرف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شفاعت مانگیں۔ اور حضور کرم کریمانہ سے شفاعت فرمادیں۔ اور یہ تو مطلب ہو سکتا نہیں کہ مدینہ پاک میں حاضر ہوں۔ ورنہ پھر ہم فقیر پر دیسی گنہگاروں کی مغفرت کی کیا سبیل ہوگی۔ اور مالدار بھی عمر میں ایک دو بار ہی پہنچتے ہیں اور گناہ دن رات کرتے ہیں۔ لہذا تکلیف **مَافَوْقَ الطَّاقَاتِ** ہوگی لہذا مطلب یہ ہوا کہ وہ تو تمہارے پاس موجود ہیں تم غائب ہو تم بھی حاضر ہو جاؤ کہ ادھر متوجہ ہو جاؤ۔

یار نزدیک تر از من بمن است
دین عجب میں کہ من ازوئے دورم
معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ہیں۔

(۶) وَمَا رَسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ پھر فرماتا ہے۔ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ

”اور ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کیلئے اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے۔“
معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام جہانوں کے لئے رحمت ہیں اور رحمت جہانوں کو محیط۔ لہذا حضور علیہ السلام جہانوں کو محیط، خیال رہے کہ رب کی شان ہے رب العالمین۔ حبیب کی شان ہے رحمتہ للعالمین معلوم ہوا کہ اللہ جس کا رب ہے۔ حضور علیہ السلام اس کے لئے رحمت۔

(۷) مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ (پارہ ۹ سورہ ۸ آیت ۳۳)

”اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔“
یعنی عذاب الہی اس لئے نہیں آتا کہ ان میں آپ موجود ہیں اور عام عذاب تو قیامت تک کسی جگہ بھی نہ آوے گا۔
اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام قیامت تک ہر جگہ موجود ہیں۔ بلکہ روح البیان میں فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام ہر سعید و شقی کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس کا ذکر تیسری فصل میں آتا ہے۔
رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ ”جان لو کہ تم سب میں رسول اللہ تشریف فرما ہیں۔“

یہ تمام صحابہ کرام سے خطاب ہے، اور صحابہ کرام تو مختلف جگہ رہتے تھے معلوم ہوا کہ حضور سب جگہ انکے پاس ہیں۔

(۸) وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَٱلْأَرْضِ (پارہ ۷ سورہ ۶ آیت ۷۵)

”اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں۔ ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔“
اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رب نے تمام عالم چشم سر ملاحظہ کرا دیا۔ حضور علیہ السلام کا درجہ ان سے اعلیٰ ہے لہذا ضروری ہے کہ آپ نے بھی عالم کو مشاہدہ فرمایا ہو۔ اس آیت کی تحقیق بحث علم غیب میں گذر گئی۔

(۹) أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ (پارہ ۳۰ سورہ ۱۰۵ آیت ۱)

”اے محبوب کیا تم نے دیکھا کہ تمہارے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا۔“

(۱۰) أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ (پارہ ۳۰ سورہ ۸۹ آیت ۶)

”کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے قوم عاد کیساتھ کیا کیا۔“

قوم عاد اور اصحاب فیل کا واقعہ ولادت پاک سے پہلے کا ہے مگر فرمایا جاتا ہے **أَلَمْ تَرَ** کیا آپ نے نہ دیکھا یعنی دیکھا ہے اگر کوئی کہے کہ قرآن کریم کفار کے بارے میں فرماتا ہے۔

أَلَمْ يَرَوْا كَمَا أَهْلَكْنَا مِمَّنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ (پارہ ۷ سورہ ۶ آیت ۶)

”کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں۔“

کفار نے اپنے سے پہلے کفار کو ہلاک ہوتے نہ دیکھا تھا۔ مگر فرمایا گیا کہ کیا نہ دیکھنا انہوں نے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ان کفار کے اجڑے ہوئے ملک اور تباہ شدہ مکانات کا دیکھنا مراد ہے اور چونکہ کفار مکہ اپنے سفروں میں ان مقامات سے گزرتے تھے اس لئے فرمایا گیا کہ یہ لوگ ان چیزوں کو دیکھ کر عبرت کیوں نہیں پکڑتے۔ حضور علیہ السلام نے نہ تو ظاہر میں دنیا کی سیاحت فرمائی اور نہ قوم عاد وغیرہ کے اجڑے ہوئے ملکوں کو بظاہر دیکھا۔ اس لئے ماننا ہوگا کہ یہاں نور نبوت سے دیکھنا مراد ہے۔

(۱۱) قرآن کریم جگہ جگہ **وَإِذَا قَالُوا رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ** جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا **وَإِذَا قَالَ مُوسٰٓى لِقَوْمِهِ** جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا وغیرہ وغیرہ اس جگہ مفسرین محذوف نکالتے ہیں **أَذْكُرْ** یعنی اس واقعہ کو یاد کرو۔ اور یاد وہ چیز دلائی جاتی ہے جو پہلے سے دیکھی بھالی ہو اور توجہ نہ ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام گزشتہ واقعات حضور کے دیکھے ہوئے ہیں۔ روح البیان نے لکھا ہے کہ حضرت آدم کے سارے واقعات حضور علیہ السلام مشاہدہ فرما رہے تھے اس کا ذکر آگے آتا ہے، اگر کوئی کہے کہ نبی اسرائیل سے بھی خطاب ہے **وَإِذْ نَجَّيْنَاكُمْ مِنَ آلِ فِرْعَوْنَ** اس وقت کو یاد کرو۔ جبکہ ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی تھی۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ کے یہودی اس زمانہ میں کہاں تھے مگر مفسرین یہاں بھی **أَذْكُرُوا** محذوف نکالتے ہیں۔ جواب دیا جاویگا کہ ان بنی اسرائیل کو تاریخی واقعات معلوم تھے۔ کتب تواریخ پڑھی تھیں۔ اس طرف ان کو متوجہ کیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے نہ کسی سے پڑھانہ کتب تاریخ کا مطالعہ فرمایا اور نہ کسی مورخ کی صحبت میں رہے نہ تعلیم یافتہ قوم میں پرورش پائی اب آپ کو بجز نور نبوت علم کا ذریعہ کیا تھا۔

(۱۲) **النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ** ”نبی مسلمانوں سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں۔“

مولوی قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند تفسیر الناس صفحہ ۱۰ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں **أَوْلَىٰ** کے معنی قریب تر ہیں۔ تو آیت کے معنی ہوئے نبی مسلمانوں سے ان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں سب سے زیادہ قریب ہم سے ہماری جان اور جان سے بھی قریب نبی علیہ السلام ہیں اور زیادہ قریب چیز بھی چھپی رہتی ہے۔ اسی زیادتی قرب کی وجہ سے آنکھ سے نظر نہیں آتے۔

تنبیہ اس جگہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تم مقلد ہو اور مقلد کو آیات یا احادیث سے دلیل لینا جائز نہیں وہ تو قول امام پیش کرے۔ لہذا تم صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول ہی پیش کر سکتے ہو اس کا جواب چند طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ آپ خود حاضر و ناظر نہ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس بارے میں امام صاحب کا قول پیش کریں۔ دوسرے یہ کہ ہم تقلید کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ مسئلہ عقائد میں تقلید نہیں ہوتی۔ بلکہ مسائل فقہیہ اجتہاد یہ میں ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ عقیدہ کا ہے۔ تیسرے یہ کہ صریح آیات و احادیث سے مقلد بھی استدلال کر سکتا ہے۔ ہاں ان سے مسائل کا استنباط نہیں کر سکتا۔ طحاوی میں ہے۔

وَمَا فُهِمَ الْأَحْكَامُ مِنْ نُّحُو الظَّاهِرِ وَالنَّصِّ وَالْمُفَسِّرِ فَلَيْسَ مُخْتَصَّابِهِ (أَي بِالْمُجْتَهِدِ) بَلْ يَقْدِرُ عَلَيْهِ الْعُلَمَاءُ الْأَعْمُ

”جو احکام ظاہر نص و مفسر سے سمجھے جاویں۔ وہ مجتہد سے خاص نہیں۔ بلکہ اس پر عام علماء قادر ہیں۔“

مسلم الثبوت میں ہے۔ **وَأَيْضًا شَاعَ وَذَاعَ اِحْتِجَاجُهُمْ سَلَفًا وَخَلَفًا بِالْعُمُومَاتِ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ**

نیز عام آیات سے دلیل پکڑنا خلف و سلف میں بغیر کسی انکار کے شائع ہے۔

قرآن بھی فرماتا ہے **فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ** اگر تم نہ جانتے ہو تو ذکروالوں سے پوچھو۔ اجتہادی مسائل ہم نہیں جانتے ان میں آئمہ کی تقلید کرتے ہیں اور صریح آیات کا ترجمہ جانتے ہیں اس میں تقلید نہیں۔ چوتھے یہ کہ مسئلہ حاضر و ناظر پر فقہاء محدثین اور مفسرین کے اقوال بھی آئندہ فصلوں میں آرہے ہیں دیکھو اور غور کرو حاضر و ناظر کا عقیدہ سارے مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔

دوسری فصل حاضر و ناظر کی احادیث کے بیان میں

اس میں تمام وہ احادیث پیش کی جاویں گی جو مسئلہ علم غیب میں گزر چکی ہیں۔ خصوصاً حدیث نمبر ۶، ۷، ۸، ۱۸، ۱۹ جن کا مضمون یہ ہے کہ ہم تمام عالم کو مثل کف دست دیکھ رہے ہیں۔ ہم پر ہماری امت اپنی صورتوں میں پیش ہوئی اور ہم ان کے نام، ان کے باپ داروں کے نام، ان کے گھوڑوں کے رنگ جانتے ہیں وغیرہ وغیرہ اسی طرح ان کی شرح میں محدثین کے اقوال گزر چکے ہیں وہ پیش کئے جائیں گے خصوصاً مرقاۃ، زرقانی، وغیرہ کی عبارتیں ان کے علاوہ حسب ذیل احادیث اور بھی پیش کی جاویں گی۔

مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے۔

(۱) **فَيَقُولَانِ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ**

”تکیرین میت سے پوچھتے ہیں کہ تم انکے (محمد رسول اللہ) کے بارے میں کیا کہتے تھے۔“

اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے یعنی ہذا الرجل کہ می گویند آنحضرت رومی خواہند۔ ہذا الرجل سے مراد حضور علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات ہے۔ اشعۃ اللمعات میں یہی حدیث ہے یا باحضر ذات شریف دے درعیانے بہ ایں طریق کہ در قبر مثالی دے علیہ السلام حاضر ساختہ باشد و در دریں جا بشارتے است عظیم مرشتان غمزہ راہ کہ گر بر امید ایں شادی جاں دہندہ زندہ در گور روند جائے دارد یا قبر میں ظاہر ظہور آپ کی ذات شریف کو حاضر کرتے ہیں اس طرح کہ قبر میں حضور علیہ السلام کا وجود مثالی موجود کر دیتے ہیں اور اس جگہ مشتاقان غمزہ کو بڑی خوشخبری ہے کہ اگر اس شادی کی امید پر جان دے دیں اور زندہ قبروں میں چلے جائیں تو اس کا موقعہ ہے۔

حاشیہ مشکوٰۃ میں یہی حدیث ہے۔ **فَقِيلَ يُكْشَفُ لِلْمَيِّتِ حَتَّى يَرَى النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ بُشْرَى عَظِيمَةٍ**

”کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے اور یہ بڑی ہی خوشخبری ہے۔“

قسطانی شرح بخاری جلد ۳ صفحہ ۳۹۰ کتاب الجنائز میں ہے۔

فَقِيلَ يُكْشَفُ لِلْمَيِّتِ حَتَّى يَرَى النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ بُشْرَى عَظِيمَةٍ لِلْمُؤْمِنِ إِنْ صَحَّ

”کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ نبی علیہ السلام کو دیکھتا ہے اور یہ مسلمانوں کے لئے بڑی خوشخبری ہے اگر ٹھیک رہے۔“

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہذا الرجل معبود ہستی کی طرف اشارہ ہے کہ فرشتے مردہ سے پوچھتے ہیں کہ وہ جو تیرے ذہن میں موجود ہیں انہیں تو کیا کہتا تھا؟ مگر یہ درست نہیں کیونکہ ایسا ہوتا تو کافر میت سے سوال نہ ہوتا کیونکہ وہ تو حضور علیہ السلام کے تصور سے خالی الذہن ہے۔ نیز کافر اس کے جواب میں یہ نہ کہتا۔ میں نہیں جانتا بلکہ پوچھتا تم کس کے بارے میں سوال کرتے ہو؟ اس کے **لا آدری** کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور کو آنکھوں سے دیکھ تو رہا ہے مگر پہچانتا نہیں اور یہ اشارہ خارجی ہے۔

اس حدیث اور عبارتوں سے معلوم ہوا کہ قبر میں میت کو حضور علیہ السلام کا دیدار کرا کر سوال ہوتا ہے تو اس شمس النہی بدر الدجی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تیرے سامنے جلوہ گر ہیں۔ کیا کہتا تھا ہذا اشارہ قریب ہے معلوم ہوا کہ دکھا کر قریب کر کے پھر پوچھتے ہیں۔ اسی لئے حضرات صوفیائے کرام اور عشاق موت کی تمنا کرتے ہیں اور قبر کہ پہلی رات کو دولہا کے دیدار کی رات کہتے ہیں۔

علیحضرت فرماتے ہیں۔

جان تو جاتے ہی جاگی قیامت یہ ہے کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا مولانا آسی فرماتے ہیں۔

آج پھولے نہ سائیں کفن میں آسی جس کے جویاں تھے ہے اس گل کی ملاقات کی رات

ہم نے اپنے دیوان میں عرض کیا ہے۔ مرقد کی پہلی شب ہے دولہا کی دید کی شب اس شب پہ عید صدقے اس کا جواب کیسا اسی لئے بزرگان دین کے وصال کے دن کو روز عرس کہتے ہیں، عرس کے معنی ہیں شادی کیونکہ عروس یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دولہا کے دیدار کا دن ہے۔

اور ایک وقت میں ہزار ہا جگہ ہزاروں مردے دفن ہوتے ہیں۔ تو اگر حضور علیہ السلام حاضر و ناظر نہیں ہیں تو ہر جگہ جلوہ گری کیسی؟ ثابت ہوا کہ حجاب ہماری نگاہوں پر ہے۔ ملائکہ اس حجاب کو اٹھا دیتے ہیں جیسے کہ دن میں کوئی خیمہ میں بیٹھا ہو اور آفتاب اس کی نگاہ سے غائب ہو کسی نے اس خیمہ کو اوپر سے ہٹا کر سورج دکھایا۔

(۲) مشکوٰۃ باب التحریض علی قیام الیل میں ہے۔

اَسْتَيْقِظَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَرِغًا يَقُولُ سُبْحَنَ اللَّهِ مَاذَا أَنْزَلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْخَزَائِنِ

وَمَا ذَا أَنْزَلَ مِنَ الْفِتَنِ

”ایک شب حضور علیہ السلام گھبرائے ہوئے بیدار ہوئے فرماتے تھے کہ سبحان اللہ اس رات میں کس قدر خزانے اور کس قدر فتنے اتارے گئے ہیں۔“
اس سے معلوم ہوا کہ آئندہ ہونے والے فتنوں کو چشم ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

(۳) مشکوٰۃ باب المعجزات میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

نَعَى النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ زَيْدًا جَعْفَرًا وَابْنَ رَوَاحَةَ لِلنَّاسِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهُمْ خَبَرُهُمْ فَقَالَ أَخَذَ الرَّأْيَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ إِلَيَّ حَتَّى أَخَذَ الرَّأْيَةَ سَيْفٌ مِنْ سَيْوَفِ اللَّهِ يَعْنِي خَالِدَ ابْنَ الْوَلِيدِ حَتَّى فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

”حضور علیہ السلام نے زید اور جعفر اور ابن رواحہ کی ان کی خبر موت آنے سے پہلے لوگوں کو خبر موت دے دی۔ فرمایا کہ اب جھنڈا زید نے لے لیا اور وہ شہید ہو گئے۔ یہاں تک کہ جھنڈا اللہ کی تلوار خالد بن ولید نے لیا تا آنکہ کہ اللہ نے ان کو فتح دے دی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ موت جو کہ مدینہ منورہ سے بہت ہی دور ہے وہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس کو حضور مدینہ سے دیکھ رہے ہیں۔

(۴) مشکوٰۃ جلد دوم باب الکرامات کے بعد باب وفاة النبی علیہ السلام میں ہے۔

وَأَنْ مَوْعِدَكُمْ الْحَوْضُ وَإِنِّي لَا نَنْظُرُ إِلَيْهِ وَأَنَا فِي مَقَامِي

”تمہاری ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے۔ میں اس کو اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔“

(۵) مشکوٰۃ باب تسوية الصف میں ہے۔

أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَائِي ”اپنی صفیں سیدھی رکھی کیونکہ ہم تم کو اپنے پیچھے بھی دیکھتے ہیں۔“

(۶) ترمذی جلد دوم باب العلم باب مَا جَاءَ فِي ذَهَابِ الْعِلْمِ میں ہے۔

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَشَخَصَ بَبَصَرِهِ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ هَذَا أَوَّانٌ يُخْتَلَسُ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتَّى لَا يَقْدِرُوا مِنْهُ عَلَى شَيْءٍ

”ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے کہ آپ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا کہ یہ وہ وقت ہے جبکہ علم لوگوں سے چھین لیا جاوے گا حتیٰ کہ اس پر بالکل قابو نہ پائیں گے۔“

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری مرقاۃ کتاب العلم میں فرماتے ہیں۔

فَكَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا نَظَرَ إِلَى السَّمَاءِ كُوشِفَ بِاقْتِرَابِ أَجَلِهِ فَأَخْبَرَ بِذَلِكَ

”جب حضور علیہ السلام نے آسمان کی طرف دیکھا تو آپ پر آپ کی موت کا قرب ظاہر ہو گیا تو اس کی خبر دے دی۔“

(۷) مشکوٰۃ شروع باب الفتن فصل اول میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ پاک کی ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر صحابہ کرام سے پوچھا کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں کیا تم بھی دیکھتے ہو؟ عرض کیا کہ نہیں فرمایا۔

فَإِنِّي أَرَى الْفِتْنَ تَقَعُ خِلَالِ بُيُوتِكُمْ كَوَقْعِ الْمَطَرِ

”میں تمہارے گھروں میں بارش کی طرح فتنے گرتے دیکھتا ہوں۔“

معلوم ہوا کہ یزیدی و مجازی فتنے جو عرصہ کے بعد ہونے والے تھے انہیں بھی ملاحظہ فرما رہے تھے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی چشم حق بین آئندہ کے واقعات اور دور قریب کے حالات اور حوض کوثر جنت و دوزخ وغیرہ کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے طفیل حضور کے خدام کو بھی خدائے قدوس یہ قدرت و علم عطا فرماتا ہے۔

(۸) مشکوٰۃ جلد دوم باب الکرامات میں ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لشکر کا سردار ساریہ کو بتا کر نہاوند بھیجا۔

فَيَيْنَمَا عُمَرُ يَخْطُبُ فَجَعَلَ يُصِغُ يَا سَارِيَةَ الْجَبَلِ

”عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں خطبہ پڑھتے ہوئے پکارنے لگے کہ اے ساریہ پہاڑ کو لو۔“

کچھ عرصہ کے بعد اس لشکر سے قاصد آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ ہم کو دشمن نے شکست دے دی تھی کہ ہم نے کسی پکارنے والے کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ ساریہ پہاڑ کو لو۔ تو ہم نے پہاڑ کو اپنی پشت کے پیچھے لیا۔ خدانے انکو شکست دے دی۔

(۹) امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فقہ اکبر اور علامہ جلال الدین سیوطی نے جامع کبیر میں حارث ابن نعمان اور حارثہ ابن نعمان رضی اللہ عنہما سے

روایت کی کہ ایک بار میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو سرکار نے مجھ سے سوال فرمایا کہ اے حارث تم کس حال میں دن پایا۔ میں عرض کیا کہ سچا مومن ہو کر۔ فرمایا کہ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے میں نے عرض کیا۔

وَكَاَنِي أَنْظُرُ إِلَى عَرْشِ رَبِّي بَارِئًا وَكَأَنِي أَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُونَ فِيهَا وَكَأَنِي أَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ النَّارِ يَتَصَاعُونَ فِيهَا

”میں گویا عرش الہی کو ظاہر دیکھ رہا ہوں۔ اور گویا جنتیوں کو ایک دوسرے سے جنت میں ملتے ہوئے اور دوزخیوں کو دوزخ میں شور مچاتے ہوئے دیکھتا ہوں۔“

اسی قصہ کو مشنوی شریف میں نقل کیا ہے۔

ہشت جنت ہفت دوزخ پیش من ہست پیدا ہم چوں بت ایں پیش ہن
یک بیک دای شناسم خلق را بھو گندم من ز جو در آسپا
کہ بہشتی کہ دزیگانہ کی است پیش من پیدا چو مورد ماہی است
من بگویم یا فرد بندم نفس لب گزیدش مصطفیٰ یعنی کہ بس

میرے سامنے ۸ بہشت اور ۷ دوزخ ایسے ظاہر ہیں۔ جیسے ہندو کے سامنے بت ہیں ہر ایک مخلوق کو ایسا پہچانتا ہوں جیسے چکی میں جو اور گیہوں۔ کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون۔ میرے سامنے یہ سب مچھلی اور چیونٹی کی طرح ہیں۔ چپ رہوں یا کچھ اور کہوں۔ حضور نے ان کا منہ پکڑ لیا کہ بس۔

جب اس آفتاب کے زروں کی نظر کا یہ حال کہ جنت و دوزخ، عرش و فرش، جنتی و دوزخی کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو اس آفتاب کو نین کی نظر کا کیا پوچھنا ہے۔

۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف جماعت صحابہ کو پڑھائی بحالت نماز ہاتھ اٹھایا جیسے کچھ لینا چاہتے ہیں بعد نماز صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ نماز میں یہ جنبش کیسی تھی۔ فرمایا ہم پر جنت پیش کی گئی چاہا کہ ہم اس کا ایک خوشہ توڑ لیں۔ مگر چھوڑ دیا تاکہ لوگوں کا علم بالغیب قائم رہے۔ اگر یہ توڑ لیتے تو لوگ تاقیامت اس سے کھاتے رہتے اس سے پتہ لگا کہ حضور مدینہ میں کھڑے ہیں ہاتھ اٹھایا تو جنت میں پہنچا جسم مدینہ میں ہے ہاتھ جنت الفردوس کے باغ کے خوشہ پر یہ ہے حاضر و ناظر کے معنی۔ اسی طرح حضور کا ہاتھ مدینہ منورہ سے ہماری ڈوبتی کشتی پر پہنچ کر بیڑا پار کر سکتا ہے۔

تیسروں فصل حاضر و ناظر کا ثبوت فقہاء اور علماء امت کے اقوال سے

۱) در مختار جلد سوم باب المرتدین بحث کرامات اولیاء میں ہے۔

يَا حَاضِرُ يَا نَاطِرُ لَيْسَ بِكُفْرٍ ”اے حاضر اے ناظر کہنا کفر نہیں ہے۔“

شامی میں اسی کے ماتحت ہے۔

فَإِنَّ الْحُضُورَ بِمَسَى الْعِلْمِ شَائِعٌ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَالنَّاطِرُ بِمَعْنَى الرُّؤْيَةِ أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَى فَالْمَعْنَى يَا عَالَمُ مَنْ رَى

”(بزاریہ) کیونکہ حضور بمعنی علم مشہور ہے قرآن میں ہے کہ نہیں ہوتا تین کا مشورہ مگر رب ان کا چوتھا ہوتا ہے اور ناظر بمعنی دیکھنا ہے رب فرماتا ہے کیا نہیں جانتا کہ اللہ دیکھتا ہے پس اس کے معنی یہ ہوئے کہ اے عالم اے دیکھنے والے۔“

۲) در مختار جلد اول باب کیفیت الصلوٰۃ میں ہے۔

وَيَقْصِدُ بِالْفَافِ التَّشَهُّدَ الْإِنْشَاءَ كَأَنَّهُ يُحْيِي عَلَى اللَّهِ وَيُسَلِّمُ عَلَى نَبِيِّهِ نَفْسِهِ

”التحیات کے لفظوں میں خود کہنے کی نیت کرے گویا نمازی رب کو تحیہ اور خود نبی علیہ السلام کو سلام عرض کر رہا ہے۔“

شامی میں اسی عبارت کے ماتحت فرماتے ہیں۔

أَي لَا يَقْصِدُ الْإِحْبَارَ وَالْحِكَايَةَ عَمَّا وَقَعَ فِي الْمِعْرَاجِ مِنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَمِنْ رَبِّهِ وَمِنْ الْمَلَائِكَةِ

”یعنی التحیات میں معراج کے اس کلام کے قصہ کی نیت نہ کرے جو حضور علیہ السلام اور رب تعالیٰ اور ملائکہ کے درمیان ہوا۔“

فقہاء کی ان عبارات سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو حاضر و ناظر کہنا کفر نہیں ہے اور التحیات میں حضور علیہ السلام کو حاضر جان کر سلام عرض کرے التحیات کے متعلق اور بھی عبارات آتی ہیں مجمع البرکات میں شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں۔ ”دے علیہ السلام براحوال و اعمال امت مطلع است بر مقربان و

خاصان درگاہ خود مفیض و حاضر و ناظر است۔ ”حضور علیہ السلام امت کے حالات و اعمال پر مطلع ہیں اور حاضرین بارگاہ کو فیض پہنچانے والے اور حاضر و ناظر ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے رسالہ ہزوم مسکئی بہ سلوک اقرب السبل بالتوجہ سید الرسل میں فرماتے ہیں۔ باچندیں اختلاف و کثرت مذاہب کہ در علماء امت ہست یک کس را دریں مسئلہ خلافی نیست کہ آنحضرت علیہ السلام بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز تو ہم تاویل دائم و باقی است و بر اعمال امت حاضر و ناظر است و مرطالباں حقیقت را و متوجہان آنحضرت را مفیض و مربی (ادخال الساں) اس اختلاف و مذاہب کے باوجود جو علمائے امت میں ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ حضور علیہ السلام حقیقی زندگی سے بغیر تاویل و مجاز کے احتمال کے باقی اور دائم ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں اور حقیقت کے طلبگار اور حاضرین بارگاہ کو فیض رساں اور مربی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح فتوح الغیوب صفحہ ۳۳۳ فرماتے ہیں۔ ”امام الانبیاء علیہم السلام بحیات حقیقی دنیاوی حی و باقی و منصرف ان دریں جاخن نیست۔“ انبیاء علیہم السلام دنیاوی حقیقی زندگی سے زندہ اور باقی و عمل درآمد فرمانے والے ہیں اس میں کوئی کلام نہیں۔

مرقات باب مَایْقَالُ عِنْدَ حَضْرَةِ الْمَوْتُ کے آخر میں ہے۔

وَلَا تَبَاعِدْ عَنِ الْأَوْلِيَاءِ حَيْثُ طَوَّيْتَ لَهُمُ الْأَرْضَ وَحَصَلَ لَهُمْ أَبَدَانٌ مُكْتَسِبَةٌ مُتَعَدِّدَةٌ وَجَدٌ وَهَافِي أَمَاكِنٍ مُخْتَلِفَةٍ فِي أَنْ وَاحِدٍ

”یعنی اولیاء اللہ ایک آن میں چند جگہ ہو سکتے ہیں اور ان کے بیک وقت چند اجسام ہو سکتے ہیں۔“

شفائیں ہے۔ اِنْ لَمْ يَكُنْ فِي الْبَيْتِ أَحَدٌ فَقُلِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

”جب گھر میں کوئی نہ ہو تو تم کہو کہ اے نبی تم پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

اس کے ماتحت ملا علی قاری شرح شفائیں فرماتے ہیں۔

لَا نَ رُوحَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَاضِرٌ فِي بُيُوتِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ

”کیونکہ نبی علیہ السلام کی روح مبارک مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہے۔“

شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ مدارج النبوة میں فرماتے ہیں۔ ”ذکر کن اور اور و بفرست بر دے علیہ السلام و باش در حال ذکر گویا حاضر است پیش تو در حالت حیات دمی بنی تو اور امتاد ب باجلال و تعظیم و ہیبت و حیا و بدانکہ دے علیہ السلام می بیند و حی شہود کلام ترازیرا کہ دے علیہ السلام متصف است

بصفات الہیہ دیکے از صفات الہی آں است کہ اَنَا جَلِيسُ مَنْ ذَكَرَنِي،“ حضور علیہ السلام کو یاد کرو اور درود بھیجو اور حالت ذکر میں ایسے

رہو کہ حضور حالت حیات میں تمہارے سامنے ہیں اور تم ان کو دیکھتے ہو ادب اور جلال اور تعظیم اور ہیبت و حیا سے رہو اور جانو کہ حضور علیہ السلام دیکھتے

اور سنتے ہیں تمہارے کلام کو کیونکہ حضور علیہ السلام صفات الہی سے موصوف ہیں اور اللہ کی ایک صفت یہ ہے کہ میں اپنے ذکر کا ہم نشین ہوں۔

امام ابن الحارج مدخل میں اور امام قسطلانی مواہب جلد دوم صفحہ ۳۸ فصل ثانی زیارۃ قبرہ الشریف میں فرماتے ہیں۔

وَقَدْ قَالَ عُلَمَاءُ نَالَا فَرَقَ بَيْنَ مَوْتِهِ وَحَيَوْتِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي مُشَاهَدَتِهِ لِأَمَّتِهِ وَمَعْرِفَتِهِ بِأَحْوَالِهِمْ

وَنِيَّاتِهِمْ وَعَزَائِمِهِمْ وَخَوَاطِرِهِمْ وَذَلِكَ جَلِيٌّ عِنْدَهُ لَا خَفَاءَ بِهِ

ہمارے علماء نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی زندگی اور وفات میں کوئی فرق نہیں اپنی امت کو دیکھتے ہیں اور ان کے حالات دنیاوی اور ارادے اور دل

کی باتوں کو جانتے ہیں یہ آپ کو بالکل ظاہر ہے۔ اس میں پوشیدگی نہیں۔“

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

وَقَالَ الْغَزَالِيُّ سَلَّمَ عَلَيْهِ إِذَا دَخَلَ فِي الْمَسْجِدِ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَحْضُرُ فِي الْمَسْجِدِ

”امام غزالی نے فرمایا کہ جب تم مسجد میں جاؤ تم حضور علیہ السلام کو سلام عرض کرو کیونکہ آپ مسجدوں میں موجود ہیں۔“

نیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض جلد سوم کے آخر میں ہے۔

الْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمْ مِنْ جِهَتِهِ الْأَجْسَامِ وَالْظُّوَاهِرِ مَعَ الْبَشَرِ وَبَوَاطِنُهُمْ وَقَوَاهُمْ الرُّوحَانِيَّةُ مَلَكيَّةٌ

وَلِذَا تَرَى مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَفَارِبَهَا تَسْعُ أَطِيطُ السَّمَاءِ وَتَشْمُ رَاعَتَهُ جَبْرِيلُ إِذَا أَرَادَ النَّزُولَ إِلَيْهِمْ

”انبیائے کرام جسمانی اور ظاہری طور پر بشر کے ساتھ ہیں اور ان کے باطن اور روحانی قوتیں ملکی ہیں اسی لئے وہ زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو

دیکھتے ہیں اور آسمانوں کی چڑچڑاہٹ سنتے ہیں اور جبریل کی خوشبو پالیتے ہیں جب وہ ان پر اترتے ہیں۔“

دلائل الخیرات کے خطبہ میں ہے۔

وَقِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ اَرَأَيْتَ صَلَوةَ الْمُصَلِّينَ عَلَيْكَ مِمَّنْ غَابَ وَمَنْ يَأْتِي بِعَدِّكَ مَا حَالَهُمَا
عِنْدَكَ فَقَالَ اَسْمَعُ صَلَوةَ اَهْلِ مُحِبَّتِي وَاعْرِفُهُمْ وَتَعَرَّضْ عَلَيَّ غَيْرِهِمْ عَرْضًا.

”حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ سے دور رہنے والوں اور بعد میں آنے والوں کے درودوں کا آپ کے نزدیک کیا حال ہے تو فرمایا کہ ہم محبت والوں کے درود تو خود سنتے ہیں اور انکو پہچانتے ہیں اور غیر محبتین کا درود ہم پر پیش کر دیا جاتا ہے۔
شفاء قاضی عیاض جلد دوم میں ہے۔

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ إِذَا دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ أَقُولُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

”علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں کہ سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور برکات۔“
اس کی تائید ابوداؤد وابن ماجہ باب الدعاء عند دخول المسجد کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

مدارج النبوة صفحہ ۳۵۰ جلد دوم قسم چہارم وسلم حیات انبیاء میں ہے۔ ”اگر بعد ازاں گوید کہ حق تعالیٰ جس شریف راحلتے و قدرتے بخشدہ است کہ در ہر مکانے کہ خواہد تشریف بخشید خواہ بعینہ خواہ بمثل خواہ بر آسمان خواہ بر زمین خواہ در قبر یا غیر دے صورتے دارد باوجود ثبوت نسبت خاص بقبر در ہمہ حال۔“ اس کے بعد اگر کہیں کہ رب تعالیٰ نے حضور کے جسم پاک کو ایسی حالت و قدرت بخشی ہے کہ جس مکان میں چاہیں تشریف لے جائیں خواہ بعینہ اس جسم سے خواہ جسم مثالی سے خواہ آسمان پر خواہ قبر میں تو درست ہے۔ قبر سے ہر حال میں خاص نسبت رہتی ہے۔ مصباح الہدایت ترجمہ عوارف المعارف مصنفہ شیخ شہاب الدین سہروردی صفحہ ۱۶۵ میں ہے۔ ”بس باید کہ بندہ بچنان کہ حق سبحانہ را پیوستہ بر جمیع احوال خود ظاہر و باطناً واقف و مطلع بیند رسول اللہ علیہ السلام را نیز ظاہر و باطن حاضر داند۔ تا مطالعہ صورت تعظیم و اوقات اور ہموارہ بہ محافظت آداب حضرتش دلیل بود از مخالفت دے سر ادا علاقا شرم دارد و قیچہ دقیقہ از وقائق آداب صحبت او فرد نہ گزارو۔“ پس چاہیے کہ بندہ جس طرح حق تعالیٰ کر ہر حال میں ظاہر و باطن طور پر واقف جانتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کو بھی ظاہر و باطن جانے تاکہ آپ کی صورت کا دیکھنا آپ کی ہمیشہ تعظیم و قار کرنے اور اس بارگاہ کے ادب کی دلیل ہو جاوے اور آپ کی ظاہر و باطن میں مخالفت سے شرف کرے اور حضور علیہ السلام کی صحبت پاک کے ادب کا کوئی دقیقہ نہ چھوڑے۔

فقہاء فقہاء علماء امت کے ان اقوال سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی واضح ہوا اب ہم آپ کو یہ دکھاتے ہیں کہ نمازی نماز میں حضور ﷺ کے متعلق کیا خیال رکھے اس کے متعلق ہم در مختار اور شامی عبارتیں تو شروع فصل میں پیش کر چکے ہیں۔ دیگر بزرگان دین کی عبارتیں سنئے اور اپنے ایمان کو تازہ کیجئے۔ اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب التشہد اور مدارج النبوة جلد اول صفحہ ۱۳۵ باب پنجم ذکر فضائل آنحضرت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ ”و بعضی عرفا گفته اند کہ ایں بہت سریان حقیقت محمدیہ است در زراثر موجودات و افراد ممکنات پس آنحضرت در ذرات مصلیان موجود حاضر است پس مصلی را باید کہ معنی آگاہ باشد و ازیں شہود غافل نہ بود تا انوار قرب و اسرار معرفت منور و فائدہ گردو۔“ بعض عارفین نے کہا کہ التحیات میں یہ خطاب اس لئے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذرہ ذرہ میں اور ممکنات کے ہر فرد میں سراپت کئے ہے۔ پس حضور ﷺ نمازوں کی ذات میں موجود حاضر ہیں نمازی کو چاہئے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور اس شہود سے غافل نہ ہوتا کہ قرب کے نور اور معرفت کے بھیدوں سے کامیاب ہو جاوے۔ احیاء العلوم جلد اول باب چہارم فصل سوم نماز کی باطنی شرطوں میں امام غزالی فرماتے ہیں۔

وَأَحْضِرْنِي قَلْبَكَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَشَخْصَهُ الْكَرِيمَ وَقُلْ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَتُهُ اللَّهُ وَبَرَكَاتُهُ اور اپنے دل میں نبی علیہ السلام کو اور آپ کی ذات پاک کو حاضر جانو اور کہو السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَتُهُ اللَّهُ

وَبَرَكَاتُهُ اسی طرح مراقبہ باب التشہد میں ہے۔ مسک الختام میں نواب صدیق حسن خان بھوپالی و ہابی صفحہ ۲۴۳ پر وہی عبارت لکھتے ہیں جو ہم نے ابھی اشعۃ اللمعات کی التحیات کے بارے میں لکھی نمازی کو چاہئے کہ حضور کو حاضر و ناظر جان کر التحیات میں سلام کرے پھر یہ شعر لکھتے ہیں۔

در راہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست می بینمت عیان و دعائی فرستمت

عشق کی راہ میں دور و قریب کی منزل نہیں ہے میں تم کو دیکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں !

علامہ شیخ مجدد فرماتے ہیں۔

وَحُوطِبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَأَنَّهُ إِشَارَةٌ أَنَّهُ تَعَالَى يَكْشِفُ لَهُ عَنِ الْمُصَلِّينَ مِنْ أُمَّتِهِ حَتَّى يَكُونَ كَالْحَاضِرِ يَشْهَدُ لَهُمْ بِالْعَقْلِ أَعْمَالُهُمْ وَلِيَكُونَ تَذَكُّرُ حُضُورِهِ سَبَبًا لِمَزِيدِ الْخُشُوعِ وَالْخُضُوعِ

”حضور علیہ السلام کو نماز خطاب کیا گیا شاید کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت میں سے نمازیوں کا حال آپ پر ظاہر فرمادیتا ہے۔ حتیٰ کہ آپ مثل حاضر کے ہوتے ہیں اس کے اعمال کو سمجھنے میں اور اس لئے کہ آپ کی حاضرت کا خیال زیادتی خشوع و خضوع کا سبب ہو جاوے۔“

مسئلہ حاضر و ناظر پر بعض فقہی مسائل بھی موقوف ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ زوج مشرق میں ہو اور زوجہ مغرب میں اور بچہ پیدا ہو۔ اور زوج کہتا ہے کہ بچہ میرا ہے تو بچہ اسی کا ہے شاید یہ ولی اللہ ہو اور کرامت سے اپنی بیوی کے پاس پہنچا ہو۔
دیکھو شامی جلد دوم باب ثبوت النسب شامی جلد سوم باب المرتدین مطلب کرامات اولیاء میں ہے۔

وَطَنَى الْمَسَافَةَ مِنْهُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ زُوِيَتْ لِي الْأَرْضُ وَيَذُلُّ عَلَيْهِ مَا قَالُوا فِيمَنْ كَانَ فِي الْمَشْرِقِ وَتَزَوُّجَ امْرَأَةٍ بِالْمَغْرِبِ فَآتَتْ بِوَلَدٍ يَلْحَقُهُ وَفِي انْتِنَارِ خَانِيَةِ إِنَّ هَذِهِ الْمَسْئَلَةَ تُؤَيِّدُ الْجَوَازَ

”اور راستہ طے کرنا بھی اسی کرامت میں سے ہے حضور ﷺ کے فرمانے کی وجہ سے کہ میرے لئے زمین سمیٹ دی گئی۔ اس پر وہ مسئلہ دلالت کرتا ہے جو فقہانے کہا کہ کوئی شخص مشرق میں ہو اور مغرب میں رہنے والی عورت سے نکاح کرے پھر وہ عورت بچہ جنے تو بچہ اس مرد سے ملحق ہوگا اور تنار خانیہ میں ہے کہ یہ مسئلہ اس کرامت کے جائز ہوئی کی تائید کرتا ہے۔“

شامی یہی مقام۔ وَالْإِنْصَافُ مَا ذَكَرَهُ الْإِمَامُ النَّفْصِيُّ حِينَ سُئِلَ عَمَّا يُحْكِي أَنَّ الْكَعْبَةَ كَانَتْ تَزُورُ وَاحِدًا مِنَ الْأَوْلِيَاءِ هَلْ يَجُوزُ الْقَوْلُ بِهِ فَقَالَ نَقَضَ الْعَادَةَ عَلَى سَبِيلِ الْكِرَامَةِ لِأَهْلِ الْوَلَايَةِ جَائِزٌ أَهْلُ السُّنَّةِ

”انصاف کی بات وہ ہی ہے جو امام نفی نے اس وقت کہے جبکہ ان سے سوال کیا گیا کہ کہا جاتا ہے کہ کعبہ ایک ولی کی زیارت کرنے جاتا ہے کیا یہ کہنا جائز ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے لئے خلاف عادت کام کرامت کے طریقہ پر اہل سنت کے نزدیک جائز ہے۔“

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کعبہ معظمہ بھی اولیاء اللہ کی زیارت کرنے کے لئے عالم میں چکر لگاتا ہے۔

تفسیر روح البیان سورہ ملک کے آخر میں ہے۔

قَالَ الْإِمَامُ الْغَزَالِيُّ وَالرَّسُولُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَهُ الْخِيَارُ فِي طَوَافِ الْعَالَمِ مَعَ أَرْوَاحِ الصَّحَابَةِ لَقَدَرَاهُ كَثِيرٌ مِنَ الْأَوْلِيَاءِ

”امام غزالی نے فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام کو دنیا میں سیر فرمانے کا اپنے صحابہ کرام کی رگوں کے ساتھ اختیار ہے آپ کو بہت سے اولیاء اللہ نے دیکھا ہے۔“

انتہاء الاذکیاء فی حیات الاولیاء میں علامہ جلال الدین سیوطی صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں۔

النَّظَرُ فِي أَعْمَالِ أُمَّتِهِ وَالْإِسْتِغْفَارُ لَهُمْ مِنَ السَّيِّئَاتِ وَالِدُّعَاءُ بِكُشْفِ الْبَلَاءِ عَنْهُمْ وَالتَّرَدُّدُ فِي أَقْطَارِ الْأَرْضِ وَالْبَرَكَةُ فِيهَا وَحُضُورُ جَنَازَةٍ مِنْ صَالِحِي أُمَّتِهِ فَإِنَّ هَذِهِ الْأُمُورَ مِنْ أَشْغَالِهِ كَمَا وَرَدَتْ بِذَلِكَ الْحَدِيثُ وَالْأَثَارُ

”اپنی امت کے اعمال میں نگاہ رکھنا ان کے لئے گناہوں سے استغفار کرنا ان سے دفع بلا کی دعا فرمانا اطراف زمین میں آنا جانا اس میں برکت دینا اور اپنی امت میں کوئی صالح آدمی مر جاوے تو اس کے جنازے میں جانا یہ چیزیں حضور علیہ السلام کا مشغلہ ہیں جیسے کہ اس پر احادیث اور آثار آئے ہیں۔“

امام غزالی اللہ من الہلال میں فرماتے ہیں۔ ”ارباب قلوب مشاہدہ می کنند در بیداری انبیاء و ملائکہ را و ہمکلام می شوند بایشان۔“

”صاحب دل حضرات جاگتے ہوئے انبیاء و ملائکہ کو دیکھتے ہیں۔ اور ان سے بات چیت کرتے ہیں۔“

امام جلال الدین سیوطی شرح صدور میں فرماتے ہیں۔

إِنْ اِعْتَقَدَ النَّاسُ أَنَّ رُوحَهُ وَمِثْلَهُ فِي وَقْتِ قِرَاءَةِ الْمَوْلِدِ وَخَتَمِ رَمَضَانَ وَقِرَاءَةِ الْقَصَائِدِ يَحْضُرُ جَازًا

”اگر لوگ یہ عقیدہ رکھیں کہ حضور علیہ السلام کی روح اور آپ کی مثال مولود شریف پڑھنے اور ختم رمضان اور نعت خوانی کے وقت آتی ہے تو جائز ہے۔“

مولوی عبدالحی صاحب رسالہ ترویج الجنان تبصریح حکم شرب الدخان میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نعت خواں تھا اور حقہ بھی پیتا تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب تم مولود شریف پڑھتے ہو تو ہم رونق افروز مجلس ہوتے ہیں۔ مگر جب حقہ آ جاتا ہے۔ تو ہم فوراً مجلس سے واپس ہو جاتے ہیں۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی نگاہ پاک ہر وقت عالم کی ذرہ ذرہ پر ہے اور نماز تلاوت، قرآن، محفل میلاد شریف اور نعت خوانی کی مجالس میں اسی طرح صالحین کی نماز جنازہ میں خاص طور پر اپنی جسم پاک سے تشریف فرما ہوتے ہیں۔

تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت **إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا** ہے۔

فَإِنَّهُ لَمَّا كَانَ أَوَّلَ مَخْلُوقٍ خَلَقَهُ اللَّهُ تَكَانَ شَاهِدًا بِوَحْدَانِيَّتِهِ الْحَقِّ وَشَاهِدًا بِمَا أُخْرِجَ مِنَ الْعَدَمِ إِلَى الْوُجُودِ مِنَ الْأَرْوَاحِ وَالنُّفُوسِ وَالْأَجْرَامِ وَالْأَرْكَانِ وَالْأَجْسَادِ وَالْمَعَادِنِ وَالنَّبَاتِ وَالْحَيَوَانَ وَالْمَكِّ وَالْجِنِّ وَالشَّيْطَانِ وَالْإِنْسَانِ وَغَيْرِ ذَلِكَ لِثَلَا يَشُدُّ عَنْهُ مَا يُمَكِّنُ لِلْمَخْلُوقِ وَاسْرَارَ أَفْعَالِهِ وَعَجَائِبِهِ

”چونکہ حضور علیہ السلام اللہ کی پہلی مخلوق ہیں اس لئے اس کی وحدانیت کے گواہ ہیں اور ان چیزوں کو مشاہدہ کرنے والے ہیں جو عدم سے وجود میں آئے ارواح، نفوس، اجسام معدنیات نباتات حیوانات فرشتے اور انسان وغیرہ تاکہ آپ پر رب کے وہ اسرار اور عجائب مخفی نہ رہیں جو کسی مخلوق کے لئے ممکن ہے۔“

اسی جگہ کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

فَشَاهَدَ خَلْقَهُ وَمَا جَرَى عَلَيْهِ مِنَ الْاِكْرَامِ وَالْاِخْرَاجِ مِنَ الْجَنَّةِ بِسَبَبِ الْمُخَالَفَةِ وَمَاتَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ إِلَى الْاِخْرِ مَا جَرَى اللَّهُ عَلَيْهِ وَشَاهَدَ خَلْقَ ابْلِيسَ وَمَا جَرَى عَلَيْهِ

”حضور علیہ السلام نے حضرت آدم کا پیدا ہونا انکی تعظیم ہونا اور خطا پر جنت سے علیحدہ ہونا اور پھر توبہ قبول ہونا آخر تک کے سارے معاملات جو ان پر گزرے سب کو دیکھا اور ابلیس کی پیدائش اور جو کچھ اس پر گذرا اس کو بھی دیکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور نے عالم ظہور میں جلوہ گری سے پہلے ہر ایک کے ایک ایک حالات کا مشاہدہ فرمایا۔ یہی صاحب روح البیان کچھ آگے چل کر اسی مقام پر فرماتے ہیں۔

قَالَ بَعْضُ الْكِبَارِ إِنَّ مَعَ كُلِّ سَعِيدٍ رَفِيقَهُ مِنْ رُوحِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ هِيَ الرَّقِيبُ الْعَتِيدُ عَلَيْهِ وَلَمَّا قُبِضَ الرُّوحُ الْمُحَمَّدِيُّ عَنِ آدَمَ الَّذِي كَانَ بِهِ دَائِمًا لَا يَضِلُّ وَلَا يَنْسَى جَرَمَ عَلَيْهِ مَا جَرَى مِنَ النِّسْيَانِ وَمَا يَتَّبَعُهُ بَعْضُ الْاَكْبَارِ بَرْنِ فَرَمَايَا كِهَر سَعِيدِ كِسَا تِه حضور علیہ السلام کی روح رہتی ہے اور یہی رقیب عتید سے مراد ہے اور جس وقت روح محمدی کی توجہ دائمی حضرت آدم سے ہٹ گئی تب ان سے نسیان اور اس کے نتائج ہوئے۔“

ایک حدیث میں ہے کہ جب زانی زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے۔

روح البیان میں اسی جگہ ہے کہ ایمان سے مراد توجہ مصطفیٰ ہے یعنی جو مومن کوئی اچھا کام کرتا ہے تو حضور کی توجہ کی برکت سے کرتا ہے اور جو گناہ کرتا ہے وہ ان کی بے توجہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی ثابت ہوا۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں۔

وَ إِذَا سَمِعْتَ فَعَنْكَ قَوْلًا طَيِّبًا وَ إِذَا نَظَرْتَ فَلَا أَرَى إِلَّا كَ!

جب میں سنتا ہوں تو آپ ہی کا ذکر سنتا ہوں

اور جب دیکھتا ہوں تو آپ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا

چوتھی فصل

حاضر و ناظر کا ثبوت مخالفین کی کتابوں سے

تحدیر الناس صفحہ ۱۰ میں مولوی قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند کہتے ہیں کہ **النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ** کو بعد لحاظ صلہ **مِنْ أَنفُسِهِمْ** کے دیکھے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں کیونکہ اولیٰ بمعنی اقرب ہے۔ ترجمہ صراط مستقیم مصنفہ مولوی السلیل دہلوی صفحہ ۱۳ میں چوتھی ہدایت جب عشقی کے بیان میں کوئلے اور آگ کی مثال دے کر کہتے ہیں۔ ”اسی طرح جب اس طالب کے نفس کامل کو رحمانی کوشش اور جذب کی موجیں احادیث کے دریاؤں کی تہ میں کھینچ کر لے جاتی ہے تو **أَنَا الْحَقُّ** اور **لَيْسَ فِي حُبِّي سِوَى اللَّهِ** کا آوازہ اس سے صادر ہونے لگتا ہے اور یہ حدیث قدسی **كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا** اور ایک اور روایت کی رو سے **لِسَانَهُ الَّذِي يَتَكَلَّمُ بِهِ** اسی حالت کی حکایت ہے۔ اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ جب انسان فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ تو خدائی طاقت سے دیکھتا سنتا اور چھوٹا اور بولتا ہے۔ یعنی عالم کی ہر چیز دیکھتا ہے ہر دور و نزدیک کی چیزوں کو کچڑتا ہے یہی حاضر و ناظر کے معنی ہیں اور جب معمولی انسان فنا فی اللہ ہو کر اس درجہ میں پہنچ جاوے تو سید الانس والجان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر فنا فی اللہ کون ہو سکتا ہے تو بدرجہ اولیٰ حضور علیہ السلام حاضر و ناظر ہوئے۔ امداد السلوک صفحہ ۱۰ میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں۔

”ہم مرید متقین داند کہ روح شیخ متعبد بیک مکان نیست پس ہر جا کہ مرید باشد قریب یا بعید اگر چہ از شیخ دور است اما روحانیت اور دور نیست چوں ایں امر محکم دار و ہر وقت شیخ را بیان دوار در دور ربط قلب پیدا آید و ہر دم مستفید بود۔ شیخ را بقلب حاضر آرد و بلسان حال سوال کند البتہ روح شیخ باذن اللہ تعالیٰ القاء خواہد کرد مگر ربط تام شرط است و بسبب ربط قلب شیخ را لسان قلب ناطق می شود و بسوئے حق تعالیٰ راہے کشاند و حق تعالیٰ اور احمد می کند۔“

”مرید یہ بھی یقین سے جانے کہ شیخ کی روح ایک جگہ میں قید نہیں ہے مرید جہاں بھی ہو دور ہو یا نزدیک اگر چہ پیر کے جسم سے دور ہے لیکن پیر کی روحانیت دور نہیں جب یہ بات پختہ ہوگئی تو ہر وقت پیر کی یاد رکھے اور دلی تعلق اس سے ظاہر ہو اور ہر وقت اس فائدہ لیتا رہے مرید واقعہ جات میں پیر کا محتاج ہوتا ہے شیخ کو اپنے دل میں حاضر کر کے زبان حال سے اس سے مانگے پیر کی روح اللہ کے حکم سے ضرور القا کرے گی۔ مگر پورا تعلق شرط ہے اور شیخ سے اسی تعلق کی وجہ سے دل کی زبان گویا ہو جاتی ہے اور حق تعالیٰ کی طرف راہ کھل جاتی ہے اور حق تعالیٰ اسکو صاحب الہام کر دیتا ہے۔“

اس عبارت میں حسب ذیل فائدے ہیں (۱) پیر کا مریدوں کے پاس حاضر و ناظر ہونا (۲) مرید کا تصور شیخ میں رہنا (۳) پیر کا حاجت روا ہونا (۴) مرید خدا کو چھوڑ کر اپنے پیر سے مانگے (۵) پیر مرید کو القا کرتا ہے (۶) پیر مرید کا دل جاری کر دیتا ہے۔ جب پیر میں یہ طاقتیں ہیں تو جو مانگہ اور انسانوں کے شیخ الشیوخ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ان میں یہ چھ صفات ماننا کیوں شرک ہے؟ اس عبارت نے تو مخالفین کے سارے مذہب پر پانی پھیر دیا **لِلَّهِ الْحَمْد** سب تقویۃ الایمان ختم۔ حفظ الایمان صفحہ ۷ میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں کہ ابو یزید سے پوچھا گیا **طیبر** زمین کی نسبت۔ تو آپ نے فرمایا یہ کوئی چیز کمال کی نہیں دیکھو ابلیس مشرق سے مغرب تک ایک لحظہ میں قطع کر جاتا ہے۔

اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ آفاقا مشرق سے مغرب تک پہنچ جانا اہل اللہ کو تو کیا کفار و شیاطین سے بھی ممکن ہے بلکہ ہوتا رہتا ہے اور یہ حاضر و ناظر کے معنی ہیں۔ تقویۃ الایمان کے لحاظ سے شرک ہے۔ مسک الختام مصنفہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی وہابی کی عبارت ہم بحث ثبوت میں پیش کر چکے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ التحیات میں السلام علیک سے خطاب اس لئے ہے کہ حضور علیہ السلام عالم کے ذرہ ذرہ میں موجود ہیں۔ لہذا نمازی کی ذات میں موجود حاضر ہیں۔ ان عبارات سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی واضح ہے۔

پانچویں فصل

حاضر و ناظر ہونا کا ثبوت دلائل عقلیہ سے

اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جان کمالات ہے یعنی جس قدر کمالات کہ دیگر انبیائے کرام یا آئندہ اولیائے عظام یا کسی مخلوق کو مل چکے یا ملیں گے وہ سب بلکہ ان سے بھی زیادہ حضور علیہ السلام کو عطا فرمادیئے بلکہ حضور ہی کے ذریعہ سے ان کو ملے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **فَبِهْدَىٰ هُمْ اَقْتَدِهٖ** آپ ان سب کی راہ چلو۔

اس کی تفسیر روح البیان میں ہے۔

فَجَمَعَ اللَّهُ كُلَّ خَصَلَةٍ فِي حَبِيبِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ”اللہ نے ہر نبی کی خصلت حضور علیہ السلام کو عطا فرمائی۔“
مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

آنچہ خواہاں ہمہ دارند تو تنہا داری

نیز مولوی محمد قاسم صاحب تحذیر الناس صفحہ ۲۹ میں لکھتے ہیں اور انبیاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر امتوں کو پہنچاتے ہیں۔ غرض اور انبیاء میں جو کچھ ہے وہ ظل اور عکس محمدی ہے اس قاعدے پر بہت سے دلائل قرآن و احادیث و اقوال علماء سے پیش کئے جاسکتے ہیں۔ مگر چونکہ مخالفین اس کو ماننے ہیں۔ اس لئے اس پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں۔ تو پہلا قاعدہ یہ مسلم ہے کہ جو صفت کمال کسی مخلوق کو ملی وہ تمام علی وجہ الکمال حضور علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ حاضر و ناظر ہونا عطا کیا گیا ماننا پڑے گا کہ یہ صفت بھی حضور علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ حاضر و ناظر ہونا کس کس مخلوق کو عطا ہوا۔ ہم اس بحث حاضر و ناظر کے مقدمہ میں عرض کر دیا ہے کہ حاضر و ناظر ہونے کے تین معنی ہیں ایک جگہ رہ کر تمام عالم کو مثل کف دست کے دیکھنا۔ ایک آن میں عالم کی سیر کر لینا اور صد ہا کوس پر کسی کی مدد کر دینا اس جسم یا جسم مثالی کا متعدد جگہ موجود ہو جانا۔ یہ صفات بہت سی مخلوقات کو ملی ہیں۔

(روح البیان اور خازن و تفسیر کبیر وغیرہ تفاسیر میں پارہ ۷ سورہ انعام۔

حَتَّىٰ اِذَا جَاءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا جُعِلَتْ لِاَرْضٍ لِّمَلِكِ الْمَوْتِ مِثْلَ الطُّشْبِ يَتَنَاولُ مِنْ حَيْثُ شَاءَ
”یعنی ملک الموت کے لئے ساری زمین طشت کی طرح کردی گئی ہے کہ جہاں سے چاہیں لے لیں۔“
اسی روح البیان میں اسی جگہ ہے۔

لَيْسَ عَلَىٰ مَلِكِ الْمَوْتِ صُعُوبَةٌ قَبْضِ الْاَرْوَاحِ وَاِنْ كَثُرَتْ وَكَانَتْ فِي اَمْكِنَةٍ مُّتَعَدِّدَةٍ
”ملک الموت پر رو جس قبض کرنے میں کوئی دشواری نہیں اگرچہ رو جس زیادہ ہوں اور مختلف جگہ میں ہوں۔“
تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

مَا مِنْ اَهْلِ بَيْتٍ شَعِرٍ وَلَا صَدْرٍ اِلَّا مَلِكُ الْمَوْتِ يُطِيفُ بِهِمْ يَوْمًا مَرَّتَيْنِ
”کوئی خیمہ اور مکان والے نہیں مگر ملک الموت ہر روز ان کے پاس دو بار جاتے ہیں۔“

مشکوٰۃ باب فصل الاذان میں ہے کہ جب اذان اور تکبیر ہوتی ہے تو شیطان ۳۶ میل بھاگ جاتا ہے پھر جہاں یہ ختم ہوئیں کہ پھر موجود اس ناری کی رفتار کا یہ عالم ہے۔

جب ہم سوتے ہیں تو ہماری ایک روح جسم سے نکل کر عالم میں سیر کرتی ہے جسے روح سیرانی کہتے ہیں جس کا ثبوت قرآن پاک میں ہے۔
وَيُمَسِّكُ اٰخِرٰى اور جہاں کسی نے جسم کے پاس کھڑے ہو کر اس کو اٹھایا وہ ہی روح جو ابھی مکہ معظمہ یا مدینہ پاک میں تھی آنا فنا جسم میں آکر داخل ہو گئی اور آدمی بیدار ہو گیا۔

روح البیان زیر آیت **وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّكُم بِاللَّيْلِ** ہے۔

فَاِذَا انتَبَهَ مِنَ النَّوْمِ عَادَتِ الرُّوْحُ اِلَىٰ جَسَدٍ بِاَسْرَعٍ مِنْ لَحْظَةٍ

”یعنی جب انسان نیند سے بیدار ہوتا ہے تو روح جسم میں ایک لمحہ سے بھی کم میں لوٹ آتی ہے۔“

ہمارا نور نظر آن کی آن میں آسمانوں پر جا کر زمین پر آ جاتا ہے ہمارا خیال آن واحد میں تمام عالم کی سیر کر لیتا ہے بجلی تار ٹیلیفون اور لائڈ سپیکر کی قوت کا

اعتراض ۵ ترمذی میں ابن مسعود سے روایت ہے۔

لَا يَبْلُغُنِي أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِي شَيْئًا فَإِنِّي أَحِبُّ أَنْ أُخْرَجَ إِلَيْكُمْ وَأَنَا سَلِيمُ الصَّدْرِ

”کوئی شخص ہم سے کسی صحابی کی باتیں نہ لگائے ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے پاس صاف دل آیا کریں۔“

اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ہوتے تو خبر پہنچانے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کو ویسے ہی خبر رہتی۔

جواب

انبیائے کرام کے علم شہودی میں ہر وقت ہر چیز رہتی ہے مگر ہر چیز پر ہر وقت توجہ رہنا ضروری نہیں۔ اس کے متعلق ہم بحث علم غیب میں حاجی امداد اللہ صاحب کی عبارت پیش کر چکے ہیں۔ اب حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے کہ ہم کو لوگوں کی باتوں کی طرف توجہ دلا کر کسی کی طرف سے ناراض نہ بنائے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے **ذُرُونِي مَا تَرَ كَتُّمُ** جب تک ہم تم کو چھوڑے رہیں تم بھی چھوڑے رہو۔

اعتراض ۶ بتقی میں ہے۔

مَنْ صَلَّى عَلَى عِنْدَ قَبْرِ سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَى نَائِيًا بَلَغْتُهُ

”جو شخص ہم پر ہماری قبر کے پاس درود بھیجتا ہے تو ہم خود سنتے ہیں اور دور سے بھیجتا ہے تو ہم تک پہنچایا جاتا ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ دور کی آواز آپ تک نہیں پہنچتی ورنہ پہنچائے جانے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب

اس حدیث میں یہ کہاں ہے کہ درود ہم نہیں سنتے۔ مطلب بالکل ظاہر ہے کہ قریب والے کا درود تو صرف خود سنتے ہیں۔ اور دور والے کا درود سنتے بھی ہیں اور پہنچایا بھی جاتا ہے ہم حاضر و ناظر کے ثبوت میں دلائل الخیرات کی وہ روایت پیش کر چکے ہیں کہ اہل محبت کا درود تو ہم بنفس نفیس خود سن لیتے ہیں۔ اور غیر محبت والوں کا درود پہنچایا جاتا ہے تو درود قریب سے مراد دلی دوری قریبی ہے نہ کہ مسافت کے لحاظ سے۔

گر بے منی و پیش در یمنی گر با منی دور یمنی پیش منی

پہنچائے جانے سے لازم نہیں آتا کہ آپ اس کو سنتے ہی نہیں۔ ورنہ ملائکہ بندو کے اعمال بارگاہ الہی میں پیش کرتے ہیں تو کیا رب کو خبر نہیں۔ درود کی پیشی میں بندوں کی عزت ہے کہ درود پاک کی برکت سے ان کا یہ رتبہ ہوا کہ غلاموں کا نام شہنشاہ امام کی بارگاہ میں آگیا۔ **صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** فقہاء فرماتے ہیں کہ نبی کی توہین کرنے والے کی توبہ قبول نہیں۔ دیکھو شامی باب المرتدین کیونکہ یہ توہین حق العباد ہے جو توبہ سے معاف نہیں ہوتا اگر توہین کی حضور کو خبر نہیں ہوتی تو یہ حق العبد کیونکر بنی۔ غیبت اسی وقت حق العبد بنتی ہے جب اس کی خبر اس کو ہو جاوے جس کی غیبت کی گئی ورنہ حق اللہ رہتی ہے۔ دیکھو شرح فقہ اکبر مصنفہ ملا علی قاری۔

کتاب جلاء الافہام مصنفہ ابن قیم شاگرد ابن تیمیہ صفحہ ۷۳ حدیث نمبر ۱۰۸ میں ہے۔

لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّي عَلَى الْإِبْلَغْنِي صَوْتُهُ حَيْثُ كَانَ قُلْنَا بَعْدَ وَفَاتِكَ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِي

”یعنی کوئی کہیں سے درود شریف پڑھے مجھے اسکی آواز پہنچتی ہے۔ یہ دستور بعد وفات بھی رہیگا۔“

جلاء افہام مطبوعہ ادارہ المطابعۃ الممیر یہ صفحہ ۷۳ انیس الجلیس مصنفہ مولانا جلال الدین سیوطی صفحہ ۲۲۲ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

أَصْحَابِي إِخْوَانِي صَلُّوْا عَلَيَّ فِي كُلِّ يَوْمٍ الْاِثْنَيْنِ وَ الْجُمُعَةِ بَعْدَ وَفَاتِي فَإِنِّي أَسْمَعُ صَلَوَاتِكُمْ بِلاَ واسِطَةٍ

”یعنی ہر جمعہ و پیر کو مجھ پر درود زیادہ پڑھو میری وفات کے بعد کیونکہ میں تمہارا درود بلا واسطہ سنتا ہوں۔“

اعتراض ۸ فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

مَنْ قَالَ إِنَّ أَرْوَاحَ الْمَشَائِخِ حَاضِرَةٌ تَعْلَمُ يَكْفُرُ ”جو کہے کہ مشائخ کی روہیں حاضر ہیں جانتی ہیں وہ کافر ہیں۔“

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز صفحہ ۵۵ میں فرماتے ہیں کہ انبیاء و مرسلین والوازم الوہیت از علم غیب و شنیدن فریاد ہر کس در ہر جا و قدرت بر جمیع مقدرات ثابت کنند یعنی نبی اور پیغمبروں کے لئے خدا کی صفات جیسے علم غیب اور ہر جگہ سے ہر شخص کی فریاد سننا اور تمام ممکنات پر قدرت ثابت کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ علم غیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہے۔ کسی اور میں ماننا صریح کفر ہے۔ بزاز یہ فقہ کی معتبر کتاب ہے وہ حکم کفر دے رہی ہے۔

جواب

فتاویٰ بزازیہ کی ظاہر عبارت کے زد میں تو مخالفین بھی آتے ہیں۔ اولاً تو اس لئے کہ ہم امداد السلوک مصنفہ مولوی رشید احمد صاحب کی عبارت پیش کر چکے ہیں۔ جس میں انہوں نے نہایت صفائی سے شیخ کی روح کو مریدین کے پاس حاضر جانے کی تعلیم دی ہے۔ دوسرے اس لئے کہ بزاز یہ کی عبارت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ کس جگہ روح مشائخ کو حاضر جانے ہر جگہ یا بعض جگہ اس اطلاق سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مشائخ کی روح کو ایک جگہ بھی حاضر جانے یا ایک بات کا علم بھی مانے تو کافر ہے اب مخالفین بھی ارواح مشائخ کو ان کی قبر یا مقام طہین برزخ وغیرہ جہاں وہ رہتی ہیں۔ وہاں تو حاضر مانینگے ہی۔ بس کہیں بھی مانا کفر ہوا۔ تیسرے اس لئے کہ ہم اس بحث حاضر و ناظر میں شامی کی عبارت پیش کر چکے

ہیں کہ یہ حاضریا ناظر کہنا کفر نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ ہم اشعۃ الممعات اور احیاء العلوم بلکہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی وہابی کی عبارت بیان کر چکے ہیں۔ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ نمازی اپنے قلب میں حضور علیہ السلام کو حاضر جان کر **السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ** کہے۔ اب ان اکابر فقہاء پر بڑا زیہ کا فتویٰ جاری ہوگا یا نہیں لہذا ماننا ہوگا کہ بڑا زیہ میں جس حاضر و ناظر ماننے کو کفر فرمایا جا رہا ہے وہ حاضر و ناظر ہونا ہے جو صفت الہیہ ہے یعنی ذاتی، قدیم، واجب، بغیر کسی جگہ میں ہوئے کہ ایسا حاضر ہونا رب کی صفت ہے وہ ہر جگہ ہے مگر کسی جگہ میں نہیں، پہلے سوال کے جواب میں ہم فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۱ کی عبارت اور براہین قاطعہ صفحہ ۲۳ کی عبارت نقل کر چکے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ مولوی رشید احمد و خلیل احمد صاحبان بھی اس فتوے میں ہم سے متفق ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کی عبارت بالکل واضح ہے کہ مشائخ و انبیاء کی قدرت تمام مقدورات الہیہ پر اللہ کی طرف ماننا کفر ہے ورنہ خود شاہ عبدالعزیز صاحب **وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا** کے ماتحت حضور علیہ السلام کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ ان کی بحث علم غیب میں اسی آیت مذکورہ کے ماتحت لکھ چکے ہیں۔

اعتراض ۸

اگر حضور حاضر بھی ہیں اور نور بھی تو چاہیے کہ رات میں کبھی اندھیرا نہ ہو مگر ہر جگہ اندھیرا ہوتا ہے لہذا آیا تو حضور نور نہیں یا نور ہیں مگر ہر جگہ حاضر نہیں۔

جواب اس کے دو ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ قرآن مجید نور ہے اور ہر گھر میں بھی نیز فرشتے نور بھی ہیں اور ہر انسان کے ساتھ بھی نیز رب تعالیٰ نور بھی ہے اور ہر ایک کے ساتھ بھی مگر پھر بھی رات کو اندھیرا ہوتا ہے لہذا آیا تو فرشتے۔ قرآن مجید۔ خدا تعالیٰ نور نہیں یا حاضر نہیں۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ قرآن۔ فرشتوں کی نورانیت ایمانی ہے اور نور کو دیکھنے کے لئے دیکھنے والے میں بصیرت کا نور چاہئے بعض مقبول لوگ وہ نور اب بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔

اعتراض ۹

بعض مخالفین جب کوئی راستہ نہیں پاتے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم اہلس میں ہر جگہ پہنچ جائیں گی طاقت مانتے ہیں۔ اسی طرح آصف ابن برخیا اور ملک الموت میں یہ طاقت تسلیم کرتے ہیں مگر یہ نہیں مانتے کہ دیگر مخلوق کے کمالات پیغمبروں میں یا حضور علیہ السلام میں جمع ہیں۔ مولوی قاسم صاحب تحذیر الناس میں لکھتے ہیں کہ ”رہا عمل اس میں بسا اوقات غیر نبی نبی سے بڑھ جاتے ہیں رجوم المذنبین میں مولوی حسین احمد صاحب نے لکھا کہ دیکھو تخت بلقیس لانے کی طاقت حضرت سلیمان میں نہ تھی اور آصف میں تھی ورنہ آپ خود ہی کیوں نہ لے آتے اسی طرح ہد ہد نے کہا کہ **أَحْطِثُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خَبْرًا** اے سلیمان میں وہ بات معلوم کر کے آیا ہوں جس کی خبر آپ کو نہیں نیز ہد ہد کی آنکھ زمین کے اندر کا پانی دیکھ لیتی ہے اسی لئے وہ حضرت سلیمان کی خدمت میں رہتا تھا کہ جنگل میں زمین کے اندر کا پانی بتائے اور حضرت سلیمان کو اس کی خبر نہ تھی معلوم ہوا کہ انبیاء کے علم و طاقت سے غیر نبی بلکہ جانوروں کا علم و طاقت زیادہ ہو سکتا ہے۔

جواب

غیر نبی میں نبی سے زیادہ یا کسی اور نبی میں حضور علیہ السلام سے زیادہ کمال ماننا صریح آیت قرآنی اور احادیث صحیحہ اور اجماع امت کے خلاف ہے خود مخالفین بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں جن کی عبارات ہم پیش کر چکے ہیں۔ یہ آٹھواں اعتراض خود اپنے مذہب کو چھوڑنا ہے۔ شفاء شریف میں ہے کہ اگر کوئی کہے فلاں کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ وہ کافر ہے۔ کسی بھی کمال میں کسی کو حضور علیہ السلام سے زیادہ ماننا کفر ہے کوئی غیر نبی نبی سے نہ تو علم میں بڑھ سکتا ہے نہ عمل میں۔ اگر کسی کی عمر ۸۰ سال ہو اور وہ اس تمام مدت میں عبادت ہی کرے اور کہے کہ میری عبادت تو ۸۰ سال کی ہے اور حضور علیہ السلام کی عبادت کل پچیس برس کی۔ لہذا عبادت میں حضور سے میں بڑھ گیا وہ بے دین ہے۔ ان کے ایک سجدے کا جو ثواب ہے وہ ہماری لاکھوں برس کی عبادت سے کہیں بڑھ کر ہے صرف یہ ہوا کہ اس کی محنت زیادہ ہوئی مگر قرب الہی، درجہ اور ثواب میں نبی سے اس کو کوئی نسبت ہی نہیں۔ شان نبی تو بہت بلند و بالا ہے۔ مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے کہ میرے صحابی کا تھوڑے جو خیرات کرنا تمہارے پہاڑ پھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے۔ شمون بنی اسرائیل نے ایک ہزار ماہ یعنی ۸۳ سال چار ماہ مسلسل عبادت کی۔ مسلمانوں کو اس پر رشک ہوا کہ ہم اس کا درجہ ثواب کیسے پائیں تو آیت کریمہ اتری **لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ** شب قدر تو ہزار ماہ سے بھی بہتر ہے۔ یعنی اے مسلمانو تم کو ہم ایک شب قدر دیتے ہیں کہ اس شب میں عبادت بنی اسرائیل کی ہزار ماہ کی عبادت سے بہتر ہے تو حضور علیہ السلام کی ایک ایک ساعت لاکھوں شب قدر سے افضل ہے۔ جس مسجد پاک کے ایک گوشہ میں سید الانبیاء آرام فرما ہیں یعنی مسجد نبوی وہاں کی ایک رکعت پچاس ہزار کے برابر ثواب رکھتی ہے۔ جن کے قریب میں ہماری عبادت ایسی پھولتی پھلتی ہے تو ان کی عبادت کا کیا پوچھنا ہے۔

اس طرح یہ کہنا کہ آصف ابن برخیا میں تخت لانے کی طاقت تھی نہ کہ حضرت سلیمان میں محض بیہودہ بکواس ہے۔

قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وَقَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ**

(پارہ ۹ سورہ ۲۷ آیت ۴۰)

”اس نے کہا جس کو کتاب کا علم تھا کہ میں اس تخت بلقیس کو آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے حاضر خدمت کر دوں گا۔“

معلوم ہوا کہ آصف کی یہ قدرت علم کتاب کی وجہ سے تھی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کو اسم اعظم یاد تھا جس سے وہ تخت لائے۔ ان کو یہ علم حضرت سلیمان کی برکت سے ملا۔ پھر یہ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان میں یہ قدرت ہو اور ان کے استاذ سیدنا سلیمان علیہ السلام میں نہ ہو رہا یہ کہ پھر آپ خود نہ لائے وجہ بالکل ظاہر ہے کہ کام کرنا خدام کا کام ہے نہ کہ سلاطین کا بدبہ سلطنت چاہتا ہے کہ خدام سے کام لیا جاوے۔ بادشاہ اپنے نوکروں سے پانی منگوا کر پیتا ہے تو کیا خود اس میں پانی لینے کی طاقت نہیں۔ رب العالمین دنیا کے سارے کام فرشتوں سے کراتا ہے کہ بارش برسانا، جان نکالنا، پیٹ میں بچہ بنانا سب ملائکہ کے سپرد ہے تو کیا خدا میں یہ طاقت نہیں ہے۔ کیا فرشتے خدا سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں۔

تفسیر روح البیان نے زیر آیت **فَصَيِّمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ** پارہ پنجم سورہ نساء بیان فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان کا آصف کو بلقیسی تخت لانے کا حکم دینا اس لئے تھا کہ آپ نے اپنے درجہ سے اتنا نہ چاہا یعنی یہ کام خدام کا ہے۔ اسی طرح ہد ہد کا قول قرآن نے نقل کیا کہ اس نے کہا کہ میں وہ چیز دیکھ کر آیا ہوں جسکی آپ کو خبر نہیں۔ قرآن نے کہاں فرمایا کہ واقعی آپ کو خبر نہ تھی۔ ہد ہد سمجھا کہ شاید اس کی خبر حضرت کو نہ ہوگی یہ کہہ یا ہذا اس سے سند نہیں پکڑی جاسکتی۔ نیز ہد ہد نے عرض کیا کہ **أَحْطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ** میں وہ بات دیکھ کر آیا جو آپ نہ دیکھی یعنی اس ملک میں آپ بہ اس جسم شریف مشاہدہ فرمانے نہ گئے خبر کی نفی نہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو سب کچھ خبر تھی مگر منشاء الہی یہ تھا کہ اتنا بڑا کام ایک ہد ہد چڑیا کے ذریعہ ہوتا کہ معلوم ہو جائے کہ پیغمبر کے پاس بیٹھنے والے جانور وہ کام کر دکھاتے ہیں جو دوسرے انسانوں سے نہیں ہو سکتے اگر حضرت سلیمان کو خبر نہ تھی تو آصف ابن برخیا بغیر کسی سے پتہ پوچھے یمن کے شہر سبأ میں بلقیس کے گھر پہنچے اور ان کی آن میں تخت کیسے لے آئے؟ معلوم ہوا کہ سارا یمن حضرت آصف کے سامنے تھا تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام سے کیسے مخفی رہ سکتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کو باپ کا پتہ معلوم تھا۔ مگر وقت سے پہلے اپنی خبر نہ دی تا کہ قحط سالی پڑے اور آپ کی شان دنیا کو معلوم ہو۔ پھر باپ سے ملاقات ہو۔ نیز زمین کے نیچے کا پانی معلوم ہونا ہد ہد کی یہ خدمت تھی سلاطین ان کاموں کو آپ نہیں کرتے۔ مثنوی شریف میں ایک واقعہ نقل کیا کہ ایک بار حضور علیہ السلام وضو فرما رہے تھے موزے اتار کر رکھ دیئے کہ ایک چیل نے جھپٹ کر ایک موزہ اٹھا لیا اور اوپر لے جا کر اٹھا کر کے پھینک دیا۔ جس میں سے سانپ نکلا۔ حضور علیہ السلام نے چیل سے دریافت فرمایا کہ تو نے میرا موزہ کیوں اٹھایا؟ عرض کیا کہ جب میں اڑتی ہوئی آپ کے سر مبارک کے مقابل آئی تو آپ کے سر سے آسمان تک وہ نور تھا کہ اس میں آکر مجھ پر زمین کے ساتوں طبق روشن ہو گئے۔ اس سے میں نے آپ کے موزے کے اندر کا سانپ دیکھ لیا تو اس خیال سے اٹھا لیا کہ شاید آپ بے توجہی میں اس کو پہن لیں اور آپ کو تکلیف پہنچ جاوے مولینا فرماتے ہیں۔

مار در موزہ بہ بنم از ہوا ! نیست از من عکس تست اے مصطفیٰ

پھر حضور ﷺ نے فرمایا۔

گرچہ ہر غیبے خدا مارا نمود دل دریں لحظہ بحق مشغول بود

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار عرض کیا کہ یا حبیب اللہ آج بہت تیز بارش آئی اور آپ قبرستان میں تھے آپکے کپڑے کیوں تر نہ ہوئے؟ فرمایا کہ عائشہ تم نے کیا اوڑھا ہوا ہے؟ عرض کیا کہ آپ کا تہبند شریف فرمایا۔

گفت بہر آں نمود اے پاک حبیب چشم پاکت را خدا باران غیب !

نیست این باران ازیں ابر شام ہست باران دیگر و دیگر سما !

اے محبوب اس تہبند شریف کی برکت سے تمہاری آنکھوں سے غیب کے پردے کھل گئے۔ یہ بارش نور کی تھی نہ کہ پانی کی بارش۔ اس کا بادل اور آسمان ہی دوسرا ہے۔ اے عائشہ یہ کسی کو نظر نہیں آیا کرتی۔ تم نے ہمارے تہبند کی برکت سے اس کو دیکھ لیا۔ ہد ہد کی آنکھ کو یہ طاقت ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر پانی ڈالنے کی برکت سے ملی اور حضرت سلیمان کی صحبت سے۔

اعتراض ۹ اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو مدینہ پاک حاضر ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب جب خدا ہر جگہ ہے تو کعبہ جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور پھر معراج میں حضور علیہ السلام کے عرش پر جانے کا کیا فائدہ تھا؟ جناب مدینہ منورہ دار السلطنت ہے۔ اور خاص قحلی گاہ جیسے کہ برقی طاقت کے لئے پاور ہاؤس بلکہ اولیاء اللہ کی قبور مختلف پاوروں کے قہقہے ہیں۔ ان کی بھی زیارت ضروری ہے۔

اعتراض ۱۰ اگر حضور حاضر و ناظر ہیں تو تم لوگ نماز کی امامت کیوں کرتے ہو ہر جگہ حضور ہی امام ہونے چاہئیں۔

جواب کسی آیت یا حدیث میں یہ نہیں کہ حضور کی موجودگی میں کوئی امامت نہیں کر سکتا۔ حضرت صدیق اکبر نے حضور کی حیات شریف میں ۷ نمازیں پڑھائیں حضرت عبدالرحمن ابن عوف نے حضور کی موجودگی میں نماز فجر پڑھائی خود حضور انور ﷺ نے ان کے پیچھے ایک رکعت پڑھی۔ جناب امامت کے لئے ضروری ہے کہ امام حاضر بھی ہو نظر بھی آئے نماز بھی پڑھائے حضور حاضر ہیں اور تمام جہاں کو ملاحظہ فرما رہے ہیں مگر وہ تو نظر نہیں آتے ناظر ہیں مگر منظور نہیں نیز اب آپ یہ نماز کسی کو نہیں پڑھاتے کہ یہ نمازی اسی عالم کی چیز ہے حضور دوسرے عالم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور حضور پر اب نماز فرض نہیں ہم پر فرض ہے فرض والا نقل والے کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا۔

حضور علیہ السلام کو بشر یا بھائی کہنے کی بحث

اس میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مقدمہ نبی کی تعریف اور ان کے درجات کے بیان میں

عقیدہ نبی وہ انسان ہیں جن کو اللہ نے احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لئے بھیجا (شرح عقائد) لہذا نبی نہ تو غیر انسان ہو اور نہ عورت۔ قرآن فرماتا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ (پارہ ۱ سورہ ۲۱ آیت ۷)

”اور ہم نے آپ سے پہلے نہ بھیجا مگر ان مردوں کو جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔“

معلوم ہوا کہ جن فرشتہ، عورت وغیرہ نبی نہیں ہو سکتے۔ عقیدہ نبی ہمیشہ اعلیٰ خاندان اور عالی نسب میں سے ہوتے ہیں اور نہایت عمدہ اخلاق ان کو عطا ہوتے ہیں۔ ذلیل قوم اور ادنیٰ حرکات سے محفوظ (بہار شریعت) بخاری جلد اول کے شروع میں ہے کہ جب ہرقل بادشاہ روم کے پاس حضور

ﷺ کا فرمان عالی پہنچا کہ **اَسْلِمَ تَسْلِمًا** اسلام لے آ سلامت رہے گا۔ تو ہرقل نے ابوسفیان کو بلا کر حضور علیہ السلام کے متعلق کچھ سوالات کئے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ **كَيْفَ نَسَبُهُ فَيْكُمْ** تم میں ان کا خاندان و نسب کیسا ہے؟ ابوسفیان نے کہا **هُوَ فِينَا ذُو نَسَبٍ** وہ ہم میں نہایت اعلیٰ خاندان والے ہیں یعنی قریشی ہاشمی و مطہری ہیں **صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** اس کے جواب میں ہرقل نے کہا **وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِي قَوْمِهَا** ہمیشہ انبیائے کرام عالی قوم و اعلیٰ خاندان میں بھیجے جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام عالی خاندان میں تشریف لاتے ہیں۔

تنبیہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر قوم میں نبی آئے یعنی معاذ اللہ بھنگیوں، چماروں، ہندوؤں، بدھ اور جینی وغیرہ میں ان ہی کی قوم سے آئے۔ لہذا لال گرو، کرشن، گوتم بدھ وغیرہ چونکہ نبی تھے اس لئے ان کو برا نہ کہو۔ قرآن فرماتا ہے۔ **لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ** ہر قوم میں ہادی ہیں۔ نیز عورتیں بھی نبی ہوئی ہیں۔ کیونکہ حضرت موسیٰ کی والدہ اور حضرت مریم کو وحی ہوئی اور جس کو وحی ہو وہ نبی ہے۔ **وَ اَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ مُوسٰى** وغیرہ لہذا یہ عورتیں نبی ہیں۔ مگر یہ دونوں قول غلط ہیں اول تو اس لئے کہ وہ آیت پوری نہیں بیان کی اور ترجمہ بھی درست نہیں کیا۔ آیت یہ ہے۔

اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ تم ڈرسانے والے اور ہر قوم کے ہادی ہو۔ یعنی ہر قوم کا ہادی ہونا حضور علیہ السلام کی صفت ہے۔ دیگر انبیاء خاص خاص قوموں کے نبی ہوتے تھے اور اے محبوب تم ہر قوم کے نبی ہو۔ اگر مان بھی لیا جاوے کہ اس آیت کے یہ ہی معنی ہیں کہ ہر قوم میں ہادی ہوئے تو یہ کہاں ہے کہ قوم میں اس ہی قوم سے ہادی ہوئے۔ ہو سکتا ہے کہ اشرف قوم میں نبی آئے۔ دیگر قومیں بھی ان کے ماتحت رہیں۔ حضور علیہ السلام قریشی ہیں۔ مگر پٹھان، شیخ، سید غرضیکہ ساری قوموں بلکہ ساری مخلوق کے نبی ہیں نیز لفظ **هَادٍ** عام ہے کہ نبی ہو یا غیر نبی۔ تو یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہر قوم میں اس قوم میں سے بعض بعض کے لئے رہبر ہوئے۔ بلکہ مہادیو، کرشن وغیرہ کی ہستی کا بھی شرعی ثبوت نہیں قرآن و حدیث نے ان کی خبر نہ دی۔ صرف بت پرستوں کے ذریعہ ان کا پتہ لگا وہ بھی اس طرح کہ کسی کے چار ہاتھ کسی کے چھ پاؤں۔ کسی کے منہ پر ہاتھی کی سی سوئی کسی کے چوڑے پر لنگور کی سی دم۔ ان کے نام بھی گھڑے ہوئے اور ان کی صورتیں بھی۔ رب نے عرب کے بت پرستوں کو فرمایا۔

اِنْ هِيَ اِلَّا اَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا اَنْتُمْ وَاَبَاءُكُمْ (پارہ ۲ سورہ ۵۳ آیت ۲۳)

”یہ تمہارے اور تمہارے باپ دادوں کے گھڑے ہوئے نام ہیں۔“

جب ان کے ہونے کا ہی یقین نہیں تو انہیں نبی مان لینا کون سی عقلمندی ہے۔

دوسرا قول اس لئے غلط ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے دل میں القاء یا الہام کیا گیا تھا جسے قرآن نے **اَوْحَيْنَا** سے تعبیر کیا وحی بمعنی الہام بھی آتی ہے۔ جیسے قرآن میں ہے **وَ اَوْحٰی رَبُّکَ اِلٰی النُّحْلِ** آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی یہاں وحی بمعنی دل میں ڈالنا ہے حضرت مریم کو وہ وحی تبلیغی نہ تھی اور نہ وہ تبلیغ احکام کے لئے بھیجی گئی۔ نیز فرشتے کا ہر کلام وحی نہیں اور ہر وحی تبلیغی نہیں بعض صحابہ نے ملائکہ کے کلام سنے ہیں اور بوقت موت اور قبر و حشر میں سب ہی ملائکہ سے کلام کریں گے حالانکہ سب نبی نہیں۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو۔

عقیدہ کوئی شخص اپنی عبادات و اعمال سے نبوت نہیں پاسکتا۔ نبوت محض عطاء الہی ہے۔ **اللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ** اللہ خوب جانتا ہے کہ جہاں اپنی رسالت رکھے اور غیر نبی خواہ غوث ہو یا قطب ابدال یا کچھ اور نہ تو نبی کے برابر ہو سکتا ہے نہ اس سے بڑھ سکے یہ چند امور خیال میں رہیں۔

پہلا باب

اس بیان میں کہ نبی علیہ کو بشر یا بھائی وغیرہ کہنا حرام ہے

نبی جنس بشر میں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں۔ جن یا بشر یا فرشتہ نہیں ہوتے یہ دنیاوی احکام ہیں۔ ورنہ بشریت کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ کیونکہ وہ ہی ابوالبشر ہیں اور حضور علیہ السلام اس وقت نبی ہیں جبکہ آدم علیہ السلام آب وکل میں ہیں خود فرماتے ہیں **كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ** اس وقت حضور نبی ہیں بشر نہیں سب کچھ صحیح لیکن ان کو بشر یا انسان کہہ کر پکارنا یا حضور علیہ السلام کو یا محمد یا کہ اے ابراہیم کے پاب یا اے بھائی باوا وغیرہ برابری کے الفاظ سے یاد کرنا حرام ہے۔ اور اگر اہانت کی نیت سے پکارنا تو کافر ہے۔ عالمگیری وغیرہ کتب فقہ میں ہے کہ شخص حضور علیہ السلام کو **هَذَا الرَّجُلُ** یہ مرد اہانت کی نیت سے کہے تو کافر ہے بلکہ یا رسول اللہ یا حبیب اللہ یا شفیع المذنبین وغیرہ عظمت کے کلمات سے یاد کرنا لازم ہے۔ شعراء جو اشعار میں یا محمد لکھ دیتے ہیں وہ جتنی موقع کی وجہ سے ہے پڑھنے والے کو لازم ہے کہ **صلی علیہ وسلم** کہہ لے، اسی طرح جو کہتے ہیں کہ۔

واہ کیا جو دو کرم ہے شہ بٹلی تیرا

یہ تیرا انتہائی ناز کا کلمہ ہے جیسے اے آقا میں تیرے قربان۔ اے ماں تو کہاں ہے؟ اے اللہ تو ہم پر رحم فرما! اس تو اور تیرے کی حیثیت اور ہے۔ (۱) قرآن فرماتا ہے۔

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (پارہ ۸ سورہ ۲۴ آیت ۶۳)

وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (پارہ ۲۶ سورہ ۴۹ آیت ۲)

”رسول کے پکارنے کو ایسا نہ ٹھہرا جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جاویں اور تم کو خبر نہ ہو۔“

ضبطی اعمال کفر کی وجہ سے ہوتی ہے مدارج جلد اول وصل از جملہ رعایت حقوق اولیت میں ہے ”خوانید اور ایہ نام مبارک اوچنانکہ می خوانید بعضے از شما بعض را بلکہ بگوئید یا رسول اللہ یا نبی با تو قیر و تو ضح۔“ نبی علیہ السلام کو ان کا نام پاک لے کر نہ بلاؤ جیسے بعض بعض کو بلاتے ہیں۔ بلکہ یوں کہو یا رسول اللہ یا نبی اللہ تو قیر و عزت کے ساتھ۔

تفسیر روح البیان زیر آیت **لَا تَجْعَلُوا** ہے۔

وَالْمَعْنَى لَا تَجْعَلُوا نِدَاءَ كُمْ إِيَّاهُ وَتَسْمِيَتَكُمْ لَهُ كَنِدَاءِ آءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا لِاسْمِهِ مِثْلُ يَا مُحَمَّدُ وَيَا ابْنَ عَبْدِ اللَّهِ وَلَكِنْ بَلِقِبِّهِ الْمُعْظَمِ مِثْلُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ وَيَا رَسُولَ اللَّهِ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ وَيَا أَيُّهَا الرَّسُولُ

”معنی یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام کو پکارنا یا نام لینا ایسا نہ بناؤ جیسا کہ بعض لوگ بعض کو نام سے پکارتے ہیں جیسے یا محمد اور یا ابن عبد اللہ وغیرہ لیکن ان کے عظمت والے القاب سے پکارو جیسے یا نبی اللہ یا رسول اللہ جیسا کہ خود رب تعالیٰ فرماتا ہے یا ایہا النبی یا ایہا الرسول۔“

ان آیات قرآنیہ اور اقوال مفسرین و محدثین سے معلوم ہوا کہ کہ حضور علیہ السلام کا ادب ہر حال میں ملحوظ رکھا جاوے نداء میں، کلام میں، ہر ادا میں۔

(۲) دنیاوی عظمت والوں کو بھی ان کا نام لے کر نہیں پکارا جاتا۔ ماں کو والدہ صاحبہ، باپ کو والد ماجد، بھائی کو بھائی صاحب جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اگر کوئی اپنی ماں کو باپ کی بیوی یا باپ کو ماں کا شوہر کہے یا اس کا نام لے کر پکارے یا اس کو بھیا وغیرہ کہے۔ تو اگرچہ بات تو سچی ہے مگر بے ادب گستاخ کہا جائیگا کہ برابری کے کلمات سے کیوں یاد کیا۔ حضور علیہ السلام تو خلیفۃ اللہ الاعظم ہیں ان کو نام سے پکارنا یا بھائی وغیرہ کہنا یقیناً حرام ہے۔ گھر میں بہن ماں بیوی بیٹی سب ہی عورتیں ہیں مگر ان کے نام و کام و احکام جدا گانہ جو ماں کو بیوی یا بیوی کو ماں کہہ کر پکارے وہ بے ایمان ہی ہے اور جوان سب کو ایک نگاہ سے دیکھے وہ مردود ہے ایسے ہی جو نبی کو امتی یا امتی کو نبی کی طرح سمجھے وہ ملعون ہے دیوبندیوں نے نبی کو امتی کا درجہ دیا ان کے پیشوا مولوی اسماعیل نے سید احمد بریلوی کو نبی کے برابر کرسی دیکھو صراط المستقیم کا خاتمہ۔ معاذ اللہ

(۳) رب تعالیٰ جس کو کوئی خاص درجہ عطا فرمائے۔ اس کو عام القاب سے پکارنا اس کے ان مراتب عالیہ کا انکار کرنا ہے اگر دنیاوی سلطنت کی طرف سے کسی کو نواب یا خان بہادر کا خطاب ملے تو اس کو آدمی یا آدمی کا بچہ یا بھائی وغیرہ کہنا اور ان القاب کو یاد کرنا جرم ہے کہ اسکا مطلب تو یہ ہے کہ تم حکومت کے عطا کئے ہوئے ان خطابات سے ناراض ہو تو جس ذات عالی کو رب کی طرف سے نبی رسول کا خطاب ملے اس کو ان القاب کے علاوہ بھائی وغیرہ کہنا جرم ہے۔

(۴) خود پروردگار عالم نے قرآن کریم میں حضور علیہ السلام کو یا محمد یا اخا مومنین کہہ کر نہ پکارا بلکہ یا ایہا النبی یا ایہا الرسول یا ایہا المنزل یا ایہا المدر وغیرہ وغیرہ پیارے القاب سے پکارا حالانکہ وہ رب ہے تو ہم غلاموں کو کیا حق ہے کہ ان کو بشر یا بھائی کہہ کر پکاریں۔

(۵) قرآن کریم نے کفار مکہ کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ وہ انبیاء کو بشر کہتے تھے۔

قَالُوا اَمَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذَا الْخُسُوفُ (پارہ ۱۸ سورہ ۳۶ آیت ۱۵)

”کافر بولے نہیں ہو تم مگر ہم جیسے بشر اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی پیروی کی تو تم نقصان والے ہو وغیرہ وغیرہ۔“

اس قسم کی بہت سی آیات ہیں اسی طرح مساوات بتانا یا انبیاء کرام کی شان گھٹانا طریقہ ابلیس ہے کہ اس نے کہا۔

خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ”خدا یا تو نے مجھے آگ سے اور انکو مٹی سے پیدا فرمایا۔“

مطلب یہ کہ میں ان سے افضل ہوں اسی طرح اب یہ کہنا کہ ہم میں اور پیغمبروں میں کیا فرق ہے۔ ہم بھی بشر وہ بھی بشر بلکہ ہم زندہ وہ مردے یہ سب ابلیسی کلام ہے۔

دوسرا باب

مسئلہ بشریت پر اعتراضات کے بیان میں

اعتراض نمبر ۱ قرآن فرماتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (پارہ ۲۴ سورہ ۲۱ آیت ۶) ”اے محبوب فرما دو کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔“

اس آیت قرآنیہ سے معلوم ہوا کہ حضور بھی ہماری طرح بشر ہیں اگر نہیں تو آیت معاذ اللہ جھوٹی ہو جاوے گی۔

جواب اس آیت میں چند طرح غور کرنا لازم ہے ایک یہ کہ فرمایا گیا ہے **قُلْ** اے محبوب آپ فرما دو۔ تو یہ کلمہ فرمانے کی صرف حضور علیہ السلام کو

اجازت ہے کہ آپ بطور انکسار تواضع فرماویں یہ نہیں کہ **قُولُوا** اِنَّمَا هُوَ بَشَرٌ مِثْلَنَا اے لوگو تم کہا کرو کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے بشر ہیں۔ بلکہ

قُلْ میں اس جانب اشارہ ہے کہ بشر وغیرہ کلمات تم کہہ دو ہم تو نہ کہیں گے۔ ہم فرمائیں گے۔

شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ہم تو فرمائیں گے **يَا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ**

وغیرہ ہم تو آپ کی شان بڑھائیں گے آپ انکسار یہ فرما سکتے ہیں۔ نیز اس آیت میں کفار سے خطاب ہے، چونکہ ہر چیز اپنی غیر جنس سے نفرت کرتی

ہے لہذا فرمایا گیا کہ اے کفار تم مجھ سے گھبراؤ نہیں میں تمہاری جنس سے ہوں یعنی بشر ہوں۔ شکاری جانوروں کی سی آوازیں نکال کر شکار کرتا ہے۔

اس سے کفار کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود ہے اگر دیوبندی بھی کفار میں سے ہی ہیں تو ان سے بھی یہ خطاب ہو سکتا ہے ہم مسلمانوں سے فرمایا گیا

اَيُّكُمْ مِثْلِي طوطے کے سامنے آئینہ رکھ کر اور خود آئینہ کے پیچھے کھڑے ہو کر بولتے ہیں تاکہ طوطا اپنا عکس آئینہ میں دیکھ کر سمجھے کہ یہ میرے جنس کی

آواز ہے انبیائے کرام رب کا آئینہ ہیں آواز و زبان ان کی ہوتی ہے اور کلام رب کا۔ گفت من آئینہ مشقول دوست۔ یہ عکس کا لحاظ ہے دوسرے اس

طرح کہ **مِثْلُكُمْ** پر آیت ختم نہ ہوئی بلکہ آگے آ رہا ہے۔ **يُوحِي اِلَيْكَ + يُوحِي اِلَيْكَ** کی قید ایسی ہے جیسے ہم کہیں کہ زید دیگر حیوانات کی

طرح حیوان ہے مگر ناطق ہے تو ناطق کی قید نے زید اور دیگر حیوانات میں ذاتی فرق پیدا کر دیا کہ اس قید سے زید تو اشرف المخلوقات انسان ہوا۔

اور دوسرے حیوانات اور شے اسی طرح وحی کی صفت نے نبی اور امتی میں بہت بڑا فرق بتا دیا۔ حیوان اور انسان میں صرف ایک درجہ کا فرق ہے مگر

بشریت اور شان مصطفویٰ میں ۲۷ درجہ کا فرق ہے اولاً بشر پھر شہید پھر متقی پھر ولی پھر ابدال پھر ادنا پھر قطب پھر غوث الاعظم پھر تابعی پھر

صحابی پھر مہاجر پھر صدیق پھر نبی پھر رحمۃ للعالمین وغیرہ یہ ۲۷ مراتب کا اجمالی ذکر ہے۔ تفصیل دیکھنا ہو تو ہماری کتاب شان حبیب الرحمان میں

ملاحظہ کرو۔ تو عام بشر اور مصطفیٰ علیہ السلام میں شرکت کیسی؟ یہ شرکت تو ایسی بھی نہیں جیسی کہ جنس عالی یا کسی عرض عام کے افراد کو انسان سے ہے یہ تو

ایسا ہوا کہ کوئی کہے اللہ ہماری طرح موجود ہے۔ اللہ ہماری طرح سمیع و بصیر ہے کیونکہ کلمہ موجود و علیم ہر جگہ بولا جاتا ہے۔ جس طرح ہماری موجودیت

اور رب کی موجودیت میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ ایسے ہی ہماری بشریت اور محبوب علیہ السلام کی بشریت میں کوئی نسبت نہیں۔

مولانا مثنوی میں فرماتے ہیں۔

بہر حق سوئے غریباں یک نظر

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر

”حضور علیہ السلام کی بشریت ہزار ہا جبریلی حیثیت سے اعلیٰ ہے۔“

تیسرے اس طرح کہ قرآن کریم میں ہے۔ **مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكُوهٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ** رب کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں ایک چراغ ہے۔ اس آیت میں بھی کلمہ مثل ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نور خدا چراغ کی طرح روشنی ہے۔ اسی طرح قرآن میں ہے۔

وَمَا مِنْ ذَا بَةِ الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أَمْثَالُكُمْ (پارہ ۷ سورہ ۶ آیت ۳۸)

”نہیں ہے کوئی جانور زمین میں نہ کوئی پرندہ جو اپنے بازوؤں سے اڑتا ہو مگر وہ تمہاری طرح امتیں ہیں۔“

یہاں بھی کلمہ امثال موجود ہے تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ ہر انسان گدھے اُلو جیسا ہے ہرگز نہیں نیز اتما کا حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی یعنی میں نہ خدا ہوں نہ خدا کا بیٹا بلکہ تمہاری طرح خالص بندہ ہوں جیسے ہاروت ماروت کا کہنا **إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ**

چوتھے اس طرح کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام ایمان عبادات، معاملات غرضیکہ کسی شے میں ہم جیسے نہیں ہر بات میں فرق عظیم ہے۔ حضور علیہ السلام کا کلمہ ہے **أَنَارَ سُوْلُ اللَّهِ** میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر ہم یہ کہیں تو کافر ہو جاویں۔ حضور علیہ السلام کا ایمان دیکھی ہوئی چیزوں پر کہ رب کو جنت و دوزخ کو ملاحظہ فرمالیا۔ ہمارا ایمان سنا ہوا ہے ہمارے لئے ارکان اسلام پانچ حضور علیہ السلام کے لئے چار یعنی آپ پر

زکوٰۃ فرض نہیں۔ دیکھو شامی شروع کتاب الزکوٰۃ۔ ہم پر پانچ نمازیں فرض حضور علیہ السلام پر چھ یعنی تہجد بھی فرض **وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ**

نَافِلَتَهُ لَكَ ہم کو چار بیویوں کی اجازت حضور علیہ السلام کے لئے کوئی پابندی نہیں جس قدر چاہیں۔ ہماری بیویاں ہمارے مرنے کے بعد

دوسرے نکاح کر سکتی ہیں۔ مگر حضور علیہ السلام کی ازواج پاک سب مسلمانوں کی مائیں **وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ** کسی کے نکاح میں نہیں آسکتی

وَلَا تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ہمارے بعد ہماری میراث تقسیم ہو حضور کی میراث نہ بٹے ہمارا پیشاب پاخانہ ناپاک۔ حضور ﷺ

کے فضلات شریفہ امت کے لئے پاک (دیکھو شامی باب الانجاس) مرقات باب احکام السیاء فصل اول میں ہے **لَمْ يَخْتَارْ كَثِيرٌ مِنْ**

أَصْحَابِنَا طَهَارَةَ فُضْلَاتِهِ اسی مرقات باب الستر کے شروع میں ہے۔ **وَلِذَا حَجَّمَهُ أَبُو طَيْبَتِهِ فُشِرَبَ دَمَهُ** اسی طرح مدارج

النبوۃ میں جلد اول وصل عرق شریف صفحہ ۲۵ میں بھی ہے۔ یہ تو شرعی احکام میں فرق بتائے گئے ورنہ لاکھوں امور میں فرق عظیم ہے۔ ہم کو اس ذات کریم سے کوئی نسبت ہی نہیں یوں سمجھو کہ بے مثل خالق کے بے مثل بندے ہیں۔

بے مثلی حق کے مظہر ہو پھر مثل تمہارا کیونکر ہو نہیں کوئی تمہارا ہم رتبہ نہ کوئی تمہارا ہم پایا

اس قدر فرق عظیم کے ہوتے ہوئے مثلیت کے کیا معنی۔

پانچویں اس طرح کہ اس آیت میں ہے **بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** یہ نہیں ہے کہ **إِنْسَانٌ مِّثْلُكُمْ** بشر کے معنی ہیں ذو بشرہ۔ یعنی ظاہری چہرے مہرہ والا۔

بشرہ کہتے ہیں ظاہر کھال کو۔ تو معنی یہ ہوئے کہ میں ظاہر رنگ و روپ میں تم جیسا معلوم ہوتا ہوں کہ اعضائے بدن دیکھنے میں یکساں معلوم ہوتے

ہیں مگر حقیقت یہ ہے **يُوحَىٰ إِلَىٰ** ہم صاحب وحی ہیں۔ یہ گفتگو بھی فقط ظاہری طور پر ہے۔ ورنہ ہمارے ظاہری اعضاء کو حضور علیہ السلام کے

اعضاء مبارکہ سے کوئی نسبت نہیں۔ قدرت الہی تو دیکھو کہ منہ کا لعاب شریف کھاری کنویں میں پڑے پانی کو میٹھا کر دے۔ حدیبیہ کے خشک کوئیں

میں پڑ جاوے تو پانی پیدا کر دے حضرت جابر کی ہانڈی میں پڑ کر شور با اور یونیاں بڑھا دے۔ آٹے میں پڑے تو آٹے میں برکت دے صدیق کے

پاؤں میں پہنچ کر سانپ کے زہر کو دفع کرے۔ عبد اللہ ابن عقیق کے ٹوٹے ہوئے پاؤں میں پہنچ کر ہڈی جوڑ دے۔ حضرت علی کی دکھتی ہوئی آنکھ سے گلے تو گل

الجبہر کا کام دے۔ آج ہزار روپیہ کی دوا بھی اس قدر اثر نہیں رکھتی۔ اگر سر پاک سے قدم پاک تک ہر عضو شریف کی برکات دیکھنا ہیں تو ہماری کتاب شان

حبیب الرحمان کا مطالعہ کرو۔ ہمارے ہر عضو کا سایہ حضور ﷺ کے کسی عضو کا سایہ نہیں پسینہ پاک میں مشک و عنبر سے بہتر خوشبو۔

چھٹے اس طرح کہ شیخ عبدالحق مدارج النبوۃ جلد اول باب سوم وصل ازالہ شبہات میں فرماتے ہیں ودر حقیقت متشابہات اند علماء آل رامعانی لائقہ

تاویلات رائقہ کردہ راجع بحق ساختہ اند۔ ”یہ آیات حقیقت میں متشابہات ہیں کہ علماء نے ان کے مناسب معافی اور بہتر تاویلیں کر کے حق کی

طرف پھیرا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح **يَذُ اللَّهُ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ يَا مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكُوهٍ** وغیرہ آیات جو بظاہر شان خداوندی کے خلاف معلوم

ہوتی ہے وہ متشابہات ہیں۔ اسی طرح **إِنَّمَا بَشَرٌ** وغیرہ آیات جو بظاہر شان مصطفیٰ کے خلاف ہیں متشابہات ہیں لہذا ان کے ظاہر سے دلیل

پکڑنا غلط ہے۔

ساتویں اس طرح کے روزہ وصال کے بارے میں حضور نے فرمایا **اَيْكُم مِثْلِي** تم میں ہم جیسا کون ہے؟ بیٹھ کر نفل پڑھنے کے بارے میں فرمایا **لَكِنِّي لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ** لیکن ہم تمہاری طرح نہیں۔ صحابہ کرام نے بہت موقعوں پر فرمایا **اَيْنَا مِثْلُهُ** ہم میں حضور علیہ السلام کی طرح کون ہے؟ احادیث تو فرما رہی ہیں کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے نہیں اور اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم جیسے ہی ہیں ان میں مطابقت کرنا ضروری ہے وہ اسی طرح ہو سکتی ہے کہ آیت میں تاویل کی جاوے۔

آٹھویں اس طرح کہ تفسیر سورہ مریم میں **كَهَيْعَصَ** کے ماتحت ہے کہ حضور علیہ السلام کی تین صورتیں ہیں۔ صورت بشری، صورت حقی، صورت ملکی بشریت کا ذکر **اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ حَقِّ** کا ذکر ہوا۔ **مَنْ رَانِي فَقَدَرَ الْحَقَّ** جس نے ہم کو دیکھا حق کو دیکھا صورت ملکی کا ذکر **لِي مَعَ اللَّهِ** **وَقْتُ لَا يَسْغُنِي فِيهِ مَلَكٌ مُّقْرَبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُّرْسَلٌ** بعض وقت ہم کو اللہ سے وہ قرب ہوتا ہے کہ نہ اس میں مقرب فرشتہ کی گنجائش ہے نہ مرسل نبی کی۔ معراج میں سدرہ پہنچ کر طاقت جبریلی ختم ہو گئی۔ مگر حضور علیہ السلام کی بشری طاقت کی ابھی ابتداء نہ تھی اس آیت میں محض ایک صورت کا ذکر ہے۔

نویں اس طرح کہ **بَشَرٌ مِثْلُكُمْ** میں یہ تو فرمایا کہ ہم تم جیسے بشر ہیں یہ نہ فرمایا کہ کس وصف میں تم جیسے ہیں یعنی جس طرح تم محض بندے ہو۔ نہ خدا نہ خدا کے بیٹے نہ خدا کی صفات سے موصوف اسی طرح عبد اللہ ہوں نہ اللہ ہوں نہ ابن اللہ ہوں عیسائیوں نے چند معجزات دیکھ کر عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہہ دیا۔ تم ہمارے صد ہا معجزات دیکھ یہ نہ کہہ دینا بلکہ عبد اللہ و رسولؐ۔

تفسیر کبیر شروع پارہ ۱۲ زیر آیت **فَقَالَ الْمَلَاءُ الَّذِينَ كَفَرُوا** قصہ نوح میں ہے کہ نبی بشر اس لئے ہوتے ہیں کہ اگر فرشتہ ہوتے تو لوگ ان کے معجزات کو ان کی ملکی طاقت پر محمول کر لیتے۔ آپ جب بشر ہو کر یہ معجزات دکھاتے ہیں تو ان کا کمال معلوم ہوتا ہے غرضیکہ انبیاء کی بشریت ان کا کمال ہے لہذا آیت کا مقصد یہ ہوا کہ ہم تم جیسے بشر ہو کر ایسے کمالات دکھاتے ہیں۔ تم تو دکھا دو۔

دسویں اس طرح کہ بہت سے الفاظ وہ ہیں جو بغیر اپنے لئے استعمال فرما سکتے ہیں اور وہ ان کا کمال ہے مگر دوسرا کوئی ان کی شان میں یہ کہے تو گستاخی ہے دیکھو آدم علیہ السلام نے عرض کیا **رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا** یونس علیہ السلام نے رب سے عرض کیا **اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ** موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا **فَعَلْتُهَا اِذَا وَاَنَا مِنَ الصَّالِّينَ** لیکن کوئی دوسرا اگر ان حضرات کو ظالم یا ضال کہے تو ایمان سے خارج ہوگا۔ اسی طرح بشر کا لفظ بھی ہے۔

اعتراض ۲ حضور علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا **وَ اَكْرِمُوا اَخَاكُمْ** تم اپنے بھائی کا (اما) احترام کرو جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہمارے بھائی ہیں۔ مگر بڑے بھائی ہیں نہ کہ چھوٹے۔ (۳) قرآن فرماتا ہے۔

وَالِیْ مَدِیْنٍ اَخَاهُمْ شُعِیْبًا وَ اِلِیْ ثَمُوْدٍ اَخَاهُمْ صَالِحًا وَ اِلِیْ عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا (پارہ ۸ سورہ ۷ آیت ۹)
 ”ان آیات میں رب نے انبیائے کرام کو مدین ثمود اور عاد کا بھائی فرمایا معلوم ہوا کہ انبیاء امتیوں کے بھائی ہوتے ہیں۔“

جواب حضور علیہ السلام نے اپنے کرم کریمانہ سے بطور تواضع و انکسار فرمایا **اَخَاكُمْ** اس فرمانے سے ہم کو بھائی کہنے کی اجازت کیسے ملی؟ ایک بادشاہ اپنی رعایا سے کہتا ہے کہ میں آپ لوگوں کا خادم ہوں تو رعایا کو حق نہیں کہ بادشاہ کو خادم کہہ کر پکارے۔ اسی طرح رب نے ارشاد فرمایا کہ حضرت شعیب و صالح و ہود علیہم السلام مدین اور ثمود اور عاد قوموں میں سے تھے۔ کسی اور قوم کے نہ تھے۔ یہ بتانے کے لئے **اَخَاهُمْ** فرمایا یہ کہاں فرمایا کہ ان کی قوم والوں کو بھائی کہنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ انبیائے کرام کو برابری کے القاب سے پکارنا حرام ہے اور لفظ بھائی برابری کا لفظ ہے۔ پاب بھی گوارہ نہیں کرتا کہ اس کا بیٹا اس کو بھائی کہے۔

اعتراض ۳ قرآن کہتا ہے **اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ** مسلمان آپس میں بھائی ہیں اور حضور علیہ السلام بھی مومن ہیں لہذا آپ بھی ہم مسلمانوں کے بھائی ہوئے تو حضور علیہ السلام کو کیوں نہ بھائی کہا جاوے۔

جواب پھر تو خدا کو بھی اپنا بھائی کہہ کیونکہ وہ بھی مومن ہے قرآن میں ہے **الْمَلِیْکُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ** اور ہر مومن آپس میں بھائی۔ لہذا خدا بھی مسلمانوں کا بھائی معاذ اللہ۔ نیز بھائی کی بیوی بھابھی ہوتی ہے اور اس نکاح حلال اور نبی کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں ان سے نکاح کرنا حرام ہے (قرآن کریم) لہذا نبی ہمارے لئے مثل والد ہوئے والد کی بیوی ماں ہے نہ کہ بھائی کی۔ جناب ہم تو مومن ہیں۔ اور حضور علیہ السلام عین ایمان۔

قصیدہ بردہ شریف میں ہے۔

فَالصَّدَقُ فِي الْغَارِ وَالصَّدِيقُ لَمْ يُرَيَا ”یعنی غار ثور میں صدق بھی تھا صدیق بھی تھے۔“

حضور علیہ السلام اور عام مومنین میں صرف لفظ مومن کا اشتراک ہے جیسے رب اور عام مومنین میں نہ کہ حقیقت مومن میں ہم اور طرح کے مومن ہیں اسکی تفصیل ہم جواب نمبر ۱ بیان کر چکے ہیں۔

اعتراضہ حضور علیہ السلام اولاد آدم ہیں ہماری طرح کھاتے پیتے سوتے جاگتے اور زندگی گزارتے ہیں بیمار ہوتے ہیں، موت آتی ہے اتنی باتوں میں شرکت ہوتے ہوئے انکو بشر یا اپنا بھائی کیوں نہ کہا جاوے۔

جواب اس کا فیصلہ مشنوی میں خوب فرما دیا ہے۔

گفت ایک مابشر ایشاں بشر	ما و ایشاں بستہ خوانیم دخور !
ایں نہ دانستہ ایشاں از عی	ہست فرقی درمیاں بے انتہا
ہر دو یک گل خورد و زنبور و نحل	زاں یکے شد نیش زاں دیگر عسل
ہر دو گوں آہو گیا خورد ند و آب	زیں یکے سرگیں شد و زاں مشکتاب
ایں خورد گرد و پلیدی زیں جدا	واں خورد گرد وہمہ نور خدا

کفار نے کہا ہم اور پیغمبر بشر ہیں کیونکہ ہم اور وہ دونوں کھانے سونے میں وابستہ ہیں اندھوں نے یہ نہ جانا کہ انجام میں بہت بڑا فرق ہے۔ بھڑ اور شہد کی مکھی ایک ہی پھول چوستی ہے مگر اس سے زہر اور اس سے شہد بنتا ہے۔ دونوں ہرن ایک ہی دانہ پانی کھاتے ہیں۔ مگر ایک سے پاخانہ اور دوسرے سے مشک بنتا ہے۔ یہ جو کھاتا ہے اس سے پلیدی بنتی ہے نبی کے کھانے سے نور خدا ہوتا ہے۔

یہ سوال تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ میری کتاب اور قرآن یکساں ہیں۔ کیونکہ دونوں ایک ہی روشنائی سے ایک کاغذ پر ایک ہی قلم سے لکھی گئیں۔ ایک ہی قسم کے حروف تہجی سی دونوں نہیں ایک ہی پر لیس میں چھپیں۔ ایک ہی جلد ساز نے جلد باندھی۔ ایک ہی الماری میں رکھی گئیں پھر ان میں فرق ہی کیا ہے۔ مگر کوئی بیوقوف بھی نہیں کہے گا کہ ان ظاہری باتوں سے ہماری کتاب قرآن کی طرح ہوگئی۔ تو ہم صاحب قرآن کی مثل کس طرح ہو سکتے ہیں؟ یہ نہ دیکھا کہ حضور کا کلمہ پڑھا جاتا ہے ان کو معراج ہوئی ان کو نماز میں سلام کرتے ہیں ان پر درود بھیجتے ہیں۔ تمام انبیاء و اولیاء ان کے خدام بارگاہ ہیں۔ یہ اوصاف ماوشا تو کیا ملائکہ کو بھی نہ ملے۔

مُحَمَّدٌ بَشَرٌ لَّا كَالْبَشَرِ ”حضور علیہ السلام بشر ہیں عام بشر نہیں“

يَا قُوتٌ حَجَرٌ لَّا كَالْحَجَرِ ”یا قوت پتھر ہے مگر عام پتھر نہیں“

بعض دیوبندی کہتے ہیں کہ اگر حضور کو بشر کہنا حرام ہے تو چاہئے کہ انسان یا عبد کہنا بھی حرام ہو کہ ان سب کے معنی قریب قریب ہیں پھر کلمہ میں **عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ** کیوں کہتے ہو؟

جواب یہ ہے کہ لفظ بشر کفار بہ نیت اہانت کہتے تھے اور نبی کو رب نے انسان یا عبد بطور تعظیم فرمایا **خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ** اور **أَسْرَىٰ بَعْدَهُ لِيَلَّا** لہذا یہ الفاظ تعظیماً کہنا جائز ہے اور بشر کہنا حرام ہے جیسے **رَاعِنًا** اور **أَنْظُرْنَا** ہم معنی ہیں۔ مگر **رَاعِنًا** کہنا حرام ہے کہ طریقہ کفار ہے۔

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

عبد دیگر عبدہ چیزے دگر او سراپا انتظار او منتظر

حضور کی عبدیت سے رب کی شان ظاہر ہوتی ہے اور رب کی عظمت سے ہماری عبدیت چمکی وزیر بھی شاہی خادم ہے اور سپاہی بھی مگر وزیر سے بادشاہ کی شان کا ظہور اور شاہی نوکری سے سپاہی کی عزت۔

اعتراضہ ۶ شامک ترمذی میں حضرت صدیقہ کی روایت ہے کہ فرماتی ہیں **كَانَ بَشَرٌ مِنَ الْبَشَرِ** حضور علیہ السلام بشروں میں سے ایک بشر تھے۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام نے عائشہ صدیقہ کو اپنی زوجیت سے مشرف فرمانا چاہا۔ تو صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں آپ کا بھائی ہوں کیا میری دختر آپ کو حلال ہے۔ دیکھو حضرت عائشہ نے حضور علیہ السلام کو بشر کہا اور صدیق نے اپنے کو حضور کا بھائی بتایا۔

جواب بشر یا بھائی کہہ کر پکارنا یا محاورہ میں نبی علیہ السلام کو یہ کہنا حرام ہے عقیدہ کے بیان یا دریافت مسائل کے اور احکام ہیں۔ حضرت صدیقہ یا صدیق رضی اللہ عنہما عام گفتگو میں حضور علیہ السلام کو بھائی یا بشر نہ کہتے تھے یہاں ضرورتاً اس کلمہ کو استعمال فرمایا ہے صدیقہ الکبریٰ تو یہ فرما رہی ہیں

کہ حضور علیہ السلام کی زندگی پاک نہایت بے تکلفی اور سادگی سے عام مسلمانوں کی طرح گذری کہ اپنا ہر کام اپنے ہاتھ ہی سے انجام دیتے تھے۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبر نے مسئلہ دریافت کیا کہ حضور نے مجھے خطاب اخوت سے نوازا ہے کیا اس خطاب پر حقیقی بھائی کے احکام جاری ہونگے یا نہیں؟ اور میری اولاد حضور کو حلال ہوگی یا نہیں؟ ہم بھی عقیدے کے ذکر میں کہتے ہیں کہ نبی بشر ہوتے ہیں۔ حضرت خلیل نے ایک ضرورت پر حضرت سارہ کو فرما دیا **هَذَا أَخِي** یہ میری بہن ہیں حالانکہ وہ آپ کی بیوی تھیں۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ حضرت سارہ اب آپ کو بھائی کہہ کر پکارتیں۔

ہم ان حضرات کا عام محاورہ دکھاتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ حضور علیہ السلام رشتہ میں صدیقہ کے زوج اور سیدنا علی کے بھائی حضرت عباس کے بھائی کی اولاد ہیں۔ مگر یہ حضرات جب بھی روایت حدیث کرتے ہیں تو صدیقہ یہ نہیں فرماتیں کہ میرے زوج نے فرمایا، یا حضرت عباس یا حضرت علی رضی اللہ عنہما یہ نہیں کہتے کہ ہمارے بھتیجے یا ہمارے بھائی نے یہ فرمایا۔ سب یہی فرماتے ہیں **قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** توجو حضرات رشتہ کے لحاظ سے بھائی ہیں وہ بھی بھائی نہیں کہتے تو ہم کینوں غلاموں کو کیا حق ہے کہ بھائی کہیں۔

نبت خود بسکت کردم و بس منفعلم
ز انکہ نبت بسکت کوئے تو شد بے ادبی است
ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است
جناب شروع اسلام میں تو یہ حکم تھا کہ حضور علیہ السلام سے کچھ عرض کرنا چاہے۔ وہ پہلے کچھ صدقہ دے بعد میں عرض کرے۔
قرآن فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَا جِئْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِ مُوَابِنَ يَدَى نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ (پارہ ۲۸ سورہ ۵۸ آیت ۱۲)

”یعنی اے ایمان والو جب تم رسول سے کوئی بات آہستہ عرض کرنا چاہو۔ تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لو۔“

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر عمل بھی کیا کہ ایک دینار خیرات کر کے دس مسائل دریافت کئے (تفسیر خازن یہی آیت) پھر یہ حکم اگرچہ منسوخ ہو گیا۔ مگر محبوب علیہ السلام کی عظمت شان کا پتہ لگ گیا کہ نماز میں رب سے ہم کلام ہو تو صرف وضو کرو۔ لیکن حضور علیہ السلام سے عرض معروض کرنا ہو تو صدقہ کرو پھر بھائی کہنا کہاں رہا؟

بحث نداء یا رسول اللہ یا نعرہ یا رسول اللہ

حضور علیہ السلام کو دور یا نزدیک سے پکارنا جائز ہے۔ ان کی ظاہری زندگی پاک میں بھی اور بعد وفات شریف بھی خواہ ایک ہی شخص عرض کرے یا رسول اللہ یا ایک جماعت مل نعرہ رسالت لگائے۔ یا رسول اللہ ہر طرح جائز ہے۔ اس بحث کو ہم دو باب میں تقسیم کرتے ہیں۔

پہلا باب

نداء یا رسول اللہ کے ثبوت میں

حضور علیہ السلام کو نداء کرنا قرآن کریم فعل ملائکہ صحابہ اور عمل امت سے ثابت ہے قرآن کریم نے بہت مقامات میں حضور علیہ السلام کو نداء فرمائی **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ** وغیرہ ان تمام آیات میں حضور علیہ السلام کو پکارا گیا ہے۔ ہاں دیگر انبیائے کرام کو ان کے نام سے پکارا یا موسیٰ، یاحییٰ، یانحییٰ، یا ابراہیم، یا آدم وغیرہ مگر محبوب علیہ السلام کو پیارے پیارے القاب سے نداء فرمائی۔

یا آدم است با پدر انبیاء خطاب **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ** خطاب محمد است

بلکہ قرآن کریم نے عام مسلمانوں کو بھی پکارا **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ہمارے محبوب علیہ السلام کو پکارو مگر اچھے القاب سے **لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا**

اس میں حضور علیہ السلام کو پکارنے سے نہیں روکا گیا بلکہ فرمایا گیا ہے کہ اوروں کی طرح نہ پکارو۔

قرآن نے فرمایا **أَدْعُوهُمْ لَأَبَاءِهِمْ** ان کو ان کے باپ کی طرف نسبت کر کے پکارو۔ اس آیت میں اجازت ہے کہ زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ کو پکارو۔ مگر ان کو ابن حارثہ کہو ابن رسول اللہ نہ کہو۔ اسی طرح کفار کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنے مددگاروں کو اپنی امداد کیلئے بلا لیں **وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ دُونَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ**

مشکوٰۃ کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل نے عرض کیا **يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ** نداء پائی گئی۔ مشکوٰۃ باب وفات النبی میں ہے بوقت وفات ملک الموت نے عرض کیا۔ **يَا مُحَمَّدُ إِنَّ اللَّهَ أَرْسَلَنِي إِلَيْكَ** نداء پائی گئی۔ ابن ماجہ باب صلوٰۃ الحاجہ میں حضرت عثمان ابن حنیف سے روایت ہے کہ ایک نابینا بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوئے ان کو یہ دعا ارشاد ہوئی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاتَّوَجَّهْ اِلَیْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلِیْ رَبِّیْ فِی حَاجَتِیْ هَذِهِ لِتُقْضِیَ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیْ قَالَ اَبُو اسْحَقْ هَذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ

”اے اللہ میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں اور تیری طرف حضور علیہ السلام نبی الرحمتہ کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں یا محمد ﷺ میں نے آپ کے ذریعہ سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں توجہ کی تاکہ حاجت پوری ہو۔ اے اللہ میرے لئے حضور کی شفاعت قبول فرما ابو اسحق نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔“

یہ دعا قیامت تک کے مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے اس میں نداء بھی ہے اور حضور علیہ السلام سے مدد بھی مانگی ہے۔

عالمگیری جلد اول کتاب الحج آداب زیارت قبر نبی علیہ السلام میں ہے۔

ثُمَّ يَقُولُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِیُّ اللَّهِ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ

”اے نبی آپ پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔“

پھر فرماتے ہیں **وَيَقُولُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِیْفَتَهُ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْكَ يَا صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ فِي الْغَارِ**

پھر فرماتے ہیں **فَيَقُولُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُظْهَرَ الْإِسْلَامِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُكَسِّرَ الْأَصْنَامِ** یعنی صدیق اکبر کو یوں سلام پیش کرے کہ آپ پر سلام ہوا اے رسول اللہ کے سچے جانشین۔ آپ پر سلام ہو اے رسول اللہ ﷺ کے غار کے ساتھی۔ اور حضرت فاروق کو یوں سلام کرے کہ آپ پر سلام ہوا اے مسلمانوں کے امیر آپ پر سلام ہو۔ اے اسلام کو چمکانے والے آپ پر سلام ہوا اے بتوں کو توڑنے والے رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اس میں حضور علیہ السلام کو بھی نداء ہے اور حضور کے پہلو میں آرام فرمانے والے حضرت صدیق و فاروق کو بھی۔ اکابر امت اولیاء ملت مشائخ و بزرگان دین اپنی دعاؤں اور وظائف میں یا رسول اللہ کہتے ہیں۔

قصیدہ بردہ میں ہے۔

سِوَاكَ عِنْدَ حُلُولِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

”کہ مصیبت عامہ کے وقت جس کی پناہ لوں“

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِي مَنْ اَلُوْ ذِيْهِ

”اے بہترین مخلوق آپ کے سوا میرا کوئی نہیں“

امام زین العابدین فرماتے ہیں اپنے قصیدہ میں۔

مَحْبُوسُ اَيْدِي الظَّالِمِيْنَ فِي مَوْكَبِ الْمُزْدِيْهِمِ

”وہ اس ازدھام میں ظالموں کی قید میں ہے“

يَا رَحْمَتَهُ لِلْعَالَمِيْنَ اَدْرِكِ لِذِيْنَ الْعَابِدِيْنَ

”اے رحمتہ للعالمین زین العابدین کی مدد کو پہنچو“

مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

نہ آخر رحمتہ للعالمین زحر و ماں چرا فارغ نشینی !

زنجبوری بر آمد جان عالم ترحم یا نبی اللہ ترحم

جدا کی سے عالم کی جان نکل رہی ہے۔ یا نبی اللہ رحم فرماؤ۔ کیا آخر آپ رحمتہ للعالمین نہیں ہیں پھر ہم مجرموں سے فارغ کیوں ہو بیٹھے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں۔

اَرْجُوْ رِضَاكَ وَ اَحْتَمِيْ بِجَمَاكَ

اے پیشواؤں کے پیشوا میں دلی قصد سے آپ کے حضور آیا ہوں آپ کے رضاء کا امیدوار ہوں۔ اور اپنے کو آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جَنَّتْكَ قَاصِدًا

ان اشعار میں حضور کو ندا بھی ہے اور حضور علیہ السلام سے استعانت بھی اور یہ ندا دور سے بعد وفات شریف ہے۔ تمام مسلمان نماز میں کہتے ہیں۔

اَلْسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَتُهُ اللّٰهُ وَ بَرَکَاتُهُ یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ کو پکارنا واجب ہے۔ التحیات کے متعلق ہم شامی اور

اشعۃ اللمعات کی عبارتیں حاضر و ناظر کی بحث میں پیش کر چکے ہیں وہاں دیکھو یہ گفتگو تھی تنہا یا رسول اللہ کہنے کہ۔ اگر بہت لوگ مل کر نعرہ رسالت

لگائیں تو بھی جائز ہے کیونکہ جب ہر شخص کو یا رسول اللہ کہنا جائز ہوا تو ایک ساتھ ملکر بھی کہنا جائز ہے چند مباح چیزوں کو ملانے سے مجموعہ مباح ہی ہوگا

جیسے بریانی حلال ہے۔ اس لئے حلال چیزوں کا مجموعہ ہے نیز اس کا ثبوت صراحۃً یہی ہے۔

مسلم آخر جلد دوم باب حدیث الحجرۃ میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور علیہ السلام ہجرت فرما کر مدینہ پاک داخل ہوئے۔

فَصَعِدَ الرَّجَالُ وَالنِّسَاءُ فَوْقَ الْبُیُوتِ وَتَفَرَّقَ الْعِلْمَانُ وَالْخَدَمُ فِی الطَّرِیقِ یُنَادُوْنَ یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُولَ

اللّٰهِ یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُولَ اللّٰهِ

”تو عورتیں اور مرد گھر کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور غلام گلی کوچوں میں متفرق ہو گئے نعرے لگاتے پھرتے تھے یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ“

اس حدیث مسلم سے نعرہ رسالت کا صراحۃً ثبوت ہوا اور معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کرام نعرہ لگایا کرتے تھے۔ اسی حدیث ہجرت میں ہے کہ صحابہ کرام

نے جلوس بھی نکالا ہے اور جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سفر سے واپس مدینہ پاک تشریف لاتے تو اہل مدینہ حضور علیہ السلام کا استقبال کرتے

اور جلوس نکالتے (دیکھو مشکوٰۃ و بخاری وغیرہ) جلسہ کے معنی ہیں بیٹھک یا نشست، جلوس اس کی جمع ہے جیسے جلدہ کی جمع جلوہ۔ بمعنی کوڑہ نماز ذکر

الہی کا جلسہ ہے کہ ایک ہی جگہ ادا ہوتی ہے اور حج کا ذکر جلوس کہ اس میں گھوم پھر کر ذکر ہوتا ہے قرآن سے ثابت ہے کہ تابوت سکینہ کو ملانے کے بشکل

جلوس لائے۔ بوقت ولادت پاک اور معراج میں فرشتوں نے حضور کا جلوس نکالا۔ اور اچھوں کی نقل کرنا بھی باعث ثواب ہے۔ لہذا یہ مروج

جلوس اس اصل کی نقل ہے اور باعث ثواب ہے۔

دوسرا باب

نداءِ یارسول اللہ پر اعتراضات کے بیان میں

(۱) قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ (پارہ ۱ سورہ ۱۰ آیت ۱۰۶)

”اللہ کے سوا ان کو نہ پکارو جو تم کو نفع و نقصان نہ پہنچا سکیں۔“

معلوم ہوا کہ غیر خدا کا پکارنا منع ہے۔

وَيَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ

”خدا کے سوا ان کو پکارتے ہیں جو ان کے لئے نافع و مضر نہیں۔“

ثابت ہوا کہ غیر خدا کو پکارنا بت پرستوں کا کام ہے۔

جواب

ان جیسی آیتوں میں جہاں بھی لفظ دعا ہے اس مراد بلانا نہیں بلکہ پوجنا (دیکھو جلالین اور دیگر تفاسیر) معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کو مت پوجو۔ دوسری آیات اس معنی کی تائید کرتی ہیں رب فرماتا ہے وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ جو خدا کے ساتھ دوسرے معبود کو پکارے (عبادت کرے) معلوم ہوا کہ غیر خدا کو خدا سمجھ کر پکارنا شرک ہے کیونکہ یہ غیر خدا کی عبادت ہے اگر ان آیات کے یہ معنی نہ کئے جاویں تو ہم نے جو آیات و احادیث اور علماء دین کے اقوال پیش کئے جن میں غیر خدا کو پکارا گیا ہے سب شرک ہوگا۔ پھر زندہ کو پکارو یا مردہ کو، سامنے والے کو پکارو یا دور والے کو سب ہی شرک ہوگا، روزانہ ہم لوگ بھائی بہن دوست آشنا کو پکارتے ہی ہیں۔ تو عالم میں کوئی بھی شرک سے نہ بچا۔ نیز شرک کہتے ہیں غیر خدا کو خدا کی ذات یا صفات میں شامل کرنا کسی کو آواز دینا پکارنا اس میں کون سے صفت الہی میں داخل کرنا ہے پھر یہ شرک کیوں ہوا؟

(۲) فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا عَلٰى جُنُوبِكُمْ ”پس اللہ کو کھڑے بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر یاد کرو۔“

اس سے معلوم ہوا کہ اٹھتے بیٹھتے غیر خدا کا نام جپنا شرک ہے صرف خدا ہی کا ذکر کرنا چاہیے۔

جواب

اس آیت سے ذکر رسول اللہ کو حرام یا شرک سمجھنا نادانی ہے۔ آیت تو یہ فرما رہی ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو ہر حال میں ہر طرح خدا کا ذکر کر سکتے ہو۔ یعنی نماز میں تو پابندی تھی کہ بغیر وضو نہ ہو، سجدہ رکوع اور قعدہ میں تلاوت قرآن کریم نہ ہو بلا عذر بیٹھ کر یا لیٹ کر نہ ہو مگر جب نماز سے فارغ ہو چکے تو یہ پابندیاں اٹھ گئیں۔ اب کھڑے بیٹھے لیٹے ہر طرح خدا کو یاد کر سکتے ہو۔

اس آیت میں چند امور قابل غور ہیں ایک یہ کہ یہ امر فَادْكُرُوا اللَّهَ وجوب کے لئے نہیں صرف جواز کے لئے ہے کہ نماز کے علاوہ چاہے خدا کو یاد کرو خواہ غیر خدا کو خواہ بالکل خاموش رہو ہر بات کی اجازت ہے دوسرے یہ کہ اگر یہ امر وجوب کے لئے بھی ہو تو بھی ذکر غیر اللہ ذکر اللہ کی نقیض نہیں تاکہ ذکر اللہ کے واجب ہونے سے یہ حرام ہو جاوے بلکہ ذکر اللہ کی نقیض عدم ذکر اللہ ہے، تیسرے یہ کہ اگر ذکر اللہ کی نقیض مان بھی لی جاوے تب بھی ایک نقیض کے واجب ہونے سے دوسری نقیض زیادہ سے زیادہ حرام ہوگی نہ کہ شرک۔ مگر خیال رہے کہ حرام یا فرض ہونا فعل کی صفت ہے نہ کہ عدم فعل کی۔ چوتھے یہ کہ حضور علیہ السلام کا ذکر بالواسطہ خدا ہی کا ذکر ہے۔

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۸۰)

”جس نے رسول اللہ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔“

جب کلمہ نماز حج درود خطبہ اذان غرض کہ ساری عبادات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذکر داخل اور ضروری ہے تو نماز سے خارج الکا ذکر اٹھتے بیٹھتے کیوں حرام ہوگا جو شخص ہر حال میں اٹھتے بیٹھتے درود شریف یا کلمہ پڑھے تو حضور کا ذکر کر رہا ہے ثواب کا مستحق ہے۔ پانچویں اس طرح تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ اور سورہ منافقون اور وہ آیات جن میں کفار یا بتوں کا ذکر ہے ان کا پڑھنا ذکر اللہ ہے یا نہیں ضرور ہے کیونکہ یہ قرآنی آیات ہیں۔ ہر کلمہ پہ ثواب ہے اگرچہ ان آیات میں مذکور کفار یا بت ہیں مگر کلام تو اللہ کا ہے۔ کلام الہی کا ذکر تو ذکر اللہ ہو۔ مگر رحمت الہی یا نور الہی محمد رسول اللہ کا ذکر اللہ نہ ہو یہ کیا انصاف ہے؟ قرآن میں ہے قَالَ فِرْعَوْنُ فرعون نے کہا قَالَ پڑھنے پر تمہیں ثواب اور لفظ فرعون پڑھنے پر پچاس ثواب کیونکہ ہر حرف کے دس ثواب ہیں تو فرعون کا نام قرآن میں پڑھا گیا پچاس نیکیاں ملیں اور محمد رسول اللہ کا نام لیا تو مشرک ہو گیا۔ یہ کیا عقل ہے؟ ساتویں اس طرح کہ حضرت یعقوب علیہ السلام فراق حضرت یوسف میں اٹھتے بیٹھتے حضرت یوسف کے نام کی رٹ فرماتے تھے اور ان

کی یاد میں اس قدر روئے کہ آنکھیں سفید ہو گئیں اسی طرح حضرت آدم فراق حضرت حوا میں، حضرت امام زین العابدین فراق امام حسین میں اٹھتے بیٹھتے ان کے نام چپا کرتے تھے اور بزبان حال یہ کہتے تھے۔

حال من در ہجرت والدکم از یعقوب نیست اور پرگم کردہ بود من پدرگم کردہ ایم

بتاؤ ان پر یہ حکم شرک جاری ہوگا یا نہیں اگر نہیں تو آج تو عاشق ہر حال میں اپنی نبی کو یاد کرے وہ کیوں مشرک ہوگا؟ ایک تاجرون رات تجارت کا ذکر کرتا رہتا ہے طالب علم دن رات ہر حال میں سبق یاد کرتا ہے۔ وہ بھی غیر خدا کا نام چپ رہا ہے وہ کیوں مشرک نہیں۔

نوٹ یتا نگر پنجاب میں ہمارا اور مولوی ثناء اللہ امرتسری کا اسی مسئلہ ندا یا رسول اللہ پر مناظرہ ہوا۔ ثناء اللہ صاحب نے یہ ہی آیت پیش کی۔ ہم نے صرف تین سوال کئے ایک یہ کہ قرآن میں امر کتنے معنی میں آیا ہے اور یہاں کون سے معنی میں استعمال ہوا؟ دوسرے یہ کہ ایک نفیض کے واجب ہونے سے دوسری نفیض حرام ہوگی یا نہیں؟ تیسرے یہ کہ ذکر اللہ کی نفیض کیا ہے؟ ذکر غیر اللہ یا عدم ذکر اللہ؟ جس کا جواب یہ دیا کہ آپ نے ان سوالات میں اصول فقہ اور منطق کو دخل دیا ہے یہ دونوں علم بدعت ہیں گویا کہ جاہل رہنا سنت ہے پھر ان سے سوال کیا کہ بدعت کی صحیح تعریف ایسی کر دو جس سے محفل میلاد تو حرام رہے اور اخبار الہدیث نکالنا سنت ہو؟ یہ سوالات اب تک ان تمام پر قائم ہیں۔ ابھی وہ زندہ ہیں کوئی صاحب ان سے جوابات دلوادیں ہم مشکور ہوں گے مگر اب افسوس کہ ثناء اللہ صاحب تو بغیر جواب دیئے دنیا سے چلے گئے کاش کوئی ان کے محقق صاحب جواب دے کر ان کی روح کو خوش کریں۔

اعتراض ۱ بخاری جلد دوم کتاب الاستیذان بحث مصافحہ باب الاخذ بالیدین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کو حضور علیہ السلام نے التحیات میں **اَللّٰهُمَّ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَتُہُ اللّٰہُ وَبَرَکَاتُہُ سَکَہَا یَا قَلَمًا قَبَضَ قُلْنَا السَّلَامَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم** جب حضور علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو ہم نے التحیات میں یوں پڑھا **السَّلَامَ عَلَی النَّبِیِّ**۔ یعنی شرح بخاری میں اس حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

فَظَاهِرُ هَآئِہُمْ کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ اَلْسَّلَامَ عَلَیْکَ بِکَافِ الْخِطَابِ فِی حَیَاةِ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامَ لَمَامَاتٍ تَرٰکُوْا الْخِطَابَ وَذَکَرُوْہُ بِلَفْظِ الْغَیْبَةِ فَصَارُوْا یَقُوْلُوْنَ السَّلَامَ عَلَی النَّبِیِّ

”حدیث کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ صحابہ کرام حضور کی زندگی پاک میں اسلام علیک کاف خطاب سے کہتے تھے لیکن جبکہ حضور علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو خطاب چھوڑ دیا اور لفظ غائب سے ذکر کیا اور کہنے لگے۔“

اس حدیث اور شرح کی عبارت سے معلوم ہوا کہ التحیات میں السلام علیک کہنا زندگی پاک مصطفیٰ علیہ السلام میں تھا حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد التحیات میں بھی نداء کو چھوڑ دیا گیا تو جب صحابہ کرام نے التحیات میں سے ندا کو نکال دیا تو جو شخص نماز کے خارج میں یا رسول اللہ وغیرہ کہے تو بالکل ہی شرک ہے۔

جواب بخاری اور عینی کی یہ عبارت تو آپ کے خلاف بھی ہیں کیونکہ آج تک کسی امام مجتہد نے التحیات کے بدلنے کا حکم نہ دیا۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن مسعود کی۔ اور امام شافعی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی التحیات اختیار فرمائیں۔ مگر دونوں التحیات میں **اَلْسَّلَامَ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ** ہے غیر مقلد بھی خواہ ثنائی ہوں یا غزنوی یہی خطاب والی التحیات پر ہتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے التحیات کو بدلا اور حدیث مرفوعہ کے مقابل اجتہاد صحابی قبول نہیں۔ اور ان صحابہ کرام نے بھی اس لئے تبدیل نہ کیا کہ نداء غائب حرام ہے۔ ورنہ زندگی پاک میں دور رہنے والے صحابہ خطاب والی التحیات نہ پڑھتے۔ آخر یمن، خیبر، مکہ مکرمہ، نجد، عراق تمام جگہ نماز ہوتی تھی۔ تو اس میں وہ ہی التحیات پڑھی جاتی تھی۔ نداء غائب برابر ہوتی تھی۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو حجاز میں تشریف فرما تھے اور نداء والی التحیات ہر جگہ پڑھی جا رہی تھی نہ حضور علیہ السلام نے منع فرمایا نہ صحابہ کرام نے کچھ شبہ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے التحیات سکھاتے وقت یہ نہ فرمایا تھا کہ یہ التحیات صرف ہماری زندگی پاک میں ہے اور ہماری وفات شریف کے بعد دوسری پڑھنا۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب العقائد صفحہ ۷۷ میں ہے۔ ”لہذا صیغہ خطاب کو بدلنا ضروری نہیں اور اس میں تقلید بعض صحابہ کی ضروری نہیں۔ ورنہ خود حضور علیہ السلام فرماتے کہ بعد میرے انتقال کے خطاب نہ کرنا۔ بہر حال صیغہ خطاب رکھنا اولیٰ ہے۔ اصل تعلیم اسی طرح ہے۔ خلاصہ جواب یہ ہو کہ بعض صحابہ کا یہ فعل حجت نہیں ورنہ لازم آوے گا کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں شرک ہوتا رہا۔ اور منع نہ فرمایا گیا۔ بعد میں بھی بعض نے بدلنا نہ کھلنے۔“

بلکہ مرقات باب التَّشْهَدِ اخیر فصل میں ہے۔ **وَأَمَّا قَوْلُ ابْنِ مَسْعُودٍ كُنَّا نَقُولُ الْخُفُورَ وَآيَتُهُ أَبِي عَوَانَتَهُ وَرِوَايَتُهُ الْبُخَارِيُّ أَصَحُّ فِيهَا أَنَّ ذَلِكَ لَيْسَ مِنْ قَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ بَلْ مِنْ فَهْمِ الرَّائِي عَنْهُ وَلَفْظُهَا فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا سَلَامٌ يَعْنِي عَلَى النَّبِيِّ فَقَوْلُهُ قُلْنَا سَلَامٌ يَعْتَمِلُ أَنَّهُ أَرَادَ بِهِ اسْتَمْرَرْنَا عَلَى مَا كُنَّا عَلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ** اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نے التحیات ہرگز نہ بدلی یہ صرف راوی کی فہم ہے نہ کہ اصل واقعہ۔

(۴) بعض وہابی یہ کہتے ہیں کہ کسی نبی یا ولی کو دور سے یہ سمجھ کر پکارنا وہ ہماری آواز سنتے ہیں شرک ہے کیونکہ دور کی آواز سننا تو خدا ہی کی صفت ہے غیر خدا میں یہ طاقت ماننا شرک ہے۔ اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو یا رسول اللہ یا غوث وغیرہ کہنا جائز ہے۔ جیسے ہوا کو نداء دیا کرتے ہیں ”سن اے باد صبا“ وغیرہ کہ وہاں یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہوا سنتی ہے آج کل عام وہابی یہ ہی عذر پیش کرتے ہیں فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ میں اسی پر زور دیا ہے۔

جواب دور سے آواز سننا ہرگز خدا کی صفت نہیں۔ کیونکہ دور سے آواز تو وہ سنے جو پکارنے والے سے دور ہو۔

رب تعالیٰ تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے خود فرماتا ہے۔

نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ”ہم تو شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔“

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ”جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو فرما دو کہ قریب ہیں“

نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ (پارہ ۷۷ سورہ ۵۶ آیت ۸۵)

”ہم اس بیمار سے بمقابلہ تمہارے زیادہ قریب ہیں مگر تم دیکھتے نہیں۔“

لہذا پروردگار تو قریب ہی کی آواز سنتا ہے ہر آواز اس سے قریب ہی ہوتی ہے کہ وہ خود قریب ہے اور اگر مان لیا جاوے کہ دور کی آواز سننا اس کی صفت ہے تو قریب کی آواز سننا بھی تو اس کی صفت ہے لہذا چاہیے کہ قریب والے کو بھی سامع سمجھ کر نہ پکارو۔ ورنہ مشرک ہو جاؤ گے سب کو بہرا جانو۔ نیز جس طرح دور کی آواز سننا خدا کی صفت ہے اسی طرح دور کی چیز دیکھنا۔ دور کی خوشبو پالینا بھی تو صفت الہی ہے اور ہم علم غیب اور حاضرونناظر کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لئے دور و نزدیک یکساں ہیں۔ جب ان کی نظر دور و قریب کو یکساں دیکھ سکتی ہے تو اگر ان کے کان دور و نزدیک کی آوازیں سن لیں تو کیوں شرک ہوا؟ یہ وصف ان کو بہ عطاء الہی حاصل ہوا۔ اب ہم دکھاتے ہیں کہ دور کی آواز انبیاء و اولیاء سنتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کی خوشبو پالی اور فرمایا۔ **إِنِّي لَاجِدٌ رِيحَ يُوسُفَ** بتاؤ یہ شرک ہوا یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ پاک سے حضرت ساریہ کو آواز دی جو مقام نہاوند میں جنگ کر رہے تھے۔ اور حضرت ساریہ نے وہ آواز سن لی (دیکھو مشکوٰۃ باب الکرامات فصل ثالث) حضرت فاروق کی آنکھ نے دور سے دیکھا حضرت ساریہ کے کان نے دور سے سنا۔ تفسیر روح البیان و جلالین و مدارک وغیرہ تفاسیر میں زیر آیت **وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ** ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ

بنا کر پہاڑ پر کھڑے ہو کر تمام روحوں کو آواز دی کہ اے اللہ کے بندو چلو قیامت تک جو بھی پیدا ہونے والے ہیں۔ سب نے وہ آواز سن لی۔ جس نے لبیک کہہ دیا وہ ضرور حج کرے گا اور جو روح خاموش رہی وہ کبھی حج نہیں کر سکتی کہیں یہاں تو دور کے علاوہ پیدائش سے پہلے سب نے حضرت خلیل کی آواز سن لی یہ شرک ہوا یا نہیں؟ اسی طرح حضرت خلیل نے بارگاہ رب جلیل میں عرض کیا کہ مولیٰ مجھے دکھا دے کہ تو مردے کو کس طرح زندہ فرمائے گا تو حکم ہوا کہ چار پرندوں کو ذبح کر کے ان کے گوشت چار پہاڑوں میں رکھو **ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَا تَبْنٰك سَعِيًّا** پھر انہیں پکار دو ڈرتے ہوئے آئیں گے۔ دیکھو مردہ جانوروں کو پکارا گیا اور وہ ڈورے ہوئے آئے تو کیا اولیاء اللہ ان جانوروں سے بھی کم ہیں؟ آج ایک شخص لندن میں بیٹھ کر بذریعہ ٹیلیفون ہندوستان کے آدمی سے بات کرتا ہے اور یہ سمجھ کر اس کو پکارتا ہے کہ ہندوستان کا آدمی اس آلہ کے ذریعہ میری بات سنتا ہے یہ پکارنا شرک ہے کہ نہیں؟ تو اگر کسی مسلمان کا عقیدہ یہ ہو کہ قوت نبوت ٹیلیفون کی قوت سے زیادہ ہے اور حضرات انبیاء قوت خدا داد سے ہر ایک کی آواز سنتے ہیں۔ پھر پکارے یا رسول اللہ الغیاث تو کیوں شرک ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک سفر میں جاتے ہوئے ایک جنگل میں چیونٹی کی آواز دور سے سنی۔ وہ کہتی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمْ لَا يَعْظِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (پارہ ۹۹ سورہ ۷۷ آیت ۱۸)

”اے چیونٹیو اپنے گھروں میں چلی جاؤ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں (پارہ ۹۹ سورہ نمل)“

تفسیر روح البیان وغیرہ اسی آیت کے ماتحت ہے کہ آپ نے تین میل سے چبوتی کی یہ آواز سنی خیال کرو کہ چبوتی کی آواز اور تین میل کا فاصلہ کہئے یہ شرک ہوا کہ نہیں؟ مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے کہ دفن کے بعد میت قبر میں سے باہر والوں کے پاؤں کی آواز سنتی ہے اور زائرین کو دیکھتی اور پہنچاتی ہے اسی لئے قبرستان میں جا کر اہل قبور کو سلام کرنا چاہئے اس قدر مٹی کے نیچے ہو کر اتنی آہستہ آواز کو سننا کس قدر دور کی آواز سننا ہے۔ کہو شرک ہوا یا نہیں؟ ہم بحث علم غیب اولیاء اللہ میں مشکوٰۃ کتاب الدعوات کی حدیث نقل کر چکے ہیں کہ اللہ کا ولی خدائی طاقت سے دیکھتا، سنتا اور چھوتا ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ اپنی قوت سے عطا فرماوے۔ وہ اگر دور سے سن لے تو کیوں شرک ہے؟ مخالفین کے معتمد اور معتبر عالم مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی فتاویٰ عبدالحی کتاب العقائد صفحہ ۴۳ میں اس سوال کے جواب میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ **لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ** حضور علیہ السلام کی شان ہے اور **قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ** حضور علیہ السلام کی صفت ہے ایک حدیث نقل فرماتے ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ چاند آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرتا تھا۔ جبکہ آپ چہل روزہ تھے۔ آپ نے فرمایا کہ مادر مشفقہ نے میرا ہاتھ مضبوط باندھ دیا تھا۔ اس کی اذیت سے مجھ کو رونا آتا تھا اور چاند منع کرتا تھا۔ حضرت عباس نے عرض کیا کہ ان دنوں آپ چہل روزہ (چالیس دن) کے تھے یہ حال کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا لوح محفوظ پر قلم چلتا تھا اور میں سنتا تھا۔ حالانکہ شکم مادر میں تھا اور فرشتے عرش کے نیچے تسبیح کرتے تھے اور میں ان کی تسبیح کی آواز سنتا تھا۔ حالانکہ شکم مادر میں تھا۔ اس روایت سے تو ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام والدہ ماجدہ کے شکم میں ہی عرش و فرش کی تمام آوازیں سنتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ جب کوئی عورت اپنے نیک شوہر سے لڑے تو جنت سے حور پکار کر اسے ملامت کرتی ہے (مشکوٰۃ باب معاشرۃ النساء) معلوم ہوا کہ گھر کی کوٹھڑی کی جگہ کو حور اتنی دور سے دیکھتی اور سنتی ہے اور پھر اسے علم غیب بھی ہے اس آدمی کا انجام بخیر ہوگا۔ دور بین سے دور کی چیز دیکھتے ہیں ریڈیو ٹیلیفون سے دور کی آواز سنتے ہیں۔ تو کیا نبوت ولایت کی طاقت بجلی کی طاقت سے بھی کم ہے معراج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت میں حضرت بلال کی قدم کی آہٹ سنی حالانکہ بلال کو معراج نہ ہوئی تھی اور اپنے گھر میں تھے۔ یہاں نماز تہجد کے لئے چل پھر رہے ہوں گے وہاں آہٹ سنی جا رہی تھی اور اگر حضرت بلال بھی مجسم مثالی جنت میں پہنچے تو حاضر و ناظر کا ثبوت ہوا۔

ان سب باتوں کے متعلق مخالف یہ ہی کہے گا کہ وہ تو خدا نے سنایا تو ان حضرات نے سن لیا۔ پس ہم بھی کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو خدا دور کی آوازیں سناتا ہے تو یہ سنتے ہیں خدا تعالیٰ کی یہ صفت ذاتی ان کی عطائی۔ خدا کی یہ صفت قدیم۔ ان حضرات کی حادث۔ خدا کی یہ صفت کسی کے قبضہ میں نہیں ان کی یہ صفت خدا کے قبضہ میں خدا کا سننا بغیر کان وغیرہ عضو کے۔ ان کا سننا کان سے اتنے فرق ہوتے ہوئے شرک کیسا؟ اس نداء کے متعلق اور بہت کچھ کہا جاسکتا ہے مگر اسی قدر پر ہی کفایت ہے۔

میں سنیا دیکھ کے اُس نوں پتھر بھی کلمہ پڑھ دے نے

بڑے علماں تے عقلاں والے او تھے پل نہ اڑ دے نے

بحث اولیاء اللہ و انبیاء سے مدد مانگنا

اولیاء اللہ اور انبیاء کرام سے مدد مانگنا جائز ہے جبکہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی امداد تو رب تعالیٰ ہی کی ہے یہ حضرات اس کے مظہر ہیں اور مسلمان کا یہ ہی عقیدہ ہوتا ہے کوئی جاہل بھی کسی دلی کو خدا نہیں سمجھتا۔ اس بحث میں دو باب ہیں۔

پہلا باب

غیر اللہ سے مدد مانگنے کے ثبوت میں

غیر اللہ سے مدد مانگنے کا ثبوت قرآنی آیات احادیث صحیحہ اور اقوال فقہاء و محدثین اور خود مخالفین کے اقوال سے ہے ہم ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔
قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت ۲۳)
”اور اللہ کے سوا اپنے سارے حمایتیوں کو بلا لو۔“

اس میں کفار کو دعوت دی گئی ہے کہ قرآن کی مثل ایک سورہ بنا کر لے آؤ اور اپنی امداد کے لئے اپنے حمایتیوں کو بلا لو۔ غیر اللہ سے مدد لینے کی اجازت دی گئی۔

قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۵۲)
”کہا مسیح نے کون ہے جو مدد کرے میری طرف اللہ کی کہا حواریوں نے ہم مدد کریں گے اللہ کے دین کی۔“

اس میں فرمایا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ میرا مددگار کون ہے۔ حضرت مسیح نے غیر اللہ سے مدد طلب کی۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (پارہ ۶ سورہ ۵ آیت ۲)
”مدد کرو ایک دوسرے کی اوپر نیک کاموں کے اور تقویٰ کے اور نہ مدد کرو ایک دوسرے کی اوپر گناہ اور زیادتی کے۔“
اس آیت میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔

إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ (پارہ ۲۶ سورہ ۴۷ آیت ۷)
”اگر مدد کرو گے تم اللہ کے دین کی مدد کریگا وہ تمہاری“

اس میں خود رب تعالیٰ نے جو کہ غنی ہے اپنے بندوں سے مدد طلب فرمائی۔ رب تعالیٰ نے یثاق کے دن ارواح انبیاء سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں عہد لیا۔

لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۸۱)
”کہ تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔“
معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کی مدد یثاق کے دن سے حکم ہے۔

اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت ۱۵۳)
”مدد طلب کرو ساتھ صبر اور نماز کے۔“
اس میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ نماز اور صبر سے مدد حاصل کرو اور نماز و صبر بھی تو غیر اللہ ہیں۔

وَأَعِينُونِي بِقُرَّةِ (پارہ ۱۰ سورہ ۱۰ آیت ۶۲)
”مدد کرو میری ساتھ قوت کے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ذوالقرنین نے دیوار اپنی بناتے وقت لوگوں سے مدد طلب فرمائی۔
رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَيُّدِكَ بَنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ (پارہ ۱۰ سورہ ۱۰ آیت ۶۲)
”اے نبی رب نے آپ کو اپنی مدد اور مسلمانوں کے ذریعہ قوت بخشی۔“

فَرَمَاتَا۔ يَأَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنْ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (پارہ ۱۰ سورہ ۱۰ آیت ۶۴)
”اے نبی آپ کو اللہ اور آپ کے مطیع مسلمان کافی ہیں۔“
فرماتا ہے۔

فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ (پارہ ۲۸ سورہ ۲۶ آیت ۴)

”یعنی رسول کے مددگار اللہ اور جبریل اور متقی مسلمان ہیں بعد میں فرشتے ان کے مددگار ہیں۔“

فرماتا ہے۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ
(پارہ ۶ سورہ ۵ آیت ۵۵)

”یعنی اے مسلمانوں تمہارا مددگار اللہ اور رسول اور وہ مسلمان ہیں جو زکوٰۃ دیتے ہیں نماز پڑھتے ہیں۔“

فرماتا ہے وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ دوسری جگہ فرماتا ہے نَحْنُ أَوْلِيَاءُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَفِي الْآخِرَةِ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ بھی مددگار ہے اور مسلمان بھی آپس میں ایک دوسرے کے مگر رب تعالیٰ بالذات مددگار اور یہ بالعرض۔
موسیٰ علیہ السلام کو جب تبلیغ کے لئے فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تو عرض کیا۔

وَأَجْعَلْ لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِ هَرُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي (پارہ ۶ سورہ ۲۰ آیت ۲۹۔۳۰)

”خدا یا میرے بھائی کو نبی بنا کر میرا وزیر کر دے میری پشت کو ان کی مدد سے مضبوط کر دے۔“

رب تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا کہ تم نے میرے سوا سہارا کیوں لیا میں کیا کافی نہیں ہوں۔ بلکہ ان کی درخواست منظور فرمائی۔ معلوم ہوا کہ بندوں کا سہارا لینا
سنت انبیاء ہے۔

مشکوٰۃ باب الحج وفصلہ میں ابن کعب اسلمی سے بروایت مسلم ہے کہ حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا۔

سَلْ فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ فَقُلْتُ هُوَ ذَلِكَ قَالَ فَأَعِنِّي عَلَى
نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ

”کچھ مانگ لو میں نے کہا کہ میں آپ سے جنت میں آپ کی ہمراہی ہی مانگتا ہوں۔ فرمایا کچھ اور مانگتا ہے میں نے کہا صرف یہ ہی فرمایا کہ اپنے
نفس پر زیادہ نوافل سے میری مدد کرو۔“

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ربیعہ نے حضور سے جنت مانگی۔ تو یہ نہ فرمایا کہ تم نے خدا کے سوا مجھ سے جنت مانگی تم مشرک ہو گئے بلکہ فرمایا وہ تو منظور
ہے کچھ اور بھی مانگو۔ یہ غیر خدا سے مدد مانگنا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی فرماتے ہیں اَغْنِنِي اے ربیعہ تم بھی اس کام میں
میری اتنی مدد کرو زیادہ نوافل پڑھا کرو یہ بھی غیر اللہ سے مدد طلب ہے۔ اسی حدیث پاک کے ماتحت اشعۃ الملمعات میں ہے۔ ”وازدلاق سوال کہ
فرمود سل و تخصیص نہ کرو بمطلوبے خاص معلوم ہے کہ ہر بدست ہمت و کرامت اوست ہر چہ خواہد باذن پروردگار خود بدہد۔“

فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَ ضَرَّتْهَا ”اگر خیریت دنیا و عقبی آرزو داری“

وَمِنْ عُلُومِكَ عِلْمُ اللُّوحِ وَالْقَلَمِ ”بدر گاہش بیا و ہر چہ می خواہی تمنا کن!“

سوال کو مطلق فرمانے سے کہ فرمایا کچھ مانگ لو۔ کسی خاص چیز سے مقید نہ فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سارا معاملہ حضور ہی کے ہاتھ کریمانہ میں ہے۔ جو
چاہیں جس کو چاہیں اپنے رب کے حکم سے دیدیں۔ کیونکہ دنیا و آخرت آپ ہی کی سخاوت سے ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے اگر
دنیا و آخرت کی خیر چاہتے ہو تو ان کے آستانے پر آؤ اور جو چاہو مانگ لو۔

خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت رہے اور تین سو سال تک رہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کعبہ پاک ہوا رب تعالیٰ نے بتا دیا کہ جب میرا گھر کعبہ
میرے محبوب کے مدد کے پاک نہیں ہو سکتا۔ تو تمہارا دل ان کی نظر کرم کے بغیر پاک نہیں ہو سکتا۔

نور الانوار کے خطبہ میں خلق کی بحث میں ہے۔ هُوَ الْجُودُ اِبَالْكُونَيْنِ وَالتَّوَجُّهُ اِلَى خَالِقِهَا یعنی دونوں جہان اوروں کو بخش دینا اور خود
خالق کی طرف متوجہ ہو جانا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلق ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں دوسروں کو وہ ہی بخشے گا جو خود ان کا مالک ہوگا۔ ملکیت ثابت ہوئی۔
شیخ عبدالحق کی ان عبارات نے فیصلہ کر دیا کہ دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مانگو، مال مانگو، جنت مانگو، جہنم سے پناہ مانگو، بلکہ اللہ کو مانگو۔
ایک صوفی شاعر خوب فرماتے ہیں۔

محمد از توے خواہم خدا را خدایا از تو عشق مصطفیٰ را

یا رسول اللہ میں آپ سے اللہ کو مانگتا ہوں

اور اے اللہ میں تجھ سے رسول اللہ کو مانگتا ہوں

حضرت قبلہ عالم محدث علی پوری دام ظلہم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا

اس کا ترجمہ ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کی بارگاہ میں آجاتے پھر خدا سے اپنی مغفرت مانگتے اور یہ رسول بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے تو یہ لوگ آپ کے پاس اللہ کو پالیتے۔ مگر کس شان میں **تَوَّابًا رَحِيمًا** تو یہ قبول فرمانے والا مہربان یعنی آپ کے پاس آنے سے ان کو خدا مل جاتا۔

اللہ کو بھی پایا مولیٰ تیری گلی میں

اشعۃ اللمعات کی طرح مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے تحت فرمایا ہے **فِعْطَى لِمَنْ شَاءَ مَا شَاءَ** کہ حضور علیہ السلام جس کو چاہیں دے دیں تفسیر کبیر جلد سوم پارہ ۷ سورہ انعام زیر آیت **وَلَوْ أَسْرَكُوا الْحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ** ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّبِيَّاءُ وَهُمْ الَّذِينَ أَعْطَاهُمُ اللَّهُ تَعَالَى مِنَ الْعُلُومِ وَالْمَعَارِفِ مَا لَا جَلَّ لَهُ يَقْدِرُونَ عَلَى التَّصَرُّفِ فِي بَوَاطِنِ الْخَلْقِ وَأَرْوَاحِهِمْ وَايضًا أَعْطَاهُمْ مِنَ الْقُدْرَةِ وَالْمَكْنَةِ مَا لَا جَلَّ لَهُ يَقْدِرُونَ عَلَى التَّصَرُّفِ فِي ظَوَاهِرِ الْخَلْقِ ”تیسرے ان میں انبیاء ہیں یہ وہ حضرات ہیں جن کو رب نے علوم اور معارف اس قدر دیئے ہیں۔ جن سے وہ مخلوق کی اندرونی حالت اور ان کی ارواح پر تصرف کر سکتے ہیں اور ان کو اس قدر قدرت و قوت دی ہے جس سے مخلوق کے ظاہر پر تصرف کر سکتے ہیں۔“

اسی تفسیر کبیر پارہ **الْمَ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ** اس کی تفسیر میں ہے کہ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی جگہ میں پھنس جائے تو کہے۔

أَعِينُونِي عِبَادَ اللَّهِ يَرْحَمُكُمْ اللَّهُ ”اے اللہ کے بند و میری مدد کرو رب تم پر رحم فرمائے۔“

تفسیر روح البیان سورہ مائدہ پارہ ۶ زیر آیت **وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا** ہے کہ شیخ صلاح الدین فرماتے ہیں۔ مجھ کو رب نے قدرت دی ہے کہ میں آسمان کو زمین پر گرداؤں اگر میں چاہوں تو تمام دنیا والوں کو ہلاک کر دوں اللہ کی قدرت سے لیکن ہم اصلاح کی دعا کرتے ہیں۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

اولیاء راہست قدرت ازالہ تیر جنتہ باز گر وائد زراہ !

اولیاء کو اللہ سے یہ قدرت ملی ہے کہ چھوٹا ہوا تیر واپس کر لیں

اشعۃ اللمعات شروع باب زیارت القبور میں ہے امام غزالی گفتہ ہر کہ استمداد کردہ شود بوے در حیات استمداد کردہ مے شود بوے بعد از وفات یکے از مشائخ گفتہ دیدم چہار کس راز مشائخ کہ تصرف می کنند در قبور خود مانند تشریف ایشاں در حیات خود یا بیشتر۔ تو مے گویند کہ امداد جی قوی نزا است و من مے گویم کہ امداد میت قوی تر و اولیاء را تصرف در اکون حاصل است و آن نیست مگر ارواح ایشاں را و ارواح باقی است۔ ”امام غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جاتی ہے اس سے ان کی وفات کے بعد بھی مدد مانگی جاوے ایک بزرگ نے فرمایا کہ چار شخصوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ قبروں میں بھی وہی عمل درآمد کرتے ہیں جو زندگی میں کرتے تھے یا زیادہ، ایک جماعت کہتی ہے کہ زندہ کی مدد زیادہ قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ مردہ کی امداد زیادہ قوی اولیاء کی حکومت جہانوں میں ہے اور یہ نہیں ہے مگر انکی روحوں کو کیونکہ ارواح باقی ہیں۔

حاشیہ مشکوٰۃ باب زیارت القبور میں ہے۔

وَأَمَّا إِلَّا سِتْمَدًا ذُ بَاهِلِ الْقُبُورِ فِي غَيْرِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوِ الْإِنْبِيَاءِ فَقَدْ أَنْكَرَهُ كَثِيرٌ مِنَ الْفُقَهَاءِ وَابْتَنَتْهُ الْمَشَائِخُ الصُّوفِيَّةُ وَبَعْضُ الْفُقَهَاءِ قَالَ الْإِمَامُ الشَّافِعِيُّ قَبْرُ مُوسَى الْكَاطِمِ تَرْيَاقٌ مُجَرَّبٌ لِجَابَةِ الدُّعَاءِ وَقَالَ الْإِمَامُ الْغَزَالِيُّ مَنْ يُسْتَمَدُّ فِي حَيَاتِهِ يُسْتَمَدُّ بَعْدَ وَفَاتِهِ

”نبی علیہ السلام و دیگر انبیائے کرام کے علاوہ اور اہل قبور سے دعا مانگنے کا بہت سے فقہاء نے انکار کیا اور مشائخ صوفیہ اور بعض فقہاء نے اسکو ثابت کیا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ موسیٰ کاظم کی قبر قبولیت دعا کیلئے آزمودہ تریاق ہے اور امام محمد غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جاسکتی ہے اس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جاسکتی ہے۔“

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر انبیائے کرام سے مدد مانگنے میں تو کسی کا اختلاف نہیں۔ قبور اولیاء اللہ سے مدد مانگنے میں اختلاف ہے علمائے ظاہرین نے انکار کیا صوفیاء کرام اور فقہاء اہل کشف نے جائز فرمایا۔

حصن حصین صفحہ ۲۰۲ میں ہے۔ **وَأِنْ أَرَادَ عَوْنًا فَلْيَقُلْ يَا عَبْدَ اللَّهِ أَعِينُونِي يَا عَبْدَ اللَّهِ أَعِينُونِي يَا عَبْدَ اللَّهِ أَعِينُونِي** ”جب مدد لینا چاہے تو کہہ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔“ اس کی شرح الحرز الثمین میں ملا علی قاری اسی جگہ فرماتے ہیں۔

إِذَا انْفَلَتَ ذَاتُ أَحَدِكُمْ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ فَلْيُنَادِ يَا عَبْدَ اللَّهِ احْبِسُوا ”یعنی جب جنگل میں کسی کا جانور بھاگ جائے تو آواز دو کہ اے اللہ کے بندو اسے روک دو۔“ عباد اللہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

الْمُرَادُ بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ الْمُسْلِمُونَ مِنَ الْجِنِّ أَوْ رِجَالُ الْغَيْبِ الْمُسْمُونَ بِأَبْدَالٍ ”یعنی بندوں سے یا تو فرشتے یا مسلمان یا جن یا رجال الغیب یعنی ابدال مراد ہیں۔“

پھر فرماتے ہیں۔ **هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ يَحْتَاجُ إِلَيْهِ الْمَسَافِرُونَ وَآلَهُ مُجَرَّبٌ** ”یہ حدیث حسن ہے مسافروں کو اس حدیث کی سخت ضرورت ہے اور یہ عمل مجرب ہے۔“

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز صفحہ ۲۰ پر فرماتے ہیں۔ ”باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہ کہ اعتماد باشد اور اعوان الہی ندادند حرام است و اگر التفات محض بجانب حق است و اورا کیے از مظاہر عون الہی دانستہ و بکار خانہ اسبابی و حکمت او تعالیٰ در آں نمودہ بغیر استعانت ظاہر ہر نماید و دراز عرفان نحو اہد بود و در شرح نیز جائز و رواست در انبیاء و اولیاء ایں نوع استعانت تعبیر کردہ اند در حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است لا غیر۔“ سمجھنا چاہیے کہ کسی غیر سے مدد مانگنا بھروسہ کے طریقہ پر کہ اس کو مدد الہی نہ سمجھے حرام ہے اور اگر توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہے اس کو اللہ کی مدد کا ایک مظہر جان کر اور اللہ کی حکمت اور کارخانہ اسباب جان کر اس سے ظاہری مدد مانگی تو عرفان سے دور نہیں ہے اور شریعت میں جائز ہے اور اس کو انبیاء و اولیاء کی مدد کہتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ حق تعالیٰ کے غیر سے مدد مانگنا نہیں ہے لیکن اس کی مدد سے ہے تفسیر عزیزی سورہ بقرہ صفحہ ۳۶۰ میں شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں۔ ”افعال عادی الہی را مثل یختیدن فرزند تو سبغ رزق و شفاء مریض دامتال ذالک را مشرکان نسبت بہ ارواح خبیثہ اصنام نمایند کافر می شود۔ از تاثیر الہی یا خواص مخلوقات ادوی دانند از ادویہ و مغایر یا دعائے صلحاء بندگان او کہ ہمہ از جناب او در خواست انجام مطلب می کنند می فہمد و در ایمان ایساں خلل نمی افتد۔“ اللہ کے کام جیسے لڑکا دینا رزق بڑھانا بیمار کو اچھا کرنا اور اس کی مثل کو مشرکین خبیثہ روجوں اور بتوں کی طرف نسبت کرتے ہیں اور کافر ہو جاتے ہیں اور مسلمان ان امور کو حکم الہی یا اس کی مخلوق کی خاصیت سے جانتے ہیں جیسے کہ دوائیں یا مغایر یا اس کے نیک بندوں کی دعائیں کہ وہ بندے رب کی بارگاہ سے مانگ کر لوگوں کی حاجت روائی کرتے ہیں اور ان مومنین کے ایمان میں اس سے خلل نہیں آتا۔

بستان المحدثن میں شاہ عبدالعزیز صاحب شیخ ابوالعباس احمد زردنی کے یہ اشعار نقل کرتے ہیں۔

أَنَا لِمُرِيدِي جَامِعٌ لِشَتَاتِهِ إِذَا مَا مَطَى جُورُ الزَّمَانِ بِنَكْبَتِهِ !

وَ إِنْ كُنْتُ فِي ضِيقٍ وَ كَرْبٍ وَ حَشْتِهِ فَنَادِ بِنَارِ زُوقِ ابِ بِسُرْعَتِهِ !

میں اپنے مرید کی پراگندگیوں کو جمع کرنے والا ہوں جبکہ زمانہ کی مصیبتیں اس کو تکلیف دیں۔ اگر تو تنگی یا مصیبت یا وحشت میں ہو تو پکار کہ اے زروق! میں فوراً آؤں گا۔

تفسیر کبیر و روح البیان و خازن میں سورہ یوسف زیر آیت **فَلَبِثَ فِي السَّبْحَنِ بَضْعَ سِنِينَ هِيَ أَلَا سِتْعَانَهُ بِالنَّاسِ فِي دَفْعِ الضَّرَرِ وَالظُّلْمِ جَائِزَةٌ** اور خازن زیر آیت **فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ هِيَ أَلَا سِتْعَانَهُ بِالمَخْلُوقِ فِي دَفْعِ الضَّرَرِ جَائِزٌ** مصیبت دور کرنے کے لئے مخلوق سے مدد لینا جائز ہے۔

در مختار جلد سوم باب الملقطہ کے آخر میں کی ہوئی چیز تلاش کرنے کے لئے ایک عمل لکھا۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ إِذَا ضَاعَ لَهُ شَيْئٌ وَأَرَادَ أَنْ يُرُدَّهُ اللَّهُ عَلَيْهِ فَلْيَقِفْ عَلَى مَكَانٍ عَالٍ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَ يَقْرَأَ الْفَاتِحَةَ وَيُهْدِي ثَوَابَهَا لِلنَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ يَهْدِي ثَوَابَهَا لِسَيِّدِي أَحْمَدَ ابْنِ عَلَوَانَ يَقُولُ يَا سَيِّدِي يَا أَحْمَدُ ابْنَ عَلَوَانَ إِنْ لَمْ تَرُدَّ عَلَيَّ ضَالَّتِي وَالْأَنْزَعْتُكَ مِنْ دِيْوَانِ الْاَوَلِيَاءِ فَإِنَّ اللَّهَ يُرُدُّ ضَالَّتَهُ بِرَّكَتِهِ

”جس کسی کی کوئی چیز کم ہو جاوے اور وہ چاہے کہ خدا وہ چیز واپس ملا دے تو کسی اونچی جگہ پر قبلہ کو منہ کر کے کہڑا ہوا اور سورہ فاتحہ پڑھ کر اس ثواب نبی علیہ السلام کو ہدیہ کرے پھر سیدی احمد ابن علوان کو پھر یہ دعا پڑھے اے میرے آقا اے احمد ابن علوان اگر آپ نے میری چیز نہ دی تو میں آپ کو دفتر اولیاء سے نکال لوں گا۔ پس خدا تعالیٰ اسکی گم ہوئی چیز ان کی برکت سے ملاوے گا۔“

اس دعا میں سید احمد ابن علوان کو پکارا بھی ان سے مدد مانگی ان سے گئی ہوئی چیز بھی طلب کی اور یہ دعا کس نے بتائی حنیفوں کے فقیہ اعظم صاحب درمختار نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں۔

يَا اَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَنْزَ الْوَرَى بُدْلَى بِجُودِكَ وَ اَرْضَنِى بِرِضَاكَ

اَنَا طَامِعٌ بِالْجُودِ مِنْكَ لَمْ يَكُنْ لَا بَى حَنِيفَتَهُ فِى الْاَنَامِ سِوَاكَ ا

”اے موجودات سے اکرم اور نعمت الہی کے خزانے جو اللہ نے آپ کو دیا ہے مجھے بھی دیجئے اور اللہ نے آپ کو راضی کیا ہے مجھے بھی آپ راضی فرما دیجئے۔ میں آپ کی سخاوت کا امیدوار ہوں آپ کے سوا ابوحنیفہ کا خلقت میں کوئی نہیں۔ اس میں حضور علیہ السلام سے صریح مدد لی گئی ہے۔“

قصیدہ بردہ میں ہے۔

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِىْ مِنْ اَلْوِ ذُبِهْ سِوَاكَ عِنْدَ حُلُولِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

”اے تمام مخلوق سے بہتر میرا آپ کے سوا کوئی نہیں جس کی میں پناہ لوں مصیبت کے وقت“

اگر ہم ان علماء فقہاء کا کلام جمع کریں۔ جس میں انہوں نے حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے۔ تو اس کے لئے دفتر درکار ہیں صرف اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ نیز ہم سفر برائے زیارت قبور میں شامی کی عبارت نقل کریں گے۔ جس میں امام شافعی فرماتے ہیں جب مجھے کوئی حاجت پیش ہوتی ہے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر آتا ہوں ان کی برکت سے کام ہو جاتا ہے۔ زمزمۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر مصنفہ ملا علی قاری صفحہ ۶۱ میں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا۔

مَنْ اسْتَعَاثَ بِىْ فِىْ كُرْبَةٍ كُشِفَتْ عَنْهُ وَمَنْ نَادَانِىْ بِاسْمِىْ فِىْ شِدَّةٍ فُرِجَتْ عَنْهُ وَمَنْ تَوَسَّلَ بِىْ اِلَى اللّٰهِ فِىْ حَاجَةٍ فُضِّحَتْ

”یعنی جو کوئی رنج و غم میں مجھ سے مدد مانگے تو اس کا رنج و غم دور ہوگا اور جو سختی کے وقت میرا نام لے کر مجھے پکارے تو وہ شدت دفع ہوگی اور جو کسی حاجت میں رب کی طرف مجھے وسیلہ بنائے تو اسکی حاجت پوری ہوگی۔“

پھر اسی جگہ ہے کہ حضور غوث پاک نماز غوثیہ کی ترکیب بتاتے ہیں کہ دو رکعت نفل پڑھے۔ ہر رکعت میں ۱۱۔۱۱ بار سورہ اخلاص پڑھے۔ سلام پھیر کر ۱۱ بار صلوٰۃ و سلام پڑھے پھر بغداد کی طرف (جانب شمال) ۱۱ قدم چلے ہر قدم پر میرا نام لے کر اپنی حاجت عرض کرے اور دو شعر پڑھے۔

اَيُّدِرْ كُنْبِىْ ضَيْمٌ وَ اَنْتَ ذَخِيْرَتِىْ وَ اُظْلَمُ فِى الدُّنْيَا وَ اَنْتَ نَصِيْرَتِىْ

دَعَاؤُ عَلَى حَامِى الْحَمَى وَهُوَ مُنْجِدِىْ اِذَا ضَاعَ فِى الْبَيْدَاءِ عِقَالِ بَعِيْرِىْ

یہ کہہ کر ملا علی قاری فرماتے ہیں **وَقَدْ جُرِبَ ذَالِكَ مَرَارًا فَصَحَّ** یعنی بارہا اس نماز غوثیہ کا تجربہ کیا گیا۔ درست نکلا کہیئے کہ حضور غوث پاک مسلمانوں کو تعلیم دیتے ہیں کہ مصیبت کے وقت مجھ سے مدد مانگو اور حنیفوں کے بڑے معتبر عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اسے بغیر تردید نقل فرما کر فرماتے ہیں اس کا تجربہ کیا گیا بالکل صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں سے بعد وفات مدد مانگنا جائز اور فائدہ مند ہے۔

یہاں تک تو ہم نے قرآنی آیات اور احادیث اور اقوال فقہاء و علماء مشائخ سے ثبوت دیا اب خود منع کرنے والوں کے اقوال سے ثبوت ملاحظہ ہوں۔ مولوی محمود حسن صاحب دیوبندیوں کے شیخ الہند اپنے ترجمہ قرآن میں جس کے چار پاروں کا حاشیہ انہوں نے لکھا باقی کا مولوی شبیر احمد صاحب نے۔ اس میں **إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ** کے ماتحت فرماتے ہیں ”ہاں اگر کسی مقبول بندے کو واسطہ رحمت الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے۔ کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے“ بس فیصلہ ہی کر دیا۔ یہ ہی ہمارا دعویٰ ہے کوئی مسلمان بھی کسی نبی یا ولی کو خدا نہیں جانتا نہ خدا کا فرزند محض وسیلہ مانتا ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الخطر والا با حصہ صفحہ ۶۲ پر ایک سوال و جواب ہے۔

سوال اشعار اس مضمون کے پڑھنے۔ ”یا رسول اللہ کبریا فریاد ہے + یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے + مدد کر بہر خدا حضرت محمد مصطفیٰ + میری تم سے ہر گھڑی فریاد ہے + کیسے ہیں۔“

الجواب ایسے الفاظ پڑھنے محبت میں اور خلوت میں بایں خیال کہ حق تعالیٰ آپ کی ذات کو مطلع فرما دیوے یا محض محبت سے بلا کسی خیال کے جائز ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم صفحہ ۵ پر ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ ان اشعار کو بطور وظیفہ یا ورد پڑھنا کیسا ہے۔

يَا رَسُولَ اللَّهِ اُنْظُرْ حَالَنَا

يَا رَسُولَ اللَّهِ اِسْمَعْ قَالَنَا !

اِنْنِي فِي بَحْرٍ هَمِّ مُفْرَقٍ

خُذِيْدِي سَهْلُ لَنَا اَشْكَالَنَا

یا قصیدہ بردہ کا یہ شعر وظیفہ کرنا۔

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِي مَنْ الْوُذْبِ

سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

جواب دیا کہ ایسے کلمات کو نظم ہوں یا نثر ورد کرنا مکروہ تنزیہی ہے کفر و فسق نہیں۔

ان دونوں عبارتوں میں حضور علیہ السلام سے مدد مانگنے کو کفر و شرک نہیں بلکہ جائز، زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی کہا + قصائد قاسمی میں مولوی قاسم صاحب فرماتے ہیں۔

مدد کر اے احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم یکس کا کوئی حامی کار

اس میں حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے اور عرض کیا ہے آپ کے سوا میرا کوئی بھی حامی نہیں یعنی خدا کو بھی بھول گئے + ترجمہ صراط مستقیم اردو خاتمہ تیسرا افادہ صفحہ ۱۰۳ پر مولوی اسماعیل صاحب فرماتے ہیں۔ اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مضامین رفیعہ صاحبان عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرف کرنے کے ماذون مطلق اور مجاز ہوتے ہیں۔

حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں تم اب چاہے ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۹ میں ہے۔ اور بعض روایات میں جو آیا ہے۔ **اَعِيْنُونِي يَا عِبَادَ اللَّهِ** یعنی اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ تو وہ فی الواقع کسی میت سے استعانت نہیں بلکہ عباد اللہ جو صحرا میں موجود ہوتے ہیں ان سے طلب اعانت ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اسی کام کے واسطے وہاں مقرر کیا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگوں میں کچھ اللہ کے بندے اللہ کی طرف سے اسی لئے رہتے ہیں کہ لوگوں کی مدد کریں ان سے مدد مانگنا جائز ہے + مدعی ہمارا بھی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں سے استمداد جائز ہے۔ رہا یہ فیصلہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدد فرما سکتے ہیں یا کہ نہیں ہم اس کے متعلق بہت کچھ عرض کر چکے اور آئندہ عقلی دلائل میں بھی بیان کریں گے۔

مولوی محمود حسن (صاحب اولہ کاملہ میں صفحہ ۱۲ پر فرماتے ہیں۔ ”آپ اصل میں بعد خدا مالک عالم ہیں جمادات ہوں یا حیوانات، بنی آدم ہوں یا غیر بنی آدم۔ القصہ آپ اصل میں مالک ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عدل و مہر آپ کے ذمہ واجب الادا نہ تھا۔“ صراط مستقیم دوسری ہدایت کا پہلا افادہ صفحہ ۶۰ میں مولوی اسماعیل صاحب فرماتے ہیں۔ ”اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے شیخین پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وہ فضیلت آپ کے فرماں برداروں کا زیادہ ہونا اور مقامات ولایت بلکہ قطبیت و غوثیت اور ابدانیت اور انہی جیسے باقی خدمات آپ کے زمانہ سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی وساطت سے ہوتا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارات میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں۔

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ سلطنت امیری ولایت غوثیت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں کو ملتی ہے دیوبندیوں کے پیرومرشد حاجی امداد اللہ صاحب اپنی کتاب ضیاء القلوب میں فرماتے ہیں اس مرتبہ میں پہنچ کر بندہ خدا کا خلیفہ ہو کر لوگوں کو اس تک پہنچاتا ہے اور ظاہر میں بندہ باطن میں خدا ہو جاتا ہے اس کو برزخ کہتے ہیں اور اس میں وجوب و امکان مساوی ہیں۔ کسی کو کسی پر غلبہ نہیں اس مرتبہ پر پہنچ کر عارف عالم پر منحصر ہو جاتا ہے۔ (ضیاء القلوب مطبوعہ کتب خانہ اشرفیہ راشدہ کچنی دیوبند صفحہ ۲۹ کے مراتب کا بیان) غور کرو پیر صاحب نے بندہ کو باطن میں خدا مان لیا عالم میں منحصر۔

یکشنبہ ۹ جولائی ۱۹۶۱ء کے جنگ راولپنڈی میں خبر شائع کہ صدر پاکستان محمد ایوب خاں صاحب جب امریکہ کے دورے پر کراچی سے روانہ ہوئے تو مولانا احتشام الحق صاحب دیوبندی نے صدر کے بازو پر امام ضامن باندھا اور ۱۰ جولائی ۶۱ء دو شنبہ کے جنگ میں مولانا کا فوٹو شائع ہوا جس میں آپ صدر کے بازو پر امام ضامن باندھ رہے ہیں۔ امام ضامن کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم امام حسین کے نام کا روپیہ مسافر کے بازو پر باندھتے ہیں امام ضامن اسکے ضامن ہیں۔ ان کے سپرد کرتے ہیں۔ جب مسافر بغیر بیت واپس آوے تب اس روپیہ کی فاتحہ امام حسین کے نام کی جاوے جن کے سپرد مسافر کیا گیا تھا۔ دیکھو اس میں امام حسین کی مدد بھی لی گئی۔ ان فاتحہ بھی کی گئی ان کی نذر بھی مانی گئی۔ جناب صدر کو ان کے سپرد بھی کیا سبحان اللہ کیسا ایمان افروز کام ہے خدا کا شکر ہے کہ دیوبندی بھی اس کے قائل ہو گئے۔

امداد الفتاویٰ مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی علی صاحب جلد ۴ کتاب العقائد والکلام صفحہ ۹۹ میں ہے جو استعانت واستمداد باعتقاد علم و قدرت مستقل ہو وہ شرک ہے اور جو باعتقاد و علم قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم قدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے۔ خواہ مستمد منہ جی ہو یا میت ”بس فیصلہ ہی فرما دیا کہ مخلوق کو غیر مستقل قدرت مان کر ان سے استمداد جائز ہے۔ اگرچہ میت ہی سے مانگی جائے یہ ہی ہم کہتے ہیں۔

مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی کتاب نشر الطیب کے آخر میں شیم الحیب کے عربی کے اشعار کا ترجمہ کیا جس کا نام شیم الطیب رکھا۔ جس میں حضور علیہ السلام سے بے دریغ امداد مانگی اشعار حسب ذیل ہیں۔

شیم الطیب ترجمہ شیم الحیب مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی صفحہ ۱۳۵۔

”دنگیری کیجئے میری نبی“	يَا شَفِيعُ الْعِبَادِ خُذْ بِيَدِي
”کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی“	أَنْتَ فِي الْأَضْطِرَارِّ مُعْتَمِدِي
”جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ“	لَيْسَ لِي مَلْجَأٌ سِوَاكَ أَغِثْ
”فوج کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی!“	مُسْنِي الضُّرِّ سَيِّدِي سَنَدِي
”ابن عبد اللہ زمانہ ہے خلاف“	عَشْنِي الدَّهْرُ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ
”اے مرے مولیٰ خبر لیجئے مری“	كُنْ مُغِيثًا فَأَنْتَ لِي مَدْرِي

”نام احمد چوں ہینے شد حصین“

”پس چہ باشد ذات آں روح الامین“

”نشر الطیب فی ذکر ابن الحیب“

دوسرا باب

اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کا عقلی ثبوت

دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور یہاں کے کاروبار اس عالم کے کاروبار کا پتہ دیتے ہیں اسی لئے قرآن کریم نے حشر نشر اور رب کی الوہیت کو دنیاوی مثالوں سے ثابت فرمایا ہے۔ مثلاً فرمایا کہ خشک زمین پر بارش پڑتی ہے تو پھر سبزہ زار بن جاتی ہے۔ اسی طرح بے جان جسموں کو دوبارہ حیات دی جاوے گی نیز فرمایا کہ تم گوارا نہیں کرتے کہ تمہارے غلاموں میں کوئی اور شریک ہو تو تمہاری ملکیت میں بتوں وغیرہ کو کیوں شریک مانتے ہو، غرضکہ دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور دنیا میں تو یہ دیکھا گیا ہے کہ یہاں کے بادشاہ ہر کام خود اپنے ہاتھ سے نہیں کرتے۔ بلکہ سلطنت کے کاموں کے لئے محکمہ بنادیتے ہیں اور ہر محکمہ میں مختلف حیثیت کے لوگ رکھتے ہیں کوئی افسر اور کوئی ماتحت۔ پھر ان تمام محکموں کا مختار یا حاکم اعلیٰ وزیر اعظم کو منتخب کرتے ہیں۔ یعنی ہر کام بادشاہ کی مرضی اس کے منشاء سے ہوتا ہے۔ لیکن بلا واسطہ اس کے ہاتھ سے نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ بادشاہ مجبوری کی وجہ سے اپنا عملہ رکھتا ہے کیونکہ بادشاہ خود پانی پی سکتا ہے۔ اپنی اکثر ضروریات زندگی خود انجام دے سکتا ہے لیکن رعب کا تقاضہ ہے کہ ہر کام خدام سے لیا جاوے اور رعایا کو ہدایت ہوتی ہے کہ اپنی ضروریات کے وقت ان مقرر کردہ حکام کی طرف رجوع کرو۔ بیماری میں شفاء خانہ جا کر ڈاکٹر سے کہو۔ مقدمات میں کچہری جا کر جج سے وکلاء کے ذریعہ سے کہو وغیرہ وغیرہ ان مصائب میں رعایا کا ان حکام کی طرف جانا بادشاہ کی بغاوت نہیں ہے بلکہ یہ عین اس کی منشاء کے مطابق ہے کہ اس نے ان کو حکام اسی لئے مقرر کیا ہے۔ ہاں اگر یہ رعایا دوسرے کو اپنا بادشاہ بنا کر اس سے مدد کے طالب ہوں تو اب باغی ہے کیونکہ شاہی انتخاب والوں کو چھوڑا اور غیر کو اپنا حاکم مانا۔ جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو سمجھو کہ یہ ہی طریقہ سلطنت الہیہ کا ہے وہ قادر ہے کہ دنیا کا بڑا چھوٹا ہر کام اپنی قدرت سے خود ہی پورا فرمادے مگر ایسا نہیں کرتا بلکہ انتظام عالم کے لئے ملائکہ وغیرہ ہم کو مقرر فرمایا اور ان کے علیحدہ علیحدہ محکمے کر دیئے۔ جان نکالنے والوں کا ایک محکمہ جس کے افسر اعلیٰ حضرت عزرائیل ہیں۔ اسی طرح انسان کی حفاظت، رزق پہنچانا، بارش برسانا، ماؤں کے پیٹ میں بچے بنانا۔ ان کی تقدیر لکھنا۔ مدفون میتوں سے سوالات کرنا۔ صور پھونک کر مردوں کو زندہ کرنا۔ اور قیامت قائم کرنا۔ پھر قیامت میں جنت و دوزخ کا انتظام کرنا۔ غرضکہ دنیا و آخرت کے سارے کام ملائکہ میں تقسیم فرما دیئے۔

اسی طرح اپنے مقبول انسانوں کے سپرد بھی عالم کا انتظام کیا اور ان کو اختیارات خصوصی عطا فرمائے۔ کتب تصوف دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اولیاء اللہ کے کتنے طبقے ہیں اور کس کے ذمہ کون کون سے کام ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ رب تعالیٰ ان کا محتاج ہے۔ نہیں بلکہ آئین سلطنت کا یہ ہی تقاضا ہے پھر ان حضرات کو خصوصی اختیارات بھی دیئے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ کر سکتے ہیں یہ محض ہمارا قیاس نہیں۔ بلکہ قرآن وحدیث اس پر شاہد ہیں۔

حضرت جبریل نے حضرت مریم سے کہا۔

قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا (پارہ ۲ سورہ ۱۹ آیت ۱۹)

”اے مریم میں تمہارے رب کا قاصد ہوں۔ آیا ہوں تاکہ تم کو پاک فرزند دوں۔“

معلوم ہوا کہ حضرت جبریل بیٹا دیتے ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں۔

أَخْلَقْتُ لَكُمْ مِنَ الطَّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَانْفُخْ فِيهِ فَيُكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۴۹)

”میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل بنا کر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔“

معلوم ہوا کہ حضرت مسیح باذن الہی بے جان کو جان بخشتے ہیں۔

قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ (پارہ ۲۱ سورہ ۳۲ آیت ۱۱)

”فرمادو کہ تم کو ملک الموت وفات دینگے جو تم پر مقرر کئے گئے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ حضرت عزرائیل جاندار کو بے جان کرتے ہیں۔ اور بھی اس قسم کی بہت سی آیات ملیں گی جس میں خدائی کاموں کو بندوں کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔

رب تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں فرماتا ہے۔

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۱۶۴)

”ہمارے محبوب انکو پاک فرماتے ہیں اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتے ہیں۔“

أَغْنَاهُمْ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ ”انکو اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔“

معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر گندگی سے پاک بھی فرماتے ہیں اور فقیروں کو غنی بھی کرتے ہیں۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (پارہ ۱۱ سورہ ۹ آیت ۱۰۳)

”آپ ان کے مالوں سے صدقے وصول فرمادیئے اور اس سے ان کو پاک فرمادیجئے۔“

معلوم ہوا کہ وہ ہی عمل خدا کے یہاں قبول ہے جو بارگاہ رسالت میں منظور ہو جائے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ

(پارہ ۱۰ سورہ ۹ آیت ۵۹)

”اور کیا اچھا ہوتا۔ اگر وہ اس پر راضی ہوتی جو اللہ رسول نے انکو دیا اور کہتے نہ اللہ ہم کو کافی ہے اب ہم کو اللہ اپنے فضل سے اور رسول دیں گے۔“

معلوم ہوا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام دیتے ہیں۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کہے کہ ہم کو رسول اللہ عزت دیتے ہیں مال و اولاد دیتے ہیں تو صحیح ہے کیونکہ آیات نے یہ بتایا لیکن مقصد وہ ہی ہوگا کہ یہ حضرات حکومت الہیہ کے حکام ہیں رب تعالیٰ نے ان کو دیا یہ ہم کو دیتے ہیں۔ اسی طرح مصیبت کے وقت اولیاء اللہ یا انبیائے کرام سے مدد مانگنا بھی اسی طرح ہوا۔ جس طرح کہ بیماری اور مقدمہ میں بادشاہ کی رعایا ڈاکٹر یا حاکم سے مدد مانگتی ہے۔ قرآن نے فرمایا۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا

رَحِيمًا (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۶۴)

”اگر یہ گنہگار اپنی جانوں پر ظلم کر کے اے محبوب تمہارے پاس آجاتے اور پھر اللہ سے مغفرت مانگتے اور اے محبوب آپ بھی ان کیلئے دعائے مغفرت فرماتے تو یہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔“

عالمگیری کتاب الحج باب آداب زیارۃ قبر النبی میں فرماتے ہیں کہ اب بھی جب زائر روضہ پاک پر حاضر ہو تو یہ آیت پڑھے۔ یہ تو دنیا میں تھا۔ قبر میں تین سوال نکیرین کرتے ہیں۔ اول تو مَنْ رَبُّكَ تیرا رب کون ہے؟ بندہ کہتا ہے کہ اللہ۔ پھر پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا؟ بندہ کہتا ہے کہ اسلام۔ ان سوالوں میں اسلام کی ساری باتیں آگئیں۔ مگر ابھی پاس نہیں ہوا۔ بلکہ آخری سوال ہوتا ہے کہ سبز گنبد والے آقا کو تو کیا کہتا ہے؟ جب یہ صراحۃً کہلوا لیا کہ ہاں میں ان کو پہچانتا ہوں۔ یہ میرے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تب سوالات ختم ہوتے ہیں تو قبر میں ان کے نام کی امداد سے نجات ہوئی۔ قیامت میں لوگ تنگ آکر شفیع کو ہی ڈھونڈیں گے جب حضور علیہ السلام کے دروازے تک پہنچ جائیں گے تب حساب و کتاب شروع ہوگا۔ وہ بھی حضور کی شفاعت سے معلوم ہوا کہ رب کو یہ منظور ہے کہ سارا عالم حضور علیہ السلام کا ہی محتاج رہے یہاں بھی قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ اسی لئے فرمایا **وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ** تم رب کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ یعنی ہر جگہ وسیلہ مصطفیٰ علیہ السلام کی ضرورت ہے۔

اگر یہاں وسیلہ سے مراد نیک اعمال ہی کا وسیلہ مراد ہو تو ہم جیسے گنہگار بد عمل اور مسلمانوں کے لئے دیوانے اور وہ جو ایمان لاتے ہی مر جاویں وہ سب بے وسیلہ ہی رہ جاویں۔ نیز نیک اعمال بھی تو حضور ہی کے طفیل سے حاصل ہوں گے۔ پھر بھی بالواسطہ حضور ہی کا وسیلہ ضروری ہوا۔ نبی کے وسیلہ کے کفار بھی قائل تھے۔ **وَكَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا** کعبہ معظمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے بتوں سے پاک ہوا اور حضور ہی کے وسیلہ سے قبلہ بنا **فَلَنُؤَيِّنَنَّكَ قَبْلَتَهُ تَرْضَاهَا** بلکہ حضور ہی کے وسیلہ سے قرآن قرآن کہلایا۔ اور قرآن کی آیات حضور کے مکی مدنی ہونے سے مکی مدنی ہیں ورنہ وہ تو عرشی ہیں۔

شیطان بلا واسطہ انبیاء رب تک پہنچنا چاہتا ہے تو شہاب سے مار دیا جاتا ہے اگر مدینہ کے راستہ سے جاتا تو ہرگز نہ مارا جاتا۔ یہ ہی نتیجہ ان کا بھی ہوگا جو کہتے ہیں خدا کو مان خدا کے سوا کسی کو نہ مان۔

ہماری اس تقریر سے اتنا معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاء سے مدد مانگنا یا ان کو حاجت روا جاننا نہ شرک ہے اور نہ خدا کی بغاوت بلکہ عین قانون اسلامی اور منشاء الہی کے بالکل مطابق ہے جناب معراج میں نماز اولاً پچاس وقت کی فرض فرمائی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر کم کرتے کرتے پانچ رکھیں آخر کیوں؟ اسی لئے مخلوق جانے کہ نماز پچاس کی پانچ رہیں۔ اس میں موسیٰ علیہ السلام کی مدد شامل ہے۔ یعنی اللہ کے مقبول بعد وفات بھی مدد فرماتے ہیں۔ رہا مشرکین کا اپنے بتوں سے مدد مانگنا یہ بالکل شرک ہے دو درجہ سے۔ اولاً تو اس لئے کہ وہ ان بتوں میں خدائی اثر اور ان کو جھوٹا خدامان کر مدد مانگتے ہیں۔ اس لئے ان کو الہ یا شرکاء کہتے ہیں یعنی ان بتوں کو اللہ کا بندہ اور پھر الوہیت کا حصہ دار مانتے ہیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو عیسیٰ اللہ کا بندہ ہونے کے ساتھ ابن اللہ یا ثالث خلطہ یا عین اللہ مانتے ہیں مومن ان اولیاء و انبیاء کو محض بندہ ہی مان کر ان کو اس طرح کا حاجت روا

مانتے ہیں۔ جیسے اہل دیوبند مالداروں کو مدرسہ کا معاون و مددگار یا طبیب و حاکم کو مختار حکومت تسلیم کرتے ہیں۔ دوسرے اس لئے کہ بتوں کو رب تعالیٰ نے یہ اختیارات نہ دیئے وہ اپنی طرف سے ان کو اپنا مختار مان کر ان سے مدد وغیرہ طلب کرتے ہیں لہذا وہ مجرم بھی ہیں اور اللہ کے باغی بندے بھی۔ جس کی بہترین مثال ابھی ہم دے چکے ہیں اس فرق کو شاہ عبدالعزیز صاحب نے ملحوظ رکھ کر فیصلہ فرمایا ہے بلاشبہ ایک بت پرست پتھر کی طرف سجدہ کرتا ہے مشرک ہے کہ اس کا فعل اپنی ایجاد سے ہے اور مسلمان کعبہ کی طرف سجدہ کرتا ہے وہاں بھی پتھر ہی کہ عمارت ہے مگر مشرک نہیں کیونکہ اس کا سجدہ حقیقت میں خدا کو ہے نہ کہ کعبہ کو اور حکم الہی سے ہے مشرک کا سجدہ خلاف حکم الہی پتھر کو ہے یہ فرق ضروری ہے۔ گنگا کی پانی کی تعظیم کرنا کفر ہے مگر آب زمزم کی تعظیم ایمان۔ مندر کے پتھر کی تعظیم شرک ہے مگر مقام ابراہیم کی تعظیم ایمان حالانکہ وہ بھی پتھر ہی ہے۔

دوسرا باب

استمداد اولیاء اللہ پر اعتراضات کے بیان میں

اس مسئلہ پر مخالفین کے چند مشہور اعتراضات ہیں وہ ہی ہر جگہ بیان کرتے ہیں۔

اعتراض ۱۔ مشکوٰۃ باب الالء والخذیر میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ”میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔“

جب آپ سے فاطمہ زہرا کی مدد نہ ہو سکی تو دوسروں کی کیا ہوگی؟

جواب یہ اول تبلیغ کا واقعہ ہے مقصد یہ ہے کہ اے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا تو میں خدا کے مقابل ہو کر تم سے عذاب دور نہیں کر سکتا۔ دیکھو پس نوح یہاں اسی لئے من اللہ فرمایا۔ مسلمانوں کی حضور ہر جگہ امداد فرمائیں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

الْأَخْلَاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقُونَ پر ہیزگاروں کے سوا سارے دوست قیامت میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے **حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام** گناہ کبیرہ والوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے گرتوں کو سنبھالیں گے۔ شامی باب غسل میت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قیامت میں سارے رشتے ٹوٹ جائیں گے سوا میرے نسب اور رشتہ کے۔ واقعی دیوبندیوں کی حضور مدد نہ فرمائیں گے۔ ہم چونکہ بھمدہ تعالیٰ مسلمان ہیں ہماری مدد ضرور فرمائیں گے۔

اعتراض ۲۔ **إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ** (پارہ ۱ سورہ ۱ آیت ۴)

”ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ عبادت کی طرح مدد مانگنا بھی خدا سے ہی خاص ہے جب غیر خدا کی عبادت شرک۔ تو غیر خدا کی استمداد بھی شرک۔

جواب اس جگہ مدد سے مراد حقیقی مدد ہے یعنی حقیقی کارساز سمجھ کر تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ رہا اللہ کے بندوں سے مدد مانگنا وہ محض واسطہ فیض الہی سمجھ کر ہے جیسے کہ قرآن میں ہے۔ **إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ** نہیں ہے حکم مگر اللہ کا۔ یا فرمایا گیا **لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ** اللہ ہی کی ہیں تمام آسمان و زمین کی چیزیں۔ پھر ہم حکام کو حکم بھی مانتے ہیں اور اپنی چیزوں پر دعویٰ ملکیت بھی کرتے ہیں۔ یعنی آیت سے مراد ہے حقیقی حکم اور حقیقی ملکیت، مگر بندوں کے لئے بہ عطاء الہی۔

نیز یہ بتاؤ کہ عبادت اور مدد مانگنے میں تعلق کیا ہے؟ کہ اس آیت میں ان دونوں کو جمع کیا گیا۔ تعلق یہ ہی ہے کہ حقیقی معاون سمجھ کر مدد مانگنا یہ بھی عبادت ہی کی ایک شاخ ہے۔ بت پرست بتوں کی پرستش کرتے وقت مدد کے الفاظ بھی کہا کرتے ہیں کہ ”کالی مائی تیری دہائی“ وغیرہ اس لئے ان دونوں کو جمع کیا گیا۔ اگر آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر خدا سے کسی قسم کی مدد مانگنا بھی شرک ہے تو دنیا میں کوئی مسلمان نہیں رہ سکتا۔ نہ تو صحابہ کرام اور نہ قرآن کے ماننے والے اور نہ خود مخالفین۔ ہم اس کا ثبوت اچھی طرح پہلے دے چکے ہیں۔ اب بھی مدرسہ کے چندہ کے لئے مالداروں سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ انسان اپنی پیدائش سے لے کر دفن قبر بلکہ قیامت تک بندوں کی مدد کا محتاج ہے۔ دائی کی مدد سے پیدا ہوئے ماں باپ کی مدد سے پرورش پائی۔ استاد کی مدد سے علم سیکھا۔ مالداروں کی مدد سے زندگی گزاری اہل قرابت کی تلقین کی مدد سے دنیا سے ایمان سلامت لے گئے۔ پھر غسل اور درزی کی مدد سے غسل ملا اور کفن پہنا۔ گورکن کی مدد سے قبر کھدی۔ مسلمانوں کی مدد سے خاک دفن ہوئے پھر اہل قرابت کی مدد سے بعد میں ایصال ثواب ہوا۔ پھر ہم کس منہ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم کسی سے مدد نہیں مانگتے اس آیت میں کوئی قید نہیں ہے کہ کس سے مدد اور کس وقت۔

اعتراض ۳۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ** معلوم ہوا کہ رب کے سوا نہ کوئی ولی ہے نہ مددگار۔

جواب یہاں ولی اللہ کی نفی نہیں۔ بلکہ ولی من دون اللہ کی نفی ہے۔ جنہیں کفار نے اپنا ناصرو مددگار مان رکھا تھا یعنی بت و شیاطین، ولی اللہ وہ جسے رب نے اپنے بندوں کا ناصر بنایا۔ جیسے انبیاء و اولیاء۔ وائسرائے لندن سے حکومت کرنے کے لئے منتخب ہو کر آتا ہے۔ اگر کوئی شخص کس کو خود

ساختم حاكم مان لے وہ مجرم ہے۔ سلطانی حكام مانو، خود ساختم حاكموں سے بچو۔ ایسے ہی ربانی حكام سے مدد کو گھریلو تا صرین سے بچو۔
مویٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ۔

اِذْهَبْ اِلَىٰ فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی (پارہ ۶ سورہ ۲۰ آیت ۲۳) ”فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا۔“

آپ نے عرض کیا۔ **وَاجْعَلْ لِّی وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِی هٰرُونَ اَخِی اَشَدُّ دُبِّہٖ اَزِّی (پارہ ۶ سورہ ۲۰ آیت ۲۹، ۳۰، ۳۱)**
”مویٰ حضرت ہارون کو میرا وزیر بنادے جس سے میرے بازو کو قوت ہو۔“

رب تعالیٰ نے بھی نہ فرمایا کہ تم نے میرے سوا کسی اور سہارا کیوں لیا؟ بلکہ منظور فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اللہ والوں کا سہارا لینا طریقہ انبیاء ہے۔

اعتراض ۴۔ درمختار باب المرتدین کرامات اولیاء میں ہے کہ قول **شَیْنًا لِلّٰہِ قِیلَ یَکْفُرُہُ** معلوم ہوا کہ **یَا عَبْدَ الْقَادِر**
جیلانی شَیْنًا لِلّٰہِ کہنا کفر ہے۔

جواب یہاں **شَیْنًا لِلّٰہِ** کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی حاجت روائی کے لئے کچھ دو۔ رب تعالیٰ تمہارا محتاج ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ یتیم کے لئے کچھ دو۔ یہ معنی واقعی کفر ہیں۔ اس کی شرح میں شامی نے فرمایا۔ **اَمَّا اِنْ قَصَدَ الْمَعْنٰی الصَّحِیْحَ فَالظَّاهِرُ اَنَّہٗ لَا بَاسَ بِہٖ** یعنی اگر اس سے صحیح معنی کی نیت کی کہ اللہ کے لئے مجھے کچھ دو یہ جائز ہے اور ہمارے نزدیک **شَیْنًا لِلّٰہِ** کا یہ ہی مطلب ہے۔

اعتراض ۵۔

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے !

جواب

وہ چندہ ہے جو نہیں ملتا خدا سے جسے تم مانگتے ہو اغنیاء سے
تو سل کر نہیں سکتے خدا سے اسے ہم مانگتے ہیں اولیاء سے

اعتراض ۶۔ خدا کے بندے ہو کر غیر کے پاس کیوں جائیں؟ ہم اس کے بندے ہیں چاہیے کہ اسی سے حاجتیں مانگیں (تقویۃ الایمان)۔

جواب ہم خدا کے بندہ خدا کے حکم سے خدا کے بندوں کے پاس جاتے ہیں۔ قرآن بھیج رہا ہے۔ کہ اسی سے گذشتہ تقریر۔ اور خدا نے ان بندوں کو اسی لئے دنیا میں بھیجا ہے۔

حاکم حکیم دارو دوا دیں یہ کچھ نہ دیں مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے !

اعتراض ۷۔ قرآن کریم نے کفار کا کفر یہ بیان کیا ہے کہ وہ بتوں سے مدد مانگتے ہیں۔ وہ بتوں سے مدد مانگ کر مشرک ہوئے اور تم اولیاء سے۔

جواب اور تم بھی مشرک ہوئے اغنیاء پولیس اور حاکم سے مدد مانگ کر، یہ فرق ہم اپنی عقلی تقریر میں بیان کر چکے ہیں۔
رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ عَلَنَ اللّٰهُ فَلَکَ تَجَدُّ لَہٗ نَصِیْرًا (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۵۲)

”جس پر خدا کی لعنت ہوتی ہے۔ اس کا مددگار کوئی نہیں ہوتا مومن پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہے اس کے لئے رب تعالیٰ نے بہت مددگار بنائے۔“

اعتراض ۸۔ شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ حضرت خلیل نے آگ میں پہنچ کر حضرت جبریل کے پوچھنے پر بھی ان سے مدد نہ مانگی۔ بلکہ فرمایا اے جبریل تم سے کوئی حاجت نہیں اگر غیر خدا سے حاجت مانگنا جائز ہوتا تو ایسی شدت میں خلیل اللہ جبریل سے کیوں مدد نہ طلب کرتے۔

جواب یہ وقت امتحان تھا، اندیشہ تھا کہ حرف شکایت منہ سے نکالنا رب کو ناپسند ہوگا۔ اسی لئے خلیل اللہ نے اس وقت خدا سے بھی دعائے بلکہ فرمایا کہ اے جبریل تم سے کچھ حاجت نہیں اور جس سے ہے وہ خود جانتا ہے جیسے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی۔ مگر اس مصیبت کے دفع ہونے کی کسی نے بھی دعائے نہ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ حضرت مرتضیٰ نے نہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے۔

اعتراض ۹۔ زندوں سے مدد مانگنا جائز ہے مگر مردوں سے نہیں۔ کیونکہ زندہ میں مدد کی طاقت ہے مردہ میں نہیں۔ لہذا یہ شرک ہے۔

جواب قرآن میں ہے **وَإِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ** ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ اس میں زندہ اور مردے کا فرق کہاں۔ کیا زندہ کی عبادت جائز ہے مردے کی نہیں؟ جس طرح غیر خدا کی عبادت مطلقاً شرک ہے زندہ کی ہو یا مردے کی استمداد بھی مطلقاً شرک ہونی چاہیے۔

مویٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے ڈھائی ہزار برس بعد امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مدد فرمائی کہ شب معراج میں پچاس نمازوں کی بجائے

پانچ کراویں۔ رب تعالیٰ جانتا تھا کہ نمازیں پانچ رہیں گی مگر بزرگان دین کی مدد کے لئے پچاس مقرر فرما کر پھر دو پیاروں کی دعا سے پانچ مقرر فرمائیں۔ استمداد کے منکرین کو چاہئے کہ نمازیں پچاس پڑھا کریں۔ کیونکہ پانچ میں غیر اللہ کی مدد شامل ہے۔ نیز قرآن کریم تو فرماتا ہے کہ اولیاء اللہ زندہ ہیں ان کو مردہ نہ کہو اور نہ جانو۔

وَلَا تَقُولُوا الْمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت ۱۵۴)

”جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم احساس نہیں کرتے۔“

جب یہ زندہ ہوئے تو ان سے مدد حاصل کرنا جائز ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ شہداء کے بارے میں ہے جو کہ تلوار سے راہ خدا میں مارے جاویں گے۔ مگر یہ بلاوجہ زیادتی ہے اس لئے کہ آیت میں لوہے کی تلوار کا ذکر نہیں ہے جو حضرات عشق الہی کی تلوار سے مقتول ہوئے وہ بھی اس میں داخل ہیں (روح البیان) اسی لئے حدیث پاک میں آیا کہ جو ذوب کمر مرے، جل جاوے، طاعون میں مرے، عورت زچگی کی حالت میں مرے۔ طالب علم مسافر وغیرہ سب شہید ہیں۔ نیز اگر صرف تلوار سے مقتول تو زندہ ہوں، باقی سب مردے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاذ اللہ مردہ ماننا لازم آوے گا۔ حالانکہ سب کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرات بحیات کامل زندہ ہیں۔ نیز زندہ اور مردے سے مدد مانگنے کی تحقیق بہ ہم ثبوت استمداد میں کرچکے ہیں کہ امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس سے زندگی میں مدد لی جاسکتی ہے بعد موت بھی اس سے مدد مانگی جاوے اور اس کی کچھ تحقیق بوسہ تبرکات اور سفر زیارت قبور میں بھی ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

تفسیر صاوی آخر سورہ قصص **وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ** کی تفسیر میں ہے۔

فَحِينَئِذٍ فَلَيْسَ فِي الْآيَةِ دَلِيلٌ عَلَىٰ مَآزَ عَمَهُ الْخَوَارِجُ مِنْ أَنَّ الطَّلَبَ مِنَ الْغَيْرِ حَيًّا وَمَيِّتًا شِرْكٌ فَإِنَّهُ جَهْلٌ مُّرْكَبٌ لِأَنَّ سُؤَالَ الْغَيْرِ مِنْ إِجْرَاءِ اللَّهِ النَّفْعَ أَوْ النَّصْرَ عَلَىٰ يَدِهِ قَدْ يَكُونُ وَاجِبًا لِأَنَّهُ مِنَ التَّمَسُّكِ بِالْأَسْبَابِ وَلَا يُنْكِرُ الْأَسْبَابَ إِلَّا الْجُحُودُ أَوْ جَهْلُهَا

”یعنی یہاں لادع کے معنی ہیں نہ پوجو لہذا اس آیت میں ان خارجیوں کی دلیل نہیں جو کہتے ہیں کہ غیر خدا سے خواہ زندہ ہو یا مردہ کچھ مانگنا شرک ہے۔ خارجیوں کی یہ بکواس جہالت ہے کیونکہ غیر خدا سے مانگنا اس طرح کہ رب ان کے ذریعہ سے نفع نقصان دے کبھی واجب ہوتا ہے یہ طلب اسباب کا حاصل کرنا ہے اور اسباب کا انکار نہ کرے گا مگر منکر یا جاہل۔“

اس عبارت سے تین باتیں معلوم ہوں گی (۱) غیر خدا سے مانگنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب بھی ہوتا ہے (۲) اس طلب کا انکار خارجی کرتے ہیں (۳) لادع میں پوجنے کی نفی ہے نہ کہ پکارنے کی یا مدد مانگنے کی۔

اعتراض ۱۰ بزرگان دین کو دیکھا گیا ہے کہ بڑھاپے میں چل پھر نہیں سکتے اور بعد وفات بالکل بے دست و پا ہیں پھر ایسے کمزوروں سے مدد لینا بتوں سے مدد کی طرح لغو ہے۔ اس کی برائی رب تعالیٰ نے بیان کی کہ **وَأَنْ يَسْلَبَهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَفِيدُوا مِنْهُ** اولیا اپنی قبروں سے کبھی بھی دفع نہیں کر سکتے۔ ہماری کیا مدد کریں گے۔

جواب یہ تمام کمزوریاں اس جسم خاکی پر اس لئے طاری ہوتی ہیں کہ اس کا تعلق روح ہے کمزور ہو گیا روح میں کوئی کمزوری نہیں، بلکہ بعد موت اور زیادہ قوی ہو جاتی ہے کہ قبر کے اندر سے باہر والوں کو دیکھتی اور قدموں کی آواز سنتی ہے۔ خصوصاً ارواح انبیاء رب تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَلِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ** پر پچھلی گھڑی گذشتہ گھڑی سے آپ کے لئے بہتر ہے اور استمداد اولیٰ کی روح سے ہے۔ یہ نہ جسم عنصری سے کفار جن سے مدد مانگتے ہیں وہ روحانی طاقت سے خالی ہیں نیز وہ پتھروں کو اپنا مددگار جانتے ہیں جن میں روح بالکل نہیں۔

تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ آیت **يُجْعِلُونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا** کی تفسیر میں ہے کہ حضرت خالد و عمر نے زہر پیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ حضور علیہ السلام نے خیبر میں زہر کھایا۔ مگر بوقت وفات اثر ظاہر ہوا کہ انہوں نے مقام حقیقت میں رہ کر زہر پیا تھا۔ اور زہر کا اثر حقیقت پر نہیں ہوتا۔ بوقت بشریت کا ظہور تھا کہ موت بشریت پر طاری ہوتی ہے۔ لہذا اب اثر ظاہر ہوا۔ ان حضرات کو قبر کی کبھی تو کیا عالم کو پلٹ دینے کی طاقت ہے۔ مگر اس جانب توجہ نہیں۔ خانہ کعبہ میں تین سو برس بت رہے رب نے دور نہ کیے تو کیا خدا کمزور ہے اپنے گھر سے نجاست دور نہ کر سکا؟ رب سمجھ دے۔

اعتراض ۱۱ حضرت علی اور امام حسین میں اگر کچھ طاقت ہوتی۔ تو خود دشمنوں سے کیوں شہید ہوتے جب وہ اپنی مصیبت دفع نہ

کر سکے۔ تو تمہاری مصیبت کیا دفع کریں گے؟ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَأَنْ يَسْلَبَهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَفِيدُوا مِنْهُ**

جواب ان دفع مصیبت کی طاقت تو تھی۔ مگر طاقت کا استعمال نہ کیا۔ کیونکہ رب تعالیٰ کی مرضی ایسی ہی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا فرعون کو بھی

کھا سکتا تھا۔ مگر وہاں استعمال نہ کیا امام حسین رضی اللہ عنہ میں طاقت تھی کہ کربلا میں حوض کوثر منگا لیتے فرات کی کیا حقیقت تھی مگر راضی برضاء الہی تھے۔ دیکھو رمضان میں ہمارے پاس پانی ہوتا ہے۔ مگر حکم الہی کی وجہ سے استعمال نہیں کرتے بخلاف بتوں کے کہ ان میں طاقت ہی نہیں۔ لہذا یہ آیت انبیاء و اولیاء کے لئے پڑھنا بے دینی ہے۔ یہ بتوں کے لئے ہے۔ حضرت حسین کے ماما نے بار بار اپنی انگلیوں سے پانی کے چشمے بہا دیئے یہ پانی جنت سے آتا تھا۔

بحث بدعت کے معنی اور اس کے اقسام و احکام

اس میں دو باب ہیں۔ پہلا باب بدعت کے معنی اور اس کے اقسام وہ احکام ہیں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں۔

پہلا باب

بدعت کے معنی اور اس کے اقسام و احکام میں

بدعت کے لغوی معنی ہیں نئی چیز۔

قرآن کریم فرماتا ہے۔ **قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ** (پارہ ۲۶ سورہ ۳۶ آیت ۹) ”فرمادو کہ میں نیا رسول نہیں ہوں۔“

نیز فرماتا ہے۔ **بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** ”آسمانوں اور زمینوں کا ایجاد کرنے والا ہے۔“

نیز فرماتا ہے۔ **وَرَهْبَانِيَّتَهُ ابْتَدَعُوا اِهَامَا كَتَبْنَا هَا عَلَيْهِم**

ان آیات میں بدعت لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی ایجاد کرنا، نیا بنانا، وغیرہ۔

مرقاۃ مشکوٰۃ باب الاعصام بالکتاب والسنتہ میں ہے

قَالَ النُّوْدِيُّ اَلْبِدْعَةُ كُلُّ شَيْءٍ عُبِلَ عَلَى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ ”بدعت وہ کام ہے جو بغیر گذری مثال کے کیا جاوے۔“

اب بدعت تین معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ نیا کام جو حضور انور کے بعد ایجاد ہوا۔ خلاف سنت کام جو دفع سنت ہو۔ برے عقائد جو بعد میں پیدا ہوئے پہلے معنی سے بدعت دو قسم کی ہے۔ حسنہ، سیدہ دوسرے دو معنی سے ہر بدعت سیدہ ہی ہے جن بزرگوں نے فرمایا کہ ہر بدعت سیدہ ہوتی ہے وہاں دوسرے معنی مراد ہیں وہ جو حدیث میں ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے وہاں تیسرے معنی مراد ہیں لہذا احادیث و اقوال علماء آپس میں متعارض نہیں۔

بدعت کے شرعی معنی ہیں وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات ظاہری میں نہ ہوں بعد میں ایجاد ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بدعت شرعی دو طرح کی ہوئی۔ بدعت اعتقادی اور بدعت عملی۔ بدعت اعتقادی ان برے عقائد کو کہتے ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اسلام میں ایجاد ہوئے، عیسائی، یہودی، مجوسی اور مشرکین کے عقائد بدعت اعتقادی نہیں۔ کیونکہ یہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں موجود تھے۔ نیز ان عقائد کو عیسائی وغیرہ بھی اسلامی عقائد نہیں کہتے اور جبریہ، قدریہ، مرجیہ، چکڑالوی، غیر مقلد، دیوبندی عقائد بدعت اعتقادیہ ہیں۔ کیونکہ یہ سب بعد کو بنے۔ اور یہ لوگ ان کو اسلامی عقائد سمجھتے ہیں۔ مثلاً دیوبندی کہتے ہیں کہ خدا جھوٹ پر قادر ہے۔ حضور علیہ السلام غیب سے جاہل یا حضور ﷺ کا خیال نماز میں بیل گدھے کے خیال سے بدتر ہے۔ یہ ناپاک عقیدے بارہویں صدی کی پیداوار ہیں۔ جیسا کہ ہم شامی سے اس کا ثبوت مقدمہ کتاب میں دے چکے ہیں۔ بدعت حسنہ کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَافِقَةً وَّرَحْمَةً وَّرُهْبَانِيَّتَهُ ابْتَدَعُوا مَا كَتَبْنَا هَا عَلَيْهِمُ الْاَبْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ

پھر فرماتا ہے۔ **فَاتَيْنَا الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْهُمْ اٰجْرَهُمْ** اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں نے بدعت حسنہ یعنی تارک الدنیا ہو جانا ایجاد کیا

رب نے اس کی تعریف کی بلکہ اس پر اجر بھی دیا۔ ہاں جو اسے نبھانہ سکے ان پر عتاب آیا۔ فرمایا گیا۔ **فَمَارَعَوْهَا حَقَّ رَعَايَتِهَا** دیکھو ایجاد

بدعت پر عتاب نہیں ہوا بلکہ نہ نبھانے پر۔ معلوم ہوا کہ بدعت حسنہ اچھی چیز ہے اور باعث ثواب۔ مگر اس پر پابندی نہ کرنا بُرا خیرُ الامور

اَوْ دَمُهَا لہذا چاہئے کہ مسلمان محفل میلاد شریف وغیرہ پر پابندی کریں۔ مشکوٰۃ باب الاعصام کی پہلی حدیث ہے کہ **مَنْ اَحَدَثَ فِي**

اَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ جو شخص ہمارے اس دین میں وہ عقیدے ایجاد کرے جو دین کے خلاف ہوں وہ مردود ہے۔ ہم نے تاکہ

معنی عقیدے اس لئے کئے ہیں کہ دین عقائد کا ہی نام ہے اعمال فروع میں بے نمازی گنہگار ہے بے دین یا کافر نہیں۔ بداعتقاد یا تو گمراہ ہے یا کافر۔

اس کے تحت مرقات میں ہے۔

وَالْمَعْنٰی اَنَّ مَنْ اَحَدَثَ فِي الْاِسْلَامِ رَاٰیًا فَهُوَ مَرْدُوْدٌ عَلَيْهِ اَقْوَلُ فِي وَصْفِ هَذَا الْاَمْرِ اِشَارَةً اِلٰی اَنَّ

اَمْرَ الْاِسْلَامِ كَمَلٌ ”معنی یہ ہیں کہ جو اسلام میں ایسا عقیدہ لگا لے کہ دین سے نہیں ہے وہ اس پر رد ہے میں کہتا ہوں کہ ہذا الامر کے وصف

میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسلام کا معاملہ مکمل ہو چکا۔“

ثابت ہوا کہ بدعت عقیدے کو فرمایا گیا۔ اسی مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے تو فرمایا **بَلَّغْنِي أَنَّهُ قَدْ أَحَدَتْ فَإِنْ كَانَ أَحَدَتْ فَلَا تَقْرَنَهُ مِنِّي السَّلَامُ** مجھے خبر ملی کہ وہ بدعتی ہو گیا ہے اگر ایسا ہو تو اس کو میرا سلام نہ کہنا۔ بدعتی کیسے ہوا؟ فرماتے ہیں۔

يَقُولُ يَكُونُ فِي أُمَّتِي خَسَفٌ وَمَسْخٌ أَوْ قَذْفٌ فِي أَهْلِ الْقَدْرِ

”حضور علیہ السلام فرماتے تھے کہ میری امت میں زمین میں دھنسا صورت بدلنا یا پتھر برسنا ہوگا قدر یہ لوگوں میں۔“
معلوم ہوا کہ وہ قدر یہ یعنی تقدیر کا منکر ہو گیا تھا۔ اس کو منکر فرمایا۔
در مختار کتاب الصلوٰۃ باب الامت میں ہے۔

وَمُبْتَدِعُ أَيِّ صَاحِبِ بِدْعَةٍ وَهِيَ اعْتِقَادُ خِلَافِ الْمَعْرُوفِ عَنِ الرَّسُولِ

”بدعتی امام کے پیچھے نماز مکروہ ہے بدعت اس عقیدے کے خلاف اعتقاد رکھنا ہے جو حضور علیہ السلام معروف ہیں۔“

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بدعت نئے اور برے عقائد کو بھی کہتے ہیں اور بدعت اور بدعتی پر جو سخت وعیدیں احادیث میں آئی ہیں ان سے مراد بدعت اعتقاد یہ ہے حدیث میں ہے کہ جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد دی۔ یعنی بدعت اعتقاد یہ والے کی۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۰ میں ہے ”جس بدعت میں ایسی شدید عید ہے وہ بدعت فی العقائد ہے۔ جیسا کہ روافض خوارج کی بدعت ہے۔ بدعت عملی ہر وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک کے بعد ایجاد ہوا خواہ وہ دنیاوی ہو یا دینی خواہ صحابہ کرام کے زمانہ میں ہو یا اس کے بھی بعد۔ مرقات باب الاعتصام میں ہے۔“

وَفِي الشَّرْعِ أَحَادِيثُ مَا لَمْ يَكُنْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

”بدعت شریعت میں اس کام کا ایجاد کرنا ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ ہو۔“

اشعۃ اللمعات میں یہی باب ”بدانکہ ہر چیز پیدا شدہ بعد از پیغمبر علیہ السلام بدعت است“ جو کام حضور علیہ السلام کے بعد پیدا ہو وہ بدعت ہے۔ ان دونوں عبارتوں میں نہ تو دینی کام کی قید ہے نہ زمانہ صحابہ کا لحاظ جو کام بھی ہو دینی ہو یا دنیاوی حضور علیہ السلام کے بعد جب بھی ہو خواہ زمانہ صحابہ میں یا اس کے بعد وہ بدعت ہے ہاں عرف عام میں ایجادات صحابہ کرام کو سنت صحابہ کہتے ہیں بدعت نہیں بولتے یہ عرف ہے ورنہ خود فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت مقرر فرما کر **نِعْمَتُهُ الْبِدْعَةُ هَذِهِ** یہ تو بہت ہی اچھی بدعت ہے۔

بدعت عملی دو قسم کی ہے۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ بدعت حسنہ وہ نیا کام جو کسی سنت کے خلاف نہ ہو جیسے محفل میلاد اور دینی مدارس اور نئے نئے عمدہ کھانے اور پریس میں قرآن و دینی کتب کا چھپوانا اور بدعت سیئہ وہ جو کہ کسی سنت کے خلاف ہو یا سنت کو مٹانے والی ہو۔ جیسے کہ غیر عربی میں خطبہ جمعہ وعیدین پڑھنا یا کہ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھنا پڑھانا کہ اس میں خطبہ یعنی عربی میں نہ ہونا اور تبلیغ تکبیر کی سنت اٹھ جاتی ہے۔ یعنی بذریعہ مکمرین کے آواز پہنچانا بدعت حسنہ جائز بلکہ بعض وقت مستحب اور واجب بھی ہے اور بدعت سیئہ مکروہ تنزیہی یا مکروہ تحریمی یا حرام ہے۔ اس تقسیم کو ہم آئندہ بیان کریں گے۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی دلیل سنو۔ اشعۃ اللمعات جلد اول باب الاعتصام زیر حدیث **وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ** ہے ”وآخیز موافق اصول وقواعد اوست و قیاس کردہ شدہ است آں را بدعت حسنہ گویند و آنچه مخالف آں باشد باعث ضلالت گویند۔ جو بدعت کہ اصول اور قوانین اور سنت کے موافق ہے اور اس سے قیاس کی ہوئی ہے۔ اس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور جو اس کے خلاف ہے اس کو بدعت گمراہی کہتے ہیں۔“
مشکوٰۃ باب العلم میں ہے۔

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَجُورِهِمْ شَيْئٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَلَيْهِ وَزُرُّهَا وَزُرُّ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئٌ
جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے اس کو اس کا ثواب ملے گا۔ اور اس کا بھی جو، اس پر عمل کریں گیا اور ان کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا اور جو شخص اسلام میں برا طریقہ جاری کرے اس پر اس کا گناہ بھی ہے اور ان کا بھی جو اس پر عمل کریں اور ان کے گناہ میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی معلوم ہوا کہ اسلام میں کار خیر ایجاد کرنا ثواب کا باعث ہے۔ اور برے کام نکالنا گناہ کا موجب۔

شامی کے مقدمہ میں فضائل امام ابو حنیفہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

قَالَ الْعُلَمَاءُ هَذِهِ أَحَادِيثُ مِنْ قَوَاعِدِ الْإِسْلَامِ وَهُوَ أَنَّ كُلَّ مَنْ ابْتَدَعَ شَيْئًا مِنَ الشَّرِّ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ وَزْرِ مَنْ اقْتَدَى بِهِ فِي ذَلِكَ وَكُلُّ مَنْ ابْتَدَعَ شَيْئًا مِنَ الْخَيْرِ كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ كُلِّ مَنْ يُعْمَلُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ

علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں اسلام کے قانون ہیں کہ جو شخص کوئی بدعت ایجاد کرے اس پر اس کام میں ساری پیروی کرنیوالوں کا گناہ ہے اور جو شخص اچھی بدعت نکالے اسکو قیامت تک کے سارے پیروی کرنے والوں کا ثواب ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ بدعت ثواب ہے اور بری بدعت گناہ۔ بُری بدعت وہ ہے جو سنت کے خلاف ہو۔ اسکی بھی دلیل ملاحظہ ہو۔
مشکوٰۃ باب الاعصام میں ہے۔

”مَنْ أَحَدَّثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ“ جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی رائے نکالے جو کہ دین سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“
دین سے نہیں ہے کے معنی یہ ہیں کہ دین کے خلاف ہے۔ چنانچہ اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے۔ ”و مراد چیزے است کہ مخالف و غیر آن باشد“ اس سے مراد وہ چیز ہے جو کہ دین کے خلاف یا دین کو بدلنے والی ہو۔
اسی مشکوٰۃ باب الاعصام تیسری فصل میں ہے۔

”مَا أَحَدَّثَ قَوْمٌ بِدْعَةٍ إِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسَّكَ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ إِحْدَاثِ بِدْعَةٍ“
”کوئی قوم بدعت ایجاد نہیں کرتی مگر اتنی سنت اٹھ جاتی ہے۔ لہذا سنت کو لینا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔“

اس کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے ”وچوں احداث بدعت رافع سنت است ہمیں قیاس اقامت سنت قاطع بدعت خواہ بود۔“ اور جب بدعت نکالنا سنت کو مٹانے والا ہے تو سنت کو قائم کرنا بدعت کو مٹانے والے ہوگا۔
اس حدیث اور اسکی شرح سے یہ معلوم ہوا کہ بدعت سیدہ یعنی بری بدعت وہ ہے کہ جس سے سنت مٹ جاوے۔ اسکی مثالیں ہم پہلے دے چکے ہیں۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیدہ کی پہچان خوب یاد رکھنا چاہئے کہ اسی جگہ دھوکا ہوتا ہے۔

بدعت کی قسمیں اور ان کے اقسام

یہ تو معلوم ہو چکا کہ بدعت دو طرح کی ہے۔ بدعت حسنہ، اور بدعت سیدہ۔ اب یاد رکھنا چاہئے کہ بدعت حسنہ تین طرح کی ہوتی ہے۔ بدعت جائز، بدعت مستحب، بدعت واجب۔ اور بدعت سیدہ دو طرح کی ہوتی ہے۔ بدعت مکروہ اور بدعت حرام۔ اس تقسیم کی دلیل ملاحظہ ہو۔
مرقات باب الاعصام بالکتاب والسنة میں ہے۔

”الْبِدْعَةُ أَمَّا وَاجِبَةٌ كَتَعْلَمِ النَّحْوِ وَتَدْوِينِ أَصُولِ الْفِقْهِ وَ أَمَّا مُحَرَّمَةٌ كَمَذْهَبِ الْجَبْرِیَّةِ وَأَمَّا مَنْدُوبَةٌ كَأَحْدَاثِ الرُّوَاطِطِ وَالْمَدَارِسِ وَكُلِّ إِحْسَانٍ لَمْ يُعْهَدْ فِي الصُّدْرِ الْأَوَّلِ كَالْتِرَاطِیحِ أَى بِالْجَمَاعَةِ الْعَامَّةِ وَأَمَّا مَكْرُوهَةٌ كَذُخْرَفَةِ الْمَسْجِدِ وَأَمَّا مُبَاحَةٌ كَالْمُصَافَحَةِ عَقِيبَ الصُّبْحِ وَالتَّوَسُّعِ بِلَذِیذِ الْمَأْكَلِ وَالْمَشَارِبِ“

”بدعت یا تو واجب ہے جیسے علم نحو کا سیکھنا اور اصول فقہ کا جمع کرنا اور یا حرام ہے جیسے جبریہ مذہب اور یا مستحب ہے۔ جیسے مسافر خانوں اور مدرسوں کا ایجاد کرنا اور ہر وہ اچھی بات جو پہلے زمانہ میں نہ تھی اور جیسے عام جماعت سے تراویح پڑھنا اور یا مکروہ ہے جیسے مسجدوں کو فخریہ زیارت دینا اور یا جائز ہے جیسے فجر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور عمدہ عمدہ کھانوں اور شربتوں میں وسعت کرنا۔“
شامی جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب الامامت میں ہے۔

”أَى صَاحِبِ بِدْعَةٍ مُحَرَّمَةٍ وَ إَلَّا فَقَدْ تَكُونُ وَاجِبَةٌ كَنَصَبِ الْإِدْلَةِ وَتَعْلَمِ النَّحْوِ وَمَنْدُوبَةٌ كَأَحْدَاثِ نَحْوِ بَاطِلٍ وَ مَدْرَسَةٍ وَ كُلِّ إِحْسَانٍ لَمْ یَكُنْ فِی اصْدِرِ الْاَوَّلِ مَكْرُوهَةٌ كَزُخْرَفَةِ الْمَسْجِدِ وَ مُبَاحَةٌ كَالْتَّوَسُّعِ بِلَذِیذِ الْمَأْكَلِ وَ الْمَشَارِبِ وَ الثَّیَّابِ كَمَا فِی شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِیْرِ“

”یعنی حرام بدعت والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے ورنہ بدعت تو کبھی واجب ہوتی جیسے کہ دلائل قائم کرنا اور علم نحو سیکھنا اور کبھی مستحب جیسے مسافر خانہ اور مدرسے اور ہر وہ اچھی چیز جو کہ پہلے زمانہ میں نہ تھی ان کا ایجاد کرنا اور کبھی مکروہ جیسے کہ مسجدوں کی فخریہ زیارت اور کبھی مباح جیسے عمدہ کھانے شربتوں اور کپڑوں میں وسعت کرنا اسی طرح جامع صغیر کی شرح میں ہے۔“

ان عبارات سے بدعت کی پانچ قسمیں بخوبی واضح ہوئیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ ہر بدعت حرام نہیں بلکہ بعض بدعتیں کبھی ضروری بھی ہوتی ہیں جیسے کہ علم فقہ و اصول فقہ قرآن کریم کا جمع کرنا یا قرآن کریم میں اعراب لگانا یا آج کل قرآن کریم کا چھاپنا اور دینی مدرسوں کے درس وغیرہ بنانا۔

بدعت کی قسموں کی پہچانیں اور علامتیں

بدعت حسنة اور سیرہ کی پہچان تو بتادی گئی کہ جو بدعت اسلام کے خلاف ہو یا کسی سنت کو مٹانے والی ہو۔ وہ بدعت سیرہ۔ اور جو ایسی نہ ہو۔ وہ بدعت حسنة ہے۔ اب ان پانچ قسموں کی علامتیں معلوم کرو۔

بدعت جائز ہر وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو۔ اور بغیر کسی نیت خیر کے کیا جاوے۔ جیسے چند کھانے کھانا وغیرہ۔ اس کا حوالہ مرقاۃ اور شامی میں گذر گیا۔ ان کاموں پر نہ ثواب نہ عذاب۔

بدعت مستحبہ وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو۔ اور اس کو عام مسلمان کا ثواب جانتے ہوں یا کوئی شخص اس کو نیت خیر سے کرے جیسے محفل میلاد شریف اور فاتحہ بزرگان کہ عام مسلمان اس کو کار ثواب جانتے ہیں۔ اس کو کرنے والا ثواب پاویگا۔ اور نہ کرنے والا گنہگار نہیں ہوگا۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

مرقات باب الاصلام میں ہے۔

وَرَوَى عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ مَرَأَهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ وَفِي حَدِيثٍ مَرْفُوعٍ وَلَا تَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ

”حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور حدیث مرفوع میں ہے کہ میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔“

مشکوٰۃ کے شروع میں ہے۔

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوَىٰ ”اعمال کا مدار نیت سے ہے اور انسان کے لئے وہی ہے جو نیت کرے۔“

کلمہ ہر مسلمان چھ کلمہ یاد کرتا ہے۔ یہ چھ کلمے ان کی تعداد ان کی ترکیب کہ یہ پہلا کلمہ ہے۔ یہ دوسرا اور ان کے یہ نام ہیں۔ سب بدعت ہیں۔ جن کا قرونِ ثلاثہ میں پتہ بھی نہیں تھا۔

قرآن شریف کے تمیں پارہ بنانا۔ ان میں رکوع قائم کرنا۔ اس پر اعراب لگان اس کی سنہری رو پہلی جلدی تیار کرنا۔ قرآن کو بلاک وغیرہ بنا کر چھاپنا سب بدعت ہیں۔ جن کا قرونِ ثلاثہ میں ذکر بھی نہ تھا۔

حدیث حدیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا۔ حدیث کی اسناد بیان کرنا۔ اسناد پر جرح کرنا اور حدیث کی قسمیں بنانا کہ یہ صحیح ہے، یہ حسن، یہ ضعیف، یہ معطل، یہ مدلس ان قسموں میں ترتیب دینا کہ اول نمبر صحیح ہے۔ دوم نمبر حسن، سوم نمبر ضعیف۔ پھر ان کے احکام مقرر کرنا کہ حرام و حلال چیزیں حدیث صحیح سے ثابت ہوں گی۔ اور فضائل میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہوگی۔ غرض کہ سارا فن حدیث ایسی بدعت ہے۔ جس کا قرونِ ثلاثہ میں ذکر بھی نہ تھا۔

اصول حدیث یہ فن بالکل بدعت ہے بلکہ اس کا تو نام بھی بدعت ہے۔ اس کے سارے قاعدے قانون بدعت۔

فقہ اس پر آج کل دین کا دار و مدار ہے۔ مگر یہ بھی از اول تا آخر بدعت ہے۔ جس کا قرونِ ثلاثہ میں ذکر نہیں۔

اصول فقہ و علم کلام یہ علم بھی بالکل بدعت ہے۔ ان کے قواعد ضوابط سب بدعت۔

نماز نماز میں زبان سے نیت کرنا۔ بدعت، جس کا ثبوت قرونِ ثلاثہ میں نہیں۔ رمضان میں بیس تراویح پر بھی گئی کرنا بدعت ہے۔

خود امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ **نِعِمَّتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ** یہ بڑی اچھی بدعت ہے۔

روزہ روزہ افطار کرتے وقت زبان سے دعا کرنا۔ **اَللّٰهُمَّ لَكَ صُومْتُ** الخ اور سحری کے وقت دعا مانگنا کہ **اَللّٰهُمَّ بِالصَّوْمِ لَكَ غَدَانُوبُثْ** بدعت ہے۔

زکوٰۃ زکوٰۃ میں موجودہ سکہ رائج الوقت ادا کرنا بدعت ہے۔ قرونِ ثلاثہ میں یہ تصویر والے سکے نہ تھے نہ ان سے زکوٰۃ جیسی عبادت ادا ہوتی تھی۔ موجودہ سکے سے غلوں سے فطرانہ نکالنا یہ سب بدعت ہیں۔

در مختار جلد اول بحث مستحبات وضو میں ہے۔

وَمُسْتَحَبُّهُ وَهُوَ مَا فَعَلَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَرَّةً وَتَرَكَهُ أُخْرَىٰ وَمَا أَحَبَّهُ السَّلَفُ

”مستحب وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام نے کبھی کیا ہوا اور کبھی چھوڑا ہوا اور وہ کام جسے گذشتہ مسلمان اچھا جانتے ہوں۔“

شامی جلد پنجم بحث قربانی میں ہے۔

فَإِنَّ النَّيَّاتِ تَجْعَلُ الْعَادَاتِ عِبَادَاتٍ ”کیونکہ نیت خیر عادات کو عبادت بنا دیتی ہے۔“

اسی طرح مراقبہ بحث نیت میں بھی ہے۔

ان احادیث و فقہی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام نیت ثواب سے کیا جاوے یا مسلمان اس کو ثواب کا کام جانیں۔ وہ عند اللہ بھی کار ثواب ہے۔ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں جس کے اچھے ہونے کی گواہی دیں وہ اچھا ہے اور جس کو برا کہیں وہ برا۔ گواہی کی نفیس بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو اور اس کتاب میں بھی عرس بزرگان کی بحث میں کچھ اس کا ذکر آویگا۔ **ان شاء اللہ**

بدعت واجبہ وہ نیا کام جو شرعاً منع نہ ہو اور اس کے چھوڑنے سے دین میں حرج واقع ہو۔ جیسے کہ قرآن کے اعراب اور دینی مدارس اور علم نحو وغیرہ پڑھنا اس کے حوالے گزر چکے۔

بدعت مکروہہ وہ نیا کام جس سے کوئی سنت چھوٹ جاوے۔ اگر سنت غیر موکدہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہہ تنزیہی ہے۔ اور اگر سنت موکدہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہہ تحریمی۔ اسکی مثالیں اور حوالے گزر گئے۔

بدعت حرام وہ نیا کام جس کوئی واجب چھوٹ جاوے۔ یعنی واجب کو مٹا نیوالی ہو۔

در مختار باب الاذان میں ہے کہ اذان کے بعد سلام کرنا ۸۱ھ میں ایجاد ہوا۔ لیکن وہ بدعت حسنہ ہے اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ اذان جوق کے بارے میں فرماتے ہیں۔

فَفِيهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ غَيْرُ مَكْرُوهٍ لِأَنَّ الْمُتَوَارِثَ لَا يَكُونُ مَكْرُوهًا وَكَذَلِكَ تَقُولُ فِي الْأَذَانِ بَيْنَ يَدَيِ الْخَطِيبِ فَيَكُونُ بِدْعَتِهِ حَسَنَتَهُ إِذَا مَرَّاهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ

اس سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام مسلمانوں میں مروج ہو جائے باعث ثواب ہے۔

آؤ ہم آپ کو دکھائیں کہ اسلام کی کوئی عبادت بدعت حسنہ سے خالی نہیں۔ فہرست ملاحظہ ہو۔

ایمان مسلمان کے بچہ بچہ کو ایمان مجمل اور ایمان مفصل یاد کرایا جاتا ہے۔ ایمان کی یہ دو قسمیں اور ان کے یہ دونوں نام بدعت ہیں قرون ثلاثہ میں اس کا پتہ نہیں۔

حج ریل گاڑیوں، لاریوں، موٹروں، ہوائی جہازوں کے ذریعہ حج کرنا۔ موٹروں میں عرفات شریف جانا بدعت ہے اس زمانہ پاک میں نہ سواریاں تھیں نہ ان کے ذریعہ حج ہوتا تھا۔

طریقت طریقت کے قریباً سارے مشاغل اور تصوف کے قریباً سارے مسائل بدعت ہیں مراقبہ، چلے، پاس انفاس، تصور شیخ، ذکر کے اقسام سب بدعت ہیں۔ جن کا قرون ثلاثہ میں کہیں پتہ نہیں چلتا۔

چار سلسلے شریعت و طریقت دونوں کے چار چار سلسلے یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اسی طرح قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ سب سلسلے بالکل بدعت ہیں۔ ان میں سے بعض کے تو نام تک بھی عربی نہیں۔ جیسے چشتی، یا نقشبندی، کوئی صحابی، تابعی، حنفی، قادری نہ ہوئے۔

اب دیوبندی بتائیں کہ بدعت سے بجز وہ دینی حیثیت سے زندہ بھی رہ سکتے ہیں؟ جب ایمان اور کلمہ میں بدعات داخل ہیں۔ تو بدعت سے چھٹکارا کیسا؟

دنیلوی چیزیں آج کل دنیا میں وہ وہ چیزیں ایجاد ہو گئی ہیں۔ جن کا خیر القرون میں نام و نشان بھی نہ تھا اور جن کے بغیر اب دنیاوی زندگی مشکل ہے۔ ہر شخص ان کے استعمال پر مجبور ہے۔ ریل، موٹر، ہوائی جہاز، سمندری جہاز، تانگلہ، گھوڑا گاڑی، پھر خط، لفافہ، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، لاؤڈ سپیکر وغیرہ یہ تمام چیزیں اور ان کا استعمال بدعت ہے۔ اور انہیں ہر جماعت کے لوگ بلا تکلیف استعمال کرتے ہیں۔

بولو، دیوبندی، وہابی، بغیر بدعات حسنہ کے دنیاوی زندگی گزار سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

لطیفہ ایک مولوی صاحب کسی شخص کا نکاح پڑھانے گئے۔ دولہا کے پھولوں کے سہرا بندھا ہوا تھا۔ جاتے ہی بولے یہ سہرا بدعت ہے شرک ہے حرام ہے نہ حضور نے باندھا نہ صحابہ کرام نے نہ تابعین نے نہ تبع تابعین نے بتاؤ کنسی کتاب میں لکھا ہے کہ سہرا باندھو لوگوں نے سہرا کھول دیا

جب نکاح پڑھا چکے تو دولہا کے باپ نے دس روپیہ کا نوٹ دیا۔ مولوی صاحب نوٹ جیب میں ڈال رہے تھے کہ دولہا نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ مولوی صاحب نکاح پڑھا کر روپیہ لینا بدعت ہے۔ حرام ہے۔ شرک ہے۔ نہ حضور نے لئے نہ صحابہ نے نہ تابعین نے نہ تبع تابعین نے۔ بتاؤ کہاں لکھا ہے

کہ نکاح کی فیس مولوی صاحب بولے یہ تو خوشی کے پیسے ہیں۔ دولہا نے کہا کہ سہرا بھی خوشی کا تھا۔ غم کا نہ تھا۔ مولوی صاحب شرم سے ڈوب گئے۔ یہ ہے ان بزرگوں کی بدعت۔

دوسرا باب

اس تعریف اور تقسیم پر اعتراضات و جوابات میں

ہم نے بدعت عملی کی یہ تعریف کی ہے کہ جو کام دینی یا دنیاوی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے بعد ایجاد ہو وہ بدعت ہے خواہ زمانہ صحابہ کرام میں ہو یا اس کے بعد اس پر دو مشہور اعتراض ہیں۔

اعتراض ۱

بدعت صرف اس دینی کام کو کہیں گے جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ایجاد ہو۔ دنیاوی نئے کام بدعت نہیں۔ لہذا محفل میلاد وغیرہ تو بدعت ہیں اور تاریلینون، ریل گاڑی کی سواری بدعت نہیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ **مَنْ أَحَدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ** جو شخص ہمارے دین میں کوئی بات نکالے وہ مردود ہے امرنا سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی ایجادات بدعت نہیں اور دینی بدعت کوئی بھی حسنہ نہیں سب حرام ہیں۔ کیونکہ حدیث میں ان سب کو کہا گیا کہ وہ مردود ہے۔

جواب دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے احادیث صحیحہ اور اقوال علماء اور محدثین کے خلاف ہے۔ حدیث میں ہے **كُلُّ مُحَدَّثٍ**

بِدْعَةٍ (مکتوٰۃ باب الاعصام) ہر نیا کام بدعت ہے اس میں دینی یا دنیاوی کی قید نہیں۔ نیز ہم اشعۃ اللمعات اور مرقاۃ کی عبارتیں نقل کر چکے ہیں کہ انہوں نے عمدہ کھانے، اچھے کپڑے، بدعت جائزہ میں داخل کئے ہیں۔ یہ کام دنیاوی ہیں۔ مگر بدعت میں ان کو شمار کیا لہذا یہ قید لگانا غلط ہے۔ اگر مان بھی لیا جاوے کہ بدعت میں دینی کام کی قید ہے تو دینی کام اسی کو تو کہتے ہیں۔ جس پر ثواب ملے۔ مستحبات، نوافل، واجبات، فرائض سب دینی کام ہیں کہ اس کو آدمی ثواب کے لئے کرتا ہے اور دنیا کا کوئی بھی کام نیت خیر سے کیا جاوے اس پر ثواب ملتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملنا صدقہ کا ثواب رکھتا ہے۔ اپنے بچوں کو پالنا نیت خیر سے ہو تو ثواب ہے۔ **حَتَّى اللَّقْمَةِ تَرْفَعُهَا نِي فِي**

أَمْرَاءِ تَك یہاں تک کہ جو لقمہ اپنی زوجہ کے منہ میں دے وہ بھی ثواب۔ لہذا مسلمان کا ہر دنیاوی کام دینی ہے۔ اب بتاؤ کہ نیت خیر سے پلاؤ کھانا بدعت ہے یا نہیں؟ نیز دینی کام کی قید لگانا آپ کے لئے کوئی مفید نہیں۔ کیونکہ دیوبند کا مدرسہ، وہاں کا نصاب دورہ حدیث، تحفہ لے کر مدرسین کا پڑھانا، امتحان اور تعطیلات کا ہونا، آج قرآن پاک میں اعراب لگانا، قرآن و بخاری چھاپنا، مصیبت کے وقت ختم بخاری کرنا جیسا کہ دیوبند میں پندرہ روپیہ کے کرکرایا جاتا ہے۔ بلکہ سارافن حدیث بلکہ خود احادیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا بلکہ خود قرآن کو کاغذ پر جمع کرنا۔ اس میں رکوع بنانا۔ اس کے تیس سیپارے کرنا وغیرہ سب ہی دینی کام ہیں اور بدعت ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ان سے کوئی کام نہ ہوا تھا۔ بولویہ حرام ہیں یہ حلال؟ پچارے محفل میلاد شریف اور فاتحہ شریف نے ہی کیا قصور کیا ہے جو صرف وہ تو اس لئے حرام ہوں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں نہ تھا اور اوپر کئے ہوئے سب کا حلال۔

ہم نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو اپنے مناظرہ میں کہا تھا کہ آپ حضرات چار چیزوں کی صحیح تعریف کر دیں۔ جس پر کوئی اعتراض نہ ہو جامع مانع ہو۔ تو جس قدر چاہیں ہم سے انعام لیں بدعت، شرک دین، عبادت اور اب بھی اپنے رب کے بھروسہ پر کہتے ہیں دنیا کا کوئی دیوبندی کوئی غیر مقلد اور کوئی شرک و بدعت کی رٹ لگانے والا ان چار چیزوں کی تعریف ایسی نہیں کر سکتا جس سے اس مذہب بچ جاوے۔ آج بھی ہر دیوبندی اور ہر غیر مقلد کو اعلان عام ہے کہ انکی ایسی صحیح تعریف کرو جس سے محفل میلاد حرام ہو۔ اور رسالہ قاسم اور پرچہ اہل حدیث حلال اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنا شرک ہو اور پولیس وغیرہ سے استمداد عین اسلام اور کہہ دیتے ہیں کہ انشاء اللہ یہ تعریفیں نہ ہو سکی ہیں اور نہ ہو سکیں گی۔ لہذا چاہئے کہ اپنے اس بے اصولے مذہب سے توبہ کریں اور اہلسنت والجماعت میں داخل ہوں الموافق۔ وہ حدیث جو آپ نے پیش کی۔ اس کے متعلق ہم عرض کے چکے ہیں یا تو نا سے مراد عقائد ہیں کہ دین کا عام اطلاق عقائد پر ہوتا ہے اور اگر مراد اعمال بھی ہوں تو **لَيْسَ مِنْهُ** سے مراد وہ اعمال ہیں۔ جو خلاف سنت یا خلاف دین ہوں ہم اس کے حوالہ بھی پیش کر چکے ہیں۔

یہ کہنا کہ ہر بدعت حرام ہوتی ہے بدعت حسنہ کوئی چیز ہی نہیں یہ اس حدیث کے خلاف ہے جو پیش کی جا چکی کہ اسلام میں جو نیک کام ایجاد کرے وہ ثواب کا مستحق ہے اور جو برا کام ایجاد کرے وہ عذاب کا۔ نیز شامی، اشعۃ اللمعات اور مرقاۃ کی عبارات پیش کی جا چکی ہیں کہ بدعت پانچ قسم کی ہے جائز، واجب، مکروہ اور حرام۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ ہر بدعت حرام ہے تو مدارس وغیرہ کو ختم کر دینا بھی حرام ہیں۔ نیز مسائل فقہیہ اور اشغال صوفیہ جو خیر القرون کے بعد ایجاد ہوئے تمام حرام ہو جائیں گے۔ شریعت کے چار سلسلے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور طریقت کے چار سلسلے قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ تمام ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بلکہ صحابہ کرام کے بعد ایجاد ہوئے پھر ان کے مسائل اجتہاد یہ اور اعمال، وظیفے، مراقبہ، چلے وغیرہ سب بعد کی ایجاد ہیں اور سب لوگ ان کو دین کا کام سمجھ کر ہی کرتے ہیں، چھ کلمہ، ایمان مجمل و مفصل قرآن کے تیس پارے، حدیث کی قسمیں اور ان کے احکام کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف، یہ حسن ہے یا معضل وغیرہ عربی مدارس کے نصاب، جلسہ دستار بندی، سند

لینا، پگڑی بندھوانا، ان چیزوں کا کہیں قرآن وحدیث میں نام بھی نہیں۔ کوئی دیوبندی وہابی ان چیزوں کو تو کیا ان کے نام بھی کسی حدیث میں نہیں دکھا سکتا۔ پھر حدیث کی اسناد اور راویوں پر مروجہ جرح خیر القرون سے ثابت نہیں کر سکتا، غرضکہ شریعت و طریقت کا کوئی عمل ایسا نہیں جس میں بدعت شامل نہ ہو۔

مولوی اسلمیل صاحب صراط مستقیم صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں۔ ”نیز اکابر طریقت نے اگرچہ اذکار و مراقبات و ریاضات و مجاہدات کی تعین میں جو راہ ولایت کے مبادی ہیں کوشش کی ہے لیکن بحکم ہرخن وقتی ہر کتبہ مقامی دارد۔“ ہر ہر وقت کے مناسب اشغال اور ہر ہر قرن کے مطابق حال ریاضات جدا جدا ہیں۔“ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تصوف کے اشغال صوفیاء کی ایجاد ہے اور ہر زمانہ میں نئے نئے ہوتے رہتے ہیں اور جائز ہیں۔ بلکہ راہ سلوک ان ہی سے طے ہوتی ہے۔ کہیں کہ اب وہ قاعدہ کہاں گیا کہ ہرنی چیز حرام ہے؟ ماننا پڑے گا کہ جو کام خلاف سنت ہو وہ برا ہے باقی عمدہ اور اچھا۔

اعتراض ۲ مخالفین یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ میں سے کسی زمانہ میں ایجاد ہو جاوے وہ بدعت نہیں۔ ان زمانوں کے بعد جو کام ایجاد ہوگا۔ وہ بدعت ہے اور وہ کوئی بھی جائز نہیں۔ سب حرام ہیں یعنی صحابہ کرام اور تابعین کی ایجادات سنت ہیں۔ اس لئے کہ مشکوٰۃ باب الاعصام میں ہے۔

(۱) **فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّشِيدِينَ الْمُهَدِّينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَصُوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِدِ**

”تم پر لازم ہے میری سنت اور ہدایت والے خلفائے راشدین کی سنت کہ اس کو دانت سے مضبوط پکڑ لو۔“

اس حدیث میں خلفائے راشدین کے کاموں کو سنت کہا گیا۔ اس کو پکڑنے کی تاکید فرمائی گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان کی ایجادات بدعت نہیں۔ (۲) مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے۔

خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ إِنَّ بَعْدَ ذَلِكَ قَوْمًا يَشْهَدُونَ وَلَا يَسْتَشْهَدُونَ وَيَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ

”میری امت میں بہتر گروہ میرا ہے پھر وہ جو ان متصل میں پھر وہ جو ان کے متصل ہیں پھر اس کے بعد ایک قوم ہوگی جو بغیر گواہ بنائے ہوئے گواہی دیتی پھر گئی اور جو خیانت کریں گے۔ امین نہ ہوں گے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ تین زمانہ خیر ہیں صحابہ کرام کا تابعین کا، تبع تابعین کا، اور پھر شر اور خیر کا زمانہ میں جو پیدا ہو وہ خیر یعنی سنت ہے اور شر زمانہ میں جو پیدا ہو وہ شریعتی بدعت ہے۔ نیز مشکوٰۃ باب الاعصام میں ہے۔

(۳) **تَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مَلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً قَالُوا مَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا نَأَىٰ عَنْهُ وَأَصْحَابِي**

”میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے سوا سب جہنمی ہیں۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ ایک کون ہے؟ فرمایا جس پر ہم اور ہمارے صحابہ ہیں۔“ معلوم ہوا صحابہ کرام کی پیروی جنت کا راستہ ہے اس لئے ان کے ایجادات کو بدعت نہیں کہہ سکتے۔ مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے۔

(۴) **أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ فَبِأَيِّهِمْ اقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ**

”میرے صحابہ (رضوان اللہ علیہم) تاروں کی طرح ہیں تم جسکے پیچھے ہو لو ہدایت پا لو گے۔“

اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی پیروی باعث نجات ہے لہذا ان کے ایجاد کردہ کام بدعت نہیں۔ کیونکہ بدعت تو گمراہ کن ہے۔

جواب یہ سوال بھی محض دھوکا ہے اس لئے کہ ہم نے مرقاۃ اور اشعۃ الممعات کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ بدعت وہ کام ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد پیدا ہو۔ اس میں صحابہ کرام و تابعین کا ذکر نہیں۔ نیز اس لئے کہ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں تراویح کی باقاعدہ جماعت دیکھ کر فرمایا۔

نِعِمَّتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ ”یہ تو بڑی اچھی بدعت ہے۔“

خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مبارک فعل کو بدعت حسنہ فرمایا۔ اور ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، مشکوٰۃ شریف باب القلوب میں حضرت ابو مالک اشجعی سے روایت فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے نماز فجر میں قنوت نازلہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا اے نبی محدث۔ بیٹے یہ بدعت ہے دیکھو زمانہ صحابہ کی چیز کو آپ بدعت سیئہ کہہ رہے ہیں۔ اگر زمانہ صحابہ کی ایجادات بدعت نہیں ہوتیں تو تراویح بدعت حسنہ کیوں ہوتی اور قنوت نازلہ بدعت سیئہ کیوں ٹھہری۔ وہ زمانہ تو بدعت کا ہے ہی نہیں۔ تیسرے اس لئے کہ پہلے باب میں بحوالہ مرقات گزر چکا ہے کہ تراویح کی جماعت بدعت مستحبہ ہے یعنی تراویح سنت اور اس کی باقاعدہ پابندی سے۔ جماعت بدعت حسنہ انہوں نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے فعل کو بدعت میں داخل کیا۔ چوتھے اس لئے کہ بخاری جلد دوم کتاب فضائل القرآن جمع القرآن میں ہے کہ حضرت صدیق نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہما کو قرآن پاک جمع کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے عرض کیا کہ **كَيْفَ تَفْعَلُونَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ هُوَ خَيْرٌ** آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں۔ جو حضور علیہ السلام نے نہ کیا، صدیق نے فرمایا کہ یہ کام اچھا ہے حضرت زید ابن ثابت نے بارگاہ صدیقی رضی اللہ عنہما میں یہی عرض کیا کہ قرآن کا جمع کرنا بدعت ہے آپ بدعت کیوں ایجاد کر رہے ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ بدعت تو ہے مگر حسنہ ہے یعنی اچھی ہے جس سے پتہ لگا کہ فعل صحابہ کرام بدعت حسنہ ہے مخالفین کے دلائل کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

(۱) **فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ** ”خلفاء راشدین کی اقوال و افعال کو لغوی معنی سی سنت فرمایا گیا۔“
یعنی اے مسلمانوں تم میرے اور میرے خلفاء کے طریقوں کو اختیار کرو جیسے کہ ہم پہلے باب میں حدیث نقل کر چکے ہیں۔

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّتَهُ حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا اور **مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّتَهُ سَيِّئَةً** اس حدیث میں سنت بمعنی طریقہ ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے **سُنَّتَهُ مَنْ قَدَّارُ سَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا** نیز فرماتا ہے **سُنَّتَهُ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ** ان آیات اور حدیث میں سنت سے مراد سنت شرعیہ بدعت کے مقابل نہیں۔ بلکہ بمعنی طریقہ ہے سنت الہیہ اللہ کا طریقہ۔ سنت انبیاء نبیوں کا طریقہ وغیرہ۔

اسی حدیث **فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي** کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے و تحقیق سنت خلفائے راشدین ہماں سنت پیغمبر است کہ در زباں آنحضرت علیہ السلام شہرت نیافتہ بود و در زمان ایشاں مشہور و مضاف بہ ایشاں شدہ۔ ”خلفائے راشدین کی سنت حقیقتہ سنت نبوی ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مشہور نہ ہوئی۔ ان حضرات کے زمانہ میں مشہور ہو گئی اور انکی طرف منسوب ہو گئی اس سے معلوم ہوا کہ سنت خلفاء اس کو کہتے ہیں اصل میں سنت رسول اللہ ہو مگر اس کو مسلمانوں میں رائج کر نیوالے خلفاء راشدین ہوں پانچویں اسلئے کہ محدثین اور فقہا فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین کے حکم سنت سے ملحق ہیں یعنی سنت تو نہیں۔ سنت سے الحاق کئے ہوئے ہیں اگر ان حضرات کے ایجاد فرمودہ کام سنت ہی ہوتے تو الحاق کے کیا معنی۔ نوالانوار کے شروع میں ہے **وَقَوْلُ الصَّحْبِيِّ فِيمَا يُعْقَلُ مُلْحَقٌ بِالْقِيَاسِ وَفِيمَا لَا يُعْقَلُ فَمُلْحَقٌ بِالسُّنَّةِ** صحابی کا فرمان عقلی باتوں سے ملحق ہے اور غیر عقلی باتوں میں سنت سے ملحق ہے۔ اگر صحابی کا ہر قول و فعل سنت ہے تو قیاس اور سنت سے الحاق کے کیا معنی؟ اشعۃ اللمعات زیر حدیث **فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي** ہے۔ پس ہر چہ خلفائے راشدین بدار حکم کردہ باشند۔ اگر چہ باجہتا دو قیاس ایشاں بود موافق نبوی است اطلاق بدعت بر آں نتواں کرد۔ ”جس چیز کا خلفائے راشدین نے حکم فرمایا ہو اگر چہ اپنے قیاس اور اجتہاد سے ہو سنت نبوی کے موافق ہے اس پر لفظ بدعت نہیں بول سکتے ان عبارات سے بالکل واضح ہوگا کہ سنت خلفاء راشدین بمعنی لغوی سنت ہے اور سنت شرعی سے ملحق ہے ان کو ادباً بدعت نہ کہا جاوے۔ کیونکہ بدعت اکثر بدعت سیئہ کو بولتے ہیں۔“

(۲) **خَيْرَ أُمَّتِي قَرْنِي** الخ سے تو معلوم ہوا کہ ان تین زمانوں تک خیر زیادہ ہوگی اور ان کے بعد خیر کم شر زیادہ۔ یہ مطلب نہیں کہ ان تین زمانوں میں جو بھی کام ایجاد ہو اور کوئی بھی ایجاد کرے وہ سنت ہو جائے۔ یہاں سنت ہونے کا ذکر ہی کہاں ہے ورنہ مذہب جبریہ اور قدریہ زمانہ تابعین ہی میں ایجاد ہوا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل اور حجاج کے مظالم ان ہی زمانوں میں ہوئے کیا معاذ اللہ ان کو بھی سنت کہا جاوے گا۔

(۴، ۳) **مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي** اور **أَصْحَابِي كَالنَّجُومِ** سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی غلامی ان کی پیروی کرنا باعث ہدایت ہے اور ان کی مخالفت باعث گمراہی۔ یہ بالکل درست ہے اور اس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ ان کا ہر فعل سنت شرعی ہو۔ بدعت حسنہ بھی واجب الاتباع ہوتی ہے۔

مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے۔

اتَّبِعُوا السَّوَادَ لَا عَظَمَ فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ ”بڑی جماعت کی پیروی کرو جو جماعت سے علیحدہ رہا وہ جہنم میں علیحدہ کیا گیا۔“

مَارَاهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ وَمَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شَبْرًا خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ عَنْ عُنُقِهِ
 ”جس کو مسلمان اچھا جائیں وہ اللہ کی نزدیک بھی اچھا ہے جو مسلمانوں کی جماعت سے، بالشت بھر علیحدہ رہا اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے اتار دی۔“
 قرآن کریم میں ہے۔

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۱۱۵)

”اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور دوزخ میں داخل کریں گے۔“

اس آیت وحدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو لازم ہے کہ عقائد و اعمال میں جماعت مسلمین کے ساتھ رہے ان کی مخالفت جہنم کا راستہ ہے لیکن اس پر یہ تو لازم نہیں کہ جماعت مسلمین کا ایجاد کیا ہوا کوئی بھی کام بدعت نہ ہو سب سنت ہی ہو۔ بدعت ہی ہوگا مگر بدعت حسنہ۔ جس طرح ایجادات صحابہ کرام کونست صحابہ کہتے ہیں۔ اسی طرح سلف الصالحین کے ایجادات کو بھی سنت سلف کہتے ہیں۔ ”بمعنی لغوی یعنی پسندیدہ دینی طریقہ۔“

ہدایت ضروریہ جو حضرات ہر بدعت یعنی نئے کام کو حرام جانتے ہیں وہ اس قاعدہ کلیہ کے کیا معنی کریں گے کہ **الْأَصْلُ فِي الْأَشْيَاءِ الْأَبَاحَةُ** تمام چیزوں کی اصل یہ ہے وہ مباح ہے۔ یعنی ہر چیز مباح اور حلال ہے ہاں اگر کسی چیز کو شریعت منع کر دے تو وہ حرام یا منع ہے یعنی ممانعت سے حرمت ثابت ہوگی نہ کہ نئے ہونے سے۔ یہ قاعدہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ و اقوال فقہاء سے ثابت ہے اور غالباً کوئی مقلد کہلائیوالاتو اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءٍ إِنْ تُبَدِّلْكُمْ تَسْأَلُكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنْزِلُ الْقُرْآنُ تَبَدِّلْكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا (پارہ ۷ سورہ ۵ آیت ۱۰۱)

”اے ایمان والو ایسی باتیں نہ پوچھو کہ جو تم پر ظاہر کی جاویں تو تم کو بری لگیں اور اگر انکو اس وقت پوچھو گے کہ قرآن اتر رہا ہے تو ظاہر کر دی جاویں گی اللہ انکو معاف کر چکا ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ جس کا کچھ بیان نہ ہوا ہو نہ حلال ہونے کا نہ حرام تو معافی میں ہے اسی لئے قرآن کریم نے حرام عورتوں کا ذکر فرما کر فرمایا **وَأَحَلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذَلِكَ** ان کے سوا باقی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں نیز فرمایا۔ **وَقَدْ فُصِّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ** تم سے تفصیل وار بیان کر دی گئیں وہ چیزیں جو تم پر حرام ہیں یعنی حلال چیزوں کی تفصیل کی ضرورت نہیں تمام چیزیں ہی حلال ہیں ہاں چند مجربات ہیں جن کی تفصیل بتا دی ان کے سوا سب حلال۔ مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ باب آداب الطعام فصل دوم میں ہے۔

الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَى عَنْهُ
 ”حلال وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس سے خاموشی فرمائی وہ معاف۔“
 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چیزیں تین طرح کی ہیں ایک وہ جس کا حلال ہونا صراحتہ قرآن میں مذکور ہے دوسری وہ جنکی حرمت صراحتہ آگئی۔ تیسرے وہ جن سے خاموشی فرمائی یہ معاف ہے؟ شامی جلد اول کتاب الطہارہ بحث تعریف سنت میں ہے۔

الْمُخْتَارُ أَنَّ الْأَصْلَ الْأَبَاحَةُ عِنْدَ الْجُمْهُورِ مِنَ الْحَنْفِيَّةِ وَالشَّافِعِيَّةِ جمہور حنفی اور شافعی کے نزدیک یہ ہی مسئلہ ہے کہ اصل مباح ہوتا ہے۔ اس کی تفسیر خازن و روح البیان اور تفسیر خزائن العرفان وغیرہ نے بھی تصریح کی ہے کہ ہر چیز میں اصل یہ ہی ہے کہ وہ مباح ہے ممانعت سے ناجائز ہوگی۔ اب جو بعض لوگ اہل سنت سے پوچھتے ہیں کہ اچھا بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلا و شریف کرنا جائز ہے یا حضور علیہ السلام یا صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین نے کب کیا تھا یہ محض دھوکا ہے۔ اہل سنت کو چاہئے کہ ان سے پوچھیں کہ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلا و شریف کرنا حرام ہے جب خدا حرام نہ کرے۔ رسول علیہ السلام منع نہ فرمائیں اور کسی دلیل سے ممانعت ثابت نہ ہو تو تم کس دلیل سے حرام کہتے ہو بلکہ میلا و شریف وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا جائز ہوئیگی علامت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ لَا أَجِدُ فِيْمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَتْنِيَّةً

یہ نیز فرماتا ہے **قُلْ مَا حَرَّمَ رَبِّيَ اللَّهُ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالتَّيْبَاتِ مِنَ الرِّذْقِ**

یہ ان آیات سے معلوم ہوا کہ حرمت کی دلیل نہ ملنا حلال ہوئیگی دلیل ہے نہ کہ حرام ہونے کی یہ حضرات اس سے حرمت ثابت کرتے ہیں عجیب الٹی منطق ہے اچھا بتاؤ کہ ریلوے سفر مدارس کا قیام کہاں لکھا ہے؟ کہ حلال ہے یا کسی صحابی یا تابعی نے کیا۔ جیسے وہ حلال ایسے ہی یہ بھی جائز اور حلال ہے۔

بحث محفل میلاد شریف کے بیان میں

اس بحث میں دو باب ہیں، پہلا باب تو میلاد شریف کے ثبوت میں، دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

میلاد شریف کے ثبوت میں

اولاً تو معلوم ہونا چاہیے کہ میلاد شریف کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا حکم کیا؟ پھر یہ جاننا ضروری ہے کہ اُس کے دلائل کیا ہیں؟ میلاد شریف کی حقیقت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کا واقعہ بیان کرنا، حمل شریف کے واقعات۔ نور محمدی کے کرامات، نسب نامہ یا شیر خوارگی اور حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہ کے یہاں پرورش حاصل کرنے کے واقعات بیان کرنا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پاک یا نثر میں پڑھنا سب اس کے تابع ہیں، اب واقعہ ولادت خواہ تنہائی میں پڑھو یا مجلس جمع کر کے اور نظم میں پڑھو یا نثر میں کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر جس طرح بھی ہو اس کو میلاد کہا جاوے گا، محفل میلاد شریف منعقد کرنا اور ولادت پاک کی خوشی سے ہو وہ اس کے ٹکڑے کے موقع پر خوش ہو لگا نا۔ گلاب چھڑکنا، شیرینی تقسیم کرنا غرض کہ خوشی کا اظہار جس جائز طریقہ سے ہو وہ مستحب اور بہت ہی باعث برکت اور رحمت الہی کے نزول کا سبب ہے۔

(۱) عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ **رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا** معلوم ہوا کہ مائدہ آنے کے دن کو حضرت مسیح علیہ السلام نے عید کا دن بنایا، آج بھی اتوار کو عیسائی اسی لیے عید مناتے ہیں کہ اس دن دسترخوان اتر اٹھا اور حضور ﷺ کی تشریف آوری اس مائدہ سے کہیں بڑھ کر نعمت ہے لہذا ان کی ولادت کا دن بھی یوم العید ہے، ہاں اس مجلس پاک میں حرام کام کرنا سخت جرم اور گناہ ہے جیسے عورتوں کا اس قدر بلند آواز سے نعت شریف پڑھنا کہ اجنبی مرد سنیں سخت منع ہے عورت کی آواز اجنبی مرد کو سننا جائز نہیں اگر کوئی مرد نماز کی حالت میں کسی کو سامنے نکلنے سے روکے تو آواز سے سبحان اللہ کہہ دے، لیکن عورت کسی کو روکے تو سبحان نہ کہے بلکہ بائیں ہاتھ کی پشت پر داہنا ہاتھ مارے جس سے معلوم ہو کہ عورت نماز میں ضرورت کے وقت بھی کسی کو اپنی آواز نہ سنائے اسی طرح میلاد شریف میں باجے کے ساتھ نعت خوانی کرنا بہت ہی گناہ ہے کہ باجہ کھیل کود اور لغویات میں سے ہے ویسے ہی باجہ کھیلنا حرام ہے اور خاص نعت خوانی جو کہ عبادت ہے اس کو باجے پر استعمال کرنا اور بھی جرم ہے اگر کسی جگہ میلاد شریف میں خرابیاں پیدا کر دی گئی ہوں تو ان خرابیوں کو دور کیا جاوے لیکن اصل میلاد شریف کو بند نہ کیا جاوے اگر عورت بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرے یا لوگ قرآن کریم باجے سے پڑھنے لگیں تو ان یہودیوں کو مناد و قرآن پڑھنا نہ روکو کیونکہ یہ عبادت ہے۔ میلاد شریف قرآن و احادیث و اقوال علماء اور ملائکہ اور پیغمبروں کے فعل سے ثابت ہے قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔

(۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَادْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ** اور حضور کی تشریف آوری اللہ کی بڑی نعمت ہے میلاد پاک میں اسی کا ذکر ہے لہذا محفل میلاد کرنا اس آیت پر عمل ہے۔

(۲) **وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ** اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے کہ رب تعالیٰ نے اس پر احسان جتایا اس کا چرچا کرنا اسی آیت پر عمل ہے آج کسی کے فرزند پیدا ہو تو ہر سال تاریخ پیدائش پر سالگرہ کا جشن کرتا ہے۔ کسی کو سلطنت ملے تو ہر سال اس تاریخ پر جشن جلوس مناتا ہے تو جس تاریخ کو دنیا میں سب سے بڑی نعمت آئی اس پر خوشی منانا کیوں منع ہوگا؟ خود قرآن کریم نے حضور علیہ السلام کا میلاد جگہ جگہ ارشاد فرمایا۔ فرماتا ہے **لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ** "الایہ

"اے مسلمانوں تمہارے پاس عظمت والے رسول تشریف لے آئے۔" اس میں تو ولادت کا ذکر ہوا پھر فرمایا **مِنْ أَنْفُسِكُمْ** حضور علیہ السلام کا نسب نامہ بیان ہوا کہ وہ تم میں سے یا تمہاری بہترین جماعت میں سے ہیں۔ **حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ** سے آخر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت بیان ہوئی آج میلاد شریف میں یہ ہی تین باتیں ہوتی ہیں۔

(۳) **لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا** "اللہ نے مسلمانوں پر بڑا ہی احسان کیا کہ میں نے اپنے رسول ﷺ کو بھیج دیا۔"

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ "رب العالمین وہ قدرت والا ہے جس نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔"

غرضکہ بہت سی آیات ہیں جن میں حضور علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر فرمایا گیا معلوم ہوا کہ میلاد کا ذکر سنت الہیہ ہے، اب اگر جماعت کی نماز میں امام یہی آیات ولادت پڑھے تو عین نماز میں میرے آقا کا میلاد ہوتا ہے، دیکھو امام صاحب کے پیچھے مجمع بھی ہے اور قیام بھی ہو رہا ہے، پھر ولادت پاک کا ذکر بھی ہے بلکہ خود کلمہ طیبہ میں میلاد شریف ہے کیونکہ اس میں ہے **”مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“** محمد اللہ کے رسول ہیں۔ رسول کے معنی ہیں بھیجے ہوئے اور بھیجنے کے لئے آنا ضروری ہے حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کا ذکر ہو گیا، اصلاً میلاد پا گیا۔ قرآن کریم نے تو انبیاء علیہ السلام کا بھی میلاد بیان فرمایا ہے۔ سورہ مریم میں حضرت مریم کا حاملہ ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر، حتیٰ کہ حضرت مریم کا دروزہ۔ اس تکلیف میں جو کلمات فرمائے کہ **”يَلَيَّتْنِي مِثْلَ قَبْلِ هَذَا“** پھر ان کی ملائکہ کی طرف سے تسلی پانا۔ پھر یہ کہ حضرت مریم نے اس وقت کیا غذا کھائی، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قوم سے کلام فرمایا غرضکہ سب ہی بیان فرمایا، یہ ہی میلاد خواں بھی پڑھتا ہے کہ حضرت آمنہ خاتون نے ولادت پاک کے وقت فلاں فلاں معجزات دیکھے۔ پھر یہ فرمایا پھر اس طرح حوران، ہشتی آپ کی امداد کو آئیں۔ پھر کعبہ معظمہ نے آمنہ خاتون کے گھر کو سجدہ کیا، وغیرہ وغیرہ وہی قرآنی سنت ہے اس طرح قرآن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، اُن کی شیر خواری، اُن کی پرورش ان کا چلنا پھرنا، مدین میں جانا، حضرت شعیب کی خدمت میں جانا، وہاں رہنا اور اُنکی بکریاں چرانا، اُن کا نکاح، اُن کی نبوت ملنا، سب کچھ بیان فرمایا یہی باتیں میلاد پاک میں ہوتی ہیں۔

مدارج النبوۃ وغیرہ نے فرمایا کہ سارے پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان تو قرآن نے بھی نقل فرمایا۔

”وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ“

”میں ایسے رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام پاک احمد ہے۔“

سبحان اللہ بچوں کے نام پیدائش کے ساتویں روز ماں باں رکھتے ہیں مگر ولادت پاک سے ۵۹۷ سال پہلے مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کا نام احمد ہے، ہوگا نہ فرمایا معلوم ہوا کہ ان کا نام پاک رب تعالیٰ نے رکھا کب رکھا؟ یہ تو رکھنے والا جانے۔

یہ بھی میلاد شریف ہے، صرف اتنا فرق ہوا کہ ان حضرات نے اپنی قوم کے مجموعوں میں فرمایا کہ وہ تشریف لائیں گے ہم اپنے مجموعوں میں کہتے ہیں کہ وہ تشریف لے آئے، فرق ماضی و مستقبل کا ہے بات ایک ہی ہے ثابت ہوا کہ میلاد سنت انبیاء بھی ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **”قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا“** ”یعنی اللہ کے فضل و رحمت پر خوب خوشیاں مناؤ۔“

معلوم ہوا کہ فضل الہی پر خوشی منانا حکم الہی ہے اور حضور علیہ السلام رب کا فضل بھی ہیں اور رحمت بھی۔ لہذا ان کی ولادت پر خوشی منانا اسی آیت پر عمل ہے اور چونکہ یہاں خوشی مطلق ہے۔ ہر جائز خوشی اس میں داخل۔ لہذا محفل میلاد کرنا وہاں کی زیب و زینت سب باعث ثواب ہیں۔

(۴) مواہب لدنیہ اور مدارج النبوۃ وغیرہ میں ذکر ولادت میں ہے کہ شب ولادت میں ملائکہ نے آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کے دروازے پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کیا۔ ہاں ازلی راندہ ہوا شیطان رنج و غم میں بھاگا بھاگا پھرا۔ اس سے معلوم ہوا کہ میلاد سنت ملائکہ بھی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بوقت پیدائش کھڑا ہونا ملائکہ کا کام ہے، اور بھاگا بھاگا پھرنا شیطان کا فعل، اب لوگوں کو اختیار ہے کہ چاہے تو میلاد پاک کے ذکر کے وقت ملائکہ کے کام پر عمل کریں یا شیطان کے۔

(۵) خود حضور علیہ السلام نے مجمع صحابہ کے سامنے منبر پر کھڑے ہو کر اپنی ولادت اور اپنے اوصاف بیان فرمائے جس سے معلوم ہوا کہ میلاد پڑھنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔

چنانچہ مشکوٰۃ جلد دوم باب فضائل سید المرسلین فصل ثانی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاید حضور علیہ السلام تک خبر پہنچی تھی کہ بعض لوگ ہمارے نسب پاک پر طعن کرتے ہیں۔

”فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَنْ أَنَا“ پس منبر پر قیام فرما کر پوچھا بتاؤ میں کون ہوں؟ سب نے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ ہیں فرمایا میں محمد ابن عبد اللہ ابن عبد المطلب ہوں۔ اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو ہم کو بہتر مخلوق میں سے کیا۔ پھر ان کے دو حصے کئے عرب و عجم، ہم ان کو ان میں سے بہتر یعنی عرب میں سے کیا، پھر عرب کے چند قبیلے فرمائے ہم کو ان کے بہتر یعنی قریش میں سے کیا، پھر قریش کے چند خاندان بتائے ہم ان میں سے سب سے بہتر خاندان یعنی بنی ہاشم میں سے کیا، اسی مشکوٰۃ اسی فصل میں ہے کہ ہم خاتم النبیین ہیں اور ہم حضرت ابراہیم کی دعا حضرت عیسیٰ کی بشارت اور اپنی والدہ کا دیداد ہیں جو انہوں نے ہماری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان سے ایک نور چمکا جس سے شام کی عمارتیں ان کو نظر آئیں اس مجمع میں حضور علیہ السلام نے اپنا نسب نامہ اپنی نعت شریف، اپنی ولادت پاک کا واقعہ بیان فرمایا یہی میلاد شریف میں ہوتا ہے ایسی صد ہا احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔

(۶) صحابہ کرام ایک دوسرے کے پاس جا کر فرمائش کرتے تھے کہ ہم کو حضور علیہ السلام کی نعت شریف سناؤ، معلوم ہوا کہ میلادِ سنت صحابہ بھی ہے، چنانچہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین فصل اول میں ہے کہ حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ نعت سناؤ جو کہ توریت شریف میں ہے انہوں نے پڑھ کر سنائی اسی طرح حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پاک توریت میں یوں پاتے ہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں، میرے پسندیدہ بندے ہیں نہ کج خلق، نہ سخت طبیعت، ان کی ولادت مکہ مکرمہ میں اروان کی ہجرت طیبہ میں، ان کا ملک شام میں ہوگا، اُن کی اُمت خدا کی بہت حمد کرے گی کہ رنج و خوشی ہر حال میں خدا کی حمد کرے گی۔ (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)

(۷) یہ تو مقبول بندوں کا ذکر تھا۔ کفار نے بھی ولادت پاک کی خوشی منائی، تو کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہی کر لیا، چنانچہ بخاری جلد دوم کتاب النکاح باب **وَأُمُّهَا تَكُمُ الَّتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَمَا يُحَرِّمُ مِنَ الرِّضَاعَةِ** میں ہے۔

فَلَمَّا مَاتَ أَبُو لَهَبٍ أَرِيَهُ بَعْضُ أَهْلِهِ بَشَرًا هَيْئَةً قَالَ لَهُ، مَاذَا بَقِيَتْ قَالَ أَبُو لَهَبٍ لَمْ أَلْقَ بَعْدَكُمْ خَيْرًا إِنِّي سَقِيتُ فِي هَذِهِ بَعْتًا قَتَلْتُ ثَوْبِيَّةَ

”جب ابولہب مر گیا تو اس کو اس کے بعض گھروالوں نے خواب میں برے حال میں دیکھا پوچھا کیا گزری ابولہب بولا کہ تم سے علیحدہ ہو کر مجھے کوئی خیر نصیب نہ ہوئی، ہاں مجھے اس کلمے کی انگلی سے پانی ملتا ہے کیونکہ میں نے ثوبیہ لونڈی کو آزاد کیا تھا۔“

بات یہ تھی کہ ابولہب حضرت عبد اللہ کا بھائی تھا اس کی لونڈی ثوبیہ نے آکر اس کو خبر دی کہ آج تیرے بھائی عبد اللہ کے گھر فرزند محمد (رسول اللہ ﷺ) پیدا ہوئے۔ اس نے خوشی میں اس لونڈی کو انگلی کے اشارے سے کہا کہ جا تو آزاد ہے، یہ سخت کافر تھا جس کی برائی قرآن میں آرہی ہے مگر اس خوشی کی برکت سے اللہ نے اس پر یہ کرم کیا جب دوزخ میں وہ پیا سا ہوتا ہے تو اپنی اس انگلی کو چوستا ہے پیاس بُجھ جاتی ہے حالانکہ وہ کافر تھا ہم مومن، وہ دشمن تھا، ہم ان کے بندے بے دام، اس نے بھیجے کے پیدا ہونے کی خوشی کی تھی، نہ کو رسول اللہ کی، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی کرتے ہیں۔ تو وہ کریم ہیں ہم ان کے بھکاری وہ کیا کچھ نہ دیں گے۔

دوستان را کجا کنی محروم تو کہ بادشمنان نظرداری

مدارج النبوة جلد دوم حضور علیہ السلام کی رضاعت کے وصل میں اسی ابولہب کے واقعہ کو بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

”دوریں جا سنا دست مراہل موالید را کہ دو شب میلاد آں سرور سرور کنند و بذل اموال نمایند یعنی ابولہب کہ کافر بود چوں بسرور میلاد آں حضرت و بذل شیر جاریہ دے بجہت آں حضرت جزا دادہ شد تا حال مسلمان کہ مملواست بخت و سرور و بذل مال در دے چہ باشد لیکن باید کہ از بدعت ہا کہ عوام احداث کردہ انداز تقضی و آلات محرمہ و منکرات خالی باش۔“

اس واقعہ میں مولود والوں کی بڑی دلیل ہے جو حضور علیہ السلام کی شب ولادت میں خوشیاں مناتے اور مال خرچ کرتے ہیں یعنی ابولہب جو کافر تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی اور لونڈی کے دودھ پلانے کی وجہ سے انعام دیا گیا تو اس مسلمان کا کیا وہگا جو محبت خوشی سے بھرا ہوا ہے اور مال خرچ کرتا ہے لیکن چاہیے کہ محفل میلاد شریف عام کی بدعتوں یعنی گانے اور حرام باجوں وغیرہ سے خالی ہو۔“

(۸) ہر زمانہ اور ہف جگہ میں علماء و اولیاء مشائخ اور عامۃ المسلمین اس میلاد شریف کو مستحب جان کر کرتے رہے اور کرتے ہیں۔ حرمین شریفین میں بھی نہایت اہتمام سے یہ مجلس پاک منعقد کی جاتی ہے، جس ملک میں بھی جاؤ، مسلمانوں میں یہ عمل پاؤ گے، اولیاء اللہ و علماء اُمت نے اس کے بڑے بڑے فائدے اور برکات بیان فرمائی ہیں۔ ہم حدیث نقل کر چکے ہیں کہ جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے قرآن فرماتا ہے۔ **لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ** تاکہ تم اے مسلمانو گواہ ہو۔ حدیث پاک میں بھی ہے **أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ** تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ لہذا محفل میلاد پاک مستحب ہے۔

آخر مجمع البحار صفحہ ۵۵۰ میں ہے کہ شیخ محمد طاہر محدث ربیع الاول کے متعلق فرماتے ہیں، **فَإِنَّهُ شَهْرٌ أَمْرًا بِإِظْهَارِ الْحَبُورِ فِيهِ كُلِّ عَامٍ** معلوم ہوا کہ ربیع الاول میں ہر سال خوشی منانے کا حکم ہے۔

تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت **مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ** ہے۔

وَمِنْ تَعْظِيمِهِ عَمَلُ الْإِمَامِ السَّيُوطِيِّ يُسْتَحَبُّ لَنَا إِظْهَارُ الشُّكْرِ لِمَوْلِدِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

”میلاد شریف کرنا حضور علیہ السلام کی تعظیم ہے جبکہ وہ بُدی باتوں سے خالی ہو امام سیوطی فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور علیہ السلام کی ولادت پر شکر کا اظہار کرنا مستحب ہے۔“

پھر فرماتے ہیں **فَقَدْ قَالَ ابْنُ الْحَجَرِ، الْهَيْتُمِي إِنَّ الْبِدْعَةَ الْحَسَمَةَ مُتَّفَقٌ عَلَىٰ قَدْ بِهَا عَمَلُ الْمَوْلِدِ وَاجْتِمَاعُ النَّاسِ لَهُ، كَذَلِكَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ** ” قَالَ السَّخَاوِيُّ لِمَ يَفْعَلُهُ أَحَدٌ ” مِّنَ الْقُرُونِ الثَّلَاثَةِ وَ إِنَّمَا حَدَّثَ بَعْدُكُمْ لَا زَالَ أَهْلُ الْإِسْلَامِ مِنْ سَائِرِ الْأَقْطَارِ وَالْمُذْنِ الْكِبَارِ يَعْمَلُونَ الْمَوْلِدَ وَيَتَصَدَّقُونَ بِأَنْوَاعِ الصَّدَقَاتِ وَيَعْتَنُونَ بِقِرَاءَةِ مَوْلِدِهِ الْكَرِيمِ وَيُظْهِرُ مِنْ بَرَكَاتِهِ عَلَيْهِمْ كُلُّ فَضْلٍ عَظِيمٍ قَالَ ابْنُ الْجَوَازِيِّ مِنْ خَوَاصِهِ أَنَّهُ، أَمَانٌ ” فِي ذَالِكَ الْعَامِ وَ بُشْرَىٰ عَاجِلَةٌ ” بِنَيْلِ الْمُغْتَةِ وَالْمَرَامِ وَأَوَّلُ مَنْ أَحَدَفَهُ، مِنَ الْمُلُوكِ صَاحِبُ أَرْبُلٍ وَصَنَّفَ لَهُ، ابْنُ قُنٍ وَحِيَةً كِتَابًا بِأَفَى الْمَوْلِدِ فَأَجَازَهُ، بِالْفِ دِينَارٍ وَقَدْ اسْتَخْرَجَ لَهُ، الْحَفِظُ ابْنُ حَجَرَ أَصْلًا مِنَ السُّنَّةِ وَ كَذَلِكَ الْحَافِظُ السُّيُوطِيُّ وَرَدَّ عَلَى الْإِنْكَارِ هَافِي قَوْلِهِ إِنَّ عَمَلَ الْمَوْلِدِ بِدْعَةٌ ” مَذْمُومَةٌ

”ابن حجر قہمی نے فرمایا کہ بدعت حسنہ کے مستحب ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور میلاد شریف کرنا اور اس میں لوگوں کو جمع ہونا بھی اسی طرح بدعت حسنہ ہے امام سخاوی نے فرمایا کہ میلاد شریف تینوں زمانوں میں کسی نے نہ کیا بعد میان ایجاد پھر ہر طرف کے اور ہر شہر کے مسلمان ہمیشہ مولود شریف کرتے رہے اور کرتے ہیں اور طرح طرح کے صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور حضور علیہ السلام کے میلاد پڑھنے کا بڑا اہتمام کرتے ہیں، اس مجلس پاک کی برکتوں سے ان پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہوتا ہے امام ابن جوزی فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کی تاثیر یہ ہے کہ سال بھر اس کی برکت سے امن رہتی ہے اور اس سے مرادیں پوری ہونے کی خوشخبری ہے جس بادشاہ نے پہلے اس کو ایجاد کیا وہ شاہ اربل ہے اور ابن احیہ نے اس کے لیے میلاد شریف کی ایک کتاب لکھی جس پر بادشاہ نے اسکو ہزار شرفیاں نذر کیں اور حافظ ابن حجر اور حافظ سیوطی نے اس کی اصل سنت کو ثابت کی ہے اور انکار کیا ہے جو اس کو بدعت سید کہہ کر منع کرتے ہیں۔“

ملا علی قاری مور و الروی میں دیباچہ کے متصل فرماتے ہیں۔ **لَا زَالَ أَهْلُ الْإِسْلَامِ يَخْتَلِفُونَ فِي كُلِّ سَنَةٍ جَدِيدَةٍ وَيَعْتَنُونَ بِقَاءَةِ مَوْلِدِهِ الْكَرِيمِ وَيُظْهِرُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَرَكَاتِهِ كُلِّ فَضْلٍ عَظِيمٍ** اور اسی کتاب کے دیباچہ میں یہ اشعار فرماتے ہیں۔

وَمَنْقَبَةٌ تَفُوقُ عَلَى الشُّهُورِ

لِهَذَا الشَّهْرِ فِي الْإِسْلَامِ فَضْلٌ

وَنُورٌ فَوْقَ نُورٍ فَوْقَ نُورٍ

رَبِيعٌ فِي رَبِيعٍ فِي رَبِيعٍ

ان عبارات سے تین باتیں معلوم ہوئی، ایک یہ کہ مشرق و مغرب کے مسلمان اس کو اچھا جان کر کرتے ہیں دوسرے یہ کہ بڑے بڑے علماء فقہاء، محدثین مفسرین و صوفیاء نے اس کا اچھا جانا ہے جیسے امام سیوطی۔ علامہ ابن حجر، ہتیمی، امام سخاوی، ابن جوزی، حافظ ابن حجر وغیرہم، تیسرے یہ کہ میلاد پاک کی برکت سے سال بھر تک گھر میں امن، مراد پری ہونا، مقاصد برآنا حاصل ہوتا ہے۔

(۹) عقل کا بھی تقاضا ہے کہ میلاد شریف بہت مفید محفل ہے، اس میں چند فائدے ہیں، مسلمانوں کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل سن کر حضور علیہ السلام کی محبت بڑھتی ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور دیگر صوفیائے کرام فرماتے ہیں، کہ حضور علیہ السلام کی محبت بڑھانے کے لیے زیادتی درود شریف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال زندگی کا مطالعہ ضروری ہے پڑھے لکھے لوگ تو کتابوں میں حالات دیکھ سکتے ہیں مگر ناخواندہ لوگ نہیں پڑھ سکتے۔ ان کو اس طرح سننے کا موقع مل جاتا ہے یہ مجلس پاک غیر مسلمانوں میں تبلیغ احکام کا ذریعہ ہے کہ وہ بھی اس میں شریف ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات طیبہ سنیں، اسلام کی خوبیاں دیکھیں۔ خدا توفیق دے اسلام لے آویں۔ تیسرے یہ کہ اس مجلس کے ذریعہ مسلمانوں کو مسائل دینیہ بتانے کا موقع ملتا ہے، بعض دیہات کے لوگ جمعہ میں آتے نہیں اور اس طرح سے بلاؤ جمع نہیں ہوتے، ہاں محفل میلاد شریف کا نام لو تو فوراً بڑے شوق سے جمع ہو جاتا ہیں خود میں نے بھی اس کا بہت تجربہ کیا، اب اسی مجلس میں مسائل دینیہ بتاؤ ان کو ہدایت کرو اچھا موقع ملتا ہے۔

چوتھے یہ کہ میلاد شریف میں ایسی نظمیں بنا کر پڑھی جاویں جس میں مسائل دینیہ ہوں اور مسلمانوں کو ہدایت کی جاوے کیونکہ بمقابلہ نثر کے نظم دل میں زیادہ اثر کرتے ہیں اور جلد یاتی ہوتی ہے۔ پانچویں یہ کہ اس مجلس میں سنتے سنتے مسلمانوں کے حضور علیہ السلام کا نسب شریف اور اولاد پاک، ازواج مطہرات اور ولادت پاک و پرورش کے حالات یاد ہو جائیں گے۔ آج مرزائی۔ رافضی وغیرہم کو اپنے مذاہب کی پوری پوری معلومات ہوتی ہیں، رافضی کے بچوں کو بھی بارہ اماموں کے نام اور خلفاء راشدین کے استثناء پتہ کرنے کو یاد ہوں گے مگر اہل سنت کے بچے تو کیا بوڑھے بھی اس سے غافل ہیں، میں نے بہت سے بوڑھوں کو پوچھا کہ حضور ﷺ کی اولاد کتنی ہیں؟ داماد کتنے ہیں! بے خبر پایا۔ اگر ان مجلسوں میں ان کا چرچا رہے تو بہت مفید ہے، بنی ہوئی چیز کو نہ بگاڑو۔ بلکہ بگڑی ہوئی چیز کو بنانے کی کوشش کرو۔

(۱۰) مخالفین کے پیر مرشد حاجی امداد اللہ صاحب نے فیصلہ ہفت مسئلہ میں محفل میلاد شریف کو جائز اور باعث برکت فرمایا چنانچہ وہ اس کے صفحہ ۸ پر فرماتے ہیں ”کہ مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل میلاد شریف میں شریک ہوتا ہوں، بلکہ ذریعہ برکت سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں۔“ عجیب بات ہے کہ پیر صاحب تو مولود شریف کو ذریعہ برکات سمجھ کر خود ہر سال کریں اور مریدین مخلصین کا عقیدہ ہو، (کہ شرک و کفر کی محفل ہے محفل میلاد) نہ معلوم کہ اب پیر صاحب پر کیا فتویٰ لگے گا؟

(۱۱) ہم عرش کے بحث میں عرض کریں گے کہ فقہاء کے نزدیک بغیر دلیل کراہت تنزیہی کا بھی ثبوت نہیں ہو سکتا۔ حرمت تو بہت بڑی چیز ہے اور استحباب کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ مسلمان اس کو اچھا جانیں، تو جو کام شریعت میں منع نہیں اور مسلمان اس کی نیت خیر سے کرے یا کہ عام مسلمان اس کو اچھا جانتے ہوں وہ مستحب ہے اس کا ثبوت بدعت کی بحث میں بھی ہو چکا۔ تو محفل میلاد شریف کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ شرعاً یہ منع نہیں اور مسلمان اس کو کار ثواب سمجھتے ہیں، نیت خیر سے کرتے ہیں لہذا یہ مستحب ہے مگر حرام کہنے والے اس کی حرمت پر کوئی قطعی الثبوت قطعی الدلائل حدیث یا آیت لائیں گے صرف بدعت کہہ دینے سے کام نہیں چلتا۔

دوسرا باب

میلاد شریف پر اعتراضات و جوابات میں

اعتراض نمبر ۱ مخالفین کے اس پر حسب ذیل اعتراضات ہیں اور ان کے حسب ذیل جوابات ہیں۔

جواب میلاد شریف کو بدعت کہنا نادانی ہے، ہم پہلے باب میں بتا چکے کہ اصل میلاد سنت الہیہ، سنت انبیاء، سنت ملائکہ، سنت رسول اللہ ﷺ، سنت صحابہ کرام، سنت سلف صالحین اور عام مسلمانوں کا معمول ہے، پھر بدعت کیسی؟ اور اگر بدعت ہو بھی تو ہر بدعت حرام نہیں، ہم بدعت کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ بدعت واجب بھی ہوتی ہے اور مستحب بھی جائز ہوتی ہے اور مکروہ و حرام بھی، نیز پہلے باب میں تفسیر روح البیان کے حوالہ بتا چکے کہ یہ محفل بدعت حسنہ مستحبہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیونکر حرام ہو سکتا ہے۔

اعتراض نمبر ۲ اس مجلس میں بہت سی حرام باتیں ہوتی ہیں مثلاً عورتوں مردوں کو خلط ملط، داڑھی منڈوں کا نعت خوانی کرنا، فلفل روایات پڑھنا گویا کہ یہ مجلس حرام باتوں کا مجموعہ ہے، لہذا حرام ہے۔

جواب اولاً یہ حرام چیزیں ہر مجلس میلاد میں ہوتی نہیں۔ بلکہ اکثر نہیں ہوتیں، عورتیں پردوں میں علیحدہ بیٹھتی ہیں اور مرد علیحدہ۔ پڑھنے والے پابند شریعت ہوتے ہیں روایات بھی صحیح بلکہ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ پڑھنے والے سننے والے با وضو بیٹھتے ہیں۔ سب درود شریف پڑھتے رہتے ہیں اور رقت طاری ہوتی ہے بسا اوقات آنسو جاری ہو جاتیں اور محبوب علیہ السلام کا ذکر پاک ہوتا ہے۔

لذت بادہ عشقش زمین مست مہرس ذوق این مے نہ شناسی نجداتا نہ چشمی

ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

اور اگر کسی جگہ یہ باتیں ہوتی بھی ہوں تو یہ باتیں حرام ہوں گی اصل میلاد شریف یعنی ذکر ولادت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں حرام ہوگا، بحث عرس میں ہم عرض کریں گے کہ حرام چیز کے شامل ہو جانے سے کوئی سنت یا جائز کام حرام نہیں ہو جاتا۔ ورنہ سب سے پہلے دینی مدرسے حرام ہونے چاہیں کیونکہ وہاں مرد بے داڑھی بچے جوانوں کے ساتھ پڑھتے ہیں ان کا آپس میں اختلاط بھی ہوتا ہے کبھی کبھی اس کے بُرے نتیجے بھی برآمد ہوتے ہیں اور ترمذی و بخاری ابن ماجہ وغیرہ کتب حدیث و تفسیر پڑھتے ہیں، ان میں تمام روایات صحیح ہی نہیں ہوتیں بعض ضعیف بلکہ موضوع بھی ہوتی ہیں بعض طلباء بلکہ بعض مدرسین داڑھی منڈے بھی ہوتے ہیں تو کیا ان کی وجہ سے مدرسے بند کیئے جائیں گے؟ نہیں بلکہ ان معرجات کو روکنے کی کوشش کی جاوے گی بتاؤ اگر داڑھی منڈا قرآن پڑھے تو کیا؟ قرآن پڑھنا بند کرو گے؟ ہرگز نہیں۔ تو اگر داڑھی منڈا میلاد شریف پڑھے تو کیوں بند کرتے ہو؟

اعتراض نمبر ۳ محفل میلاد کی وجہ سے رات کو دیر میں سونا ہوتا ہے، جسکی وجہ سے فجر کی نماز قضا ہوتی ہے اور جس سے فرض چھوٹے وہ حرام لہذا میلاد حرام۔

جواب اولاً تو میلاد شریف ہمیشہ رات کو نہیں ہوتا، بہت دفعہ دن میں بھی ہوتا ہے جہاں رات کو ہو وہاں بہت دیر تک نہیں ہوتا، دس گیارہ بجے ختم ہو جاتا ہے اتنی دیر تک لوگ عموماً ویسے بھی جاگتے ہیں، اگر دیر لگ بھی جاوے تو نماز جماعت کے پابند لوگ صبح کو نماز کے وقت جاگ جاتے ہیں، جیسا کہ بارہا کا تجربہ ہے لہذا یہ اعتراض محض ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو روکنے کا بہانہ ہے اور اگر کبھی میلاد شریف دیر سے ختم ہوا اور اس کی وجہ سے کسی کی نماز کے وقت آنکھ نہ کھلی تو اس سے میلاد شریف کیوں حرام ہو گیا؟ دینی مدارس کے سالانہ جلسے دیگر مذہبی و قومی جلسے رات کو دیر تک ہوتے

ہیں اور بعض جگہ جکاح کی مجلس آخر رات میں ہوتی ہے رات کی ریل سے سفر کرنا ہوتا ہے تو بہت رات تک جاگنا ہوتا ہے کہو کہ یہ جلسے، یہ نکاح، یہ ریل کا سفر حرام ہے یا حلال؟ جب یہ تمام چیزیں حلال ہیں تو محفل میلاد پاک کیوں حرام ہوگی؟ ورنہ وجہ فرق یہاں کرنا ضروری ہے۔

اعتراض نمبر ۴ علامہ شامی نے شامی جلد دوم کتاب الصوم بحث نذر اموات میں کہا کہ میلاد شریف سب سے بدتر چیز ہے اسی طرح تفسیرات احمدیہ شریف میں محفل میلاد شریف کو حرام بتایا اور اس کے حلال جاننے والوں کو کا فر کہا، جس سے معلوم ہوا کہ محفل میلاد سخت بُری چیز ہے۔

جواب شامی نے مجلس میلاد شریف کو حرام نہ کہا بلکہ جس محفل میں گانے باجے اور لغویات ہوں اور اس کو لوگ میلاد کہیں، کارِ ثواب سمجھیں اس کو منع فرمایا ہے چنانچہ وہ اسی بحث میں فرماتے ہیں۔

وَأَفْجُ مِنْهُ النَّذْرُ بِقَرَانَةِ الْمَوْلِدِ فِي الْمَنَازِلِ مَعَ إِشْتِمَالِهِ عَلَى الْغَنَاءِ وَالْعَبِّ وَإِيْهَابِ ثَوَابِ ذَلِكَ إِلَى حَضَرَتِ الْمُصْطَفَى

”اس سے بھی بُری میناروں میں مولود پڑھنے کی نذر ماننا ہے، باوجود یہ کہ اس مولود میں گانے اور کھیل کود ہوتے ہیں اس کا ثواب حضور ﷺ کو ہدیہ کرنا۔“

اسی تفسیرات احمدیہ ہم نے ان گانے کی مجالس کو منع کیا ہے کہ جب میں کھیل تماشے بلکہ شراب نوشی بھی ہو۔ تفسیرات احمدیہ سورہ لقمان زیر آیت **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ** ہم نے بھی پہلے عرض کیا کہ محفل میلاد میں لغویات نہ ہوں، میں نے خود کراچی میں دیکھا کہ بعض جگہ باجے پر نعت پڑھتے ہیں اور اس کو میلاد شریف کہتے ہیں، ایک بار سہوان ضلع بدایوں کے قریب کسی گاؤں میں ایک شخص نے اپنے باپ کی فاتح کرائی۔ بجائے قرآن کی تلاوت کے گراموفون ریکارڈ میں سورہ یاسین بجا کر اس کا ثواب باپ کی روح کو بخشا، ایسی بیہودہ اور حرام باتوں کو کون جائز کہتا ہے؟ اسی طرح ان حضرات کے زمانہ میں بھی ایسی لغو اور بیہودہ مجلسیں ہوتی ہوں گی۔ اس کو یہ منع فرما رہے ہیں اگر مطلقاً میلاد شریف کو جائز ماننا کفر ہے تو حاجی امداد اللہ صاحب پیر و مرشد بھی اسی میں شامل ہوئے جاتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۵ نعت خوانی حرام ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا گانا ہے اور گانے کی احادیث میں برائی آئے ہے اسی طرح تقسیم شیرینی کہ یہ اسراف ہے۔

جواب نعت کہنا اور نعت پڑھنا بہترین عبادت ہے سارا قرآن حضور علیہ السلام کی نعت ہے۔ دیکھو اس کی تحقیقی ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں، گذشتہ انبیائے کرام نے حضرت علیہ السلام کی نعت خوانی کی۔ صحابہ کرام اور سارے مسلمان نعت شریف کو مستحب جانتے رہے خود حضور ﷺ نے اپنی نعت پاک سنی اور نعت خوانوں کو دعائیں دیں، حضرت حسان رضی اللہ عنہ نعتیہ اشعار اور کفار کی مذمت منظوم کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں لاتے تھے تو حضور علیہ السلام ان کیلئے مسجد میں منبر بچھوا دیتے تھے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس پر کھڑے ہو کر نعت شریف سنایا کرتے تھے اور حضور علیہ السلام دعائیں دیتے تھے کہ **اللَّهُمَّ آيِدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ** ”اللہ حسان کی روح القدس سے امداد کر۔“

(دیکھو مشکوٰۃ شریف جلد دوم باب اشعر) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نعت گوئی اور نعت خوانی ایسی اعلیٰ عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو مجلس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں منبر دیا گیا۔ ابوطالب نے نعت لکھی خرپوتی شرح قصیدہ بردہ میں ہے کہ صاحب قصیدہ کو فالج ہو گیا تھا کوئی علاج مفید نہ ہوتا تھا، آخر کار قصیدہ بردہ شریف لکھا۔ رات کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھڑے ہو کر سنایا۔ شفا بھی پائی اور انعام میں چادر مبارک بھی ملی۔ نعت شریف سے دین و دنیا کی نعمتیں ملتی ہیں۔ مولانا جامی، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما۔ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ سارے اولیاء و علماء نے نعتیں لکھیں اور پڑھی ہیں، ان حضرات کے قصائد نعتیہ مشہور ہیں۔ حدیث و فقہ میں گانے بجانے کی برائیوں میں نہ کہ نعت کی۔ جب گیتوں میں مغرب اخلاق مضامین ہوں۔ عورتوں یا شراب کی تعریفیں ہوں واقعی وہ گانے ناجائز ہیں اس کی پوری تحقیقی کے لیے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب **مَا يُقَالُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ** (کتاب الصلوٰۃ) اور باب اشعر میں دیکھو۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ فصیح و بلیغ اشعار کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اگرچہ ان کے مضامین خراب ہوں مگر ان کے الفاظ سے علوم میں مدد ملتی ہے، دیوان متنبی وغیرہ مدارس اسلامیہ میں داخل ہیں حالانکہ ان کے مضامین گندے ہیں، تو نعتیہ اشعار سیکھنا، یاد کرنا، پڑھنا جن کے مضامین بھی اعلیٰ الفاظ پاکیزہ کس طرح ناجائز ہو سکتے ہیں؟ شامی کے مقدمہ میں شعر کی بحث میں ہے۔

وَمَعْرِفَةُ شِعْرِهِمْ رَوَايَةٌ وَدَرَايَةٌ عِنْدَ فَقْهَاءِ الْإِسْلَامِ فَرَضٌ كَفَّايَةٌ، لِأَنَّهُ تَبَيَّنَتْ بِهِ قَوَائِدُ الْعَرَبِيَّةِ وَكَلَامُ مُهْمٌ وَإِنْ جَانَفِيهِ الْخَطَا فِي الْمَعَانِي فَلَا يُجُوزُ فِيهِ الْخَطَا فِي الْأَلْفَاظِ

”شعر جاہلیت کے شعروں کو جاننا سمجھنا روایت کرنا فقہاء اسلام کے نزدیک فرض کفایہ ہے کیونکہ اس سے عربی قواعد ثابت کیئے جاتے ہیں اور ان کے کلام میں اگرچہ معنوی خطا ممکن ہے مگر لفظی غلطی نہیں ہو سکتی۔“

گانے کی پوری تحقیق بحث عرس میں قوالی کے ماتحت آوے گی۔ ان شاء اللہ عزوجل

تقسیم شیرینی بہت اچھا کام ہے، خوشی کے موقعہ پر کھانا کھانا، مٹھائی تقسیم کرنا احادیث سے ثابت ہے، حقیقہ، ولیمہ وغیرہ میں کھانے کی دعوت سنتِ خوشی ہوتی ہے، دعوت کرتا ہے صدقہ و خیرات کرتا ہے، شیرینی تقسیم کرتا ہے، اسی طرح اساتذہ کرام کا طریقہ ہے کہ دینی کتاب شروع ہونے اور ختم ہونے پڑھنے والے سے شیرینی تقسیم کراتے ہیں، میں نے مینڈو ضلع علیگزہ میں کچھ عرصہ تعلیم پائی ہے وہاں دیوبندیوں کا مدرسہ تھا مگر کتاب شروع ہونے پر شیرینی تقسیم کی جاتی تھی اس سے معلوم ہوا کہ دینی اہم کام کرنے سے پہلے اور ختم کر کے تقسیم شیرینی سنتِ سلف صالحین ہے اور محفل میلاد بھی اہم دینی کام ہے اس سے پہلے اہل قربت کو میلاد خوانوں اور مہمانوں کو کھانا کھانا بعد میں حاضرین میں تقسیم شیرینی کرنا اسی میں داخل ہے۔

اس تقسیم کی اصل قرآن وحدیث سے ملتی ہے، قرآن فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جِئْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدْ مَوَّابِينَ يَدَي نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ ذَالِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ

پارہ ۲۸، سورہ مجادلہ

”اے ایمان والو جب تم رسول سے کچھ آہستہ عرض کرنا چاہو تو اس سے پہلے کچھ صدقہ دے لو یہ تمہارے لیے بہتر اور بہت سہرا ہے۔“
اس آیت سے معلوم ہوا کہ شروع اسلام میں مالداروں پر ضروری تھا کہ جب حضور علیہ السلام سے کوئی ضروری مشورہ کریں تو پہلے خیرات کریں، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دینار خیرات کر کے حضور علیہ السلام سے دس مسئلے کچھ بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہو گیا۔

(دیکھو تفسیر خزائن العرفان و خازن مدارک) اگرچہ وجوب منسوخ ہو گیا مگر اباحت اصل ہے اور استحباب تو باقی ہے اس سے معلوم ہوا کہ مزارات اولیاء اللہ پر کچھ شیرینی لے کر جانا، مرشدین اور صلحاء کے پاس کچھ لے کر حاضر ہونا مستحب ہے، اسی طرح احادیث و قرآنی یا دینی کتب کے شروع کرتے وقت کچھ صدقہ کرنا بہتر ہے میلاد شریف پڑھنے سے پہلے کچھ خیرات کرنا کار چواب ہے کہ ان میں بھی درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے کلام کرتا ہے، تفسیر فتح العزیز صفحہ ۸۶ میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک حدیث نقل کی ”یعنی اور شعب الایمان از ابن عمر روایت کردہ کہ عمر ابن الخطاب سورۃ بقرہ ابا حقائق آل در مدت دوازده سال خوانده فارغ شد و روزے ختم شترے را کہ کشتہ طعام وافر پختہ یا ران حضرت پیغمبر را خورانیہ“ یعنی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ حضرت فارق نے سورہ بقرہ بارہ سال کی مدت میں اس کے رموز اسرار کے ساتھ پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو ختم کے دن ایک اونٹ ذبح کر کے بہت سا کھانا پکا کر صحابہ کرام کو کھلایا۔ اہم کار خیر سے فارغ ہو کر تقسیم شیرینی و طعام ثابت ہوا۔

میلاد پاک بھی اہم کام ہے بزرگان دین تو فرماتے ہیں کہ کسی اہل قربت کے یہاں جاؤ تو خالی نہ جاؤ کچھ لے کر جاؤ **تَهَادُوا وَتُحِبُّوا** ایک دوسرے کو ہدیہ و محبت بڑھے گی۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ جب دیا محبوب یعنی مدینہ پاک میں جاوے تو وہاں کے فقراء کو صدقہ دے کہ وہ اجیران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ رب تعالیٰ کے یہاں بھی پہلا سوال یہ ہی ہوگا کہ کیا اعمال لائے؟

حق بفرماید چہ آوردی مرا! اندران مہلت کہ من دادم ترا

یہ تقسیم اسراف نہیں، کسی نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ **لَا خَيْرَ فِي السَّرَفِ** اسراف میں بھلائی نہیں، فوراً جواب دیا **لَا سَرَفَ فِي الْخَيْرِ** بھلائی میں خرچ کرنا اسراف نہیں۔

اعتراض نمبر ۶ محفل میلاد کے لیے ایک دوسرے کو بلانا حرام ہے۔ دیکھو لوگوں کو بلانے کی جماعت بھی منع ہے تو کیا میلاد اس سے بڑھ کر ہے؟ (براہین)

جواب مجلس وعظ، دعوت ولیمہ، مجالس امتحان و محفل نکاح و حقیقہ وغیرہ میں لوگوں کا بلایا ہی جاتا ہے بولو یہ امور حرام ہو گئے یا حلال رہے؟ اگر کہو کہ نکاح و وعظ وغیرہ فرائض اسلامی ہیں لہذا ان کے لیے مجمع کرنا حلال، تو جناب تعظیم رسول اللہ ﷺ اہم فرائض سے ہے۔ لہذا اس کے لیے بھی مجمع کرنا حلال ہے، نماز پر دیگر حالات کو قیاس کرنا سخت جہالت ہے، اگر کوئی کہے کہ نماز بے وضو منع ہے، لہذا تلاوت قرآن بھی بے وضو منع ہونی چاہئے وہ احمق ہے یہ قیاس مع الفاروق ہے۔

اعتراض نمبر ۷ کسی کی یادگار منانا اور دن تاریخ مقرر کرنا شرک ہے اور میلاد شریف میں دونوں ہیں لہذا یہ بھی شرک ہے۔

جواب خوشی کی یادگار منانا بھی سنت ہے اور دن و تاریخ مقرر کرنا مسنون اس کو شرک کہنا انتہاء درجہ کی جہالت و بے دینی ہے۔ رب تعالیٰ نے مویٰ علیہ السلام کو حکم دیا **وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ** یعنی بنی اسرائیل کو وہ دن بھی یاد دلاؤ جن میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر نعمتیں اتاریں، جیسے غرق و فرعون من سلویٰ کا نزول وغیرہ (خزائن عرفان) معلوم ہوا کہ جن دنوں میں رب تعالیٰ اپنے بندوں کو نعمت دے ان کی یادگار منانے کا حکم ہے۔ مشکوٰۃ کتاب الصوم باب صوم التطوع فصل اول میں ہے۔

سَبَّلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ فَقَالَ فِيهِ وَلَدْتُ وَفِيهِ اُنْزِلَ عَلَيَّ وَحْيٌ

”حضور ﷺ سے دو شنبہ کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اسی دن ہم پیدا ہوئے اور اسی دن ہم پر وحی کی ابتدا ہوئی۔“

ثابت ہوا کہ دو شنبہ کا روزہ اس لئے سنت ہے کہ یہ دن حضور ﷺ کی ولادت کا ہے۔ اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ یادگار مناسبت ہے۔ عبادت خواہ بدنی ہو جیسے روزہ اور نوافل یا مالی جیسے صدق اور خیرات تقسیم شیرینی وغیرہ، مشکوٰۃ یہی باب فصل ثالث میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ پاک میں تشریف لائے تو وہاں یہودیوں کو دیکھا کہ عاشورہ کے دن روزے رکھتے ہیں، سبب پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب نے فرعون سے نجات دی تھی ہم اس کے شکر یہ میں روزہ رکھتے ہیں۔

تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

فَنَحْنُ أَحَقُّ وَأَوْلَىٰ بِمُوسَىٰ مِنْكُمْ ہم موسیٰ علیہ السلام سے تم سے زیادہ قریب ہیں **فَصَامَهُ** و **وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ** خود بھی اس

دن روزہ رکھا اور لوگوں کو عاشورہ کے روزہ کے حکم دیا چنانچہ اول اسلام میں یہ روزہ فرض تھا اب فرضیت تو منسوخ ہو چکی مگر استحباب باقی ہے، اسی مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے کہ عاشورہ کے روزے کے متعلق کسی نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اس میں یہود سے مشابہت ہے تو فرمایا کہ اچھا سال آئندہ اگر زندگی رہی تو ہم دو روزے رکھیں گے یعنی چھوڑا نہیں، بلکہ زیادتی فرما کر مشابہت اہل کتاب سے بچ گئے، ہم نے شان حبیب الرحمن میں حوالہ کتب سے بیان کیا کہ بجگا نہ نمازوں کی رکعتیں مختلف کیوں ہیں، فجر میں دو مغرب میں تین عصر میں چار۔ وہاں جواب دیا ہے کہ یہ نمازیں گذشتہ انبیاء کی یادگاریں ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے دنیا میں آکر رات دیکھی تو پریشان ہوئے صبح کے وقت دو رکعت شکر یہ ادا کیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ دنبہ پایا، لخت جگر کی جان بچی۔ قربانی منظور ہوئی۔ چار رکعت شکر یہ ادا کیں۔ یہ ظہر ہوئی وغیرہ وغیرہ۔ معلوم ہوا کہ نمازوں کی رکعات بھی دیگر انبیاء کی یادگار ہیں۔ حج تو از اول تا آخر ہاجرہ واسلمعیل و ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے اب نہ تو وہاں پانی کی تلاش ہے نہ شیطان کا قربانی سے روکنا، مگر صفا مروہ کے درمیان چلنا، بھاگنا۔ منیٰ میں شیطان کو نکمر مارنا بدستور ویسے ہی وجود ہے، محض یادگار کے لئے اس کی نفیس بحث کا مطالعہ کرو۔ شان حبیب الرحمن میں۔

ماہ رمضان خصوصاً شب قدر اس لئے افضل ہوئے کہ ان میں قرآن کریم کا نزول ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي اُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ اور فرماتا ہے **اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ** جب قرآن کے نزول کی وجہ سے یہ مہینہ

رات تا قیامت اعلیٰ ہو گئے تو صاحب قرآن ﷺ کی ولادت پاک سے تا قیامت ربیع الاول اور اس کی بارہویں تاریخ اعلیٰ و افضل کیوں نہ ہوں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے دن کو روز عید قرار دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ جس دن جس تاریخ میں کسی اللہ ولے پر اللہ کی رحمت آئی ہو، وہ دن، وہ تاریخ تا قیامت رحمت کا دن بن جاتا ہے، دیکھو جمعہ کا دن اس لئے افضل ہے کہ اس دن میں گذشتہ انبیاء علیہ السلام پر ربانی انعام ہوئے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش، انہیں سجدہ کرنا، انکا دنیا میں آنا نوح علیہ السلام کی کشتی پارلگنا، یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا، یعقوب علیہ السلام کا اپنے فرزند سے ملنا، موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا۔ پھر آئندہ قیامت کا آنا یہ سب جمع ہ کے دن ہے لہذا جمعہ سید الایام ہو گیا۔

اسی طرح برعکس کا حال ہے کہ جن مقامات اور جن تاریخوں میں قومیں پر عذاب آیا ان سے ڈرو۔ منگل کے دن فصد نہ لو کہ یہ خون کا دن ہے، اسی دن ہابیل کا قتل ہوا، اسی دن حضرت حوا کو حیض شروع ہوا۔ دیکھو ان دنوں میں یہ واقعات کبھی ایک بار ہو چکے، مگر ان واقعات کی وجہ سے دن میں عظمت یا حقارت ہمیشہ کے لئے ہو گئی۔

معلوم ہوا کہ بزرگوں کی خوشی یا عبادت کی یادگاریں منانا عبادت ہے آج بھی یادگار اسماعیل شہید یا دیگر مالانا قاسم خود مخالفین مناتیں ہیں اگر کسی چیز کا مقرر کرنا شرک ہو جاوے، تو مدرسہ کی تنخواہ مقرر، کھانے اور سونے کے لئے وقت مقرر، دستار بندی کے لئے دورہ حدیث مقرر، مدرسین کی تنخواہ مقرر، تاریخیں مقرر، میلا دشریف کو شرک کرنے کے شوق میں اپنے گھر کو تو آگ نہ لگاؤ، یہ تاریخیں محض عادت کے طور پر مقرر کی جاتی ہیں، یہ کوئی بھی نہیں سمجھتا کہ اس تاریخ کے علاوہ اور تاریخ میں محفل میلا دجائز ہی نہیں۔ اسی لئے ہمارے یوپی میں ہر مصیبت کے وقت کسی کے انتقال کے بعد میلا دشریف کرتے ہیں کاٹھیا واڑ میں خاص شادی کے دن، میت کے تیج، دسویں، چالیسویں کے دن میلا دشریف کرتے ہیں، پھر ماہ ربیع الاول میں ہر جگہ پورے ماہ میلا دشریف ہوتے رہتے ہیں سوائے دیوبند کے ہر جگہ دستور ہے بلکہ سنا گیا ہے کہ وہاں بھی عام باشندے میلا دشریف برابر کرتے ہیں۔

خیال رہے کہ دن یا جگہ مقرر کرنا چند وجہ سے منع ہے ایک یہ کہ وہ دن یا جگہ کسی بت سے نسبت رکھتی ہو، جیسے ہولی، دیوالی کے دن اس کی تعظیم کے لئے دیگ پکائے یا مندر میں جا کر صدقہ کرے اسی لئے مشکوٰۃ باب اللہ میں ہے کہ کسی نے بوانہ میں اونٹ ذبح کرنے کی منت مانی تو فرمایا کیا وہاں کوئی بت یا کفار کا میلہ تھا عرض کیا نہیں، فرمایا جا اپنی نذر پوری کر، یا اس تعین میں کفار سے مشابہت ہو یا اس تعین کو واجب جانے۔ اسی لئے مشکوٰۃ باب صوم النفل میں ہے کہ صرف جمعہ کے روزے سے منع فرمایا کیونکہ اس میں یہود سے مشابہت ہے یا اُسے واجب جاننا منع ہے یا جمعہ عید کا دن ہے

اُسے روزے کا دن نہ بناؤ۔

ان اعتراضات سے معلوم ہوا کہ مانعین کے پاس کوئی دلیل حرمت موجود نہیں، یوں ہی ایک چٹہ پیدا ہو گئی ہے اس لئے محض قیاسات باطلہ سے حرام کہتے ہیں مگر یاد رہے۔

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چہ چا تیرا

بحث قیام میلاد کے بیان میں

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں، مقدمہ میں قیام کے متعلق ضروری باتیں ہیں۔

نماز میں دو طرح کی عبادتیں ہیں۔ قوی اور فعلی۔ قوی تو قرآن کریم کی تلاوت۔ رکوع سجود کی تسبیح التحیات وغیرہ پڑھنا۔ اور فعلی عبادات چار ہیں۔ قیام، رکوع، سجدہ، بیٹھنا۔ قیام کے معنی ہیں اس طرح سیدھا ہونا کہ ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہنچ سکیں۔ رکوع کے معنی ہیں اس قدر جھکنا کہ گھٹنوں تک ہاتھ پہنچ جاویں اسی لئے زیادہ کھڑے کے پیچھے تندرست کی نماز نہیں، کیونکہ وہ قیام نہیں کر سکتا، ہر وقت رکوع میں ہی رہتا ہے۔ سجدہ کے معنی ہیں سات اعضاء کا زمین پر لگنا، دنوں پاؤں کے نیچے دونوں گھٹنے، دونوں ہتھیلیاں، ناک و پیشانی۔ اسلام سے پہلے دیگر انبیائے کرام کی امتوں میں کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا۔ رکوع کرنا۔ سجدہ کرنا اور بیٹھنا ہر کام جائز تھا۔ مگر عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ تحسین و تعظیم کے لئے اے پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ سے سجدہ تعظیمی کرایا اور یعقوب علیہ السلام اور ان کے فرزندوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی کیا (قرآن کریم) مگر اسلام نے تعظیمی قیام اور تعظیماً بیٹھنے کو تو جائز رکھا مگر تعظیمی رکوع اور تعظیمی سجدہ حرام کر دیا، معلوم ہوا کہ قرآن حدیث سے منسوخ ہوتا ہے کیونکہ غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیمی کا ثبوت تو قرآن سے ہے اور اس کا نسخ حدیث پاک سے ہے یہ بھی خیال رہے کہ کسی کے سامنے جھکنا یا زمین پر سر رکھنا جب حرام ہوگا جبکہ رکوع و سجدہ کی نیت سے یہ کام کرے لیکن اگر کسی بزرگ کا جو تاسیدھا کرنے یا ہاتھ پاؤں چومنے کے لئے جھکا تو جھکنا تو پایا گیا مگر چونکہ اس میں رکوع کی نیت نہیں ہے لہذا یہ رکوع نہیں ہاں تاحد رکوع جھکنا حرام اور جھکنا کسی اور کام کے لئے تھا، اور کام تعظیم کے لئے تو جائز جیسے کہ کسی کے جوتے سیدھے کرنا وغیرہ، یہ فرق ضرور خیال میں رہے بہت ہی باریک ہے۔ شامی جلد پنجم کتاب الکرہیۃ باب الاستبراء کے آخر میں ہے۔

الْإِيمَاءُ فِي السَّلَامِ إِلَى قَرِيبِ الرُّكُوعِ كَالسُّجُودِ وَفِي الْمُحِيطِ أَنَّهُ يُكْرَهُ الْإِنْهَاءُ لِلسُّلْطَنِ وَغَيْرِهِ
 ”اسلام میں رکوع کے قریب جھک کر اشارہ کرنا سجدہ کی طرح ہے (حرام ہے) محیط میں ہے کہ بادشاہ کے سامنے جھکنا مکروہ تحریمی ہے۔“

پہلا باب

قیام میلاد کے ثبوت میں

قیام یعنی کھڑا ہونا چھ طرح کا ہے، قیام جائز، قیام فرض، قیام سنت، قیام مستحب، قیام مکروہ، قیام حرام۔ ہم ہر ایک کے پچھاننے کا قاعدہ عرض کئے دیتے ہیں جس سے قیام میلاد کا حال خود بخود معلوم ہا جاوے گا کہ یہ قیام کیسا ہے۔

(۱) دنیاوی ضروریات کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے، اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں کھڑے ہو کر عمارت بنانا اور دیگر دنیاوی کاروبار کرنا وغیرہ۔
فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ ”جب نماز جمعہ ہو جاوے تو تم زمین میں پھیل جاؤ۔“
 پھیلنا بغیر کھڑے ہوئے ناممکن ہے۔

(۲) بیچ وقتہ نماز اور واجب نماز میں قیام فرض ہے، **وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ** اللہ کے سامنے اطاعت کرتے ہوئے کھڑے ہو یعنی اگر کوئی شخص قدرت رکھتے ہوئے بیٹھ کر ادا کرے تو یہ نماز نہ ہوگی۔

(۳) نوافل میں کھڑا ہونا مستحب ہے اور بیٹھ کر بھی جائز۔ یعنی کھڑے ہو کرے پڑھنے میں ثواب زیادہ ہے۔

(۴) چند موقعوں پر کھڑا ہونا سنت ہے اولاً تو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اسی لئے آب زمزم اور وضو کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔ حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر اللہ حاضری نصیب فرماوے تو نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا سنت ہے عالمگیری جلد اول آخر کتاب الحج آداب زیارت قبر النبی علیہ السلام میں ہے۔

وَيَقِفُ كَمَا يَقِفُ فِي الصَّلَاةِ وَيَمْلَأُ صُورَتَهُ الْكَرِيمَةَ كَأَنَّهُ نَائِمٌ فِي لَحْدِهِ عَالِمٌ بِهِ يَسْمَعُ كَلَامَهُ
 ”روضہ مطہرہ کے سامنے ایسے کھڑا ہو جیسے کہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور اس جمال پاک کا نقشہ ذہن میں جمائے گویا کہ وہ سرکار ﷺ اپنی قبر انور میں آرام فرما ہیں۔ اس کو جانتے ہیں اور اس کی بات سنتے ہیں۔“

اسی طرح مومنین کی قبروں پر فاتحہ پڑھے تو قبلہ کو پشت اور قبر کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا سنت ہے۔ عالمگیری کتاب الکرہیۃ باب زیارت القبور میں ہے۔

يَخْلَعُ نَعْلَيْهِ ثُمَّ يَقِفُ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ مُسْتَقْبِلًا لِّوَجْهِ الْمَيِّتِ

”اپنے جوتے اتار دے اور کعبہ کی طرف پشت اور میت کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو۔“

روضہ پاک، آب زمزم، وضو کا پانی، قبر مومن سب متبرک چیزیں ہیں۔ ان کی تعظیم قیام ہے کرائی گئی۔ دوسرے جب کوئی دینی پیشوا آئے تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا سنت ہے اسی طرح جب دینی پیشوا سامنے کھڑا ہو تو اُس کے لئے کھڑا رہنا سنت اور بیٹھا رہنا بے ادبی ہے۔ مشکوٰۃ جلد اول کتاب الجہاد باب حکم الاسراء اور باب القیام میں ہے کہ جب سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام نے انصار کو حکم دیا۔ **قُومُوا اِلٰی سَيِّدِكُمْ** اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ یہ قیام تعظیمی تھا نہ یہ کہ ان کو محض مجبوی کی وجہ سے قیام کرایا گیا۔ نیز

گھوڑے سے اتارنے کے لئے ایک دو صاحب ہی کافی تھے سب کو کیوں فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ، نیز گھوڑے سے اتارنے کے لئے تو حاضرین مجلس پاک میں سے کوئی بھی چلا جاتا، خاص انصار کو کیوں حکم فرمایا، ماننا پڑے گا کہ یہ قیام تعظیمی ہی تھا اور حضرت سعد انصار کے سردار تھے۔ ان سے تعظیم

کرائی گئی، جن لوگوں نے الی سے دھوکا کھا کر کہا ہے کہ یہ قیام بیماری کے لئے تھا وہ اس آیت میں کیا کہیں گے؟ **اِذَا قُمْتُمْ اِلٰی الصَّلٰوةِ** کیا نماز بھی بیمار ہے کہ اس کی امداد کے لئے کھڑا ہونا ہے۔ ائمة الممعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔ نخت و مرآت تو قیروا کرام سعدیوں مقام و امر تعظیم و تکریم اور اوریں ہاں آں باشند کہ اور ابرائے حکم کردن طلبیدہ بودند پیش اعلان شان اور اوریں مقام اولیٰ وانسب باشند۔“

اس موقع پر سعد کی تعظیم و تکریم کرانے میں یہ حکمت ہوگی کہ ان کو نبی قریظہ پر حکم فرمانے کے لئے بلایا تھا اس جگہ ان کی شان کا اظہار بہتر اور مناسب تھا۔

مشکوٰۃ باب القیام میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ **فَاِذَا قَامَ قُمْنًا مَا حَتَّىٰ فَرَّئِنَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضُ بُيُوتِ اَزْوَاجِهِ** جب حضور ﷺ مجلس سے اٹھتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے تھے یہاں تک کہ ہم دیکھ لیتے تھے کہ آپ اپنی کسی بیوی پاک کے گھر میں داخل ہو گئے۔

ائمة الممعات کتاب الادب باب القیام میں زیر آیت حدیث **قُومُوا اِلٰی سَيِّدِكُمْ** ہے۔ اجماع کردہ اندجما ہر علماء بایں حدیث برا کرام اہل فضل از علم با صلاح یا شرف و نودی گفتہ کہ ایں قیام مرا اہل فضل را وقت قروم آ ورون ایشاں مستحب است واحادیث وریں باب درد یافتہ دور نہی ازاں صریحا چیزے صحیح نہ شسدہ از ققیہ نقل کردہ کہ مکروہ نیست قیام جالس از برائے کسی کہ در آمدہ است بروء بجهت تعظیم۔ اس حدیث کی وجہ سے جمہور علمائے صالحین کی تعظیم کرنے پر اتفاق کیا ہے نووی نے فرمایا کہ بزرگوں کی تشریف آوری کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہو اس بارے میں احادیث آئی ہیں اور اس کی ممانعت میں صراحۃً کوئی حدیث نہیں آئی، قیہ سے نقل کیا کہ بیٹھے ہوئے آدمی کا کسی آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا مکروہ نہیں۔ عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب ملاقات الملوک میں ہے۔

تُجَوُّزُ الْخِدْمَةِ بِغَيْرِ اللَّهِ تَعَالٰی بِالْقِيَامِ وَآخِذِ الْيَدَيْنِ وَالْإِنْحِنَاءِ

”غیر خدا کی عظمت کرنا کھڑے ہو کر مصافحہ کر کے جھک کر ہر طرح جائز ہے۔“

اس جگہ جھکنے سے روم رکوع سے کم جھکنا۔ تا حد رکوع جھکنا تو ناجائز ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔ در مختار جلد پنجم کتاب الکراہیۃ باب الاستبراء کے آخر میں ہے۔

يَجُوزُ بَلْ يُنْدَبُ الْقِيَامُ تَعْظِيمًا لِلْقَادِنِ يَجُوزُ الْقِيَامُ وَلَوْ لِلْقَارِي بَيْنَ يَدَيِ الْعَالِمِ

”آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا جائز بلکہ مستحب ہے جیسے کہ قرآن پڑھنے والے کو عالم کے سامنے کھڑا ہو جانا جائز ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کی حالت میں بھی کوئی عالم دین آ جاوے تو اس کے لئے کھڑا ہو جانا مستحب ہے اس کے ماتحت شامی میں ہے۔

وَقِيَامُ قَارِي الْقُرْآنِ لِمَنْ يُجْبَىٰ تَعْظِيمًا لَا يَكْرَهُ اِذْ كَانَ مِمَّنْ يَسْتَحِقُّ التَّعْظِيمَ

”قرآن پڑھنے والے کا آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا مکروہ نہیں جبکہ وہ تعظیم کے لائق ہو۔“

شامی جلد اول باب الامامت میں ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں صف اول میں جماعت کے انتظار میں بیٹھا ہے اور کوئی عالم آدمی آ گیا اس کے لئے جگہ چھوڑ دینا خود پیچھے ہٹ جانا مستحب ہے بلکہ اس کے لئے پہلی صف میں نماز پڑھنے سے افضل ہے یہ تعظیم تو علماء امت کی ہے لیکن صدیق اکبر نے تو عین نماز پڑھاتے ہوئے جب حضور علیہ السلام کو تشریف لاتے دیکھا تو خود مقتدی بن گئے اور بیچ نماز میں حضور علیہ السلام امام ہوئے۔

(مشکوٰۃ باب مرض التبی) ان امور سے معلوم ہوا کہ بزرگان دین کی تعظیم عبادت کی حالت میں بھی کی جاوے۔

مسلم جلد دوم باب حدیث توبہ ابن مالک کتاب التوبہ میں ہے۔

فَقَامَ طَلْحَةُ ابْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ يَهْرُولُ حَتَّىٰ صَافَحَنِي وَهَنَانِي

”پس طلحہ ابن عبید اللہ کھڑے ہو گئے اور دور سے آئے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔“

اس جگہ نودی میں ہے۔ **فِيهِ اسْتِحْبَابُ مُصَافَحَةِ الْقَادِمِ وَالْقِيَامِ لَهُ، اِكْرَامًا وَالْهَرُ وَلَهُ اِلَى بَقَائِهِ**

اس سے ثابت ہوا کہ آنے والے سے مصافحہ کرنا، اس کی تعظیم کو کھڑا ہونا، اس کے ملنے کے لئے دوڑنا مستحب ہے۔

تیسرے جبکہ کوئی اپنا پیارا آ جاوے تو اس کی خوشی میں کھڑا ہو جانا، ہاتھ پاؤں چومنا سنت ہے، مشکوٰۃ کتاب الادب باب المصافحہ میں ہے کہ زید ابن حارثہ دروازہ پاک مصطفیٰ علیہ السلام پر حاضر ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔

فَقَامَ اِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُرِيَانًا فَاعْتَقَهُ، وَقَبَّلَهُ،

”ان کی طرف حضور علیہ السلام بغیر چادر شریف کے کھڑے ہو گئے پھر ان کو گلے لگا لیا اور بوسہ دیا۔“

مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ جب حضرت خاتونِ بختِ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

اِلَيْهَا فَاخَذَ بِيَدِهَا فَقَبَّلَهَا وَاجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهِ ان کیلئے کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ پکڑے ان کو چومتے اور اپنی جگہ ان کو بٹھاتے۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تو آپ بھی کھڑی ہو جاتیں اور ہاتھ مبارک دیتیں اور اپنی جگہ حضور علیہ السلام کو بٹھالیتیں۔ مرقات باب المشی بالجمازۃ فصل دوم میں ہے۔

فِيهِ اِيْمَاءٌ اِلَى نُدْبِ الْقِيَامِ لِنَعْظِيمِ الْفَضْلَاءِ وَالْكِبَرَاءِ معلوم ہوا کہ فضلاء کے لئے قیام تعظیمی جائز ہے۔ چوتھے جبکہ کوئی پیارے کا ذکر سے یا کوئی اور خوشی کی خبر سنے تو اسی وقت کھڑا ہو جانا مستحب اور سنت صحابہ و سنت سلف ہے، مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل ثالث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ مجھ کو صدیق اکبر نے ایک خوشخبری سنائی۔

فَقُمْتُ اِلَيْهِ وَقُلْتُ يَا بِي اَنْتَ وَاُمِّي اَنْتَ اَحَقُّ بِهَا

”تو میں کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ ہی اس لائق ہیں۔“

تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت **مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ** ہے کہ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مجمع علماء موجود تھا کہ ایک نعت خواں نے نعت کے دو شعر پڑھے۔

فَعِنْدَ ذَالِكَ قَامَ الْاِمَامُ السُّبْكِيُّ وَجَمِيعُ مَنْ فِي الْمَجْلِسِ فَحَصَلَ اُنْسٌ عَظِيمٌ بِذَالِكَ الْمَجْلِسِ

”تو فوراً امام سبکی اور تمام حاضرین مجلس کھڑے ہوئے اور اس مجلس میں بہت ہی لطف آیا۔“

پانچویں کوئی کافر اپنی قوم کا پیشوا ہو، اور اس کے اسلام لانے کی امید ہو تو اس کے آنے پر اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا سنت ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے لئے حاضر خدمت ہوئے تو حضور علیہ السلام نے کھڑے ہو کر ان کو اپنے سینہ سے لگایا۔ (کتب توارخ) عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب اہل الذمہ میں ہے۔

اِذَا دَخَلَ ذِمِّيٌّ عَلَى مُسْلِمٍ فَقَامَ لَهُ، طَعْمًا فِيْ اِسْلَامِهِ فَلَا بَأْسَ

”کوئی ذمی کافر مسلمان کے پاس آیا مسلمان اس کے اسلام کی امید پر اس کے لئے کھڑا ہو گیا تو جائز ہے۔“

(۵) چند جگہ قیام مکروہ ہے۔ اولاً آب زمزم اور وضو کے سوا اور پانی کو پیٹے وقت کھڑا ہونا بلا عذر مکروہ ہے۔ دوسرے دنیا داری کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا دنیا لالچ سے بلا عذر مکروہ ہے تیسرے کافر کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اس کی مال داری کی وجہ سے مکروہ ہے۔ عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب اہل الذمہ میں ہے۔

وَإِنْ قَامَ لَهُ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْوِي شَيْئًا مِّمَّا ذَكَرْنَا أَوْ قَامَ طَعْمًا لِنِغَاةِ كُرْهِ لَهُ، ذَلِكَ

”اگر اس کے لئے سوائے مذکورہ صورتوں کے کھڑا ہو یا اس کی مال داری کے طمع میں کھڑا ہو تو مکروہ ہے۔“

چوتھے جو شخص اپنی تعظیم کرانا چاہتا ہو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے۔ پانچویں اگر کوئی بڑا آدمی درمیان میں بیٹھا ہو اور لوگ اس کے آس پاس دست بستہ کھڑے ہوں تو اس طرح کھڑا ہونا سخت منع ہے اپنے لئے قیام پسند کرنا بھی منع ہے اس کے حوالے دوسرے باب میں آویں گے ان شاء اللہ یہ تقسیم خیال میں وہ ہے۔

جب یہ تحقیق ہو چکی تو اب کیونکہ ہم قیام سنت میں چوتھا قیام وہ بتا چکے کہ جو خوشی کی خبر پا کر یا کسی پیارے کے ذکر پر ہو، اور پہلا قیام وہ بتایا جو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے ہو، لہذا قیام میلاد چند وجہ سے سنت میں داخل ہوا، ایک تو اس لئے کہ یہ ذکر ولادت کی تعظیم کے لئے ہے دوسرے اس لئے کہ ذکر ولادت سے بڑھ کر مسلمان کے لئے کوئی خوشی ہو سکتی ہے اور خوشی کی خبر مسنون ہے، تیسرے نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر مسلمان کے نزدیک

کون محبوب ہے، وہ جان اولاد ماں باپ متاع سب سے زیادہ محبوب ہیں ان کے ذکر پر کھڑا ہونا سنت سلف الصالحین ہے۔ چوتھے اس لئے کہ ولادت پاک کے وقت ملائکہ در دولت پر کھڑے ہوئے تھے اس لئے ولادت کے ذکر پر کھڑا ہونا فعل ملائکہ ہے مشابہ ہے۔ پانچویں اس لئے کہ ہم بحث میلاد میں حدیث سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنے اوصاف اور اپنا منصب شریف منبر پر کھڑے ہو کر بیان فرمایا تو اس قیام کی اصل مل گئی۔ چھٹے اس لئے کہ شریعت نے اس کو منع نہ کیا۔ اور ہر ملک کے عام مسلمان اس کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں اور جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے ہم اس کی تحقیقی بحث میلاد اور بحث بدعت میں کر چکے ہیں نیز پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مسلمان جس کام کو مستحب جانیں وہ شریعت میں مستحب ہے، شامی جلد سوم کتاب الوقف، وقف منقولات کی بحث میں فرماتے ہیں۔

لَآنَّ التَّعَامَلَ . يُتْرَكُ بِهِ الْقِيَاسُ لِحَدِيثِ مَا رَأَاهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ یعنی دیکھی و جنازہ وغیرہ کا وقف قیاساً ناجائز ہونا چاہئے مگر چونکہ عام مسلمان اس کے عامل ہیں لہذا قیاس چھوڑ دیا گیا اور اسے جائز مانا گیا دیکھو عامۃ المسلمین جس کام کو اچھا سمجھنے لگیں۔ اور اس کی حرمت کی نص نہ ہو تو قیاس کو چھوڑنا لازم ہے۔ در مختار جلد پنجم کتاب الاجارات باب اجارت الفاسدہ میں ہے۔

وَجَازَ اجَارَةُ الْحَمَّامِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَخَلَ حَمَّامَ الْحَجَفَةِ وَلِلْعُرْفِ وَقَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا رَأَاهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ

”حمام کا کرایہ جائز ہے کیونکہ حضور علیہ السلام شہر حجفہ کے حمام میں تشریف لے گئے اور اس لئے کہ عرف جاری ہو گیا اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ اچھا ہے۔“

اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے حجفہ کے حمام میں داخل ہونے کی روایت سخت ضعیف ہے بعض نے کہا کہ موضوع ہے لہذا اب حمام کے جائز ہونے کی دلیل صرف ایک رہ گئی یعنی عرف عام متع ثابت ہوا کہ جو کام مسلمان عام طور پر جائز سمجھ کر کریں وہ جائز ہے۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔

لَآنَّ النَّاسَ فِي سَائِرِ الْأَمْصَارِ يُدْفَعُونَ أَجْرَتِ الْحَمَّامِ فَذَلَّ إِجْمَاعُهُمْ عَلَى جَوَازِ ذَلِكَ وَإِنْ كَانَ الْقِيَاسُ يَا بَاهُ

”کیونکہ تمام شہروں میں مسلمان لوگ حمام کی اجرت دیتے ہیں پس ان کے اجماع سے اس کا جائز ہونا معلوم ہوا اگرچہ یہ خلاف قیاس ہے۔“ ثابت ہوا کہ حمام کا کرایہ قیاساً جائز نہ ہونا چاہئے کیونکہ خبر نہیں ہوتی کہ کتنا پانی خرچ ہوگا اور کرایہ میں نفع و اجرت معلوم ہونا ضروری ہے لیکن چونکہ مسلمان عام طور پر اس کو جائز سمجھتے ہیں لہذا یہ جائز ہے قیام میلاد کو بھی عامل مسلمان مستحب سمجھتے ہیں لہذا مستحب ہے۔ ساتویں اس لئے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَتُعَزُّ رُؤَاهُ تُوقِرُوهُ ”اے مسلمانوں ہمارے نبی کی مدد کرو اور انکی تعظیم کرو۔“ تعظیم میں کوئی پابندی نہیں بلکہ جس زمانہ میں اور جس جگہ جو طریقہ بھی تعظیم کا ہو اس طرح کرو بشرطیکہ شریعت نے اس کو حرام نہ کیا ہو جیسے کہ تعظیسی سجدہ رکوع اور ہمارے زمانہ میں شامی احکام کھڑے ہو کر بھی پڑھے جاتے ہیں لہذا محبوب کا ذکر بھی کھڑے ہو کر ہونا چاہیے۔

دیکھو **وَأَشْرَبُوا** میں مطلقاً کھانے پینے کی اجازت ہے کہ ہر حلال غذا کھاؤ **وَابْتَغُوا** تو بربانی، زردہ، تور، ماسب ہی حلال ہوا خواہ خیر القرون میں ہو یا نہ۔ ایسے ہی **تُوقِرُوهُ** کا امر مطلق ہے کہ ہر قسم کی جائز تعظیم کرو۔ خیر القرون سے ثابت ہو یا نہ ہو۔ آٹھویں اس لیے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُعِظِمَ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ”اور جو شخص اللہ کی نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دل کے تقویٰ سے ہے۔“

روح البیان نے زیت آیت **وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ** لکھا کہ جس چیز کو دینی عظمت حاصل ہو وہ شعائر اللہ ہیں انکی تعظیم کرنا ضرورت ہے جیسے کہ بعض مہینے بعض دن و مقامات۔ بعض اوقات وغیرہ اسی لئے صفا و مروہ، کعبہ معظمہ، ماہ رمضان، شب قدر کی تعظیم کی جاتی ہے۔ اور ذکر ولادت بھی شعائر الہ ہے لہذا اسکی تعظیم بھی بہتر ہے وہ قیام سے حاصل ہے۔

ہم نے آٹھ دلائل سے اس قیام کا مستحب ہونا ثابت کیا مگر مخالفین کے پاس خدا چاہے تو ایک بھی دلیل حرمت نہیں، محض اپنی رائے سے حرام کہتے

دوسرا باب

قیام میلاد پر اعتراض و جواب میں

اعتراض نمبر ۱ چونکہ میلاد کا قیام اول تین زمانوں میں نہیں تھا۔ لہذا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے۔ حضور ﷺ کی وہ ہی تعظیم کی جاوے جو کہ سنت سے ثابت ہو، اپنی ایجادات کو اس میں دخل نہ ہو کیا ہم کو بمقابلہ صحابہ کرام حضور ﷺ سے زیادہ محبت نہیں ہے جب انہوں نے یہ قیام نہ کیا تو ہم کیوں کریں۔

جواب بدعت کا جواب تو بارہا دیا جا چکا ہے ہر بدعت حرام نہیں، رہا یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام کی وہ تعظیم کی جاوے جو سنت سے ثابت ہو کیا یہ قاعدہ صرف حضور علیہ السلام کی تعظیم کے لئے ہے یا دیگر علمائے دیوبند وغیرہ کے لئے بھی یعنی عالم کتاب مدرسہ تمام چیزوں کی وہ ہی تعظیم ہونی چاہئے جو سنت سے ثابت ہے تو علماء دیوبند کی آمد پر شیشن پر جاننا ان کے گلوں میں ہار پھول ڈالنا۔ انکے لئے جلوس نکالنا، جھنڈیوں سے راستہ اور جلسہ گاہ کو سجانا، کرسیاں لگانا، وعظ کے وقت زندہ باد کے نعرے لگانا، مسند اور قالین بچھانا وغیرہ اس طرح کی تعظیم کا آپ کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کی ایسی تعظیم کی ہو۔ نہیں پیش کر سکتے، تو فرمائے کہ یہ تعظیم حرام ہے یا حلال۔ لہذا آپ کا یہ قاعدہ غلط ہے، بلکہ رکوع و سجود محرمات کے علاوہ جس تعظیم کا جس ملک میں رواج ہو وہ جائز ہے اور جذبہ دل جس طرف راہبری کرے وہ عبادت ہے لکھنؤ میں مہتر بھنگی کو کہتے ہیں۔ اور فارسی اور بعض جگہ اردو میں بھی مہتر بمعنی سردار بولا جاتا ہے جیسے کہ چترال کے نواب کو مہتر چترال کہتے ہیں، لکھنؤ میں جو شخص یہ کلمہ مہتر کسی نبی کے لئے استعمال کرے کافر ہے اور چترال میں اور فارسی میں نہیں۔ ہر ملکہ ہر سے

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح

سندھیاں را اصطلاح سندھ قدح

مرقاۃ واحدہ الممعات کے مقدمہ میں امام مالک رضی اللہ عنہ کے احوال لکھتے ہیں کہ آپ مدینہ پاک کی زمین پاک میں کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہوئے اور جب حدیث بیان فرماتے تو غسل کرتے عمدہ لباس پہنے، خوشبو لگاتے اور بیہت دو قار سے بیٹھتے تھے، کہئے مدینہ پاک یا حدیث شریف کی یہ تعظیم کسی صحابی نے کی تھی؟ نہیں۔ مگر امام مالک کا جذبہ دل ہے عین ثواب ہے، تفسیر روح البیان زیر آیت **مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ** کہ ایاز کے فرزند کا نام تھا، محمد سلطان اس کا نام لے کر پکارتے تھے ایک روز غسل خانہ میں جا کر فرمایا کہ اے ایاز کے بیٹے پانی لا۔ ایاز نے عرض کیا کہ حضور کیا قصور ہوا کہ غلام زادے کا نام نہ لیا، فرمایا کہ ہم اس وقت بے وضو تھے اس مبارک نام کو بے وضو نہیں لیا کرتے۔

منوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب

کہئے یہ تعظیم کہاں ثابت ہے؟ کہئے کیا سلطان محمود اور امام مالک رحمہم اللہ کو صحابہ کرام سے زیادہ عشق رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تھا۔

اعتراض نمبر ۲ اگر ذکر رسول علیہ السلام کی تعظیم منظور ہے تو ہر ذکر پر کھڑے ہو جایا کرو۔ اور ملیا د شریف میں اول سے ہی کھڑے رہا کرو۔ یہ کیا کہ پہلے بیٹھے اور بعد کو بیٹھے درمیان میں کھڑے ہو گئے۔

جواب یہ تو کوئی اعتراض نہیں ہے، اگر کسی کو اللہ توفیق دے اور ہر ذکر کھڑے ہو کر کیا کرے اور میلاد شریف از اول تا آخر کھڑے کھڑے پڑھا کرے تو ہم منع نہیں کریں گے۔ خواہ ہر وقت کھڑے ہو یا بعض وقت ہر طرح جائز ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کتب حدیث کھڑے ہو کر پڑھایا کرتے تھے دیکھنے والوں نے ہم کو باتایا کہ خود بھی کھڑے ہوتے پڑھنے والے بھی کھڑے ہوتے تھے ان کا یہ فعل بہت ہی مبارک تھا مگر چونکہ از اول تا آخر کھڑا ہونا عام کو دشوار ہوگا اس لئے صرف ولادت کے ذکر کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں نیز بیٹھے بیٹھے بعض لوگ کبھی اٹھ جاتے ہیں کھڑا کر کے صلوٰۃ و سلام پڑھ لو۔ تاکہ نیند جاتی رہے اسی لئے اس وقت عرق گلاب وغیرہ چھڑکتے ہیں تاکہ پانی سے نیند اڑ جاوے کیوں صاحب انماز میں بعض ذکر تو آپ کھڑے ہو کر کرتے ہو اور بعض سجدے میں اور بیٹھ کر، ہر ذکر کھڑے ہو کر کیوں نہ کیا؟ نیز التحیات میں **أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** پڑھتے ہیں تو حکم ہے کہ انگلی کا اشارہ کرے، اور ہزار ہا موقعوں پر آپ یہی کلمہ پڑھتے ہو انگلی کیوں نہیں ہلاتے؟ صوفیائے کرام بعض وظائف میں کچھ اشاروں کی قیدیں لگاتے ہیں، مثلاً جب مقدمہ میں حاکم کے سامنے جاوے تو **كَهَيْعَصَ** اس طرح پڑھے کہ اس کے ہر حرف پر ایک انگلی بند

کردے کاف پر ہ پری پروغیرہ۔ پھر **حَمْدُكَ** پڑھے ہر ایک پر انگلی کھولے پھر حاکم کی طرف دم کر دے تو جب تلاوت قرآن کے دوران میں یہ کلمے آتے ہیں تو یہ اشارہ کیوں نہیں اور یہ اشارے صحابہ کرام سے کہاں ثابت ہیں، حزب النج وغیرہ پڑھنے والے حضرات بعض مقامات پر خاص اشارے کرتے ہیں اور موقعوں پر کیوں نہیں کرتے، نیز کرتے؟ اس قسم کے صد ہا سوالات کئے جاسکتے ہیں، امام بخاری نے بعض احادیث کو اسناد بیان کیا بعض کو تعلیف، سب کو یکساں کیوں نہ بیان کیا۔ بھلا ان جیسی باتوں سے حرمت ثابت ہو سکتی ہے۔

اعتراض نمبر ۳ لوگوں نے قیام میلاد کو ضروری سمجھ لیا ہے کہ نہ کرنے والوں پر طعن کرتے ہیں اور غیر ضروری کو ضروری سمجھانا جائز ہے لہذا قیام ناجائز ہے۔

جواب یہ مسلمانوں پر محض بہتان ہے کہ وہ قیام میلاد کو واجب سمجھتے ہیں نہ کسی عالم دین نے لکھا کہ قیام واجب ہے اور نہ تقریروں میں کہا عوام بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ قیام اور میلاد شریف کا رثواب ہے۔ پھر آپ ان پر واجب سمجھنے کا کس طرح الزام لگاتے ہیں، اگر کوئی واجب سمجھے بھی تو اس کا یہ سمجھنا ہوا کہ اصل قیام حرام ہو جاوے نماز میں درود شریف پڑھنا امام شافعی صاحب ضروری سمجھتے ہیں احناف غیر واجب، تو ہمارے نزدیک ان کا یہ قول صحیح نہ ہوگا، نہ یہ کہ درود نمازی منع ہو جاوے اس کی تحقیق ہیں اور نہ کرنے والے کو وہابی کہتے ہیں یہ بالکل درست ہے، مکتوٰۃ باب لقصہ فی العمل میں ہے۔ **أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قُلَّ** اللہ کے نزدیک اچھا کام وہ ہے جو کہ ہمیشہ ہوا اگرچہ تھوڑا ہو، ہر کار خیر کو پابندی سے کرنا مستحب ہے مسلمان ہر عید کو اچھے کپڑے پہنتے ہیں ہر جمعہ کو غسل کرتے ہیں۔ خوشبو لگاتے ہیں، مدارس میں ہر رمضان و جمعہ میں چھٹی کرتے ہیں، ہر سال امتحان لیتے ہیں مسلمان ہر رات سوتے ہیں، ہر دو پہر کو کھانا کھاتے ہیں تو کیا ان کو واجب سمجھتے ہیں یا پابندی و وجوب کی علامت ہے رہا قیام نہ کرنے والوں کو وہابی سمجھنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فی زمانہ ہندوستان میں یہ وہابیوں کی علامت ہو گئی ہے اہل ایمان کے ہر زمانہ میں علامات مختلف رہی ہیں اور حسب زمانہ علامات کفار سے بچنا علامت اہل ایمان اختیار کرنا ضروری ہے اول اسلام میں فرمایا گیا کہ جس نے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کہہ لیا جنتی ہو گیا (مکتوٰۃ کتاب الایمان) کیونکہ اس وقت کلمہ پڑھنا ہی اہل ایمان کی علامت تھی پھر جب کلمہ گویوں میں منافق پیدا ہوئے تو قرآن پاک نے فرمایا کہ آپ کے سامنے منافق آکر کہتے ہیں کہ ہم گواہ ہیں کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں لیکن خدا گواہ ہے کہ منافق آکر کہتے ہیں بات تو سچی کہہ رہے ہیں مگر ہیں جھوٹے۔ پھر حدیث میں آیا کہ ایک قوم نہایت ہی عبادت گزار ہوگی، مگر دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیرکمان سے۔ نیز حدیث میں آیا کہ خارجی کی پہچان سرمنڈانا ہے (دیکھو دونوں حدیثیں مکتوٰۃ کتاب القصاص باب قتل اہل الردہ) یہ تین امور تین زمانوں کے اعتبار سے ہیں شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ کسی نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سنی کی علامت کیا ہے؟ فرمایا **حُبُّ الْخُتَنِ تَفْصِيلُ الشَّيْخَيْنِ وَالْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ** دو اماموں یعنی سیدنا علی و عثمان سے محبت رکھنا، شیخین صدیق و فاروق رضی اللہ عنہم کو تمام پر افضل جاننا اور چڑے کے موزے پر مسح کرنا۔ تفسیرات احمدیہ میں سورہ انعام زیر آیت **وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا** ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جس میں دس عادات ہوں وہ سنی ہے **تَفْصِيلُ الشَّيْخَيْنِ ، تَوْقِيرُ الْخُتَنِ ، تَعْظِيمُ الْقِبْلَتَيْنِ ، الصَّلَاةُ عَلَى الْجَنَازَتَيْنِ ، الصَّلَاةُ خَلْفَ الْإِمَامَيْنِ ، تَرْكُ الْخُرُوجِ عَلَى الْإِمَامَيْنِ ، الْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ ، وَالْقَوْلُ بِالتَّقْدِيرَيْنِ وَالْإِمْسَاكُ عَنِ الشَّهَادَتَيْنِ وَأَدَاءُ الْفَرِيضَتَيْنِ** مرقاۃ شروع باب المسح علی الخفین میں ہے۔ **سُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ عَلَامَةِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَقَالَ أَنْ تُحِبَّ الشَّيْخَيْنِ وَلَا تُطْعِنَ الْخُتَنَيْنِ وَتَمْسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ** در مختار باب السیارہ میں ہے **وَالْتَوَضُّؤُ مِنَ الْحَوْضِ أَفْضَلُ رَغْمًا لِلْمُعْتَزِلَةِ** حوض سے وضو کرنا افضل ہے معتزلہ کو جلانے کے لئے اسی جگہ شامی میں ہے **لَإِنَّ الْمُعْتَزِلَةَ لَا يُجِيزُونَهُ مِنَ الْحَيَاضِ فَنَرَّ غِمْمُهُم بِالْوَضُوءِ مِنْهَا** یعنی معتزلہ حوض سے وضو کرنے کو ناجائز کہتے ہیں لہذا ہم ان کو حوض سے وضو کر کے جلائیں گے دیکھو حوض سے وضو کرنا، چڑے کے موزوں پر مسح کرنا وغیرہ واجبات میں سے نہیں لیکن چونکہ اس زمانہ میں اس کے منکر پیدا ہو گئے تھے، لہذا ان کوسنی کی پہچان قرار دیا۔ اسی طرح قیام میلاد فاتحہ وغیرہ واجبات میں سے نہیں مگر چونکہ اس کے منکر پیدا ہو گئے ہیں لہذا فی زمانہ یہ ہندوستان میں سنی ہونے کی علامت ہے۔ اور مجلس میلاد میں اکیلا بیٹھا رہنا علامت دیوبندی کی ہے۔

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ لہذا اس سے بچنا چاہیے۔ نیز شامی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی جائز یا مستحب کام سے بلا وجہ لوگ روکیں تو اس کو ضرور کرے۔ آج ہندوستان میں ہندو قربانی گائے سے روکتے ہیں خاص گائے کی قربانی واجب نہیں مگر مسلمانوں نے اپنا خون بہا کر اس کو جاری رکھا اسی طرح محفل میلاد و قیام وغیرہ ہے۔ فقہاء کے نزدیک زنا ربا نہ ہونا اور ہندوؤں کی سی چوٹی سر پر رکھنا۔ قرآن پاک نجاست میں ڈالنا کفر ہے کیونکہ یہ کفار کی مذہبی علامت ہے۔

ضروری نوٹ یہ سوال ۱۳ اکثر دیوبندی کیا کرتے ہیں کہ فاتحہ عرس و میلاد وغیرہ سب کو اس وجہ سے حرام بتاتے ہیں، یہ بھی کہتے ہیں کہ تم نے خود سنی ہونے کی علامات ایجاد کر لی ہیں حدیث و قرآن میں یہ علامات نہیں سب جگہ کے لئے یہی جواب دیا جاوے بہت مفید ہوگا ان شاء اللہ۔

اعتراض نمبر ۲ کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے مشکوٰۃ باب القیام میں ہے۔ **وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُمُ يَقُومُوا لِمَا**

يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَّتِهِ لِدَلِيلِكَ صحابہ کرام جب حضور علیہ السلام کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام کو یہ ناپسند ہے، مشکوٰۃ اسی باب میں ہے۔

مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَّبِعْ. وَءَا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ”جس کو پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں وہ اپنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈے۔“

مشکوٰۃ باب القیام میں ہے۔

لَا تَقُومُوا كَمَا تَقُومُوا إِلَّا عَاجِمًا ”عجمی لوگوں کی طرح نہ کھڑے ہوا کرو۔“

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زندگی میں بھی اگر کوئی بڑا آدمی آوے تو اس کی تعظیم کے لئے نہ کھڑا ہو۔ میلاد شریف میں تو حضور علیہ السلام آتے بھی نہیں، پھر تعظیسی قیام کیونکہ جائز ہو سکتا ہے؟

جواب ان احادیث میں مطلق قیام سے منع نہیں فرمایا گیا ورنہ پہلے باب میں ہم نے جو احادیث اور اقوال فقہاء نقل کئے اس کے خلاف ہوگا بلکہ حسب ذیل امور سے ممانعت ہے اپنے لئے قیام چاہنا لوگوں کا دست بستہ سامنے کھڑا رہنا اور پیشوا کا میدان میں بیٹھا رہنا۔ ہم نے بھی لکھا ہے کہ اس قسم کے دونوں قیام منع ہیں۔ پہلے حدیث کے ماتحت افعة اللمعات میں ہے، ”و حاصل آنکہ قیام و ترک قیام بحسب زمان و احوال و اشخاص مختلف گرد و ازیں جا است کہ گاہے کہ کروند گاہے نہ کروند۔“ خلاصہ یہ ہے کہ قیام تعظیسی کرنا اور نہ کرنا زمانہ اور حالات اور اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اسی طرح صحابہ کرام نے کبھی تو حضور علیہ السلام کے لئے قیام کیا اور کبھی نہیں، معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کبھی تو حضور علیہ السلام کی تشریف آوری پر کھڑے ہو جاتے تھے اور کبھی نہیں، نہیں کا تو ذکر یہاں کیا اور کھڑے ہونے کا ذکر پہلے ہو چکا اور آپ کا قیام سے کراہت فرمایا تو اضعا اکسرا تھا۔ لہذا اس جگہ ہمیشہ کھڑے ہونے کی نفی ہے مطلقاً کی دوسری اور تیسری حدیث کے ماتحت افعة اللمعات میں ہے۔ ”قیام مکروہ بعینہ نیست بلکہ مکروہ محبت قیام است اگر دے محبت قیام نہ دار و قیام برائے دے مکروہ نیست قاضی عیاض مالکی مکتفہ کہ قیام مہنی در حق کسی است کہ نشستہ باشد و یتادہ باشد پید دے و در قیام تعظیم برائے اہل دنیا بجهت دنیا ئے ایشان و عید و ارد شد و مکروہ است“ خود قیام مکروہ نہیں بلکہ قیام چاہنا مکروہ ہے اگر وہ قیام نہ چاہتا ہو تو اس کے لئے مکروہ نہیں ہے۔ قاضی عیاض نے فرمایا کہ قیام اس کے لئے منع ہے جو کہ خود تو بیٹھا ہو اور لوگ کھڑے ہوں اور دنیا داروں کے لئے قیام تعظیسی میں وعید آئی ہے اور وہ مکروہ ہے۔ اسی طرح حاشیہ مشکوٰۃ کتاب الجہاد۔ باب حکم الاسرار زیر حدیث **قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ** میں ہے۔

قَالَ النُّوَوِيُّ فِيهِ إِكْرَامُ أَهْلِ الْفَضْلِ وَتَلَقِّيهِمْ وَالْقِيَامُ إِلَيْهِمْ وَاحْتِجَّ بِهِ الْجَمْهُورُ وَقَالَ الْقَاضِي عِيَاضُ لَيْسَ هَذَا مِنَ الْقِيَامِ الْمَنْهَى عَنْهُ وَإِنَّمَا ذَلِكَ فِيمَنْ يَقُومُونَ عَلَيْهِ وَهُوَ جَالِسٌ وَيُمَثِّلُونَ لَهُ قِيَامًا طَوَّلَ جُلُوسِهِ

”نوی نے فرمایا کہ اس سے بزرگوں کی تعظیم ان سے ملنا، ان کے لئے کھڑا ہونا ثابت ہے، جمہور علماء نے اس سے دلیل پکڑی ہے یہ قیام ممنوع قیاموں میں ہے نہیں، ممانعت جب ہے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں، اور وہ بیٹھا ہو اور لوگ اس کے بیٹھے رہنے تک کھڑے رہیں۔“

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ان دونوں حدیثوں میں خاص خاص قیام سے ممانعت ہے اور محفل میلاد کا قیام ان میں سے نہیں نیز اگر تعظیسی قیام منع ہے تو علمائے دیوبند وغیرہ کے آنے پر لوگ سرود کھڑے ہو جاتے ہیں وہ کیوں جائز ہے؟

بحث فاتحہ تیجہ، دسواں، چالیسواں کا بیان

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مقدمہ

بدنی اور مالی عبادات کا ثواب دوسرے مسلمان کو بخشا جائز ہے اور پہنچتا ہے۔ جس کا ثبوت قرآن و حدیث اور اقوال فقہاء سے ہے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے لئے دعا کرنے کا حکم دیا، نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے، مشکوٰۃ باب فضل الصدقہ میں ہے کہ حضرت سعد نے کنوٹ کھدوا کر فرمایا **هَذَا لِأَمِّ سَعْدٍ** یہ ام سعد کا کنواں ہے فقہاء نے ایصالِ ثواب کا حکم دیا۔ ہاں بدنی عبادت میں نیابت جائز نہیں یعنی کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز فرض پڑھ دے تو اس کی نماز نہ ہوگی ہاں نماز کا ثواب بخشا جاسکتا ہے۔ مشکوٰۃ باب الغنن باب الملاحم فصل دوم میں ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کسی سے فرمایا کہ **مَنْ يَضُمُّ لِي مِنْكُمْ أَنْ يُصَلِّيَ فِي مَسْجِدِ الْعَشَارِ رَكَعَتَيْنِ وَيَقُولَ هَذِهِ لِأَبِي هُرَيْرَةَ** اس سے تین مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ عبادت بدنی یعنی نماز بھی کسی کی ایصالِ ثواب کی نیت سے ادا کرنا جائز ہے دوسرے یہ ہے زبان سے ایصالِ ثواب کرنا کہ خدایا اس کا ثواب فلاں کو دے بہت بہتر ہے تیسرے یہ کہ برکت کی نیت سے بزرگان دین کی مسجدوں میں نماز پڑھنا باعثِ ثواب ہے رہی عبادت مالی یا مالی و بدنی کا مجموعہ جیسے زکوٰۃ اور حج اس میں اگر کوئی شخص کسی سے کہدے کہ تم میرے طرف سے زکوٰۃ دے دو تو دے سکتا ہے۔ اور اگر صاحب مال میں حج کرنے کی قوت نہ رہے تو دوسرے سے حج بدل کر سکتا ہے۔ لیکن ثواب ہر عبادت کا ضرور پہنچتا ہے اگر میں کسی کو اپنا مال دیدوں تو وہ مالک ہو جاوے گا اسی طرح یہ بھی ہاں فرقی یہ ہے کہ مال تو کسی کو دے دیا تو اپنے پاس نہ رہا اور اگر چند کو دیا تو تقسیم ہر کوئی لیکن ثواب اگر سب کو بخش دیا تو سب کو پورا ملا اور خود بھی محروم نہ رہا جیسے کہ کسی کو قرآن پڑھایا تو سب کو پورا قرآن آتیا اور پڑھانے والے کا جاتا نہ رہا۔ دیکھو شامی جلد اول بحث دفن میت۔ اسی لئے نابالگ بچے سے ہدیہ لینا منع ہے مگر ثواب لینا جائز ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ثواب کسی کو نہیں پہنچتا، کیونکہ قرآن کریم میں ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ”ہر نفس کے لئے وہی مفید و مضر ہے جو اس نے خود کر لیا۔“

نیز قرآن میں ہے۔

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ”انسان کے لئے نہیں ہے مگر وہ جو خود کرے۔“

جس سے معلوم ہوا کہ غیر کا کام اپنے لئے مفید نہیں لیکن یہ غلط ہے کیونکہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان کے لئے قابل بھروسہ اور اپنی ملکیت اپنے ہی عمل ہیں نہ معلوم کہ کوئی اور ایصالِ ثواب کرے یا نہ کرے اس بھروسہ پر اپنے عمل سے غافل نہ رہے (دیکھو تفسیر خزائن العرفان وغیرہ) یا یہ حکم ابراہیم و موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں کا تھا نہ کہ اسلام کا، یہاں اس کی نقل ہے، یا یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے۔

وَاتَّبِعْتُمْ ذَرِيَّتَهُم بِالْإِيمَانِ یہی عبد اللہ ابن عباس کا قول ہے اسی لئے مسلمانوں کے بچے ماں باپ کی طفیلی جنت میں جاویں گے، بغیر عمل درجات پا سینگے، دیکھو جمل و خازن یا یہ آیت بدنی اعمال میں نیابت کی نفی کرتی ہے اسی لئے ان میں کسب و سعی کا ذکر ہے نہ کہ ہر ثواب کا یا یہ ذکر عدل ہے اور وہ فضل غرض کہ اس کی بہت توجیہات ہیں۔

فاتحہ، تیجہ، دسواں، چالیسواں وغیرہ اسی ایصالِ ثواب کی شاخص ہیں، فاتحہ میں صرف یہ ہوتا ہے کہ تلاوتِ قرآن جو کہ بدنی عبادت ہے اور صدقہ یعنی مالی عبادت کا جمع کر کے ثواب پہنچایا جاتا ہے۔

پہلا باب

فاتحہ کے ثبوت میں

تفسیر روح البیان نے پارہ ۷ سورہ انعام زیر آیت **وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ** میں ہے۔

وَعَنْ حَمِيدِ الْأَعْرَجِ قَالَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَخَتَمَهُ، ثُمَّ دَعَا مَنَ عَلَى دُعَائِهِ أَرْبَعَةَ أَلْفِ مَلَكٍ ثُمَّ لَا يَزَالُونَ يَدْعُونَ لَهُ وَيَسْتَغْفِرُونَ عَلَيْهِ إِلَى الْمَسَاءِ أَوْ إِلَى الصُّبْحِ

”حضرت اعرج سے مروی ہے کہ جو شخص قرآن ختم کرے پھر دعا مانگے تو اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آئین کہتے ہیں پھر اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور مغفرت مانگتے رہتے ہیں۔ شام یا صبح تک۔“

یہ ہی مضمون نووی کی کتاب الاذکار کتاب تلاوت قرآن میں بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے اور ایصالِ ثواب بھی دعا ہے لہذا اس وقت ختم پڑھنا بہتر ہے۔ ائمتہ الممعات باب زیارت القبور میں ہے۔ ”و تصدق کردہ شود راز میت بعد دفن رفتن اواز عالم ہفت روز۔“ میت کے مرنے کے بعد سات روز تک صدقہ کیا جاوے۔ اسی ائمتہ الممعات میں اسی باب میں ہے بعض روایت آمدہ است کہ روح میت سے آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظری کند کہ تصدق کنند از دے یا یہ“ جمعہ کی رات کو میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اسکی طرف سے لوگ صدقہ کرتے ہیں یا نہیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ چہ رواج ہے کہ بعد موت سات روز تک برابر روٹیاں خیرات کرتے ہیں اور ہمیشہ جمعرات کو فاتحہ کرتے ہیں۔ اسکی یہ اصل ہے انوار ساطعہ صفحہ ۱۳۵ اور حاشیہ خزائنہ الروایات میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے لئے تیسرے اور ساتویں اور چالیسویں دن اور چھٹے ماہ اور سال بھر بعد صدقہ دیا۔ یہ تیجہ شامی اور برسی کی اصل ہے۔

مودی نے کتاب الاذکار باب تلاوت القرآن میں فرمایا کہ انس ابن مالک ختم قرآن کے وقت اپنے گھر والوں کو جمع کر کے دعا مانگتے۔ حکیم ابن عتبہ فرماتے ہیں کہ ایک مجمع کو مجاہد و عیدہ ابن ابی لبابہ نے بلایا اور فرمایا کہ ہم نے تمہیں اس لئے لایا ہے کہ آج ہم قرآن پاک ختم کر رہے ہیں، اور ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت مجاہد سے بروایت صحیح منقول ہے کہ بزرگان دین ختم قرآن کے وقت مجمع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اُس وقت رحمت نازل ہوتی ہے (نودی کتاب الاذکار) لہذا تیجہ و چہلم کا اجتماع سنت سلف ہے۔ درمختار بحث قرأت للمیت باب الدفن میں ہے۔

فِي الْحَدِيثِ مَنْ قَرَأَ الْإِخْلَاصَ أَحَدَ عَشَرَ مَرَّةً ثُمَّ وَهَبَ أَجْرَهَا لِلْأَمْوَاتِ أُعْطِيَ مِنَ الْأَجْرِ بِعَدَدِ الْأَمْوَاتِ

”حدیث میں ہے کہ جو شخص گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھے پھر اسکا ثواب مردوں کو بخشے تو اس کو تمام مردوں کے برابر ثواب ملے گا۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔“

وَيَقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا تيسَّرَ لَهُ، مِنَ الْفَاتِحَةِ وَأَوَّلِ الْبَقَرَةِ وَيَقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا تيسَّرَ لَهُ، مِنَ الْفَاتِحَةِ وَأَوَّلِ الْبَقَرَةِ وَآيَةَ الْكُرْسِيِّ وَآمَنَ الرَّسُولُ وَسُورَةَ يَسَّ وَتَبَارَكَ الْمَلِكِ وَسُورَةَ التَّكْوِيْنِ وَالْإِخْلَاصِ اِثْنَيْ عَشَرَ مَرَّةً أَوْ أَحَدَى عَشَرَ أَوْ سَبْعًا أَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ اَوْصِلْ ثَوَابَ مَا قَرَأَ نَاهُ إِلَى فَنَانٍ أَوْ إِلَيْهِمْ

”جو ممکن ہو قرآن پڑھے سورہ فاتحہ بقرہ کی اول آیات اور آیتہ الکرسی اور امان رسول اور سورہ یس اور ملک اور سورہ تکوین اور سورہ اخلاص بارہ یا گیارہ یا سات یا تین دفعہ پھر کہے کہ یا اللہ جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں کو یا فلاں لوگوں کو پہنچا دے۔“

ان عبارت میں فاتحہ مزوجہ کا پورا طریقہ بتایا گیا، یعنی مختلف جگہ سے قرآن پڑھنا، پھر ایصالِ ثواب کی دعا کرنا اور دعا میں ہاتھ اٹھانا سنت لہذا ہاتھ اٹھاوے۔ غرضیکہ فاتحہ مزوجہ پوری پوری ثابت ہوئی فتاویٰ عزیز یہ صفحہ ۷۵ میں ہے طحاویکے ثواب آن نیاز حضرت امامین نمازید برآں قل و فاتحہ دور و خواندان متبرک می شود خوردن بسیار خوب است جس کھانے پر حضرت حسنین کی نیاز کریں اس پر قل اور فاتحہ اور درود پڑھنا باعث برکت ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے، اسی فتاویٰ عزیز یہ صفحہ ۱۴ میں ہے۔ ”اگر مالیدہ و شیر برائے فاتحہ بزرگے بقصد ایصالِ ثواب بروح ایشاں پختہ نہ جائز است مضائقہ نیست اگر دوس مالیدہ کسی بزرگ کی فاتحہ کے لئے ایصالِ ثواب کی نیت سے پکا کر کھلاوے تو جائز ہے، کوئی مضائقہ نہیں۔“

مخالفین کے پیشوا شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی تیجہ ہوا، چنانچہ اس کا تذکرہ عبدالعزیزی صاحب نے اپنے ملفوظات صفحہ ۸۰ میں اس طرح فرمایا، ”روز سوم کثرت ہجوم مردم آن قدر بود کہ بیرون از حساب است ہشتادویک کلام اللہ بہ شمار آمدہ و زیادہ ہم شدہ باشد و کلمہ را حصر نیست۔“ تیسرے دن لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ شمار سے باہر ہے اکیاسی ختم کلام اللہ شمار میں آئے اور زیادہ بھی ہوئے ہوں گے کلمہ طیبہ کا تو اندازہ نہیں۔

اس سے تیجہ کا ہونا اور اس میں ختم کلام اللہ کرنا ثابت ہوا۔ مولوی محمد قاسم صاحب ہانی مدرسہ دیوبند تحذیر الناس صفحہ ۲۴ پر فرماتے ہیں۔ ”جنید کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا، آپ نے سبب پوچھا تو بروے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں حضرت جنید نے ایک لاکھ پانچ ہزار بار کلمہ پڑھا تھا یوں سمجھ کر بعض روایت میں اس قدر روایات میں اس قدر کلمے کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے، آپ نے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کی اطلاع نہ دی۔ بخشے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جواب ہشاش بشاش ہے آپ نے سبب پوچھا اس نے عرض کیا کہ اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہو گئی، اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کلمہ طیبہ ایک لاکھ پانچ ہزار بخشے سے مردے کی بخشش کی امید ہے اور تیجہ میں جنوں پر یہ ہی پڑھا جاتا ہے۔

اب تمام عبارات سے فاتحہ اور تیجہ وغیرہ کے تمام مراسم کا جواب معلوم ہوا، فاتحہ میں بیخ آیت پڑھنا پھر ایصالِ ثواب کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، تیجہ کے دن قرآن خوانی کلمہ شریف کا ختم، کھانا پکا کر نیاز کرنا سب معلوم ہو گیا، کاٹھیاواڑ میں تو اولاً کھانا فقراء کو کھلا دیتے ہیں پھر بعد میں ایصالِ ثواب کرتے ہیں اور یوپی و پنجاب اور عرب شریف میں کھانا سامنے رکھ کر ایصالِ ثواب کراتے ہیں، پھر کھلاتے ہیں دونوں طرح جائز ہے اور احادیث سے ثابت ہے، مشکوٰۃ میں بھی بہت سی روایت موجود ہیں کہ حضور علیہ السلام نے کھانا ملاحظہ فرما کر صاحبِ طعام کے لئے دعا فرمائی، بلکہ حکم دیا کہ دعوت کھا کر میزبان کو دعا دواسی طرح مشکوٰۃ باب آدابِ طعام میں ہے کہ حضور علیہ السلام جب کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیْبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ غَیْرُ مُکَفِّیْ وَلَا مُؤَدِّعٍ وَلَا مُسْتَعْنَا عَنْہُ رَبَّنَا جس سے معلوم ہوا کہ کھانے کے بعد دو چیزیں مسنون ہیں، حمد الہی کرنا اور صاحبِ طعام کے لئے دعا کرنا اور فاتحہ میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں، اور غالباً اس قدر کا انکار مخالفین بھی نہیں کرتے ہوں گے، رہا کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، اس کی بہت سی حدیث آئی ہیں، مشکوٰۃ باب المعجزات فصل دوم میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کچھ خرے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لایا اور عرض کیا کہ اس کے لئے دعائے برکت فرماویں۔

فَضَمْنَهُنَّ ثُمَّ دَعَا لَیْ فِیْہِنَّ بِالْبَرٰکَةِ ”آپ نے ان کو ملایا اور دعائے برکت کی۔“

مشکوٰۃ باب المعجزات فصل اول میں ہے کہ غزوہ جوک میں لشکر اسلام میں کھانے کی کمی ہو گئی حضور علیہ السلام نے تمام اہل لشکر کو حکم دیا کہ جو کچھ جس کے پاس ہو لاؤ، سب حضرات کچھ نہ کچھ لائے دسترخوان بچھایا گیا اس پر یہ سب رکھا گیا۔

فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ عَلَیْہِ بِالْبَرٰکَةِ ثُمَّ قَالَ خُذُوْا نِیْ اَوْعِیْتُکُمْ

”پس اس پر دعا فرمائی اور فرمایا کہ اب اس کو اپنے برتنوں میں رکھ لو۔“

اسی مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت زینب رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا حضرت ام سلیم نے کچھ کھانا بطور ولیمہ پکایا لیکن بہت لوگوں کو نیلایا گیا۔

فَرَأٰ یٰثُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَضَعَ یَدُہُ عَلٰی تِلْکَ الْحَرِیْسَةِ وَتَكَلَّمَ بِمَا شَاءَ اللّٰہُ

”اُس کھانے پر دست مبارک رکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ پڑھا۔“

اسی مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے غزوہ خندق کے دن کچھ تھوڑا کھانا پکا کر حضور ﷺ کی دعوت کی۔ حضور ﷺ ان کے مکان میں تشریف لائے **فَاَخْرَجَتْ لَہُ عَجِیْنًا فَبَصَقَ فِیْہِ وَبَارَکَ** آپ کے سامنے گندھا ہوا آٹا پیش کیا گیا۔ تو اس میں لعاب شریف ڈالا اور دعائے برکت کی، اس قسم کی بہت سی روایات پیش کی جاسکتی ہیں، مگر اتنے پر کفایت کرتا ہوں۔

اب فاتحہ کے تمام اجزاء بخوبی ثابت ہو گئے۔ والحمد للہ۔ عقلاً بھی فاتحہ میں کوئی حرج نہیں کیونکہ جیسا پہلے مقدمہ میں عرض کیا جا چکا کہ فاتحہ دو عبادتوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ تلاوت قرآن اور صدقہ اور جب یہ دونوں کام علیحدہ علیحدہ جائز ہیں تو ان کو جمع کرنا کیوں حرام ہوگا۔ بریانی کھانا کہیں بھی ثابت نہیں مگر حلال ہے۔ کیوں اس لئے کہ بریانی، چاول، گوشت، گھی وغیرہ کا مجموعہ ہے اور جب اس کے سارے اجزاء حلال تو بریانی بھی حلال۔ ہاں جہاں چند حلال چیزوں کا جمع کرنا حرام ہے جیسے کہ دو ہمشیرہ ایک نکاح میں یا چند حلال چیزوں کے ملنے سے کوئی حرام چیز بن جاوے مثلاً مجموعہ میں نشہ پیدا ہو گیا تو یہ مجموعہ اس عارضہ کی وجہ سے حرام ہوگا، یہاں قرآن کی تلاوت اور صدقہ جمع کرنا شریعت نے حرام نہ کیا اور ان کے اجتماع سے کوئی حرام چیز پیدا نہ ہوئی، پھر یہ کام حرام کیوں ہوگا۔ دیکھو بکری مر رہی ہے اگر ویسے ہی مرجائے تو مردار ہے جہاں اللہ کا نام لے کر ذبح کیا حلال ہو گئی۔

قرآن کریم تو مسلمانوں کے لئے رحمت اور شفاء ہے۔ **شَفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ** پھر اگر اس کی تلاوت کر دینے سے کھانا حرام

ہو جاوے تو قرآن رحمت کہاں رہا زحمت ہوا مگر ہاں مومنین کیلئے رحمت ہے کفار کیلئے زحمت۔ **وَلَا یَزِیْدُ الظَّالِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا** اس برے ظالم تو نقصان میں رہتے ہیں کہ اس کے پڑھے جانے سے کھانے سے محروم ہو گئے نیز جس کے لئے دعا کرنا ہوا اس کو سامنے رکھ کر دعا کرنا چاہئے جنازے میں میت کو سامنے رکھ کر نماز جنازہ پڑھتے ہیں کیونکہ اسی کے لئے دعا ہے اس کو سامنے رکھ لیا اسی طرح سامنے کھانے کو رکھ کر دعا کی تو

کون سی خرابی ہے اسی طرح قبر کے سامنے کھڑے ہو کر دعا پڑھتے ہیں حضور علیہ السلام نے اپنی امت کی طرف سے قربانی فرما کر مذبحہ جانور سامنے رکھ کر پڑھا۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا مِنْ اُمَّةٍ مُحَمَّدٍ ”اے اللہ یہ قربانی میری امت کی طرف سے ہے۔“

حضرت خلیل اللہ نے کعبہ کی عمارت سامنے لے کر دعا کی **رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اٰلَايَتِه** اب بھی حقیقہ کا جانور سامنے رکھ کر ہی دعا پڑھی جاتی ہے لہذا اگر فاتحہ میں بھی کھانا سامنے رکھ کر ایصالِ ثواب ہو تو کیا حرج ہے۔

بسم اللہ سے کھانا شروع کرتے ہیں اور بسم اللہ بھی قرآن شریف کی آیت ہے اگر کھانا سامنے رکھ کر قرآن پڑھنا منع ہو تو بسم اللہ پڑھنا بھی منع ہونا چاہئے۔ مانعین کے پیشوا بھی فاتحہ مروجہ کو جائز سمجھتے ہیں، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں فرماتے ہیں۔ ”پس وہ مرتبہ درود خواند ختم تمام کنند و بر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخواند و حاجت از خدا سوال نمایند۔“ پھر دس بار درود پڑھیں اور پورا ختم کریں اور تھوڑی شیرینی پر تمام تمام خواجگان چشت کی فاتحہ دیں پھر خدا سے دعا کریں۔ شاہ ولی اللہ صاحب زبدۃ الصالح صفحہ ۱۳۲ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں ”و شیرینج بنا بر فاتحہ بزرگے بقصد ایصالِ ثواب بروح ایشان زند و بخورند مضائقہ نیست و اگر فاتحہ بنام بزرگے واوہ شود اغتیارا ہم خوردن جائز است“ دودھ شاول پر کسی بزرگ کی فاتحہ دی جاوے تو مالداروں کو بھی کھانا جائز ہے۔ مولانا اشرف علی ورشید احمد صاحبان کے مرشد حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ مفت مسئلہ میں فرماتے ہیں، نفس ایصالِ ثواب ارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں، اس میں بھی تخصیص تعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا واجب و فرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تقلید ہیبت کذا یہ ہے تو کچھ حرج نہیں جیسا کہ بمصلحت نماز میں سورہ خاص معین کرنے کو فقہاء محققین نے جائز رکھا ہے جو تہجد میں اکثر مشائخ کا معمول ہے“ پھر فرماتے ہیں جیسے کہ نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے مگر موافقت قلب و زبان کے لئے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے اگر یہاں بھی زبان سے کہ لیا جاوے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جاوے تو بہتر ہے پھر کسی کو یہ خیال ہوا کہ لفظ اس کا مشار‘ الیہ اگر رو برو موجود ہو تو زیادہ استحضار قلب ہو کھانا رو برو لانے لگے، کسی کو یہ خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کچھ کلام الہی بھی پڑھا جاوے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جاوے گا تو جمع بین العبادتین ہے پھر فرماتے ہیں اور گیارہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی۔ دسویں بیسواں، چہلم، ششماہی، سالیانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ عبدالحق اور اسیسی حضرت شاہ بوعلی قلندر اور حلواشب برات و دیگر طریق ایصالِ ثواب کے اسی قاعدے پر مبنی ہے۔ پیر صاحب کے اس کلام نے بالکل فیصلہ فرما دیا، الحمد للہ کہ مسئلہ فاتحہ دلائل حقیقہ نقلیہ اور اقوال مخالفین سے بخوبی واضح ہو گیا، اللہ تعالیٰ قبول کی توفیق دے، آمین۔

دوسرا باب

فاتحہ پر اعتراض و جوابات میں

اس مسئلہ فاتحہ پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات مشہور ہیں۔

اعتراض نمبر ۱ بہت سے فقہائے تیسرے اور ساتویں روز میت کے لئے کھانا پکانا منع کیا ہے (دیکھو شامی عالجیری) بلکہ بزاز یہ نے تو لکھا ہے **وَبَعْدَ الْاَسْبُوْع** یعنی ہفتہ کے بعد بھی پکانا منع ہے۔ اس میں برسی ششماہی چہلم سب شامل ہیں، نیز قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے وصیت فرمائی تھی۔ کہ ”بعد مردن رسوم دنیاوی وہم و بستم و چہلم و ششماہی و برہینی ہیج نہ کنند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نہ داشتہ۔“ نیز حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

جواب فقہائے نے میت کے ایصالِ ثواب سے منع نہ کیا بلکہ حکم دیا جیسا کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں جس کو فقہاء منع کرتے ہیں وہ چیز ہی اور ہے وہ ہے میت کے نام پر برادری کی روٹی لینا۔ یعنی قوم کے طعنہ سے بچنے کے لئے جو میت کے تیجے، دسویں وغیرہ میں برادری کی دعوت عام کی جاتی ہے وہ ناجائز ہے اس لئے کہ یہ نام و نمود کے لئے ہے اور موت نام و نمود کا وقت نہیں ہے اگر فقراء کو بغرض ایصالِ ثواب فاتحہ کر کے کھانا کھلایا تو سب کے نزدیک جائز ہے۔ شامی جلد اول کتاب الجنازہ باب الدفن میں ہے۔

وَيُكْرَهُ، اِتِّخَاذُ الصِّيَافَةِ مِنْ اَهْلِ الْمَيِّتِ لَانَّهُ، شُرْعَ فِي الشُّرُورِ لَا فِي الشُّرُورِ

”یعنی میت والوں سے دعوت لینا مکروہ ہے کیونکہ یہ تو خوشی کے موقع پر ہوتی ہے نہ کہ غم پر۔“

دعوت لینے کے لئے وہی معنی کہ برادری مجبور کرے تو روٹی کر۔ پھر فرماتے ہیں۔

وَهَذِهِ الْاَفْعَالُ كُلُّهَا لِلسَّمْعَةِ وَالرِّبَاءِ فَيَحْتَرِزُ عَنْهَا لَانَّهُمْ لَا يَرِيدُونَ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ

”یہ سارے کام محض دکھاوے کے ہوتے ہیں لہذا ان سے بچے کیونکہ اس سے اللہ کی رضا نہیں چاہتے۔“

صاف معلوم ہوا کہ فخر یہ طور پر برادری کی دعوت منع ہے پھر فرماتے ہیں۔

وَاِنْ اتَّخَذَ طَعَامًا لِلْفُقَرَاءِ كَانَ حَسَنًا ”اگر اہل میت نے فقراء کے لئے کھانا پکایا تو اچھا ہے یہ فاتحہ جائز ہے۔“

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کا اپنے تہجد دسویں سے منع فرمانا بالکل درست ہے وہ فرماتے ہیں رسوم دنیاوی جو تیجہ وغیرہ ہے وہ نہ کریں رسوم دنیا کیا ہے عورتوں کا تیجہ وغیرہ کو جمع ہو کر رونا پیٹنا نوحہ کرنا وہ واقعی حرام ہے اسی لئے فرماتے ہیں کہ تین دن سے زیادہ تعزیت جائز نہیں، اس جگہ ایصالِ ثواب اور فاتحہ کا ذکر نہیں جس کا مقصد یہ ہوا کہ تیجہ وغیرہ میں ماتم نہ کریں تمہارا یہ کہنا کہ میت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے ہم نے یہ حدیث کہیں نہ دیکھی اگر یہ حدیث ہو تو ان احادیث کا کیا مطلب ہوگا جن میں مردوں کی طرف سے خیرات کرنے کی رغبت دی گئی ہے نیز تم بھی کہتے ہو کہ بغیر تاریخ مقرر کئے ہوئے مردے کے نام پر خیرات جائز ہے اس خیرات کو کون کھائے گا جو آدمی کھالے اس کا دل مردہ ہو جائیگا تو کیا اس کو ملائکہ کھائیں گے۔

مسئلہ میت کے فاتحہ کا کھانا صرف فقراء کو کھلایا جاوے، اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس پر مستقل رسالہ لکھا **جلی الصوت النہی الدعوت عن الموت** بلکہ دیکھنے والے تو کہتے ہیں کہ خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ کسی اہل میت کے ہاں تعزیت کیلئے تشریف لے جاتے تو وہاں پانچ گھنٹہ وغیرہ بھی نہ استعمال فرماتے تھے، اور خوب وصایا شریف میں وصیت موجود ہے کہ ہماری فاتحہ کھانا صرف فقراء کو کھلایا جاوے نیز اگر میت کی فاتحہ میت کے ترکہ سے کی ہے تو خیال رہے کہ غائب وارث یا نابالغ کے صحہ سے فاتحہ نہ کی جاوے یعنی لا مال میت تقسیم ہو جاوے پھر کوئی بالغ وارث اپنے حصہ سے یہ امور خیر کرے، ورنہ یہ کھانا کسی کو بھی جائز نہ ہوگا کہ بغیر مالک کی اجازت یا بچہ کا مال کھانا جائز نہیں یہ ضرور خیال رہے۔

اعتراض نمبر ۲ فاتحہ کے لئے تاریخ مقرر کرنا جائز ہے گیارہویں تاریخ یا تیسرا، دسواں بیسواں، چہلم اور برسی وغیرہ یہ دن کی تعیین محض لغو ہے قرآن فرماتا ہے **وَهُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ** مسلمان لغو کاموں سے بچتے ہیں، بلکہ جس قدر جلد ممکن ہو ایصالِ ثواب کرو، تیسرے دن کا انتظار کیا؟ نیز تیجہ کیلئے چنے مقرر کرنا وہ بھی بھنے ہوئے یہ محض لغو اور بیہودہ ہے اس لئے تیجہ وغیرہ کرنا منع ہے۔

جواب مقرر کرنے کا جواب تو ہم قیام میلاد کی بحث میں دے چکے ہیں کسی جائز کام کے لئے دن تاریخ مقرر کرنے کا محض یہ مقصد ہوتا ہے کہ مقرر دن پر سب لوگ جمع ہو جائیں گے اور مل کر یہ کام کریں گے اگر کوئی وقت مقرر ہی نہ ہو تو بخوبی یہ کام نہیں ہوتے اسی لئے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے وعظ کیلئے جمعرات کا دن مقرر فرمایا تھا، لوگوں نے عرض کیا کہ روزانہ وعظ فرمایا کیجئے فرمایا کہ تم کو شکی میں ڈالنا مجھ کو پسند نہیں۔ (دیکھو مکتوۃ کتاب العلم) بخاری نے تو باری مقرر کرنے کا باب باندھا، یہ محض آسانی کے لئے ہوتا ہے آج بھی مدارس کے امتحان جلسے، تعطیلات کے مہینہ اور تاریخیں مقرر ہوتی ہیں کہ لوگ ہر سال بغیر بلائے ان تاریخوں پر پہنچ جاویں، صرف یہ ہی مقصد ان کا بھی ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ ہی تاریخیں مقرر کیوں کیں تو سنئے! گیارہویں کے مقرر ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ سلاطین اسلامیہ کے تمام محکموں میں چاند کی دسویں تاریخ کو تنخواہ تقسیم ہوتی تھی اور ملازمین کا خیال یہ تھا کہ ہماری تنخواہ کا پہلا پیسہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی فاتحہ پر خرچ ہو، لہذا جب وہ شام کو دفتر سے گھر آئے تو کچھ شیرینی لیتے آتے بعد نماز مغرب فاتحہ دیتے یہ شب گیارہویں شریف کی ہوتی تھی، یہ رواج ایسا پڑا کہ مسلمانوں میں ایسا کہ مسلمان میں اس فاتحہ کا نام گیارہویں شریف ہو گیا، اب جس تاریخ کو بھی حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی فاتحہ کریں، یا کچھ پیسہ ان کے نام پر خرچ کریں، اس کا نام گیارہویں ہوتا ہے یوپی اور کاٹھیاواڑ میں ماہ ربیع الآخر میں سارے ماہ فاتحہ ہوتی ہے مگر نام گیارہویں ہی ہوتا ہے۔

نیز بزرگوں کے بڑے بڑے واقعات دسویں تاریخ کو ہوئے جس کے بعد گیارہویں رات آتی ہے، آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا، ان کی تونہ قبول ہونا، نوح علیہ السلام کی کشتی کا پار لگنا، اسمعیل علیہ السلام کا ذبح سے نجات پانا، یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا، یعقوب علیہ السلام کا فرزند سے ملنا، موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا ایوب علیہ السلام کا شفا یاب پانا، امام حسین کا شہید ہونا اور سید الشہد اکا کا درجہ پانا سب دسویں تاریخ کو واقع ہوئے۔ اس کے بعد جو پہلی رات آئی وہ گیارہویں تھی لہذا یہ رات متبرک ہے اسی لئے گیارہویں کی فاتحہ اکثر شب گیارہویں میں ہوتی ہے کیونکہ متبرک راتوں میں صدقہ و خیرات وغیرہ کرنا چاہیے۔

اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے بلکہ خوب میرا بھی تجربہ ہے کہ اگر گیارہویں تاریخ کو کچھ مقرر پیسوں پر فاتحہ پابندی سے کی جاوے تو گھر میں بہت برکت رہتی ہے۔ میں مجاہدہ تعالیٰ اس کا بہت سختی سے پابند ہوں اور اس کی بہت برکت دیکھتا ہوں کتاب یا زدہ مجلس میں لکھا ہے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی بارہویں بارہ تاریخ کے میلاد کے بہت پابند تھے، ایک بار خواب میں سرکار ﷺ نے فرمایا کہ عبدالقادر تم نے بارہویں سے ہم کو یاد کیا ہم تم کو گیارہویں دیتے ہیں یعنی لوگ گیارہویں سے تم کو یاد کریں گے۔ اسی لئے ربیع الاول میں عموماً میلاد مصطفیٰ ﷺ کی محفل ہوتی ہے تو ربیع الثانی میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی گیارہویں چونکہ یہ سرکاری عطیہ تھا اس لئے تمام دنیا میں پھیل گیا لوگ تو شرک و بدعت کہہ کر گھٹانے کی کوشش کرتے رہے مگر اس کی ترقی ہوتی گئی۔

جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

تو گھٹانے سے کسی کے نہ گھٹنا ہے نہ گھٹنا

نتیجہ کے لئے تیسرا دن مقرر کرنے میں بہت مصلحت ہے پہلے دن تو لوگ میت کی تجھیز و تکفین میں مشغول رہتے ہیں دوسرے دن آرام کرنے کے لئے خالی چھوڑا گیا تیسرے دن عام طور پر جمع ہر کوتاہی و غیرہ پڑھتے ہیں یہ تیسرا دن تعزیت کا آخری دن ہے کہ اس کے بعد تعزیت کرنا منع ہے، الا للغائب عالمگیری کتاب الجنائز کتاب الجنائز باب الدفن میں ہے۔

وَوَقْتُهَا مِنْ حِينَ يَمُوتُ إِلَى ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَيُكْرَهُ بَعْدَهَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْمُعْزَى أَوِ الْمُعْزَمُ إِلَيْهِ غَائِبًا

”اور ماتم پرسی کا وقت مرنے کے وقت سے تین دن تک ہے اس کے بعد مکروہ ہے مگر یہ کہ تعزیت دینے والا یا لینے والا غائب ہو۔“

آج تک تو لوگ تعزیت کے لئے آتے رہے اب نہ آئیں گے تو کچھ ایصالِ ثواب کر کے جاویں نیز باہر کے پردیسی خویش واقربا بھی اس فاتحہ میں شرکت کر لیتے ہیں کہ تین دن میں مسافر بھی اپنے گھر پہنچ سکتا ہے۔

چہلم برسی وغیرہ کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا منشاء ہے کہ سال بھر تک میت کو وقتاً فوقتاً ثواب پہنچاتے رہیں کیونکہ بعد مرنے کے اوّل اوّل مردے کا دل اپنے دوست اور احباب سے لگا رہتا ہے پھر آہستہ آہستہ بالکل ادھر سے بے تعلق ہو جاتا ہے لڑکی کا نکاح کر کے سرال بھیجتے ہیں تو اوّل جلد از جلد اس کو بلانا چلانا ناہید وغیرہ بھیجنا جاری رہتا ہے پھر جس قدر زیادہ مدت گزری یہ کام بھی کم ہوتے گئے کیونکہ شروع میں وہاں وجمعی اس کو حاصل نہیں اس کی اصل حدیث سے بھی ملتی ہے بعد دفن کچھ دیر قبر پر کھڑا ہو کر ایصالِ ثواب اور تلقین سے میت کی مدد کرنے چاہئے حضرت عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ بعد دفن تھوڑی دیر میری قبر پر کھڑا رہنا تاکہ تمہاری وجہ سے میرا دل لگ جاوے اور نکیرین کو جواب دے لوں چنانچہ مشکوٰۃ باب الدفن میں ان کے یہ الفاظ منقول ہیں۔

ثُمَّ أَقْبِمُوا حَوْلَ قَبْرِى حَتَّى أَسْتَأْنِسَ بِكُمْ أُجِيبَ مَا ذَا رَاجِعُ رُسُلَ رَبِّى

اسی لئے جلد از جلد اس کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے، شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی پارہ **عَمَّ وَالْقَمَرِ إِذَا نَشَقَّ** کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اوّل حالتے کہ بجز وجد شدن روح از بدن خواہد شدنی الجملہ اثر حیات سابقہ والفت تعلق بدن و دیگر معدن ازا انباء جنس خود باقی است و آں وقت است و آں وقت گویا برزخ است کہ چیزے از اں طرف و چیزے از اں طرف مدد زندگان بمردگان در ایں حالت زود ترمی رسد و مرگدان منتظر لحوق مدد از ایں طرف ے باشند صدقات و اوعیہ و فاتحہ در ایں وقت بسیار پکا اوی آید و ازیں است کہ طوائف بنی آدم بتا یک سال و علی الخصوص یک چلہ بعد موت در ایں نوع امامد کوشش تمام می نمایند مردے کی پہلی حالت جو کہ فقط جسم سے روح نکلنے وقت ہے اس میں کچھ نہ کچھ پہلی زندگی کا اثر اور بدن اور اہل قرابت سے تعلق باقی ہوتا ہے یہ وقت گویا برزخ ہے کچھ ادھر ادھر اور کچھ اس طرف اس حالت میں زندوں کی مدد مردوں کو بہت جلد پہنچتی ہے اور دوسرے اس مدد پہنچنے کے منتظر ہوتے ہیں اس زمانہ میں صدقہ دعائیں فاتحہ اس کے بہت ہی کام آتی ہے اسی وجہ سے تمام لوگ ایک سال تک خاص کہ موت کے بعد چالیس روز تک اس قسم کی مدد پہنچانے میں بہت کوشش کرتے ہیں یہی حال زندوں کا بھی ہوتا ہے کہ اوّل اوّل بہت غم پھر جس قدر وقت گزرتا گیا رنج کم ہوتا گیا تو منشاء یہ ہوتا ہے کہ سال بھر تک ہر آدھے پر صدقہ کریں سال پر برسی اس کے نصف پر شمشاہی سا کے نصف پر سہ ماہی کی فاتحہ اس کے بعد نصف یعنی ۴۵ دن فاتحہ ہونی چاہئے تھی مگر چونکہ چالیس کا عدد روحانی اور جسمانی ترقی کا ہے اس لئے چہلم مقرر کیا گیا پھر اس کا آدھا بیسواں پھر اس کا آدھا دسواں۔

چالیس میں کیا ترقی ہے ملاحظہ ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر چالیس سال تک ایک حالت میں رہا۔ پھر چالیس سال میں وہ خشک ہوا، ماں کے پیٹ میں بچہ چالیس روز تک نطفہ پھر چالیس روز تک جا ہوا خون، پھر چالیس روز تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے (دیکھو مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر) پیدا ہونے کے بعد چالیس روز تک ماں کو نفاس آسکتا ہے، پھر چالیس سال کی عمر میں پہنچ کر عقل پختہ ہوتی ہے اسی لئے اکثر انبیائے کرام کو چالیس سال کی عمر میں تبلیغ نبوت دی گئی۔ صوفیائے کرام وظیفوں کے لئے چلے یعنی چالیس چالیس روز مشقتیں کرتے ہیں تو ان کو روحانی طاقت ہوتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو بھی حکم ہوا کہ وہ طور پر آ کر چالیس روز اعتکاف کرو تب تورات دی گئی۔ **وَإِذَا وَاعِدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً** انوار ساطعہ

نے پہلی کی روایت سیدنا انس سے بیان کی۔ بحث چہلم کہ **أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَا يُتْرَكُونَ فِي قُبُورِهِمْ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً وَلَكِنْ هُمْ يُصَلُّونَ بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ حَتَّى يُنْفَخَ فِي الصُّورِ** اس حدیث کے معنی زرقانی شرح مواہب نے یوں بیان کئے کہ انبیاء کرام کی روح کا تعلق اس جسم مدفون سے چالیس روز تک بہت زیادہ رہتا ہے بعد ازاں وہ روح قرب الہی میں عبادت کرتے ہے اور جسم کی شکل میں ہو کر جہاں چاہتی ہے جاتی ہے عوام میں تو یہ مشہور ہے کہ چالیس دن تک میت کی روح کو گھر سے علاقہ رہتا ہے ممکن ہے کہ اُس چالیس دن پر فاتحہ کی جاوے اور اس کی ممانعت ہے نہیں۔

نتیجہ کے متعلق مختلف رواج ہیں کاٹھیاواڑ میں علی العموم تیسرے دن صرف قرآن پاک ہی پڑھتے ہیں، پنجاب میں عام طور پر تیسرے دن دودھ اور کچھ پھل پر فاتحہ کرتے ہیں، یوپی میں تیسرے دن قرآن خوانی بھی کرتے ہیں اور بھنے ہوئے چنوں پر کلمہ طیبہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرتے ہیں ہم پہلے

باب میں مولوی محمد قاسم صاحب کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ میت کو ایک لاکھ پانچ ہزار بار کلمہ پڑھ کر بخشے سے اس کی مغفرت ہوتی ہے اس میں مختلف روایتیں آئی ہیں۔ تو ایک لاکھ کلمہ طیبہ پڑھنے والے کے لئے ہے اگر اتنی تسبیحیں یا اس قدر گھٹلیاں یا کنکریاں جمع کی جائیں تو اس میں وقت ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے یہاں موت پر لاکھ کنکریاں جمع کرتا پھر اس لئے چنے اختیار کر لے کہ ام میں کلمہ کا شمار بھی ہے اور بعد میں صدقہ بھی بھنے ہوئے اس لئے تجویز ہوئے کہ کچے چنے لوگ پھینک دیں گے یا گھوڑوں کا دانہ بنادیں گے اس میں بے حرمتی ہے بھنے ہوئے چنے صرف کھانے ہی کے کام آجاویں گے۔

اعتراض نمبر ۳ فاتحہ وغیرہ میں ہنود سے مشابہت ہے کہ وہ بھی مردوں کی تیرھویں کرتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ **مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ** جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ ان میں سے ہے لہذا یہ فاتحہ منع ہے۔

جواب کفار سے ہر مشابہت منع نہیں بلکہ بُری باتوں میں مشابہت منع ہے پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کام ایسا ہو جو کہ کفار کی دینی یا قومی علامت بن چکا ہے جس کو دیکھ کر لوگ اس کو کافر قوم کا آدمی سمجھیں جیسے کہ دھوتی، چوٹی زقار، ہیٹ وغیرہ ورنہ ہم بھی آپ زمزم مکہ معظمہ سے لائے ہیں ہندو بھی گنگا سے گنگا جل لاتے ہیں ہم بھی منہ سے کھاتے اور پاؤں سے چلتے ہیں کفار بھی۔ حضور علیہ السلام نے عاشورہ کے روزہ کا حکم دیا تھا حالانکہ اس میں مشابہت یہود تھی، پھر فرمایا کہ اچھا ہم دو روزے رکھیں گے، کچھ فرق کر دیا مگر اس کو بند نہ کیا۔ اسی طرح ہماری یہاں کلمہ قرآن پڑھا جاتا ہے۔ مشرکین کے یہاں یہ نہیں ہوتا، پھر مشابہت کہاں رہی؟ اسکی بحث شامی باب مکروہات الصلوٰۃ میں دیکھو ہاں جو کام مشابہت کفار کی نیت سے کئے جاویں وہ منع ہیں، فاتحہ کی پوری بحث انوار ساطعہ میں دیکھو۔

اعتراض نمبر ۴ اگر فاتحہ میں بدنی و مالی عبادت کا اجتماع ہے تو چاہئے نجس چیز خیرات کرتے وقت بھی فاتحہ پڑھ لیا کرو لہذا دپلہ (گوبر) وغیرہ پر بھی فاتحہ پڑھ کر کسی کو دیا کرو، جب پڑا پاخانہ اٹھائے تو تم فاتحہ پڑھ کر اسے گھر سے باہر جانے دو۔ (دیوبندی تہذیب)

جواب نجس چیز پر اور نجس جگہ تلاوت قرآن حرام ہے لہذا ان کی خیرات نہیں کر سکتے، ڈکار پر الحمد للہ پڑھتے ہیں، نہ کہ ریح نکلنے پر کہ وہ نجس اور ناقص وضو ہے اسی طرح چھینک پر الحمد للہ کہتے ہیں نہ کہ نکسیر پر۔

بحث دعا بعد نماز جنازہ کی تحقیق

اس بحث میں دو باب ہیں۔ پہلا باب اس دعا کے ثبوت میں اور دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں۔

پہلا باب

دعا بعد نماز جنازہ کے ثبوت میں

مسلمان کے مرنے کے بعد تین حالتیں ہیں۔ نماز جنازہ سے پہلے، نماز جنازہ کے بعد، دفن سے پہلے، دفن کے بعد۔ ان تین حالتوں میں میت کے لئے دعا کرنا۔ ایصالِ ثواب کرنا جائز بلکہ بہتر ہے۔ ہاں میت کے غسل سے پہلے اگر اس کا پاس بیٹھ کر قرآن پڑھنا ہو تو اس کو ڈھک دیں کیونکہ ابھی وہ ناپاک ہے۔ جب غسل دے دیا پھر ہر طرح قرآن پڑھیں۔ مخالفین نماز سے پہلے اور دفن کے بعد تو دعا وغیرہ کرنا ناجائز مانتے ہیں۔ مگر بعد نماز دفن سے پہلے دعا کرنا جائز، حرام، بدعت، شرک نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ اسی کی جگہ تحقیق ہے۔ اس کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

مشکوٰۃ باب صلوٰۃ الجنازہ فصل ثانی میں ہے۔

إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوا لَهُ الدُّعَاءَ ”جب تم میت پر نماز پڑھ لو۔ تو اس کیلئے خالص دعا مانگو۔“

ف سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد فوراً دعا کی جاوے بلا تاخیر۔ جو لوگ اس کے معنی کرتے ہیں کہ نماز میں اس کے لئے دعا مانگو وہ ف کے معنی سے غفلت کرتے ہیں۔ صلیتم شرط ہے۔ اور **فَأَخْلِصُوا** اس کی جزا۔ شرط اور جزا میں تغایر چاہیے نہ یہ کہ اس میں داخل ہو۔ پھر صلیتم ماضی ہے اور **فَأَخْلِصُوا** ہے امر۔ جس سے معلوم ہوا کہ دعا کا حکم نماز پڑھ چکنے کے بعد جیسے **فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَاتَّقِشُوا** میں کھا کر جانے کا حکم ہے نہ کہ کھانے کے درمیان اور **إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ** میں نماز کے لئے اٹھنا مراد ہے نہ کہ نماز کا قیام جیسا کہ ابی سے معلوم ہوا۔ لہذا یہاں بھی وضو اور ادہ نماز کے بعد ہی ہوا اور ف سے تاخیر ہی معلوم ہوئی۔ حقیقی معنی کو چھوڑ کر بلا قرینہ مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں اسی مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے۔

قَرَأَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ”حضور علیہ السلام نے جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔“

اس کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے۔ ”واحتال دارو کہ بر جنازہ بعد از نماز یا پیش از ان بقصد تبرک خواندہ باشد چنانکہ آلاں متعارف است۔“ ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام نے سورہ فاتحہ نماز کے بعد یا نماز سے پہلے برکت کے لئے پڑھی ہو جیسا کہ آج کل رواج ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں بھی رواج تھا کہ نماز جنازہ کے آگے اور بعد سورہ فاتحہ وغیرہ برکت کے لئے پڑھتے تھے اور حضرت شیخ نے اس کو منع نہ فرمایا بلکہ حدیث پر اس کو محمول کیا۔

فتح القدیر کتاب الجنازہ فصل صلوٰۃ الجنازہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے منبر پر قیام فرما کر غزوہ موتہ کی خبر دی اور اسی اثناء میں جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی **فَضَّلَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَعَا لَهُ وَقَالَ اسْتَغْفِرُوا لَهُ** پس اس پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لئے دعا فرمائی اور لوگوں سے فرمایا کہ تم بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ دعا کے واؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا نماز کے علاوہ تھی۔ مواہب الدنیہ جلد دوم القسم الثانی **فِيمَا أَخْبَرَ مِنَ الْغُيُوبِ** میں یہی واقعہ نقل فرما کر کہا **اسْتَغْفِرُوا اسْتَغْفِرُوا لَهُ** اسی طرح عبد اللہ ابن رواحہ پر بعد نماز دعا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ دعائے مغفرت جائز ہے۔

منتخب کنز العمال کتاب الجنازہ میں ابراہیم بھری کی روایت ہے۔

قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ أَبِي أَوْفَى وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ مَاتَ ابْنَتَهُ إِلَى أَنْ قَالَ ثُمَّ كَبَّرَ عَلَيْهَا أَرْبَعًا ثُمَّ قَامَ بَعْدَ ذَلِكَ قَدَرًا مَبِينًا التَّكْبِيرَ تَيْنَ وَقَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصْنَعُ هَكَذَا

”میں ابن ابی ادنیٰ کو دیکھا یہ بیعت الرضوان والے صحابی ہیں کہ ان کی دختر کا انتقال ہوا پھر ان پر چار تکبیریں کہیں پھر اس کے بعد دو تکبیروں کے فاصلہ کی بقدر کھڑے ہو کر دعا کی اور فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو ایسے ہی کرتے ہوئے دیکھا۔“

بقی میں ہے۔

وَعَنِ الْمُسْتَظَّلِ ابْنِ حَصِينٍ أَنَّ عَلِيًّا صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ بَعْدَ مَا صَلَّيَ عَلَيْهِ
”مستظل ابن حصین سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جنازے پر نماز کے بعد دعا مانگی۔“
موندہ الکبریٰ میں ہے۔

يَقُولُ هَكَذَا كَلَّمَا كَبَّرَ وَإِذَا كَانَ التَّكْبِيرُ الْآخِرُ قَالَ مَثَلُ ذَلِكَ ثُمَّ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
”ہر تکبیر پر اسی طرح کہے کہ جب آخری تکبیر ہو تو اسی طرح کہے پھر کہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ۔“

اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ درود شریف پڑھے۔ کشف العظام میں ہے ”فاتحہ و دعا برائے میت پیش از دفن درست است و ہمیں اس روایت معمولہ کذا فی خلاصۃ الفتح“ میت کے لئے فاتحہ اور دعا مانگنا دفن سے پہلے درست ہے اسی روایت پر عمل ہے۔ اسی طرح خلاصۃ الفتح میں ہے۔ مبسوط شمس الائمہ سرحی جلد دوم صفحہ ۶۷ باب غسل میت میں روایت ہے کہ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک جنازے پر بعد نماز پہنچے اور فرمایا۔

اِنْ سَبَقْتُمُوْنِيْ بِالصَّلٰوةِ عَلَيْهِ فَلَا تَسْبِقُوْنِيْ بِالْاَدْعَاءِ

”اگر تم نے مجھ سے پہلے نماز پڑھ لی تو دعا میں تو مجھ سے آگے نہ بڑھو یعنی آؤ میرے ساتھ مل کر دعا کر لو۔“

اسی مبسوط میں اسی جگہ یعنی باب غسل میت میں ابن عمر و عبد اللہ ابن عباس و عبد اللہ ابن سلام رضی اللہ عنہم سے ثابت کیا کہ ان حضرات نے دعا بعد نماز جنازہ کی اور فلا تسبقوا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا پر صحابہ کرام کا عمل تھا۔ مفتاح الصلوٰۃ صفحہ ۱۱۲ مصنفہ مولانا فتح محمد صاحب برہان پوری میں ہے۔ ”چوں از نماز فارغ شوم مستحب است کہ امام یا صالح دیگر فاتحہ بقرتا مفلحون طرف سر جنازہ و خاتمہ بقرامن الرسول طرف پائیں بخواند کہ در حدیث وارد است و در بعض حدیث از دفن واقعہ شدہ ہر دو وقت کہ میسر شود مجوز است۔“ جب نماز جنازہ سے فارغ ہوں تو مستحب ہے کہ امام یا کوئی اور صالح آدمی سورہ بقرہ کا شروع کار کوغ مفلحون تک جنازے کے سرہانے اور سورہ بقرہ کی آخری آیات امن الرسول میت کی بائیں طرف پڑھے کہ حدیث میں آیا ہے۔ بعض احادیث میں دفن کے بعد واقعہ ہوا میسر ہو تو دونوں وقت پڑھے جائز ہے۔ زادالآخرت میں نہر فائق شرح کنز الدقائق اور بحر خوار سے نقل فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ لَا تُحَرِّمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَا بَعْدَهٗ وَ اغْفِرْ لَنَا وَلَهٗ۔

”سلام کے بعد پڑھے کہ اے اللہ ہم کو اس کے اجر سے محروم نہ کرو اور اسکے بعد فتنہ میں مبتلا نہ کرو اور ہماری اور اسکی مغفرت فرما۔“
طحاوی میں ہے۔

وَ اِنَّ اَبَا حَنِيفَةَ اَمَّا مَاتَ فَخُتِمَ عَلَيْهِ سَبْعُونَ اَلْفًا قَبْلَ الدَّفْنِ۔

”جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ان پر دفن سے پہلے ستر ہزار ختم قرآن ہوئے۔“

کشف الغمہ، فتاویٰ عالمگیری، شامی باب الدفن بحث تعزیت میں ہے۔ **وَهِيَ بَعْدَ الدَّفْنِ اُولٰٓئِ مِنْهَا قَبْلَهُ** تعزیت کرنا دفن کے بعد دفن سے پہلے تعزیت کرنے سے بہتر ہے اسی جگہ شامی اور عالمگیری نے یہ بھی فرمایا **وَهَذَا اِذَا لَمْ يَرَوْهُمْ جَزَعٌ شَدِيدٌ وَّ اِلَّا قَدِمَتْ** یہ جب ہے جبکہ ان ورثا میں سخت گھبراہٹ نہ ہو ورنہ تعزیت دفن سے پہلے کی جاوے۔
حسن ظہر یہ میں ہے۔

وَهِيَ بَعْدُ الدَّفْنِ اُولٰٓئِ مِنْهَا قَبْلَهُ ”دفن کے بعد تعزیت کرنا دفن سے پہلے تعزیت افضل ہے۔“

میزان کبریٰ مصنفہ امام شعرانی میں ہے۔

قَالَ اَبُو حَنِيفَةَ وَ الشُّوْرٰی اَنَّ التَّعْزِيَةَ سُنَّةٌ قَبْلَ الدَّفْنِ لَا بَعْدَهٗ لِاَنَّ شِدَّةَ الْحُزَنِ تَكُوْنُ قَبْلَ الدَّفْنِ
فَيَعْزَمُ وَيَدْعُو اَلَهٗ

”امام ابو حنیفہ اور امام ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تعزیت کرنا دفن سے پہلے سنت ہے نہ کہ بعد کیونکہ زیادتی رنج دفن سے پہلے ہوتی ہے پس تعزیت کرے اور اس کے لئے دعا کرے۔“

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ دفن سے پہلے خواہ نماز سے بھی پہلے ہو یا نماز کے بعد تعزیت کرنا جائز بلکہ مسنون ہے اور تعزیت میں میت و پسمانگان کے لئے دعائے اجر و صبر ہی تو ہوتی ہے۔ عقل کا بھی تقاضا ہے کہ بعد نماز جنازہ دعا جائز ہو۔ کیونکہ نماز جنازہ ایک حیثیت سے تو دعا ہے میت سامنے رکھا گیا ہے اور اسمیں رکوع سجدہ التحیات وغیرہ نہیں ہے اور ایک حیثیت سے نماز ہے۔ اسی لئے اس میں غسل وضو ستر عورت قبلہ کو منہ ہونا جگہ اور

کپڑوں کا پاک ہونا شرط ہے اور جماعت مسنون۔ اگر یہ محض دعا و ہتی تو نماز کی طرح یہ شرائط اس میں کیوں ہوتیں اور دعاؤں کی طرح یہ بھی ہر طرح ادا ہو جایا کرتی۔ ماننا پڑے گا کہ ایک حیثیت سے یہ نماز بھی ہے اور ہر نماز کے بعد مسنون ہے اور زیادہ قابل قبول چنانچہ۔

مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ہے۔

قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ قَالَ جَوْفَ اللَّيْلِ الْآخِرِ وَذُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوباتِ

”حضور علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ فرمایا کہ آخر رات کے درمیانی حصہ میں اور فرض نمازوں کے پیچھے اور نماز جنازہ بھی فرض نماز ہے پھر اس کے بعد کیوں دعا نہ کی جاوے؟ نیز دعا مانگنے کی ہر وقت اجازت دی گئی ہے اور بہت تاکید فرمائی گئی ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الدعوات میں ہے کہ **الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ** اسی جگہ یہ بھی ہے۔ **الدُّعَاءُ مَعَ الْعِبَادَةِ** دعا عبادت بھی ہے یا دعا اصل عبادت دعا مانگنے کے لئے کوئی وقت وغیرہ کی پابندی نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ نماز جنازہ سے پہلے تو دعا جائز اور دفن کے بعد بھی جائز مگر نماز کے بعد اور دفن سے پہلے حرام؟ نماز جنازہ بھی کوئی جادو ہے کہ اس کے پڑھتے ہی دعا کرنا۔ ایصالِ ثواب کرنا سب حرام اور دفن میت اس جادو کا اتار ہے کہ دفن ہوا اور سب جائز ہو گیا۔ لہذا ہر وقت دعا اور ایصالِ ثواب جائز ہے کسی وقت کی پابندی نہیں۔

دوسرا باب

اس دعا پر اعتراضات و جوابات میں

اس پر صرف چار اعتراض ہیں تین عقلی اور ایک نقلی۔ اس کے سوا اور کوئی اعتراض نہیں۔

اعتراض ۱ وہ ہی پرانا یاد کیا ہوا سبق کہ یہ دعا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے لہذا ایہ دعا کرنا حرام ہے، شرک ہے، بے دینی ہے۔

جواب یہ دعا بدعت نہیں اس کا ثبوت حضور علیہ السلام کے قول و فعل مبارک سے ہو چکا۔ نیز صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ فقہانے اس کی اجازت دی۔ جیسا کہ اس بحث کے پہلے باب میں گزر گیا۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ بدعت ہے تو ہر بدعت حرام نہیں ہوتی۔ بلکہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ دیکھو ہماری بدعت کی بحث۔

اعتراض ۲ نماز جنازہ میں خود دعا ہے پھر دوبارہ دعا مانگنا جائز نہیں ہے پہلی دعا کافی ہو چکی۔

جواب یہ اعتراض بالکل لغو ہے نماز مچھانگنا نہ میں دعا ہے۔ نماز امتحارہ۔ نماز کسوف اور نماز استسقاء سب دعاء کے لئے ہیں مگر ان سب کے بعد دعا مانگنا جائز بلکہ سنت ہے حدیث پاک میں **أَكْثَرُ وَالدُّعَاءُ** دعا زیادہ مانگو۔ دعاء کے بعد دعا مانگنا زیادہ عام ہے تیسرے اس لئے کہ یہ تو محض دعا ہے بعض صورتوں میں تو نماز جنازہ کے بعد نماز جنازہ دوبارہ ہوتی ہے اگر میت کے ولی نے نماز نہ پڑھی اور ولی نے پڑھ لی تو وہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال مبارک دوشنبہ کو ہوا اور دفن شریف چہار شنبہ کو (شامی کتاب الصلوٰۃ باب الامت) اور ان دور روز میں لوگ جماعت جماعت آتے رہے نماز جنازہ ادا کرتے رہے کیونکہ اب تک صدیق اکبر نے جو کہ دلی تھے نہ پڑی تھی۔ پھر جب آخر دن حضرت صدیق نے نماز پڑھ لی۔ اب تا قیامت کسی کو جائز نہ رہا کہ حضور علیہ السلام پر نماز جنازہ پڑھے (دیکھو شامی باب صلوٰۃ الجنازہ بحث ومن احق بالامامت) اب کہو کہ یہ نماز تو دعا تھی۔ وہ ادا ہو گئی۔ یہ دوبارہ نمازیں کیسی ہو رہی ہیں؟ یہ سوال تو ایسا ہے کہ کوئی کہے کہ کھانے کے بعد پانی نہ پیو۔ کیونکہ کھانے میں پانی موجود ہے وہ پانی ہی سے پکا ہے۔

اعتراض ۳ چونکہ دعا مانگنے کے وجہ سے دفن میں دیر ہوتی ہے اور یہ حرام ہے لہذا ایہ دعا بھی حرام ہے۔

جواب یہ اعتراض بھی محض لغو ہے اولاً تو اس لئے کہ آپ تو اس دعا کو بہر حال منع کرتے ہیں۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دفن میں دیر ہو تو منع ورنہ نہیں۔ تو بتاؤ کہ اگر ابھی قبر تیار ہونے میں دیر ہے اور نماز جنازہ ہو گئی۔ اب دعا وغیرہ پڑھیں یا کہ نہیں یہاں تاخیر دفن دعا سے نہیں بلکہ تیاری قبر کی وجہ سے ہے دوسرے اس لئے کہ دعا میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ صرف دو یا تین منٹ۔ مشکل سے خرچ ہوتے ہیں۔ اس قدر غیر محسوس دیر کا اعتبار نہیں اتنی بلکہ اس سے زیادہ دیر تو راستہ میں آہستہ لے جانے اور غسل کا کام آہستہ آہستہ انجام دینے اور قبر کو اطمینان سے کھودنے میں بھی لگ جاتی ہے اگر اس قدر دیر بھی حرام ہو تو لازم ہوگا کہ غسل و کفن دینے والے نہایت بدحواسی سے بہت جلد یہ کام کریں اور قبر کھودنے والے مشین کی طرح جھٹ پٹ قبر کھودیں اور میت کو لے جانے والے انجن کی رفتار بھاگتے ہوئے جاویں اور فوراً پھینک کر آجاویں۔ تیسرے اس لئے کہ ہم پہلے باب میں حوالے دے چکے ہیں کہ دفن سے پہلے اہل میت کی تعزیت کرنا۔ انکو تسلی و تشفی دینا جائز بلکہ سنت ہے۔ خواہ بعد نماز کرے یا قبل نماز تو تعزیت کے الفاظ کہنے اور تسلی دینے میں بھی دیر لگے گی یا کہ نہیں؟ ضرور لگے گی مگر چونکہ یہ ایک دینی کا کے لئے جائز ہے۔ چوتھے اس لئے کہ ہم ابھی عرض کر چکے کہ حضور علیہ السلام کی وفات شریف دوشنبہ کو اور دفن چار شنبہ کو ہوا۔

علامہ شامی اسی کتاب الصلوٰۃ باب الامامت میں یہ واقعہ بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

وَهَذِهِ السُّنَّةُ بَاقِيَةٌ اِلَى الْاَنِ لَمْ يُدْفَنْ خَلِيفَةُ حَتَّى يَوَلَّى غَيْرُهُ

”یہ سنت اب تک باقی ہے کہ خلیفہ اس وقت تک دفن نہیں کیا جاتا جب تک کہ دوسرا خلیفہ نہ بن جائے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ دفن میں وہ تاخیر مکروہ ہے جو کہ دنیاوی وجہ سے ہو دینی وجہ سے قدرے جائز ہے کہ خلیفہ بنانا دینی کام ہے۔ اس کی وجہ سے دفن میں دیر کر دی اور دعا مانگنا بھی دینی کام ہے۔ اگر کوئی نمازی آخر میں ملے تو وہ دعا پڑھ کر سلام پھیر سکتا ہے۔ لیکن اگر نماز کے بعد فوراً نعش اٹھالی جائے تو یہ شخص دعا پوری نہ کر سکے گا کہ اٹھائے ہوئے جنازے پر نماز نہیں ہوتی۔ لہذا دعا بعد جنازہ میں مسبوق نمازیوں کی بھی رعایت ہے۔ اگر اس کے لئے ایک غیر محسوس تاخیر ہو تو جائز ہے۔ پانچویں اس لئے کہ دفن میں مطلقاً تاخیر کرنا حرام کہاں لکھا ہے؟ فقہاء فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن انتقال ہو گیا تو نماز جمعہ کا انتظار نہ کرے بلکہ ممکن ہو قبل جمعہ ہی دفن کر لے یہ نہیں کہتے کہ یہ انتظار کرنا حرام ہے شرک ہے۔ کفر ہے معاذ اللہ۔

اعتراض ۱ نماز جنازے کے بعد دعا کو فقہاء منع فرماتے ہیں۔ چنانچہ جامع الرموز میں ہے۔

لَا يَقُومُ دَاعِيًا لَهُ ”نماز کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا رہے۔“

ذخیرہ کبریٰ اور محیط میں ہے۔ **لَا يَقُومُ بِالْدُّعَاءِ بَعْدَ صَلَوةِ الْجَنَازَةِ** ”نماز جنازے کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا رہے۔“

عالمگیری میں ہے۔ **لَا يَدْعُو اَبَعْدَهُ فِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ** ”اس کے بعد دعا نہ کرے ظاہر مذہب میں۔“

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ **وَلَا يَدْعُو اِلِلْمَيِّتِ بَعْدَ صَلَوةِ الْجَنَازَةِ لِاَنَّهُ يَشْبَهُ الزِّيَادَةَ فِي صَلَوةِ الْجَنَازَةِ**

”نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا نہ کرے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کر نیکیے مشابہ ہے۔“

کشف العطاء میں ہے کہ قائم نہ شود بعد از نماز برائے دعا۔ ”نماز کے بعد دعا کے لئے کھڑا نہ رہے۔“

جامع الرموز میں ہے۔ **وَلَا يَقُومُ بِالْدُّعَاءِ بَعْدَ صَلَوةِ الْجَنَازَةِ لِاَنَّهُ يَشْبَهُ الزِّيَادَةَ**

”نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا رہے کیونکہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔“

ابن حامد سے مروی ہے۔ **اِنَّ الدُّعَاءَ بَعْدَ صَلَوةِ الْجَنَازَةِ مَكْرُوهٌ** ”نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔“

جامع رموز میں ہے۔ **وَلَا يَقُومُ بِالْدُّعَاءِ بَعْدَ صَلَوةِ الْجَنَازَةِ لِاَنَّهُ يَشْبَهُ الزِّيَادَةَ**

”نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا ہو کیونکہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔“

ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا وغیرہ ناجائز ہے۔

جواب اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک اجمالی دوسرا تفصیلی اجمالی جواب تو یہ ہے کہ اس دعا سے ممانعت کی تین وجہیں ہیں۔ اولاً یہ کہ چوتھی

تکبیر کے بعد سلام سے پہلے ہو۔ دوم یہ کہ دعائیں زیادہ لمبی نہ ہوں۔ جس سے کہ دفن میں بہت تاخیر ہو۔ اسی لئے نماز جنازہ جمعہ کے انتظار میں دفن میں تاخیر کرنا منع ہے۔ تیسرے یہ کہ اسی طرح صف بستہ بحیثیت نماز دعا کی جاوے کہ دیکھنے والا سمجھے نماز ہو رہی ہے یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔ لہذا

اگر بعد سلام بیٹھ کر یا صفیں توڑ کر تھوڑی دیر دعا کی جاوے تو بلا کراہت جائز ہے یہ وجوہ اس لئے نکالے گئے کہ فقہاء کی عبارتیں آپس میں متعارض نہ ہوں اور یہ اقوال احادیث مذکورہ اور صحابہ کرام کے قول و عمل کے خلاف نہ ہوں۔

تفصیلی جواب یہ ہے کہ عبارات میں سے جامع الرموز، ذخیرہ، محیط، کشف العطاء کی عبارتوں میں تو دعا سے ممانعت ہے ہی نہیں بلکہ کھڑے ہو کر دعا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ ہم بھی منع کرتے ہیں مرقات اور جامع الرموز میں یہ بھی ہے۔ **لَا نَّهُ يَشْبَهُ الزِّيَادَةَ** یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔

یعنی اس دعا سے دھوکا ہوتا ہے کہ نماز جنازہ زیادہ ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح دعا مانگنا منع ہے جس میں زیادتی کا دھوکا ہو۔ وہ یہ ہی ہے کہ صف بستہ کھڑے کھڑے دعا کریں۔ اگر صف توڑ دی یا بیٹھ گئے تو حرج نہیں دیکھو۔ جماعت فرض کے بعد حکم ہے کہ لوگ صفوف توڑ کر سنتیں پڑھیں تاکہ کسی کو دھوکا نہ ہو کہ جماعت ہو رہی ہے (دیکھو شامی اور مشکوٰۃ شریف باب السنن) تو اس سے لازم نہیں کہ فرض کے بعد سنتیں پڑھنا ہی منع ہیں بلکہ فرض سے ملا کر پڑھنا منع ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے۔ عالمگیری کی عبارت غلط نقل کی۔ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔

وَلَيْسَ بَعْدَ التَّكْبِيرِ الرَّابِعَةِ قَبْلَ السَّلَامِ دُعَاءٌ ”چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے کوئی دعا نہیں۔“

یعنی نماز جنازہ میں پہلے تین تکبیروں کے بعد کچھ نہ کچھ پڑھا جاتا ہے مگر اس چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہ پڑھا جاوے گا۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے۔

چنانچہ بدائع، کفایہ عنایہ میں ہے۔ **لَيْسَ بَعْدَ التَّكْبِيرِ الرَّابِعَةِ قَبْلَ السَّلَامِ دُعَاءٌ** ابو بکر ابن حامد کی جو عبارت پیش کی گئی یہ قدیہ کی عبارت ہے مگر قدیہ غیر معتبر کتاب ہے۔ اس پر فتویٰ نہیں دیا جاتا۔ مقدمہ شامی بحث رسم المفتی میں ہے کہ صاحب قدیہ ضعیف روایات بھی لیتا ہے۔ اس سے فتویٰ دینا جائز نہیں وہ فرماتے ہیں۔

أَوَّلُنَا قَوْلَ الضَّعِيفَةِ فِيهَا كَالْقُنْيَةِ لِلزَّاهِدِي فَلَا يَجُوزُ إِلَّا فِتَاءٌ مِنْ هَذِهِ

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بذل الجواز میں فرمایا کہ قدیہ والا معتزلی بد مذہب ہے اور اگر قدیہ کی یہ عبارت صحیح مان بھی لی جائے تو خود مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا منع ہے تو بعد دفن بھی دعا نا جائز ہونا چاہیے کیونکہ یہ وقت بھی تو نماز کے بعد ہی ہے غرض کہ کوئی بھی عبارت آپ کے موافق نہیں۔ دعا بعد نماز جنازہ جائز بلکہ سنت ہے۔

بحث مزارات اولیاء اللہ پر گنبد بنانا

مسلمان دو طرح کے ہیں ایک تو عام مومنین۔ دوسرے علماء مشائخ اولیاء اللہ جن کی تعظیم و توقیر درحقیقت اسلام کی تعظیم ہے۔ عامتہ المسلمین کی قبروں کو پختہ بنانا یا ان پر قبہ وغیرہ بنانا چونکہ بے فائدہ ہے اس لئے منع ہے ہاں اس پر مٹی وغیرہ ڈالتے رہنا تا کہ اس کا نشان نہ مٹ جائے فاتحہ وغیرہ پڑھی جاسکے جائز ہے۔ اور علماء مشائخ عظام اولیاء اللہ جن کے مزارات پر خلقت کا ہجوم رہتا ہے لوگ وہاں بیٹھ کر قرآن خوانی و فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں ان کے آسائش اور صاحب قبر کی اظہار عظمت کے لئے اس کے آس پاس سایہ کے لئے قبہ وغیرہ بنانا شرعاً جائز بلکہ سنت صحابہ سے ثابت ہے اور جن عوام مومنین کی قبریں پختہ بنانا یا ان پر قبہ بنانا منع ہے اگر ان کی قبریں پختہ بن گئی ہوں تو ان کو گرانا حرام ہے پہلے مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے آخر کے دو مسئلوں میں اختلاف اس لئے ہم اس بحث کے دو باب کرتے ہیں۔ پہلے باب میں تو اس کا ثبوت۔ دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات۔

پہلا باب

مزارات اولیاء اللہ پر عمارت کا ثبوت

اس جگہ تین امور ہیں ایک تو خود قبر کو پختہ کرنا۔ دوسرے قبر ولی کو قدر سنت یعنی ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا۔ تیسرے قبر کے آس پاس عمارت بنادینا۔ پھر قبر کو پختہ کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت سے ملا ہوا ہے اس کو پختہ بنانا دوسرے قبر کا بیرونی حصہ جو کہ اوپر نظر آتا ہے اس کو پختہ کرنا۔

قبر کے اندرونی حصہ کو پختہ اینٹ سے پختہ کرنا۔ وہاں لکڑی لگانا منع ہے ہاں اگر وہاں پتھر یا سیمنٹ لگایا جاوے تو جائز ہے کیونکہ لکڑی اور اینٹ میں آگ کا اثر ہے۔ قبر کا بیرونی حصہ پختہ بنانا عامتہ المسلمین کے لئے منع ہے اور خاص علماء مشائخ کے لئے جائز ہے۔

قبر کا تعویذ ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا منع ہے اور اگر آس پاس چوترا اونچا کر کے اس پر تعویذ بقدر ایک ہاتھ کیا تو جائز ہے۔

قبر کے آس پاس یا قبر کے قریب کوئی عمارت بنانا عامتہ المسلمین کی قبروں پر تو منع ہے۔ اور فقہاء علماء کی قبروں پر جائز۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب الدفن میں برویات اب داؤد ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان ابن مظعون کو دفن فرمایا تو ان کی قبر کے سرہانے ایک پتھر نصب فرمایا۔ اور فرمایا کہ **أَعْلَمُ بِهَا قَبْرَ أَخِي وَ أُدْفِنُ إِلَيْهِ مِنْ مَّائِةٍ مِنْ أَهْلِي** ہم اس سے اپنے بھائی کی قبر کا نشان لگائیں گے اور اسی جگہ اپنے اہل بیت کے مردوں کو دفن کریں گے۔

(۲) بخاری کتاب الجنائز باب الجریذ علی القبر میں تعلیقاً ہے حضرت خارجہ فرماتے ہیں۔ ہم زمانہ عثمان میں تھے۔

أَنَّ أَشَدَّنَا وَ ثَبَّةَ الَّذِي يَنْبُ قَبْرَ عُثْمَانَ ابْنِ مَظْعُونٍ حَتَّى يُجَاوِزَهُ

”ہم میں بڑا کودنے والا وہ تھا جو عثمان ابن مظعون کی قبر کو پھلانگ جاتا۔“

مشکوٰۃ کی روایت سے معلوم ہوا کہ عثمان ابن مظعون کی قبر کے سرہانے پتھر تھا اور بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ خود قبر عثمان کا تعویذ اس پتھر کا تھا اور دونوں روایات اس طرح جمع ہو سکتی ہیں کہ مشکوٰۃ میں جو آیا کہ قبر کے سرہانے پر پتھر لگایا اس کے معنی یہ نہیں کہ قبر سے علیحدہ سر کے قریب کھڑا کر دیا بلکہ یہ ہے کہ خود قبر میں ہی سر کی طرف اس کو لگایا یا مطلب یہ کہ قبر ساری اس پتھر کی تھی مگر سرہانے کا ذکر کیا۔ ان دونوں احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی خاص قبر کا نشان قائم رکھنے کے لئے قبر کچھ اونچی کر دی جاوے یا پتھر وغیرہ سے پختہ کر دی جائے تو جائز ہے تا کہ معلوم ہو کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے۔ اس سے پہلے دو مسئلے حل ہو گئے نیز فقہاء فرماتے ہیں اگر کوئی زمین نرم ہو اور لوہے یا لکڑی کے صندوق میں میت رکھ کر دفن کرنا پڑے تو اس کے اندرونی حصہ میں چاروں طرف مٹی سے کھگل کر دو (دیکھو شامی اور عالمگیری وغیرہ باب دفن لمیت) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر کو اندر سے کچا ہونا چاہیئے۔ دو مسائل ثابت ہوئے۔

(۳) مشائخ کرام اولیاء عظام علماء کرام کی مزارات کے ارد گرد یا اس کے قریب میں کوئی عمارت بنانا جائز ہے۔ اس کا ثبوت قرآن کریم اور صحابہ کرام و عامتہ المسلمین کے عمل اور علماء کے اقوال سے ہے۔ قرآن کریم نے اصحاب کھف کا قصہ بیان فرماتے ہوئے کہا۔

قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے کہ ہم تو ان اصحاب کھف پر مسجد

بنائیں گے۔ روح البیان میں اس آیت میں **بُنْيَانًا** کی تفسیر میں فرمایا۔ دیوارے کہ از چشم مردم پوشیدہ شوند یعنی **لَا يَعْلَمُ أَحَدٌ ثَرْبَتَهُمْ**

وَتَكُونُ مَحْفُوظَتَهُ مِنْ تَطَرُّقِ النَّاسِ كَمَا حِفْظَتْ ثَرْبَتُ رَسُولِ اللَّهِ بِالْحَظِيرَةِ یعنی انہوں نے کہا کہ اصحاب

کھف پر ایسی دیوار بناؤ جو ان کی قبر کو گھیرے اور ان کے مزارات لوگوں کے جانے سے محفوظ ہو جاویں۔ جیسے کہ حضور علیہ السلام کی قبر شریف چار دیواری سے گھیر دی گئی ہے۔ مگر یہ بات نامنتظر ہوئی تب مسجد بنائی گئی۔ مسجد کی تفسیر روح البیان میں ہے

يُصَلِّي فِيهِ الْمُسْلِمُونَ وَيَتَبَرَّكُونَ بِمَكَانِهِمْ لوگ اس میں نماز پڑھیں اور ان سے برکت لیں۔ قرآن کریم نے ان لوگوں کی دو باتوں کا ذکر فرمایا ایک تو اصحاب کھف کے گرد قبہ اور مقبرہ بنانے کا مشورہ کرنا دوسرے ان کے قریب مسجد بنانا اور کسی باب کا انکار نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ دونوں فعل جب بھی جائز تھے اور اب بھی جائز ہیں جیسا کہ کتب اصول سے ثابت ہے کہ شرائع **قَبْلِنَا يَلْزَمُنَا** حضور سید عالم ﷺ کو حضرت صدیقہ کے حجرے میں دفن کیا گیا۔ اگر یہ ناجائز تھا تو پہلے صحابہ کرام اس کو گرا دیتے۔ پھر دفن کرتے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کے گرد کچی اینٹوں کی گول دیوار کھچا دی۔ پھر ولید ابن عبد الملک کہ زمانہ میں سیدنا عبد اللہ ابن زبیر نے تمام صحابہ کرام کی موجودگی میں اس عمارت کو نہایت مضبوط بنایا اور اس میں پتھر لگوائے چنانچہ خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ مصنفہ سید سمہودی دسویں فصل فیہا یعلق بالحجرۃ المنفیۃ ۱۹۶ میں ہے **عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ وَعُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي زَيْدٍ قَالَا لَمْ يَكُنْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَائِطٌ فَكَانَ أَوَّلَ مَنْ بَنَى عَلَيْهِ جِدَارًا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ** قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي زَيْدٍ كَانَ جِدَارُهُ قَصِيرًا ثُمَّ بَنَاهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ الْخ وَقَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ كُنْتُ أَدْخُلُ بُيُوتَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا غُلَامٌ مُرَاهِقٌ إِذَا نَالَ السَّقْفَ بِيَدِي وَكَانَ لِكُلِّ بَيْتٍ حَجَرَةٌ وَكَانَتْ حُجْرُهُ مِنَ الْكَعْسَةِ مِنْ سَعِيرٍ مَرْبُوطَتُهُ فِي خُشْبٍ عَرَعَرَةٍ

ترجمہ وہی جو اوپر بیان ہو چکا۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب مَا جَاءَ فِي قَبْرِ النَّبِيِّ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ میں ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ولید ابن عبد الملک کے زمانہ میں روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دیوار گر گئی تو **أَخَذُوا فِي بَنَائِهِ** صحابہ کرام اس کے بنانے میں مشغول ہوئے۔

فَبَدَتْ لَهُمْ قَدَمٌ فَفَزِعُوا وَظَنُوا أَنَّهَا قَدَمُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى قَالَ لَهُمْ عُرْوَةُ لَا وَاللَّهِ مَا هِيَ قَدَمُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا هِيَ إِلَّا قَدَمُ عُمَرَ

”ایک قدم ظاہر ہو گیا تو لوگ گھبرا گئے اور سمجھے کہ یہ حضور علیہ السلام کا قدم پاک ہے۔ حضرت عروہ نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ حضور علیہ السلام کا قدم نہیں ہے یہ حضرت فاروق کا قدم ہے۔“

جذب القلوب الی دیار المحبوب میں شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ ۵۵۰ھ میں جمال الدین اصفہانی نے علماء کرام کی موجودگی میں صندل کی لکڑی کی جالی اس دیوار کے آس پاس بنائی اور ۵۵۷ھ میں بعض عیسائی عابدوں کی شکل میں مدینہ منورہ آئے اور سرنگ لگا کر نقش مبارک کو زمین سے نکالنا چاہا۔ حضور علیہ السلام نے تین بار بادشاہ کو خواب میں فرمایا۔ لہذا بادشاہ نے ان کو قتل کرایا اور روضہ کے آس پاس پانی تک بنایا دیکھو کرسیسہ لگا کر اس کو بھردیا پھر ۶۷۸ھ میں سلطان قلاؤں صالحی نے یہ گنبد بزرگوار تک موجود ہے بنوایا۔

ان عبارات سے یہ معلوم ہوا کہ روزہ مطہرہ صحابہ کرام نے بنوایا تھا اگر کوئی کہے یہ تو حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے تو کہا جاوے گا کہ اس روضہ میں حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی دفن ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دفن ہوں گے لہذا یہ خصوصیت نہ رہی۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز اور مشکوٰۃ باب البکاء علی میت میں ہے کہ حضرت امام حسن ابن حسن ابن علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔

صَرَبَتْ إِمْرَأَتُهُ الْقُبَّةَ عَلَى قَبْرِهِ سَنَةً ”تو ان کو بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک قبہ ڈالے رکھا۔“

یہ بھی صحابہ کرام کے زمانہ میں سب کی موجودگی میں ہوا۔ کسی نے انکار نہ کیا۔ نیز ان کی بیوی ایک سال تک وہاں رہیں۔ پھر گھر واپس آئیں۔ جیسا کہ اسی حدیث میں ہے۔ اس سے بزرگوں کی قبروں پر عجائروں کا بیٹھنا بھی ثابت ہوا۔

یہاں تک تو قرآن وحدیث سے ثابت ہوا۔ اب فقہاء محدثین اور مفسرین کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

روح البیان جلد ۳ پارہ ۱ ازیر آیت **إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ** میں ہے۔

فَبَنَاءُ قُبَابٍ عَلَى قُبُورِ الْعُلَمَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ وَالصُّلَحَاءِ أَمْرٌ جَائِزٌ إِذَا كَانَ الْقَصْدُ بِذَلِكَ التَّعْظِيمِ فِي أَعْيُنِ الْعَامَّةِ حَتَّى لَا يَحْتَقِرُوا صَاحِبَ هَذَا الْقَبْرِ

”علماء اور اولیاء صالحین کی قبروں پر عمارات بنانا جائز کام ہے جبکہ اس سے مقصود ہو لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا تاکہ لوگ اس قبر والے کو حقیر نہ جانیں۔“

مرقات شرح مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب دفن لیت میں ہے۔

قَدْ أَبَاحَ السَّلَفُ الْبِنَاءَ عَلَى الْقُبُورِ الْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ الْمَشْهُورِينَ لِيُزَوِّرَهُمُ النَّاسُ وَيَسْتَرْيَحُوا بِالْجُلُوسِ

”پہلے علماء نے مشائخ اور علماء کی قبروں پر عمارات بنانا جائز فرمایا ہے تاکہ ان کی زیارت کریں۔ اور وہاں بیٹھ کر آرام پائیں۔“

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں۔

”در آخر زمان بجہت اقتصار نظر عوام بر ظاہر مصلحت در تعمیر و ترویج مشاہد و مقابر مشائخ و عظماء دیدہ چیز ہا افز و دندنا آنجا ہیبت و شوکت اہل اسلام و اہل صلاح پیدا آید خصوصاً در دیار ہند کہ اعدائے دین از ہنود و کفار بسیار اند۔ و ترویج اعلاء شان ایں مقامات باعث رعب و انقیاد ایشان است و بسیار اعمال و افعال و ادضاع کہ در زمان سلف از مکروہات بودہ اند در آخر زمان از مستحبات گشتہ۔“

”آخر زمان میں چونکہ عام لوگ محض ظاہر بین رہ گئے۔ لہذا مشائخ اور صلحاء کی قبروں پر عمارت بنانے میں مصلحت دیکھ کر زیادتی کر دی تاکہ مسلمانوں اور اولیاء اللہ کی ہیبت ظاہر ہو خاص کر ہندوستان میں کہ یہاں ہندو اور کفار بہت سے دشمنان دین ہیں ان مقامات کی اعلان شان کفار کے رعب اور اطاعت کا ذریعہ ہے اور بہت سے کام پہلے مکروہ تھے اور آخر زمانہ میں مستحب ہو گئے۔“

شامی جلد اول باب الدفن میں ہے۔

وَقِيلَ لَا يَكْرَهُ الْبِنَاءُ إِذَا كَانَ الْمَيِّتُ مِنَ الْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ وَالسَّادَاتِ

”کہ اگر میت مشائخ اور علماء اور سادات کرام میں سے ہو تو اس کی قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں ہے۔“

در مختار میں اسی باب الدفن میں ہے۔ **لَا يَرْفَعُ عَلَيْهِ بِنَاءٌ وَقِيلَ لَا بَأْسَ بِهِ وَهُوَ الْمُخْتَارُ** قبر پر عمارت نہ بنائی جائے اور کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی قول پسندیدہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ شامی اور در مختار نے عمارت کے جواز کو قیل سے بیان کیا۔ اس لئے یہ قول ضعیف ہے لیکن یہ صحیح نہیں فقہ میں قیل علامت ضعیف نہیں۔ اور بعض جگہ ایک مسئلہ میں دو قول بیان کرتے ہیں اور دونوں قیل سے۔ ہاں منطق میں قیل علامت ضعیف ہے۔ قیل کی مکمل بحث اذان قبر کے بیان میں دیکھو۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۳۳۵ میں ہے۔

وَقَدْ اعْتَادَ أَهْلُ الْمِصْرِ وَضَعَ الْأَحْجَارِ حِفْظًا لِلْقُبُورِ عَنِ الْأَنْدَرِاسِ وَالنَّبَشِ وَلَا بَأْسَ بِهِ وَفِي الدَّرَرِ وَلَا يُحْصَصُ وَلَا يُطَيَّنُ وَلَا يَرْفَعُ عَلَيْهِ بِنَاءٌ وَقِيلَ لَا بَأْسَ بِهِ وَهُوَ الْمُخْتَارُ

”مصر کے لوگ قبروں پر پتھر رکھنے کے عادی ہیں۔ تاکہ وہ مٹنے اکھڑنے سے محفوظ رہیں اور قبر کو گچ نہ کی جاوے نہ کھگل کی جاوے نہ اس پر عمارت بنائی جاوے اگر کہا گیا کہ جائز ہے اور یہی مختار ہے۔“

میزان کبریٰ آخر جلد اول کتاب الجنائز میں امام شعرانی فرماتے ہیں۔

وَمِنْ ذَلِكَ قَوْلُ الْأَيْمَةِ أَنَّ الْقَبْرَ لَا يُبْنَى وَلَا يُحْصَصُ مَعَ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ يَجُوزُ ذَلِكَ قَالَ الْأَوَّلُ مُشَدَّدٌ وَالثَّانِي مُخَفَّفٌ

”اسی سے ہے دیگر اماموں کا یہ کہنا کہ قبر پر نہ عمارت بنائی جاوے اور نہ اسکو گچ کی جاوے باوجودیکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ یہ سب جائز ہے پس پہلے قول میں سختی ہے اور دوسرے میں آسانی۔“

اب تو رجسری ہو گئی کہ خود امام مذہب امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان مل گیا کہ قبر پر قبہ وغیرہ بنانا جائز ہے۔

الحمد للہ کہ قرآن وحدیث اور فقہی عبارات بلکہ خود امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان پاک سے ثابت ہو گیا کہ اولیاء علماء کی قبور پر گنبد وغیرہ بنانا جائز ہے۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ جائز ہو چند وجود سے اولاً تو یہ دیکھا گیا ہے کہ عام کچی قبروں کا عوام کی نگاہ میں نہ ادب ہوتا ہے نہ احترام اور نہ زیادہ فاتحہ خوانی نہ کچھ اہتمام بلکہ لوگ پیروں سے اس کو روندتے ہیں۔ اور اگر کسی قبر کو پختہ دیکھتے ہیں غلاف وغیرہ پڑا ہوا پاتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے اس سے بچ کر نکلتے ہیں اور خود بخود فاتحہ کو ہاتھ اٹھ جاتا ہے اور مشکوٰۃ باب الدفن میں اور مرقات میں ہے کہ مسلمان کا زندگی اور بعد موت یکساں ادب چاہیئے۔ اسی طرح عالمگیری کتاب الکراہیت اور اہتہ الممعات باب الدفن میں ہے کہ والدین کی قبر کو چومنا جائز ہے۔

اسی طرح فقہا فرماتے ہیں کہ قبر سے اتنی دور بیٹھے جتنی دور کہ صاحب قبر کی زندگی میں اس سے بیٹھتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ میت کا احترام بقدر زندگی کے احترام کے ہے اور اولیاء اللہ تو زندگی میں واجب التعظیم تھے۔ لہذا بعد موت بھی اور قبر کی عمارت اس تعظیم کا ذریعہ ہے لہذا کم از کم مستحب ہے۔ دوسرے اس لئے کہ جس طرح تمام عمارات میں سرکاری عمارتیں یا کہ مساجد ممتاز رہتی ہیں کہ ان کو پہچان کر لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ علماء کو چاہیئے کہ اپنی وضع قطع لباس صورت اہل علم کا سارکھیں تاکہ لوگ ان کو پہچان کر مسائل دریافت کریں۔ اسی طرح چاہیئے کہ علماء مشائخ کے قبور عام قبروں سے ممتاز رہیں تاکہ لوگ پہچان کر ان سے فیض لیں۔ تیسرے اس لئے کہ مقابر اولیاء اللہ شعائر اللہ ہیں جیسا کہ ہم اس سے پہلے تفسیر روح البیان کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں اور شعائر اللہ کا ادب ضروری ہے قرآن سے ثابت ہے لہذا قبروں کا ادب چاہیئے۔ ادب کے ہر ملک اور ہر زمانہ میں علیحدہ طریقے ہوتے ہیں۔ جو طریقہ بھی ادب کا خلاف اسلام نہ ہو وہ جائز ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں قرآن پاک ہڈیوں اور چمڑے پر لکھا تھا۔ مسجد نبوی مکی تھی اور چھت میں کھجور کے پتے تھے جو بارش میں ٹپکتی تھی۔ مگر بعد زمانے میں مسجد نبوی نہایت شاندار و روضہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم بہت اہتمام سے بنائے گئے اور قرآن کو اچھے کاغذ پر چھاپہ گیا۔

در مختار کتاب الکراہیت فضل فی البیع میں ہے۔ **وَجَازَ تَحْلِيَّتُهُ الْمُصْحَفَ لِمَا فِيهِ مِنْ تَعْظِيمِهِ كَمَا فِي نَقْشِ الْمَسْجِدِ** اس کے ماتحت شامی میں ہے **أَيَّ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ** یعنی قرآن کریم کو چاندی سونے سے آراستہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں ان کی تعظیم ہے۔ جیسا کہ مسجد کو نقشین کرنا۔ اسی طرح صحابہ کرام کے زمانہ میں حکم تھا کہ قرآن کو آیات اور رکوع اور اعراب سے خالی رکھو۔ لیکن اس زمانہ کے بعد چونکہ ضرورت درپیش ہوئی۔ یہ تمام کام جائز بلکہ ضروری ہو گئے۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔

وَمَارَوْى عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ جَرَدُوا الْقُرْآنَ كَانَ فِي زَمَنِهِمْ وَكَمْ مِنْ شَيْءٍ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ ”ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قرآن کو اعراب وغیرہ سے خالی رکھو یہ اس زمانہ میں تھا۔ اور بہت سی چیزیں زمانہ اور جگہ بدلنے سے بدل جاتی ہیں۔“ اسی مقام پر شامی میں ہے کہ قرآن کو چھوٹا کر کے نہ چھاپو یعنی حائل نہ بناؤ بلکہ اس کا قلم موٹا ہو۔ حرف کشادہ ہوں تقطیع بڑی ہو یہ سارے احکام کیوں ہیں؟ صرف قرآن کی عظمت کے لئے اسی طرح یہ بھی ہے اول زمانہ میں تعظیم قرآن و اذان و اقامت پر اجرت لینا حرام تھا حدیث و فقہ میں موجود ہے مگر بعد کو ضرورتاً جائز کیا گیا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں خود زندہ لوگوں کو پختہ مکان بنانے کی ممانعت تھی۔ ایک صحابی نے پختہ مکان بنایا تو حضور علیہ السلام ناراض ہوئے یہاں تک ان کے سلام کا جواب نہ دیا جب اس کو گرا دیا۔ تب جواب سلام دیا۔ (دیکھو مشکوٰۃ کتاب الرقاق فصل ثانی)

اسی مشکوٰۃ کتاب الرقاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ **إِذَا لَمْ يُبَارَكْ لِلْعَبْدِ فِي مَالِهِ جَعَلَهُ فِي الْمَاءِ وَالطَّيْنِ** جب بندے کے مال میں بے برکتی ہوتی ہے تو اس کو اینٹ گارے میں خرچ کرتا ہے لیکن ان احکام کے باوجود عام مسلمانوں نے بعد میں پختہ مکان بھی بنائے اور مسجدیں بھی۔ تعجب ہے کہ جو حضرات اولیاء اللہ کی قبروں کے پختہ کرنے یا ان پر قبہ بنانے کو حرام کہتے ہیں وہ اپنے مکان کیوں عمدہ اور پختہ بناتے ہیں۔ **أَتُوْمُنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ** کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے اور بعض کا انکار۔ اللہ سمجھ دے چوتھے اس لئے کہ اولیاء اللہ کی مقابر کا پختہ ہونا۔ ان پر عمارات قائم ہونا۔ تبلیغ اسلام کا ذریعہ ہے۔ اجمیر شریف وغیرہ میں دیکھا گیا ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ وہاں ہندو اور دیگر کفار زیارت کو جاتے ہیں بہت سے ہندوؤں اور رافضیوں کو میں نے دیکھا کہ خواجہ صاحب کی دھوم دھام دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ ہندوستان میں اب کفار مسلمانوں کے ان اوقاف پر قبضہ کر رہے ہیں جن میں کوئی علامت نہ ہو۔ بہت سی مسجدیں، خانقاہیں، قبرستان بے نشان ہو کر ان کے قبضے میں پہنچ گئے اگر قبرستان کی ساری قبریں کچی ہوں تو وہ کچھ دن میں گر گر کر برابر ہو جاتی ہیں اور سادہ زمین پر کفار قبضہ جمالیتے ہیں لہذا اب سخت ضرورت ہے کہ ہر قبرستان میں کچھ قبریں پختہ ہوں تاکہ ان سے اس زمین کا قبرستان ہونا بلکہ اس کے حدود معلوم رہیں۔

میں نے اپنے وطن میں خود دیکھا کہ مسلمانوں کے دو قبرستان بھر چکے تھے ایک میں بجز دو تین قبروں کے ساری قبریں کچی تھیں۔ دوسرے قبرستان کے کچھ حصہ میں پختہ قبریں بھی تھیں۔ مسلمان فقیروں نے یہ دونوں قبرستان خفیہ طور پر فروخت کر دیئے جس پر مقدمہ چلا۔ پہلا قبرستان تو سوائے پختہ قبروں کے مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ کیونکہ حکام نے اسے سفید زمین مانا۔ دوسرے قبرستان کا آدھا حصہ جہاں تک پختہ قبریں تھیں مسلمانوں کو ملا۔ باقی وہ حصہ جس میں ساری قبریں کچی تھیں اور مٹ چکی تھیں کفار کے پاس پہنچ گئے۔ کیونکہ اس قبرستان کے حدود پختہ قبروں کی حد سے قائم کئے گئے باقی کا بیعتنامہ درست مانا گیا۔ اس سے مجھے پتہ لگا کہ اب ہندوستان میں کچھ قبریں پختہ ضرور بنوانی چاہئیں کیونکہ یہ بقاء وقف کا ذریعہ ہیں جیسے مسجد کے لئے مینارے۔

ماہ جولائی ۱۹۶۰ء کے اخبارات میں مسلسل یہ خبر شائع ہو رہی ہے کہ مولوی اسماعیل صاحب کے پیر سید احمد صاحب بریلوی کی قبر جو بالا کوٹ میں واقع ہے شکستہ حالت میں ہے اسکی مرمت کی جاوے گی اور اس پر گنبد وغیرہ تعمیر کیا جاوے گا۔ سبحان اللہ سید احمد صاحب جنہوں نے عمر بھر مسلمانوں کی قبریں ڈھائیں اب خود ان کی قبر پر گنبد بنے گا۔ ۲۹ جولائی ۱۹۶۰ء کو صدر پاکستان ایوب خان نے قائد اعظم کی قبر کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔

جس میں ایک لاکھ مسلمان شریک تھے اس عمارت پر ۵۷ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا اس تقریب میں دیوبندیوں کے پیشوا مولوی احتشام الحق نے بھی شرکت کی۔ ان کی تقریر راولپنڈی کے جنگ ۱۲ اگست ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی آپ نے بہت خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا کہ مبارک ہو کہ بانی انقلاب آج بانی پاکستان کی قبر پر سنگ بنیاد رکھ رہا ہے اب تک پاکستان کی حکومتوں نے اس مبارک کام میں بہت سستی کی تھی۔ مسلمانو! یہ ہیں وہ دیوبندی جو اب تک مسلمانوں کی قبریں اکھڑاتے تھے جنہوں نے نجدی حکومت کو مبارک باد کے تار دیئے تھے کہ اس نے صحابہ و اہل بیت کی قبریں اکھڑ دیں آج قائد اعظم کی قبر پر گنبد وغیرہ تعمیر ہونے پر مبارک باد دے رہے ہیں۔ ان کا کتابی مذہب اور ہے۔ زبانی مذہب اور عملی مذہب کچھ اور چلو تم ادھر کو ہوا جدھر کی۔ بہر حال مزار پر گنبد کے دیوبندی بھی قائل ہو گئے۔

دوسرا باب

عمارت قبور پر اعتراضات کے جوابات میں

مخالفین کے اس مسئلہ پر صرف دو ہی اعتراض ہیں اول تو یہ کہ مشکوٰۃ باب الدفن میں بروایت مسلم ہے۔

نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُجْصَّصَ الْقُبُورُ وَأَنْ يُنْبِئَ عَلَيْهِ وَأَنْ يَقْعَدَ عَلَيْهِ

”حضور علیہ السلام نے منع فرمایا اس سے کہ قبروں پر گچ کی جاوے اور اس سے کہ اس پر عمارت بنائی جاوے اور اس سے کہ اس پر بیٹھا جاوے۔“

نیز عام فقہاء فرماتے ہیں کہ **يَكْرَهُ الْبِنَاءُ عَلَى الْقُبُورِ** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین کام حرام ہیں قبر کو پختہ بنانا۔ قبر پر عمارت بنانا اور قبر پر مجاور بن کر بیٹھنا۔

جواب قبر کو پختہ کرنے سے منع ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت کی طرف ہے اس کو پختہ کیا جاوے۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا۔ **أَنْ يُجْصَّصَ الْقُبُورُ** یہ نہ فرمایا گیا۔ **عَلَى الْقُبُورِ** دوسرے یہ کہ عامۃ المسلمین کی قبور پختہ کی جاویں کیونکہ یہ بے فائدہ ہے تو معنی یہ ہوئے کہ ہر قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا۔ تیسرے یہ کہ قبر کی سجاوٹ، تکلف یا فخر کے لئے پختہ کیا۔ یہ تینوں صورتیں منع ہیں اور اگر نشان باقی رکھنے کے لئے کسی ولی اللہ کی قبر پختہ کی جاوے تو جائز ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون کی قبر پختہ پتھر کی بنائی۔ جیسا کہ پہلے باب میں عرض کیا گیا۔ لمعات میں اسی **أَنْ يُجْصَّصَ الْقُبُورِ** کے ماتحت ہے **لِمَا فِيهِ مِنَ الزِّيْنَةِ وَالتَّكْلِيفِ** کیونکہ اس میں محض سجاوٹ اور تکلف ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اگر اس لئے نہ ہو تو جائز ہے **أَنْ يُنْبِئَ عَلَيْهِ** یعنی قبر پر عمارت بنانا منع فرمایا۔ اس کے بھی چند معنی ہیں اولاً تو یہ کہ خود قبر پر عمارت بنائی جاوے اس طرح کہ قبر دیوار میں شامل ہو جاوے۔ چنانچہ شامی باب الدفن میں ہے۔

وَتَكْرَهُ الزِّيَادَةُ عَلَيْهِ لِمَا فِي الْمُسْلِمِ. نَهَى رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ يُجْصَّصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُنْبِئَ عَلَيْهِ قبر کو ایک ہاتھ سے اونچا کرنا منع ہے کیونکہ مسلم میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر کچھ بنانے سے منع فرمایا۔“

درمختار اسی باب میں ہے **وَتَكْرَهُ الزِّيَادَةُ عَلَيْهِ مِنَ التَّرَابِ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْبِنَاءِ** قبر پر مٹی زیادہ کرنا منع ہے کیونکہ یہ عمارت بنانے کی درجہ میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبر پر بنانا یہ ہے کہ قبر دیوار میں آ جاوے اور گنبد بنانا یہ حول البقر یعنی قبر کے ارد گرد بنانا ہے یہ ممنوع نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ حکم عامۃ المسلمین کے لئے قبروں کے لئے ہے۔ تیسرے یہ کہ اس بنانے کی تفسیر خود دوسری حدیث نے کر دی جو کہ مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَوَتْنَا يُعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُورَ اَنْبِیَآءِ هِم مَسْجِدَ

”اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی پوجا کی جاوے اس قوم پر خدا کا سخت غضب ہے جس نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد بنالیا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ کسی قبر کو مسجد بنانا اس پر عمارت بنا کر اس طرف نماز پڑھنا حرام ہے یہی اس حدیث سے مراد ہے۔ قبروں پر کیا نہ بناؤ مسجد۔ قبر کو مسجد بنانے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی عبادت کی جاوے۔ یا کم از کم اس کو قبلہ بنا کر اس کی طرف سجدہ کیا جاوے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

قَالَ الْبَيْضاوِيُّ لَمَّا كَانَتْ الْيَهُودُ وَالنَّصْرِيُّ يَسْجُدُونَ لِقُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ تَعْظِيمًا لِّشَأْنِهِمْ وَ يَجْعَلُونَهَا قِبْلَةً يَتَوَجَّهُونَ فِي الصَّلَاةِ نَحْوَهَا وَ اتَّخَذُوهَا أَوْثَانًا لَعَنَهُمْ وَ مَنَعَ الْمُسْلِمُونَ عَنْ مِثْلِ ذَلِكَ

”بیضاوی نے فرمایا کہ جبکہ یہود و نصاریٰ پیغمبروں کی قبروں کو تعظیمًا سجدہ کرتے تھے اور اس کو قبلہ بنا کر اس کی طرف نماز پڑھتے تھے اور ان قبور کو انہوں نے بت بنا کر رکھا تھا لہذا اس پر حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا گیا۔“

یہ حدیث معترض کی پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہوگئی۔ معلوم ہو گیا کہ قبہ بنانے سے منع نہیں فرمایا بلکہ قبر کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا۔ چوتھے یہ کہ یہ ممانعت حکم شرعی نہیں ہے۔ بلکہ زہد و تقویٰ کی تعلیم ہے جیسے کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے کہ رہنے کے مکانات کو پختہ کرنے سے بھی روکا گیا۔ بلکہ گرا دیئے گئے پانچویں یہ کہ جب بنانے والے کا یہ اعتقاد ہو کہ اس عمارت سے میت کو راحت یا فائدہ پہنچتا ہے تو منع ہے کہ غلط خیال ہے اور اگر زائرین کی آسائش کے لئے عمارت بنائی جاوے تو جائز ہے۔

ہم نے یہ تو جہیں اس لئے کیں کہ بہت سے صحابہ کرام نے خاص خاص قبروں پر عمارت بنائی ہیں یہ فعل سنت صحابہ ہے چنانچہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کی قبر انور کے گرد عمارت بنائی۔ سیدنا ابن زبیر نے اس پر خوبصورت عمارت بنائی۔ حسن ثنی کی بیوی نے اپنے شہر کی قبر پر قبۃ الاجس کو ہم بحوالہ مشکوٰۃ باب البکاء سے نقل کر چکے۔ زوجہ حسن ثنی کے اس فعل کے ماتحت ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ باب البکاء میں فرماتے ہیں۔

الظَّاهِرُ أَنَّهُ لاجْتِمَاعِ الْأَحْبَابِ لِلذِّكْرِ وَالْقِرَاءَةِ وَحُضُورِ الْأَصْحَابِ بِالْمَغْفِرَةِ أَمَّا حَمْلُ فِعْلِهَا عَلَى الْعَبَثِ الْمَكْرُوهِ فَغَيْرُ لَائِقٍ لِصَنِيعِ أَهْلِ الْبَيْتِ

”ظاہر یہ ہے کہ یہ قبہ دوستوں اور صحابہ کے جمع ہونے کے لئے تھا تا کہ ذکر اللہ اور تلاوت قرآن کریں اور دعائے مغفرت کریں۔ لیکن ان بی بی کے اس کام کو معض بے فائدہ بنانا جو کہ مکروہ ہے یہ اہل بیت کی شان کے خلاف ہے۔“

صاف معلوم ہوا کہ بلا فائدہ عمارت بنانا منع اور زائرین کے آرام کے لئے جائز ہے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب جش رضی اللہ عنہا کی قبر پر قبہ بنایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر پر اور حضرت محمد ابن حنیفہ نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبر پر قبہ بنایا۔

منحطے شرح موطاء امام مالک میں ابو عبد سلیمان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وَضَرَبَهُ عُمَرُ عَلَى قَبْرِ زَيْنَبِ بِنْتِ جَحْشٍ وَ ضَرَبَتْهُ عَائِشَةُ عَلَى قَبْرِ أَخِيهَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَ ضَرَبَهُ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنْفِيَّةِ عَلَى قَبْرِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ إِنَّمَا كَرِهَهُ لِمَنْ ضَرَبَهُ عَلَى وَجْهِ السُّمْعَةِ وَ الْمُبَاهَاتِ

”حضرت عمر نے زینب جش کی قبر پر قبہ بنایا حضرت عائشہ نے اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر پر قبہ بنایا محمد ابن حنیفہ (ابن حضرت علی) نے ابن عباس کی قبر پر قبہ بنایا رضی اللہ عنہم اور جس نے قبہ بنانا مکروہ کہا ہے تو اس کے لئے جو کہ اس کو فخر دریا کے لئے بنائے۔“

بدائع الصنائع جلد اول صفحہ ۳۲۰ میں ہے۔

رَوَى أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ لَمَّا مَاتَ بِالطَّائِفِ صَلَّى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنْفِيَّةِ وَجَعَلَ قَبْرَهُ مُسْنَمًا وَ ضَرَبَ عَلَيْهِ فُسْطَاطًا

”جبکہ طائف میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ان پر محمد ابن حنیفہ نے نماز پڑھی اور ان کی قبر ڈھلوان بنائی اور قبر پر قبہ بنایا۔“

یعنی شرح بخاری میں ہے **ضَرَبَهُ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنْفِيَّةِ عَلَى قَبْرِ ابْنِ عَبَّاسٍ** ان صحابہ کرام نے یہ فعل کئے اور ساری امت روضۃ رسول علیہ السلام پر جاتی رہی۔ کسی محدث کسی فقیہ کسی عالم نے اس روضہ پر اعتراض نہ کیا لہذا اس حدیث کی وہ ہی توجہیں کی جاویں جو کہ ہم نے کیں۔ قبر پر بیٹھنے کے معنی ہیں قبر پر چڑھ کر یہ منع ہے نہ کہ وہاں مجاور بننا۔ مجاور بننا تو جائز ہے۔ مجاور اسی کو تو کہتے ہیں جو قبر کا انتظام رکھے کھولنے بند کرنے کی چابی اپنے پاس رکھے وغیرہ وغیرہ یہ صحابہ کرام سے ثابت ہے، حضرت عائشہ صدیقہ مسلمانوں کی والدہ حضور علیہ السلام کی قبر انور کی منظمہ اور چابی والی تھیں۔ جب صحابہ کرام کو زیارت کرنی ہوتی تو ان سے ہی کھلوا کر زیارت کرتے۔ دیکھو مشکوٰۃ باب الدفن۔ آج تک روضہ مصطفیٰ ﷺ پر مجاور رہتے ہیں کسی نے ان کو نا جائز نہ کہا۔

وَعَنْ أَبِي هَيَّاجٍ نِ الْأَسَدِيِّ قَالَ قَالَ لِي عَلِيٌّ أَلَا أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ لَا تَدْعَ تِمْنًا إِلَّا طَمَسَتْهُ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ.

”ابوہیاج اسدی سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھ کو حضور علیہ السلام نے بھیجا تھا وہ یہ کہ تم کوئی تصویر نہ چھوڑو مگر مٹا دو اور نہ کوئی اونچی قبر مگر اس کو برابر کر دو۔“

بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب الحجر علی القبر میں ہے۔

وَرَأَى ابْنُ فَسْطَاطٍ عَلَى قَبْرِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ فَقَالَ انْزَعِهِ يَا غُلَامُ فَإِنَّمَا يُظْلِلُهُ عَمَلُهُ

”ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد الرحمن کی قبر پر قبہ خیمہ دیکھا پس آپ نے فرمایا کہ اے لڑکے اسکو علیحدہ کر دو کیونکہ ان پر اگلے عمل سایہ کر رہے ہیں۔“ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قبر پر عمارت بنی ہو یا قبر اونچی ہو تو اس کو گرا دینا چاہیے۔

نوٹ ضروری اس حدیث کو آرہنا کرنجدی وہابیوں نے صحابہ کرام اور اہل بیت کے مزارات کو گرا کر زمین کے ہموار کر دیا۔

جواب جن قبروں کو گرا دینے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا ہے وہ کفار کی قبریں تھیں۔ نہ کہ مسلمین کی۔ اس کی چند وجہ ہیں۔ اولاً تو یہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو اس کام کے لئے بھیجتا ہوں۔ جس کے لئے مجھے حضور علیہ السلام نے بھیجا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جن قبروں کو حضرت علی نے گرایا وہ مسلمانوں کی قبریں نہیں ہو سکتیں۔

کیونکہ ہر صحابی کے دفن میں حضور علیہ السلام شرکت فرماتے تھے۔ نیز صحابہ کرام کوئی کام بھی حضور علیہ السلام کے بغیر مشورہ کے نہ کرتے تھے لہذا اس وقت جس قدر قبور مسلمین بنیں۔ وہ یا تو حضور کی موجودگی میں یا آپ کی اجازت سے تو وہ کون سے مسلمانوں کی قبریں تھیں جو کہ ناجائز بن گئیں اور ان کو مٹانا پڑا۔ ہاں عیسائیوں کی قبور اونچی ہوتی تھیں۔

بخاری شریف صفحہ ۶۱ مسجد نبوی کی تعمیر کے بیان میں ہے۔

أَمَرَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِقُبُورِ الْمُشْرِكِينَ فَنُبِشَتْ ”حضور علیہ السلام نے مشرکین کی قبروں کا حکم دیا پس اکھیر دی گئیں۔“

بخاری شریف جلد اول صفحہ ۶۱ میں ایک باب باندھا **هَلْ يُنْبَشُ قُبُورُ مُشْرِكِي الْجَاهِلِيَّةِ** کیا مشرکین زمانہ جاہلیت کی قبریں اکھیر دی جاویں اسی کی شرح میں حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری جلد دوم صفحہ ۲۶ میں فرماتے ہیں۔

أَي دُونَ غَيْرِهَا مِنْ قُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ وَاتَّبَاعِهِمْ لِمَا فِي ذَلِكَ إِهَانَةٌ لَهُمْ

”یعنی ماسوا انبیاء اور ان کے متبعین کے کیونکہ ان کی قبریں ڈھانے میں ان کی اہانت ہے۔“

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

وَفِي الْحَدِيثِ جَوَازُ تَصْرِفٍ فِي الْمَقْبَرَةِ الْمَمْلُوكَةِ وَجَوَازُ نَبْشِ قُبُورِ الدَّارِسَةِ إِذَا لَمْ يَكُنْ مُحَرَّمَةً

”اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ جو قبرستان ملک میں آگیا اس میں تصرف کرنا جائز ہے اور پرانی قبریں اکھاڑ دی جاویں بشرطیکہ محترمہ نہ ہوں۔“

اس حدیث اور اس کی شرح نے مخالف کی پیش کردہ حدیث علی رضی اللہ عنہ کی تفسیر کر دی کہ مشرک کی قبریں گرائی جاویں۔ دوسرے اس لئے کہ اس میں قبر کے ساتھ فوٹو کا کیوں ذکر ہے۔ مسلمان کی قبر پر فوٹو کہاں ہوتا ہے؟ معلوم ہوا کہ کفار کی قبریں ہی مراد ہیں۔ کیونکہ ان کی قبروں پر میت کا فوٹو بھی ہوتا ہے۔ تیسرے اس لئے کہ فرماتے ہیں کہ اونچی قبر کو زمین کے برابر کر دو اور مسلمان کی قبر کے لئے سنت ہے کہ زمین سے ایک ہاتھ اونچی رہے۔ اس کو بالکل پیوند زمین کرنا خلاف سنت ہے۔ ماننا پڑے گا کہ یہ قبور کفار تھیں ورنہ تعجب ہے کہ سیدنا علی تو اونچی قبریں اکھڑوائیں اور ان کے فرزند محمد ابن حنیفہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر پر قبہ بنائیں۔ اگر کسی مسلمان کی قبر اونچی بن بھی گئی۔ تب بھی اس کو نہیں اکھیر

سکتے کیونکہ اس میں مسلمان کی توہین ہے۔ اولاً اونچی نہ بناؤ مگر جب بن جائے۔ تو نہ مٹاؤ۔ قرآن پاک چھوٹا سا نز چھاپنا منع ہے دیکھو شامی کتاب الکراہیت۔ مگر جب چھپ گیا تو اس کو پھینکو نہ جلاؤ۔ کیونکہ اس میں قرآن کی بے ادبی ہے احادیث میں وارد ہے کہ مسلمان کی قبر پر بیٹھنا وہاں پاخانہ کرنا وہاں جوتہ سے چلنا ویسے بھی اس پر چلنا پھرنا منع ہے مگر افسوس کہ نجدی نے صحابہ کرام کے مزارات گرائے اور معلوم ہوا ہے کہ اب جدہ میں انگریز عیسائیوں کی اونچی اونچی قبریں برابر بن رہی ہیں صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم **يَقْعُلُونَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَيَتَرَكُونَ أَهْلَ الْأَصْنَامِ**

ہر ایک کو اپنی جنس سے محبت ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے سند لانا محض بے جا ہے وہ تو خود فرما رہے ہیں کہ میت پر اعمال کا سایہ کافی ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر میت پر سایہ کرنے کے لئے قبہ بنایا تو جائز ہے۔ یعنی شرح بخاری اسی حدیث ابن عمر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وَهِيَ إِشَارَةٌ إِلَى أَنْ ضَرَبَ الْفُسْطَاطُ لِغَرَضٍ صَحِيحٍ كَالْتَشْتُرِ مِنَ الشَّمْسِ مَثَلًا لِلْأَحْيَاءِ لَا لِإِضْلَالِ الْمَيِّتِ جَاوِزَ

”ادھر اشارہ ہے کہ قبر پر صحیح غرض کے لئے خیمہ لگانا جیسے کہ زندوں کو دھوپ سے بچانے کے لئے نہ کہ میت کو سایہ کرنے کے لئے جائز ہے۔“

اس کا تجربہ خود مجھ کو اس طرح ہوا کہ میں ایک دفعہ دوپہر کے وقت ایک گھنٹہ کے لئے سیا لکھوٹ گیا۔ بہت شوق تھا کہ ملا عبد الحکیم فاضل سیالکوٹی علیہ الرحمۃ کے مزار پر فاتحہ پڑھوں۔ کیونکہ ان کے حواشی دیکھنے کا اکثر مشغلہ رہا وہاں پہنچا۔ قبر پر کوئی سائبان نہ تھا۔ زمین گرم تھی دھوپ تیز تھی بمشکل تمام چند آیات پڑھ کر فوراً وہاں سے ہٹنا پڑا۔ جذبہ دل ہی میں رہ گیا۔ اس دن معلوم ہوا کہ مزارات پر عمارات بہت فائدہ مند ہیں۔ تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت **إِذْيَايَعُونُكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ** ہے کہ بعض مغرور لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ آجکل لوگ اولیاء اللہ کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں لہذا ہم ان قبروں کو گرائیں گے تاکہ یہ لوگ دیکھ لیں کہ اولیاء اللہ میں کوئی قدرت نہیں ہے ورنہ وہ اپنی قبروں کو گرنے سے بچا لیتے۔

فَاعْلَمْ أَنَّ هَذَا الصَّنِيعَ كُفْرٌ صَرَاحٌ مَاخُودٌ مِنْ قَوْلِ فِرْعَوْنَ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى وَلْيَدْعُ رَبَّهُ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ

”تو جان لو کہ یہ کام خالص کفر ہے فرعون کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ چھوڑ دو مجھ کو میں موسیٰ کو قتل کر دوں وہ اپنے خدا کو بلا لے میں خوف کرتا ہوں کہ تمہارا دین بدل دیگا یا زمین میں فساد پھیلادے گا۔“

مجھ سے ایک بار کسی نے کہا کہ اگر اولیاء اللہ یا صحابہ کرام میں کچھ طاقت تھی تو نجدی وہابیوں سے اپنی قبروں کو کیوں نہ بچایا؟ معلوم ہوا کہ یہ محض مردے ہیں پھر ان کی تعظیم و توقیر کیسی؟ میں نے کہا کہ حضور علیہ السلام سے پہلے کعبہ معظمہ میں تین سو ساٹھ ۳۶۰ بت تھے اور احادیث میں ہے کہ قریب قیامت ایک شخص کعبہ کو گرا دے گا۔ آج لاہور میں مسجد شہید گنج سکھوں کا گوردوارہ بن گئی۔ بہت سی مساجد ہیں جو کہ برباد کر دی گئیں تو اگر ہندو کہیں کہ اگر خدا میں طاقت تھی تو اس نے اپنا گھر ہمارے ہاتھوں سے کیوں نہ بچا لیا۔ اولیاء اللہ یا ان کی مقابر کی تعظیم ان کی محبوبیت کی وجہ سے کی ہے۔ نہ کہ محض قدرت سے جیسے کہ مساجد اور کعبہ معظمہ کی تعظیم ابن سعود نے بہت سی مسجدیں بھی گرا دیں جیسے کہ مسجد سیدنا بلال کوہ صفا پر وغیرہ وغیرہ۔

بحث مزارات پر پھول ڈالنا چادریں چڑھانا چراغاں کرنا

اس بحث میں تین مسائل ہیں قبروں پر پھول ڈالنا۔ چادریں چڑھانا، چراغاں کرنا علمائے اہل سنت کا فرمان ہے کہ پھول ڈالنا تو ہر مومن کی قبر پر جائز ہے خواہ ولی اللہ ہو یا گنہگار اور چادریں ڈالنا اولیاء علماء صلحاء کی قبر پر جائز عوام مسلمین کی قبر پر ناجائز کیونکہ یہ بے فائدہ ہے قبر پر چراغ جلانا اس میں تفصیل ہے عام مسلمانوں کی قبر پر تو بلا ضرورت ناجائز ہے اور ضرورتاً جائز اور اولیاء اللہ کی قبر پر صاحب مزار کی عظمت شان کے اظہار کے لئے بھی جائز ہے ضرورتیں تین ہیں یا تورات میں مردے دفن کرنا ہے روشنی کی ضرورت ہے جائز ہے۔ قبر راستہ کے کنارے پر ہے تو اس لئے چراغ جلادینا کہ کسی کو ٹھوکر نہ لگے یا کوئی خبر پا کر فاتحہ پڑھے تو جائز ہے یا کوئی شخص شب میں کسی مسلمان کی قبر پر گیا وہاں کچھ قرآن وغیرہ دیکھ کر پڑھنا چاہتا ہے روشنی کرے جائز ہے اگر ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تو چراغ جلانا فضول خرچی اور اسراف ہے لہذا منع۔ مزارات اولیاء اللہ پر اگر ان میں سے کوئی ضرورت بھی بہ ہوتی ہے تعظیم ولی کے لئے جائز ہے خواہ ایک چراغ جلانے یا چند ان تینوں باتوں کا مخالفین انکار کرتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں ان کا ثبوت اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب ان کے ثبوت میں

ہم اس سے پہلی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ اولیاء اللہ اور ان کے مزارات شعائر اللہ ہیں یعنی اللہ کے دین کی نشانیوں کی تعظیم کرنے کا قرآنی حکم ہے **وَمَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ** اس تعظیم میں کوئی قید نہیں ہر ملکہ ہر سے جس ملک میں اور جس زمانہ میں جو بھی جائز تعظیم مروج ہے وہ کرنا جائز ہے ان کی قبروں پر پھول ڈالنا، چادریں چڑھانا، چراغاں کرنا سب میں ان کی تعظیم ہے لہذا جائز ہے۔ تر پھول میں چونکہ زندگی ہے اس لئے وہ تسبیح و تہلیل کرتا ہے جس سے میت کو ثواب ہوتا ہے یا اس کے عذاب میں کمی ہوتی ہے۔ زائرین کو خوشبو حاصل ہوتی ہے لہذا یہ ہر مسلمان کی قبر پر ڈالنا جائز ہے اگر مردے کو عذاب ہو رہا ہے تو اس کی تسبیح کی برکت سے کم ہوگا اس کی اصل وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ باب آداب الخلاء فصل اول میں ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام کا دو قبروں پر گزر رہا تھا فرمایا کہ دونوں میتوں کو عذاب ہو رہا ہے ان میں ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا۔

ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا نِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرِ وَاحِدَةٍ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَا صَنَعْتَ هَذَا فَقَالَ لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَبْسَا

”لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے یہ کیوں کیا؟ فرمایا کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں تب تک ان کے عذاب میں کمی رہے۔ کہا گیا ہے کہ اسلئے عذاب کم ہوگا کہ جب تک تر رہیں گی تسبیح پڑھیں گی اس حدیث سے علماء نے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو مستحب فرمایا۔ کیونکہ تلاوت قرآن شاخ کی تسبیح سے زیادہ اس کی حقدار ہے کہ اس عذاب کم ہو۔“

اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے تمسک کنند جماعت بہ ایں حدیث در انداختن سبزہ وکل ریحان بر قبور۔ اس حدیث سے ایک جماعت دلیل پکڑتی ہے قبروں پر سبزی پھول اور خوشبو ڈالنے کی جواز میں۔ مرقات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے۔

وَمِنْ ثَمَّ أَفْتَى بَعْضُ الْأَئِمَّةِ مِنْ مُتَأَخِّرِي أَصْحَابِنَا بِأَنَّ مَا اعْتِيدَ مِنْ وَضْعِ الرِّيحَانِ وَالْجَرِيدِ سُنَّةٌ لِهَذَا الْحَدِيثِ وَقَدْ ذَكَرَ الْبُخَارِيُّ أَنَّ يَرِيدَ الْخَصِيبِ الصَّحَابِيُّ أَوْصَى أَنْ يُجْعَلَ فِي قَبْرِهِ جَرِيدَتَانِ معلوم ہوا کہ مزاروں پر تر پھول ڈالنا سنت ہے۔

طحطاوی علی مرقا الفلاح صفحہ ۳۶۴ میں ہے۔

قَدْ أَفْتَى بَعْضُ الْأَئِمَّةِ مِنْ مُتَأَخِّرِي أَصْحَابِنَا بِأَنَّ مَا اعْتِيدَ مِنْ وَضْعِ الرِّيحَانِ وَالْجَرِيدِ سُنَّةٌ بِهَذَا الْحَدِيثِ ”ہمارے بعض متاخرین اصحاب نے اس حدیث کی وجہ سے فتویٰ دیا کہ خوشبو اور پھول چڑھانے کی جو عادت ہے وہ سنت ہے۔“ ان عبارتوں میں جو فرمایا کہ بعض نے فتویٰ دیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ بعض علماء اس کو جائز کہتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض نے سنت مانا ہے جائز تو سب ہی کہتے ہیں سنت ہونے میں اختلاف ہے عالمگیری کتاب الکراہت جلد پنجم باب زیارت القبور میں ہے۔

وَضَعُ الْوُرُودِ وَالرَّيَاحِينَ عَلَى الْقُبُورِ حَسَنٌ قبروں پر پھول اور خوشبو رکھنا اچھا ہے۔

شامی جلد اول بحث زیارت القبر میں ہے۔

وَيُؤْخَذُ مِنْ ذَلِكَ مِنَ الْحَدِيثِ نُدْبٌ وَضِعَ ذَلِكَ لِلتَّبَاعِ وَيُقَاسُ عَلَيْهِ مَا عَتِيدَ فِي زَمَانِنَا مِنْ وَضِعِ أَغْصَانِ الْأَسِّ وَنَحْوِهِ

”اس سے بھی اور حدیث سے بھی ان چیزوں کے قبروں پر رکھنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے قبروں پر آس کی شاخیں وغیرہ چڑھانے کو بھی قیاس کیا جاوے گا جس سے ہمارے زمانہ میں رواج ہے۔“

شامی اسی جگہ ہے۔

وَتَعْلِيلُهُ بِالتَّخْفِيفِ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَبْسُأَيِ يُخَفِّفُ عَنْهَا بِرَكَّةٍ تَسْبِيحُهَا إِذْ هُوَ أَكْمَلُ مِنْ تَسْبِيحِ الْيَابِسِ لِمَا فِي الْأَخْضَرِ نَوْعُ حَيَاةٍ

”کی عذاب کی علت ہے انکا خشک نہ ہونا یعنی انکی تسبیح کی برکت سے عذاب قبر میں کمی ہوگی کیونکہ ہری شاخ کی تسبیح خشک کی تسبیح سے زیادہ کامل ہے کیونکہ اس میں ایک قسم کی زندگی ہے۔“

اس حدیث اور محدثین وفقہاء کی عبارات سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ ہر سبز چیز کا رکھنا ہر مسلمان کی قبر پر جائز ہے۔ حضور علیہ السلام نے ان قبروں پر شاخیں رکھیں عذاب ہو رہا تھا اور دوسرے یہ کہ عذاب کی کمی سبزے کی تسبیح کی برکت سے ہے نہ کہ محض حضور علیہ السلام کی دعا سے اگر محض دعا سے کمی ہوتی۔ تو حدیث میں خشک نہ ہونے کی کیوں قید لگائی جاتی؟ لہذا اگر ہم بھی آج پھول وغیرہ رکھیں تو بھی ان شاء اللہ میت کو فائدہ ہوگا۔ بلکہ عام مسلمانوں کی قبروں کو کچا رکھنے میں یہ ہی مصلحت ہے۔ کہ بارش میں اس پر سبز گھاس جھے اور اس کی تسبیح سے میت کے عذاب میں کمی ہو۔ ثابت ہوا کہ پھول وغیرہ تو ہر چیز قبر مومن پر جائز ہے۔ مولوی اشرف علی صاحب نے اصلاح الرسوم میں لکھا کہ پھول وغیرہ فاسقوں، فاجروں کی قبروں پر ڈالنا چاہیے۔ نہ کہ قبور اولیاء پر ان کے مزارات میں عذاب ہے ہی نہیں۔ جس کی پھول وغیرہ سے تخفیف کی جائے۔ مگر خیال رہے کہ جو اعمال گنہگار کے لئے دفع مصیبت کرتے ہیں وہ صالحین کے لئے بلندی درجات کا فائدہ دیتے ہیں دیکھو مسجد کی طرف چلنا ہمارے گناہ معاف کراتا ہے مگر صالحین کے درجات بڑھاتا ہے۔ ایسے ہی بعض دعائیں مجرموں کے گناہوں کی مٹاتی ہیں اور صالحین کے مراتب بڑھاتی ہیں۔ اس قاعدہ سے لازم آتا ہے صالحین نہ مسجد میں آئیں نہ استغفار پڑھیں کہ وہ گناہوں سے پاک ہیں۔ جناب ان پھولوں کی تسبیح سے ان قبروں میں رحمت الہی اور بھی زیادہ ہوگی جیسے وہاں تلاوت قرآن سے۔

(۲) اولیاء اللہ کی قبروں پر چادریں ڈالنا جائز ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے عام زائرین کی نگاہ میں صاحب قبر کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔

شامی جلد ۵ کتاب الکراہیت باب اللبس میں ہے۔

قَالَ فِي فَتَاوَى الْحُجَّةِ وَتَكَرَّرَ السُّتُورُ عَلَى الْقُبُورِ وَلَكِنْ نَحْنُ نَقُولُ الْآنَ إِذَا قَصِدَ بِهِ التَّعْظِيمُ فِي عُيُونِ الْعَامَّةِ لَا يَحْتَقِرُ وَاصِحَبِ الْقَبْرِ بَلْ جَلَبُ الْخُشُوعِ وَالْأَدَبِ لِلْغُلَفِيِّينَ وَالزَّائِرِينَ فَهُوَ جَائِزٌ لِأَنَّ الْأَعْمَالَ بِالنِّيَّاتِ

”یعنی فتاویٰ حجہ میں ہے کہ قبروں پر غلاف پردے مکروہ ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ آج کل اگر اس سے عوام کی نگاہ میں تعظیم مقصود ہوتا کہ وہ صاحب قبر کی حقارت نہ کریں بلکہ غافلوں کو اس سے ادب خشوع حاصل ہو تو جائز کیونکہ عمل نیت سے ہیں۔“

شامی کی اس عبارت نے فیصلہ کر دیا کہ جو جائز کام اولیاء اللہ کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ہو۔ وہ جائز ہے۔ اور چادر کی اصل یہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ پاک میں بھی کعبہ معظمہ پر غلاف تھا۔ اس کو منع نہ فرمایا۔ صدیوں سے حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر غلاف سبز ریشمی چڑھا ہوا ہے۔ جو نہایت قیمتی ہے۔ آج تک کسی نے اس کو منع نہ کیا مقام ابراہیم یعنی وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل نے کعبہ معظمہ بنایا اس پر بھی غلاف چڑھا ہوا ہے اور عمارت بنی ہوئی ہے۔ اللہ کی شان کہ نجدی وہابیوں نے بھی ان کو اسی طرح قائم رکھا۔ ان پر غلاف کیوں چڑھائے؟ ان چیزوں کی عظمت کے لئے احترام اولیاء کے لئے ان قبور پر بھی غلاف وغیرہ ڈالنا مستحب ہے۔

تفسیر روح البیان پارہ اسورہ توبہ زیر آیت **إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ** ہے۔

فَبِنَاءِ الْقُبَاتِ عَلَى قُبُورِ الْعُلَمَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ وَالصُّلَحَاءِ وَوَضْعِ السُّتُورِ وَالْعَمَائِمِ وَالْقِيَابِ عَلَى قُبُورِهِمْ أَمْرٌ جَائِزٌ إِذَا كَانَ الْقَصْدُ بِذَلِكَ التَّعْظِيمِ فِي أَعْيُنِ الْعَامَّةِ حَتَّى لَا يَحْتَقِرُوا أَصَاحِبَ هَذَا الْقَبْرِ

”علماء اولیاء اور صالحین کی قبروں پر عمارت بنانا اور ان پر غلاف اور عمامہ اور کپڑے چڑھانا جائز کام ہیں جبکہ اس سے مقصود ہو کہ عوام کی نگاہ میں ان کی عزت ہو اور لوگ ان کو حقیر نہ جانیں۔“

(۳) عام مسلمانوں کی قبر پر ضرورۃً اولیاء اللہ کی مزارات پر اظہار عظمت کے لئے چراغ روشن کرنا جائز ہے۔ چنانچہ حدیقتہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مصری جلد دوم صفحہ ۳۲۹ میں ہے۔

اِحْرَاجُ الشَّمُوعِ اِلَى الْقُبُورِ بِدَعَةٍ وَاتْلَافِ مَالٍ كَذَافِي الْبَزَايَةِ وَهَذَا كُلُّهُ اِذَا خَلَاعُ فَاِنَّدَةٍ وَاَمَّا اِذَا كَانَ مَوْصِنُ الْقُبُورِ مَسْجِدًا اَوْ عَلٰی طَرِيقٍ اَوْ كَانَ هُنَاكَ اَحَدٌ جَالِسًا اَوْ كَانَ قَبْرٌ وَلِيٍّ مِنَ الْاَوْلِيَاءِ اَوْ عَالِمٍ مِنَ الْمُحَقِّقِينَ تَعْظِيمًا لِرُوحِهِ اِعْلَامًا لِلنَّاسِ اَنَّهُ وَلِيٌّ لِّيَتَبَرَّ كُوَاِبُهُ وَيَدْعُوَ اللّٰهَ تَعَالٰی عِنْدَهُ فَيُسْتَجَابَ لَهُمْ فَهُوَ اَمْرٌ جَائِزٌ

”قبروں پر چراغ لے جانا بدعت اور مال کا ضائع کرنا ہے اسی طرح بزاز یہ میں ہے یہ تمام حکم جب ہے جبکہ بے فائدہ ہو لیکن اگر کسی قبر کی جگہ مسجد ہو یا قبر راستہ پر ہو یا وہاں کوئی بیٹھا ہو یا کسی ولی یا کسی محقق عالم کی قبر ہو تو ان کی روح کی تعظیم کرنے اور لوگوں کو بتانے کے لئے کہ یہ ولی کی قبر ہے تاکہ لوگ اس سے برکت حاصل کر لیں اور وہاں اللہ سے دعائیں کر لیں تو چراغ جلانا جائز ہے۔“

تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ سورہ توبہ زیر آیت اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ میں ہے۔

وَكَذَٰلِكَ اِيْقَازُ الْقَنَادِيلِ وَالشَّمْعِ عِنْدَ قُبُورِ الْاَوْلِيَاءِ وَالصُّلَحَاءِ وَالْاَجَلَالِ لِلْاَوْلِيَاءِ فَالْمَقْصِدُ فِيْهَا مَقْصِدُ حَسَنٍ وَنَذْرُ الزَّيْتِ وَالشَّمْعِ لِلْاَوْلِيَاءِ يُوَقِّدُ عِنْدَ قُبُورِهِمْ تَعْظِيمًا لَهُمْ وَمَحَبَّةً فِيْهِمْ جَائِزٌ لَا يَنْبَغِي النَّهْيُ عَنْهُ

”اسی طرح اولیاء صالحین کی قبروں کے پاس قدیل اور موم بتیاں جلانا انکی عظمت کے لئے چونکہ اس کا مقصد صحیح ہے لہذا جائز ہے اور اولیاء کے لئے تیل اور موم بتی کی نذر ماننا تاکہ ان کی عزت کے لئے ان کو قبور کے پاس جلالی جاویں جائز ہے۔ اس سے منع نہ کرنا چاہئے۔“

علامہ ناطقی علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ کشف النور عن اصحاب القبور میں بھی بالکل یہی مضمون تحریر فرمایا اور عقل کا بھی تقاضا ہے کہ یہ امور جائز ہوں جیسا کہ ہم گنبد کے بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ ان مزارات اولیاء اللہ کی رونق سے اسلام کی رونق ہے عالم واعظ کو چاہئے کہ اچھا لباس پہنے عید کے دن سنت ہے کہ ہر مسلمان عمدہ لباس پہنے اور خوشبو وغیرہ لگائے کیوں؟ اس لئے لوگ ملنا گوارا کریں معلوم ہوا کہ جس کا تعلق عام مسلمانوں سے ہو اس کو اچھی طرح رہنا چاہئے۔ اور مزارات اولیاء تو زیارت گاہ خلائق ہیں ان پر اہتمام وغیرہ کرنا بھی ضروری ہے۔ میں نجدی وہابیوں کی حکومت میں حج کو گیا وہاں جا کر دیکھا کہ کعبہ معظمہ کے گرد گول دائرہ کی شکل میں بہت سے برقی قمقے جلتے تھے اور حطیم شریف کی دیوار پر بھی روشنی تھی۔ خاص دروازے کعبہ پر شمع کا فوری چار چار جلائی جاتی تھیں۔ جب مدینہ منورہ حاضری نصیب ہوئی تو یہاں روضہ رسول علیہ السلام پر کعبہ معظمہ سے کہیں بڑھ کر روشنی پائی۔ یہاں کے بلب تیز اور زیادہ تھے بہت رونق تھی۔ ایک صاحب نے کہا کہ کعبہ بیعت اللہ ہے اور حضور علیہ السلام نور اللہ اور ظاہر ہے کہ گھر میں روشنی نور ہی کی ہوتی ہے معلوم ہوا کہ زمانہ ترکی میں اس سے کہیں زیادہ روشنی ہوتی تھی۔ یہ تمام اہتمام کیوں؟ لوگوں کی نگاہ میں عظمت پیدا کرنے کے لئے تو مقابر اولیاء پر بھی تو وہاں ہی کی جلی ہے۔ پھر اگر یہاں روشنی کا اہتمام ہو تو کیا برائی ہے؟ آج ہم اپنے گھر میں شادی بیاہ کے موقع پر چراغاں کرتے ہیں یا بجائے چراغ یا لائٹین کے گیس جلاتے ہیں۔ جس میں تیل بہت خرچ ہوتا ہے۔ مدراس کے جلسوں میں میسوں روپیہ خرچ ہو جاتا ہے۔ ابھی چند سال گزرے کہ مراد آباد میں دیوبندیوں نے جمعیۃ العلماء کا جلسہ کیا۔ جس میں برقی روشنی آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔ میرے خیال میں تین شب کم از کم ڈیڑھ سو روپیہ محض روشنی پر خرچ ہوا ہوگا۔ یہ محض مجمع کو خوش کرنے کے لئے تھا اسی طرح دینی جلسوں میں جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں۔ واعظین کے گلوں میں پھولوں کے ہار ڈالے جاتے ہیں نہ یہ اسراف ہے اور نہ حرام۔ یہ مجالس عرس دینی جلسے ہیں ان میں بھی یہ امور جائز ہیں۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات و جوابات میں

ان تین مسائل پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں جن کو وہ مختلف طرح بیان کرتے ہیں۔

اعتراض ۱

حضور علیہ السلام نے فرمایا **إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَأْمُرْنَا أَنْ نَكْسُوا الْحِجَارَةَ وَالطِّينَ** رب نے ہمیں حکم نہ دیا کہ پتھروں اور مٹی کو کپڑے پہنائیں (مشکوٰۃ باب التصاویر) اس سے معلوم ہوا کہ قبروں پر چادر یا غلاف ڈالنا حرام ہے کہ وہاں بھی پتھر مٹی ہی ہے۔

جواب

اس سے مکانات کی دیواروں پر بلا ضرورت تکلفا پردے ڈالنا مراد ہیں اور یہ بھی تقویٰ اور زہد کا بیان ہے یعنی مکانات کی زینت خلاف زہد ہے اسی حدیث میں ہے کہ عائشہ صدیقہ نے دیوار پر غلاف ڈالا تھا۔ اسے پھاڑ کر یہ فرمایا۔ قبور اولیاء کی چادر کو اس سے کوئی تعلق نہیں کعبہ معظمہ پر قیمتی سیاہ غلاف ہے اور روضہ رسول اللہ علیہ السلام پر سبز اور غلاف کعبہ زامانہ نبوی میں تھا۔ بتاؤ وہ جائز ہے تو قبور کی چادر بھی جائز ہے۔

اعتراض ۲

قبروں پر پھول یا چادر ڈالنا وہاں روشنی کرنا اسراف اور فضول خرچ ہے لہذا منع ہے اولیاء اللہ کی قبروں پر بہت سے پھول اور چراغ ہوتے ہیں۔ ضرورت پوری کرنے کے لئے ایک پھول یا ایک چراغ بھی کافی ہے۔

جواب

اسراف کے معنی ہیں بے فائدہ مال خرچ کرنا۔ چونکہ ان پھولوں اور چراغوں اور چادروں میں وہ فوائد ہیں جو کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں لہذا یہ اسراف نہیں رہا۔ ہر کام چلنے کا عذر۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ ہم کرتے اس پر واسکٹ اس پراچکن پہنتے ہیں۔ پھر وہ بھی قیمتی کپڑے کی حالانکہ کام تو صرف ایک کرتے میں بھی چل سکتا ہے اور معمولی کپڑا کفایت کر سکتا ہے۔ بتاؤ یہ اسراف ہوا یا نہیں۔ اسی طرح عمارت اور لذیذ خوراک، سواریاں اور دیگر دنیاوی آرائشی سامان کہ ان سب میں خوب وسعت کرتے ہیں۔ حالانکہ ان سے کم اور ان سے ادنیٰ چیزوں سے بھی کام چل سکتا ہے۔ لیکن اسراف نہیں جس کو شریعت نے حلال کیا وہ مطلقاً ہی حلال ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَتَهُ اللَّهُ الَّتِي أَخْرَجَ جَهْلِلِلنَّاسِ

اعتراض ۳

مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے۔

لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَاوَاتِ الْقُبُورِ وَالْمُتَخَذِينَ عَلَيْهَا الْمَسْجِدَ وَالسُّرُجَ

”یعنی حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی۔ قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر اور قبور پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر۔“

اس سے معلوم ہوا کہ قبور پر چراغ جلانا لعنت کا سبب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ **إِخْرَاجُ الشُّمُوعِ إِلَى الْمَقَابِرِ بِدْعَةٌ لَا أَصْلَ لَهَا** اسی طرح فتاویٰ بزاز یہ بھی ہے۔ ”یعنی قبرستان میں چراغ لے جانا بدعت ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔“ شامی جلد دوم کتاب الصوم میں ہے۔

أَمَّا لَوْ نَذَرْنَا لَا يَقَادِرُ قَدِيلٌ فَوْقَ ضَرِيحِ الشَّيْخِ أَوْ فِي الْمَنَارَةِ كَمَا تَفْعَلُ النِّسَاءُ مِنْ نَذْرِ الزَّيْتِ

لِسَيِّدِي عَبْدِ الْقَادِرِ وَيُوقَدُ فِي الْمَنَارَةِ جِهَةَ الشَّرْقِ فَهُوَ بَاطِلٌ

”لیکن اگر شیخ کی قبر پر یا مینارہ میں چراغ جلانے کے لئے تیل کی نذر مانی جیسی کہ عورتیں حضور غوث پاک کے لئے تیل کی نذر مانتی ہیں اور اس کو مشرقی مینارہ میں جلاتی ہیں یہ سب باطل ہے۔“

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے ارشاد الطالبین میں لکھا۔ ”کہ چراغاں کردن بدعت است پیغمبر خدا بر شمع افروزاں نزد قبور و سجدہ کنندگان لعنت گفتہ۔ چراغاں کرنا بدعت ہے حضور علیہ السلام نے قبر کے پاس چراغاں کرنے اور سجدہ کرنیوالوں پر لعنت فرمائی شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاویٰ میں صفحہ ۱۴ پر ہے۔ دامالرتکاب محرمات از روشن کردن چراغها ملبوس ساختن قبور بدعت شیعیہ اند۔“ لیکن عرسوں میں حرام کام کرنا جیسے کہ چراغاں کرنا ان قبروں کو خلاف پہنانا یہ سب بدعت سید ہیں۔

ان عبارات سے صاف معلوم ہوا کہ چراغاں بر مزارات محض حرام ہے۔ رہا یہ کہ حرمین شریفین میں چراغاں ہوتا ہے تو یہ فعل کوئی حجت نہیں کیونکہ خیر القرون کے بعد ایجاد ہوا جس کا اعتبار نہیں ترکی سلطنت نے ایجاد کیا ہے۔

جواب

یہ اعتراض حقیقت میں چھ اعتراضوں کا مجموعہ ہے۔ اور ان ہی کے بل بوتے پر مخالفین بہت شور مچاتے ہیں۔ جوابات ملاحظہ ہوں۔ ہم اس بحث کے پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ کسی قبر پر بے فائدہ چراغ جلانا منع ہے یہ فضول خرچی ہے اور اگر کسی فائدے سے ہو تو جائز ہے۔ فوائد کل چار بیان کئے۔ تین تو عام مومنین کی قبروں کے لئے اور چوتھا یعنی تعظیم روح مشائخ و علماء کی قبور کے لئے۔ اس حدیث میں جو قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت ہے وہ اسی کی ہے جو کہ بے فائدہ ہو۔

چنانچہ حاشیہ مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

وَالنَّهْيُ عَنِ اتِّخَاذِ الشَّرْجِ لِمَا فِيهِ مِنْ تَضْيِيعِ الْمَالِ

”قبروں پر چراغ جلانے سے اسلئے ممانعت ہے کہ اس میں مال برباد کرنا ہے۔“

اسی طرح مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وغیرہ نے تصریح فرمائی۔ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ جلد دوم صفحہ ۳۲۹ مصری میں اسی حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

أَيُّ الَّذِينَ يُوقِدُونَ الشَّرْجَ عَلَى الْقُبُورِ عَبَثًا مِنْ غَيْرِ فَايْدَةٍ

”ان لوگوں پر لعنت فرمائی جو کہ قبروں پر بے فائدہ عبث چراغ جلاتے ہیں۔“

مشکوٰۃ باب الدفن میں ہے۔ **أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ لَيْلًا فَاسْرَجَ لَهُ بِسَرَّاجٍ**

”نبی کریم ایک شب دفن میت کیلئے قبرستان میں تشریف لے گئے تو آپ کے لئے چراغ جلایا گیا۔“

دوم یہ کہ حدیث میں ہے۔ **وَالْمُتَّخِذِينَ عَلَيْهَا الْمَسْجِدَ وَالشَّرْجَ** حضور علیہ السلام نے ان پر لعنت فرمائی جو قبروں پر مسجدیں

بنائیں اور چراغ جلائیں۔ ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی و دیگر شارحین اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ خود قبر پر مسجد بنانا کہ قبر کی طرف سجدہ ہو یا قبر فرض مسجد میں آجائے یہ منع ہے لیکن اگر قبر کے پاس مسجد ہو برکت کیلئے تو جائز ہے یعنی اس جگہ انہوں نے اعلیٰ کے اپنے حقیقی معنی پر رکھا۔ جس سے لازم آیا کہ خود تعویذ قبر پر چراغ جلانا منع ہے۔ لیکن اگر قبر کے ارد گرد ہو تو وہ قبر پر نہیں۔ لہذا جائز ہے جیسے کہ ہم گنبد کی بحث میں لکھ

چکے ہیں۔ نیز حدیقہ ندیہ میں علامہ ناملمسی اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ **الْمُتَّخِذِينَ عَلَيْهَا أَيْ عَلَى الْقُبُورِ يَعْنِي فَوْقَهَا**

یعنی خاص قبروں کے اوپر اور وجہ اسکی یہ ہے کہ چراغ آگ ہے اور آگ کا قبر پر رکھنا برا ہے اسی لئے خاص قبر میں لکڑی کے تختے لگانے کو فقہاء منع فرماتے ہیں کہ اس میں آگ کا اثر ہے لیکن اگر لکڑی قبر کے پاس پڑی ہو وہ منع نہیں تو چراغ کی ممانعت ہونیکی وجہ سے ہے نہ کہ تعظیم قبر کے لئے نیز یہاں ایک ہی علیٰ اور ذکر ہے مسجد کا اور چراغ کا۔ مسجد کیلئے تو آپ علی کے حقیقی معنی مراد لیں یعنی خاص قبر کے اور چراغ کیلئے مجازی یعنی قبر کے قریب۔ تو حقیقت اور مجاز کا اجتماع لازم ہوگا اور یہ منع ہے لہذا دونوں جگہ علی کے حقیقی معنی ہی مراد ہیں۔

مرقات میں ملا علی قاری اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللَّهِ مَسَاجِدَ اللَّهِ ”اوپر کی قید لگائی۔ جس سے معلوم ہوا کہ قبر کے برابر مسجد بنانے میں حرج نہیں۔“

لفظ علی سے ثابت کیا کہ قبر کے برابر مسجد جائز۔ اسی طرح لفظ علی سے یہ بھی نکلا کہ قبر کے برابر چراغ جائز تیسرے یہ کہ ہم گنبد کی بحث میں شامی اور دیگر کتب کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ بہت سی باتیں زمانہ صحابہ کرام میں منع تھیں مگر اب مستحب۔ روح البیان پارہ ۱۰ سورہ توبہ زیر آیت

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ ہے۔

وَفِي الْأَحْيَاءِ أَكْثَرُ مَصْرُوفَاتِ هَذِهِ الْأَثَارِ مُنْكَرَاتٍ فِي عَصْرِ الصَّحَابَةِ

”یعنی احیاء العلوم میں امام غزالی نے فرمایا کہ اس زمانہ کے بہت سے مستحبات صحابہ کرام کے زمانہ میں ناجائز تھے۔“

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ باب ما علی الولاۃ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ کوئی مسلمان حاکم خچر پر سوار نہ ہو اور چپاتی روٹی نہ کھائے اور باریک کپڑا نہ پہنے اور اپنے دروازہ کو اہل حاجت سے بند نہ کرے اور فرماتے ہیں۔

فَإِنْ فَعَلْتُمْ مِنْ ذَلِكَ فَقَدْ حَلَّتْ بِكُمْ الْعُقُوبَةُ ”اگر تم نے ان میں سے کچھ بھی کیا تو تم کو سزا دی جاوے گی۔“

اسی مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے **مَا أُمِرْتُ بِتَشْيِيدِ الْمَسْجِدِ** مجھ کو مسجدیں اونچی بنانے کا حکم نہ دیا گیا۔ اسکے حاشیہ میں ہے۔

أَيُّ بِأَعْلَاءٍ بِنَاءٍ هَا وَتَرَبِّينَهَا ”یعنی مسجدیں اونچی بنانے اور ان کو آراستہ کرنا حکم نہیں۔“

اسی مشکوٰۃ میں ہے۔ **لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللَّهِ مَسَاجِدَ اللَّهِ** ”عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو۔“

قرآن میں زکوٰۃ کے مصرف آٹھ ہیں یعنی مولفۃ القلوب بھی زکوٰۃ کا مصرف ہے لیکن عہد فاروقی سے صرف سات مصرف رہ گئے۔ مولفۃ القلوب کو علیحدہ کر دیا گیا۔ (دیکھو ہادیہ وغیرہ) کیسے اب بھی ان پر عمل ہے؟ اب احکام اگر معمولی حالت میں رہیں۔ ان کا رعایا پر رعب نہیں ہو سکتا اگر کفار کے مکانات اور ان کے مندر تو اونچے ہونا مگر اللہ کا گھر مسجد نیچی اور کچی اور معمولی ہو تو اس میں اسلام کی توہین ہے اگر عورتیں مسجد میں جاویں تو صداہا خطرات ہیں کسی کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ یہ احکام کیوں بدلے؟ اس لئے کہ ان کی علینیں بدل گئیں۔ اس وقت بغیر ظاہری زیب و زینت کے مسلمانوں کے دلوں میں اولیاء اللہ اور مقابر کی عزت و حرمت تھی۔ لہذا زندگی موت ہر کام میں سادگی تھی اب دنیا کی آنکھیں ظاہری زیب و زینت کی دیکھتی

ہیں لہذا اس کو جائز قرار دیا گیا۔ چنانچہ پہلے حکم تھا کہ مزارات پر روشنی نہ کرو۔ اب جائز قرار پایا۔ تفسیر البیان میں زیر آیت **إِنَّمَا يَعْزُرُ** **مَسْجِدَ اللَّهِ** ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کے مینارہ پر ایسی روشنی کی تھی کہ بارہ میل مروع می عورتیں اس کی روشنی میں چرخہ کاٹی تھیں اور بہت ہی سونے چاندی سے اس کو آراستہ کیا تھا۔ عالمگیری کی عبارت غلط کی اصل عبارت یہ ہے۔

اِخْرَاجُ الشُّمُوعِ إِلَى رَاسِ الْقُبُورِ فِي اللَّيَالِي الْأَوَّلِ بِدْعَةٌ ”شروع راتوں میں قبرستان میں چراغ لے جانا بدعت ہے۔“ اس میں دو کلمے قابل غور ہیں ایک تو خراج دوسرے فی الیالی الاول۔ ان سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ اپنے نئے مردوں کی قبروں پر چراغ لے جا کر جلا آتے تھے۔ یہ سمجھ کر کہ اس سے مردہ قبر میں نہ گھبرائے گا۔ جیسا کہ آج کل بعض عورتیں چالیس روز تک لحد میں مردے کی جگہ چراغ جلاتی ہیں۔ یہ سمجھتی ہیں کہ روزانہ مردے کی روح آتی ہے اور اندھیرا پا کر لوٹ جاتی ہے لہذا روشنی کر دو یہ حرام ہے کیونکہ تیل کا بلا ضرورت خرچ ہے اور بدعتیہ کی بھی ہے اسی کو یہ منع فرما رہے ہیں۔ عرس کے چراغات نہ تو اس نیت سے ہوتے ہیں اور نہ شروع راتوں میں اگر یہ مطلب نہ ہو تو شروع راتوں کی قید کیوں ہے؟ شامی کی عبارت تو بالکل صاف ہے وہ بھی عرس کے چراغوں کو منع نہیں کر رہے ہیں وہ فرما رہے ہیں کہ چراغ جلانے کی نذر ماننا جس میں اولیاء اللہ سے قرب حاصل کرنا منظور ہو وہ حرام ہے کیونکہ شامی کی عبارت اور درمختار کی اس عبارت کے ماتحت ہے۔

وَأَعْلَمَ أَنَّ النَّذْرَ الَّذِي يَقَعُ لِلْأَمْوَاتِ مِنْ أَكْثَرِ الْعَوَامِ وَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَالشَّمْعِ وَالزَّيْتِ وَنَحْوِهَا إِلَى ضَرَائِحِ الْأَوْلِيَاءِ تَقَرُّبًا إِلَيْهِمْ بِالْأَجْمَاعِ بَاطِلٌ

”جاننا چاہئے کہ عوام جو مردوں کی نذریں مانتے ہیں اور ان سے جو پیسہ یا موم یا تیل وغیرہ قبروں پر جلانے کے لئے لیا جاتا ہے اور اولیاء سے قرب حاصل کرنے کے لئے وہ بالاجماع باطل ہے۔“

اور خود شامی کی عبارت بھی ہے۔ **لَوْ نَذَرَ** اگر اس کی منت مانی۔ پھر شامی کی عبارت میں ہے **فَوْقَ ضَرْبِ الشَّيْخِ** کی قبر کے اوپر چراغ جلانا ضریح کہتے ہیں خالص تعویذ قبر کو منتخب اللغات میں ہے۔ ”ضریح“ گور یا مگاہ کے کہ درمیان گور سازند اور ہم بھی عرض کر چکے ہیں کہ خود قبر کے تعویذ پر چراغ جلانا منع ہے۔ اسی طرح اگر قبر تو نہ ہو یوں ہی کسی بزرگ کے نام پر چراغ کسی جگہ رکھ کر جلا دے جیسے کہ بعض جہلاء بعض درختوں یا بعض طاق میں کسی کے نام سے چراغ جلاتے ہیں۔ یہ بھی حرام ہے اسکو فرما رہے ہیں کہ حضور غوث پاک کے نام کے چراغ کسی مشرقی مینارہ میں جلانا باطل ہے۔ غوث پاک کی قبر شریف تو بغداد میں ہے۔ اور ان کے چراغ جلے شام کے مینارہ میں یہ بھی منع ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ شامی نے تین چیزوں کو منع فرمایا۔ چراغ جلانے کی منت ماننا وہ بھی ولی اللہ کی قربت حاصل کرنیکی نیست سے۔ خاص قبر پر چراغ جلانا بغیر قبر کسی کے نام کے چراغ جلانا۔ عرس کے چراغوں میں یہ تینوں باتیں نہیں۔

مسئلہ بعض جہلاء کسی درخت یا کسی جگہ کی یہ سمجھ کر زیارت کرتے اور وہاں چراغاں کرتے ہیں کہ وہاں فلاں بزرگ کا چلہ ہے یعنی وہاں وہ آیا کرتے ہیں یہ محض باطل ہے ہاں اگر کسی جگہ کوئی بزرگ کبھی بیٹھے ہوں یا وہاں انہوں نے عبادت کی ہو تو وہاں یہ سمجھ کر عبادت کرنا کہ یہ جگہ متبرک ہے جائز بلکہ سنت ہے۔ بخاری جلد اول کتاب الصلوٰۃ بحث المساجد میں ایک باب مقرر کیا **بَابُ الْمَسْجِدِ الَّتِي طَرِيقَ الْمَدِينَةِ** اس میں بیان فرمایا کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما راستہ میں ہر اس جگہ نماز ادا کرتے ہیں جہاں کہ حضور علیہ السلام نے کبھی نماز پڑھی تھی حتیٰ کہ بعض جگہ مسجد بنادی گئیں تھیں۔ مگر وہ غلطی سے کچھ علیحدہ بن گئیں تو سیدنا ابن عمر اس مسجد میں نماز نہ پڑھتے تھے بلکہ وہاں ہی پڑھتے تھے جہاں حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی۔ **فَلَمْ يَكُنْ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّي فِي ذَلِكَ الْمَسْجِدِ كَانَ يَتْرُكُهُ عَنْ يُسَارِهِ** یہ کیا تھا محض برکت حاصل کرنا آج بھی بعض حاجی غار حرا میں جہاں حضور علیہ السلام نے چھ ماہ عبادت فرمائی نمازیں پڑھتے ہیں۔ لہذا خواجہ جمیری وغیرہ رحمہم اللہ کی عبادت گاہوں میں نمازیں ادا کرنی، ان کی زیارت کرنی۔ ان کو متبرک سمجھنا سنت صحابہ سے ثابت ہے۔

مسئلہ اولیاء اللہ کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے یہ نذر شرعی نہیں۔ نذر لغوی ہے۔ جس کے معنی ہیں نذرانہ جیسے کہ میں اپنے استاد سے کہوں کہ یہ آپ کی نذر ہے یہ بالکل جائز ہے اور فقہاء اس کو حرام کہتے ہیں جو کہ اولیاء کے نام کی نذر شرعی مانی جائے اسی لئے فرماتے ہیں **تَقَرُّبًا إِلَيْهِمْ** نذر شرعی عبادت ہے وہ غیر اللہ کے لئے ماننا یقیناً کفر ہے کوئی کہتا ہے کہ یا حضور غوث پاک آپ دعا کریں اگر میرا مریض اچھا ہو گیا تو آپ کے نام کی دیگ پکاؤں گا۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ آپ میرے خدا ہیں اس بیمار کے اچھے ہونے پر میں آپ کی یہ عبادت کروں گا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں پلاؤ کا صدقہ کروں گا۔ اللہ کے لئے اس پر جو ثواب ملے گا۔ آپ کو بخشوں گا جیسے کوئی شخص کسی طبیب سے کہے اگر بیمار اچھا ہو گیا۔ تو پچاس روپیہ آپ کی نذر کروں گا اس میں کیا گناہ ہے؟ اسی کو شامی نے کتاب الصوم بحث اموات میں اس طرح بیان فرمایا۔

بَانَ تَكُونُ صِيغَةُ النَّذْرِ لِلتَّقَرُّبِ إِلَيْهِ وَيَكُونُ ذِكْرُ الشَّيْخِ مُرَادًا بِهِ فَقَرَاءَةُ

”صیغہ نذر کا اللہ کی عبادت کے لئے ہوا اور شیخ کی قبر پر رہنے والے فقراء اس کا مصرف ہوں۔“

یہ محض جائز ہے تو یوں سمجھو کہ یہ صدقہ اللہ کے لئے اس کے ثواب کا ہدیہ روح شیخ کے لئے اس صدقہ کا مصرف مزار بزرگ کے خدام فقراء جیسے کہ حضرت مریم کی والدہ نے مانی تھی کہ اپنے پیٹ کا بچہ خدایا تیرے لئے نذر کرتی ہوں جو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہوگا۔ نذر اللہ کی اور مصرف بیت المقدس کا **إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا** دیکھو غیر اللہ کی قسم کھانا شرعاً منع ہے اور خود قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ نے غیر اللہ کی قسمیں کھائیں۔ **وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونَ وَطُورِ سِينِينَ** وغیرہ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا **أَفْلَحَ وَأَبِيهِ** اس کے باپ کی قسم وہ کامیاب ہو گیا۔ مطلب یہ ہی کہ شرعی قسم جس پر احکام قسم کفارہ وغیرہ جاری ہو وہ خدا کے سوا کسی کی نہ کھائی جاوے۔ مگر لغوی قسم جو محض تاکید کلام کے لئے ہو وہ جائز یہ ہی نذر کا حال ہے ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ بیت المقدس میں چراغ کے لئے تیل بھیجوں گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نذر کو پورا کرو۔ مشکوٰۃ باب النذر میں ہے کہ کسی نے نذر مانی تھی کہ میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا تو فرمایا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھ لو۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ و خیرات کی نذر میں کسی جگہ یا کسی خاص جماعت فقراء کی قید لگا دینا جائز ہے اسی طرح یہ بھی فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب النذر والا بابت صفحہ ۵۴ میں ہے اور جو اموات اولیاء اللہ کی نذر ہے تو اس کے اگر یہ معنی ہیں اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے جو نذر بمعنی تقریب ان کے نام پر ہے تو حرام ہے۔“ (رشید احمد)

مشکوٰۃ باب مناقب عمر میں ہے کہ بعض بیویوں نے نذر مانی تھی کہ اگر حضور علیہ السلام جنگ احد سے بغیریت واپس آئے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی یہ نذر بھی عرفی تھی نہ کہ شرعی یعنی حضور کی خدمت میں خوشی کا نذرانہ۔ غرض کہ لفظ نذر کے دو معنی ہیں لغوی اور شرعی۔ لغوی معنی سے نذر بزرگان دین کے لئے جائز ہے بمعنی نذرانہ۔ جیسے طواف کے دو معنی ہیں لغوی بمعنی آس پاس گھومنا اور شرعی رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلْيَطُوفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ پرانے گھر کا طواف کریں۔ یہاں طواف شرعی معنی میں ہے اور فرماتا ہے **يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمِ**

ان یہاں طواف بمعنی لغوی ہے آنا جانا گھومنا۔ (۴) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب وقاضی و ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہما بے شک بزرگ ہستیاں ہیں۔ لیکن یہ حضرات مجتہد نہیں تاکہ کراہت تحریمی و حرمت فقط ان کے قول سے ثابت ہو۔ اس کے لئے مستقل دلیل شرعی کی ضرورت ہے ایک عالم کے قول سے استحباب یا جواز ثابت ہو سکتا ہے۔ مستحب اس کو بھی کہتے ہیں جس کو علماء مستحب جانیں۔ مگر کراہت و حرمت میں خاص دلیل کی ضرورت ہے۔ نیز شاہ عبدالعزیز صاحب وقاضی صاحب تو چراغاں اور مزارات کی چادروں کو حرام فرماتے ہیں مگر شامی چادروں کو اور صاحب تفسیر روح البیان اور صاحب حدیقہ ندیہ چراغاں کو جائز بلکہ مستحب فرماتے ہیں یقیناً ان کا قول زیادہ لائق قبول ہے۔ نیز شاہ عبدالعزیز و قاضی صاحبان علیہما الرحمۃ و رضوان کے قول پر لازم ہے کہ حرمین شریفین خصوصاً روضہ مطہرہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بدعتوں اور حرام کاموں کا مرکز ہے۔ کیونکہ وہاں غلاف بھی چڑھتے ہیں اور چراغاں بھی ہے اور آج تک کسی عالم یا فقہیہ نے اس پر انکار نہ کیا تو وہ تمام حضرات بدعتی یا گمراہ ہوئے۔ ان دو صاحبوں کا وہ فتویٰ کس طرح مانا جائے۔ جس میں یہ سخت قباحت لازم آوے۔ شاہ رفیع الدین صاحب رسالہ نذر میں فرماتے ہیں کہ نذر بکرایں جائز استعمال میوہ و بر معنی شرعی است چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگان می بر نذر رو نیا ز گویند۔

(۵) حرمین شریفین کے علماء کا کسی شئی کو اچھا سمجھنا بیشک اس کے استحباب کی دلیل ہے یہ زمین پاک وہ ہے کہ جہاں کبھی بھی شرک نہیں ہو سکتا۔ حدیث پاک میں ہے کہ شیطان مایوس ہو چکا کہ اہل عرب اس کی پرستش کریں اور مدینہ پاک کی زمین اسلام کی جائے پناہ اور کفار و مشرکین سے محفوظ رہنے والی ہے۔ مشکوٰۃ باب حرم المدینہ میں ہے کہ مدینہ پاک برے لوگوں کو اس طرح نکال پھینکتا ہے۔ جیسے لوہار کی بھٹی لوہے کی میل کو خواہ فوراً نکالے یا کچھ عرض بعد یا کہ بعد موت۔ جذب القلوب میں حضرت شیخ عبدالحق فرماتے ہیں۔ ”مراد نفی دابعا دہل شر و فساد است از ساخت عزت ایں بلدہ طیبہ و خاصیت مذکورہ در دے جمیع ازمان ہویدا است“ اس سے مراد یہ ہے کہ علمائے مدینہ کی عبادات کو بے دھڑک شرک و بدعت کہہ دینا سخت غلطی ہے یہ کہنا بھی غلط ہے کہ یہ چراغاں سلطنت ترکیہ کی ایجاد ہے۔ امام اجل سید نور الدین سمودی اور جلال الدین سیوطی علیہما الرحمۃ کی وفات ۹۱۱ھ میں ہوئی اور امام نور الدین سمودی نے کتاب خلاصۃ الوفا شریف ۸۹۳ھ میں تصنیف فرمائی وہ اس کتاب کے چوتھے باب کی سولہویں فصل میں مدینہ پاک کے چراغاں کا ذکر فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

وَأَمَّا مَعَالِيقُ الْحُجْرَةِ الشَّرِيفَةِ الَّتِي حَوْلَهَا مِنْ قَنَادِيلِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَنَحْوِهَا فَلَمْ أَقِفْ عَلَى

بِتَدَايِ حُدُوثِهَا ”لیکن جو سونے چاندی کی قندیلیں روضہ مطہرہ کے ارد گرد لٹکی ہوئی ہیں۔ مجھے خبر نہیں کہ کب سے شروع ہوئیں۔“

اسی مقام پر فرماتے ہیں۔ **وَقَدْ أَلَفَ السَّبْكَى تَالِيفًا سَمَاهُ تَنْزُلُ السَّكِينَةِ عَلَى قَنَادِيلِ الْمَدِينَةِ وَذَهَبَ فِيهِ**

إِلَى جَوَازِهَا وَصِحَّةٍ وَقَفَّهَا وَعَدَمِ جَوَازِ صَرْفِ شَيْئٍ مِنْهَا لِعِمَارَةِ الْمَسْجِدِ

”امام سبکی نے ایک کتاب لکھی جس کا نام رکھا تنزل السکینہ علی قنادیل المدینہ وہ فرماتے ہیں کہ روضہ مطہرہ کی یہ قدیلیں جائز ہیں ان کا وقف درست ہے ان میں سے کوئی چیز مسجد پر خرچ نہیں ہو سکتی۔ الحمد للہ کہ مخالفین کے تمام سوالات کا مکمل جواب ہو گیا۔“

بحث خاتمہ

پنجاب اور یوپی و کاٹھیا واڑ میں عام رواج ہے کہ رمضان میں ختم قرآن تراویح کی شب میں مساجد میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ بعض دیوبندی اس کو بھی شرک و حرام کہتے ہیں۔ یہ محض ان کی بے دینی ہے مساجد کی زینت ایمان کی علامت ہے تفسیر روح البیان میں زیر آیت **إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ** ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اے اسو قدیلیں بیت المقدس میں روشن کرنے کا حکم دیا۔ اور مسجد نبوی شریف میں اولاً کھجور کی لکڑیاں وغیرہ جلا کر روشنی کی جاتی تھی۔ پھر تیمم داری کچھ قدیلیں اور رسیاں اور تیل لائے اور ان کو مسجد نبوی شریف کے ستونوں میں لٹکا کر جلایا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا **نُورَتْ مَسْجِدَنَا نُورَ اللَّهِ عَلَيْكَ** تم نے ہماری مسجد کو روشن کر دیا اللہ تعالیٰ تم کو نورانی رکھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چراغاں کیا اور قدیلیں لٹکائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

نُورَتْ مَسْجِدَنَا نُورَ اللَّهِ قُبْرَكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ ”اے عمر تم نے ہماری مسجد کو روشن کیا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری قبر کو روشن کرے۔“

تفسیر کبیر میں آیت **إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مِنْ أَمْنٍ بِاللَّهِ** کی تفسیر میں ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَسْرَجَ فِي مَسْجِدٍ سِرَاجًا تَنْزُلُ الْمَلَائِكَةُ وَحَمَلَةُ الْعَرْشِ إِلَّا يَسْتَغْفِرُونَ لَهُ مَا دَامَ فِي الْمَسْجِدِ ضَوْءُهُ

”(یعنی) جو کوئی مسجد میں چراغ جلائے تو جب تک مسجد میں اسکی روشنی رہے فرشتے اور حاملین عرش اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔“

فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم کتاب الخطر والا اباحت صفحہ ۱۱۲ میں یہ مانا ہے کہ عہد فاروقی میں بعض صحابہ بیت المقدس سے وہاں کی روشنی دیکھ کر آئے اور مسجد نبوی میں متعدد چراغ جلائے گئے پھر مامون رشید بادشاہ نے عام حکم دیا تھا کہ مسجدوں میں بکثرت چراغ جلائے جاویں۔ غرض کہ مسجد کی روشنی سنت انبیاء و سنت صحابہ اور سنت عامۃ المسلمین ہے۔

بحث قبر پر اذان دینے کی تحقیق

مسلمان میت کو قبر میں دفن کر کے اذان دینا اہل سنت کے نزدیک جائز ہے۔ جس کے بہت سے دلائل ہیں۔ مگر وہابی دیوبندی اس کو بدعت، حرام، شرک اور نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کا ثبوت دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جواب بحون اللہ تعالیٰ و کرمہ۔

پہلا باب

اذان قبر کے ثبوت میں

قبر پر بعد دفن اذان دینا جائز ہے احادیث اور فقہی عبارات سے اس کا ثبوت ہے مشکوٰۃ شریف کتاب الجنائز باب ما یقال عند من حضرت الموت میں ہے۔ **لَقِنُوا أَمْوَاتَكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** اپنے مردوں کو سکھاؤ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** دنیاوی زندگی ختم ہونے پر انسان کے لئے دو بڑے خطرناک وقت ہیں ایک تو جان کنی کا۔ دوسرا سوالات قبر بعد دفن کا اگر جان کنی کے وقت خاتمہ بالخیر نصیب نہ ہوا تو عمر بھر کا کرا دھرا سب برباد گیا۔ اور اگر قبر کے امتحان میں ناکامی ہوئی تو آئندہ کی زندگی برباد ہوئی۔ دنیا میں تو اگر ایک سال امتحان میں فیل ہو گئے تو سال آئندہ دے لو۔ مگر وہاں یہ بھی نہیں۔ اس لئے زندوں کو چاہئے کہ ان دونوں وقتوں میں مرنے والے کی امداد کریں کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ پڑھ کر سنائیں اور بعد دفن اس تک کلمہ کی آواز پہنچائیں کہ اس وقت تو وہ کلمہ پڑھ کر دنیا سے جائے اور اب اس امتحان میں کامیاب ہو۔ لہذا اس حدیث کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ جو مر رہا ہو اس کو کلمہ سکھاؤ۔ دوسرے یہ کہ جو مر چکا ہو اس کو کلمہ سکھاؤ پہلے معنی مجازی ہیں اور دوسرے حقیقی اور بلا ضرورت معنی مجازی لینا ٹھیک نہیں لہذا حدیث کا یہ ہی ترجمہ ہوا کہ اپنے مردوں کو کلمہ سکھاؤ۔ اور یہ وقت دفن کے بعد کا ہے۔ چنانچہ شامی جلد اول باب الدفن بحث تلقین بعد الموت میں ہے۔

أَمَّا عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ فَالْحَدِيثُ لَقِنُوا أَمْوَاتَكُمْ مَحْمُولٌ عَلَى حَقِيقَتِهِ وَقَدَرُوا عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ أَمَرَ بِالتَّلْقِينِ بَعْدَ الدَّفْنِ فَيَقُولُ يَا فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ أَذْكَرَ دِينَكَ الَّذِي كُنْتَ عَلَيْهَا

”اہل سنت کے نزدیک یہ حدیث لقنوا امواتکم اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے اور حضور علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے دفن کے بعد تلقین کرنے کا حکم دیا پس قبر پر کہے اے فلاں کے بیٹے فلاں تو اس دین کو یاد کر جس پر تھا۔“

شامی میں اسی جگہ ہے۔

وَأِنَّمَا لَا يَنْهَى عَنِ التَّلْقِينِ بَعْدَ الدَّفْنِ لِأَنَّهُ لَا ضَرَرَ رَفِيهِ بَلْ فِيهِ نَفْعٌ فَإِنَّ الْمَيِّتَ يَسْتَأْنِسُ بِالذِّكْرِ عَلَى مَا وَرَدَ فِي الْأَثَارِ

”دفن کے بعد تلقین کرنے سے منع نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس میں کوئی نقصان تو ہے نہیں بلکہ اس میں نفع ہی نفع ہے کیونکہ میت ذکر الہی سے انس حاصل کرتی ہے۔“

جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اس حدیث اور ان عبارات سے معلوم ہوا کہ دفن میت کے بعد اس کو کلمہ طیبہ کی تلقین مستحب ہے تاکہ مردہ نکیرین کے سوالات میں کامیاب ہو۔ چونکہ اذان میں کلمہ بھی ہے۔ اس لئے اذان بھی تلقین میت ہے اور مستحب ہے بلکہ اذان میں پوری تلقین ہے کیونکہ نکیرین میت سے تین سوال کرتے ہیں اول تو یہ کہ تیرا رب کون ہے؟ پھر یہ کہ تیرا دین کیا ہے؟ پھر یہ کہ اس سنہری جالی والے سبز گنبد والے آقا کو تو کیا کہتا ہے؟ پہلے سوال کا جواب ہوا **أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** دوسرے کا جواب ہوا **حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ** یعنی میرا دین وہ ہے جس میں پانچ

نمازیں فرض ہیں (سوائے اسلام کے کسی دین میں پانچ نمازیں نہ تھیں) تیسرے کا جواب ہوا **أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ** درمختار جلد اول باب الاذان میں ہے کہ دس جگہ اذان کہنا سنت ہے جس کو اشعار میں یوں فرمایا۔

فَرَضُ الصَّلَاةِ وَ فِي اِذْنِ الصَّغِيرِ وَ فِي وَقْتِ الْحَرِيقِ وَالْحَرْبِ الَّذِي وَقَعَا
خَلْفَ الْمَسَافِرِ وَالْغِيَلَانِ اِنْ ظَهَرَتْ
وَ زَيْدَ اَرْبَعِ ذُوْهُمْ وَ ذُوْ غَضَبٍ
مُسَافِرٌ ضَلَّ فِي فَفَرٍ وَ مَنْ صَرَعَا

”نماز چنگانہ کے لئے، بچہ کے کان میں، آگ لگنے کے وقت، جبکہ جنگ واقع ہو، مسافر کے پیچھے اور جنات کے ظاہر ہونے پر، غصہ والے پر، جو مسافر کہ راستہ بھول جاوے اور مرگی والے کے لئے شامی میں اسی کے تحت ہے۔“

قَدْ يُسَنُّ الْإِذَاانُ بِغَيْرِ الصَّلَاةِ كَمَا فِي إِذَاانِ الْمَوْلُودِ وَالْمَهْمُومِ وَالْمَصْرُوعِ وَالْغَصْبَانِ وَمَنْ سَاءَ خُلُقُهُ مِنْ إِنْسَانٍ أَوْ بَهِيمَةٍ وَعِنْدَ مُزْدِهِمُ الْجَيْشِ وَعِنْدَ الْحَرِيقِ وَقِيلَ عِنْدَ انْزَالِ الْمَيِّتِ الْقَبْرِ قِيَامًا عَلَى أَوَّلِ خُرُوجِهِ لِلدُّنْيَا لَكِنْ رَدَّةُ ابْنِ حَجَرٍ فِي شَرْحِ الْعُبَابِ وَعِنْدَ تَقْوِيلِ الْغِيلَانِ أَيْ تَمَزُّدِ الْجَنِّ ”نماز کے سوا چند جگہ اذان دینا سنت ہے بچہ کے کان میں غمزہ کے، مرگی والے کے، غصہ والے کے کان میں۔ جس جانور یا آدمی کی عادت خراب ہو اس کے سامنے لشکروں کے جنگ کے وقت آگ لگ جانے کے وقت، میت کو قبر میں اتارتے وقت اس کے پیدا ہونے پر قیاس کرتے ہوئے لیکن اس میں اذان کے سنت ہونے کا ابن حجر علیہ الرحمۃ نے انکار کیا ہے جنات کی سرکشی کے وقت۔“

علامہ ابن حجر کے انکار کا جواب دوسرے باب میں دیا جاوے گا۔ ان شاء اللہ

مشکوٰۃ باب فضل الاذان میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم بلال کی اذان سے رمضان کی سحری ختم نہ کرو۔ وہ تو لوگوں کو جگانے کے لئے اذان دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی میں سحری کے وقت بجائے نوبت یا گولے کے اذان دی جاتی تھی لہذا سوتے کو جگاتے کے لئے اذان دینا سنت سے ثابت ہے۔ اذان کے سات فائدے ہیں جن کا پتہ احادیث اور فقہاء کے اقوال سے چلتا ہے ہم وہ فائدے عرض کئے دیتے ہیں۔ خود معلوم ہو جائے گا کہ میت کو ان میں سے کون کون سے فائدے حاصل ہونگے۔ اولاً تو یہ کہ میت کو تلقین جوابات سے ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا۔ دوسرے اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔

مشکوٰۃ باب الاذان میں ہے۔ **إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَذْبَرَ الشَّيْطَانُ لَهُ ضَرَاطٌ حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّائِيْنَ**

”جب نماز کی اذان ہوتی ہے تو شیطان گوز لگاتا ہوا بھاگتا ہے یہاں تک کہ اذان نہیں سنتا۔“

اور جس طرح کہ بوقت موت شیطان مرنے والے کو ورغلا تا ہے تاکہ ایمان چھین لے اسی طرح قبر میں بھی پہنچتا ہے اور بہکا تا ہے کہ تو مجھے خدا کہہ دے تاکہ میت اس آخری امتحان میں قیل ہو جاوے۔ **اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ** چنانچہ نوادر الوصول میں امام محمد ابن علی ترمذی فرماتے ہیں۔

إِنَّ الْمَيِّتَ إِذَا سُئِلَ مَنْ رَبُّكَ يُرَى لَهُ الشَّيْطَانُ فَيُشِيرُ إِلَى نَفْسِهِ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَلِهَذَا وَرَدَ سُؤَالُ التَّثَبُّتِ لَهُ حِينَ سُئِلَ

”یعنی جبکہ میت سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے تو شیطان اپنی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ میرا تیرا رب ہوں۔ اسی لئے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے میت کے سوالات کے وقت اس کے لئے ثابت قدم رہنے کی دعا فرمائی۔“

اب اذان کی برکت سے شیطان دفع ہو گیا میت کو امن مل گئی اور بہکانے والا گیا۔

تیسرے یہ کہ اذان دل کی وحشت کو دور کرتی ہے ابو نعیم اور ابن عساکر کرنے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی۔ **نَزَلَ آدَمُ بِالْهِنْدِ**

وَاسْتَوْحَشَ فَنَزَلَ جِبْرِيلُ فَنَادَى بِالْأَذَانِ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اترے اور ان کو سخت وحشت ہوئی پھر جبریل آئے اور اذان دی۔ اسی طرح مدارج النبوت جلد اول صفحہ ۶۲ باب سوم درمیاں آیات شرف دے میں ہے۔ اور میت بھی اس وقت عزیز واقارب سے چھوٹ کر تیرہ و تار یک مکان میں اکیلا پہنچتا ہے سخت وحشت ہے اور وحشت میں حواس باختہ ہو کر امتحان میں ناکامی کا خطرہ ہے۔ اذان سے دل کو اطمینان ہوگا۔ جوابات درست دے گا۔ چوتھے یہ کہ اذان کی برکت سے غم دور ہوتا ہے اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔

مسند الفردوس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَزِينًا فَقَالَ يَا ابْنَ أَبِي طَالِبٍ إِنِّي أَرَاكَ حَزِينًا فَمُرْ بَعْضَ أَهْلِكَ يُؤَدِّنُ فِي أُذُنِكَ فَإِنَّهُ دَرَأَ الْهَمَّ

”مجھ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رنجیدہ دیکھا تو فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ تم کو رنجیدہ پاتا ہوں تم کسی کو حکم دو کہ تمہارے کان میں اذان کہہ دے کیونکہ اذان غم کو دور کر نیوالی ہے۔“

بزرگان دین حتیٰ کہ ابن حجر علیہ الرحمۃ بھی فرماتے ہیں کہ **جَرَبْتُهُ فَوَجَدْتُهُ كَذَلِكَ فِي الْمِرْقَاتِ** مرقاة شروع باب الاذان میں ہے یعنی میں نے اس کو آزمایا مفید پایا۔ اب مردے کے دل پر اس وقت جو صدمہ ہے۔ اذان کی برکت سے دور ہوگا اور سرور حاصل ہوگا۔

پانچویں یہ کہ اذان کی برکت سے لگی ہوئی آگ بجھتی ہے۔ ابو یعلیٰ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

يُطْفِئُوا الْحَرِيقَ بِالتَّكْبِيرِ وَادَّارَاءِ يَتِمُّ الْحَرِيقُ فَكَبِّرُوا فَإِنَّهُ يُطْفِئُ النَّارَ

”لگی ہوئی آگ کو تکبیر سے بجھاؤ اور جبکہ تم آگ لگی ہوئی دیکھو تو تکبیر کہو کیونکہ یہ آگ کو بجھاتی ہے۔“

اور اذان میں تکبیر تو ہے اللہ اکبر لہذا اگر قبر میت میں آگ لگی ہو تو امید ہے کہ خدائے پاک اسکی برکت سے بجھا دے۔

چھٹے یہ کہ اذان ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ کی برکت سے عذاب قبر دور ہوتا ہے اور قبر فراخ ہوتی ہے تنگی قبر سے نجات ملتی ہے۔ امام احمد و طبرانی و بیہقی نے

جاہر رضی اللہ عنہ سے سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کے دفن کا واقعہ نقل کر کے روایت کی۔ **سَبَّحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ**

وَكَبَّرَ النَّاسُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَ سَبَّحْتَ قَالَ لَقَدْ تَضَائِقَ عَلَى هَذَا الرَّجُلِ الصَّلَاحَ قَبْرُهُ حَتَّى فَرَجَ

اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ بعد دفن حضور علیہ السلام نے سبحان اللہ فرمایا۔ پھر اللہ اکبر حضور نے فرمایا اور دیگر حضرات نے بھی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حبیب

اللہ تسبیح و تکبیر کیوں پڑھی ارشاد فرمایا کہ اس صالح بندے پر قبر تنگ ہو گئی تھی اللہ نے قبر کو کشادہ فرمایا۔

اس کی شرح میں علامہ طیبی فرماتے ہیں۔

أَي مَازِلَتْ مُكَبَّرًا وَتُكَبِّرُونَ وَأُسَبِّحُ وَتُسَبِّحُونَ حَتَّى فَرَجَهُ اللَّهُ

”یعنی ہم اور تم لوگ تسبیح و تکبیر کہتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے قبر کو کشادہ فرما دیا۔“

ساتویں یہ کہ اذان میں حضور علیہ السلام کا ذکر ہے اور صالحین کے ذکر کے وقت نزول رحمت ہوتا ہے۔ امام سفلین ابن عیینہ فرماتے ہیں۔

ذَكَرَ الصَّالِحِينَ تَنْزِيلُ الرَّحْمَةِ اور میت کو اس وقت رحمت کی سخت ضرورت ہے۔ غرض کہ ہماری تھوڑی سی جنبش زبان سے اگر میت کو

اتنے بڑے بڑے سات فائدے پہنچ جاویں تو کیا حرج ہے؟

ثابت ہوا کہ قبر پر اذان دینا باعث ثواب ہے شامی باب سنن الوضو میں ہے۔ **الْأَصْلُ فِي الْأَشْيَاءِ الْإِبَاحَةُ** تمام چیزوں میں اصل یہ ہے کہ

وہ مباح ہیں یعنی جس کو شریعت مطہرہ منع نہ کرے وہ مباح ہے اور جو مباح کام نیت خیر سے کیا جاوے وہ مستحب ہے، شروع مشکوٰۃ میں ہے۔

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ شامی بحث سنن الوضو میں ہے۔

إِنَّ الْفَرْقَ بَيْنَ الْعَادَةِ وَالْعِبَادَةِ هُوَ النِّيَّةُ الْمُتَضَمِّنَةُ لِلْإِخْلَاصِ

”عادت اور عبادت میں فرق نیت اخلاص سے ہے یعنی جو کام بھی اخلاص سے کیا جاوے وہ عبادت ہے۔“

اور جو کام بغیر اخلاص کے ہو وہ عادت۔ در مختار، بحث مستحبات الوضو میں ہے۔

وَمُسْتَحَبُّهُ هُوَ مَا فَعَلَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَرَّةً وَتَرَكَهُ أُخْرَى وَمَا حَبَهُ السَّلَفُ

”مستحب وہ کام ہے جس کو حضور علیہ السلام نے کبھی کیا اور کبھی نہ کیا۔ اور وہ بھی ہے جس کو گذشتہ مسلمان اچھا جانتے ہیں۔“

شامی بحث دفن زیر عبارات ولا یمکھص ہے۔ **وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَرَأَةُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ** جس کو

مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ ان عبارات سے ثابت ہوا کہ چونکہ اذان قبر شریعت میں منع نہیں لہذا جائز ہے اور چونکہ اسکو بہ

نیت اخلاص مسلمان بھائی کے نفع کیلئے کیا جاتا ہے۔ لہذا یہ مستحب ہے۔ اور چونکہ مسلمان اسکو اچھا سمجھتے ہیں لہذا یہ عند اللہ اچھی ہے۔ خود دیوبندیوں

کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب العقائد صفحہ ۱۴ میں فرماتے ہیں۔ ”کسی نے سوال کیا ہے کہ تلقین کے بعد دفن

ثابت ہے یا نہیں تو جواب دیا یہ مسئلہ عہد صحابہ سے مختلف فیہا ہے اسکا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ تلقین کرنا بعد دفن اس پر مبنی ہے جس پر عمل کر لے درست

ہے۔ رشید احمد

دوسرا باب

اذان قبر پر اعتراضات و جوابات میں

اس مسئلہ میں مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں۔ ان شاء اللہ اس کے علاوہ اور نہ ملیں گے۔

اعتراض ۱ قبر اذان دینا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے لہذا یہ بھی حرام حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں وہ ہی پرانا سبق۔

جواب ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ بعد دفن ذکر اللہ تسبیح و تکبیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے اور جس کی اصل ثابت ہو وہ سنت ہے اور پرزیا دتی کرنا منع نہیں۔ فقہا فرماتے ہیں کہ حج میں تلبیہ کے جو الفاظ احادیث سے منقول ہیں ان میں کمی نہ کرے اگر کچھ بڑھائے تو جائز ہے۔ (ہدایہ وغیرہ) اذان میں تکبیر بھی ہے اور کچھ زیادہ بھی لہذا یہ سنت سے ثابت ہے اور اگر بدعت بھی ہو تو وہ حسنہ ہے جیسے کہ ہم بحث بدعات میں عرض کر چکے ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد الاول کتاب البدعات صفحہ ۸۹ پر ہے کہ کسی نے دیوبندیوں کے سردار رشید احمد صاحب سے پوچھا کہ کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرنا قرونِ ثلثہ سے ثابت ہے یا نہیں اور بدعت ہے یا نہیں؟

الجواب قرونِ ثلثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اسکی اصل شرع سے ثابت ہے۔ بدعت نہیں۔ رشید احمد علی

اسی کتاب جناب یہ ختم بخاری اور برسی کی فاتحہ پر ثواب کیوں ہو رہا ہے؟ یہ تو بدعت ہے۔ اور ہر بدعت حرام ہے۔ حرام پر ثواب کیسا۔

نوٹ ضروری مدرسہ دیوبند میں مصیبت کے وقت ختم بخاری وہاں کے طلباء سے کرایا جاتا ہے اہل جماعت طلباء کو شیرینی دیتے ہیں اور روپیہ نفع میں رہا۔ کم از کم پندرہ روپیہ وصول کئے جاتے ہیں شاید یہ بدعت اس لئے جائز ہو کہ مدرسہ کو روپیہ کی ضرورت ہے اور یہ حصول زر کا ذریعہ۔ لیکن اب قبر مومن پر اذان کیوں حرام؟

اعتراض ۲ شامی نے باب الاذان میں جہاں اذان کے موقعہ شمار کئے ہیں وہاں اذان قبر کا بھی ذکر فرمایا مگر ساتھ ہی فرمایا

لَٰكِنْ رَدَّهٖ ابْنُ حَجَرٍ فِي شَرْحِ الْعَبَابِ اس اذان کی ابن حجر نے شرح عباب میں تردید کر دی معلوم ہوا کہ اذان قبر مردود ہے۔

جواب اولاً تو ابن حجر شافعی مذہب میں بہت سے علماء جن میں بعض احناف بھی شامل ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اذان قبر سنت ہے امام ابن حجر شافعی اسکی تردید کرتے ہیں تو بتاؤ کہ خفیوں کو مسئلہ جمہور یہ پر عمل کرنا ہوگا کہ قول شافعی پر؟ دوم امام ابن حجر نے بھی اذان قبر کو منع نہ کیا بلکہ اس کے سنت ہونیکا انکار کیا۔ یعنی سنت نہیں۔ اگر میں کہوں کہ بخاری چھاپنا سنت نہیں بالکل درست ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ بخاری تھی نہ پر لیس۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جائز بھی نہیں۔ شامی نے اس موقعہ پر فرمایا **وَقَدْ يُسَنُّ الْأَذَانُ** ان موقعوں پر اذان سنت ہے آگے فرمایا ردہ اس کی ابن حجر نے تردید کی تو کسی چیز کی تردید ہوئی؟ سنت کی۔ شامی سمجھنے کے لئے عقل و ایمان کی ضرورت ہے تیسرے یہ کہ اگر مان بھی لو کہ علمہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے خود اذان کی تردید کی تو کیا کسی عالم کے تردید کرنے سے کراہت یا حرمت ثابت ہو سکتی ہے ہرگز نہیں بلکہ اس کے لئے دلیل شرعی کی ضرورت ہے، بلا دلیل شرعی کراہت تنزیہی بھی ثابت نہیں ہوتی۔

شامی بحث مستحبات الوضو میں ہے۔

وَلَا يَلْزَمُ مِنْ تَرْكِ الْمُسْتَحَبِّ ثَبُوتُ الْكَرَاهَةِ إِذْ لَا بُدَّ لَهُ مِنْ دَلِيلٍ خَاصٍ

”ترک مستحب سے کراہت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ کراہت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے۔“

شامی جلد اول بحث مکروہات الصلوٰۃ بیان المستحب والسنۃ والمندوب میں ہے۔

تَرْكُ الْمُسْتَحَبِّ لَا يَلْزَمُ مِنْهُ أَنْ يَكُونَ مَكْرُوهًا إِلَّا بِنَهْيٍ خَاصٍ لِأَنَّ الْكَرَاهَةَ حُكْمٌ شَرْعِيٌّ فَلَا بُدَّ لَهُ مِنْ دَلِيلٍ خَاصٍ

”مستحب کے ترک سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکروہ ہو جائے بغیر خاص ممانعت کے کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے اس کے لئے خاص دلیل کی ضرورت ہے۔“

آپ تو اذان قبر کو حرام فرماتے ہیں۔ فقہا بغیر خاص ممانعت کے کسی شئی کو مکروہ تنزیہی بھی نہیں مانتے۔

اگر کہا جاوے کہ شامی نے اذان قبر کو قیل سے بیان کیا اور قیل ضعف کی علامت ہے تو جواب یہ ہے کہ فقہ میں قیل ضعف کے لئے لازم نہیں شامی

کتاب الصوم فصل کفارہ میں ہے۔ **فَتَعْبِيرُ الْمُصَنِّفِ بِقِيلٍ لَيْسَ يَلْزَمُ الضَّعْفَ** اسی طرح شامی بحث دفن میت میں ذکر مع الجنازہ

کے لئے فرمایا **قِيلَ تَحْرِيمًا وَقِيلَ تَنْزِيهًا** دیکھو یہاں دو قول تھے اور دونوں قیل سے نقل کئے۔

عالمگیری کتاب الوقف بحث مسجد میں ہے **وَقِيلَ هُوَ مَسْجِدٌ أَبَدًا وَهُوَ الْأَصَحُّ** یہاں صحیح قول قیل سے بیان کیا معلوم ہوا کہ قیل دلیل ضعف نہیں۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے تو بھی اس اذان کو سنت کہنا ضعیف ہوگا نہ کہ جائز کہنا کیونکہ جائز کہنا یہ سنت ہی کا قول ہے ہم بھی اذان قبر سنت نہیں کہتے صرف جائز و مستحب کہتے ہیں۔

اعتراض ۳ فقہا فرماتے ہیں کہ قبر پر جا کر فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ کرے اور اذان قبر فاتحہ کے علاوہ ہے لہذا حرام ہے چنانچہ بحر الرائق میں ہے۔

وَيُكْرَهُ عِنْدَ الْقَبْرِ كُلُّ مَا لَمْ يُعْهَدْ مِنَ السُّنَنِ وَالْمَهُودُ مِنْهَا لَيْسَ إِلَّا زِيَارَتُهَا وَالِدَعَاءُ عِنْدَهَا قَائِمًا
شامی کتاب الجنائز میں ہے۔

لَا يَسْنُ الْأَذَانُ عِنْدَ ادْخَالِ الْمَيِّتِ فِي قَبْرِهِ كَمَا هُوَ الْمُعْتَادُ الْآنَ وَقَدْ صَرَّحَ ابْنُ حَجَرٍ بِأَنَّهُ بِدْعَةٌ
وَقَالَ مَنْ ظَنَّ أَنَّهُ سُنَّةٌ فَلَمْ يُصِبْ

”یعنی میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دینا سنت نہیں ہے۔ جیسا کہ آجکل مروج ہے اور ابن حجر نے تصریح فرمادی کہ یہ بدعت ہے اور جو کوئی اس کو سنت جانے وہ درست نہیں کہتا۔“

درالبحار میں ہے۔ **مِنَ الْبِدْعِ الَّتِي شَاعَتْ فِي بِلَادِ الْهِنْدِ الْأَذَانُ عَلَى الْقَبْرِ بَعْدَ الدَّفْنِ**
”جو بدعتیں کہ ہندوستان میں شائع ہو گئیں۔ ان میں سے دفن کے بعد قبر پر اذان دینا ہے۔“

تو شیخ شرح تنقیح میں محمود بن علی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں **الْأَذَانُ عَلَى الْقَبْرِ لَيْسَ بِشَيْءٍ** قبر پر اذان دینا کچھ نہیں۔ مولوی اسحاق صاحب مائتہ مسائل میں فرماتے ہیں کہ قبر پر اذان دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ ثابت نہیں اور جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ ہوتا ہے۔

جواب بحر الرائق کا یہ فرمانا کہ قبر پر جا کر بجز زیارت و دعا اور کچھ کرنا مکروہ ہے بالکل درست ہے وہ زیارت قبور کے وقت فرماتے ہیں۔ یعنی جب وہاں زیارت کی نیت سے جاوے تو قبر کو چومنا یا سجدہ کرنا وغیرہ ناجائز کام نہ کرے اور یہاں گفتگو ہے دفن کے وقت یہ زیارت کا وقت نہیں ہے اگر وقت دفن بھی اس میں شامل ہے تو پھر لازم ہوگا کہ میت کو قبر میں اتارنا، تختہ دینا، مٹی ڈالنا اور بعد دفن تلقین کرنا جس کو فتاویٰ رشیدیہ میں بھی جائز کہا ہے سب منع ہے۔ بس مردے کو جنگل میں رکھ کر فاتحہ پڑھ کر بھاگ آنا چاہیے اور زیارت قبر کے وقت بھی ممنوع کام کرنا منع ہیں۔ وہ ہی عبارت بحر الرائق کا مقصود ہے ورنہ مردوں کو سلام کرنا یا ان کے قبور پر سبزہ یا پھول ڈالنا بالاتفاق جائز ہے۔ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے اور بحر الرائق میں فرما رہے ہیں کہ وہاں بجز زیارت اور کھڑے ہو کر دعا کرنے کے کچھ بھی نہ کرے، مولوی اشرف علی صاحب کی حفظ الایمان میں ایک سوال ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کشف قبور کا طریقہ بیان فرماتے ہیں۔ ”بعد ہفت کرہ طواف کند و در آن تکبیر بخواند و اقا از راست کند و بعدہ طرف پایاں رخسار نہد۔“ یعنی اس کے بعد قبر کا سات چکر طواف کرے اس میں تکبیر کہے اور دائنی طرف سے شروع کرے اور قبر کے پاؤں کی طرف اپنا رخسار رکھے تو کیا قبر کا طواف اور سجدہ جائز ہے؟ اس کا جواب حفظ الایمان صفحہ ۶ پر دیتے ہیں۔ یہ طواف اصطلاحی نہیں ہے جو کہ تعظیم و تقرب کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور جس کی ممانعت نصوص شرعیہ سے ثابت ہے بلکہ طواف لغوی ہے یعنی محض اس کے ارد گرد پھرنا واسطے پیدا کرنے مناسبت وحی کے صاحب قبر کیساتھ اور لینے فیوض کے اس کے نظیر حضرت جابر کے قصے میں وارد ہوتی ہے۔ جبکہ ان کے والد مقرض ہو کر وفات پا گئے۔ اور قرض خواہوں نے حضرت جابر کو تنگ کیا۔ انہوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ باغ میں تشریف لا کر رعایت کر دیجئے حضور علیہ السلام باغ میں رونق افروز ہوئے اور چھوہاروں کے انبار لگوا کر بڑے انبار کے گرد تین بار پھرے۔ **طَافَ حَوْلَ أَعْظَمِهَا بَيْدَارًا** یہ حضور کا یہ پھرنا کوئی طواف نہ تھا۔ بلکہ اس میں اثر پہنچانے کیلئے اس کی چاروں طرف پھر گئے۔ اسی طرح کشف القبور کے عمل میں ہے۔ کہیئے اگر اذان قبر اس لئے منع ہے کہ قبر بجز زیارت و دعا کوئی کام جائز نہیں تو یہ قبر کا طواف اور اس سے فیض لینا کیوں جائز ہے؟ لہذا بحر الرائق کی ظاہری عبارت آپ کے بھی موافق نہیں۔ پر لطف بات یہ ہے کہ حفظ الایمان کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبروں سے فیض ملتا ہے اور فیض لینے کے لئے وہاں جانا اور طواف کرنا، قبر پر رخسارہ رکھنا جائز ہے اسی کو تقویۃ الایمان میں شرک کہا ہے۔ شامی و تو شیخ وغیرہ کی عبارتوں کا جواب سوال نمبر ۱ کے ماتحت گذر گیا کہ اس میں سنیت کا انکار ہے نہ کہ جواز کا تو شیخ کا فرمانا **لَيْسَ بِشَيْءٍ** اس کے معنی یہ نہیں کہ حرام ہے مراد یہ ہے کہ نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت محض جائز اور مستحب ہے اور اس کو سنت یا واجب سمجھنا محض غلط ہے جو فقہاء کہ اس کو بدعت فرماتے ہیں وہ بدعت جائزہ یا کہ بدعت مستحبہ فرماتے ہیں نہ کہ بدعت مکروہہ کیونکہ بلاد دلیل کراہت ثابت نہیں ہوتی۔ مولوی اسحاق صاحب دیوبندیوں کے پیشوا ہیں ان کا قول حجت نہیں۔ اور نہ یہ قاعدہ صحیح ہے کہ جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ ہے۔ ورنہ قرآن کے سیپارے اور اعراب اور بخاری بھی مکروہ ہو گئی۔ کیونکہ یہ سنت سے ثابت نہیں۔

درمختار باب الصلوة العیدین مطلب فی تکبیر التشریق میں ہے۔ **وَوُقُوفُ النَّاسِ يَوْمَ عَرَفَتِهِ فِي غَيْرِهَا بِالْوَاقِفِينَ لَيْسَ بِشَيْءٍ** اسی کے ماتحت شامی میں ہے۔ **وَهُوَ نَكِرَةٌ فِي مَوْضِعِ النَّفْسِ فَتَعْمُ أَنْوَاعُ الْعِبَادَةِ مِنْ فَرَضٍ وَوَجِبٍ وَ مُسْتَحَبٍّ فَبَقِيَتِ الْبَاحَتُهُ قَلِيلٌ يُسْتَحَبُّ** ہدایہ کے حاشیہ میں لیس بشی کے ماتحت فرماتے ہیں **أَيُّ لَيْسَ بِشَيْءٍ يَتَعَلَّقُ بِهِ الثَّوَابُ وَهُوَ يَصْدُقُ الْبَاحَتُهُ** ان عبارات سے معلوم ہوا کہ لیس شییٰ مباح کو بھی کہا جاتا ہے۔

اعتراض ۴ اذان تو نماز کی اطلاع کے لئے ہے دن کے وقت کوئی نماز ہو رہی ہے۔ جس کی اطلاع دینا منظور ہے چونکہ یہ اذان لغو ہے پس ناجائز ہے۔

جواب یہ خیال غلط ہے کہ اذان فقط نماز کی اطلاع کے لئے ہے ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ اذان کتنی جگہ کہنی چاہئے آخر پچھ کے کان میں اذان دی جاتی ہے وہاں کوئی نماز کا وقت ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں رمضان کی شب دو اذانیں ہوتی تھیں ایک تو سحری کے لئے بیدار کرنے کو دوسری نماز فجر کے لئے۔

لطیفہ کاٹھیا وار میں رواج ہے کہ بعد نماز فجر مصافحہ کرتے ہیں اور یوپی میں رواج ہے کہ بعد نماز عید معانقہ (گلے ملنا) کرتے ہیں۔ ایک صاحب نے ہم سے دریافت کیا کہ معانقہ یا مصافحہ اول ملاقات کے وقت چاہئے نماز کے بعد تو لوگ رخصت ہو رہے ہیں پھر اس وقت کیوں ہوتا ہے یہ مصافحہ اور معانقہ بدعت ہے لہذا حرام ہے ہم نے عرض کیا کہ معانقہ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الادب میں ایک باب ہی اسکا باندھا باب المصافحۃ والمعانقۃ اور وہاں لکھا کہ حضور علیہ السلام نے زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ سے معانقہ فرمایا۔ حدیث کی روش بتاتی ہے کہ معانقہ خوشی کا تھا اور عید کا دن بھی خوشی کا دن ہے اس لئے اظہار خوشی میں معانقہ کرتے ہیں۔

نیز درمختار جلد پنجم باب الکرامیۃ باب الاستبراء میں ہے۔ **أَيُّ كَمَا تَجُوزُ الْمُصَافِحَةُ وَلَوْ بَعْدَ الْعَصْرِ وَ قَوْلُهُمْ إِنَّهُ بِدْعَةٌ أَى مُبَاحَةٌ حَسَنَةٌ كَمَا أَفَادَهُ النَّوَوِيُّ فِي أَذْكَارِهِ**

”مصافحہ جائز ہے اگرچہ نماز عصر کے بعد ہو اور فقہا کا فرمانا کہ مصافحہ نماز عصر بدعت ہے یعنی بدعت مباحہ حسنہ ہے جیسا کہ نووی نے اپنے اذکار میں فرمایا۔“

اسی کے ماتحت شامی میں فرماتے ہیں۔

إِعْلَمَنَّ أَنَّ الْمُصَافِحَةَ مُسْتَحَبَّةٌ عِنْدَ كُلِّ لِقَاءٍ وَأَمَّا اعْتَادَهُ النَّاسُ مِنَ الْمُصَافِحَةِ بَعْدَ صَلَوةِ الصُّبْحِ فَلَا أَصْلَ لَهُ فِي الشَّرْعِ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ وَلَكِنْ لَا بَأْسَ بِهِ وَتَقْبِيْذُهُ بِمَا بَعْدَ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ عَلَى عَادَةٍ كَانَتْ فِي زَمَنِهِ وَالْأَفْعَبُ الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا كَذَلِكَ

”ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مستحب ہے اور فجر کے بعد مصافحہ کا جو رواج ہے اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ لیکن اس میں حرج بھی نہیں اور صبح یا عصر کی قید فقط لوگوں کی عادت کی بناء پر ہے ورنہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کا یہی حکم ہے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ بہر حال جائز ہے لیکن اس کی تسلی نہ ہوئی یہی کہتا رہا کہ مصافحہ معانقہ ملاقات کے وقت چاہیے ہم نے کہا اچھا بتاؤ۔ اول ملاقات کسے کہتے ہیں؟ بولا غائب ہونیکے بعد جب ملیں۔ تو یہ اول ملاقات ہے ہم نے کہا۔ غائب ہونیکے دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ جسماً غائب ہوں۔ دوسرے یہ کہ ولی طور پر غائب ہوں نماز کی حالت میں اگرچہ بظاہر تمام مقتدی اور امام ایک جگہ ہی رہے مگر حکمی لحاظ سے سب ایک دوسرے سے غائب تھے کہ نہ کسی سے کلام کر سکیں نہ ایک دوسرے کی مدد۔ بلکہ یہ تمام لوگ دنیا ہی سے غائب ہیں کہ کھانا، پینا، چلنا پھرنا، تمام دنیاوی کام حرام ہیں اور **الصَّلَوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِينَ** کا نقشہ نظر آ رہا ہے دنیا سے تعلق منقطع ہے اور واصل الی اللہ ہیں جب سلام پھیرا۔ اب دنیا میں آگئے تمام دنیاوی کام حلال ہو گئے۔ یہ وقت غائب ہونیکے بعد ملنے کا ہے۔ لہذا مصافحہ سنت ہے وہ کہنے لگا کہ یہ منطق سے سمجھا دیا اس کو شریعت نے تو ملاقات کا وقت نہیں مانا۔ ہم نے کہا مانا ہے اس وقت سلام کس کو کرتے ہیں اور کیوں کرتے ہیں؟ امام کو چاہئے کہ سلام میں مقتدیوں اور ملائکہ کو سلام کر نیکی نیت کرے اور مقتدی لوگ امام کو اور ملائکہ کو اور تنہا نمازی صرف ملائکہ کی نیت کرے اور سلام یا تو ملاقات کے وقت ہوتا ہے یا رخصت کے وقت۔ بتاؤ یہ سلام کیسا کیا یہ لوگ کہیں سے آرہے ہیں یا جا رہے ہیں؟ جا تو نہیں رہے ہیں کہ ابھی دعا مانگیں گے وظیفہ پڑھیں گے بعض لوگ اشراق پڑھ کر اٹھیں گے۔ معلوم ہوا کہ عالم بالا کی سیر کر کے آرہے ہیں اور سلام کر رہے ہیں لہذا مصافحہ بھی کریں تو کیا حرج ہے؟ کہنے لگا کہ پھر تو ہر نماز کے بعد چاہئے۔ ہم نے کہا ہاں اگر ہر نماز کے بعد کرے تب بھی منع نہیں۔ الحمد للہ کہ اس کی تسکین ہو گئی۔ اسی طرح یہ مسئلہ اذان ہے۔

بحث عرس بزرگان

اس بحث کے دو باب ہیں۔ پہلا باب عرس کے ثبوت میں۔ دوسرا باب مسئلہ عرس پر اعتراضات و جوابات میں۔

پہلا باب

ثبوت عرس میں

عرس کے لغوی معنی ہیں شادی۔ اسی لئے دولہا اور دلہن کو عروس کہتے ہیں بزرگان دین کی تاریخ وفات کو اس لئے عرس کہتے ہیں کہ مکملہ باب اثبات عذاب القبر میں ہے کہ جب منکرین میت کا امتحان لیتے ہیں اور وہ کامیاب ہوتا ہے تو کہتے ہیں **لَمْ كُنْ مِمَّنِ الْعُرْسِ النَّبِيُّ لَا يُوقِظُهُ** **إِلَّا أَحَبَّ أَهْلَهُ إِلَيْهِ** تو اُس دلہن کی طرح سو جا جس کو سائے اس کے پیار کے کوئی نہیں اٹھا سکتا تو چونکہ اس دن نکیرین نے ان کو عروس کہا، اس لئے وہ دن روز عرس کہلایا، یا اس لئے کہ وہ جمال مصطفیٰ ﷺ کے دیکھنے کا دن ہے کہ نکیرین دکھا کر پوچھتے ہیں کہ تو ان کو کیا کہتا تھا اور وہ تو خلقت کے دولہا میں۔ تمام عالم ان ہی کے دم کی بھار ہے اور وصال محبوب کا دن عرس کا دن ہے لہذا یہ دن عرس کہلایا عرس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ہر سال تاریخ وفات پر قبر کی زیارت کرنا اور قرآن خوانی و صدقات کا ثواب پہنچانا اس اصل عرس کا ثبوت حدیث پاک اور اقوال فقہاء سے ہے شامی جلد اول باب زیارت القبر میں ہے۔

وَدَى ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشَّهَدَاءِ بِأُحَدٍ عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ **عَنْ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشَّهَدَاءِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ فَيَقُولُ سَلَامٌ** **عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ وَالْخُلَفَاءُ الْإِرْبَعَةُ هَكَذَا كَانُوا يَفْعَلُونَ**

”ابن ابی شیبہ نے روایت کی کہ حضور علیہ السلام ہر سال شہداء اُحد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔“
عَنْ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشَّهَدَاءِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ فَيَقُولُ سَلَامٌ **عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ وَالْخُلَفَاءُ الْإِرْبَعَةُ هَكَذَا كَانُوا يَفْعَلُونَ**
 ”حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ہر سال شہداء کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے اور ان کو سلام فرماتے تھے اور چاروں خلفاء بھی ایسا ہی کرتے تھے۔“

شاہ عبدالعزیز صاحب فتاویٰ عزیز یہ صفحہ ۴۵ میں فرماتے ہیں۔ ”دوم آنکہ بہمیت اجتماعیہ مردمان کثیر جمع شوند و ختم کلام اللہ فاتحہ بر شیرینی و طعام نمودہ تقسیم در میان حاضران کنند اس قسم معمول و زمانہ غیر خدا و خلفائے راشدین نہ ہوا اگر کسے اس طور کنند باک نیست بلکہ فائدہ احیاء اموات حاصل می شود“ دوسرے یہ کہ بہت سے لوگ جمع ہوں اور ختم قرآن اور کھانے شیرینی پر فاتحہ کر کے حاضرین میں تقسیم کریں یہ قسم حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں مروج نہ تھی لیکن اگر کوئی کرے تو حرج نہیں بلکہ زعموں کو مردوں سے فائدہ حاصل ہوتا ہے زبدۃ الصالح فی مسائل الذبائح میں شاہ عبدالعزیز صاحب مولوی عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی علیہ الرحمۃ والرضوان کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں، ”اس طعن بنی است بر جہل بہ احوال مطلعوں علیہ زیر اگر غیر فرائض شرعیہ مقررہ رایج کس فرض نمی داند آری تبرک بقبور و امداد ایساں بایصال ثواب و تلاوت قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است باجماع علماء و تعین رور عرس برائے آن است کہ آن روز ذکر انتقال ایساں می باشد از ورا العمل بدار الثوب والا ہر روز کہ اس عمل واقع شود موجب فلاح و نجات است۔“ یہ طعن لوگوں کے حالات سے خبر دار نہ ہونے کی وجہ سے ہے کوئی شخص بھی شریعت کے مقرر کردہ فرائض کے سوا کو فرض نہیں جانتا ہاں صالحین کی قبروں سے برکت لینا اور ایصال ثواب اور تلاوت قرآن اور تقسیم شیرینی و طعام سے ان کی مدد کرنا اجماع علماء سے اچھا ہے عرس کا دن اس لئے مقرر ہے کہ وہ دن ان کی وفات کو یاد دلاتا ہے۔ ورنہ جس دن بھی یہ کام کیا جاوے اچھا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی مکتوب ۱۸۲ میں مولانا جلال الدین کو لکھتے ہیں۔ ”اعراس پیراں بر سنت پیراں بسماع و صفائی جاری و رزمہ۔“ بیوں کا عرس پیروں کے طریقہ سے قوالی اور صفائی کے ساتھ جاری رکھیں۔ مولوی رشید احمد، و اشرف علی صاحبان کے پیر حاجی امداد اللہ صاحب اپنے فیصلہ مفت مسئلہ میں عرس کے جواز پر بہت زور دیتے ہیں خود اپنا عمل یوں بیان فرماتے ہیں۔ ”فقیر کا مشرب اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر و مرشد کی روح مبارک پر ایصال ثواب کرتا ہوں اور اول قرآن خوانی ہوتی ہے اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہو تو مولود پڑھا جاتا ہے پھر ماہی کھانا کھلایا جاتا ہے اور اس کا ثواب بخش دیا جاتا ہے۔ مولوی رشید احمد صاحب بھی اصل عرس کو جائز مانتے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۲ میں فرماتے ہیں۔ ”بہت اشیاء میں کہ اول مباح تھیں پھر کسی وقت منع ہو گئیں۔ مجلس عرس و مولود بھی ایسا ہی ہے اہل عرب سے معلوم ہوا کہ عرب شریف کے لوگ حضرت سید احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس بہت دھوم دھام سے کرتے ہیں خاص کر علماء مدینہ منورہ حضرت امیر حمزہ رضی

اللہ عنہ کا عرس کرتے رہے، جن کا مزار اقدس احد پہاڑ پر ہے غرض کہ دنیا بھر کے مسلمان علماء و صالحین خصوصاً اہل مدینہ عرس پر کار بند ہیں اور جس کو مسلمان اچھا جانتے ہیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے۔“ عقل بھی چاہتی ہے کہ عرس بزرگاں عمدہ چیز ہواؤں تو اس لئے کہ عرس زیارت قبور اور صدقہ خیرات کا مجموعہ ہے زیارت قبور بھی سنت، صدقہ بھی سنت تو دو سنتوں کا مجموعہ حرام کیونکر ہو سکتا ہے؟ مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور میں ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں ہم نے تم کو زیارت قبور سے منع فرمایا تھا۔

اب ضرور زیارت کیا کرو۔ اس سے ہر طرح زیارت قبور کا جواز معلوم ہوا خواہ روزانہ ہو یا سال کے بعد اور خواہ تنہا زیارت کی جاوے یا کہ جمع ہو کر اب اپنی طرف سے اس میں قیود لگانا کہ مجمع کے ساتھ زیارت کرنا منع ہے سال کے بعد مقرر کر کے زیارۃ کرنا منع ہے محض لغو ہے معین کر کے ہو یا بغیر معین کئے ہر طرح جائز ہے۔ دوم اس لئے کہ عرس کی تاریخ مقرر ہونے سے لوگوں کے جمع ہونے میں آسانی ہوتی ہے اور لوگ جمع ہو کر قرآن خوانی، کلمہ طیبہ، درود پاک وغیرہ پڑھتے ہیں بہت سی برکات جمع ہیں۔ تیسرے اس لئے کہ ایک پیر کے مریدین اس تاریخ میں اپنے پیر بھائیوں سے بلا تکلف مل لیتے ہیں جس سے ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت ہوتی ہے اور آپس میں محبت بڑھتی ہے، چوتھے اس لئے کہ طالبان کو پیر تلاش کرنے میں آسانی ہے اور اگر کسی عرس میں پہنچے تو وہاں مختلف جگہ کے بزرگان دین جمع ہوتے ہیں علماء و صوفیاء کا مجمع ہوتا ہے سب کو دیکھ کر جس سے عقیدت ہو اس سے بیعت کر لے، آخر حج اور زیارت مدینہ منورہ بھی تاریخ مقرر میں ہے ہوتے ہیں اس میں بھی گذشتہ فوائد ملحوظ ہیں ہم نے دیوبندی اکابر کی قبریں دیکھی ہیں نہ وہاں رونق نہ کوئی فاتحہ خواں، نہ ان کو ایصال ثواب، نہ کسی کو ان سے اور نہ کسی سے ان کو فیوض، امور خیر بند کرنے کی یہ برکات ہیں۔

دوسرا باب

مسئلہ عرس پر اعتراضات و جوابات میں

اعتراض ۱ جس کو تم بعد موت ولی سمجھتے ہو۔ اس کا عرس کرتے ہو تم کو کیا معلوم کہ یہ ولی ہے کسی کے خاتمہ پر یقین نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مسلمان مرایا بے دین ہو کر مرا، پھر کسی مردے کی ولایت کیونکہ معلوم ہو سکتی ہے؟ بڑے بڑے صالح کافر ہو کر مرتے ہیں۔

جواب زندگی کے ظاہری احکام بعد موت جاری ہوتے ہیں اور جو زندگی میں مسلمان تھا بعد موت بھی اس کو مسلمان سمجھ کر اس کی نماز جنازہ، کفن، دفن، میراث کی تقسیم وغیرہ کی جاوے گی اور جو زندگی میں کافر تھا بعد موت نہ اس کی نماز جنازہ ہوگی، نہ گور و کفن، نہ تقسیم میراث، شریعت کا حکم ظاہر پر ہوتا ہے فقط احتمال معتبر نہیں، اسی طرح جو زندگی میں ولی ہو وہ بعد وفات بھی ولی ہے اگر محض احتمال پر احکام جاری ہوں تو کفار کی نماز جنازہ پڑھ لیا کرو شاید مسلمان ہو کر مرا ہو۔ اور مسلمان کو بے جنازہ پڑھے آگ میں جلا دیا کرو کہ شاید کافر ہو کر مرا ہو، نیز مشکوٰۃ کتاب البجائز باب المشی بالجنائزہ میں بروایت مسلم و بخاری ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے ایک جنازہ گزرا جس کی لوگوں نے تعریف کی فرمایا **وَجَبَتْ** واجب ہو گئی۔ دوسرا جنازہ گذرا۔ جسکی لوگوں نے برائی کی۔ فرمایا **وَجَبَتْ** واجب ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا واجب ہوئی؟ فرمایا پہلے کے لئے جنت اور دوسرے کے لئے دوزخ پھر فرمایا **أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ** تم زمین میں اللہ کے گواہ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عامۃ المسلمین جس کو ولی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی ولی ہے مسلمانوں کے منہ سے وہ بات نکلتی ہے جو اللہ کے یہاں ہوتی ہے اسی طرح جس کو مسلمان ثواب جائیں، حلال جائیں وہ اللہ کے نزدیک بھی باعث ثواب اور حلال ہے کیونکہ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں اسی حدیث نے تصریح فرمائی۔

مَارَاهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ قرآن فرماتا ہے **وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ** ”ہم نے تم کو امت عادلہ بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو۔“

مسلمان قیامت میں بھی گواہ اور دنیا میں بھی۔ رب تعالیٰ نے قرآن کی حقانیت اور رسول اللہ ص کی صداقت کے ثبوت میں حضرت عبداللہ ابن سلام و دیگر بزرگوں کی گواہی پیش فرمائی، کہ فرمایا **وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى مَثَلِهِ** جب صالح مومنین کی گواہی سے نبوت ثابت کی جاسکتی ہے تو ولایت بدرجہ اولی ثابت ہو سکتی ہے، اور جب اس گواہی سے سارے قرآن پاک کا ثبوت ہو سکتا ہے تو کسی شرعی مسئلہ کا ثبوت بدرجہ اولی ہوگا؟

نوٹ ضروری۔ یہ سوال مکہ مکرمہ میں حرم شریف کے نجدی امام نے کیا تھا ایک مجمع کے سامنے اس کا میں نے یہی جواب دیا تھا جس پر اس نے کہا کہ یہ صحابہ کرام کے لئے تھا کہ وہ جس کے متعلق جو گواہی دیں ویسا ہی ہو جائے کیونکہ وہاں فرمایا ہے۔ **أَنْتُمْ** ہم اس خطاب میں داخل نہیں۔ کیونکہ ہم

اس وقت موجود نہ تھے، میں نے کہا اسی مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے **وَفِي رِوَايَةِ الْمُؤْمِنُونَ شَهَادَةُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ**

ایک روایت میں ہے کہ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں زمین میں، اس میں **أَنْتُمْ** نہیں، نیز قرآن میں سارے احکام خطاب کے صیغہ سے آئے **اقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ** وغیرہ اور ہم قرآن کے نزول کے وقت نہ تھے لہذا ہم ان احکام سے بری ہیں یہ سب امور صرف صحابہ کرام کے لئے تھے قرآن حدیث کے خطابات قیامت تک کے مسلمانوں کو شامل ہوتے ہیں، الحمد للہ کہ امام صاحب کو اس جواب پر غصہ تو آگیا مگر جواب نہ آیا۔

اعتراض ۲ حدیث شریف میں ہے **لَا تَتَّخِذُوا قَبْرِیْ عِیْدًا** میری قبر کو عید نہ بناؤ، جس سے معلوم ہوا کہ قبر پر لوگوں کا اجتماع کرنا، میلہ لگانا منع ہے کیونکہ عید سے مراد میلہ ہے اور عرس میں اجتماع ہوتا ہے میلہ لگتا ہے لہذا حرام ہے۔

جواب یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ عید سے مراد ہے لوگوں کا جمع ہے۔ اور حدیث کے معنی ہیں کہ میری قبر پر جمع نہ ہو۔ تنہا تنہا آیا کرو، عید کے دن خوشیاں منائی جاتی ہیں مکانات کی زینت و آرائشی ہوتی ہے۔ کھیل کود بھی ہوتے ہیں یہ ہی اس جگہ مراد ہے یعنی ہماری قبر انور پر حاضر ہو تو باادب آؤ۔ یہاں آ کر شور نہ مچاؤ کھیل کود نہ کرو۔ اگر قبر پر جمع ہونا منع ہے تو آج مدینہ منورہ کی طرف قافلے بھی جاتے ہیں

اللَّهُمَّ ارْزُقْنَاہُ بعد نماز بیچ گانہ لوگ جمع ہو کر سلام عرض کرتے ہیں۔ حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ مفت مسئلہ میں بحث عرس میں ۱۱ فرماتے ہیں۔

لَا تَتَّخِذُوا قَبْرِیْ عِیْدًا اس کے صحیح معنی یہ ہیں کہ قبر پر میلہ لگانا اور خوشیاں اور زینت و آرائشی دھوم دھام کا اہتمام یہ ممنوع ہے اور یہ معنی نہیں کہ کسی قبر پر جمع ہونا منع ہے ورنہ مدینہ طیبہ قافلوں کا جانا واسطے زیارت روضہ اقدس کے بھی منع ہوتا۔ **وَهَذَا بَاطِلٌ** پس حق یہ ہے کہ زیارت مقابر انفرادی و اجتماعی دونوں طرح جائز ہے یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم ہماری قبر پر جلد جلد آیا کرو مثل عید کے سال بھی کے بعد ہی نہ آیا کرو۔

اعتراض ۳ عام عرسوں میں عورتوں، مردوں کا اختلاط ہوتا ہے، ناچ رنگ ہوتے ہیں، قوالی گائی جاتی ہے، غرض کہ عرس بزرگان صدہا محرمات کا مجموعہ ہے اس لئے یہ حرام ہے۔

جواب اس کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ کسی مسنون یا جائز کام میں حرام چیزوں کے مل جانے سے اصل حلال کام حرام نہیں ہو جاتا۔ بلکہ حرام تو حرام رہتا ہے، اور حلال حلال، شامی بحث زیارت قبور کتاب الجنائز میں ہے۔

وَلَا تُتْرَكُ لِمَا يَحْضُلُ عِنْدَهَا مِنْ مُنْكَرَاتٍ وَمُفَاسِدٍ كَاخْتِلَاطِ الرَّجُلِ بِالنِّسَاءِ وَغَيْرِهَا لِأَنَّ الْقُرْبَاتِ لَا تُتْرَكُ لِمِثْلِ ذَلِكَ بَلْ عَلَى الْإِنْسَانِ فِعْلُهَا وَإِنْكَارُ الْبِدْعِ قُلْتُ وَيُؤَيِّدُهُ مَا مَرَّ مِنْ عَدَمِ تَرْكِ إِتِّبَاعِ الْجَنَازَةِ وَإِنْ كَانَ مَعَهَا نِسَاءٌ نَائِحَاتٌ

”زیارت قبور اس لئے نہ چھوڑ دے کہ وہاں ناجائز کام ہوتے ہیں جیسے کہ عورت مرد کا خلط کیونکہ ان جیسی ناجائز باتوں سے مستحبات نہیں چھوڑے جاتے بلکہ انسان پر ضروری ہے کہ زیارات قبور کرے اور بدعت کو روکے، اسکی تائید گذشتہ مسئلہ کرتا ہے کہ جنازے کے ساتھ جانا نہ چھوڑے اگرچہ اس کے ساتھ نوحہ کرنے والیاں ہوں۔“

فتح مکہ سے پہلے خانہ کعبہ میں بت تھے اور کوہ صفا و مروہ پر بھی بت تھے مگر بتوں کی وجہ سے مسلمانوں نے نہ تو طواف چھوڑا اور نہ عمرہ، ہاں جب اللہ نے قدرت دی تو بتوں کو مٹا دیا، آج بازاروں میں ریل کے سفروں اور دنیاوی جلسوں میں عورتوں مردوں کا اختلاط ہوتا ہے خود حاجیوں کے جہازوں میں بعض وقت طواف میں منیٰ مزدلفہ میں اختلاط مرد و زن ہو جاتا ہے، مگر ان کی وجہ سے اصل شئی کو کوئی منع نہیں کرتا۔ دینی مدارس میں بھی اکثر اوقات بے احتیاطیاں ہو جاتی ہیں مگر ان کی وجہ سے نفس مدرسہ حرام نہیں اسی طرح عرس ہے کہ عورتوں کا وہاں جانا حرام ہے ناچ رنگ حرام ہیں، لیکن ان کی وجہ سے اصل عرس کیوں حرام ہو بلکہ وہاں جا کر ان جیسی ناجائز رسموں کو روکو، لوگوں کو سمجھاؤ، دیکھو جد ابن قیس منافق نے عرض کیا تھا کہ مجھے غزوہ تبوک میں شریک نہ فرمائے کہ روم شام کی عورتیں خوبصورت ہیں اور میں عورتوں کا شیدائی ہوں۔ مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں مگر قرآن کریم نے اس عذر کی تردید فرمائی کہ **الْأَفْتَنَةُ سَقَطُوا وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ** اس عذر کو رب نے کفر اور ذریعہ جہنم بتایا، دیکھو تفسیر کبیر و روح البیان یہی عذر آج دیوبندی محض روکنے کے لئے کرتے ہیں۔

آج بیاہ شادی میں صدہا حرام رسمیں ہوتی ہیں جس سے مسلمان تباہ بھی ہوتے ہیں اور گنہگار بھی لیکن ان رسوم کی وجہ سے کوئی نکاح حرام کہہ کر بند نہیں کرتا۔

قوالی جو آج کل عام طور پر مروج ہے، جس میں گندے مضامین کے اشعار گائے جاتے ہیں اور فاسق اور امردوں کا اجتماع ہوتا ہے اور محض آواز پر رقص ہوتا ہے یہ واقعی حرام ہے لیکن اگر کسی جگہ تمام شرائط سے قوالی ہو گانے والے اور سننے والے اہل ہوں تو اس کو حرام نہیں کہہ سکتے، بڑے بڑے صوفیائے کرام نے خاص قوالی کو اہل کے لئے جائز فرمایا اور نا اہل کو حرام۔ اس کی اصل وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ کتاب المناقب باب مناقب عمرؓ میں ہے، کہ حضور ﷺ کے سامنے ایک لونڈی دف بجارہی تھی، صدیق اکبرؓ آئے تو وہ بجاتی رہی، عثمان غنیؓ آئے بجاتی رہی مگر جب حضرت فاروق اعظمؓ آئے (رضی اللہ عنہم اجمعین) تو دف کو اپنے نیچے ڈال کر بیٹھ گئی۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ عمر! تم سے شیطان خوف کرتا ہے سوال یہ ہے کہ یہ دف بجانا شیطان کا کام تھا یا کہ نہیں، اگر تھا تو کیا حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہم شرکت کیوں کی۔ اور اگر شیطانی کام نہ تھا تو حضور علیہ السلام کے اس فرمان کے کیا معنی؟ جواب وہ ہی ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے آنے سے قبل یہ ہی کام شیطانی نہ تھا ہوتا رہا، اور فاروق اعظمؓ کے آتے ہیں شیطانی بن گیا بند ہو گیا، اسی لئے صوفیاء کرام نے اس پر چھ شرطیں لگائی ہیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مجلس میں کوئی غیر اہل نہ ہو ورنہ شیطان کی اس میں شرکت ہوگی، جیسے کہ مجلس طعام میں اگر کوئی شخص بغیر بسم اللہ کے کھانا شروع کر دے تو شیطان بھی اس میں شریک ہو جاتا ہے اس سے لازم یہ نہیں کہ حضرت فاروق کا درجہ کچھ کم ہے بلکہ صحابہ کرام کے مشرب علیحدہ علیحدہ ہیں بعض پر اتباع غالب بعض پر جذبہ محبت غالب اس لئے اثرات مختلف تھے اگر کوئی غوث یا قطب بغیر بسم اللہ کھانے میں شرکت کریں تو ان میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے اس سے اس غوث کی توہین نہیں ہوتی۔

شامی جلد پنجم کتاب الکراہیت فصل فی اللبس سے کچھ قبل ہے۔ **اَللّٰهُ لَيْسَتْ بِحُرْمَةٍ لِّعَيْنِهَا بَلْ بِقَصْدِ اَلْهُوَ مِنْهَا الْاَتَرَى اَنَّ ضَرْبَ تِلْكَ الْاَلَةِ بِعَيْنِهَا اِحْلَ تَارَةً وَحُرْمَ اُخْرٰی وَفِيْهِ وَلِيْلٌ لِّسَادَاتِنَا الصُّوْفِيَةِ الَّذِيْنَ يَقْضُوْنَ بِسَمَآ عِهَا اُمُوْرًا هُمْ اَعْلَمُ بِهَا فَلَا يَبْدُوْا دِرُ الْمُعْتَرِضُ بِالْاِنْكَارِ كَيْ لَا يَحْرُمُ بَرَكَتَهُمْ فَاِنَّهُمْ السَّادَّةُ الْاٰخِيَارُ** تفسیرات احمدیہ پارہ ۲۱ سورہ لقمان زیر آیت **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ** میں اس قوالی کی بہت تحقیق فرمائی، آخر فیصلہ یہ فرمایا کہ قوالی اہل کے لئے حلال ہے اور نا اہل کو حرام۔ پھر فرماتے ہیں **وَبِهِ نَاخِذُ لَنَا شَهْدَنَا اَنَّهُ نَشَاءُ مِنْ قَوْمٍ كَانُوْا عَارِفِيْنَ وَمُحِبِّيْنَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَانُوْا مَعْدُوْرِيْنَ لِعَبَةِ الْحَالِ وَيَسْتَكْثِرُوْنَ السَّمَاعَ لِلْغِنَاءِ وَكَانُوْا يَحْسَبُوْنَ ذٰلِكَ عِبَادَةً اَعْظَمَ وَجِهًا اَكْبَرَ فَيَحِلُّ لَهُمْ خَاصَّةً اَنْتَهٰی مُلَخَّصًا**

حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ مفت مسئلہ میں بحث قوالی کے متعلق فرماتے ہیں۔ ”محققین کا قول یہ ہے اگر شرائط جو انز جمع ہوں اور عوارض مانع مرتفع ہو جائیں تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ مولوی رشید احمد صاحب فتاویٰ رشید یہ جلد کتاب الخطر والا باحدہ صفحہ ۶۱ پر فرماتے ہیں، بلا مزار میر راگ کا سننا جائز ہے، اگر گانے والا محل فساد نہ ہو اور مضمون راگ کا خلاف شرع نہ ہو اور موافق موسیقی کے ہونا کچھ حرج نہیں، خلاصہ کلام یہ ہوا کہ قوالی اہل کے لئے شرائط کے ساتھ جائز ہے اور بلا شرائط اور نا اہل کے لئے حرام ہے، قوالی کی شرائط علامہ شامی نے اسی کتاب الکراہیت میں چھ بیان فرمائے ہیں مجلس میں کوئی امرد، بے داڑھی کا لڑکا، نہ ہو اور ساری جماعت اہل کی ہو اس میں کوئی نا اہل نہ ہو قوال کی نیت خاص ہو۔ اجرت لینے کی نہ ہو، لوگ بھی کھانے اور لذت لینے کی نیت سے نہ جمع ہوں، بغیر غلبہ کے وحد میں کھڑے نہ ہوں، اشعار خلاف شرع نہ ہوں اور قوالی کا اہل ہو ہے کہ اس کو وجد کی حالت میں اگر کوئی تلوار مارے تو خبر نہ ہو، بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ اہل وہ ہے کہ اگر سار روز تک اس کو کھانا نہ دیا جاوے پھر ایک طرف کھانا ہوا دوسری طرف گانا تو کھانا چھوڑ کر گانا اختیار کرے، ہماری اس گفتگو کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آج کی عام قوالیاں حلال ہیں یا عام لوگ قوالی سنیں بلکہ ہم نے بہت سے مخالفین کو سنا وہ اکابر صوفیائے عظام کو محض قوالی کی بنا پر گالیاں دیتے ہیں، اور قوالی کو مثل زنا کے حرام کہتے ہیں، اس لئے عرض کرنا پڑا کہ خود قوالی نہ سنو مگر اولیاء اللہ جن سے سماع ثابت ہے اُن کو برا نہ کہو۔ قوالی ایک درد کی دوا ہے جس کو درد ہو وہ پیئے جس کو نہ ہو وہ نہ پیئے، حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ نہ اس کا رمی کم نہ اس کا رمی کم۔ ”میں نے لوگوں کو کہتے ہوئے خود سنا کہ حدیث میں چونکہ گانے کی بُرائیاں آگئیں، لہذا اس کے مقابل خواجہ اجیری و امام غزالی کے قول کا اعتبار نہیں یہ سب فاسق تھے، معاذ اللہ۔ ان کلمات سے دکھ پہنچا۔ مختصر یہ مسئلہ لکھ دیا۔

اعتراض ۴ اگر یہ قاعدہ صحیح ہے کہ حلال کام میں حرام مل جانے سے حلال حرام نہیں بن جاتا، تو تعزیہ داری بت پرستوں کے میلے، کھیل تماشے، سنیماتھیر وغیرہ سب جائز ہوئے، کہ ان میں کوئی نہ کوئی کام جائز بھی ہوتا ہی ہے وہاں بھی یہی کہو کہ یہ مجمع حرام نہیں بلکہ ان میں جو مے کام ہیں وہ حرام ہیں جو جائز ہیں وہ حلال نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ جس ولیمہ میں ناچ رنگ دسترخوان پر ہو وہاں جانا منع ہے حالانکہ قبول و دعوت سنت مگر حرام کام کے ملنے سے حرام ہوگئی، اسی طرح عرس بھی ہے مخالفین کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔

جواب ایک تو ہے حرام کا فعل حلال میں شامل ہوتا۔ ایک ہے اس میں داخل ہونا جہاں فعل حرام اس کا جز بن جاوے کہ اس کے بغیر وہ کام ہوتا ہی نہ ہو اور اگر ہوتا ہو تو اس کا یہ نام نہ ہو، اس صورت میں حرام کام حلال کو بھی حرام کر دے گا اگر فعل حرام اس طرح جز ہو کر داخل نہ ہو گیا ہو بلکہ کبھی اس میں ہوتا ہو اور کبھی نہیں جس کو خلط کہتے ہیں، تو یہ حرام اصل حلال کو حرام نہ کر دے گا جیسے کہ پیشاب پکڑے میں لگ گیا اور پانی میں پڑ گیا، کپڑے کا جز نہ بنا، پانی کا جز بن گیا، تو احکام میں بہت فرق پڑ گیا، نکاح، سفر، بازار وغیرہ میں محرمات شامل ہو جاتے ہیں مگر ان کا جز نہیں سمجھے جاتے کہ ان کے بغیر اس کو نکاح ہی نہ کہا جاوے اور تعزیہ داری میں اسراف باجے نا جائز میلے اس طرح جز بن کر داخل ہوئے کہ کوئی تعزیہ داری وغیرہ اس سے خال نہیں ہوتی اور اگر خالی ہو تو اس کو تعزیہ داری نہیں کہتے اگر کوئی شخص کر بلا معلیٰ کا نقشہ بنا کر گھر میں رکھ لے نہ تو زمین میں دفن کرے نہ یہ محرمات ہوں تو جائز ہے کیونکہ غیر جاندار کی تصویر بنانا مباح ہے، الحمد للہ کہ عرس میں ناچ گانا وغیرہ داخل نہیں ہوا بہت سے عرس ان محرمات سے خالی ہوتے ہیں اور ان کو عرس ہی کہا جاتا ہے، سرہند شریف میں مجدد الف چانی صاحب رضی اللہ عنہ کا عرس بالکل محرمات سے خالی ہوتا ہے عام طور پر لوگ حضرت آمنہ خاتون، سیدنا عبداللہ، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا عرس کرتے ہیں، صرف مجلس وعظ اور تقسیم طعام سیرینی ہوتی ہے، نیز ہر دعوت قبول کرنا سنت نہیں، نابالغ بچہ کی دعوت، اہل میت کی مروجہ دعوت اغنیاء کو جس کے یہاں صرف حرام کا ہی مال ہو اس کی دعوت قبول کرنا ناجائز ہے، اسی طرح جس ولیمہ میں ناچ و رنگ خاص دسترخوان پر ہو اس کا قبول کرنا منع ہے، بخلاف زیارت قبور کے کہ وہ بہر حال سنت ہے لہذا حرام کام کے اختلاط سے دعوت تو سنت ہے تو اگر وہاں محرمات ہوں تو اس سے یہ سنت حرام نہ ہوگی، بہت باریک فرق ہے خیال رکھنا چاہیے۔

بحث زیارت قبور کے لئے سفر کرنا

عرس بزرگان اور زیارت قبور کے لئے سفر کرنا بھی جائز اور باعث ثواب ہے دیوبندی وغیرہ اس کو بھی حرام کہتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں پہلے میں جواز کا ثبوت اور دوسرے میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

سفر عرس کے بارے میں

سفر کا حکم اس کے مقصد کی طرح ہے، یعنی حرام کام کے لئے سفر کرنا حرام ہے۔ جائز کے لئے جائز اور سنت کے لئے سنت ہے۔ فرض کے لئے فرض ہے۔ حج فرض کے لئے سفر بھی فرض۔ کبھی جہاد و تجارت کے لئے سفر سنت ہے۔ کیونکہ یہ کام خود سنت ہیں۔ روضہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لئے سفر واجب ہے کیوں کہ یہ زیارت واجب دوستوں کی ملاقات۔ شادی ختنہ میں اہل قرابت کی شرکت۔ اطباء سے علاج کرانے کے لئے سفر کرنا جائز کیونکہ یہ چیزیں خوب جائز ہیں چوری ڈکیتی کے لئے سفر حرام۔ کیونکہ یہ کام خود حرام ہیں۔ غرض کہ سفر کا حکم معلوم کرنا ہو تو اس کے مقصد کا حکم دیکھ لو۔ عرض خاص زیارت قبر کا نام ہے اور زیارت قبر تو سنت ہے لہذا اس کے لئے سفر بھی سنت ہی میں شمار ہوگا۔ قرآن کریم میں بہت سفر ثابت ہیں۔

وَمَنْ يُخْرِجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۱۰۰)

”جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کے لئے اللہ اور رسول کی طرف نکل گیا پھر اسکو موت آگئی تو اس کا اجر عند اللہ ثابت ہو گیا۔“

سفر ہجرت ثابت ہوا لَا يَلْفِ قُرَيْشٌ إِلَّا فِيهِمْ رِحْلَتُهُ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ

”اس لئے کہ قریش کو میل دلایا ان کے جاڑے اور گرمی کے دنوں سفروں میں۔ سفر تجارت ثابت ہوا۔“

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا (پارہ ۱۵ سورہ ۱۸ آیت ۶۰)

”اور یاد کرو جبکہ موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ میں باز نہ رہوں گا جب تک کہ وہاں نہ پہنچوں جہاں دو سمندر ملتے ہیں۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے کے لئے گئے۔ مشائخ کی ملاقات کیلئے سفر کرنا ثابت ہوا۔

يَبْنِيٰ اَذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُوْسُفَ وَ اَخِيهِ وَلَا تَيْسَرُوا مِنْ رُّوْحِ اللّٰهِ (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۸۷)

”اے میرے بیٹو جاؤ یوسف اور ان کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔“

یعقوب علیہ السلام نے فرزندوں کو تلاش یوسف کے لئے حکم دیا۔ تلاش محبوب کے لئے سفر ثابت ہوا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔

اِذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَٰذَا فَالْقُوْهُ عَلَىٰ وَجْهِ اَبِي يَاتِ بِصِيْرًا (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۹۳)

”میرا یہ کرتے لے جاؤ۔ میرے باپ کے منہ پر ڈال دو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔“

علاج کے لئے سفر ثابت ہوا۔ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَىٰ يُوْسُفَ اَوْىٰ اِلَيْهِ (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۶۹)

”پھر جب وہ سب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی۔“

ملاقات فرزند کے لئے سفر ثابت ہوا۔ فرزند یعقوب علیہ السلام نے والد ماجد سے عرض کیا۔

فَارْسِلْ مَعَنَا اِخْوَانًا نَّكْتَلُ وَ اَنَا لَهُ لِحَفْظُوْنَ (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۶۳)

”ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے ہم غلہ لائیں گے اور ان کی ضرورت حفاظت کریں گے۔“

روزی حاصل کرنے کے لئے سفر ثابت ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا۔

اِذْهَبْ اِلَىٰ فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی ”فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔“

تبلیغ کے لئے سفر ثابت ہوا۔ مشکوٰۃ کتاب العلم میں ہے۔

مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ”جو شخص تلاش علم میں نکلا وہ اللہ کی راہ میں ہے۔“

حدیث میں ہے۔ اَطْلُبُو الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِاَلْبَصِيْنِ ”علم طلب کرو اگرچہ چین میں ہو۔ کریم میں ہے۔“

طلب کردن علم شد بر تو فرض

دگر واجب است از پیش قطع ارض

”علم کا طلب کرنا تجھ پر فرض ہے اس کے لئے سفر بھی ضروری ہے طلب علم کے لئے سفر ثابت ہوا۔“

گلستان میں ہے۔

بردا ندر جہاں تفرج کن!

پیش ازان روز کز جہاں بردی

”جاؤ دنیا کی سیر کرو مرنے سے پہلے، سیر کے لئے سفر ثابت ہوا۔ قرآن مجید میں ہے۔“

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ (پارہ ۷ سورہ ۶ آیت ۱۱)

”کفار سے فرما دو کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ کفار کا کیا انجام ہوا۔“

جب ملکوں پر عذاب الہی آیا ان کو دیکھ کر عبرت پکڑنے کے لئے سفر ثابت ہوا۔

جب اس قدر سفر ثابت ہوئے تو مزارات اولیاء کی زیارت کیلئے سفر کرنا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا یہ حضرات طیب روحانی ہیں اور ان کے فیوض مختلف۔ ان کے مزارات پر پہنچنے سے شان الہی نظر آتی ہے کہ اللہ والے بعد وفات بھی دینا پر راج کرتے ہیں اس سے ذوق عبادت پیدا ہوتا ہے ان کے مزارات پر دعا جلد قبول ہوتی ہے۔ شامی جلد اول بحث زیارت قبور میں ہے۔

وَهَلْ تُنْدَبُ الرِّحْلَةُ لَهَا كَمَا اعْتِيدَ مِنَ الرِّحْلَةِ إِلَى زِيَارَةِ خَلِيلِ الرَّحْمَنِ وَ زِيَارَةِ السَّيِّدِ الْبَدَوِيِّ لَمْ أَرَمَنْ صَرَخَ بِهِ مِنْ أَيْمَتِنَا وَمَنْعَ مِنْهُ بَعْضُ الْأَيْمَةِ الشَّافِعِيَةِ قِيَاسًا عَلَى مَنْعِ الرِّحْلَةِ بِغَيْرِ الْمَسْجِدِ الثَّلَاثِ وَرَدَّهُ الْغَزَالِي بِوُضُوحِ الْفَرْقِ

”اور آیا زیارت قبور کے لئے سفر کرنا مستحب ہے جیسے کہ آج کل خلیل الرحمن اور سید بدوی علیہ الرحمۃ کی زیارت کیلئے سفر کرنے کا رواج ہے میں نے اپنے آئمہ میں سے کسی کی تصریح نہیں دیکھی بعض شافعی علماء نے منع کیا ہے مسجد کے سفر پر قیاس کر کے لیکن امام غزالی نے اس منع کی تردید کر دی فرق واضح فرمادیا۔“

شامی میں اس جگہ ہے۔

وَأَمَّا الْإِلْيَاءُ فَإِنَّهُمْ مُتَّفَاوِتُونَ فِي الْقُرْبِ إِلَى اللَّهِ وَ نَفْعُ الزَّائِرِينَ بِحَسَبِ مَعَارِفِهِمْ وَأَسْرَارِهِمْ

”لیکن اولیاء اللہ تقرب الی اللہ و زائرین کو نفع پہنچانے میں مختلف ہیں بقدر اپنے معروف و اسرار کے۔“

مقدور شامی میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقبت میں امام شافعی رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں۔

إِنِّي لَا تَبْرُكُ بِأَبِي حَنِيفَةَ وَ أَجْبَى إِلَى قَبْرِهِ فَإِذَا عَرَضَتْ لِي حَاجَةٌ صَلَّيْتُ وَ كَعْتَيْنِ وَ سَأَلْتُ اللَّهَ عِنْدَ قَبْرِهِ فَتَقْضَى سَرِيعًا

”میں امام ابو حنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر آتا ہوں اگر مجھے کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو دو رکعتیں پڑھتا ہوں اور ان کی قبر کے پاس جا کر اللہ سے دعا کرتا ہوں تو جلد حاجت پوری ہوتی ہے۔“

اس سے چند امور ثابت ہوئے زیارت قبور کے لئے سفر کرنا۔ کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن فلسطین سے بغداد آتے تھے۔ امام ابو حنیفہ کی قبر کی زیارت کے لئے صاحب قبر سے برکت لینا ان کی قبروں کے پاس جا کر دعا کرنا۔ صاحب قبر کو ذریعہ حاجت روائی جانا۔ نیز زیارات روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سفر کرنا ضروری ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الخطر والاباحۃ صفحہ ۵۹ میں ہے ”زیارت بزرگان کے لئے سفر کر کے جانا علماء اہل سنت میں مختلف ہے بعض درست کہتے ہیں اور بعض ناجائز دونوں اہل سنت کے علماء ہیں۔ مسئلہ مختلف ہے اس میں تکرار درست نہیں اور فیصلہ بھی ہم مقلدوں سے محال ہے۔“ رشید احمد غنی عنہ

اب کسی دیوبندی کو حق نہیں کہ سفر عرس سے کسی کو منع کرے کیونکہ مولوی رشید احمد صاحب تکرار کو منع فرماتے ہیں اور اس کا فیصلہ نہیں فرما سکتے۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ سفر زیارت جائز ہو۔ اسلئے کہ ہم عرض کر چکے سفر کی حلت و حرمت اسکے مقصد سے معلوم ہوتی ہے اور سفر کا مقصد تو ہے زیارت قبر۔ اور یہ منع نہیں۔ کیونکہ زیارت قبر کی اجازت مطلقاً ہے۔ **أَلَا فَرَّوْهَا** تو سفر کیوں حرام ہوگا۔ نیز دینی و دنیاوی کاروبار کے لئے سفر کیا ہی جاتا ہے۔ یہ بھی ایک دینی کام کے لئے سفر ہے یہ کیوں حرام ہو؟

دوسرا باب

سفر عرس پر اعتراضات و جوابات میں

مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے۔

اعتراض ۱

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثِ مَسْجِدٍ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَمَسْجِدِي هَذَا

”تین مسجدوں کے سوا اور کسی طرف کا سفر نہ کیا جاوے۔ مسجد بیت اللہ۔ مسجد بیت المقدس، اور میری یہ مسجد۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سوائے ان تین مسجدوں کے اور کسی طرف سفر جائز نہیں اور زیارت قبور بھی ان تینوں کے سوا ہے۔

جواب

اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ ان تین مسجدوں میں نماز کا ثواب زیادہ ملتا ہے چنانچہ مسجد بیت الحرام میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر۔ بیت المقدس اور مدینہ پاک کی مسجد میں ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار کے برابر۔ لہذا ان مساجد میں یہ نیت کر کے دور سے آنا چونکہ فائدہ مند ہے جائز ہے لیکن کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنا یہ سمجھ کر کہ وہاں ثواب زیادہ ملتا ہے محض لغو ہے اور ناجائز کیوں کہ ہر جگہ کی مسجد میں ثواب یکساں ہے جیسے بعض لوگ دہلی کی جامع مسجد میں جمعۃ الوداع پڑھنے کے لئے سفر کر کے جاتے ہیں۔ یہ سمجھ کر وہاں ثواب زیادہ ہوتا ہے یہ ناجائز ہے تو سفر کرنا کسی مسجد کی طرف اور پھر زیادتی ثواب کی نیت سے منع ہوا۔ اگر حدیث کی یہ توجیہ نہ کی جاوے تو ہم پہلے باب میں بہت سے سفر قرآن سے ثابت کر چکے ہیں وہ سب حرام ہو گئے۔ آج تجارت کے لئے، علم دین کے لئے، دنیوی کاموں کے لئے صد ہاتھم کے سفر کرتے ہیں۔ وہ سب حرام ٹھہریں گے۔ چنانچہ اس حدیث کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے ”وبعضہ از علماء گفتہ اند کہ سخن در مساجد است یعنی در مسجدے دیگر جز ایں مساجد سفر جائز نہ باشد و اما مواضع دیگر جز مساجد خارج از مفہوم ایں کلام است۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہاں کام مسجدوں کے بارے میں ہے یعنی ان تین مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کی طرف سفر جائز نہیں مسجد کے علاوہ اور مقامات وہ اس کلام کے مفہوم سے خارج ہیں۔

مرقات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

فِي الشَّرْحِ الْمُسْلِمِ لِلنَّوَوِيِّ قَالَ أَبُو مُحَمَّدٍ يُحْرَمُ شَدُّ الرِّحَالِ إِلَى غَيْرِ الثَّلَاثَةِ وَهُوَ غَلَطٌ وَفِي الْأَحْيَاءِ ذَهَبَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ إِلَى الْأَسْتِدْلَالِ عَلَى الْمَنْعِ مِنَ الرِّحْلَةِ لِزِيَارَةِ الْمَشَاهِدِ وَقُبُورِ الْعُلَمَاءِ وَالصُّلَحِينَ وَمَاتَبَيَّنَ إِلَيَّ أَنَّ الْأَمْرَ لَيْسَ كَذَلِكَ بَلِ الزِّيَارَةُ مَأْمُورٌ بِهَا الْخَبَرُ الْأَفْزُورُ وَهَا إِنَّمَا وَرَدَتْهَا عَنِ الشَّدِّ بِغَيْرِ الثَّلَاثَةِ مِنَ الْمَسْجِدِ لِمَا ثَلَاثُهَا وَأَمَّا الْمَشَاهِدُ فَلَا تُسَاوَى بَلْ بَرَكَةُ زِيَارَتِهَا عَلَى قَدْرِ دَرَجَاتِهِمْ عِنْدَ اللَّهِ هَلْ يَمْنَعُ ذَلِكَ الْقَائِلُ عَنْ شَدِّ الرِّحَالِ بِقُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ كَأَبِرَاهِيمَ وَمُوسَى وَيَحْيَى وَالْمَنْعُ مِنْ ذَلِكَ فِي غَايَةِ الْأَحَالَةِ وَالْأَوْلِيَاءِ فِي مَعْنَاهُمْ فَلَا عَيْبَ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ مِنْ أَغْرَاضِ الرِّحْلَةِ كَمَا أَنَّ زِيَارَةَ الْعُلَمَاءِ فِي الْحَيَاةِ

”نوی کی شرح مسلم میں ہے کہ ابو محمد نے فرمایا کہ سوائے ان تین مساجد کے اور طرف سفر کرنا حرام ہے مگر یہ محض غلط ہے احیاء العلوم میں ہے کہ بعض علماء متبرک مقامات اور قبور علماء کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو منع کرتے ہیں جو مجھ کو تحقیقی ہوئی وہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ زیارت قبور کا حکم ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے کہ **الافزور دھا** ان تین مساجد کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف سفر کرنے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ تمام مسجدیں یکساں ہیں لیکن مقامات متبرکہ یہ برابر نہیں بلکہ ان کی برکات بقدر درجات ہیں کیا یہ مانع انبیائے کرام کی قبور کے سفر سے بھی منع کریگا جیسے حضرت ابراہیم و موسیٰ و یحییٰ علیہم السلام اس سے منع کرنا سخت دشوار ہے اور اولیاء اللہ بھی انبیاء کے حکم میں ہیں پس کیا بعید ہے کہ ان کی طرف سفر کرنے میں بھی کوئی خاص غرض ہو۔ جیسا کہ علماء کی زندگی میں ان کی زیارت کرنا۔

اسی مشکوٰۃ کتاب الجہاد فی فضاء میں ہے۔

لَا تَرْكَبُ الْبَحْرَ إِلَّا حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا أَوْ غَزِيًّا فَإِنْ تَحْتَ الْبَحْرِ نَارًا وَتَحْتَ النَّارِ بَحْرًا

”دریا میں سوار نہ ہو مگر حاجی یا عمرہ کرنے والا کہیئے کیا سوائے تینوں کے اوروں کو سفر دریا حرام ہے۔“

غرض کہ حدیث کا وہی مطلب ہے جو کہ ہم نے عرض کر دیا۔ ورنہ دنیا کی زندگی مشکل ہو جاوے گی۔

اعتراض ۲

رب ہے وہ ہر جگہ ہے۔

اللہ ہر جگہ ہے اس کی رحمت ہر جگہ پھر کسی چیز کو ڈھونڈنے کے لئے اولیاء کے مزاروں پر سفر کر کے جاتے ہیں دینے والا

جواب

اولیاء اللہ کی رحمت رب کے دروازے ہیں۔ رحمت دروازوں ہی سے ملتی ہے ریل اپنی پوری لائن سے گزرتی ہے مگر اس کو حاصل کرنے کے لئے اسٹیشن پر جانا ہوتا ہے اگر اور جگہ لائن پر کھڑے ہو گئے تو ریل گزریگی تو سہی مگر تم کو نہ ملے گی۔ آج دنیاوی مقاصد، نوکری، تجارت وغیرہ کیلئے سفر کیوں کرتے ہو۔ خدا رازق ہے وہ ہر جگہ دے گا۔ طبیب کے پاس بیمار سفر کر کے کیوں آتے ہیں خدا شافی الامراض ہے اور وہ تو ہر جگہ ہے آپ وہاں بدلنے کے لئے پہاڑ اور کشمیر کا سفر کیوں کرتے ہو، وہاں کی آب و ہوا تو تندرستی کو مفید ہو۔ لیکن اولیاء کے مقامات کی آب و ہوا ایمان کو مفید نہ ہو۔ رب نے موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس کیوں بھیجا؟ وہ سب کچھ ان کو یہاں ہی دے سکتا تھا۔ قرآن کریم میں ہے

هٰذَا لَكَ دَعَا ذِكْرِيَا بَه معلوم ہوا کہ ذکر یا علیہ السلام نے حضرت مریم کے پاس کھڑے ہو کر بچے کے لئے دعا کی یعنی ولیہ کے پاس دعا کرنا باعث قبول ہے۔ معلوم ہوا کہ قبور اولیاء کے پاس دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

اعتراض ۳

جس درخت کے نیچے بیت الرضوان ہوئی تھی لوگوں نے اس کو زیارت گاہ بنا لیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے اس کو کٹوا دیا تو قبور اولیاء کو زیارت گاہ بنانا فعل عمر کے خلاف ہے۔

جواب

یہ محض غلط ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو ہرگز نہیں کٹوایا، بلکہ وہ اصل درخت قدرتی طور پر لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو گیا تھا۔ اور لوگوں نے اس کے دھوکے میں دوسرے درخت کی زیارت شروع کر دی تھی۔ اس غلطی سے بچانے کے لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس دوسرے درخت کو کٹوایا۔ اگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تبرکات کی زیارت کے مخالف ہوتے تو حضور علیہ السلام کے ہال مبارک تہ بند شریف اور قبر انور سب ہی تو زیارت گاہ بنی ہوئی تھیں۔ ان کو کیوں باقی رہنے دیا۔

مسلم جلد دوم کتاب الامارات باب بیان بیعت الرضوان۔ بخاری جلد دوم باب غزوہ الحديبية میں ابن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

كَانَ أَبِي مَمْنَانَ بَايَعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الشَّجَرَةِ قَالَ فَانْطَقْنَا فِي قَابِلٍ حَاجِّينَ فَخَفِيَ عَلَيْنَا مَكَانُهَا.

”میرے والد بھی ان میں سے ہیں جنہوں نے حضور علیہ السلام سے درخت کے پاس بیعت کی تھی انہوں نے فرمایا کہ ہم سال آئندہ حج کے لئے گئے تو۔ تو اسکی جگہ ہم پر مخفی ہو گئی۔“

بخاری میں ہے۔ **فَلَمَّا خَرَّ جَنَّامِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ نَسِينَا هَا فَلَمْ نَقْدِرْ عَلَيْهَا**

”پس جبکہ ہم سال آئندہ گئے تو اس کو بھول گئے اور اس کو پانا نہ سکے۔“

پھر یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اصل درخت کٹوا دیا۔

بحث کفن یا الفی لکھنے کا بیان

اس بحث میں دو مسئلے ہیں اولاً تو قبر میں شجرہ یا غلاف کعبہ یا عہد نامہ یا دیگر تبرکات کا رکھنا۔ دوم مردے کے کفن یا پیشانی پر انگلی یا مٹی یا کسی چیز سے عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ یہ دونوں کام جائز اور احادیث صحیحہ اقوال فقہاء سے ثابت ہیں۔ مخالفین اسکے منکر ہیں۔ لہذا اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں پہلے باب میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

کفنی یا الفی لکھنے کے ثبوت میں

قبر میں بزرگان دین کے تبرکات اور غلاف کعبہ و شجرہ یا عہد نامہ رکھنا مردہ کی بخشش کا وسیلہ ہے قرآن فرماتا ہے **وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ** یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے فرمایا تھا **اذْهَبُوا بِقِمِيمِي** **هَذَا فَالْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا** میری قمیص لے جا کر والد ماجد کے منہ پر ڈال دو وہ اکھیرے ہو جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں کا لباس شفا بخشتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تھی۔ تو امید ہے کہ بزرگوں کا نام مردے کی عقل کھول دے اور جوابات یاد آجائیں۔

مشکوٰۃ باب غسل میت میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایات ہیں کہ جب ہم زینب بنت رسول علیہ السلام کو غسل دے کر فارغ ہوئے تو نبی کریم ﷺ کو خبر دی۔ ہم کو حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف دیا اور فرمایا کہ اس کو تم کفن کے اندر جسم میت سے متصل رکھ دو۔ اس کے ماتحت لمعات میں ہے۔

هَذَا الْحَدِيثُ أَصْلٌ فِي التَّبَرُّكِ بِأَثَارِ الصُّلَحِينَ وَلِبَاسِهِمْ كَمَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ مُرِيدِي الْمَشَائِخِ مِنَ لَبَسِ أَقْمِصِهِمْ فِي الْقَبْرِ

”یہ حدیث صالحین کی چیزوں اور انکے کپڑوں سے برکت لینے کی اصل ہے جیسا کہ مشائخ کے بعض مریدین قبر میں مشائخ کے کرتے پہنا دیتے ہیں۔“ اسی حدیث کے ماتحت اشعۃ اللمعات شریف میں ہے ”دریں جا استحباب تبرک است بلباس صلحین واثار ایشان بعد از موت قبر میں بھی برکت لینا مستحب ہے جیسا کہ موت سے پہلے تھا یہی شیخ عبدالحق دہلوی اخبار الاخیار میں اپنے والد ماجد سیف الدین قادری قدس سرہ کے احوال میں فرماتے ہیں۔“ چوں وقت رحلت قریب تر آمد فرمودند کہ بعض ایبات و کلمات کہ مناسب معنی عنووا شعرا اور کلمات جو کہ عنود بخش کے مناسب ہوں کسی کاغذ پر لکھ کر میرے کفن میں ساتھ رکھ دینا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں ”شجرہ در قبر نہاں معمول بزرگان است لیکن اس را دو طریق است اول اینکه بر سینہ مردہ درون کفن یا بالاء کفن گذارند اس طریق را فقہاء منع مے کنند و طریق دوم اس است کہ جانت سر مردہ اندرون قبر طاقچہ بگزارند دوران کاغذ شجرہ را نہند۔“ قبر میں شجرہ رکھنا بزرگان دین کا معمول ہے لیکن اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ مردے کے سینہ پر کفن کے اوپر یا نیچے رکھیں اس کو فقہاء منع کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مردے کے سر کی طرف قبر میں طاقچہ بنا کر شجرہ کا کاغذ اس میں رکھیں۔ مشکوٰۃ باب غسل المیت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام عبداللہ ابن ابی کی قبر پر تشریف لائے جبکہ وہ قبر میں رکھا جا چکا تھا۔ اس کو نکلوا یا۔ اس پر اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اور اپنی قمیص مبارک اس کو پہنائی۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب من اعد الکفن میں ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام تہبند شریف پہنے ہوئے باہر تشریف لائے۔ کسی نے وہ تہبند شریف حضور علیہ السلام سے مانگ لیا۔ صحابہ کرام نے اس سے کہا کہ حضور علیہ السلام کو اس وقت تہبند کی ضرورت تھی اور سائل کو رد کرنا عادت کریمہ نہیں تم نے کیوں مانگ لیا۔ انہوں نے کہا۔

وَاللّٰهُ مَا سَأَلْتُهُ لَا لِبِسَہَا اِنَّمَا سَأَلْتُهُ لِتَكُوْنُ کَفْنِیْ قَالَ سَهْلٌ فَكَانَتْ کَفْنُہٗ

”اللہ کی قسم میں نے پہنے کے لئے نہیں لیا ہے میں نے تو اس لئے لیا ہے کہ یہ میرا کفن ہو سہل فرماتے ہیں کہ وہی اس کا کفن ہوا۔“

ابو نعیم نے معرفۃ الصحابہ میں اور وہابی نے مسند الفردوس میں بسند حسن عبداللہ بن عباس سے روایت کی کہ سیدنا علی کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد کو حضور علیہ السلام نے اپنی قمیص میں کفن دیا اور کچھ دیر ان کی قبر میں خود لیٹے پھر ان کو دفن کیا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا۔

اِنِّی الْبَسْتُہَا لِتَلْبَسَ مِنْ ثِیَابِ الْجَنَّةِ وَ اَصْطَجَعْتُ مَعَهَا فِی قَبْرِہَا لِأَخْفَفَ عَنْہَا ضَغْطَةُ الْقَبْرِ

”قمیص تو اس لئے پہنائی کہ انکو جنت کا لباس ملے اور انکی قبر میں آرام اس لئے فرمایا کہ ان سے تنگی قبر دور ہو۔“

ابن عبدالبر نے کتاب الاستعیاب فی معرفۃ الصحابہ میں فرمایا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بوقت انتقال وصیت فرمائی کہ مجھ کو حضور علیہ السلام نے اپنا ایک کپڑا عنایت فرمایا تھا وہ میں نے اسی دن کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ اس قمیص پاک کو میرے کفن کے نیچے رکھ دینا۔

وَأَخَذَ ذَلِكَ الشَّعْرَ وَالْأَظْفَارَ فَأَجْعَلَهُ فِي فَمِيَّ وَ عَلَى عَيْنِي وَمَوَاضِعِ السُّجُودِ مِنِّي

”اور ان مبارک بالوں اور ناخنوں کو لو۔ اور انکو میرے منہ میں اور میری آنکھوں پر اور میرے اعضاء مجیدہ پر رکھ دینا۔“

حاکم نے مستدرک میں حمید ابن عبدالرحمن رواہی سے نقل کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ مشک تھا وصیت فرمائی مجھ کو اس سے خوشبو دینا اور فرمایا کہ یہ حضور علیہ السلام کی خوشبو کا بچا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر حوالے بھی پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اسی پر قناعت کرتا ہوں۔ زیادہ تحقیقات منظور ہو تو الحرف الحسن مصنفہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا مطالعہ کریں۔

میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ اسی طرح عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے۔ خواہ انگلی سے لکھا جاوے یا کسی اور چیز سے۔ امام ترمذی حکیم ابن علی نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

مَنْ كَتَبَ هَذَا الدُّعَاءَ وَجَعَلَهُ بَيْنَ صَدْرِ الْمَيِّتِ وَكَفَنِهِ فِي رُقْعَةٍ لَمْ يَنْلُهُ عَذَابُ الْقَبْرِ وَلَا يَزِي مُنْكَرًا وَنَكِيرًا

”جو شخص اس دعا کو لکھے اور میت کے سینے اور کفن کے درمیان کسی کاغذ میں لکھ کر رکھے تو اس کو عذاب قبر نہ ہوگا اور نہ منکر نکیر کو دیکھے گا۔“
فتاویٰ کبریٰ المکی میں اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا۔

أَنَّ هَذَا الدُّعَاءَ لَهُ أَصْلٌ وَأَنَّ الْفَقِيهَ ابْنَ عَجِيلٍ كَانَ يَأْمُرُ بِهِ ثُمَّ أَفْنَى بِجَوَازِ كِتَابَتِهِ قِيَاسًا عَلَى كِتَابَةِ اللَّهِ فِي نَعْمِ الزَّكَاةِ.

”اس دعا کی اصل ہے اور فقیہ ابن عجل اس کا حکم دیتے تھے اور اسکے لکھنے کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے اس قیاس پر کہ زکوٰۃ کے اونٹوں پر اللہ لکھا جاتا ہے۔“
وہ دعا یہ ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

الحرف الحسن میں ترمذی سے نقل کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی عہد نامہ پڑھے تو فرشتہ اسے مہر لگا کر قیامت کے لئے رکھ لے گا۔ جب بندے قبر سے اٹھائے جائیں گے تو فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لا کر نداء کرے گا کہ عہد والے کہاں ہیں؟ ان کو یہ عہد نامہ دیا جاوے گا امام ترمذی نے فرمایا کہ وَعَنْ طَاوُسٍ أَنَّهُ أَمَرَ بِهَذَا الْكَلِمَةِ فُكِّتَ فِي كَفَنِهِ (الحرف الحسن) حضرت طاووس سے مروی ہے کہ انہوں نے حکم دیا تو ان کے کفن میں یہ کلمات لکھے گئے۔ وجہ امام کروری کتاب الاستحسان میں ہے۔

ذَكَرَ الْإِمَامُ الصَّفَّارُ لَوْ كَتَبَ عَلَى جَبْهَةِ الْمَيِّتِ أَوْ عَلَى عِمَامَتِهِ أَوْ كَفَنِهِ عَهْدَ نَامِهِ يُرْجَى أَنْ يَغْفَرَ اللَّهُ تَعَالَى لِلْمَيِّتِ وَيَجْعَلَهُ أَمْنًا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ.

”امام صفار نے فرمایا کہ اگر میت کی پیشانی یا عمامے یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا تو امید ہے کہ خدا میت کی بخشش فرما دے اور عذاب قبر سے امن دے۔“
در مختار جلد اول باب الشہید سے کچھ قبل ہے۔

كَتَبَ عَلَى جَبْهَةِ الْمَيِّتِ أَوْ عِمَامَتِهِ أَوْ كَفَنِهِ عَهْدَ نَامِهِ يُرْجَى أَنْ يَغْفَرَ اللَّهُ لِلْمَيِّتِ

”میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید ہے کہ رب تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے۔“

در مختار میں اسی جگہ ایک واقعہ نقل فرمایا کہ کسی نے وصیت کی تھی کہ اس کے سینہ یا پیشانی پر بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ لکھ دی جاوے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ کیا گزری؟ اس نے کہا کہ بعد دفن ملائکہ عذاب آئے مگر جب انہوں نے بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی تو کہا کہ عذاب الہی سے بچ گیا۔ فتاویٰ بزازیہ میں کتاب الجنايات سے کچھ قبل ہے۔

أَذَكَرَ الْإِمَامُ الصَّفَّارُ لَوْ كَتَبَ عَلَى جَبْهَةِ الْمَيِّتِ أَوْ عَلَى عِمَامَتِهِ أَوْ كَفَنِهِ عَهْدَ نَامِهِ يُرْجَى أَنْ يَغْفَرَ اللَّهُ تَعَالَى لِلْمَيِّتِ وَيَجْعَلَهُ أَمْنًا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ نَصِيرُ هَذِهِ رَوَايَةٌ فِي تَجْوِيزِ ذَلِيلٍ وَقَدْ رَوَى أَنَّهُ كَانَ مَكْتُوبًا عَلَى أَفْحَاذِ أَفْرَاسٍ فِي أَصْطَبَلِ الْفَارُوقِ حُبْسٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

”اگر میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید ہے کہ اللہ اس کی بخشش کر دے اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ امام نصیر نے فرمایا کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ لکھنا جائز ہے۔ اور مروی ہے کہ فاروق کے اصطل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا۔ **حَسَنٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ** ان کے علاوہ اور بہت سی روایت فقہ پیش کی جاسکتی ہیں مگر ان ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ زیادہ تحقیقی کے لئے الحرف الحسن یا فتاویٰ رضویہ شریف کا مطالعہ کرو۔“ عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ عہد نامہ وغیرہ لکھنا یا قبر میں رکھنا جائز ہو چند وجوہ سے۔ اولاً تو یہ کہ جب قبر کے اوپر سبز گھاس و پھول کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے تو قبر کے اندر جو تسبیح وغیرہ لکھی ہوئی ہے اس سے فائدہ کیوں نہ پہنچے گا؟ دوم اس لئے کہ قبر کے باہر سے میت کو تلقین کرنے کا حکم ہے کہ اللہ کا نام اس کے کان میں پہنچ جاوے تاکہ اس امتحان میں کامیاب ہو تو وہ ہی اللہ کا نام لکھا ہوا دیکھ کر بھی مردے کو جواب نکیرین یاد آنے کی امید ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی تلقین ہے اور حدیث **لَقِّنُوا أَمْوَاتَكُمْ** میں تلقین مطلق ہے ہر طرح درست ہے لکھ کر یا کہہ کر۔ تیسرے اس لئے کہ اللہ والوں کے نام کی برکت سے مصیبت ملتی ہے۔ جلی ہوئی آگ بجھتی ہے۔ گھبرایا ہوا دل قرار پاتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ** اللہ کے ذکر سے دل چین میں آتے ہیں۔ تفسیر نیشاپوری و روح البیان سورہ کہف زیر آیت **مَا يَعْلَمُ إِلَّا قَلِيلٌ** اور تفسیر صاوی شریف میں اسی آیت کے ماتحت ہے کہ اصحاب کہف کے نام اتنی جگہ کام آیت ہیں گئی ہوئی چیز تلاش کرنا۔ جنگ کے وقت۔ بھاگتے وقت۔ آگے بھگانے کے لئے ایک کاغذ پر لکھ کر آگ میں ڈال دو۔ بچہ کے رونے کے وقت لکھ کر گہوارے میں بچہ کے سر کے نیچے رکھ دیئے جاویں۔ اور کھیتی کے لئے اگر کسی کاغذ پر لکھ کر لکڑی میں لگا کر درمیان کھیت میں کھڑی کر دی جاوے۔ اور بخار، درد سر کے لئے۔ حاکم کے پاس جانے کے وقت سیدی ران پر لکھ کر باندھے۔ مال کی حفاظت کیلئے۔ دریا میں سوار ہوتے وقت اور قتل سے بچنے کے لئے۔ (از الحرف الحسن و تفسیر غزائن العرقان و جمل) عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف سات ہیں۔ یملیخا، مکھیلینا، مٹھلینا، مرنوش، وبرنوش، شاذنوش، مرطوش (روح البیان سورہ کہف آیت **مَا يَعْلَمُ إِلَّا قَلِيلٌ**) محدثین کبھی اسناد صحیح نقل کر کے فرمادیتے ہیں **لَوْ قُرِئَتْ هَذِهِ الْأَسْنَادُ عَلَى مَجْنُونٍ لَبَرَأَ مِنْ جُنَّتِهِ** اگر یہ اسناد کسی دیوانے پر پڑھی جائے تو اس کو آرام ہو جاوے اسناد میں کیا ہے بزرگان دین، راویان حدیث کے نام ہی تو ہیں۔ اصحاب بدر کے ام کے وظیفے پڑھے جاتے ہیں۔ تو زندگی میں تو ان بزرگوں کے نام فائدہ مند ہوں۔ اور بعد موت بیکار ہوں یہ نہیں ہو سکتا ضرور ان سے فائدہ ہوگا۔ لہذا میت کے لئے کفن وغیرہ پر ضرور عہد نامہ لکھا جائے۔

دوسرا باب

کفنی لکھنے پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر حسب ذیل اعتراضات ہیں۔

اعتراض ۱ وہی پرانا سبق کہ کفنی (الفی) لکھنا بدعت ہے لہذا حرام ہے۔

جواب ہماری گذشتہ تقریر سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ بدعت نہیں۔ اس کی اصل ثابت ہے اور اگر بدعت بھی ہو۔ تو ہر بدعت حرام نہیں۔ دیکھو ہماری بدعت کی تحقیق۔

اعتراض ۲ کفنی کو تلقین سمجھنا غلط ہے کیونکہ اگر مردہ اُن پڑھ ہے تو سوالات کے وقت لکھا ہوا کیسے پڑھے گا۔

جواب بعد موت ہر شخص تحریر پڑھ سکتا ہے۔ جہالت اس عالم میں ہو سکتی ہے وہاں نہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے (دیکھو شامی کتاب الکراہیت) حالانکہ بہت سے جنتی دنیا میں عربی سے ناواقف ہیں اسی طرح ہر مردے سے عربی میں ملائکہ سوال کرتے ہیں اور وہ عربی سمجھ لیتا ہے۔ رب تعالیٰ نے یشاق کے دن عربی ہی میں سب سے عہد و پیمان لیا تو کیا مرنے کے بعد میت کو کسی مدرسہ میں عربی پڑھائی جاتی ہے؟ نہیں بلکہ خوب بخود آ جاتی ہے۔ قیامت کے دن سب کو نامہ اعمال لکھے ہوئے دیئے جائیں گے۔ اور جاہل و عالم سب ہی پڑھیں گے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص عربی سمجھتا ہے اور لکھا ہوا پڑھ لیتا ہے لہذا یہ تحریر اس کے لئے مفید ہے۔

اعتراض ۳ علامہ شامی نے شامی جلد اول میں باب التثبید کے کچھ عرصہ قبل کفن پر لکھنے کو منع فرمایا۔ اسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاویٰ عزیز یہ میں اس کو منع فرمایا کیوں کہ جب میت پھولے پھٹکی تو اس کے پیپ و خون میں یہ حروف خراب ہوں گے۔ اور ان کی بے ادبی ہوگی۔ لہذا یہ ناجائز ہے۔ (حاشیہ عالم طور پر یہی سوال کرتے ہیں)

جواب ناس کے چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں دعویٰ تو یہ ہے کہ قبر میں کسی قسم کی تحریر رکھنا جائز نہیں مگر اس دلیل سے معلوم ہوا کہ روشنائی یا مٹی سے لکھ کر کفن میں رکھنا منع ہے اور اگر انگلی سے میت کی پیشانی یا سینے پر کچھ لکھ دیا یا کہ عہد نامہ قبر میں طاقچہ میں رکھ دیا تو

جائز۔ اس میں حروفوں کی بے ادبی کا اندیشہ نہیں۔ لہذا یہ اعتراض آپ کے لئے کافی نہیں۔ دوم یہ کہ علامہ شامی نے مطلقاً تحریر کو منع نہ فرمایا۔ اسی مقام پر خود فرماتے ہیں۔

نَعَمْ نُقِلُ عَنْ بَعْضِ الْمُحَاشِينَ عَنْ فَوَائِدِ الشَّرْحِ أَنَّ مِمَّا يُكْتَبُ عَلَى جَبْهَةِ الْمَيِّتِ بِغَيْرِ مَدَادٍ بِالْأَصْبَحِ الْمُسَبَّحَةِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَالصَّدْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَذَلِكَ بَعْدَ اغْسَلِ قَبْلَ التَّكْفِينِ

”بعض محققین نے فوائد الشرحی سے نقل کیا کہ میت کی پیشانی پر انگلی سے بغیر روشنائی لکھ دیا جاوے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اور سینے پر لکھ دیا جاوے۔

لا اله الا الله محمد رسول الله ﷺ اور یہ تحریر غسل کے بعد کفن دینے سے پہلے ہو۔“

معلوم ہوا کہ تحریر کو مطلقاً منع نہیں فرمایا۔ تیسرے یہ کہ علامہ شامی نے فتاویٰ بزازیہ سے فتویٰ جواز نقل فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکابر حنفیہ جواز کے قائل ہیں اور فتاویٰ ابن حجر نے فتویٰ حرمت نقل کیا ابن حجر شافعی ہیں۔ تو کیا احناف کے حکم مقابل شوافع کے فتوے پر عمل ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ نیز فتویٰ حرمت صرف شیخ ابن حجر کا اپنا قول ہے کسی سے نقل نہیں فرماتے چوتھے یہ کہ میت کے پھولنے پھٹنے کا یقین نہیں بہت سی میتیں نہیں پھولتی پھشتیں۔ تو صرف بے ادبی کے وہم سے مردہ کو فائدہ سے محروم رکھنا کہاں کا انصاف ہے؟ پانچویں یہ کہ ہم نے پہلے باب میں صحابہ کرام کے افعال نقل کئے کہ انہوں نے اپنے کفنوں میں حضور علیہ السلام کے تبرکات رکھنے کی وصیت کی۔ خود حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف اپنے لخت جگر زینب بنت رسول اللہ ﷺ کے کفن میں رکھوایا۔ حضرت طاؤس نے اپنے کفن پر دعائیہ کلمات لکھنے کی وصیت کی۔ کہیے کیا یہاں خون و پیپ میں لتھڑے کا اندیشہ نہ تھا؟ یا کہ یہ چیزیں معظم یہ تھیں چھٹے یہ کہ مسئلہ شرعی یہ کہ تبرک چیزوں کا نجاست میں ڈالنا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اچھی نیت سے پاک جگہ ضرورتاً رکھے تو صرف احتمال تلوث سے وہ ناجائز نہیں ہوگا۔ اس کے بہت سے دلائل ہیں آب زمزم نہایت تبرک پانی ہے اس سے استنجا کرنا حرام ہے مگر اس کا پینا جائز۔ آیات قرآنیہ لکھ کر دھو کر پینا مباح۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پس خوردہ مبارک کھانا پینا جائز حلال۔ حالانکہ یہ پیٹ میں پہنچ کر مٹانہ میں جاتے ہیں اور وہاں سے پیشاب بن کر خارج ہوں گے۔ پہلے باب میں ہم نقل کر چکے۔ کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اصطلیل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا۔ **حَسْبُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ** حالانکہ وہاں لکھنے میں پیشاب کی تھیں پڑنے کا احتمال قوی ہے گھوڑے نجس زمین پر بھی لوٹے ہیں مگر اس کا اعتبار نہ ہوا۔ اسی دلیل سے امام نصیر اور امام صفار جو کہ احناف کے جلیل القدر امام ہیں اس تحریر کو جائز فرماتے ہیں۔ رہا شیخ ابن حجر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ فاروق اعظم کے گھوڑوں کی یہ تحریر اتیا کے لئے تھی لہذا اس کا حکم اور ہو گیا یہ صحیح نہیں کیوں کہ کسی مقصد کیلئے ہو حروف تو وہ ہی نیت کے فرق سے حروف کا حکم نہیں بدلتا۔ غرض کہ یہ اعتراض محض لغو ہے۔ حدیث اور عمل صحابہ اور اقوال آئمہ کے مقابلہ میں کسی غیر مجتہد شافعی المذہب کا محض قیاس معتبر نہیں۔ ہاں کسی امام حنفی کا قول یا کہ صریح حدیث ممانعت پیش کرو۔ اور وہ تو نہ ملے گی۔ ساتویں یہ کہ علماء کے قول سے استنباب یا جواز ثابت ہو سکتا ہے مگر کراہیت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے، جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ تو ان اقوال میں قول استنباب قابل قبول ہے نہ کہ یہ قول کراہت کیوں کہ بلا دلیل ہے۔

اعتراض ۴ عہد نامہ یا شجرہ قبر میں رکھنا اسراف ہے کیونکہ وہاں رہ کر کسی کے کام تو آویگا نہیں برباد ہو جاوے گا اور اسراف حرام ہے۔

جواب چونکہ اس سے میت کو بہت سے فائدے ہیں اور میت کے کام آتا ہے لہذا بیکار نہیں تو اسراف بھی نہیں۔

اعتراض ۵ حضور علیہ السلام نے عبد اللہ ابن ابی منافق کو اس کے مرنے کے بعد اپنی قمیص پہنائی اور اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا مگر اسے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ کفنی بیکار ہے۔ نیز پتہ لگا کہ حضور کو علم غیب نہیں۔ ورنہ آپ اس کو اپنا لعاب دہن و لباس نہ دیتے۔ نیز معلوم ہوا کہ نبی کے اجزائے بدن دوزخ میں جا سکتے ہیں۔ کیوں کہ عبد اللہ ابن ابی منافق دوزخی ہے اور اس کے منہ میں حضور کا لعاب۔ لہذا لعاب بھی وہاں ہی پہنچا۔

جواب اس واقعہ سے تو کفنی دینے کا ثبوت ہوا کیوں کہ حضور علیہ السلام نے منافق کو اپنی قمیص بطور کفنی ہی پہنائی تھی۔ وہاں یہ معلوم ہوا کہ ایمان کے بغیر یہ تبرکات مفید نہیں۔ کیونکہ یہ عقائد کا مسئلہ ہے جس کا علم نبی کو ضروری ہے۔ جب کسان بنجر و قابل پیداوار زمین کو پہنچاتا ہے تو نبی ایمان کی زمین یعنی انسانی دلوں کو کیوں نہ جانیں۔ تین وجہ سے آپ نے اسے تبرکات دیئے ایک تو اس کا بیٹا مخلص مومن تھا جس کی دلجوئی منظور تھی، دوسرے اس نے ایک بار حضرت عباس کو اپنی قمیص پہنائی تھی۔ آپ نے چاہا کہ میرے چچا پر اس کا احسان نہ رہ جائے۔ تیسرے اپنے رحمت عالم ہونے کا اظہار کیا تھا کہ ہم تو ہر ایک پر کرم فرمانے کو تیار ہیں کوئی فیض لے لے۔ بادل ہر زمین پر برستا ہے مگر تالی وغیرہ گندی زمین اس سے فائدہ نہیں لیتی۔ نبی کے اجزائے بدن اسی حالت میں رہ کر دوزخ میں نہیں جا سکتے۔ ملائکہ نے وہ لعاب اس کے منہ میں جذب نہ ہونے دیا بلکہ نکال دیا ہوگا۔ کنعان ابن نوح کا دوزخ میں جانا شکل انسانی میں ہے یعنی وہ نطفہ جب کچھ اور بن گیا تب جہنم میں گیا۔ ورنہ حضرت طلحہ نے حضور کے فصد کا خون پیا تو فرمایا کہ تم پر آتش دوزخ حرام ہے۔

بحث بلند آواز سے ذکر کرنا

پنجاب وغیرہ میں قاعدہ ہے کہ بعد نماز فجر وعشاء بلند آواز میں درود شریف پڑھتے ہیں مخالفین اس کو حرام کہتے ہیں اور طرح طرح کے حیلوں سے اس کو روکنا چاہتے ہیں ایک حیلہ یہ کہ ذکر بالجہر بدعت ہے اصول حنفیہ کے خلاف ہے۔ اس سے نمازی لوگ نماز میں بھول جاتے ہیں۔ لہذا یہ حرام ہے ذکر بالجہر جائز بلکہ بعض موقعوں پر ضروری ہے لہذا اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

ذکر بالجہر کے ثبوت میں

ذکر بالجہر جائز ہے اور قرآن وحدیث واقوال علماء سے ثابت ہے قرآن فرماتا ہے **فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ اِٰبَاءَكُمْ اَوْ اَشْهَدُ ذِكْرَ اللَّهِ** کا اس طرح ذکر کرو جس طرح اپنے باپ داداؤں کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے زیادہ کفار مکہ حج سے فارغ ہو کر جمعوں میں اپنی قومی خوبیاں اور نسی عظمیتیں بیان کرتے تھے اس کو منع فرمایا۔ اور اسکی جگہ ذکر اللہ کرنے کا حکم دیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بالجہر ہی ہوگا۔ اسی لئے تلبیہ بلند آواز سے پڑھنا سنت ہے خاص کر جماعتوں کے ملنے کے وقت۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (پارہ ۹ سورہ ۷۷ آیت ۲۰۳)

”جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔“

معلوم ہوا کہ بلند آواز سے تلاوت جائز ہے۔ ذکر بالجہر ہی سنا جاسکتا ہے نہ کہ ذکر خفی (تفسیر کبیر یہی آیت) مکثوۃ باب الذکر بعد الصلوۃ میں ہے۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ صَلَوةٍ يَقُولُ بِصَوْتِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ

”حضور علیہ السلام جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے فرماتے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ** مکثوۃ میں اسی جگہ ہے۔“

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ ق. اَل كُنْتُ اَعْرِفُ اِنْقِضَاءَ صَلَوةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيرِ

”عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں تکبیر کی آواز سے حضور علیہ السلام کی نماز کا اختتام معلوم کرتا تھا۔“

یعنی عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بوجہ صغریٰ کے بعض جماعت نماز میں حاضر نہ ہوتے تھے فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد مسلمان اس قدر بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے کہ ہم گھروں کے لوگ سمجھ جاتے تھے کہ اب نماز ختم ہوئی۔

لمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ لَمِيحْضِرِ الْجَمَاعَةَ لِأَنَّهُ كَانَ صَغِيرًا مِمَّنْ لَا يُؤَاطِبُ عَلَى ذَلِكَ

”حضرت ابن عباس بچے تھے اس لئے جماعت پابندی سے نہ آتے تھے۔“

مسلم جلد اول باب الذکر بعد الصلوۃ میں ان ہی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ۔

إِنَّ رَفَعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حِينَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ كَانَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

”یعنی فرائض سے فارغ ہو کر بلند آواز سے ذکر اللہ کرنا حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مروج تھا۔ مکثوۃ باب ذکر اللہ عزوجل میں ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔“

فَإِنْ ذَكَرْنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرْنِي فِي مَلَأٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَأٍ خَيْرٌ مِنْهُمْ

”جو شخص مجھ کو اپنے دل میں یاد کرے تو ہم بھی اس کو اپنے بھٹس میں یاد کرتے ہیں اور جو مجمع میں ہمارا ذکر کرے تو ہم بھی اس سے بہتر مجمع میں اسکا ذکر فرماتے ہیں (یعنی مجمع ملائکہ میں) جامع صغیر میں ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرُوا فِي الْجَنَازَةِ قَوْلَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

”حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنازہ میں **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** زیادہ کہا کرو۔“

اس سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھنا یا کوئی اور ذکر کرنا ہر طرح جائز ہے بلند آواز سے ہو یا خفیہ رسالہ از کار مطبوعہ دہلی مصنفہ شیخ محمد تھانوی مولوی رشید احمد صاحب کے استاد حدیث صفحہ ۷۹ میں ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْهَرُ مَعَ الصَّحَابَةِ بِالْأَذْكَارِ وَالتَّهْلِيلِ وَالتَّسْبِيحِ بَعْدَ الصَّلَاةِ
”حضور علیہ السلام نماز کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ تسبیح و تہلیل بلند آواز سے پڑھتے تھے۔“

تفسیر روح البیان پارہ ۴ زیر آیت رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ہے۔

الذَّكْرُ بِرَفْعِ الصَّوْتِ جَائِزٌ “بَلْ مُسْتَحَبٌّ” إِذَا لَمْ يَكُنْ عَنْ رِيَاءٍ لِيُغْتَنَمَ النَّاسُ بِإِظْهَارِ الدِّينِ
وَوُصُولِ بَرَكَاتِهِ الذِّكْرُ إِلَى السَّامِعِينَ فِي الدُّورِ وَالْبُيُوتِ وَيُؤَافِقُ الذِّكْرُ مَنْ سَمِعَ صَوْتَهُ وَيَشْهَدُ لَهُ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ كُلُّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ سَمِعَ صَوْتَهُ

”بلند آواز سے ذکر کرنا جائز بلکہ مستحب ہے جبکہ ریا سے نہ ہوتا کہ دین کا اظہار ہو۔ ذکر کی برکت گھروں میں سامعین تک پہنچے اور جو کوئی اس کی آواز سنے ذکر میں مشغول ہو جاوے اور قیامت کے دن ہر خشک و تر ذکر کے ایمان کی گواہی دے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر میں بہت سے دینی فائدے ہیں۔ تفسیر خازن و روح البیان پارہ ۶ میں زیر آیت ایک روایت نقل کی حضور علیہ السلام نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری سے فرمایا کہ آج رات ہم نے تمہاری قرأت سنی تم کو تو واؤ دی آواز دی گئی ہے۔ ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں۔

فَقُلْتُ أَمَّاوَاللَّهِ لَوْ عَلِمْتُ إِنَّكَ تَسْمَعُ لَحَبْرَتُهُ، حَبِيرًا. التَّحْيِيرُ حُسْنُ الصَّوْتِ

”میں نے عرض کیا کہ رب کی قسم اگر مجھے خبر ہوتی کہ میرا قرآن صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے سن رہے ہیں۔ تو میں اور بھی آواز بنا کر پڑھتا۔“
اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اولاً یہ کہ صحابہ کرام بلند آواز سے ذکر کرتے تھے کہ باہر آواز آتی تھی دوسرے یہ کہ ذکر اللہ تلاوت قرآن عبادت الہی ہے اور عین عبادت میں حضور علیہ السلام کو خوش کرنا صحابہ کرام کی تمنا تھی۔

حَمَامَةُ جَرُعِي حَوْمَةَ الْجُنْدِلِ اسْبِغِي فَأَنْتَ بِمَرَأَى مِنْ سَعَادٍ وَمُسْمَعِي !

مٹکھوۃ کتاب الصلوۃ باب صلوۃ اللیل میں روایت ہے کہ ایک شب حضور علیہ السلام اپنے جانثار صحابہ کرام کا امتحان لینے کے لئے تشریف لے گئے ان کے رات کے مشاغل کو ملاحظہ فرمادیں۔ ملاحظہ فرمایا کہ صدیق اکبر تو پست آواز سے قرآن پڑھ رہے ہیں اور فاروق اعظم خوب بلند آواز سے صبح کو ان صاحبوں سے وجد دریافت فرمائی تو صدیق اکبر نے عرض کیا کہ اَسْمَعْتُ مَنْ فَا جِئْتُ مِنْهُ، يَا رَسُولَ اللَّهِ یا حبیب اللہ جس کو سنانا منظور تھا اس کو میں نے سنا دیا یعنی رب کو، فاروق اعظم نے عرض کیا کہ اَوْقِظْ اللُّسَانَ وَاطْرُدِ الشَّيْطَانَ سَوْتوں کو جگا رہا تھا۔ شیطان کو بھگا رہا تھا۔ سبحان اللہ عز وجل دونوں جواب مبارک ہیں۔ کسی پر ناراضگی نہ فرمائی۔ بلکہ فرمایا صدیق تم اپنی آواز کچھ بلند کرو۔ اور فاروق تم کچھ پست کرو۔ صلی اللہ علیہ وسلم اجمعین

مٹکھوۃ کتاب اسماء اللہ تعالیٰ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار میں حضور علیہ السلام کے ہمراہ عشاء کے وقت مسجد میں گیا۔ دیکھا کہ ایک شخص بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہے میں نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ ﷺ یہ دیکھا کہ یہ فرمایا بَلْ مُنِمْ “مُنِيبٌ” نہیں بلکہ توبہ کرنی والا مومن ہے عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب چہارم فی الصلوۃ والتسبیح وقرءۃ القرآن میں ہے قَاضٍ عِنْدَهُ جَمْعٌ “عَظِيمٌ” يَرْقِعُونَ أَصْوَاتَهُمْ بِالتَّسْبِيحِ وَالتَّهْلِيلِ جُمْلَةً لَا بَأْسَ بِهِ كُی قاضی کے پاس بہت بڑی جماعت ہو اور وہ سب مل کر بلند آواز میں سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہیں تو اس میں حرج نہیں۔

عالمگیری میں اسی جگہ ہے اَلْأَفْضَلُ فِي قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ خَارَجَ الصَّلَاةِ الْجَهْرُ

”نماز کے علاوہ بہتر ہے کہ قرآن بلند آواز سے پڑھے۔“

عالمگیری یہی مقام اَمَّا التَّسْبِيحُ وَالتَّهْلِيلُ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ وَإِنْ رَفَعَ صَوْتَهُ سُبْحَانَ اللَّهِ يَا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنے میں حرج نہیں۔ اگرچہ بلند آواز سے کہے۔ شامی جلد اول مطلب فی احکام المسجد سے متصل ہے۔

أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ سَلْفًا وَخَلْفًا عَلَى اسْتِحْبَابِ ذِكْرِ الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسْجِدِ إِلَّا أَنْ تُشَوِّشَ جَهْرُهُمْ عَلَى

نَائِمٌ أَوْ مُصَلٍّ أَوْ قَارِئٌ

”مقتدین اور متاخرین علماء نے اس پر اتفاق کیا کہ مسجدوں میں جماعتوں کا بلند آواز سے فکر کرنا مستحب ہے مگر یہ کہ ان کے جہر سے کسی سونے والے یا نمازی یا قاری کو پریشانی نہ ہو۔“

فَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِنَّ الْجَهْرَ أَفْضَلُ لِأَنَّهُ أَكْثَرُ عَمَلًا عَمَلًا وَلِتَعَدَّى فَإِنَّهُ إِلَى السَّامِعِينَ وَيُوقِظُ قَلْبَ الْغَافِلِينَ فَيَجْمَعُ هَمَّهُ إِلَى الذِّكْرِ وَيَصْرِفُ سَمْعَهُ إِلَيْهِ وَيُطْرِدُ النَّوْمَ وَيَدِيدُ النَّشَاطَ

”بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا افضل ہے کیونکہ اس میں کام زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے اور یہ غافلوں کے دل کو بیدار کرتا ہے انکے خیالات اور انکے کانوں کو فکر الہی کی طرف کھینچتا، نیند کو بھگاتا ہے خوشی بڑھاتا ہے۔“

در مختار باب صلوة العیدین بحث تکبیر تشریق میں ہے۔

وَلَا يَمْنَعُ الْعَامَّةُ مِنَ التَّكْبِيرِ فِي الْأَسْوَاقِ فِي الْأَيَّامِ الْحَشْرِ وَبِهِ نَاخِذٌ

بقر عید کے دس دنوں میں عام مسلمانوں کو بازاروں میں نعرہ تکبیر کہنے سے نہ روکوا سی کو ہم اختیار کرتے ہیں غالباً اس زمانہ میں عوام عید کے دنوں میں بازاروں میں نعرہ تکبیر لگاتے ہوں گے یہ اگرچہ بدعت ہے مگر فرمایا کہ اس سے منع نہ کرو۔ اسی عبارت کے ماتحت شامی میں ہے۔

قِيلَ لِأَبِي حَنِيفَةَ يَنْبَغِي لِأَهْلِ الْكُوفَةِ وَغَيْرِهَا أَنْ يُكَبِّرُوا أَيَّامَ الْعَشْرِ فِي الْأَسْوَاقِ وَالْمَسْجِدِ قَالَ الْفَقِيه أَبُو جَعْفَرٍ وَالَّذِي عِنْدِي أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ تَمْنَعَ الْعَامَّةُ عَنْهُ لِقَلَّةِ رَعْبَتِهِمْ فِي الْخَيْرِ وَبِهِ نَاخِذٌ فَإِذَا نَفَعَهُ، أَوَّلِي

”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا کوفہ وغیرہ کے لوگوں کو یہ مستحب ہے کہ عشرہ ذی الحجہ میں بازاروں اور مسجدوں میں تکبیر کہیں فرمایا ہاں امام ابو جعفر قدس سرہ نے فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ عوام کو اس تکبیر سے نہ روکا جاوے کیونکہ وہ پہلے ہی سے کار خیر میں کمر بستہ رکھتے ہیں اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بازاروں کی تکبیریں مستحب ہیں۔

کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی کتاب الصلوٰۃ علی النبی میں ہے **يُسْتَحَبُّ لِقَارِئِ الْحَدِيثِ وَغَيْرِهِ مِمَّنْ فِي مَعْنَاهُ إِذَا ذَكَرَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُرْفَعَ صَوْتُهُ بِالصَّلَاةِ عَلَيْهِ وَالتَّسْلِيمِ بِهِ وَقَدْ نَصَّ الْعُلَمَاءُ مِنْ أَصْحَابِنَا وَغَيْرِهِمْ عَلَى أَنَّهُ يُسْتَحَبُّ أَنْ يُرْفَعَ صَوْتُهُ بِالصَّلَاةِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّلْبِيَةِ** یعنی حدیث شریف پڑھنے والوں وغیرہم کو چاہیے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو تو بلند سے صلوٰۃ و سلام پڑھیں ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ تلبیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بلند آواز سے درود پڑھے۔

ان کے علاوہ اور بھی احادیث و فقہی عبارات پیش کی جاسکتی ہیں مگر اختصار اسی پر کفایت کی جاتی ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ مخالفین کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب بھی اس میں ہم سے متفق ہیں چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم کتاب النظر والا باحہ صفحہ ۱۰۴ میں ایک سوال و جواب ہے سوال یہ ہے کہ ذکر بالجہر اور دعا بالجہر اور درود بالجہر خفیف ہوا شدید جائز ہے یا نہیں؟ الجواب ذکر جہر خواہ کوئی ذکر ہو امام ابو حنیفہ کے نزدیک سوائے ان مواقع کے کہ ثبوت جہر نص سے ہے وہاں مکروہ ہے اور صالحین و دیگر فقہاء و محدثین جائز کہتے ہیں اور مشرب ہمارے مشائخ کا اختیار مذہب صاحبین ہے۔

والسلام ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۱۲ رشید احمد

مصرع مدعی لاکھ پہ بھار ہے گواہی تیری

اب تو کسی دیوبندی وہابی کو حق نہیں کہ کسی سنی مسلمان کو بلند آواز ذکر سے روکے۔ کیونکہ اس کے بلا کراہت جواز پر رجحری ہو چکی ہے۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ ذکر بالجہر جائز ہو چند وجوہ سے۔ اولاً تو اس لیے کہ قاعدہ شریعت ہے کہ ثواب بقدر محنت ملتا ہے۔ اسی لئے سردی میں وضو کرنا۔ اندھیری رات میں مسجدوں میں جماعت لینے آنا۔ دور سے مسجد میں آنا زیادہ ثواب کا باعث ہے (دیکھو مشکوٰۃ وغیرہ) اور ذکر بالجہر میں بمقابلہ خفی کے مشقت زیادہ ہے لہذا یہ افضل ہے۔ دوسرے اس لیے کہ مشکوٰۃ کتاب الاذان میں ہے کہ جہاں تک مؤمن کی آواز جاتی ہے۔ وہاں تک کے تمام درخت، پتے، گھاس، جن و انس قیامت میں اس کے ایمان کی گواہی دیں گے۔ تو ذکر بالجہر کا فائدہ ذکر کو بھی کہ کلمہ وغیرہ کی ضرب سے دل بیدار ہوتا ہے اور سامعین کو بھی کہ ممکن ہے کہ وہ بھی سن کر ذکر کریں۔

اگر نہ بھی کریں تو بھی سنا ثواب ہے اور لازم سے متعہی اچھا۔ چوتھے اس لئے کہ مخلوۃ باب الاذان میں ہے کہ آذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔ ابھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جواب نقل کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے عرض کیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ دیگر آذان سے بھی شیطان بھاگتا ہے اس لئے ذکر بالجہر میں شیطان سے بھی امن ہے۔ پانچویں اسلئے کہ ذکر بالجہر سے نیند اور کسل و سستی دور ہوتی ہے ذکر خفی میں اکثر نیند بھی آجاتی ہے مگر یہ تمام تقریر اس صورت میں ہے کہ جب ریا کری کے لئے نہ اگر ریا کیلئے ہے تو ریا کی نیت سے مراقبہ کرنا، نماز پڑھنا بھی گناہ کا موجب ہے۔ حضرات نقشبندیہ قدس سرہم کا مشغلہ ذکر خفی ہے وہ تو اس پر عامل ہیں۔

دل میں ہو یا دمی گوشہ تہائی ہو
پھر تو خلوت میں عجیب انجمن آرائی ہو

باقی سلاسل کے اولیاء ذکر بالجہر میں مشغول رہتے ہیں ان کا اس پر عمل ہے۔

سارا عالم ہو گردیدہ دل دیکھے تمہیں
انجمن گرم ہو اور لذت تہائی ہو

ہر دو حضرات خدا کے پیارے ہیں۔ نقشبندی حضرات تو خلوت میں جلوت کرے ہیں اور باقی حضرات جلوت میں خلوت مگر اللہ تعالیٰ ان سب سے جنت کا وعدہ فرمایا مگر ان کا یہ اختلاف حلت و حرمت میں نہیں۔ اپنا اپنا طریقہ کار ہے۔ نہ تو خفی والے جبار والوں کو طعن کریں نہ جہر والے خفی والوں کو یہ ساری گفتگو ان دیوبندیوں وغیرہ سے ہے جو کہ جہر پر فتویٰ حرمت لگات ہیں۔ مجدد صاحب قدس سرہ کے اس فرمان کے قربان کہ نہ ایں کا میکنم و نہ انکا میکنم رضی اللہ عنہم اجمعین۔

دوسرا باب

ذکر بالجہر پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر محتلفین دو طرح کے اعتراض کرتے ہیں نقلی اور عقلی۔ ہم اولاً نقلی اعتراضات میں مع جواب عرض کرتے ہیں۔

اعتراض ۱ **وَ اذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَ خُفْيَةً وَ ذُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ**

”اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو زاری اور ڈر سے اور بغیر آواز لکھے صبح و شام۔“

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر الہی دل ہی میں چاہیے بلند آواز سے منع ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں ذکر بالجہر بحالت نماز مراد ہے یعنی اخفا کی نمازوں میں قرأت یا مقتدی ہر نماز میں یا التحیات وغیرہ دل میں پڑھے یا امام قدر ضرورت سے زیادہ آواز نہ نکالے تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَمَنْ أَمَّ فِي صَلَوةِ الْجَهْرِ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ لَا يُجْهَرَ جَهْرًا شَدِيدًا بَلْ يَقْتَصِرَ عَلَى قَدْرِ مَا يَسْمَعُهُ مَنْ خَلْفَهُ، قَالَ فِي الْكُشْفِ لَا يُجْهَرُ فَوْقَ حَاجَةِ النَّاسِ وَالْأَفْهَوُ مُسِيٌّ

”جو شخص جہری نماز میں امامت کرے وہ بہت آواز سے قرأت نہ کرے بلکہ اس قدر پر کفایت کرے کہ پیچھے والے سن لیں۔ کشف میں فرمایا کہ قدر ضرورت سے زیادہ نہ چیخے ورنہ گنہگار ہوگا۔“

تفسیر کبیر میں اس آیت کے ماتحت ہے۔ **وَالْمُرَادُ مِنْهُ أَنْ يَقَعَ ذَلِكَ الذِّكْرُ حَيْثُ يَكُونُ مُتَوَسِّطًا بَيْنَ الْجَهْرِ وَالْخَافَةِ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَا تَجْهَرُ** یعنی مراد یہ ہے کہ جہر و اخفاء کے درمیان ذکر اللہ چاہئے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَعْْنِي بِالذِّكْرِ الْقُرْآنِ فِي الصَّلَوةِ يَرِيدُ اقْرَأْ سِرًّا فِي نَفْسِكَ

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ذکر سے مراد نماز میں تلاوت قرآن ہے۔“

مقصد یہ ہے کہ دل میں قرأت کرو خود قرآن کریم نے دوسری جگہ اس کی یوں تفسیر فرمائی۔

وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَوَتِكَ وَلَا تُخَافُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا

”اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو نہ بالکل آہستہ ان دونوں کے بیچ میں راستہ ڈھونڈو۔“

اور ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں کہ تفسیر قرآن بالقرآن سب پر مقدم ہے دوسرے یہ کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ ذکر محض قوی نہ ہو بلکہ قول کے ساتھ قلب بھی شامل ہو کہ اسکے بغیر ذکر بیکار ہے خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے **وَقِيلَ الْمُرَادُ بِالذِّكْرِ فِي النَّفْسِ أَنْ**

يُسْتَحْضَرُ فِي قَلْبِهِ عَظْمَةُ الْمَذْكُورِ جَلَّ جَلَالُهُ، اِذَا كَانَ الذِّكْرُ بِاللِّسَانِ عَارِيًا عَنْ ذِكْرِ الْقَلْبِ كَانَ عَدِيمَ الْفَائِدَةِ لِأَنَّ فَائِدَةَ الذِّكْرِ حَضُورُ الْقَلْبِ وَاسْتِشْعَارُهُ، عَظْمَةُ الْمَذْكُورِ جَلَّ جَلَالُهُ، کہا گیا ہے کہ دل میں ذکر کرنے سے یہ مراد ہے کہ قلب میں خدائے قدوس کی عظمت موجود ہو یعنی جبکہ زبانی ذکر قلبی ذکر سے خالی ہو تو بے فائدہ ہے۔ کیونکہ ذکر کا فائدہ تو دل کا حاضر کرنا اور خدائے تعالیٰ کی عظمت کا دل میں لانا ہے۔

یا اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ذکر قلبی ذکر بالجہر سے بہتر یعنی یہ امر استہابی ہے اور استہاب بھی ہر وقت اور ہر حیثیت سے نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ہے۔ اسی لئے یہ آیت اس آیت کے بعد ہے کہ **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ** تو دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ ذکر الہی کبھی بالجہر چاہیے اور کبھی آہستہ۔ جب بالجہر ہو تو خاموشی سے سنو۔ اور جب آہستہ ہو تو اس میں غور و فکر کرو اگر جبر میں خوف ریا ہے تو سکوت بہتر۔ اور اگر یہ مقصود ہو کہ شیطان دفع ہو قلب بیدار ہو۔ اور سونے والے جاگ جاویں اور تمام چیزیں قیامت کے دن ذکر کے ایمان کی گواہی دیں تو جبر بہت ہے۔ روح البیان میں سی آیت کے ماتحت ہے۔

وَإِذَا ذُكِرَ رَبُّكَ فِي نَفْسِكَ وَهُوَ الذِّكْرُ بَا الْكَلَامِ الْخَفِيِّ فَإِنَّ الْإِخْفَاءَ أَذْخَلَ فِي الْإِخْلَاصِ وَأَقْرَبُ مِنَ الْإِجَابَةِ وَهَذَا الذِّكْرُ يُعْمُ الْأَذْكَارَ كُلَّهَا مِنَ الْقُرْءَةِ وَالِدُّعَاءِ وَغَيْرِهَا

”اس سے مراد ہے ذکر خفی کیونکہ اخفا کو اخلاص میں زیادہ دخل ہے اور یہ قبولیت سے زیادہ قریب ہے اور یہ ذکر تمام ذکروں اور قرأت اور دعاؤں کو شامل ہے۔“
روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے، **بِأَنَّ الْإِخْفَاءَ أَفْضَلُ حَيْثُ خَافَ الرَّيَاءُ أَوْ تَأَذَى الْمُصْلُونَ أَوِ النَّائِمُونَ وَالْجَهْرُ أَفْضَلُ فِي غَيْرِ ذَلِكَ لِأَنَّ الْعَمَلَ فِيهِ أَكْثَرُ وَلِأَنَّ فَائِدَتَهُ تَسْعَدُ إِلَى السَّامِعِينَ وَلِأَنَّهُ يُوقِظُ قَلْبَ الذَّاكِرِ وَيَقْمَعُ هَمَّهُ وَيُصْرِفُ سَمْعَهُ إِلَيْهِ**

”آہستہ ذکر وہاں افضل ہے جہاں کہ ریا کا خوف ہو یا نمازیوں یا سونے والوں کو ایذا ہو اور اس کے علاوہ دیگر مقام میں ذکر بالجہر افضل ہے کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے اور اس لیے کہ یہ ذکر کے دل کو بیدار کرتا ہے خیالات کو جمع کرتا ہے اور ذکر کی طرف کانوں کو متوجہ کرتا ہے۔

اعتراف ۲ **وَادْعُوا رَبُّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ**

”اپنے رب سے گڑگڑا کر اور آہستہ دعا کرو بیشک حد سے بڑھنے والے اس کو پسند نہیں۔“

اس سے بھی معلوم ہوا کہ بلند آواز سے ذکر خدا کو ناپسند ہے۔

جواب اس کے بھی چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ اس آیت میں دعا کا ذکر ہے نہ کہ ہر ذکر الہی کا اور واقعی دعا خفیہ ہی کرنا افضل ہے تاکہ اخلاص تام ہو۔ تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

أَيُّ مُتَضَرِّعِينَ مُتَدَلِّلِينَ مُخْفِينَ الدُّعَاءَ لِيَكُونَ أَقْرَبَ إِلَى الْجَابَةِ لِكُونَ الْخَفَاءِ دَلِيلَ الْإِخْلَاصِ وَالْإِحْتِرَازِ عَنِ الرِّيَاءِ
”یعنی زاری اور عاجزی کرتے ہوئے دعا کو خفیہ کرتے ہوئے دعا کرو تاکہ قبولیت سے قریب ہو کیونکہ چپکے سے دعا کرنا اخلاص کی اور ریا سے دور ہونے کی دلیل ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حقیقۃً دعا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کیونکہ دعا سوال اور طلب ہے اور یہ ایک قسم کی عبادت ہے۔“

تفسیر خازن یہ ہی آیت **وَقِيلَ الْمُرَادُ بِهِ حَقِيقَةُ الدُّعَاءِ وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ الدُّعَاءَ هُوَ السُّوَا وَالطَّلَبُ وَهُوَ نَوْعٌ مِنَ الْعِبَادَةِ**

تفسیر خازن اسی آیت کے ماتحت ہے **وَالْأَرْبُ فِي الدُّعَاءِ أَنْ يَكُونَ خَفِيًّا لِهَذِهِ الْآيَةِ قَالَ الْحَسَنُ دَعْوَةُ السِّرِّ وَدَعْوَةُ الْعَلَانِيَةِ سَبْعُونَ ضَعْفًا**

”دعا کا طریقہ یہ ہے کہ خفیہ ہو۔ اسی آیت کی وجہ سے حسن نے فرمایا کہ خفیہ ایک دعا اور علانیہ ستر دعائیں برابر ہیں۔“

یا مراد ہے کہ بعض حالات میں ذکر الہی خفیہ طور پر بہتر ہے یعنی ادعوا سے مراد ہر ذکر الہی ہے اور یہ امر استہابی ہے اور وہ بھی بعض اوقات کے لحاظ سے۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

مَذْهَبَ بَعْضِهِمْ إِلَىٰ أَنْ إِخْفَاءِ الطَّاعَاتِ وَالْعِبَادَاتِ أَفْضَلُ مِنْ إِظْهَارِهَا لِهَذَا لَايَةٍ وَلَكُونَهَا أَبْعَدَ مِنَ الرِّيَاءِ وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ أَنْ إِظْهَارَهَا أَفْضَلُ لِيَقْتَدِيَ بِهِ الْغَيْرُ فَيَعْمَلُ مِثْلَ عَمَلِهِ وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ أَنْ إِظْهَارَ الْعِبَادَاتِ الْمَفْرُوضَةِ أَفْضَلُ مِنْ إِخْفَاءِهَا

بعض مفسرین ادھر گئے ہیں کہ عبادتوں کو خفیہ کرنا ظاہر کرنے سے بہتر ہے اسی آیت کی وجہ سے اور اس لیے کہ یہ ریا سے زیادہ دور ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ اظہار افضل ہے تاکہ دوسرے بھی اس کی پیروی کر کے عبادت کریں اور بعض فرماتے ہیں کہ فرضی عبادات کا اظہار اخفا سے بہتر ہے۔

اعتراض ۳ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ

”اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنیوالے کی جب مجھے پکارے۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ ہم سے قریب ہے دل کے خیالات اور آہستہ بات کو سنتا ہے پھر بلند آواز سے پکارنا بے کار ہے۔“

جواب اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کے خیال کو باطل فرمایا گیا ہے جو ذکر بالجہر یہ سمجھ کر کریں کہ خدا ہم سے دور ہے بغیر بلند آواز کے وہ ہماری سنتا نہیں یہ خیال محض جہالت ہے ذکر بالجہر تو غافل قلب کو جگانے کے لئے ہوتا ہے۔ تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَسَبَبُ نَزُولِهِ مَارَوِيٌّ أَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَبُ ۖ رَبَّنَا فَنُنَا ضِيَهُ أَمْ بَعِيدٌ ۖ فَنُنَا دِيَهُ فَقَالَ تَعَالَىٰ

”اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بدوی نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ رب تعالیٰ قریب ہے تاکہ اس سے مناجات کریں یا دور ہے کہ اس کو پکاریں اس پر رب نے فرمایا۔“

معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو دور سمجھ کر پکارنا برا ہے یہ بھی روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ غزوہ خیبر کے موقع پر اتری جبکہ لوگ نعرہ تکبیر لگانا چاہتے تھے اور حضور علیہ السلام کا خشاء تھا کہ ہم خفیہ طور پر وہاں پہنچ جاویں کہ کفار کو خبر نہ ہو چنانچہ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ أَبُو مُوسَىٰ الْأَشْعَرِيُّ لَمَّا تَوَجَّهَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَىٰ خَيْبَرَ أَشْرَفَ النَّاسُ عَلَىٰ وَادٍ فَرَفَعُوا أَصْوَاتَهُمْ بِالتَّكْبِيرِ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ارْبَعُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ لَا تَدْعُونِ أَصَمًّا وَلَا غَائِبًا

”جبکہ حضور علیہ السلام خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو لوگ کسی اونچے جنگل پر چڑھے تو انہوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی جانوں پر نرمی کرو تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے ہو۔“

هَذَا بِإِعْتِبَارِ الْمَشَارِبِ وَالْمَقَامَاتِ وَاللَّاتِقِ بِحَالِ الْغَفْلَاتِ الْجَهْرُ بِقُلْعِ الْخَوَاطِرِ

”یہ موقع اور محل اعتبار سے ہے اور غافل لوگوں کے حال کے لائق ذکر بالجہر ہے بُرے خیالات کو دفع کرنے کے لئے۔“

اعتراض ۴ مشکوٰۃ کتاب الاسماء باب ثواب التَّبَحُّجِ والتَّحْمِيدِ میں ہے۔

فَجَعَلَ النَّاسُ يَجْهَرُونَ بِالتَّكْبِيرِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ إِنَّكُمْ لَا تَدْعُونِ أَصَمًّا وَلَا غَائِبًا إِنَّكُمْ تَدْعُونِ سَمِيعًا بَصِيرًا وَهُوَ مَعَكُمْ وَالَّذِي تَدْعُونَهُ أَقْرَبُ إِلَيَّ أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِي رَاحِلَتِهِ

”با آواز بلند تکبیر کہنے لگے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے لوگو اپنی جانوں پر نرمی کرو تم تو بہرے کو پکارے ہو نہ غائب کو تم تو سمیع و بصیر کو پکارتے ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے اور جس کو تم پکارتے ہو وہ تم سے بمقابلہ تمہاری سواریوں کی گردوں کے زیادہ قریب ہے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر منع ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی ناخوشی کا باعث۔

جواب اس کا جواب ضمن سوال نمبر ۲ کے ماتحت گزر چکا کہ یہ حدیث ایک سفر جہاد کے موقعہ کی ہے اس وقت ضرورت تھی کہ مسلمان کا لشکر بغیر اطلاع خیبر میں داخل ہو جاوے تاکہ کفار خیبر جنگ کی تیاری نہ کر سکیں۔ بعض لوگوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی چونکہ موقعہ کے خلاف تھا لہذا روک دیا گیا۔ اسی حدیث کی ابتدا اس طرح ہے كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ

يَجْهَرُونَ بِالتَّكْبِيرِ الخ ہم ایک سفر میں تھے، کہ لوگ با آواز بلند تکبیر کہنے لگے۔ یا یہ کہ مسلمانوں پر آسانی کے لئے بطور مشورہ یہ فرمایا گیا کہ تم سفر کی مشقت میں ہو پھر چیخنے کی مشقت بھی اٹھاتے ہو۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ لمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

فِيهِ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ الْمَنْعَ مِنَ الْجَهْرِ لِلتَّيْسِيرِ وَالْإِفَاقِ لَا يَكُونُ الْجَهْرُ غَيْرَ مَشْرُوعٍ

”اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ جہر سے ممانعت آسانی کیلئے ہے نہ اسلیئے کہ جہر منع ہے ممانعت محض آسانی کیلئے ہے نہ اسلیئے کہ جہر منع ہے“

ایضاً المتعاضدیں اسی حدیث کے ماتحت ہے دریں اشارت است کہ منع از جہر برائے آسانی و نرمی است نہ از جہت تا مشروعیت ذکر بالجہر حق آنست ذکر جہر مشروع است بے سہر بعارض ایں را در رسالہ اول و اثبات نمودیم۔“ اس حدیث میں ادھر اشارہ ہے کہ جہر سے ممانعت نرمی اور آسانی کیلئے ہے نہ اسلیئے کہ جہر منع ہے اور حق یہ ہے کہ ذکر جہر بلاشبہ مشروع ہے لیکن کسی وجہ سے اور ہم نے اسکا ثبوت رسالہ اور اد میں دیا ہے۔

اعتراض ۵ ہدایہ جلد اول فصل فی تکبیرات التشریق میں ہے۔

وَأَخَذَ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَخْذًا بِالْأَقْلِّ لِأَنَّ الْجَهْرَ بِالتَّكْبِيرِ بَدْعٌ

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول لیا کم کو لینے کیلئے کیونکہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے۔ اور بدعت میں کمی بہت ہے ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک نوں ذی الحجہ کی فجر سے دسویں کی عصر تک ہر نماز فرض کے تکبیر تشریق کہنا چاہئے۔ اور صاحبین کے نزدیک نوں کی فجر سے دسویں کی عصر تک امام صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ تکبیر بالجہر بدعت ہے اور بدعت میں کمی بہتر۔ اس لیے صرف دو دن تکبیر کہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر بدعت ہے۔ اسی ہدایہ میں اسی فصل تکبیرات التشریق میں ہے۔

وَلَاَنَّ الْجَهْرَ بِالتَّكْبِيرِ خِلَافُ السُّنَّةِ وَالشَّرْعِ وَرَدَّ بِهِ عِنْدَ أَوْجَمَاعِ هَذِهِ الشَّرَائِطِ

”اور اس لیے کہ تکبیر بالجہر خلاف سنت ہے، اور اس کا حکم ان شرائط کے جمع ہونے کی صورت میں ہے۔“

جواب امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف اس تکبیر تشریق کے وجوب میں ہے نہ کہ جواز میں یعنی امام صاحب تو صرف دو دن ضروری کہتے ہیں اور صاحبین پانچ دن۔ امام صاحب اس کو بدعت یا خلاف سنت کہہ کر وجوب کا انکار فرماتے ہیں ہم اسی بحث کے پہلے باب میں شامی سے نقل کر چکے ہیں کہ خود امام صاحب نے اہل کوفہ کہ بازاءوں میں نعرہ کی اجازت دی۔ کہئے اس بدعت کی اجازت کیوں دی؟ شامی باب صلوة العیدین میں عید الفطر کی بحث میں فرماتے ہیں۔

وَالْخِلَافُ فِي الْأَفْضَلِيَّةِ أَمَّا الْكَرَاهَةُ فَمُنْطَفِيَةٌ عَنِ الطَّرْفَيْنِ

”یعنی اختلاف محض افضلیت میں ہے۔ لیکن کراہت وہ کسی طرف نہیں ہے۔“

اسی شامی میں اسی جگہ ہے التَّكْبِيرُ بِالْجَهْرِ فِي غَيْرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ لَا يُسَنُّ إِلَّا بِأَزَاءِ الْعَدُوِّ أَوْ لِلْصُّوَصِ وَقَاسٍ عَلَيْهِ بَعْضُهُمُ الْحَرِيقُ وَالْمَخَافُ كُلُّهَا زَادُ الْقَهْصَتَانِي أَوْ عَلَا شَرْقًا

”ایام تشریق کے علاوہ اور دنوں میں نعرہ تکبیر سنت نہیں۔ مگر دشمن یا چوروں کے مقابلہ میں اور اس پر بعض لوگوں نے قیاس کیا ہے آگ لگنے اور تمام خوفناک چیزوں کو اور قہستانی نے زیادہ کیا ہے کہ بلندی پر چڑھنے کے وقت۔“

وَهَذَا لِلْخَوَاصِّ أَمَّا الْعَوَامُ فَلَا يَمْنَعُونَ عَنْ تَكْبِيرٍ وَلَا تَنْفُلٍ أَصْلًا

”یہ احکام خواص کیلئے ہیں عام کو تو نہ تکبیر سے روکو نہ نفل سے۔“

شامی میں اسی بحث میں ہے لَا فِي الْبَيْتِ أَيْ لَا يُسَنُّ وَلَا فَهُوَ ذِكْرٌ ”مَشْرُوعٌ“ غرض کہ ثابت ہوا کہ ہدایہ کی یہ تمام گفتگو سنت ہونے میں ہے نہ کہ جائز ہونے میں۔ نیز تکبیر تشریق میں یہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے کہ مولوی رشید احمد صاحب کا فتویٰ یہی ہے کہ ذکر بالجہر جائز ہے۔ اور اگر ان آیات و احادیث کی یہ توجہیں نہ کی جاویں تو مخالفین کے بھی یہ خلاف ہیں۔ کیونکہ بعض ذکر اللہ وہ بھی بلند آواز سے کرتے ہیں۔ جیسے اذان۔ بقرعید کے موقع پر تکبیر تشریق حج میں تلبیہ، جلسوں کے موقعوں پر نعرہ تکبیر اور فلاں صاحب زندہ باد وغیرہ کیونکہ ان کے دلائل تو ذکر بالجہر کو مطلقاً منع کر رہے ہیں اور حدیث احادیث کی وجہ سے قرآنی آیت میں قید لگانا جائز نہیں لہذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ ان موقعوں پر ذکر بالجہر حدیث میں آگیا لہذا جائز ہے۔ کیونکہ قرآنی آیات میں حدیث سے پابندی لگانا کہاں جائز ہے۔

عَنْ فَتَاوَى الْقَاضِي أَنَّهُ حَرَامٌ لَمَّا حَجَّ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ إِخْرَاجُ جَمَاعَةٍ عَنِ الْمَسْجِدِ يُهْلَلُونَ وَيُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَهْرًا وَقَالَ لَهُمْ مَا أَرَأَيْكُمْ إِلَّا مُتَبَدِّعِينَ شَامِي جِلْدِ صَفْحَةٍ

”قاضی صاحب کے فتاویٰ سے نقل کیا کہ جہر سے ذکر کرنا حرام ہے کیونکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود صحیح روایت کیا تھا ثابت ہو چکا کہ انہوں نے ایک جماعت کو مسجد سے محض اسی لیے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ بلند آواز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتی تھی اور فرمایا میں تمہیں بدعتی خیال کرتا ہوں۔“

دیکھو بلند آواز سے جماعت کے ساتھ مل کر ذکر اللہ اور درود شریف پڑھنا حرام ہے اور حضرت ابن مسعود نے ان ذاکرین اور درود خوانوں کو بدعتی فرمایا بلکہ انہیں مسجد سے نکال دیا افسوس کہ آج ذکر بالجہر نہ کرنیوالوں کو وہابی کہا جاتا ہے۔ یہ ہے انقلاب زمانہ ایمان کفر بن گیا اور کفر ایمان (راہ سنت) اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم بھی بدعتی ہوئے اور حرام کے مرتکب کیوں کہ تمہارے دینی سیاسی جلسے ہوتے ہیں تقریروں کے دوران نعرہ تکبیر اور فلاں صاحب زندہ باد۔ دن رات مسجدوں میں ہوتے ہیں نہ تم ان بالجہر ذکر کروں پرفتوے لگاتے ہوں نہ انہیں روکتے ہو کیا مسجدوں میں صرف درود شریف آواز سے پڑھنا حرام ہے، باقی تمہارے جلسے نعرے سب جائز۔

جواب تحقیقی وہ ہے جو یہاں اسی جگہ فتاویٰ بزازیہ اور فتاویٰ شامی نے دیا ہے، جسے آپ نے نقل نہ فرمایا اگر پوری عبادت نقل کر لیتے تو اسی کا جواب ان کتابوں سے مل جاتا۔ سنو اسی جگہ نقل نہ فرمایا اگر آپ پوری عبارت نقل کر لیتے تو اسی کا جواب ان کتابوں سے مل جاتا۔ سنو اسی جگہ شامی میں ہے۔

وَأَمَّا رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ فَجَائِزٌ كَمَا فِي آذَانِ وَالْخُطْبَةِ وَالْجُمُعَةِ وَالْحَجِّ وَقَدْ حُرِّتِ الْمَسْئَلَةُ فِي الْخَيْرِيَّةِ وَحُمِلَ مَا فِي فَتَاوَى الْقَاضِي عَلَى جَهْرِ الْمَضَرِّ

”بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے جیسا کہ اذان خطبہ جمعہ اور حج میں ہوتا ہے اور یہ مسئلہ فتاویٰ خیریہ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اور جو فتاویٰ قاضی میں ہے اس سے مراد نقصان دہ جہر ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود نے ان لوگوں کو بدعتی فرمایا جو جماعت اول کے وقت جبکہ لوگ نماز جماعت سے ادا کر رہے تھے، یہ ذکر بالجہر کرتے تھے۔ جس سے لوگوں کی نماز میں حرج واقع ہوتا تھا یا کوئی اور دینی ضرورت تھا۔ خلاصہ یہ کہ نقصان وہ جہر ممنوع ہے۔ اب ذرا فتاویٰ بزازیہ کو بھی دیکھ لو اسی حدیث ابن مسعود کو نقل فرما کر ایک اعتراض مع جواب فرماتے ہیں کہ اگر تم کہو کہ فتاویٰ میں تو یہ ہے کہ ذکر بالجہر سے کسی کو نہ روکا اگرچہ وہ مسجد ہی میں کرتے ہوں تا کہ اسی آیت کے خلاف نہ ہو جاوے مَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذَكَّرَ فِيهَا حَضَرْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ كَيْفَ كَانَ يَمْنَعُ النَّاسَ أَنْ يَذْكُرُوا فِي الْمَسْجِدِ حَتَّى يَخْرُجُوا مِنْهُ

تمہارے ان فتاویٰ کے خلاف ہے اس کے جواب میں عبارت فرماتے ہیں۔ جس میں یہ بھی ہے۔

الْإِخْرَاجُ عَنِ الْمَسْجِدِ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ لِإِعْتِقَادِهِمْ الْعِبَادَةَ فِيهِ وَلِيُعَلِّمَ النَّاسَ بِأَنَّهُ بِذَعَةٍ وَالْفِعْلُ جَائِزٌ وَالْجَائِزُ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ غَيْرُ جَائِزٍ لِعَرَضِ يَلْحَقُهُ

”آپ کا انہیں مسجد سے نکالنا ممکن ہے اس لئے کہ ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ جہر بھی عبادت ہے اور لوگوں کو یہ بتانا ہو کہ یہ عقیدہ بدعت ہے اور جائز کام کبھی کسی عارضی وجہ سے ناجائز ہو جاتا ہے۔“

اسی فتاویٰ میں اسی جگہ ہے۔ وَأَمَّا رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ فَجَائِزٌ كَمَا فِي الْآذَانِ وَالْخُطْبَةِ وَالْحَجِّ. مخالفین کے عقلی اعتراضات صرف تین ہیں اولاً تو یہ کہ خدا قریب ہے پھر زور سے چیخنا کیوں؟ جواب اذان وغیرہ زور سے دی جاتی ہے۔ دوم یہ کہ درود صَلَّي اللَّهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ حدیث سے ثابت نہیں لہذا ناجائز ہے۔ جواب اسی کتاب میں اور مقام پر گزر گیا کہ دو افذا دعا میں نقل خاص کی ضرورت نہیں بلکہ جو ناجائز کی حد میں نہ آوے وہ جائز ہے اور اس کی پوری تحقیق کہ کون سا درود پاک افضل ہے ہماری کتاب کتاب شان حبیب الرحمن میں ملا خطہ کرو۔ تیسرے یہ کہ بعد نماز جو بلند آواز سے درود پڑھتے ہیں۔ ان سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے کہ نماز بھولتے ہیں۔ لہذا ناجائز ہے۔ اس کے چند جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ اعتراض دعویٰ کے مطابق نہیں کیونکہ تم کہتے ہو ذکر بالجہر بالکل منع ہے۔ اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ کسی نمازی کو اس سے تکلیف ہو تو منع ورنہ جائز تو اگر کسی وقت کوئی نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ تب جائز ہونا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ یہاں پنجاب میں دیکھا جاتا ہے کہ بعد نماز فجر کچھ توقف کر کے اور عشاء کی سنتوں اور وتر سے فارغ ہو کر یہ درود پڑھا جاتا ہے۔ اور اس وقت سب لوگ نماز

سے فارغ ہو چکے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہم اسی بحث کے پہلے باب میں احادیث پیش کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام بعد نماز بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔ نیز آج بھی بعض مسجدوں میں قرآن کے مدرسے ہیں جہاں کہ طلباء بعد نماز ظہر و عشاء چیخ کر قرآن یاد کرتے ہیں۔ کبھی مسجدوں میں بعد نماز عشاء دینی جلسے ہوتے ہیں جن میں نعرے بھی لگتے ہیں تقریریں بھی ہوتی ہیں۔ بقرعید کے زمانے میں جماعت فرض کے بعد فوراً ہی سب لوگ با آواز بلند تین بار تکبیر تشریق کہتے ہیں۔ کہیے ان ذکر و نمازی کا دھیان بٹتا ہے یا نہیں؟ اور یہ جائز ہیں یا منع؟ فقہاء جو فرماتے ہیں کہ ذکر بالجہر سے نمازیوں کو تکلیف پہنچے تو منع ہے۔ اس کا مقصد ظاہر ہے کہ جب جماعت کا وقت ہو لوگ نماز میں مشغول ہو گئے اب کوئی شخص تارک الجماعت بعد میں آیا تو اپنی نماز کے حیلے سے سب کو خاموش کرتا پھرے کہ چونکہ مجھے اب نماز پڑھنا ہے لہذا اے نمازیو! اے قرآن یاد کرنے والو! واعظو تم سب خاموش ہو جاؤ۔ خیال رہے کہ مساجد میں زیادہ اہتمام جماعت اول کا ہوتا ہے جس پر بہت سے شرعی مسئلے متفرق ہیں۔ مکہ معظمہ میں صرف جماعت اولیٰ کیلئے طواف بند ہوگا ہے۔ جہاں یہ جماعت ختم ہوئی طواف شروع ہوا۔ اور طواف میں دعاؤں کا اس قدر شور ہوتا ہے کہ کان پڑی آواز سنا نہیں دیتی۔ کہیے وہاں اس ذکر بالجہر کا کیا حکم ہے؟ کیا نمازوں کے خلل کی وجہ سے طواف بند کراؤ گے۔

بحث اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا

بعض لوگ جو کہ فاتحہ گیارہویں یا کہ میلا دشریف کے پابند ہیں وہ اس کے لئے کچھ عرصہ پہلے بکرے اور مرغے وغیرہ پالتے ہیں۔ اور ان کو فربہ کرتے ہیں۔ تاریخ فاتحہ پر ان کو **بِسْمِ اللّٰہ** پر ذبح کر کے کھانا پکا کر فاتحہ کرتے ہیں اور فقراء و صلحاء کو کھلاتے ہیں۔ چونکہ وہ جانور اس کی نیت سے بالا کیا گیا ہے۔ اس لئے کہہ دیتے ہیں۔ گیارہویں کا بکرا یہ غوث پاک کی گائے وغیرہ یہ شرعاً حلال ہے۔ جیسے کہ ولیمہ کا جانور مگر مخالفین اس کام کو حرام۔ اس گوشت کو مردار۔ اور فاعل کو مرتد و مشرک کہتے ہیں۔ اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کے جواز کا ثبوت اور دوسرے میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

اس کے جواز کے ثبوت میں

جس حلال جانور کو مسلمان یا اہل کتاب اللہ کا نام لے کر ذبح کرے وہ حلال ہے اور جس حلال جانور کو مشرک یا مرتد ذبح کرے وہ مردار ہے۔ اسی طرح اگر مسلمان دیدہ دانستہ بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دے تو حرام ہے خیال رہے کہ اس حلت و حرمت میں ذبحہ کر نیوالے کا اعتبار رہے نہ کہ مالک کا۔ اگر مسلمان کا جانور مشرک نے ذبح کر دیا مردار ہو گیا۔ اگر مشرک نے بت کے نام پر جانور پالا مگر اس کو مسلمان نے بسم اللہ سے ذبح کر دیا حلال ہے۔ اسی طرح ذبحہ کے وقت نام لینے کا اعتبار ہے نہ کہ آگے پیچھے زندگی میں جانور بت کے نام کا تھا مگر ذبح خدا کے نام پر ہوا حلال ہے اور زندگی میں جانور قربانی کا تھا۔ مگر ذبح کے وقت اور نام لیا گیا وہ مردار اسی کو قرآن نے فرمایا۔ **وَمَا أَهْلُ بِهِ لَعَنَ اللّٰہ** وہ جانور بھی حرام ہے جو کہ غیر خدا کے نام پر پکارا گیا یہاں پکارنے سے مراد بوقت ذبح پکارنا ہے۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

أَيُّ رَفَعَ الصَّوْتُ لِعَیْرِ اللّٰہِ بِهِ كَقَوْلِهِمْ بِاسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ عِنْدَ ذَبْحِهِ

”یعنی اس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہے جیسے کفار ذبح کے وقت کہتے تھے۔ اللات و العزى“

تفسیر جلالین میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ **بَانَ ذُبَحَ عَلٰی اِسْمِ غَیْرِہ** اس طرح کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْنِي مَا ذَكَرَ عَلَىٰ ذَبْحِهِ غَيْرُ اِسْمِ اللّٰہِ وَذَلِكَ اَنَّ الْعَرَبَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوا يَذْكُرُونَ اَسْمَاءَ اَصْنَامِهِمْ عِنْدَ الذَّبْحِ فَحَرَّمَ اللّٰہُ ذَلِكَ بِهَذِهِ الْاَيَةِ وَيَقُولُ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرِ اِسْمُ اللّٰہِ عَلَيْهِ.

”یعنی وہ جانور حرام ہے۔ جس کے ذبحہ پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ اور یہ اس لیے ہے کہ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں ذبح کے وقت بتوں کا نام لیتے تھے پس خدا تعالیٰ نے اس کو اس آیت سے اور آیت **وَلَا تَأْكُلُوا** سے حرام فرمایا۔“

تفسیر کبیر یہی آیت **وَكَانُوا يَقُولُونَ عِنْدَ الذَّبْحِ بِاسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ فَحَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی ذَلِكَ**

”اہل عرب ذبح کے وقت کہتے تھے۔ بسم اللات و العزى اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام فرمایا۔“

تفسیر احمد یہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

مَعْنَاهُ مَا ذُبَحَ بِهِ لِاسْمِ غَيْرِ اللّٰہِ مِثْلُ اللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ وَاسْمَاءِ الْاَنْبِيَاءِ

”آیت کے معنی یہ ہیں کہ اس کو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور وہ ہے بتوں کیلئے ذبح کیا جاتا تھا۔“

تفسیر مدارک میں اسی کے ماتحت ہے۔ **أَيُّ ذُبَحَ لِلْاَصْنَامِ فَذَكَرَ عَلَيْهِ غَيْرُ اِسْمِ اللّٰہِ اَيُّ رَفَعَ بِهِ الصَّوْتُ لِلصَّنَمِ وَذَلِكَ قَوْلُ اَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ بِاسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ**

”یعنی وہ جانور حرام ہے جو کہ بتوں کیلئے ذبح کیا جاوے پس اس پر غیر اللہ کا نام لیا جاوے یعنی اس پر بت کی آواز دی گئی ہو۔ اور یہ جاہلیت والوں کا یہ کہنا تھا کہ اللات و العزى“

تفسیر باب التاویل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ **يَغْنَى مَا ذُبَحَ لِأَصْنَامٍ وَالطَّوَاعِبِ وَأَصْلُ الْإِهْلَالِ رَفْعُ الصَّوْتِ وَذَلِكَ أَنَّهُمْ كَانُوا يَرْفَعُونَ أَصْوَاتَهُمْ بِذِكْرِ إِلَهَتِهِمْ إِذَا ذَبَحُوا**
 تفسیر علامہ ابوسعود میں ہے **أَيُّ رَفْعٍ بِهِ الصَّوْتُ عِنْدَ ذَبْحِهِ لِلصَّنَمِ** تفسیر حسینی میں اسی آیت کے ماتحت ہے، وآنچه آواز برآورده شود
 بغیر اللہ از برائے غیر خدا ہاں در وقت ذبح آن یعنی بنام بتان بکشند۔ ان تمام تفاسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت **مَا أَهْلٌ بِهِ لِيُغَيِّرَ اللَّهُ** سے
 مراد ہے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام پکارنا۔ لہذا جانور کی زندگی میں کسی نسبت کرنے کا اعتبار نہیں۔ اب ہم فقہاء کی عبارات بھی پیش کرتے ہیں۔
 تفسیرات احمدیہ میں اسی آیت **وَمَا أَهْلٌ بِهِ لِيُغَيِّرَ اللَّهُ** کے ماتحت ہے۔

وَمِنْ هَهُنَا عَلِيمٌ أَنَّ الْبَقْرَةَ الْمُنْذُورَةَ لِلْأَوْلِيَاءِ كَمَا هُوَ الرَّسْمُ فِي زَمَانِنَا حَلَالٌ طَيِّبٌ لِأَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ اسْمُ غَيْرِ اللَّهِ وَقَدْ الذَّبْحُ وَإِنْ كَانُوا يُنْذِرُونَهَا
 ”اس سے معلوم ہوا کہ جس گائے کی اولیاء کے لیے نذر مانی گئے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رواج ہے یہ حلال طیب ہے کیونکہ اس پر ذبح کے وقت
 غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اگرچہ اس گائے کی نذر مانتے ہیں۔“

اس میں تو گیارہویں شریف کے بکرے کا خاص فیصلہ فرما دیا نام لیکر اور اس کتاب کے مصنف مولانا احمد جیون علیہ الرحمۃ وہ بزرگ ہیں جو کہ عرب و
 عجم کے علماء کے استاذ ہیں اور تمام دیوبندی بھی ان کو مانتے ہیں۔ شامی باب الذبح میں ہے۔
إِعْلَمْ أَنَّ الْمَذَارَ عَلَى الْقَصْدِ عِنْدَ ابْتِدَاءِ الذَّبْحِ ”جاننا چاہئے کہ حلت و حرمت کا دار و مدار ذبح کے وقت نیت کا ہے۔“
 صاف معلوم ہوا کہ ذبح سے پہلے کی نیت یا نام بالکل معتبر نہیں۔ عالمگیری باب الذبح میں ہے۔

مُسْلِمٌ ذَبَحَ شَاةَ الْمُجُوسِيِّ لَبِيتَ نَارِهِمْ (أَوْ بِكَافِرٍ لَا إِلَهَتِهِمْ تَوَكَّلْ لِأَنَّهُ سَمَّى اللَّهَ تَعَالَى وَيُكْرَهُ لِلْمُسْلِمِ كَذَابُ التَّارِخَانِيَةِ نَاقِلًا عَنْ جَامِعِ الْفَتَاوَى)
 ”مسلمان نے مجوسی کی وہ بکری جو ان کے آئندہ کے لئے یا کافر کی ان بتوں کیلئے تھی۔ ذبح کی وہ حلال ہے کیونکہ اس مسلمان نے اللہ کا نام لیا ہے
 مگر یہ کام مسلمان کیلئے مکروہ ہے۔ اسی طرح تارخانیہ میں جامع الفتاویٰ سے نقل کیا۔“

دیکھئے جانور پالنے والا کافر ہے اور ذبح بھی کرتا یہ بت یا آگ کی عبادت کی نیت سے، گویا مالک کا پالنا اور ذبح کرنا دونوں فاسد مگر چونکہ بوقت ذبح
 مسلمان نے بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا ہے۔ لہذا حلال ہے۔ کیسے گیارہویں یا میلاد کا بکرا اس بت پرست کے بکرے سے بھی گیا گذرا ہے؟ کہ وہ تو
 حلال مگر یہ حرام۔ الحمد للہ بخوبی ثابت ہوا کہ یہ گیارہویں وغیرہ کا جانور حلال ہے اور یہ فعل باعثِ ثواب۔

دوسرا باب

اولیاء اللہ کے جانور کے متعلق اعراضات و جوابات

اعتراض ۱ اس آیت **مَا أَهْلٌ بِهِ لِيُغَيِّرَ اللَّهُ** میں کلمہ **أَهْلٌ** اہلال سے مشتق ہے اور اہلال کے معنی لغت میں ذبح کے نہیں بلکہ مطلقاً
 پکارنے کے ہیں۔ لہذا جس جانور پر غیر خدا کا نام پکارا خواہ تو اس کی زندگی میں یا بوقت ذبح وہ مردار ہے تو غوث پاک کا بکرا شیخ سدہ کی گائے اگرچہ
 خدا کے نام پر ذبح ہو حرام ہے۔

نوٹ یہ اعتراض شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کا ہے وہ مسئلہ میں سخت فرما گئے۔

جواب اہلال کے لغوی معنی تو ہیں مطلقاً پکارنا۔ مگر عرفی معنی ہیں بوقت ذبح پکارنا۔ اور یہ عرفی معنی ہی اس جگہ مراد ہیں۔ صلوٰۃ کے لغوی معنی تو
 ہیں مطلقاً دعا۔ مگر عرفی معنی ہیں نماز تو **اقِمُوا الصَّلَاةَ** سے نماز فرض ہوگی نہ کہ عام دعا۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت ما اہل کے ماتحت ہے۔

الْإِهْلَالُ رَفْعُ الصَّوْتِ هَذَا مَعْنَى الْإِهْلَالِ فِي اللَّغَةِ ثُمَّ قِيلَ لِلْمُحَرِّمِ

”الخ اہلال کے معنی ہیں بلند آواز کرنا (پکارنا) یہ معنی لغوی ہیں پھر محرم کو کہا گیا الخ“

اسی طرح حاشیہ بیضاوی للشہاب میں اسی آیت مائل کے ماتحت ہے۔

أَيُّ رُفَعَ بِهِ الصَّوْتُ الْخَ هَذَا أَصْلُهُ، ثُمَّ جُعِلَ عِبَارَةً عَمَّا ذُبِحَ لِغَيْرِ اللَّهِ

”یعنی اسکو پکارا گیا ہو یہ اہلال کے لغوی معنی ہیں پھر اس اہل سے مراد لی گئی ہے کہ وہ جانور جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے“

اگر یہاں اہلال کے لغوی معنی مراد ہوں تو چند خرابیاں لازم ہوگی۔ اولاً یہ کہ یہ تفسیر اجماع مفسرین اور اقوال صحابہ کرام کے خلاف ہوگی۔ مفسرین کے اقوال تو ہم پہلے باب میں عرض کر چکے۔ اب صحابہ کرام وغیرہم کے اقوال ملاحظہ ہوں۔ تفسیر درمنثور میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

تفسیر مظہری میں اسی آیت کے ماتحت ہے **أَخْرَجَ ابْنُ الْمُنْذِرِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَمَا أَهْلُ الْآيَةِ قَالَ ذُبِحَ وَأَخْرَجَ ابْنُ جَرِيرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمَا أَهْلُ يَعْنِي مَا أَهْلُ لِلطَّوَاغِ، يُتِ وَأَخْرَجَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ عَنْ مُجَاهِدٍ وَمَا أَهْلُ قَالَ مَا ذُبِحَ لِغَيْرِ اللَّهِ وَأَخْرَجَ أَبِي حَاتِمٍ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ وَمَا أَهْلُ يَقُولُ مَا ذُكِرَ عَلَيْهِ اسْمُ غَيْرِ اللَّهِ** تفسیر مظہری میں اسی آیت کے ماتحت ہے **قَالَ الرَّبِيعُ ابْنُ أَنَسٍ يَعْنِي مَا ذُكِرَ عِنْدَ ذُبْحِهِ اسْمُ غَيْرِ اللَّهِ** معلوم ہوا کہ اس قدر صحابہ کرام و تابعین کا یہی فیصلہ ہے کہ اس آیت سے مراد ہے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا۔

جواب دوم یہ ہے تمہارے بتائے ہوئے یہ معنی خود قرآن کریم کے بھی خلاف ہیں قرآن فرماتا ہے۔

وَمَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ

”اللہ نے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام نہیں مقرر کئے۔ لیکن کفار اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔“

یہ چار جانور بحیرہ وغیرہ وہ تھے، جن کو کفار عرب بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان کو حرام سمجھتے تھے۔ قرآن نے اس حرام سمجھنے کی تردید فرمادی۔ حالانکہ ان پر زندگی میں بتوں کا نام پکارا گیا تھا اور ان کے کھانے کا حکم دیا کہ فرمایا۔

كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ

”کھاؤ اسکو جو تمہیں اللہ نے دیا اور شیطانوں کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔“

تفسیر فتح البیان میں زیر آیت **مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ** اور نووی شرح مسلم کتاب الجنۃ ونعيمہ باب الصفة اللتی یعرف بہانی الدنیا اهل الجنة صفحہ ۳۸۵ میں ہے۔

الْمُرَادُ انْكَارُ مَا حَرَّمُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ مِنَ السَّائِبَةِ وَالْبَحِيرَةِ وَالْحَامِ وَانْهَالُمُ تَصَرُّ حَرَامًا بِتَحْرِيمِهِ

”یعنی اس آیت سے ان جانوروں کی حرمت کا انکار کرنا مقصود ہے جن کو کفار حرام سمجھتے تھے بحیرہ وغیرہ کہ یہ جانور ان کے حرام کر لینے سے حرام نہیں ہو گئے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ جو سانڈ ہندو لوگ بتوں کے نام پر چھوڑتے ہیں وہ حرام نہیں ہو جاتا اگر مسلمان **بِسْمِ اللَّهِ** کہہ کر ذبح کر لے تو حلال ہے

ہاں غیر کی ملکیت کی وجہ سے ایسا کرنا منع ہے نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَقَالُوا هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْتُ حَجْرٌ لَا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَنْ نَشَاءُ بَزَعْمِهِمْ** اور کفار بولے کہ یہ جانور اور کھیتی روکی ہوئی ہے۔ اس کو وہ ہی کھائے۔ جس کو ہم چاہیں اپنے جھوٹے خیال ہیں۔ نیز فرماتا ہے

وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِذِكْهُرِنَا وَمَحْرَمٌ عَلَى أَزْوَاجِنَا کفار بولے جو ان جانوروں کے شکم

میں بچہ ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے خاص ہے اور ہماری عورتوں پر یہ حرام وہ ہی کھیتیاں اور جانور تھے جو بتوں کے نام پر وقت تھے اور کفار کی

حلت میں پابندیاں لگاتے تھے اس پابندی کی تردید فرمادی گئی۔ تو جب بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانور حرام نہ ہوئے تو اہل اللہ کی فاتحہ کی نیت

سے پالے ہوئے جانور کیوں حرام ہو گئے؟ تیسرے یہ کہ **أَهْلُ** کے یہ معنی فقہاء کی تصریح کے بھی خلاف ہیں ہم اس بحث کے پہلے باب میں

عالمگیری عبارت پیش کر چکے ہیں کہ مشرک یا آتش پرست نے بت یا آگ کے چڑھاوے کیلئے جانور مسلمان سے ذبح کرایا۔ مسلمان

بِسْمِ اللَّهِ سے ذبح کیا وہ حلال ہے۔ اسی طرح تفسیرات احمدیہ کی عبارت بھی پیش کر دی گئی کہ اولیاء اللہ کے نذر پالا ہوا جانور حلال ہے چوتھے یہ

کہ یہ معنی عقل کے بھٹلاف ہیں اس لئے کہ جب اہل کے لغوی معنی مراد ہوئے یعنی جانور پر اسکی زندگی میں یا بوقت ذبح غیر اللہ کا نام پکارنا جانور کو

حرام کر دیتا ہے تو لازم آیا کہ جانور کے سوا دوسری اشیاء بھی غیر اللہ کی طرف نسبت کرنے سے حرام ہو جاویں۔ کیوں کہ قرآن میں آتا۔

مَا أَهْلُ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ اور ہر وہ چیز جو کہ غیر اللہ کے نام پر پکاری جاوے ”ما“ میں جانور کی قید نہیں پھر خواہ تقرب کی نیت سے پکارا یا کسی اور

نیت سے بہر حال حرمت آنی چاہئے، تو زید کا بکر، عمر کی بھینس، زید کے آم، بکر کے باغ کے پھل، فلاں کی بیوی، ام سعد کا کنواں، فلاں کی مسجد، میرا گھر، دیوبند کا مدرہ، امام بخاری کی کتاب سب ہی نسبتیں ناجائز ہو گئیں اور ان کا استعمال حرام، اور بخاری ترمذی تو خاص شرک ہوا۔ کہ انکی نسبت بخار اور ترمذ کی طرف ہوئی جو کہ غیر اللہ ہیں، جناب جس وقت تک کہ عورت صرف اللہ ہی کی بندی کہلائی، سب کو حرام رہی، جب اس پر غیر خدا کا نام آیا، اور فلاں کی زوجہ کی گئی تب فلاں کو حلال ہوئی کبھی غیر اللہ کی نسبت سے چیز کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ حیدر آباد میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کا دتی لکھا ہوا قرآن شریف تھا انگریز اس کے دو لاکھ روپے دیتے تھے مگر نہ دیا گیا امیر عبدالرحمن خان کا استعمال شدہ قالین پچاس ہزار روپے میں امریکہ والوں نے خریدا۔ پرانے ٹکٹ بھی قیمتی ہوتے ہیں۔ (سرکار علی پوری) غرض کہ اہل کے یہ معنی ایسے فاسد ہیں کہ عقل و نقل سب ہی کے خلاف۔ پانچویں یہ کہ اگر کسی نے جانور بت کے نام پر پالا بعد میں اس سے قاعب ہو گیا اور خالص نیت سے اس کو ذبح کیا تو یہ بالاتفاق حلال ہے حالانکہ اہل میں تو یہ بھی داخل ہوا۔ اگر ایک بار بھی غیر اللہ کا نام اس پر بول دیا ماحل کی حد میں آ گیا۔ اب ماننا ہی پر کہ وقت ذبح اللہ کا نام پکارنا معتبر ہے نہ کہ قبل کا۔ اگر کوئی شخص غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے پھر گوشت میں اللہ کی نیت کرے بالکل غیر معتبر ہے۔ اسی طرح اگر زندگی کا پکارنا معتبر ہوتا تو جو آدمی جانور کی زندگی میں غیر اللہ کا نام پکارے پھر تو بے کرے اللہ کے نام پر ذبح کرتا۔ تو بھی حرام ہوتا۔ چھٹے یہ کہ اگر اہل کے معنی لغوی مراد لیے جاویں جب بھی بہ کی وجہ سے پکارنے میں تخصیص ہوگی۔ اس طرح کہ ب فسی کے معنی میں ہوگا اور مضاف پوشیدہ یعنی فی ذبح ورنہ پھر بہ سے کیا فائدہ ہوگا۔ بغیر بہ کے بھی معنی حاصل تھے۔ جیسا کہ سلیمان جمل نے آیت **ما اهل به** بغیر اللہ کی تفسیر میں لکھا ہے تو بھی مطلب وہ ہی بنا کر جس جانور پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا وہ حرام ہے بہر حال یہ ترجمہ محض فاسد ہے۔

اعتراض ۲ فقہی مسئلہ ہے کہ جس جانور کو **بِسْمِ اللّٰہ** سے ذبح کیا جاوے مگر ذبح کی نیت غیر خدا سے تقرب حاصل کرنا ہو تو وہ حرام ہے۔ چونکہ گیارہویں کرنے والاے کی نیت حضور غوث اعظم کو راضی کرنا لہذا اس ذبح میں غیر اللہ کی طرف تقرب ہوا۔ تو اگرچہ جانور ذبح **بِسْمِ اللّٰہ** سے ہوا۔ مگر اس قاعدے سے حرام ہو گیا۔ اس قاعدے کی تحقیق سوال نمبر ۳ میں آتی ہے۔

جواب ذبح کی چار قسمیں ہیں۔ اولاً یہ کہ ذبح سے مقصود محض خون بہانا ہو اور گوشت محض تابع ہو۔ اور یہ خون بہانا رب کو راضی کرنے کیلئے ہو۔ جیسے کہ قربانی، ہدی، عقیقہ اور نذر کا جانور یہ ذبح عبادۃ ہے مگر اس میں وقت یا جگہ کی قید ہے کہ قربانی خاص تاریخوں میں عبادت ہے آگے پیچھے نہیں۔ ہدی حرم میں عبادت ہے اور جگہ نہیں۔ دوسرے ٹھہری کی چھار کی آزمائش کے لئے ذبح کرنا یہ نہ عبادت ہے نہ گناہ۔ اگر **بِسْمِ اللّٰہ** سے ہو تو جانور حلال ورنہ حرام۔ تیسرے گوشت کھانے کے لئے ذبح کرنا جیسے کہ شادی ولیمہ کی دعوت یا گوشت کی تجارت کے لئے ذبح کرنا۔ اسی طرح فاتحہ بزرگان کیلئے ذبح کرنا کہ ان سب ذبح سے مقصود گوشت ہے ذبح گوشت کیلئے ہے یہ بھی اگر **بِسْمِ اللّٰہ** سے ہو تو حلال ورنہ حرام۔ چوتھے غیر خدا کو راضی کرنے کے لئے صرف خون بہانے کی نیت سے ذبح کرنا کہ اس میں گوشت مقصود نہ ہو۔ جیسے کہ ہندو لوگ بتوں یا دیوی پر جانور کی بھیئت چڑھاتے ہیں کہ اس سے صرف خوب دے کر بتوں کو راضی کرنا مقصود ہے جانور اگر **بِسْمِ اللّٰہ** کہہ کر بھی ذبح کیا جاوے، جب بھی حرام ہے بشرطیکہ ذبح کرنیوالے کی نیت بھیئت کی ہو نہ کہ ذبح کرنیوالے کی۔ ان فقہی عبارات سے یہی مراد ہے قرآن فرماتا ہے۔

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ اور حرام ہے، وہ جانور جو بتوں پر ذبح کیا جائے۔ اس آیت کی تفسیر میں سلیمان جمل فرماتے ہیں۔

اَيُّ مَا قُصِدَ بِذَبْحِهِ النُّصُبُ وَلَمْ يُزَكَّرْ اِسْمُهَا عِنْدَ ذَبْحِهِ بَلْ قُصِدَ تَعْظِيمُهَا بِذَبْحِهِ فَعَلِيَ بِمَعْنَى اللّٰمِ فَلَيْسَ هَذَا مُكْرَرًا مَعَ مَا سَبَقَ اِذْ ذَاكَ فِيمَا قُصِدَ بِذَبْحِهِ تَعْظِيمُ الصَّنَمِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرِهِ
 ”یعنی وہ جانور بھی حرام ہے جس کے ذبح سے بت مقصود ہوں اور ان کے ذبح کے وقت بت کا نام نہ لیا گیا ہو یا کہ بت کی تعظیم کے لئے کیا گیا ہو۔ پس اعلیٰ بمعنی لام ہے لہذا یہ آیت گذشتہ سے مکرر نہیں کیونکہ وہاں ماحل میں تو وہ مراد تھے جن پر بتوں کا نام لیا جاوے اور اس سے وہ جانور مراد ہیں جن کے ذبح سے بت کی تعظیم مقصود ہو اور اس کا نام نہ لیا گیا ہو۔“

سبحان اللہ کا عمدہ فیصلہ کیا کہ جو بت کے نام پر ذبح ہو وہ تو ماحل میں داخل ہے اور جس ذبح سے تعظیم غیر اللہ مقصود ہو وہ **مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ** میں داخل۔ بعض فقہاء نے ان دونوں صورتوں کو ماحل سے ثابت کیا ہے بمعنی **مَا ذُبِحَ لِتَعْظِيمِ غَيْرِ اللّٰہ** اسی پر رد مختار کی عبارت ہے غرض کہ جانوروں کی حرمت میں دو چیزوں کو دخل ہے ایک تو بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لینا۔ دوسرے غیر اللہ کو راضی کر نیکیے لئے جانور کا خون بہانا یا بس معنی کہ گوشت مقصود بالذات نہ ہو۔ تقرب بغیر اللہ ہے اسی کو فقہاء حرام فرماتے ہیں۔ چونکہ گیارہویں اور فاتحہ کا جانور تیسری قسم میں داخل ہے نہ کہ چوتھی میں۔ اسی لئے حرام نہیں کیونکہ گیارہویں کرنیوالے کا مقصد وہوتا ہے کہ اس جانور کے گوشت کا کھانا پکا کر فاتحہ کر کے فقراء پر تقسیم کیا جاوے گا۔ لہذا اس سے گوشت مقصود ہوا۔ یہ فرق ضرور خیال میں رہے۔ بعض دیوبندی کہتے ہیں کہ گیارہویں والے کا گوشت مقصود نہیں ہوتا۔

کیونکہ دیکھ گیا ہے کہ اگر اس کو اتنا زیادہ گوشت دیا جاوے یا دوسرا جانور کہ تو فاتحہ کر دے تو وہ اس سے راضی نہیں ہوتا اگر گوشت منظور ہوتا تو تبادلہ کر لیتا معلوم ہوا کہ غوث پاک رضی اللہ عنہ کے نام پر خون بہانا منظور ہے۔ لیکن یہ قول بھی غلط ہے نیت کا حال تو نیت والا ہی جان سکتا ہے بلا دلیل مسلمان پر بدگمانی کرنا حرام ہے رہا جانور کا نہ بدلنا۔ اسکی وجہ محض اہتمام ہے وہ سمجھتا ہے کہ جس طرح ہم نے پرورش کر کے اس کو اچھا کیا ہے دوسرا گوشت ایسا نہ ملے گا۔ بعض لوگ ولیمہ کے لئے جانور پالتے ہیں وہ بھی دوسرے گوشت سے تبادلہ گوارا نہیں کرتے۔ بعض لوگ فاتحہ کے لئے نئے برتن استعمال کرتے ہیں اور ان برتنوں کا تبادلہ گوارا نہیں کرتے۔ بعض کا خیال ہوتا ہے کہ جس جانور پر فاتحہ کا وعدہ ہو گیا اس کو بدلنا جائز نہیں۔ جیسے کہ قربانی کا جانور۔ یہ خیال غلط ہے۔ مگر غلط خیال سے ذبیحہ کیوں حرام ہو گیا۔ غرض کہ اہتمام اور ہے بھینٹ اور خلاصہ یہ ہوا کہ اگر نفس ذبح سے غیر اللہ کو راضی کرنا مقصود ہو تو حرام ہے اور اگر ذبح دعوت فاتحہ کے لئے ہو اور فاتحہ یا دعوت کسی کو راضی کرنے کیلئے ہو تو حلال ہے۔ کسی اللہ کے بندے کو راضی کرنا اسکی عبادت نہیں۔

اعتراض ۳ درمختار عالمگیری باب الذبح میں ہے اور نووی شرح مسلم میں تصریح کی ہے کہ۔

ذُبِحَ لِقْدُومِ الْأَمِيعِ وَنَحْوِهِ كَوَاحِدٍ مِنَ الْعُظْمَاءِ يَحْرَمُ لِأَنَّهُ أَهْلٌ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ وَلَوْ ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ
 ”باشاہ یا کسی بڑے آدمی کے آنے پر جانور ذبح کیا۔ تو وہ حرام ہے کہ اس پر غیر خدا کا نام پکارا گیا۔ اگرچہ اس پر اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو۔“
 اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی خوشنودی کے لئے جانور ذبح کرنا حرام ہے اگرچہ **بِسْمِ اللَّهِ** ہی سے ذبح ہو لہذا گیارہویں کا جانور بہر حال حرام ہے کہ حضور غوث پاک کی رضا کے لئے ہے اگرچہ ذبح **بِسْمِ اللَّهِ** سے ہو۔

جواب اس کا مکمل جواب سوال نمبر ۲ کے جواب میں گذر گیا کہ اگر سلطان یا کسی کی بھینٹ کی نیت سے ذبح ہو تو حرام۔ بھینٹ کے معنی بیان کئے جا چکے ہیں کہ خون بہانے سے اس کو راضی کرنا مقصود ہو گوشت تابع ہو اور اگر سلطان وغیرہ کی دعوت کے لئے جانور ذبح ہو تو اگرچہ دعوت رضائے سلطان مقصود ہو مگر جانور حلال ہے۔ درمختار کتاب الذبح میں اسی جگہ فرماتے ہیں۔

وَلَوْ لِلضَّيْفِ لَا يَحْرَمُ لِأَنَّهُ سُنَّةُ الْخَلِيلِ وَاکْرَامُ الضَّيْفِ اِكْرَامُ اللَّهِ وَ الْفَارِقُ أَنَّهُ إِنْ قَدَّمَهَا لِيَا كُلِّ مِنْهَا كَانَ الذَّبْحُ لِلَّهِ وَالْمُنْفَعَةُ لِلضَّيْفِ أَوَّلُ لَوْلِيْمَةٍ أَوْ لِلذَّبْحِ وَإِنْ لَمْ يَقْدِّمْهَا لِيَا كُلِّ مِنْهَا بَلْ يَذْفَعُهَا لِغَيْرِهِ كَانَ لِتَعْظِيمِ غَيْرِ اللَّهِ فَتَحْرَمُ

”اور اگر ذبح مہمان کیلئے ہو تو حرام نہیں کیونکہ یہ حضرت خلیل اللہ کا طریقہ ہے اور مہمان کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے وجہ فرق یہ ہے کہ اگر اس کا گوشت مہمان کے آگے رکھا تاکہ اس میں کھائے تو یہ ذبح اللہ کیلئے ہوگا اور نفع مہمان کیلئے یا ولیمہ یا تجارت کیلئے اور اگر مہمان کے آگے نہ رکھا بلکہ یونہی کسی کو دیدیا تو یہ تعظیم غیر اللہ کے لئے ہے لہذا حرام ہے۔“

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ گوشت کا مقصود ہونا عبادت وغیر عبادت میں فرق ہے۔ اسی جگہ درمختار میں ہے

وَفِي صَيْدِ الْمُنِيَةِ أَنَّهُ يُكْرَهُ، وَلَا يَكْفُرُ لِأَنَّا لَا نَسِيُّ الظَّنَّ بِالْمُسْلِمِ أَنَّهُ يَتَقَرَّبُ إِلَى الْأَدَمِيِّ بِهَذَا لِنُحْرِ

”ایسا کرنا مکروہ ہے اس سے ذبح کافر نہ ہوگا۔ کیونکہ ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے کسی آدمی کی عبادت کرتا ہے۔“

معلوم ہوا کہ مسلمان پر بدگمانی کرنا حرام ہے۔ اس کے حاشیہ درمختار میں اس کو زیادہ واضح کر دیا گیا ہے مگر جس قدر بیان کر دیا گیا اس میں کفایت ہے۔ تفسیر روح البیان پارہ ۶ زیر آیت

وَمَا أَهْلٌ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ مَا يَذْبَحُ عِنْدَ اسْتِقْبَالِ السُّلْطَنِ تَقَرُّبًا إِلَيْهِ أَفْتَى أَهْلُ الْبُخَارِيِّ بِتَحْرِيمِهِ إِنَّمَا يَذْبَحُونَهُ، اسْتِبْشَارًا بِقُدُومِهِ فَهُوَ كَذْبَحِ الْعَقِيقَةِ لِوِلَادَةِ الْمَوْلُودِ مِثْلُ هَذَا لَا يُوجِبُ التَّحْرِيمَ كَذَا فِي شَرْحِ الْمَشَارِقِ

”یعنی جو جانور سلطان کے آنے پر ذبح کیا جائے اس سے قرب حاصل کرنے کے لئے اہل بخاری نے اسکی حرمت کا فتویٰ دیا اور امام رافعی نے فرمایا کہ جانور حرام نہیں کیونکہ وہ لوگ سلطان کی آمد کی خوشی میں ذبح کرتے ہیں جیسے کہ بچہ کا عقیقہ بچہ کی پیدائش کی خوشی میں اور اس جیسا کام جانور کو حرام نہیں کر دیتا اسی طرح شرح مشارق میں ہے۔“

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ رواج ہوگا کہ بادشاہ کی آمد پر گھر گھر جانور ذبح ہوتے ہوں گے آج کل یہ رسم نہیں تو بادشاہ کی عبادت کی نیت سے ذبح کرتے ہوں تو وہ حرام اور جو اظہار خوشی کے لئے لوگوں کی دعوت کرتے ہوں وہ حلال یہ فتاویٰ کا اختلاف رسوم کے اختلاف زمانہ کی وجہ سے

ہے۔ غرضکہ گیارہویں کے جانور کو ذبیحہ قدوم سلطان سے کوئی نسبت نہیں۔

اعتراض ۴ گیارہویں کی نیت سے بکرا پالنے والا مرتد ہے کیونکہ غیر خدا کی نذر ماننا کفر ہے اور کافر و مرتد کا ذبیحہ حرام ہے لہذا

گیارہویں ماننے والے کا ذبیحہ حرام ہے۔ شامی جلد دوم کتاب القوم بحث نذر اموات میں ہے۔ **وَالنَّذْرُ لِلْمَخْلُوقِ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ**

عِبَادَةٌ” وَالْعِبَادَةُ لَا تَكُونُ لِمَخْلُوقٍ

جواب اس کا مکمل جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ یہ نذر شرعی نہیں نذر عرفی ہے بمعنی ہدیہ و نذرانہ یا یہ نذر اللہ کے لئے ہے اور اس کا تصرف یہ

ہے اور ان میں سے کوئی بھی شرک نہیں۔ استاذ سے کہتے ہیں کہ رقم آپ کی نذر ہے یعنی نذرانہ و ہدیہ۔

بحث ہاتھ پاؤں چومنا اور تبرکات کی تعظیم کرنا

پہلا باب

بوسہ تبرکات کے ثبوت میں

تبرکات کا چومنا جائز ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وَادْخُلُوا الْبَاطِ سُجَّدًا وَقُوا حِطَّةً** ”یعنی اے بنی اسرائیل تم بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں۔“ اس آیت سے پتہ لگا کہ بیت المقدس جو انبیاء کرام کی آرامگاہ ہے اس کی تعظیم اس طرح کرائی گئی کہ وہاں بنی اسرائیل کو سجدہ کرتے ہوئے جائز کا حکم دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تبرک مقامات پر تو بہ جلد قبول ہوتی ہے۔ مشکوٰۃ باب المصافحہ والمعانقہ فصل ثانی میں ہے۔

وَعَنْ ذِرَاعٍ وَكَانَ فِي وَفِدِ عَبْدِ الْقَيْسِ قَالَ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فَجَعَلْنَا نَتَبَا دَرُ مِنْ رَوَاحِلِنَا فَتَقَبَّلَ يَدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَلَهُ

”حضرت ذراع سے مروی ہے اور یہ وفد عبدالقیس میں تھے فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ آئے تو اپنی سواریوں سے اترنے میں جلدی کرنے لگے پس ہم حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومتے تھے۔“

مشکوٰۃ باب الکباہر وعلامات العفاق میں حضرت صفوان ابن عسال سے روایت ہے

فَيَقْبَلُ عَدِيهِ وَرَجَلَهُ پس انہوں نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومے۔ مشکوٰۃ شریف **بَابُ مَا يُقَالُ عِنْدَ مَنْ حَضَرَهُ الْمَوْتُ** بروایت ترمذی وابوداؤد میں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَبَّلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُثْمَانَ ابْنَ مَطْعُونٍ وَهُوَ مَيِّتٌ ”حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون کو بوسہ دیا حالانکہ ان کا انتقال ہو چکا تھا۔“

شفا شریف میں ہے **كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَضَعُ عَدَهُ عَلَى الْمِمْبَرِ الَّذِي يَجْلِسُ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْخُطْبَةِ ثُمَّ يَضَعُهَا عَلَى وَجْهِهِ**

”جس منبر پر حضور علیہ السلام خطبہ فرماتے تھے اس پر حضرت عبداللہ ابن عمر اپنا ہاتھ لگا کر منہ پر رکھتے تھے (چومتے تھے)“ شرح بخاری لابن حجر پاؤہ چشم ص ۱۵ میں ہے۔

اسْتَبْطَ بَعْضُهُمْ مَنْ مَشْرُوعِيَّةٍ تَقْبِيلِ الْأَرْكَانِ جَوَازِ تَقْبِيلِ كُلِّ مَنْ يَسْتَحِقُّ الْعِظَمَةَ مِنْ أَدَمِيٍّ وَغَيْرِهِ نُقِلَ عَنِ الْإِمَامِ أَحْمَدَ أَنَّهُ سُعِلَ عَنْ تَقْبِيلِ مِنْبَرِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَتَقْبِيلِ قَبْرِهِ قَالَ فَلَمْ يُرَبِّهِ بِأَسَا وَنُقِلَ عَنْ ابْنِ أَبِي الصَّنْفِ الْيَمَانِيِّ أَحَدِ عُلَمَاءِ مِلَّةٍ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ جَوَازِ تَقْبِيلِ الْمُصْحَفِ وَأَجْزَاءِ الْحَدِيثِ وَقُبُورِ الصَّالِحِينَ مُلَخَّصًا

”ارکان کعبہ کے چومنے سے بعض علماء نے بزرگان دین وغیرہم کے تبرکات کا چومنا ثابت کیا ہے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضور علیہ السلام کا منبر یا قبر انور پر چومنا کیا ہے؟ فرمایا کوئی حرج نہیں اور ابن ابی الصنف یمانی سے جو کہ مکہ کے علماء شافعیہ میں سے ہیں منقول ہے۔ قرآن کریم اور حدیث کے اوراق بزرگان دین کی قبر چومنا جائز ہیں۔“

تو شیخ میں علامہ جلال الدین سیوطی قدسی سرہ فرماتے ہیں۔

سُتَبْطَ بَعْضُ الْعَارِفِينَ مِنْ تَقْبِيلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ تَقْبِيلَ قُبُورِ الصَّالِحِينَ ”حجر الاسود کے چومنے سے بعض عارفین نے بزرگان دین کی قبروں کا چومنا ثابت کیا ہے۔“

ان احادیث و محدثین و علماء کی عبارات سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین کے ہاتھ پاؤں اور ان کے لباس نعلین، بال غرض کہ سارے تبرکات اسی طرح کعبہ معظمہ، قرآن شریف، کتب احادیث کے اوراق کا چومنا جائز اور باعث برکت ہے، بلکہ بزرگان دین کے بال ولباس و جمع تبرکات کی تعظیم کرنا، ان سے لڑائی وغیرہ مصائب میں امداد حاصل کرنا۔

قرآن کریم میں ثابت ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے فرمایا کہ طالوت کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت آویگا۔ جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کو چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی کہ اٹھائے ہوں گے اس کے فرشتے اس آیت کی تفسیر ہیں تفسیر خازن روح البیان و تفسیر مدارک اور جلالین وغیرہم نے لکھا ہے، کہ تابوت ایک شمشاد کی لکڑی کا صندوق تھا جس میں انبیاء کی تصاویر (یہ تصاویر کسی انسان نے نہ بنائی تھیں بلکہ قدرتی تھیں) ان کے مکانات شریفہ کے نقشے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کے کپڑے اور آپ کے نعلین شریف اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عصا اور ان کا عمامہ وغیرہ تھا۔ بنی اسرائیل جب دشمن سے جنگ کرتے تو برکت کے لئے اس کو سامنے رکھتے تھے۔ جب خدا سے دعا کرتے تو اس کو سامنے رکھ کر دعا کرتے تھے۔ بخوبی ثابت ہوا کہ بزرگان دین کے تبرکات سے فیض لینا۔ ان کی عظمت کرنا طریقہ

انبیاء ہے۔ تفسیر خازن و مدارک روح البیان و کبیر سورہ یوسف پارہ ۱۲ ازیر آیت **فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ** کہ جب یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کے ساتھ بھیجا تو ان کے گلے میں ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تعویذ بنا کر ڈال دی تا کہ محفوظ رہیں۔ سارے پانی رب نے پیدا کیئے ہیں۔ مگر آب زمزم کی تعظیم اس لئے ہے کہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدم شریف سے پیدا ہوا۔ مقام ابراہیم پتھر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبت ہوئی تو اسکی عزت یہاں تک بڑھ گئی کہ حضور علیہ السلام سے نسبت ہوئی۔ تو رب تعالیٰ نے اس کی قسم فرمائی **لَا أَقْسِمُ بِهَذَا**

الْبَلَدِ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ نیز فرمایا **وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ** ایوب علیہ السلام سے فرمایا **أَرْكُضْ بِرِجْلِكَ هَذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ** ایوب علیہ السلام کے پاؤں سے جو پانی پیدا ہوا۔ وہ شفا بنا۔ معلوم ہوا کہ نبی کے پاؤں کا دھوون عظمت والا اور شفاء ہے۔ مشکوٰۃ شروع کتاب اللباس میں ہے کہ حضرت اسماعیل بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما کے پاس حضور علیہ السلام کا جبہ (اچکن) شریف تھا۔ اور مدینہ طیبہ میں جب کوئی بیمار ہوتا تو آپ وہ دھو کر اس کو پلاتی تھیں اسی مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ باب الاشرہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت کہو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر تشریف فرما ہوئے اور ان کے مشکیزے سے منہ مبارک لگا کر پانی پیا۔ انہوں نے برکت کیلئے مشکیزہ کا منہ

کات کر رکھ لیا۔ اسی مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب المساجد فصل ثانی میں ہے کہ ایک جماعت حضور علیہ السلام کے دست اقدس پر مشرف بہ اسلام ہوئی اور عرض کیا کہ ہمارے ملک میں بیچہ (یہودیوں کا عبادت خانہ) ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس کو توڑ کر مسجد بنالیں۔ حضور علیہ السلام نے ایک برتن میں پانی لے کر اس میں کلی فرمادی اور فرمایا کہ اس بیچہ کو توڑ دو اور اس پانی کو وہاں زمین پر چھڑک دو اور اس کو مسجد بنالو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب شریف کفر کی گندگی کو دور فرماتا ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنی ٹوپی میں حضور علیہ السلام کا ایک بال شریف رکھتے تھے۔ اور جنگ میں وہ ٹوپی ضرور آپ کے سر مبارک پر ہوتی تھی۔ مشکوٰۃ باب السترہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے وضو فرمایا تو حضرت بلال نے وضو کا پانی لے لیا اور لوگ حضور بلال کی طرف دوڑے۔ جس کو اس غبار شریف کی تری مل گئی اس نے اپنے منہ پر ٹل لی اور جسے نہ ملی۔ اس نے کسی دوسرے کے ہاتھ سے تری لے کر منہ پر ہاتھ پھیر لیا ان احادیث سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین کی استعمال چیزوں سے برکت حاصل کرنا سنت صحابہ ہے۔ اب اقوال فقہاء ملاحظہ ہوں۔ عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب الملوک میں ہے۔

إِنْ قَبْلَ يَدْعَالِمٍ أَوْ سُلْطَنٍ عَادِلٍ بِعِلْمِهِ وَعَدْلِهِ لَا بَأْسَ بِهِ

”اگر عالم یا عادل بادشاہ کے ہاتھ چومے ان کے علم و عدل کی وجہ سے تو اس میں حرج نہیں۔“

اسی عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب زیارۃ القبور میں ہے۔

لَا بَأْسَ بِتَقْبِيلِ قَبْرِ وَالِدَيْهِ كَذَافِي الْغَرَائِبِ ”اپنے ماں باپ کی قبریں چومنے میں حرج نہیں۔“

اسی عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب ملاقات الملوک میں ہے۔

إِنَّ التَّقْبِيلَ عَلَى خَمْسَةِ أَرْجِهٍ قُتِلَ الرَّحْمَةُ كَقُبْلَةِ الْوَلَدِ، وَقُبْلَةُ التَّحِيَّةِ كَقُبْلَةِ الْمُؤْمِنِينَ بَعْضُهُمْ

وَقُبْلَةُ الشَّفَقَةِ كَقُبْلَةِ الْوَلَدِ بِوَالِدَيْهِ وَقُبْلَةُ الْمُؤَدَّةِ كَقُبْلَةِ الرَّجُلِ أَخَاهُ قُبْلَةُ السَّهْوَةِ كَقُبْلَةِ الرَّجُلِ

أَمْرَاتِهِ، وَزَادَ بَعْضُهُمْ وَقُبْلَةُ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ

”بوسہ لینا پانچ طرح کا ہے رحمت کا بوسہ جیسے کہ باپ اپنے فرزند کو چومے۔ ملاقات کا بوسہ جیسے کہ بعض مسلمان بعض کو بوسہ دیں۔ شفقت کا بوسہ جیسے کہ فرزند اپنے ماں باپ کو بوسہ دے دوستی کا بوسہ جیسے کہ کوئی شخص اپنے دوست کو بوسہ دے۔ شہوت کا بوسہ جیسے کہ شوہر اپنی بیوی کا بوسہ لے۔ بعض نے زیادہ کیا دین داری کا بوسہ اور وہ سنگ اسود کا چومنا ہے۔“

درمختار جلد پنجم کتاب الکراہیت آخر باب الاستبراء بحث مصافحہ میں ہے۔

وَلَا بَأْسَ بِتَقْبِيلِ يَدِ الْعَالِمِ وَ السُّلْطَنِ الْعَادِلِ ”عالم اور عادل بادشاہ کے ہاتھ چومنے میں حرج نہیں۔

اس جگہ شامی نے حاکم کی ایک حدیث نقل کی جس کے آخر میں ہے۔

قَالَ ثُمَّ أَذِنَ لَهُ، فَقَبَّلَ رَأْسَهُ وَرَجُلَيْهِ وَقَالَ لَوْ كُنْتُ امْرَأًا أَحَدًا أَنْ يُسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَقَالَ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ

”حضور علیہ السلام نے اس شخص کو اجازت دی اس نے آپ کے سر اور پاؤں مبارک پر بوسہ دیا۔ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ہم کسی کو سجدے کا حکم دیتے تو عورت کو دیتے کہ شوہر کو سجدہ کرے۔“

درمختار نے اسی جگہ بوسہ پانچ قسم کا بیان کیا مثل عالمگیری کے اتنا اور زیادہ کیا۔

قُبْلَةُ الدِّيَانَةِ لِلْحَجَرِ السَّوَدِ وَ تَقْبِيلُ عُتْبَةَ الْكَعْبَةِ تَقْبِيلُ الْمُصْحَفِ قِيلَ بِدْعَةٍ لَكِنْ رُوِيَ عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَأْخُذُ الْمُصْحَفَ كُلَّ غَدَاةٍ وَأَمَّا تَقْبِيلُ الْخُبْرِ فَجَوَزَ الشَّافِعِيُّ أَنَّهُ بِدْعَةٌ مُبَاحَةٌ وَأَقِيلَ حَسَنَةً مُلْخَصًا

”ایک بوسہ دینداری کا ہے وہ حجر اسود کا بوسہ کعبہ شریف کی چوکھٹ کا بوسہ ہے قرآن پاک کو چومنا بعض لوگوں نے بدعت کہا ہے مگر عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ہر صبح کو قرآن پاک ہاتھ میں لیکر چومتے تھے اور روٹی کا چومنا اسکو شافعی لوگوں نے جائز فرمایا ہے کہ یہ بدعت جائز ہے بعض نے کہا کہ بدعت حسنہ ہے۔“

نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى** مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی۔ ان کے قدم پاک کی برکت سے اس پتھر کا یہ درجہ ہوا کہ دنیا بھر کے حاجی اس کی طرف سر جھکانے لگے۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بوسے چند طرح کے ہیں اور تبرک چیزوں کو بوسہ دینا دینداری کی علامت ہے، یہاں تک تو اقوال موافقین کا ذکر ہوا۔ مخالفین کے سردار جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الخطر والا باحہ صفحہ ۵۴ پر فرماتے ہیں ”تعظیم دیندار کو کھڑا ہونا سنت ہے اور پاؤں چومنا ایسے ہی شخص کا بھی درست ہے حدیث سے ثابت ہے۔“ فقہ رشید احمد غفری عنہ۔

اس کے متعلق اور بھی احادیث و فقہی عبارات عبارات پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اسی قدر پر کفایت کی جاتی ہے۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات و جواب میں

بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنے اور تبرکات کی تعظیم پر مخالفین کے پاؤں حسب ذیل اعتراضات ہیں۔ انشاء اللہ عز و جل اس کے سوا اور نہ مل سکیں گے۔

اعتراض ۱ فقہاء فرماتے ہیں کہ علماء کے سامنے زمین چومنا حرام ہے۔ نیز جھک کر تعظیم کرنا حرام ہے کیونکہ یہ رکوع کے مشابہ اور جس طرح تعظیمی سجدہ حرام ہو گیا۔ تعظیمی رکوع بھی حرام ہو گیا اور جبکہ کسی کے پاؤں چومنے کے لئے اس کے قدم پر منہ رکھا تو یہ رکوع تو کیا سجدہ ہو گیا لہذا یہ حرام ہے۔ درمختار کتاب الکراہیت باب الاستبراء بحث مصافحہ میں ہے۔

وَتَقْبِيلُ الْأَرْضِ بَيْنَ يَدَيِ الْعُلَمَاءِ وَالْعُظَمَاءِ فَحَرَامٌ ”لأنه يشبهه عِبَادَةُ الْوَتَنِ

”علماء اور بڑے بزرگوں کے سامنے زمین چومنا یہ حرام ہے کیونکہ یہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔“

اسی کے ماتحت شامی ہیں۔

الْإِيمَاءُ فِي السَّلَامِ إِلَى قَرِيبِ الرُّكُوعِ كَالسُّجُودِ وَ فِي الْمُحِيطِ أَنَّهُ يُكْرَهُ الْإِنْحِنَاغُ لِلْسُّلْطَنِ وَغَيْرِهِ وَظَاهِرُ كَلَامِهِمْ عَلَى إِطْلَاقِ السُّجُودِ عَلَى هَذَا التَّقْبِيلِ

”سلام میں رکوع کے قریب تک جھکنا سجدہ کی طرح ہے اور محیط میں ہے کہ بادشاہ وغیرہ کے سامنے جھکنا مکروہ ہے اور فقہاء کا ظاہری کلام یہ ہے کہ وہ اس چومنے کو سجدہ ہی کہتے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ کسی انسان کے آگے جھکنا سجدہ کرنا شرک ہے لہذا کسی کے پاؤں چومنا شرک ہے حضرت مجدد صاحب کو دربار اکبری میں بلایا گیا اور داخل

ہونیکا دروازہ چھوٹا رکھا گیا تھا کہ اس بہانہ سے آپ اکبر کے سامنے جھک جاویں مگر جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو آپ نے اولادروازے میں پاؤں داخل کئے تاکہ جھکنا نہ لازم آجاوے (یہ اعتراض انتہائی ہے اور عام دیوبندی وہابی اسی کو پیش کرتے ہیں)۔

جواب ہم اولاً سجدہ کی تعریف کریں۔ پھر سجدے کے احکام۔ پھر یہ عرض کریں کہ کسی کے سامنے جھکنے کے کیا حکم ہیں اس سے یہ اعتراض خوب دُخ دہی دفع ہو جاوے گا۔ شریعت میں سجدہ یہ ہے کہ زمین پر سات عضو لگیں۔ دونوں پنچے، دونوں گھٹنے، دونوں ہاتھ اور ناک و پیشانی، پھر اس میں سجدہ کی نیت بھی ہو۔ دیکھو عام کتب فقہ کتاب الصلوٰۃ بحث سجدہ اگر بغیر سجدے کی نیت کے کوئی شخص زمین پر اوندھا لیٹ گیا تو سجدہ نہ ہوا۔ جیسا کہ بعض لوگ بیماری یا سردی چار پائی پر اوندھے پڑ جاتے ہیں۔ سجدہ دو طرح کا ہے۔ سجدہ تحیہ اور سجدہ عبادت۔ سجدہ تحیہ تو کسی کی ملاقات کے وقت سجدہ کرنا اور سجدہ عبادت کسی کو خدا کی طرح جان کر کرنا۔ سجدہ عبادت غیر اللہ کو کرنا شرک ہے کسی نبی کے دین میں جائز نہ ہوا کیونکہ ہر نبی تو حید لائے شرک کسی نے نہیں پھیلایا۔ سجدہ تحیہ زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک تک جائز رہا فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور برادران حضرت یوسف نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ تفسیر روح البیان پارہ ۱۲ سورہ ہود زیر آیت

وَقِيلَ بَعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ میں حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ شیطان سے کہو کہ حضرت آدم کی قبر کو سجدہ کرے۔ شیطان بولا کہ جب میں نے آدم علیہ السلام کی زندگی میں سجدہ نہ کیا تو ان کی قبر کو کیا سجدہ کروں گا۔ پھر اسلام نے اس سجدہ تحیہ کو حرام فرمایا۔ لہذا اگر کوئی مسلمان کسی آدمی کو سجدہ تحیہ کرے تو گنہگار ہے، مجرم ہے حرام کا مرتکب ہے، مگر شرک یا کفر نہیں۔ معترض نے جو در مختار کی عبارت پیش کی اسی جگہ در مختار میں ہے۔

إِنْ كَانَ عَلَىٰ وَجْهِ الْعِبَادَةِ وَالتَّعْظِيمِ كَفَرُوا وَإِنْ كَانَ عَلَىٰ وَجْهِ التَّحِيَّةِ لَا وَصَارَ إِلِمًا مُرْتَكِبًا لِلْكِبِيرَةِ

”اگر یہ زمین چومنا عبادت اور تعظیم کے لئے ہو تو کفر ہے اور اگر تحیہ کے لئے ہو تو کفر نہیں ہاں گنہگار اور کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔“ اس عبارت کے ماتحت شامی نے اسکو اور بھی واضح کر دیا ہے۔ رہا غیر کے سامنے جھکنا۔ اسکی دو نوعیت ہیں ایک یہ کہ جھکنا تعظیم کے لئے ہو جیسے کہ جھک کر سلام کرنا۔ یا معظم شخص کے سامنے زمین چومنا یا اگر حد رکوع ہے تو حرام ہے اسی کو فقہاء منع فرما رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جھکنا کسی اور کام کے لئے ہو اور وہ کام تعظیم کے لئے ہو جیسے کہ کسی بزرگ کا جوتا سیدھا کرنا اس کے پاؤں چومنے کے لئے ہے اور وہ کام تعظیم بزرگ کے لئے یہ حلال ہے اگر یہ توجیہ نہ کی جائے تو ہماری پیش کردہ احادیث اور فقہی عبارات کا کیا مطلب ہوگا۔ نیز یہ سوال دیوبندیوں کے بھی خلاف ہوگا کہ ان کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب بھی پاؤں چومنا جائز فرماتے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب کا یہ انتہائی تقویٰ تھا کہ انہوں نے سمجھا کہ چونکہ دربار اکبری میں اکبر بادشاہ کو سجدہ کرایا جاتا ہے اور اکبر اس غرض سے مجھ کو اپنے سامنے جھکنا چاہتا ہے۔ اس لئے آپ نہ جھکے ورنہ اگر آپ جھک کر اس کھڑکی سے داخل ہوتے تو بھی آپ پر کچھ شرعی الزام نہ ہوتا کہ آپ کا مقصد اس جھکنے سے تعظیم اکبر نہ تھی۔

اعتراض ۴ احادیث میں ہے کہ حضرت عمر نے سنگ اسود کو بوسہ دے کر فرمایا۔

إِنِّي أَعْلَمُ إِنَّكَ حَجَرٌ لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ لَوْ لَا إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَبَّلْتُكَ ”پتھر ہے نفع دے نہ نقصان اگر میں نے حضور علیہ السلام کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تو تجھ کو چومتا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو سنگ اسود کا بوسہ ناگوار تھا مگر چونکہ نص میں آگیا مجبوراً چوم لیا۔ اور چونکہ ان تہکات کے چومنے کی نص نہیں آئی لہذا نہ چمنای مناسب ہے۔

جواب مولوی عبدالحی صاحب نے مقدمہ ہدایہ مذیلۃ الہدایہ میں حجر اسود کے ماتحت اسی حدیث کو نقل فرمایا کہ حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جواب دیا کہ اے امیر المؤمنین حجر اسود نافع بھی ہے اور مضر بھی۔ کاش کہ آپ نے قرآن کی اس آیت کی تفسیر پر توجہ فرمائی ہوتی۔

وَإِذَا خَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ جب میثاق کے دن رب تعالیٰ نے عہد و پیمان لیا تو وہ عہد نامہ ایک ورق میں لکھ کر اس حجر اسود میں رکھا اور یہ سنگ اسود قیامت کے دن آویگا اس کی آنکھیں اور زبان اور لب ہوں گے اور مؤمنین کی گواہی دے گا۔ لہذا یہ اللہ کا امین اور مسلمانوں کا گواہ ہے حضرت فاروق نے فرمایا۔

اے علی جہاں تم نہ ہو خدا مجھے وہاں نہ رکھے، معلوم ہوا کہ سنگ اسود نفع و نقصان پہچانے والا ہے اور اس کی تعظیم دین کی تعظیم ہے۔ نیز حضرت فاروق کا سنگ اسود کو یہ خطاب اس لئے نہ تھا کہ آپ اس بوسہ حجر اسود سے ناراض تھے۔ سقت سے ناراضی کفر ہے بلکہ محض اس لئے کہ اہل عرب پہلے بت پرست تھے ایسا نہ ہو کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ اسلام نے چند بتوں سے ہٹا کر ایک پتھر پر ہم کو متوجہ کر دیا اس فرمان سے لوگوں کو فرق معلوم ہو گیا کہ وہ تھا

پتھروں کا پوجنا اور یہ ہے پتھر کا چومنا۔ پوجنا اور ہے اور چومنا اور۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مقصد کی تردید نہ کی بلکہ **لَا تَضُرُّكَ لَا تَنْفَعُ** کے لفظ سے جو سامعین دھوکا کھاتے اس کو صاف فرما دیا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ مالذات یہ پتھر نفع اور نقصان کا مالک نہیں۔ جیسا کہ اہل عرب بتوں کو سمجھتے تھے اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے۔ کہ اس پتھر میں بالکل نفع و ضرر نہیں تو حضرت فاروق کا فرمان بھی لوگوں کو سمجھانے کے لئے تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہماری تقریر سے روافض اور وہابیوں دونوں کے اعتراض اٹھ گئے۔

تعب ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ یہاں تو سب اسود کے بوسہ کے بقول تمہارے خلاف ہیں لیکن خود ہی حضور علیہ السلام سے انہوں نے عرض کیا کہ ہم مقام ابراہیم کو اپنا مصلیٰ بنا لیتے کہ اس کے سامنے سجدہ کرتے اور نفل پڑھتے ان ہی کی عرض پر یہ آیت آئی۔ **وَإِتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى** مقام ابراہیم بھی تو ایک پتھر ہی ہے اس کے سامنے نفل پڑھنا اور سجدہ کرنا آپ کو پسند ہے۔

اعتراض ۳ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آج کل جو تبرکات حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں خبر نہیں کہ بناوٹی ہیں یا کہ اصلی چونکہ ان کے اصلی ہونے کا ثبوت نہیں اس لئے انکا چومنا، ان کی عظمت کرنا منع ہے۔ ہندوستان میں صد ہا جگہ بال مبارک کی زیارت کرائی جاتی ہے نہ تو اس کا پتہ ہے اور نہ ثبوت کہ یہ حضور علیہ السلام کے بال ہیں؟

جواب تبرکات کے ثبوت کے لئے مسلمانوں میں یہ مشہور ہونا کہ یہ حضور کے تبرکات ہیں کافی ہے اس کے لئے آیت قرآنی یا حدیث بخاری کی ضرورت نہیں ہر چیز کا ثبوت یکساں نہیں ہوتا زنا کے ثبوت کے لئے چار متقی مسلمانوں کی شہادت درکار۔ دیگر مالی معاملات کے ثبوت کے لئے دو کی گواہی کافی اور رمضان کے چاند کے لئے صرف ایک عورت کی خبر بھی معتبر، نکاح، نسب یا دگاریوں اور اوقاف کے ثبوت کے لئے صرف شہرت یا خاص علامت کافی ہے۔ ایک پردیسی آدمی کسی عورت کو ساتھ لے کر مثل زن و شوہر رہتے ہیں۔ آپ اس علامت کو دیکھ کر اس کے نکاح کی گواہی دے سکتے ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ ہم فلاں کے بیٹے فلاں کے پوتے ہیں۔ اس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے نہ حدیث نہ ہماری والدہ کے نکاح کے گواہ موجود۔ مگر مسلمانوں میں اس کی شہرت ہے اتنا ہی کافی ہے۔ اسی طرح یا دگاریوں کے ثبوت کے لئے شہرت معتبر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

”کیا یہ لوگ زمین کی سیر نہیں کرتے تاکہ دیکھیں ان سے پہلے والوں کا کیا انجام ہوا۔“

اس آیت میں کفار مکہ کو رغبت دی گئی ہے کہ گذشتہ کفار کی یادگاروں، ان کی اجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھ کر عبرت پکڑیں کہ نافرمانوں کا یہ انجام ہوتا ہے اب یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں جگہ قوم آباد تھی قرآن نے بھی اس کا پتہ نہ دیا اس کے لئے محض شہرت معتبر مانی۔ معلوم ہوا کہ قرآن نے بھی اس شہرت کا اعتبار اور فرمایا۔ شفا شریف میں ہے۔

وَمِنْ أَعْظَامِهِ وَآكْبَارِهِ إِعْظَامُ جَمِيعِ أَسْبَابِهِ وَآكْرَامُ مُشَاهِدِهِ وَ. أَمْكِنَتِهِ وَمَا لَمَسَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوْ عُرِفَ بِهِ حضور علیہ السلام کی تعظیم و توقیر میں سے یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام کے اسباب ان کے مکانات اور جس کو اس جسم پاک سے مس بھی ہو گیا اور جس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ یہ حضور علیہ السلام کی ہے ان سب کی تعظیم کرے۔ شرح شفا میں ملا علی قاری اس عبارت کے ماتحت فرماتے ہیں۔

إِنَّ الْمُرَادَ جَمِيعُ م. ا. نُسَبَ إِلَيْهِ وَيُعْرَفُ بِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اس سے مقصد یہ ہے کہ جو چیز حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہو مشہور ہو اس کی تعظیم کرے۔ مولانا عبدالحلیم صاحب لکھنوی نے اپنی کتاب نور الایمان میں یہی عبارت شفا اقل فرما کر **وَيُعْرَفُ بِهِ** پر حاشیہ لکھا۔

وَلَوْ كَانَ عَلَىٰ وَجْهِ الْأَشْتِهَارِ مِنْ غَيْرِ ثُبُوتٍ أَخْبَارٍ فِي اثَّارِهِ خَذَا قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْقَارِئِ

”اگر یہ نسبت محض شہرت کی بنا پر ہو اور اس کا ثبوت احادیث سے نہ ہو۔ اسی طرح ملا علی قاری نے فرمایا۔“

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب مسلک متقطط میں یہی مضمون تحریر فرمایا۔ اسی طرح علماء امت نے احکام حج میں تصانیف شائع کیں اور زائرین کو ہدایت کی کہ حرمین شریفین میں ہر اس مقام کی زیارت کرے جس کی لوگ عزت و حرمت کرتے ہوں۔ تعجب ہے کہ فقہاء کرام فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کو بھی معتبر مانیں۔ اور یہ مہربان تبرکات کے ثبوت کے لئے حدیث بخاری کا مطالبہ کریں۔

عاشقان راچہ کار با تحقیق! ہر کجا نام اوست قربانیم !

لطیفہ ہم دھوراجی کا ٹھیا واڑ کی نگینہ مسجد میں بارہویں ربیع الاول شریف کو وعظ کہنے گئے وہاں بال مبارک کی زیارت کی جارہی تھی۔ مسلمان زیارت کر رہے تھے درود پاک کرتے تھے کوئی روتا تھا۔ کوئی دعا مانگ رہا تھا۔ غرض کہ عجیب پر کیف منظر تھا ایک صاحب ایک کونہ میں منہ بنائے کھڑے تھے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے منہ کو لٹوے نے مارا ہے میں نے پوچھا کہ حضرت آپ غصہ میں کیوں ہیں؟ فرمانے لگے کہ مسجدوں میں شرک ہو رہا ہے اس کا کیا ثبوت ہے؟ کہ یہ بال حضور علیہ السلام کا ہے اور اگر ہو بھی تو اس تعظیم کی کیا ثبوت ہے؟ میں نے جواب نہ دیا۔ بلکہ ان سے پوچھا کہ جناب کا اسم شریف کیا ہے؟ فرمانے لگے عبدالرحمن۔ والد مہربان کا اسم گرامی کیا؟ فرمایا کہ عبدالرحیم۔ ہم نے پوچھا کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟ کہ آپ عبدالرحیم صاحب کے فرزند ہیں۔ اولاً تو اس نکاح کے گواہ نہیں اگر کوئی ہو بھی تو وہ صرف عقد نکاح کی گواہی دے گا یہ کیسے معلوم ہوا کہ جناب کی ولادت شریف ان کے ہی قطرے سے ہے تڑپ کر بولے کہ جناب مسلمان کہتے ہیں کہ میں ان کا بیٹا ہوں اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے۔ ہم نے کہا جناب مسلمان کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بال شریف ہے اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے شرمندہ ہو گئے کہنے لگے یہ اور بات ہے پوچھا کہ جناب کہاں کے تعلیم یافتہ ہیں فرمایا دیوبند کے۔ ہم نے کہا کہ پھر کیا پوچھنا آپ تو رجسٹری شدہ ہیں۔ مولانا قطب الدین برہچاری قدس سرہ سے ایک دیوبندی صاحب فرمانے لگے حضور علیہ السلام کو حضور کہنا بدعت ہے نام لینا چاہئے کیونکہ حضور کہنا کہیں ثابت نہیں انہوں نے جواب دیا چپ رہ آؤ۔ بولے یہ کیا؟ فرمایا کہ آپ جناب یا آپ کہنا بدعت ہے کہیں بھی ثابت نہیں میں یقین کرتا ہوں کہ دیوبندیوں کو بہت زیادہ تکلیف قیامت کے دن ہوگی۔ جبکہ حضور علیہ السلام مقام محمود پر جلوہ گر ہوں گے اور آپ کی شان تمام عالم پر ظاہر ہوگی۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا شَفَاعَتَهُ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

”آج لے ان کی پناہ آج دعا مانگ ان سے“

اعتراض ۴ نقشہ اصل نعلین شریف نہیں یہ تو تمہاری روشنائی تمہارے قلم سے بنایا ہوا فوٹو ہے۔ پھر اس کی تعظیم کیوں کرتے ہو۔

جواب یہ نقشہ اصل نعلین کی نقل ہے اور اس کی حکایت ہے حکایت کی بھی تعظیم چاہیے لاہور کا چھپا ہوا قرآن شریف، اس کا کاغذ و روشنائی آسمان سے نہیں اتری ہماری بنائی ہوئی ہے مگر واجب تعظیم ہے کہ اس اصل کی نقل ہے۔ ہر ماہ ربیع الاول ہر دو شنبہ معظم ہے کہ اصل کی حاکی ہے۔

بحث عبدالنبی عبدالرسول نام رکھنا

عبدالنبی عبدالرسول عبدالمصطفیٰ عبدالمعلیٰ وغیرہ نام رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح اپنے کو حضور علیہ السلام کا بندہ کہنا جائز ہے قرآن وحدیث واقوال فقہاء سے ثابت ہے مگر بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اس لئے اس بحث کے بھی ہم دو باب کرتے ہیں۔ باب اول میں اس کا ثبوت دوسرے میں اس پر اعتراض وجواب۔

پہلا باب اس کے ثبوت میں

قرآن کریم فرماتا ہے **وَانِكْحُوا الْاَيَامِيْ مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ**

”اور نکاح کرو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا۔“

اس عبادت میں عباد کو کم کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ یعنی تمہارے بندے۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ

”اے محبوب فرما دو کہ میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے نہ امید نہ ہو۔“

اس یا عبادی میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ رب فرماتا ہے کہ اے میرے بندو دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ فرما دو اے میرے بندو۔ اس دوسری صورت میں عباد رسول اللہ مراد ہوئے۔ یعنی حضور علیہ السلام کے غلام اور امتی، دوسرے معنی کو بھی بہت سے بزرگان دین نے اختیار فرمایا۔ مثویٰ شریف میں فرماتے ہیں۔

بندہ خواہ خواہ احمد درر شاد جملہ عالم را خواں قلن یا عباد

حضور علیہ السلام نے سارے عالم کو اپنا بندہ فرمایا۔ قرآن میں پڑھ لو قلن یا عباد۔ حاجی امداد اللہ صاحب رسالہ فتح مکہ ترجمہ شام امدادیہ صفحہ ۱۳۵ میں فرماتے ہیں۔ عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ اٰتٰیْتُمْ**

ہیں۔ ترجمہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی **قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ اٰتٰیْتُمْ** آپ کہہ دو کہ میرے بندو۔ ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ

صاحب بحوالہ الریاض النضرۃ وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برمبر خطبہ میں فرمایا **قَدْ كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ**

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ عَبْدُهُ وَخَادِمُهُ ”میں حضور علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ پس میں آپ کا بندہ اور خادم تھا۔“

مثویٰ شریف میں وہ واقعہ نقل فرمایا۔ جبکہ حضرت صدیق اکبر حضرت بلال (رضی اللہ عنہما) کو خرید کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں لائے تو عرض کیا۔

گفت مادو بندگان کوئے تو کردش آزاد ہم برروئے تو

عرض کیا کہ ہم دونوں آپ کی بارگاہ کے بندے ہیں۔ میں ان کو آپ کے سامنے آزاد کرتا ہوں۔

صاحب درمختار خطبہ درمختار میں اپنے شجرہ علمی بیان فرماتے ہیں۔

فَاِنِّیْ اَرْوِیْهِ عَنْ شَيْخِنَا الشَّيْخِ عَبْدِ النَّبِيِّ الْخَلِيلِيْ ”میں اس کو اپنے شیخ عبدالنبی غیلی سے روایت کرتا ہوں۔“

معلوم ہوا کہ صاحب درمختار کے استاد کا نام عبدالنبی تھا۔ مرثیہ رشید احمد گنگوہی میں مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی نے لکھا ہے۔

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

جس سے معلوم ہوا کہ مولوی رشید احمد صاحب کے کالے بندے بھی یوسف ثانی کہلاتے ہیں غرض کہ عبد کی نسبت غیر خدا کی طرف قرآن وحدیث و

اقوال مخالفین سے ثابت ہے عرب والے عام طور پر کہتے ہیں۔ عبدی ”خ“۔ شاعر کہتا ہے **ع الْوَاهِبُ الْمِائَةِ الْهَجَانِ وَعَبْدُهَا**

لطیفہ تقویۃ الایمان میں علی بخش، پیر بخش، غلام علی، مدار بخش، عبدالنبی نام رکھنے کو شرک کہا۔ مگر تذکرۃ الرشید حصہ اول صفحہ ۱۳ میں رشید احمد

صاحب کا شجرہ نسب یوں ہے مولانا رشید احمد ابن مولانا ہدایت احمد ابن قاضی پیر بخش ابن غلام حسن ابن غلام علی۔ اور ماں کی طرف سے نسب نامہ

یوں لکھا ہے۔ رشید احمد صاحب کے خاندانی بزرگ مشترک مرتد تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اور اگر تھے تو مرتد کی اولاد حلالی ہے یا حرامی۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات و جوابات میں

اعتراض ۱ عبد کے معنی ہیں عابد عبادت کرنیوالا تو عبد النبی کے معنی ہوں گے نبی کی عبادت کرنیوالا اور یہ معنی صریح شرکیہ ہیں لہذا ایسے نام منع ہیں۔

جواب عبد کے معنی عابد بھی ہیں اور خادم بھی۔ جب عبد کو اللہ کی طرف نسبت کیا جاوے گا تو اس کے معنی عابد ہوں گے۔ اور جب غیر اللہ کی نسبت ہوگی تو معنی ہوں گے خادم غلام لہذا عبد الغنی کے معنی ہوئے نبی کا غلام۔ عالمگیری کتاب الکراہیت باب تسمیۃ الاولاد میں ہے۔

والتَّسْمِيَةُ بِاسْمٍ يُوجَدُ فِي كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى 'جَائِزَةً' كَالْعَلِيِّ وَالرَّشِيدِ وَالْبَدِيعِ لِأَنَّهُ مِنَ الْأَسْمَاءِ الْمَشْتَرَكَةِ وَيُرَادُ فِي حَقِّ الْعِبَادِ مَا لَا يُرَادُ فِي حَقِّ اللَّهِ تَعَالَى 'كَذَا فِي السَّرَاجِيَةِ

”جو نام قرآن شریف میں پائے جاتے ہیں ان سے نام رکھنا جائز ہے۔ جیسے کہ علی یا رشید اور بدیع کیونکہ یہ اسماء مشترکہ میں سے ہیں اور بندے کیلئے ان کے وہ معنی مراد ہوں گے جو کہ اللہ کے لیے مراد نہیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا نام بھی علی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام بھی علی ہے۔ اسی طرح خدا کا نام بھی رشید بدیع وغیرہ ہیں اور بندوں کے بھی یہ نام ہو سکتے ہیں۔ مگر اللہ کے نام میں ان الفاظ کے معنی اور ہیں اور بندوں کے لئے دوسرے معنی اسی طرح عبد اللہ کے معنی اللہ کا عابد، عبد النبی کے معنی نبی کا غلام اگر یہ توجیہ نہ ہو تو قرآن کی اس آیت کے کیا معنی ہوں گے **مِنْ عِبَادِكُمْ**

اعتراض ۲ مشکوٰۃ باب الادب الاسامی اور مسلم جلد دوم کتاب الالفاظ من الادب وغیرہ میں ہے۔

لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ عَبْدِي وَامْتَنِي كُلُّكُمْ عِبِيدُ اللَّهِ وَكُلُّ النِّسَاءِ كُمْ أَمَاءُ اللَّهِ وَلَكِنْ لِيَقُلْ غُلَامِي وَجَارِيتِي

”تم میں سے کوئی نہ کہے عبدی امتی (میرا بندہ وغیرہ) تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری تمام عورتیں اللہ کی لونڈیاں ہیں لیکن یہ کہے کہ غلامی و جاریتی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ لفظ عبد کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا خلاف احادیث ہے لہذا حرام ہے اور عبد النبی میں بھی یہ بات موجود ہے لہذا منع ہے۔

جواب یہ ممانعت کراہت تنزیہی کے طور پر ہے کہ عبدی کہنا بہتر نہیں بلکہ غلامی کہنا اولیٰ ہے اسی حدیث کے ماتحت نووی شرح مسلم میں ہے۔

فَإِنْ قِيلَ قَدْ قَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهَا السَّلَامُ فِي أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ تَلِدَ الْأَمَةَ رَبَّتَهَا فَالْجَوَابُ مِنْ وَجْهِينِ أَحَدُهُمَا أَنَّ الْحَدِيثَ الثَّانِي لِبَيَانِ الْجَوَازِ وَأَنَّ النَّهْيَ فِي الْأَوَّلِ لِلدَّوْبِ وَكَرَاهَةِ التَّنْزِيهِ لَا لِلتَّحْرِيمِ.

”اگر کہا جاوے کہ حضور علیہ السلام نے علامات قیامت میں فرمایا کہ لونڈی اپنے رب کو جنے لگی (یعنی بندے کو رب فرمایا) اس کا جواب دو طرح ہے ایک یہ کہ دوسری حدیث بیان جواز کیلئے ہے اور پہلی حدیث میں ممانعت ابت کیلئے ہے اور کراہت تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔“

مسلم میں اسی جگہ ہے۔ لَا يَقُولَنَّ لِحَدِّكُمْ لِلْعَبِّ الْكَرْمُ فَإِنَّ الْكَرْمَ الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ

اسی جگہ یہ بھی ہے لَا تُسَمُّوا الْعَبَّ الْكَرْمَ فَإِنَّ الْكَرْمَ الْمُسْلِمَ

انگور کو کرم نہ کہو کیونکہ کرم تو مسلمان ہے، مشکوٰۃ کتاب الادب باب الاسانی میں ہے۔

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَكِيمُ وَإِلَيْهِ الْحُكْمُ فَلَمَّا تَكُنَّى أَبَا الْحَكَمِ ”حکم تو اللہ ہے اسی کا حکم ہے تو تیرا نام ابوا حکم کیوں ہے۔“

مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے لَا تُسَمِّنَنَّ غُلَامَكَ بِسَارًا وَلَا رَجَاً وَلَا نَجِيحًا وَلَا أَفْلَحَ

”اپنے غلام کا نام بیار اور رہا اور نجی اور افع نہ رکھو۔“

ان تمام حدیث میں ان ناموں سے جو مناعت ہے کراہت تنزیہی کی بنا پر ہے ورنہ قرآن وحدیث بلکہ خود احادیث میں سخت تعارض ہوگا۔ دیکھو رب خدا کا بھی نام ہے اور قرآن کریم میں بندوں کو بھی رب فرماتا ہے۔ **كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا : فَارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ** اگر کوئی شخص کسی کو

اپنا مرتبی یا رب کہے تو مشرک نہ ہوگا۔ ہاں اُس سے بچے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ نام رکھنا واجب نہیں لیکن اگر اس زمانہ میں دیوبندیوں وہابیوں کو چڑانے کے لئے یہ نام رکھے تو بہت باعث ثواب ہے۔ جیسے کہ ہندوستان میں گائے کی قربانی۔ ہم اس کی تحقیق فاتحہ کی بحث میں کر چکے ہیں کہ جس مستحب کام کو اعدائے دین روکنے کی کوشش کریں اس کو ضرور کرنا چاہیے۔

بحث اسقاط کا بیان

اس بحث میں تین باتیں عرض کرنی ہیں۔ اسقاط کے معنی۔ اسقاط کر نیکاصحیح طریقہ۔ اسقاط کا ثبوت مگر چونکہ بعض لوگ اسقاط کے بالکل منکر ہیں۔ وہ قسم قسم کے اعتراض کرتے ہیں اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں پہلے میں مذکورہ تین باتیں اور دوسرے باب میں اس پر سوال و جواب۔

پہلا باب

اسقاط کے طریقے اور اس کے ثبوت میں

اس باب میں چار باتیں عرض کی جاتی ہیں۔ اسقاط کے کیا معنی ہیں۔ اسقاط کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ اسقاط کرنے سے فائدہ کیا ہے اسقاط کا ثبوت کیا، اسقاط کے لغوی معنی ہیں گرا دینا۔ اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ میت کے ذمہ جو احکام شرعیہ رہ گئے ہوں ان کو اس کے ذمہ سے دور کرنا۔ چنانچہ وجہ الصراط میں ہے اسقاط آں چیز است کہ دور کردہ شود از ذمہ میت بہ ایں قدر کہ میر شود۔ اسقاط کا فائدہ یہ ہے کہ مسلمان سے بہت سے شرعی احکام عمدًا سہوارہ جاتے ہیں۔ جسکو وہ اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکا۔ اور اب بعد موت ان کی سزا میں گرفتار ہے اب نہ تو ادا کرنے کی طاقت ہے نہ اس سے چھوٹنے کی کوئی سبیل۔ شریعت مطہرہ نے اس بیکسی کی حالت میں اس میت کی دھگیری کرنے کے لئے کچھ طریقے تجویز فرمادئے کہ اگر ولی میت وہ طریقہ میت کی طرف سے کر دے تو بیچارہ مردہ چھوٹ جاوے اس طریقہ کا نام اسقاط ہے حقیقت میں یہ میت کی ایک طرح کی مدد ہے۔ وہابی دیوبندی جس طرح کہ زندہ مسلمان کے دشمن ہوتے ہیں۔ اسی طرح مردوں کے بھی دشمن کہ ان کو نفع پہنچانے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور مرے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اسقاط کا طریقہ یہ ہے کہ میت عمر معلوم کی جاوے اس میں سے نو سال عورت کے لئے اور بارہ سال مرد کے لئے نابالغی کے لئے نکال دو اب جتنے سال بچے اس میں حساب لگاؤ کتنی مدت تک وہ بے نمازی یا بے روزہ رہا۔ یا نمازی ہوئی کس زمانہ میں کس قدر نمازیں اس کی باقی رہ گئی ہیں کہ نہ وہ پڑھی اور نہ قضا کیں اس لئے زیادہ سے زیادہ اندازہ لگا لو۔ جتنی نمازیں حاصل ہوں فی نماز ۷۱ روپے اٹھنی بھر گہیوں خیرات کر دو۔ یعنی جو فطرہ کی مقدار ہے وہ ہی ایک نماز کے فدیہ تقریباً بارہ سیر گندم ہوئی اور ایک ماہ کی نمازیوں کا فدیہ ۹ من گندم تقریباً اور سال کی نماز کا ۱۰۸ من گندم ہوتا ہے۔ اب اگر کسی کے ذمہ دس بیس سال کی نمازیں ہیں تو صد ہا من غلہ خیرات کرنا ہوگا۔ شاید کوئی بڑا دیندار مالدار تو یہ کر سکے مگر غربانہ ممکن۔ ان کے لئے یہ طریقہ ہے کہ ولی میت بقدر طاقت گندم یا اس کی قیمت لے مثلاً ایک ماہ کی نمازیں کا فدیہ ۹ من تھا تو ۹ من گندم یا اس کی قیمت لے اور کسی مسکین کو اس کا مالک کر دے وہ مسکین یا تو دوسرے مسکین کو یا خود مالک کو بطور ہبہ دے دے۔ وہ پھر اس فقیر کو صدقہ دے ہر بار کے صدقہ میں ایک کی نمازوں کا فدیہ ادا ہوگا۔ بارہ بار صدقہ کیا۔ ایک سال کا فدیہ ادا ہوا۔ اسی طرح چند بار گھمانے میں پورا فدیہ ادا ہو جائے گا۔ نمازوں کے فدیہ سے فارغ ہو کر اسی طرح روزہ اور زکوٰۃ کا فدیہ ادا کر دیں رحمت الہی سے امید ہے کہ میت کی مغفرت فرما دے۔ اسقاط کا یہ طریقہ صحیح ہے۔ پنجاب میں جو عام طور پر مروج ہے کہ مسجد سے قرآن پاک کا نسخہ منگایا۔ اس پر ایک روپیہ رکھا اور چند لوگوں نے اس کو ہاتھ لگایا پھر مسجد میں واپس کر دیا اس سے نمازوں کا فدیہ ادا نہ ہوگا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ لہذا جب قرآن شریف کا نسخہ خیرات کر دیا سب نمازوں کا فدیہ ادا ہو گیا مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس میں اعتبار تو قرآن کے کاغذ، لکھائی چھپائی کا ہے اگر دور و مہنگی کا یہ نسخہ ہے تو دو روپیہ خیرات کا ثواب میلگا۔ ورنہ پھر وہ مالدار جن پر ہزار ہا روپیہ سالانہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ کیوں اتنا خرچ کریں صرف ایک قرآن پاک کا نسخہ خیرات کر دیا کریں۔ غرض کہ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے طریقہ صحیح نہ ہونیکے یہ معنی ہیں کہ اس سے اسقاط کا مقصد حاصل نہ ہوگا نہ کہ حرام ہے بلا دلیل کسی شہیم کو صرف اپنی رائے سے حرام کہنا تو فضلاء دیوبندی کا کام ہے بقدر خیرات ثواب مل جاوے گا۔

نوٹ ہم نے فدیہ کا جو وزن بیان کیا کہ چھ نمازوں کا بارہ سیر۔ یہ ہر جگہ کہ لئے نہیں ہے ایک نماز کا فدیہ ۷۱ روپیہ اٹھنی پھر گندم ہوتے ہیں۔ ہر صوبہ کے لوگ اس سے اپنے یہاں کے سیر سے حساب لگائیں۔ اسقاط کے ثبوت میں تین بحثیں کرنا ہیں ایک تو یہ کہ حرام سے بچنے ثواب حاصل کرنے یا شرعی ضرورت پوری کرنے کے لئے شرعی حیلے جائز ہیں۔ دوسرے یہ کہ نمازوں کا فدیہ مال سے ہو سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ خود اسقاط کا ثبوت کیا ہے۔

پہلی فصل حیلہ شرعی کے جواز میں

شرعی حیلے کرنا ضرورت کے وقت جائز ہیں۔ قرآن کریم احادیث صحیحہ اقوال فقہاء سے اس کا ثبوت ہے حضور ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ میں اپنی بیوی کو سو لکڑیاں مار دوں گا رب تعالیٰ نے انکو تعلیم فرمایا کہ تم ایک جھاڑو لے کر ان کو مارو اور اپنی قسم نہ توڑو۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ بیٹا مین کو اپنے پاس رکھیں اور اظہار نہ ہو۔ اس کے لئے بھی ایک حیلہ ہی فرمایا جس کا مفصل ذکر سورہ یوسف میں ہے ایک بار حضرت سارا نے قسم کھائی تھی کہ میں قابو پاؤں گی تو حضرت ہاجرہ کا کوئی عضو قطع کروں گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی آئی کہ انکی آپس میں صلح کرادو۔ حضرت سارا نے فرمایا کہ میری قسم کیسے پوری ہو۔ تو انکو تعلیم دی گئی کہ حضرت ہاجرہ کے کان چھیدیں۔

مشکوٰۃ کتاب البیوع باب الربوا میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں عمدہ خرے لائی۔ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے لائے۔ عرض کیا کہ میرے پاس کچھ رڈی خرے تھے میں نے دو صاع ردی خرے دیئے اور ایک صاع عمدہ خرے کے لئے فرمایا کہ یہ سود ہو گیا۔ آئندہ ایسا کرو کہ خرے پیسوں کے عوض فروخت کرو اور ان پیسوں سے اچھے خرے لے لو۔ دیکھو یہ سود سے بچنے کا ایک حیلہ ہے۔ عالمگیری نے حیلوں کا مستقل باب لکھا جس کا نام ہے کتاب الحیل۔ اس طرح الاشباہ والنظائر میں کتاب الحیل وضع فرمائی۔ چنانچہ عالمگیری کتاب الحیل اور ذخیرہ میں ہے۔

كُلُّ حِيلَةٍ يَحْتَالُ بِهَا الرَّجُلُ بِهَا الرَّجُلُ لِابْطَالِ حَقِّ الْغَيْرِ أَوْ لادْخَالِ شُبْهَةٍ فِيهِ أَوْ لَتَمْوِيهِ بِاطِلٍ فِيهِ مَكْرُوهَةٌ“ وَكُلُّ حِيلَةٍ يَحْتَالُ بِهَا الرَّجُلُ لِيَتَخَلَّصَ بِهَا عَنْ حَرَامٍ أَوْ لِيَتَوَصَّلَ بِهَا إِلَى حَلَالٍ فِيهِ حَسَنَةٌ“ وَالْأَصْلُ فِي جَوَازِ هَذَا لِنَوْعِ (الخ)

”جو حیلہ کسی کا حق مارنے یا اس میں شبہ پیدا کرنے یا باطل سے فریب دینے کے لئے کیا جاوے وہ مکروہ ہے اور جو حیلہ اس لیے کیا جاوے کہ اس سے آدمی حرام سے بچ جاوے یا حلال کو پالے وہ اچھا ہے اس قسم کے حیلوں کے جائز ہونے کی دلیل رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو اس سے مار دو یہ حضرت ایوب علیہ السلام کو قسم سے بچنے کی تعلیم تھی اور عالم مشائخ اس پر ہیں کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں اور یہ ہی صحیح مذہب ہے حموی شرح اشباہ اور تارخانہ میں جواز حیلہ کی بہت نفیس تقریر فرمائی چنانچہ بحث کے دوران میں فرماتے ہیں۔“

وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ وَقَعْتُ وَخَشَةَ“ بَيْنَ هَجِرَةٍ وَسَارَةٍ فَحَلَفْتُ سَارَةَ أَنْ ظَفَرْتُ بِهَا فَطَقْتُ عُضْوًا مِنْهَا فَأَرْسَلَ اللَّهُ جِبْرِيلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ يُصْلِحَ بَيْنَ هُمَا فَقَالَتْ سَارَةُ مَا حِيلَةُ يَمِينِي فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ يَأْمُرَ سَارَةَ أَنْ تَتَّقِبَ أُذُنِي هَاجِرَ فَمِنْ ثَمَّ تُقَوِّبُ الْأُذُنَ

”ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت سارہ ہاجرہ رضی اللہ عنہما میں کچھ جھگڑا ہو گیا۔ حضرت سارہ نے قسم کھائی کہ مجھے موقع ملا تو ہاجرہ کا کوئی عضو کاٹ دوں گی۔ رب تعالیٰ نے حضرت جبریل کو ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا کہ ان کی صلح کرادیں حضرت سارہ نے عرض کیا تو میری قسم کا کیا حیلہ ہوگا۔ پس حضرت ابراہیم پر وحی آئی کہ حضرت سارہ کو حکم دو کہ وہ حضرت ہاجرہ کے کان چھید دیں۔ اسی وقت سے عورتوں کے کان چھیدے گئے۔“

ان قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ فقہی عبارات سے حیلہ شرعی کا جواز معلوم ہوا۔

دوسری فصل روزے نماز کے فدیہ کے بیان میں

روزے کا فدیہ تو قرآن سے ثابت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ

”اور جن کو اس روزے اور جن کو اس روزے کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ مجبور، بوڑھا یا بیمار موت کا مریض جب روزے کے قابل نہ رہے تو ہر روز کے عوض ایک مسکین کو کھانا دے اور نماز بمقابلہ روزے کے زیادہ مہتمم بالشان ہے اس لئے روزے کے حکم میں رکھا گیا۔ آیت کے ماتحت تفسیر است احمدیہ شریف میں ملا احمد جیون قدس سرہ فرماتے ہیں۔

وَالصَّلَاةُ نَظِيرُ الصَّوْمِ بَلْ أَهَمُّ فِيهِ فَأَمَرَنَا بِالْفِدْيَةِ إِحْتِيَاظًا وَفَجَوْنَا الْقَبُولَ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى فَضْلًا

”نماز روزے کی مثل ہے بلکہ اس سے بھی اہم لہذا ہم نے اس میں بھی فدیہ کا احتیاط حکم دیا اور رب تعالیٰ کے فضل سے قبول کی امید ہے۔“

منار میں ہے **وَوُجُوبُ الْفِدْيَةِ فِي الصَّلَاةِ لِلْإِحْتِيَاظِ** ”نماز میں فدیہ کا واجب ہونا احتیاطاً ہے۔“

شرح وقاریہ میں ہے **وَفِدْيَةُ كُلِّ صَلَاةٍ كَصَوْمِ يَوْمٍ وَهُوَ الصَّحِيحُ**

”ہر نماز کا فدیہ ایک دن کے روزے کی طرح ہے اور وہ ہی صحیح ہے۔“

شرح الیاس میں ہے **وَيُعْتَبَرُ فِدْيَةُ كُلِّ صَلَاةٍ فَائِتٍ كَصَوْمِ يَوْمٍ أَى كَفِدْيَةِ يَوْمٍ**

فتح القدیر میں ہے **مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ قِضَاءُ رَمَضَانَ فَأَوْصَى بِهِ أَطْعَمَ عَنْهُ وَلِيَّهِ لِكُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ لِأَنَّهُ عَجَزَ عَنِ الْإِدَاعِ وَكَذَلِكَ إِذَا أَوْصَى بِالْإِطْعَامِ عَنِ الصَّلَاةِ**

”ہر فوت شدہ نماز کے فدیہ کا اعتبار ایک دن روزے پر ہے یعنی ایک دن کے روزے کی طرح ہے۔ جو شخص مر جاوے اور اس پر رمضان کی قضا ہے

پس اس نے وصیت کی تو اس کی طرف سے اس کا ولی ہر دن کے عوض ایک مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع خرے یا جو دیدے کیونکہ میت

اب ادا سے مجبور ہو گیا اور اسی طرح جبکہ اس نے نماز کے بدلے میں کھانا دینے کی وصیت کی ہو۔

طحاوی علی مراتب الفلاح میں ہے **إِغْلَمَ أَنَّهُ قَدْ وَرَدَ النَّصُّ فِي الصَّوْمِ بِإِسْقَاطِهِ بِالْفِدْيَةِ اتَّفَقَتْ كَلِمَةُ الْمَشَائِخِ**

عَلَى أَنَّ الصَّلَاةَ كَالصَّوْمِ اسْتِحْسَانًا وَإِذَا عَلِمْتَ ذَلِكَ تَعْلَمُ جَهْلٌ مَنْ يَقُولُ إِنَّ إِسْقَاطَ الصَّلَاةِ لَا

أَصْلَ لَهُ، إِبْطَالٌ لِلْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ مِنَ الْمَذْهَبِ

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز و روزے کا فدیہ دینا جائز ہے اور قبول کی امید ہے بلکہ احادیث بھی اسکی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ نسائی نے اپنے سنن

کبریٰ اور عبد الرزاق نے کتاب الوصایا میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے نقل فرمایا۔

لَا يُصَلِّي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ وَلَا يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ وَلَكِنْ يُطْعِمُ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مُدَّيْنِ مِنْ حِنْطَةٍ

”کوئی کسی کی طرف سے نماز نہ پڑھے روزہ رکھے لیکن اسکی طرف ہر دن ہر دن کے عوض وہ گندم (آدھا صاع) خیرات کر دے۔“

مشکوٰۃ کتاب الصوم باب القضاء میں ہے **قَالَ مَاتَ عَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَلْيُطْعِمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا**

”جو مر جاوے اور اس کے زمانہ رمضان کے روزے ہوں تو چاہئے کہ اس کی طرف سے ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا دیا جاوے۔“

غرض کہ نماز و روزے کا فدیہ مال سے دینا شریعت میں وارد ہے اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔

تیسری فصل مسئلہ اسقاط کے ثبوت میں

اسقاط کا طریقہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اس کا ثبوت تقریباً ہر فقہی کتاب میں ہے۔ چنانچہ نور الایضاح میں اسی مسئلہ اسقاط کے لئے ایک خاص فصل مقرر کی۔ **فصل "فِي إِسْقَاطِ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ"** یعنی یہ فصل نماز و روزے کے اسقاط ہے اس میں فرماتے ہیں۔

وَلَا يَصِحُّ أَنْ يَصُومَ وَلَا أَنْ يُصَلِّيَ عَنْهُ وَإِنْ لَمْ يَفِ مَا أَوْصَى بِهِ عَمَّا عَلَيْهِ يَدْفَعُ ذَلِكَ الْمِقْدَارَ لِلْفَقِيرِ فَيَسْقُطُ مَا كَانَ عَلَى الْمَيِّتِ مِنْ صِيَامٍ وَصَلَاةٍ وَيَجُوزُ إِعْطَاءُ فِدْيَةِ صَلَوَاتٍ لَوَاحِدًا جُمْلَةً بِخِلَافِ كَفَّارَةِ الْيَمِينِ ترجمہ وہی ہے جو ہم نے طریقہ اسقاط میں بیان کیا۔ درمختار باب قضاء الغوايت میں ہے اس کا ترجمہ وہی ہے جو طریقہ اسقاط میں بیان ہوا۔ اسکی شرح میں شامی میں اس اسقاط کی اور زیادہ وضاحت فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں۔

وَالْأَقْرَبُ أَنْ يُحْسَبَ عَلَى الْمَيِّتِ وَيُسْتَقْرَضَ بِقَدْرِهِ بَأَنْ يُقَدَّرَ عَنْ كُلِّ شَهْرٍ أَوْ سَنَةٍ أَوْ بِحَسَبِ مُلْتَمَةِ عُمْرِهِ بَعْدَ اسْقَاطِ اثْنَيْ عَشَرَ سَنَةً لِلذَّكَرِ وَتِسْعَ سِنِينَ لِلْأُنْثَى لِأَنَّهَا أَقَلُّ مُدَّةٍ بُلُوغِهِمَا فَيَجِبُ عَنْ كُلِّ شَهْرٍ نَسْفُ عَزَارَةٍ فَتُحُ الْقَدِيرِ بِالْمُدَّةِ الْمَشْقَى مُدَّرًا مَا نَا وَلِكُلِّ سَنَةٍ شَمْسِيَّةٍ عَزَائِرُ فَيُسْتَقْرَضُ قِيَمَتُهَا وَيُدْفَعُهَا لِلْفَقِيرِ ثُمَّ يَسْتَوْهَبُهَا مِنْهُ وَيَتَسَلَّمُهَا مِنْهُ لِتَمِّمَ الْهَبَةَ ثُمَّ يَدْفَعُهَا لِلذَّكَ الْفَقِيرِ آخَرَ وَهَكَذَا فَيَسْقُطُ فِي كُلِّ مَرَّةٍ كَفَّارَةُ سَنَةٍ بَعْدَ ذَلِكَ يُعِيدُ الدَّوْرَ لِكَفَّارَةِ الصِّيَامِ ثُمَّ الْأُضْحِيَّةِ ثُمَّ الْإِيْمَانِ لَكِنْ لَا بُدْفِي كَفَّارَةِ الْإِيْمَانِ مِنْ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ بِخِلَافِ فِدْيَةِ الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ يَجُوزُ إِعْطَاءُ فِدْيَةِ صَلَوَاتٍ لِلْوَاحِدِ

”یعنی اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ حساب کرے کہ میت پر کتنی نمازیں اور روزے وغیرہ ہیں اور اس اندازے سے قرض لے اس طرح کہ ایک ایک مہینہ یا ایک ایک سال کے اندازے سے لے یا میت کی کل عمر کے اندازہ کرے اور پوری عمر میں سے بلوغ کی کم از کم مدت جو مرد کے لئے بارہ سال ہے اور عورت کیلئے نو سال وضع کر دے پھر حساب کر لے تو ہر مہینہ کی نمازوں کا فدیہ نصف عزارہ ہوگا (فتح القدیر و مشقی مدے) اور ہر شش سال کا کفارہ چھ عزارہ ہو پس وارث اسکی قیمت قرض لے اور فقیر کو اسقاط کیلئے دے پھر فقیر اسکو دیدے اور وراثت ہبہ قبول کر کے موہوب پر قبضہ کر لے۔ پھر وہ ہی قیمت اسی فقیر کو یا دوسرے کو فدیہ میں دے اسی طرح دورہ کرتا رہے تو ہر دفعہ میں ایک سال کا کفارہ ادا ہوگا اور اسکے بعد روزہ اور قربانی کے کفارہ کیلئے پھر قسم کے لئے لیکن کفارہ قسم میں دس مسکینوں کا ہونا ضروری ہے بخلاف فدیہ نماز کے کہ اس میں چند نمازوں کا فدیہ ایک شخص کو دے سکتا ہے۔“

یہ بالکل وہی طریقہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔ الاشباہ والنظائر میں ہے۔

أَرَادَ الْفِدْيَةَ عَنْ صَوْمِ أَبِيهِ أَوْ صَلَوَاتِهِ وَهُوَ فَقِيرٌ يُعْطَى مَنْوِيْنٍ مِنَ الْحِنْطَةِ فَقِيرًا ثُمَّ يَسْتَرْهَبُهُ ثُمَّ يَسْتَوْهَبُهُ ثُمَّ يُعْطِيهِ وَهَكَذَا إِلَى أَنْ يُتَمَّ مَرَاتِي الْفَلَاحِ شرح نور الایضاح میں ہے فَحِيلَتُهُ لِإِبْرَاءِ ذِمَّةِ الْمَيِّتِ عَنْ جَمِيعِ مَا عَلَيْهِ أَنْ يَدْفَعَ ذَلِكَ الْقَدَارَ الْيَسِيرُ بَعْدَ تَقْدِيرِهِ بِشَيْءٍ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَلَاةٍ أَوْ نَحْوِهِ وَيُعْطِيهِ لِلْفَقِيرِ بِقَصْدِ اسْقَاطِ مَا يُرَدُّ عَنِ الْمَيِّتِ ثُمَّ بَعْدَ قَبْضِهِ يَهَبُهُ الْفَقِيرُ لِلْوَلِيِّ أَوْ لِلْأَجَنَبِيِّ وَيَقْبُضُهُ ثُمَّ يَدْفَعُهُ الْمَوْهُوبُ لَهُ لِلْفَقِيرِ كَجَهَةِ الْإِسْقَاطِ مُتَبَرِّءٌ بِهِ عَنِ الْمَيِّتِ ثُمَّ يَهَبُهُ الْفَقِيرُ لِلْوَلِيِّ (الشیان قال) وَهَذَا هُوَ الْمُخْلِصُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

ترجمہ وہی ہے اوپر گزرا۔ عالمگیری میں ہے وَإِنْ لَمْ يَتْرُكْ مَالًا يَسْتَقْرَضُ وَرَثَتُهُ نِصْفَ صَاعٍ وَيَدْفَعُ إِلَى مَسْكِينٍ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ مَسْكِينٍ عَلَى بَعْضِ وَرَثَتِهِ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ حَتَّى يَتَمَّ الْكُلُّ كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ اسی طرح بحر الرائق۔ یعنی شرح کنز الدقائق۔ جامع الرموز۔ معتمد ظہیر یہ شرح مختصر الہدایہ فتاویٰ قاضی خان۔ قرائد۔ جواہر القول المختصر وغیرہ کتب فقہ میں ہے مگر طوالت کے خوف سے تمام کی عبارات نقل نہیں کیں۔ منصف کے لئے اسی قدر میں کفایت ہے اب مخالفین کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتویٰ بھی ملاحظہ ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الہدایات صفحہ ۱۰۳ میں ہے ”حیلہ اسقاط کا مفلس کے واسطے علماء نے وضع کیا تھا۔ اب یہ حیلہ تحصیل چند فلسوس کا مانون کے واسطے مقرر ہو گیا ہے۔ حق تعالیٰ نیت سے واقف ہے وہاں یہ حیلہ کارگر نہیں مفلس کے واسطے بشرط صحت

فتیت ورثہ کیا عجب ہے کہ مفید ہو ورنہ لغو اور حیلہ تحصیل دنیاویہ کا ہے“ فقہ رشید احمد عفی عنہ

اگرچہ اس میں بہت ہیر پھیر کی مگر جائز مان لیا لہذا اب کسی دیوبندی کو تو حیلہ اسقاط پر اعتراض کا حق نہیں رہا۔ مفلس کی قید مولوی رشید احمد صاحب نے اپنے گھر سے لگائی ہے۔ ہم فقہی عبارات پیش کر چکے ہیں۔ جس میں مفلس کی قید نہیں ہے۔ مالدار آدمی بھی اگر پورا فدیہ ادا کرے تو تمام ترکہ اسی میں چا دیا جاویگا۔ ورثہ کو کیا بچے گا۔ اور اگر کسی نے مرتے وقت وصیت بھی کر دی ہو کہ میرا فدیہ دیا جائے تو وصیت تہائی مال سے زیادہ کی جائز نہیں۔ اگر تہائی مال سے تمام عمر کی نمازوں کا فدیہ ادا نہ ہوا۔ تو حیلہ کرنے میں کیا حرج ہے؟ رہا حیلہ کا حیلہ کرنا یہ محض لغو ہے کوئی کہہ سکتا ہے کہ مدرسہ دیوبند مولویوں کا تنخواہ لینے کا حیلہ ہے لہذا لغو ہے۔

دوسرا باب

حیلہ اسقاط پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر قادیانی اور دیوبندی جماعتوں کے کچھ اعتراضات ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کو کوئی معقول اعتراض نہیں مل سکا۔ محض لفاظی سے کام لیتے ہیں چونکہ بعض سیدھے مسلمان شبہات میں پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کے جواب دیتے ہیں۔

اعتراض ۱ حیلہ کرنا خدا کو اور مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

يُخَدِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ

”یہ منافقین اللہ اور مسلمان کو دھوکا دیتے ہیں اور نہیں فریب دیتے مگر اپنی جانوں کو اور سمجھتے نہیں۔“
یہ کیونکر ممکن ہے کہ تھوڑے مال کے عوض تمام عمر کی نمازیں معاف ہو جاویں۔

جواب حیلہ کو دھوکا کہنا جہالت ہے حیلہ سے مراد ہے ضرورت شرعیہ پورا کرنیکی طریقی تدبیر اُردو میں بولتے ہیں ”حیلہ رزق بہانہ موت“ اور حیلہ تو رب نے سکھایا اور حضور علیہ السلام نے تعلیم فرمایا۔ جس کے حوالے پہلے باب میں گزر چکے اور عالمگیری کا حوالہ گذر گیا کہ کسی کو فریب دینے کیلئے حیلہ کرنا گناہ ہے۔ لیکن شرعی ضرورت کو پورا کرنے یا حرام سے بچنے کی تدبیر کرنا عین ثواب کسی جگہ مسجد بن رہی ہے۔ روپیہ کی ضرورت ہے زکوٰۃ کا پیسہ اس میں نہیں لگ سکتا۔ کسی فقیر کو زکوٰۃ دی اس نے مالک ہو کر اپنی طرف سے اس پر خرچ کر دیا۔ اس میں کس کو فریب دیا۔ کس کا مال مارا محض ضرورت شرعی کو پورا کیا۔ لینے کا حیلہ کرنا بُرا اور دینے کا حیلہ کرنا اچھا ہے۔ اس میں فقراء کو دینے کا حیلہ ہے خدائے قدوس کی رحمتیں بھی حیلہ ہی سے آتی ہیں۔

رحمت حق بہانہ می طلبہ رحمت حق بہانہ می طلبہ

”خدا کی رحمت قیمت نہیں مانگتی۔ خدا کی رحمت بہانہ چاہتی ہے“

یہ آیت بخدعون منافقین کے متعلق نازل ہوئی جو کہ کلمہ ایمانی کو اپنے لئے آڑ بناتے تھے۔ اور دل میں کافر تھے۔ مسلمانوں کے عمدہ اور شرعی اعمال پر اس کو چسپاں کرنا سخت جرم ہے۔ اسقاط کے مال کی وجہ سے نماز معاف نہیں ہوتی بلکہ زمانہ زندگی میں نماز پڑھنے کا جو قصور میت سے ہو چکا ہے اور اب اس کا بدلہ میت سے ناممکن ہے اور میت اس میں گرفتار ہے اس کے قصور معاف کرانے کا یہ حیلہ ہے کیوں کہ صدقہ غضب الہی کو ٹھنڈا کرتا ہے۔
الصَّدَقَةُ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ مشکوٰۃ باب الجمعہ میں ہے کہ جس سے نماز جمعہ چھوٹ جاوے وہ ایک دینا خیرات کرے۔ اسی مشکوٰۃ باب الخیض میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے بحالت حیض صحبت کرے تو ایک دینار یا نصف دینار خیرات کرے۔ یہ خیرات کیا ہے اس گناہ کا کفارہ ہے جس کا بدلہ ناممکن ہو گیا۔ اگر ہم یہ کہتے کہ انسان زندگی میں ہی آئندہ نمازوں کا یہ فدیہ مال دے دیا کرے اور نماز نہ پڑھا کرے۔ تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ مال سے نمازیں معاف کرا دیں۔

اعتراض ۲ نماز و روزہ عبادت بدی ہے اور فدیہ مال ہے اور مال بدنی عبادت کا کفارہ کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے۔ لہذا یہ حیلہ محض باطل ہے۔
جواب یہ قیاس قرآنی آیت کے مقابل ہے کہ قرآن تو فرما رہا ہے۔

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ جو اس روزے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان پر فدیہ ہے۔ ایک مسکین کا کھانا اور حکم الہی کے مقابل اپنا قیاس کرنا شیطان کا کام ہے کہ اس کو حکم الہی ہوا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر۔ اس نے اس حکم کے مقابل اپنا قیاس دوڑایا مردود ہوا۔ پھر بدنی محنت کے مقابل مال ہونا عقل کے مطابق ہے کہ ہم کسی سے کام کراتے ہیں۔ اس کے معاوضہ مال دیتے ہیں۔ بعض صورتوں میں جان کا بدلہ بھی مال سے ہوا ہے۔ اور شریعت میں بعض کفارے خلاف قیاس بھی ہوتے ہیں۔ کوئی نمازی پہلی التحیات بھول گیا تو سجدہ سہو کرے کسی نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا تو اس کے کفارہ میں ۶۰ روزے رکھے۔ حاجی نے بحالت احرام شکار کر لیا۔ اگر پیسہ ہے تو اس شکار کی قیمت خیرات کرے ورنہ روزہ رکھے۔ یہ تمام کافارے خلاف قیاس ہیں۔ مگر شریعت نے مقرر فرما دیا بسرو چشم منظور ہے۔

اعتراض ۳ حیلہ اسقاط سے لوگ بے نمازی بن جاویں گے کیوں کہ جب انکو معلوم ہو گیا کہ ہمارے بعد ہماری نمازوں کا اسقاط ممکن ہے تو پھر نماز پڑھنے کی زحمت کیوں گوارا کریں گے؟ اسلئے یہ بند ہونا چاہیے۔

جواب یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسے بعض آریوں نے اسلام پر اعتراض کیا ہے کہ مسئلہ زکوٰۃ سے مسلمانوں میں بیکاری پیدا ہوتی ہے اور مسئلہ تو بہ سے آدمی گناہ پر دلیر ہوتا ہے کیوں کہ جب غریب کو معلوم ہے کہ مجھے زکوٰۃ کا مال بغیر محنت ملے گا تو کیوں محنت کرے۔ اسی طرح جب آدمی کو معلوم

ہو گیا کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے تو خوب گناہ کرے گا جیسے یہ اعتراض محض لغو ہے اسی طرح یہ بھی جو شخص کہ فدیہ نماز پر دلیر ہو کر نماز کو ضروری نہ سمجھے وہ کافر ہو گیا اور یہ مال نماز کا فدیہ ہے نہ کہ کفر کا نیز اگر کوئی شخص مسئلہ صحیح کو غلط استعمال کرے تو غلطی اس استعمال کرنیوالے کی ہے نہ کہ مسئلہ کی نیز یہ مسئلہ اسقاط صد ہا سال سے مسلمانوں میں مشہور ہے لیکن آج تک ہم کو تو کوئی بھی مسلمان ایسا نہ ملا جو اس اسقاط کی بنا پر نماز سے بے پرواہ ہو گیا ہو۔

اعتراض ۴ کچھ بنی اسرائیلیوں نے حیلہ کر کے مچھلی کا شکار کیا تھا۔ جس سے ان پر عذاب الہی آ گیا اور وہ بندر بنا دیئے گئے

کُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ معلوم ہوا کہ حیلہ سخت گناہ ہے اور عذاب الہی کا باعث۔

جواب حیلہ کا حرام ہونا بھی بنی اسرائیل پر عذاب تھا جیسے کہ بہت سے گوشت ان پر حرام تھے ایسے ہی یہ بھی اس امت پر جائز حیلوں کا حلال ہونا رب کی رحمت ہے نیز انہوں نے حرام کو حلال کرنے کا حیلہ کیا کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار ان پر حرام تھا۔ ایسے حیلہ اب بھی منع ہیں۔

اعتراض ۵ قرآن فرماتا ہے **لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ** نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہ جو خود کمانے اور فدیہ اسقاط میں یہ ہے کہ میت نماز نہ پڑھے اور اس کی اولاد مال خرچ کر کے اس کو اس جرم سے آزاد کرادے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ حیلہ خلاف قرآن ہے۔

جواب اس کا جواب فاتحہ کی بحث میں گزر گیا کہ اس آیت کی چند توجہیں ہیں ایک ہی بھی ہے کہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان اپنی کمائی ہی کا مالک ہے غیر کی بخشش قبضہ میں نہیں وہ کرے یا نہ کرے اس لئے غیر کی سخاوت پر پھول کر اپنی محنت کو بھول جانا خلاف عقل ہے بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے

فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے۔

یابہ کہ یہ آیت کریمہ عبادت بدنیہ کے بارے میں آئی ہے کہ کوئی شخص کسی طرف سے نماز پڑھ دے یا روزے رکھ دے تو اس کے ذمہ سے اسکے فرائض نماز روزہ ادا نہ ہوں گے وغیرہ۔ اگر یہ توجہیں نہ کی جاویں تو بہت سی آیت قرآنیہ اور احادیث کی مخالفت لازم آوے گی۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مومنین اور اپنے ماں باپ کیلئے دعا کریں۔ نماز جنازہ بھی میت کے اور تمام مسلمانوں کیلئے دعائی ہے۔ احادیث نے میت کی طرف سے صدقہ و خیرات کرنے کا حکم دیا ہے اسکی پوری تحقیق ہمارے فتاویٰ میں دیکھو۔

ضروری ہدایت بعض جگہ رواج ہے کہ اگر کسی مسلمان کا انتقال جمعہ کے علاوہ کسی اور دن ہو تو میت کے ورثا اسکی قبر پر حافظ بٹھا کر جمعہ تک قرآن خوانی کراتے ہیں۔ بعض دیوبندی اس کو بھی حرام کہتے ہیں۔ لیکن یہ حرام کہنا محض غلط ہے اور قبر کے پاس قرآن خوانی کرنا بہت باعث ثواب ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ مشکوٰۃ کتاب عذاب القبر میں ہے کہ جب میت قبر میں رکھ دیا جاتا ہے۔ **وَتَوَلَّىٰ عَنْهُ أَصْحَابُهُ، أَنَا هَٰذَا مَلَكَانِ** اور لوگ دفن کر کے لوٹ آتے ہیں تب منکر تکبیر فرشتے سوالات کے لئے آتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ دفن کرنے والوں کی موجودگی میں سوال قبر نہیں ہوتا اور پھر شامی جلد اول باب صلوٰۃ الجنائز میں ہے کہ آٹھ شخصوں سے سوال قبر نہیں ہوتا۔ شہید، جہاد کی تیاری کرنے والا، طاعون سے مرنے والا زمانہ طاعون میں کسی بیماری سے مرنے والا (بشرطیکہ یہ دونوں صابر ہوں) صدیق، نابالغ بچہ، جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں مرنے والا۔ ہر رات سورہ ملک پڑھنے والا یا مرض موت میں روزانہ سورہ اخلاص پڑھنے والا (بعض نے فرمایا کہ نبی سے بھی) اس سے معلوم ہوا کہ جو جمعہ کو مرے اس سے سوال قبر نہیں ہوتے تو اگر کسی کا انتقال مثلاً اتوار کو ہو اور بعد دفن سے ہی آدمی وہاں موجود رہا تو اس کی موجودگی کی وجہ سے سوال قبر نہ ہوا۔ اور اب جب جمعہ آ گیا۔ سوال قبر کا وقت نکل چکا۔ اب قیامت تک نہ ہوگا۔ گویا یہ عذاب الہی سے میت کو بچانے کی ایک تدبیر ہے اور اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اس پر رحم فرمادے۔ اب جبکہ آدمی وہاں بیٹھا ہے تو بیکار بیٹھا بیٹھا کیا کرے قرآن پاک کی تلاوت کرے۔ جس سے میت کو بھی فائدہ ہو اور قاری بھی ہو۔ کتاب الاذکار مصطفیٰ امام نووی باب ما یقول بعد الدفن میں ہے کہ **قَالَ الشَّافِعِيُّ يُسْتَحَبُّ أَنْ يَقْرَأَ عِنْدَهُ، شَيْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ قَالُوا فَإِنْ خَتَمُوا الْقُرْآنَ كُلَّهُ، كَانَ حَسَنًا**

”یعنی قبر کے پاس کچھ تلاوت کرنا مستحب ہے۔ اور اگر پورا قرآن پڑھیں تو بھی اچھا ہے۔“

ہم اذان قبر کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ قبر پر جو سبزہ آگ جاتا ہے اس کی تسبیح کی برکت سے میت کو فائدہ ہوتا ہے تو انسان کی تلاوت و قرآن ضرور نافع ہوگی ان شاء اللہ عزوجل مگر چاہئے کہ کسی وقت بھی قبر آدمی سے خالی نہ رہے اگرچہ لوگ باری باری بیٹھیں۔

ضروری نوٹ بعض جگہ مسلمان رمضان کے جمعۃ الوداع کے دن کچھ نوافل قضاء عمری پڑھتے ہیں بعض لوگ اس کو حرام و بدعت کہتے ہیں۔ اور لوگوں کو روکتے ہیں قرآن کریم فرماتا ہے **أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ** بھلا دیکھو جو منع کرتا ہے۔ بندہ کو جب وہ نماز پڑھے۔ معلوم ہوا کہ کسی نمازی کو نماز سے روکنا سخت جرم ہے قضاء عمری بھی نماز ہے اس لئے روکنا ہرگز جائز نہیں۔

قضاء عمری کی اصل یہ ہے کہ تفسیر روح البیان پارہ ۷ سورہ انعام زیر آیت **وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلَ الْمُجْرِمِينَ** ایک حدیث نقل کی۔

أَيَّمَا عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ تَرَكَ صَلَوَتَهُ فِي جَهَالَتِهِ لَوْتَابَ وَنَدِمَ عَلَى تَرْكِهَا فَلْيُصَلِّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ ائْتِنِّي عَشْرَةَ رَكْعَةٍ يَقْرَأُ فِي كُلِّ مَنُهَا الْفَاتِحَةَ وَآيَةَ الْكُرْسِيِّ وَالْإِخْلَاصَ وَالْمُعَوَّذَتَيْنِ مَرَّةً لَا يَحَاسِبُهُ اللَّهُ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَمَةِ ذَكَرَهُ فِي مُخْتَصَرِ الْأَحْيَاءِ

”جو مرد یا عورت نادانی سے نماز چھوڑ بیٹھے پھر توبہ کرے اور شرمندہ ہوا سکے چھوٹ جانے کی وجہ سے تو جمعہ کے دن ظہر و عصر کے درمیان بارہ رکعتیں نفل پڑھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور آیت الکرسی اور قل ھو اللہ اور قلک وسورہ ناس ایک ایک بار پڑھے تو خدا تعالیٰ اس سے قیامت کے دن حساب نہ لے گا۔ اس حدیث کو مختصر الاحیاء میں ذکر کیا۔

صاحب روح البیان اس حدیث کا مطلب سمجھاتے ہیں کہ توبہ کرنے اور نادم ہونیکا یہ مطلب ہے کہ وہ تارک الصلوٰۃ بندہ شرمندہ ہو کر تمام نمازیں قضاء پڑھ لے کیونکہ توبہ کہتے ہی اس کو ہیں پھر قضا کرنے کا جو گناہ ہوا تھا وہ اس نماز قضاء عمری کی وجہ سے معاف ہو جائے گا یہ مطلب نہیں ہے کہ نمازیں قضاء نہ پڑھو۔ صرف یہ نماز پڑھ لو سب ادا ہو گئیں یہ تو روافض بھی نہیں کہتے کہ ان کے یہاں چند روز کی نمازیں ایک وقت میں پڑھنا جائز ہے یہ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ سال بھی تک نماز نہ پڑھو۔ پس جمعۃ الوداع کو یہ بارہ رکعتیں پڑھ لو سب معاف ہو گئیں۔ مطلب وہی ہے جو صاحب روح البیان نے بیان فرمایا۔ اور مسلمان اسی نیت سے پڑھتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشکوٰۃ کتاب الحج باب الوقوف بعرجہ میں ایک حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نے عرفہ میں حاجیوں کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ بارگاہ الہی سے جواب آیا کہ ہم نے مغفرت فرمادی سوائے مظالم (حقوق العباد) کے حضور علیہ السلام نے پھر مزدلفہ میں دعا فرمائی۔ تو مظالم یعنی حقوق العباد بھی معاف فرمادیئے گئے اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی شخص کا قرض مار لو، کسی کو قتل کر دو، کسی کی چوری کر لو اور حج کراؤ۔ سب معاف ہو گیا۔ نہیں بلکہ ادائے قرض میں جو خلاف وعدہ تاخیر وغیرہ ہو گئی وہ معاف کر دی گئی حقوق العباد بہر حال ادا کرنے ہوں گے۔ اگر مسلمان اس قضا عمری کے پڑھنے یا سمجھنے میں غلطی کر لے تو اس کو سمجھا دو۔ نماز سے کیوں روکتے ہو۔ اللہ توفیق خیر دے۔ اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو جب بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔

بحث اذان میں انگوٹھے چومنے کا بیان

اس بحث کے لکھنے کا ہمارا ارادہ نہ تھا مگر ماہ رمضان میں ہم نے خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ فرما رہے ہیں کہ اپنی کتاب میں تقبیل ابہامین کا مسئلہ بھی لکھ دو تا کہ کتاب مکمل ہو جاوے لہذا اس کو بھی داخل کتاب کرے ہیں۔ رب العالمین قبول فرماوے۔ آمین

اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں انگوٹھے چومنے کا ثبوت۔ دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

انگوٹھے چومنے کے ثبوت میں

جب مؤذن کہے **أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ** تو اس کو سن کر اپنے دونوں انگوٹھے یا کلمے کی انگلی چوم کر آنکھوں سے لگانا مستحب ہے اس میں دنیاوی و دینی بہت فائدے ہیں۔ اس کے متعلق احادیث وارد ہیں۔ صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ عامۃ المسلمین ہر جگہ اس کو مستحب جان کر کرتے ہیں۔ صلوٰۃ مسعودی جلد دوم باب بستم با نیک نماز میں ہے۔

رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ سَمِعَ اسْمِي فِي الْأَذَانِ وَوَضَعَ إِبْهَامِيهِ عَلَى عَيْنَيْهِ فَإِنَّا طَالِبُهُ فِي صُفُوفِ الْقِيَمَةِ وَقَائِدُهُ إِلَى الْجَنَّةِ

”حضور علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص ہمارا نام اذان میں سنے اور اپنے انگوٹھے آنکھوں پر رکھے تو ہم اس کو قیامت کی صفوں میں تلاش فرمائیں گے اور اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔“

تفسیر روح البیان پارہ ۶ سورہ مائدہ زیر آیت **وَإِذَا نَا دَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ** اللہ تعالیٰ ہے۔

وَضَعَفَ تَقْبِيلُ ظَفَرَيْ إِبْهَامِيهِ مَعَ مُسَبِّحَتِهِ وَالْمَسْحُ عَلَى عَيْنَيْهِ عِنْدَ قَوْلِهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ لِأَنَّهُ لَمْ يَثْبُتْ فِي الْحَدِيثِ الْمَرْفُوعِ لَكِنَّ الْمَحْدَّثِينَ اتَّفَقُوا عَلَى أَنَّ الْحَدِيثَ أَوْضَعُ يَجُوزُ الْعَمَلُ بِهِ فِي التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيْبِ شامی جلد اول باب الاذان میں ہے **يُسْتَحَبُّ أَنْ يُقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْأُولَى مِنَ الشَّهَادَةِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَ عِنْدَ الثَّانِيَةِ مِنْهَا قُرْثُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُمَّ مَتَّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ بَعْدَ وَضْعِ ظَفَرَيْ الْإِبْهَامِ عَلَى الْعَيْنَيْنِ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكُونُ قَائِدًا لَهُ إِلَى الْجَنَّةِ، كَذَا فِي كَنْزِ الْعِبَادِ** ادقہستانی و نحوہ، **فِي الْفَتَاوَى الصُّوفِيَّةِ وَفِي كِتَابِ الْفِرْدَوْسِ مَنْ قَبَّلَ ظَفَرَيْ إِبْهَامِيهِ عِنْدَ سَمَاعِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ فِي الْأَذَانِ أَنَا قَائِدُهُ وَمُدْخِلُهُ فِي صُفُوفِ الْحَنَّةِ وَتَمَامُهُ فِي حَوَاشِي الْبَحْرِ لِلرَّمْلِيِّ**

”محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے کے وقت اپنے انگوٹھے کے ناخنوں کو مع کلمے کی انگلیوں کے چومنا ضعیف ہے کیونکہ یہ حدیث مروع سے ثابت نہیں لیکن محدثین اس پر متفق ہیں کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنا رغبت دینے اور ڈرانے کے متعلق جائز ہے اذان کی پہلی شہادت پر یہ کہنا مستحب ہے۔“

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اور دوسری شہادت کے وقت یہ کہتے **قُرْة عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ** پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے **اللَّهُمَّ مَتَّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ** تو حضور علیہ السلام اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔ اسی طرح کنز العباد میں ہے اور اسی کی مثل فتاویٰ صوفیہ میں ہے کہ جو شخص اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے اذان میں **أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ** سن کر تو میں اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جاؤں گا۔ اور اسے جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔ اس کی پوری بحث بحر الرائق کے حواشی رملی میں ہے۔“

اس عبارت سے چھ کتابوں کے حوالہ معلوم ہوئے شامی، کنز العباد، فتاویٰ صوفیہ، کتاب الفردوس قہستانی، بحر الرائق کا حاشیہ۔ ان تمام میں اس کو مستحب فرمایا۔ مقاصد حسنہ فی الاحادیث الدائرہ علی السنہ میں امام سخاوی نے فرمایا۔

ذَكَرَرَهُ، الدَّلِيلُ فِي الْفِرْدَوْسِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ، لَمَّا سَمِعَ قَوْلَ الْمُؤَذِّنِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ قَالَ هَذَا وَقَبْلَ بَاطِنِ الْأَنَاءِ مِلَّتَيْنِ السَّبَابَتَيْنِ وَمَسَحَ عَيْنَيْهِ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِيلِي فَقَدْ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي وَلَمْ يَصِحَّ

”ویلی نے فردوس میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ سرکار نے جب مؤذن کا قول **أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ** سنا تو یہ ہی فرمایا اور اپنی کلمے کی انگلیوں کے باطنی حصوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا پس حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص میرے اس پیارے کی طرح کر لے اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگی۔“

یہ حدیث پایہ صحت تک نہ پہنچی اسی مقاصد حسنہ میں موجبات رحمت مصنفہ ابو العباس احمد مکرر وار سے نقل کیا۔

عَنْ الْخَضِرِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ، قَالَ حِينَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنُ يَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ مَرْحَبًا بِحَبِيبِي وَقُرَّةُ عَيْنِي مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ ثُمَّ يُقْبَلُ إِبْهَامِيهِ وَيَجْعَلُهُمَا عَلَى عَيْنَيْهِ لَمْ يَرْمُذًا أَبَدًا

”حضرت خضر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جو شخص مؤذن کو یہ کہتے ہوئے سنے **أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ** تو کہے **مَرْحَبًا بِحَبِيبِي وَقُرَّةُ عَيْنِي مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ** پھر اپنے انگوٹھوں کو چومے اور اپنی آنکھوں سے لگائے تو اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔“

پھر فرماتے ہیں کہ محمد ابن بابائے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بار تیز ہوا چلی۔ جس سے ان کی آنکھ میں کنکری جا پڑی اور کل نہ سکی سخت درد تھا۔

وَأَنَّهُ، لَمَّا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ قَالَ ذَلِكَ فَخَرَجَتْ الْحَصَاةُ مِنْ نُورِهِ

”جب انہوں نے مؤذن کو کہتے ہوئے سنا **أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ** تو یہ ہی کہہ لیا فوراً کنکری آنکھ سے نکل گئی۔“

”اسی مقاصد حسنہ میں شمس محمد ابن صالح مدنی سے روایت کیا۔ انہوں نے امام احمد کو فرماتے ہوئے سنا (امام احمد حنفی علماء مصر میں سے ہیں) فرماتے تھے کہ جو شخص اذان میں حضور علیہ السلام کا نام پاک سنے تو اپنے کلمے کی انگلی اور انگوٹھا جمع کرے۔

وَقَبْلَهُمَا وَمَسَحَ بِهِمَا عَيْنَيْهِ لَمْ يَرْمُذًا أَبَدًا

”اور دونوں کو چوم کر آنکھوں سے لگائے تو کبھی نہ آنکھ دکھے گی۔“

پھر فرمایا کہ بعض مشائخ عراق و عجم نے فرمایا کہ جو یہ عمل کرے تو اس کی آنکھیں نہ دکھیں گی۔

وَقَالَ لِي كُلٌّ مِنْهُمَا مُنْذُ فَعَلْتُهُ، لَمْ تَرْمُذْ عَيْنِي

”انہوں نے فرمایا کہ جب سے میں نے یہ عمل کیا ہے میری بھی آنکھیں نہ دکھیں۔“

اسی مقاصد حسنہ میں کچھ آگے جا کر فرماتے ہیں۔ قَالَ ابْنُ صَالِحٍ وَأَنَا مُنْذُ سَمِعْتُهُ، اسْتَعْمَلْتُهُ، فَلَا تَرْمُذْ عَيْنِي وَأَرْجُوا أَنَّ عَفَيْتَهُمَا تَدْوُمُ وَإِنِّي أَسْلِمُ مِنَ الْعَمَى إِنْ شَاءَ اللَّهُ

”ابن صالح نے فرمایا کہ میں نے جب یہ سنا ہے اس پر عمل کیا مری آنکھیں نہ دکھیں اور میں امید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ یہ آرام ہمیشہ رہیگا اور میں اندھا ہونے سے محفوظ رہوں گا۔“

پھر فرماتے ہیں کہ امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص اشہد ان محمد رسول اللہ سن کر یہ کہے **مَرْحَبًا بِحَبِيبِي وَقُرَّةُ عَيْنِي مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** اور اپنے انگوٹھے چوم لے اور آنکھوں سے لگائے۔

لَمْ يَغْمَ وَلَمْ يَرْمُذْ

کبھی اندھا نہ ہوگا اور نہ کبھی اس کی آنکھیں دکھیں گی۔ غرض کہ اسی مقاصد حسنہ میں بہت سے آئمہ دین سے یہ عمل ثابت کیا۔

شرح نقایہ میں ہے۔

وَأَعْلَمُ أَنَّهُ، يُسْتَحَبُّ أَنْ يُقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْأُولَى مِنَ الشَّهَادَةِ الثَّانِيَةِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَعِنْدَ الثَّانِيَةِ مِنْهَا قُرْتُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ بَعْدَ وَضْعِ ظَفَرِي إِبْهَامِي عَلَى الْعَيْنَيْنِ فَإِنَّهُ، عَلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكُونُ لَهُ، تَائِيْدًا إِلَى الْجَنَّةِ كَذَافِي

”جاننا چاہئے کہ مستحب یہ ہے کہ دوسری شہادت کے پہلے کلمہ سن کر یہ کہہ قرۃ عینی بک یا رسول اللہ اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھوں پر رکھے تو حضور علیہ السلام اس کو جنت میں اپنے پیچھے پیچھے لے جائیں گے اسی طرح کنز العباد میں ہے۔“

مولانا جمال ابن عبد اللہ ابن عمر کی قدس سرہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں

تَقْبِلُ الْإِنْبَاءَ مِنْ وَضْعِ هُمَا عَلَى الْعَيْنَيْنِ عِنْدَ ذِكْرِ اسْمِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْأَذَانِ جَائِزٌ بَلْ مُسْتَحَبٌّ صَرَّحَ بِهِ مَشَائِخُنَا

”اذان میں حضور علیہ السلام کا نام شریف سن کر انگوٹھے چومنا اور انگوٹھوں سے لگانا جائز بلکہ مستحب ہے۔ اسکی ہمارے مشائخ نے تصریح فرمائی ہے۔“

علامہ محمد طاہر علیہ الرحمۃ بحکمہ مجمع بحاء الانوار میں اسی حدیث کو **لَا يُصِحَّ** فرما کر فرماتے ہیں۔

وَرَوَى تَجْرِبَةً عَنْ كَثِيرِينَ ”اس کے تجربہ کی روایات بکثرت آئی ہیں۔“

اس کے علاوہ اور بھی عبارات پیش کی جاسکتی ہیں مگر اختصاراً اسی پر قناعت کرتا ہوں حضرت صدر الافاضل مولائی مرشدی استاذی مولانا الحاج سید نعیم الدین صاحب قبلہ مراد آبادی و ام ظلمہ فرماتے ہیں کہ ولایت سے انجیل کا ایک بہت پرانا نسخہ برآمد ہوا جس کا نام ہے (انجیل برہاس) آجکل وہ عام طور پر شائع ہے اور ہر زبان میں اس کے ترجمے کیئے گئے ہیں اس کے اکثر احکام اسلامی احکام سے ملتے جلتے ہیں اس میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے روح القدس (نور مصطفیٰ) کے دیکھنے کی تمنا کی تو وہ نور ان کے انگوٹھے کے ناخنوں میں چمکایا گیا۔ انہیوں نے فرط محبت سے ان ناخنوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ روح القدس کا ترجمہ ہم نے نور مصطفویٰ کیوں کیا اس کی وجہ ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو، جہاں تک بتایا گیا ہے کہ زمانہ عیسوی میں روح القدس ہی کے نام سے حضور علیہ السلام مشہور تھے۔ علمائے احناف کے علاوہ علمائے شافعی و علمائے مذہب مالکی نے بھی انگوٹھے چومنے کے استحباب پر اتفاق کیا ہے۔ چنانچہ مذہب شافعی کی مشہور کتاب ”اعانة الطالبین علی حال الفاظ فتح المعین“ مصری صفحہ ۲۴۷ میں ہے۔

ثُمَّ يَقْبِلُ إِنْبَاءَ مِيهِ وَيَجْعَلُ هُمَا عَلَى عَيْنَيْهِ لَمْ يَغْمِ وَلَمْ يَرْمُدْ أَبَدًا

”پھر اپنے انگوٹھوں کو چومے آنکھوں سے لگائے تو کبھی بھی اندھا نہ ہوگا اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں گی۔“

مذہب مالکی کی مشہور کتاب ”کفایۃ الطالب الربانی لرسالة ابن ابی زید القیر وانی“ مصری جلد اول صفحہ ۱۶۹ میں اس کے متعلق بہت کچھ تحریر فرماتے ہیں، پھر فرماتے ہیں۔

عَيْنَيْهِ لَمْ يَغْمِ وَلَمْ يَرْمُدْ أَبَدًا ”اندھا ہوا اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں۔“

اس کی شرح میں علامہ شیخ علی الصعیدی حدی صفحہ ۷۷ میں فرماتے ہیں۔

لَمْ يَبَيِّنْ مَوْضِعَ التَّقْبِيلِ مِنْ إِنْبَاءَ مَيْنِ إِلَّا أَنَّهُ، نُقِلَ عَنِ الشَّيْخِ الْعَالِمِ الْمُفَسِّرِ نُورِ الدِّينِ الْخِرَاسَانِيِّ قَالَ بَعْضُهُمْ لَقَيْتُهُ، وَفَتَّ الْأَذَانَ فَلَمَّا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ قَبَّلَ إِنْبَاءَ مِيهِ نَفْسِهِ وَمَسَحَ بِالظُّفَرَيْنِ أَجْفَانِ عَيْنَيْهِ مِنَ الْمَاقِ إِكْبَى نَاحِيَةِ الصُّدَعِ ثُمَّ فَعَلَ ذَلِكَ عِنْدَ كُلِّ تَشْهِيدٍ مَرَّةً فَسَأَلْتُهُ، عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ كُنْتُ أَفْعَلُهُ، ثُمَّ تَرَكْتُهُ، فَمَرَضْتُ عَيْنَايَ فَرَأَيْتُهُ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَّا فَقَالَ لِمَا تَرَكْتِ ”مَسَحَ عَيْنَيْكَ عِنْدَ الْأَذَانِ إِنْ أَرَدْتَ أَنْ تَبْرَأَ عَيْنَاكَ فَعُدْ فِي الْمَسْحِ فَاسْتَيْقِظْ وَ مَسَحْتُ فَبَرَأْتُ وَلَمْ يُعَاوِدْنِي مَرَضُهَا إِلَى الْآنَ

مصنف نے انگوٹھے چومنے کی جگہ نہ بیان کی لیکن شیخ علامہ مفسر نور الدین خراسانی سے منقول ہے کہ بعض لوگ ان کو اذان کے وقت ملے جب انہوں نے مؤذن کو اشہدان محمد رسول اللہ کہتے ہوئے سنا انہوں نے اپنے انگوٹھے چومے اور ناخنوں کو اپنی آنکھوں کی پلکوں پر آنکھوں کے کونے سے لگایا۔ اور کپٹی کے کونے تک پہنچایا۔

پھر ہر شہادت کے وقت ایک ایک بار کیا میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو کہنے لگو کہ میں پہلے انگوٹھے چوما کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔ پس میری آنکھیں بیمار ہو گئیں۔ پس میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور علیہ السلام نے مجھے فرمایا کہ تم نے اذان کے وقت انگوٹھے آنکھوں سے لگانا کیوں چھوڑ دیئے؟ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری آنکھیں اچھیں ہو جائیں تو پھر یہ انگوٹھے آنکھوں سے لگانا شروع کر دو۔ پاس پیدا ہوا اور یہ مسح شروع کیا مجھ کو آرام ہو گیا۔ اور پھر اب تک وہ مرض نہ لوٹا۔ (ماخوذ از بیچ السلام)

اس تمام گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ اذان وغیرہ میں انگوٹھے چومنا آنکھوں سے لگانا مستحب ہے حضرت آدم علیہ السلام اور صدیق اکبر و امام حسن رضی اللہ عنہما کی سنت ہے۔ فقہاء محدثین و مفسرین اس کے استحباب پر متفق ہیں آئمہ شافعیہ و مالکیہ نے بھی اس کے استحباب کی تصریح فرمائی ہر زمانہ اور ہر ایک مسلمان اس کو مستحب جانتے رہے اور جانتے ہیں اس میں حسب ذیل فائدے ہیں یہ عمل کرنے والا آنکھ دکھنے سے محفوظ رہے گا اور ان شاء اللہ عز و جل کبھی اندھا نہ ہوگا اگر آنکھ میں کسی قسم کی تکلیف ہو اس کے لئے یہ انگوٹھے چومنے کا عمل بہترین علاج ہے بارہا تجربہ ہے اسکے عامل کو حضور علیہ السلام کی شفاعت نصیب ہوگی اور اس کو حضور علیہ السلام قیامت کی صفوف میں تلاش فرما کر اپنے پیچھے جنت میں داخل فرمائیں گے۔

اس کو حرام کہنا محض جہالت ہے جب تک کہ ممانعت کی صریح دلیل نہ ملے اس کو منع نہیں کر سکتے استحباب کے لئے مسلمانوں کا مستحب جاننا ہی کافی ہے مگر کراہت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے جیسا کہ ہم بدعت کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں۔

نوٹ اذان کے متعلق تو صاف و صریح روایات اور احادیث موجود ہیں پیش کی جا چکیں تکبیر بھی مثل اذان کے ہے احادیث میں تکبیر کو اذان فرمایا گیا ہے۔ دواذانوں کے درمیان نماز ہے یعنی اذان و تکبیر کے درمیان۔ لہذا تکبیر میں **أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ** پراگوٹھے چومنا نافع و باعث برکت ہے۔ اور اذان و تکبیر کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص حضور علیہ السلام کا نام شریف سن کر انگوٹھے چومے تو بھی کوئی حرج نہیں بلکہ نیت خیر سے ہو تو باعث ثواب ہے بلا دلیل ممانعت منع نہیں کر سکتے۔ جس طرح بھی حضور علیہ السلام کی جاوے باعث ثواب ہے۔

دوسرا باب

انگوٹھے چومنے پر اعتراضات و جوابات

اعتراض ۱

انگوٹھے چومنے کے متعلق جس قدر روایات بیان کی گئیں۔ وہ سب ضعیف ہیں اور حدیث ضعیف سے مسئلہ شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ دیکھو مقاصد حسنہ میں فرمایا **لَا يَحُجُّ فِي الْمَرْفُوعِ مِنْ كُلِّ هَذَا شَيْءٌ** ان میں سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں۔

ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں ان احادیث کے متعلق فرمایا۔ **كُلُّ مَا يُرَوَّى فِي هَذَا فَلَا يَصِحُّ رَفْعُهُ** یعنی اس مسئلہ میں جتنی احادیث مروی ہیں ان میں سے کسی کا رفع صحیح نہیں۔ خود علامہ شامی نے اسی بحث میں اسی جگہ فرمایا **لَمْ يَصَحَّ مِنَ الْمَرْفُوعِ مِنْ هَذَا شَيْءٌ** ان میں سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں۔ صاحب روح البیان نے بھی ان احادیث کی صحت سے انکار کیا۔ پھر ان احادیث کا پیش کرنا ہی بیکار ہے۔ **جواب** اس کے چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ تمام حضرات مرفوع حدیث کی صحت کا انکار فرما رہے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ اس کے بارے میں حدیث موقوف صحیح ہے چنانچہ ملا علی قاری موضوعات کبیر میں اسی عبارت منقولہ کے بعد فرماتے ہیں۔

قُلْتُ وَإِذَا ثَبَّتَ رَفْعُهُ إِلَى الصَّدِيقِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَيَكْفِي لِلْعَمَلِ بِهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ

”یعنی میں کہتا کہ جب اس حدیث کا رفع صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لئے کافی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنت اور اپنے خلفائے راشدین کی سنت۔“

معلوم ہوا کہ حدیث موقوف صحیح ہے اور حدیث موقوف کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ ان تمام علماء نے فرمایا **لَمْ يَصَحَّ** یعنی یہ تمام احادیث حضور ﷺ تک مرفوع ہو کر صحیح نہیں اور صحیح نہ ہونے سے ضعیف ہونا لازم نہیں۔ کیونکہ صحیح کے بعد درجہ حسن باقی ہے لہذا اگر یہ حدیث حسن ہو تب بھی کافی ہے۔ تیسرے یہ کہ اصول حدیث و اصول فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی ضعیف حدیث چند اسناد سے مروی ہو جاوے تو حسن بن جاتی ہے چنانچہ در مختار جلد اول باب مستحبات الوضوء میں اعضاء وضو کی دعاؤں کے متعلق فرماتے ہیں۔

وَقَدْ رَوَاهُ ابْنُ حَبَّانَ وَغَيْرُهُ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ طَرِيقٍ اس حدیث کو ابن حبان وغیرہ نے چند اسناد سے روایت کیا۔ اس کے ماتحت شامی میں فرماتے ہیں۔ **أَيُّ يَقْوَى بَعْضُهَا بَعْضًا فَارْتَقَى إِلَى مَرْتَبَةِ الْحَسَنِ** یعنی بعض اسناد بعض کو قوت دیتی ہیں لہذا اس حدیث درجہ حسن کو پہنچ گئی اور ہم پہلے باب میں بتا چکے کہ یہ حدیث بہت طریق سے روایت ہے لہذا حسن ہے۔ چوتھے یہ کہ اگر مان بھی لیا جاوے کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر بھی فضائل اعمال میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔ چنانچہ یہی علامہ شامی اسی رد المحتار جلد اول باب اذان میں اذان کے مواقع کے بحث میں فرماتے ہیں۔

عَلَى أَنَّهُ فِي فَضَائِلِ الْأَعْمَالِ يَجُوزُ الْعَمَلُ بِالْحَدِيثِ الضَّعِيفِ كَمَا مَرَفِي أَوَّلَ كِتَابِ الطَّهَارَةِ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے یہاں بھی واجب و حرام ہونے کے مسائل نہیں ہیں صرف یہ ہے کہ انگوٹھے چومنے میں یہ فضیلت ہے لہذا اس حدیث ضعیف بھی قابل عمل ہے نیز مسلمانوں کا عمل ضعیف حدیث کو قوی کر دیتا ہے چنانچہ کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی تلقین میت کی بحث میں ہے۔

وَقَدْ رَدَيْنَا فِيهِ حَدِيثًا مِنْ حَدِيثِ أَبِي أَمَامَةَ لَيْسَ بِالْقَائِمِ بِإِسْنَادِهِ وَلَكِنْ أَوْتَضَدَ بِشَوَاهِدٍ وَبِعَمَلِ أَهْلِ الشَّامِ یعنی تلقین میت کی حدیث کوئی اسناد نہیں مگر اہل شام کے عمل و دیگر شواہد سے قوی ہو گئی انگوٹھے چومنے پر بھی امت کا عمل ہے لہذا یہ حدیث قوی ہوتی اس سے زیادہ تحقیق نور الانوار اور توضیح وغیرہ میں دیکھو۔ پانچویں یہ کہ اگر اس کے متعلق کوئی بھی حدیث نہ ملتی۔ تب بھی امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مستحب ماننا ہی کافی تھا کہ حدیث میں آیا ہے۔

مَرَأَهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ ”جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ کام اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔“

چھٹے یہ کہ یہ انگوٹھے چومنا آنکھ کی بیماریوں سے بچنے کا عمل ہے اور عمل میں صرف صوفیاء کرام کا تجربہ کافی ہوتا ہے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ہوامعہ میں ہوامعہ مقدمہ کے دسویں ہامعہ میں فرماتے ہیں اجتہاد را و اختراع اعمال تصریفیہ راہ کشادہ است مانند استخراج اہل انجہا قراہین را تصریفی اعمال میں ایجاد کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ جیسے کہ طبیب لوگ حکمت کے نسخے ایجاد کرتے ہیں۔ خود شاہ ولی صاحب نے اپنی

کتاب القول الجلیل وغیرہ میں صدہا عمل تعویذ گنڈے جنات کو دفع کرنے سے جنات سے محفوظ رہنے۔ حمل محفوظ رکھنے کے تجویز فرمائے ہیں کہ فلان دعا ہرن کی کھال پر لکھ کر عورت کے گلے میں مثل ہار کے ڈال دو اسقاط نہ ہوگا چشم کارنگا ہوا اور عورت کے جسم سے ناپ کر نو گرہ لگا کر عورت کی بائیں ران میں باندھنا دروزہ کو مفید ہے وغیرہ بتاؤ کہ ان اعمال کے متعلق کون سی احادیث آئی ہیں؟ خود علامہ شامی نے جادو سے بچنے، غمی ہوئی چیز کے تلاش کرنے کے لئے بہت سے طریقے شامی میں بیان فرمائے بتاؤ کہ ان کی احادیث کہاں ہیں؟ جبکہ ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے کہ یہ عمل درود چشم کے لئے مجرب ہے تو اس کو کیوں منع کیا جاتا ہے؟ ساتویں یہ کہ ہم پہلے باب میں بیان کر چکے کہ شامی اور شرح نقایہ اور تفسیر روح البیان وغیرہ نے انگوٹھے چومنے کو مستحب فرمایا۔ اس استحباب پر کوئی جرح قدح نہ کی بلکہ حدیث مرفوع کی صحت کا انکار کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حکم استحباب تو بالکل صحیح ہے۔ گفتگو ثبوت حدیث میں ہے۔ یہ استحباب حدیث کی صحت پر موقوف نہیں۔ آٹھویں یہ کہ اچھا اگر مان لیں کہ استحباب کا ثبوت ضعیف سے نہیں ہو سکتا۔ تو کراہت کے ثبوت کی کوئی حدیث ہے جس میں یہ ہو کہ انگوٹھے چومنا مکروہ ہے یا نہ چومو وغیرہ وغیرہ ان شاء اللہ عزوجل کراہت کے لئے صحیح حدیث تو کیا ضعیف بھی نہ ملے گی۔ صرف یاروں کا اجتہاد اور عداوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ عَزَّوَجَلَّ کہ اس اعتراض کے پرچھے اڑ گئے اور حق واضح ہو گیا۔

اعتراض ۲ حضرت آدم علیہ السلام نے اگر نور مصطفیٰ علیہ السلام انگوٹھے کے ناخنوں میں دیکھ کر اس کرچو ماتھا۔ تو تم کون سا نور دیکھتے ہو جو چومتے ہو۔ چومنے کی جو جودہاں تھی وہ یہاں نہیں۔

جواب حضرت ہاجرہ جب اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر مکہ مکرمہ کے جنگل میں تشریف لائیں تو تلاش پانی کے لئے صفا وہ مروہ پہاڑ کے درمیان دوڑیں۔ آج تم حج میں وہاں کیوں دوڑتے ہو؟ آج کہاں پانی کی تلاش ہو؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے قربانی کے لئے جاتے ہوئے راستے میں تین جگہ شیطان کو نکر مارے آج تم حج میں وہاں کیوں مارتے ہو؟ وہاں اب کونسا شیطان آپ کو دھوکا دے رہا ہے؟ حضور علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خاص ضرورت کی وجہ سے کفار مکہ کو دکھانے کے لئے طواف میں رمل کرنا اپنی طاقت دکھائی۔ بتاؤ کہ اب طواف قدوم میں رمل کیوں کرتے ہو؟ اب وہاں کفار کہاں دیکھ رہے ہیں؟ جناب انبیائے کرام کے بعض عمل ایسے مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان کی یادگار باقی رکھی جاتی ہے اگرچہ وہ ضرورت باقی نہ رہے اسی طرح یہ بھی ہے۔

اعتراض ۳ کیا وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے نام پر انگوٹھے کے ناخن چومتے ہو۔ کوئی اور چیز کیوں نہیں چومتے ناخن میں کیا خصوصیت ہے؟ ہاتھ پاؤں کپڑے وغیرہ چومنا چاہیے۔

جواب چونکہ روایت میں ناخن ہی کا ثبوت ہے۔ اس لئے اسی کو چومتے ہیں منصوصات میں وجہ تلاش کرنا ضروری نہیں۔ اگر اس کا نکتہ ہی معلوم کرنا ہے تو یہ ہے کہ تفسیر خازن و روح البیان وغیرہ نے پارہ ۸ سورہ اعراف زیر آیت **بَذَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا** میں بیان فرمایا کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کا لباس ناخن تھا یعنی تمام جسم شریف پر ناخن تھا جو کہ نہایت خوبصورت اور نرم تھا جب ان پر عتاب الہی ہوا وہ کپڑا اتار لیا گیا۔ مگر انگلیوں کے پوروں پر بطور یادگار باقی رکھا گیا جس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ناخن جنتی لباس ہیں جیسے کہ کعبہ معظمہ میں سنگ اسود جنتی پتھر ہے اس کو چومتے ہیں باقی کعبہ شریف کو نہیں چومتے۔ کیوں کہ وہ اس جنتی گھر کی یادگار ہے جو کہ حضور آدم علیہ السلام کے لئے زمین پر آیا تھا اور طوفان نوحی میں اٹھالیا گیا۔ اور یہ پتھر اس کی یادگار رہا اسی طرح ناخن بھی اس جنتی لباس کی یادگار ہے۔

بحث جنازہ کے آگے بلند آواز سے کلمہ یا نعت پڑھنا

بعض جگہ رسم ہے کہ جب میت کو قبرستان لے جاتے ہیں تو اس کے آگے با آواز بلند کلمہ طیبہ سب مل کر پڑھتے جاتے ہیں یا نعت شریف پڑھتے ہیں مجھ کو یہ وہم بھی نہ تھا کہ کوئی اس کو بھی منع کرتا ہوگا مگر پنجاب میں آ کر معلوم ہوا کہ دیوبندی اس کو بھی بدعت و حرام کہتے ہیں۔ اس قدر ظاہر مسئلہ پر کچھ لکھنے کا ارادہ نہ تھا مگر بعض احباب نے مجبور فرمایا۔ تو کچھ بطور اختصار عرض کرنا پڑا اس بحث کے بھی دو باب لکھے جاتے ہیں۔ پہلا باب اس کے ثبوت میں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔

پہلا باب

جنازہ کے آگے کلمہ طیب یا نعت خوانی کا ثبوت

جنازے کے آگے کلمہ طیبہ یا تسبیح و تہلیل یا درود شریف یا نعت شریف آہستہ آہستہ یا بلند آواز سے پڑھنا جائز اور میت و حاضرین کو مفید ہے اس پر قرآنی آیت و احادیث صحیحہ و اقوال فقہا شاہد ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَيُّ يَذْكُرُونَ دَائِمًا عَلَى الْحَالَاتِ كُلِّهَا قَائِمِينَ وَقَائِدِينَ وَمُضْطَجِعِينَ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ لَا يَخْلُو عَنْ هَذِهِ الْهَيْئَاتِ غَالِبًا

”آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں ہمیشہ کھڑے بیٹھے لیٹے ذکر الہی کرتے ہیں کیونکہ انسان اکثر ان حالات سے خالی نہیں ہوتا۔“

تفسیر ابواسعود میں اسی کے ماتحت ہے۔

وَالْمُرَادُ تَعْمِيمُ الذِّكْرِ لِلْأَوْقَاتِ وَتَخْصِيصُ الْأَحْوَالِ الْمَذْكُورَةِ لَيْسَ لِتَخْصِيصِ الذِّكْرِ لِرَبِّهِ فَإِنَّ الْأَحْوَالَ لَيْسَتْ إِلَّا هَذِهِ الثَّلَاثَةُ ثُمَّ لَمَّا وَصَفَهُمْ بِكُونِهِمْ ذَكْرِينَ فِيهَا كَانَ ذَلِكَ دَلِيلًا عَلَى كُونِهِمْ مَوَاطِبِينَ عَلَى الذِّكْرِ غَيْرَ فَاتَرَيْنَ عَنْهُ

اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو گذر چکا۔ ابن عدی نے کامل میں اور امام زبیلی نے نصب الراية تخریج احادیث الہدایہ جلد دوم صفحہ ۲۹۲ مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل میں لکھا ہے عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ يَكُنْ يَسْمَعُ مَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَمْشِي خَلْفَ الْجَنَازَةِ إِلَّا قَوْلَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُبْدِيًا وَرَاجِعًا اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو۔ پھر بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔ تحذیر الحیاط علی رد المحتار مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۳ پر ہے۔ وَلَكِنْ قَدْ اغْتَاذَ النَّاسُ كَثْرَةَ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَفَعَ أَصْوَاتَهُمْ بِذَلِكَ وَهُمْ إِنْ مَنَعُوا أَبَتْ نَفْسُهُمْ عَنِ السُّكُوتِ وَالتَّفَكُّرِ فَيَقْعُونَ فِي كَلَامٍ دُنْيَوِيٍّ وَرُبَّمَا وَقَعُوا فِي عَيْبِهِ وَإِنْكَارِ الْمُنْكَرِ إِذَا قَضَىٰ إِلَىٰ مَا هُوَ أَعْظَمُ مُنْكَرًا كَانَ تَرْكُهُ أَحَبُّ لَآلِهِ إِرْتِكَابٌ بِأَخْفِ الْمَضَرَّتَيْنِ كَمَا هُوَ الْقَاعِدَةُ الشَّرْعِيَّةُ

اس آیت اور ان تفاسیر کی عبارات و احادیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ہر حال میں ذکر الہی کرنے کی اجازت ہے اور ہر طرح بلند آواز سے ہو یا آہستہ کرنے کی اجازت ہے۔ اب کسی موقع پر کسی ذکر سے ممانعت کرنے کے لئے کم از کم حدیث مشہور کی ضرورت ہے کیونکہ حدیث واحد اور قیاس مجتہد سے قرآنی عام کو خاص نہیں کیا جاسکتا۔ فقہاء تو بحالت جنابت و بحالت حیض بھی تلاوت کے علاوہ تمام ذکر و کلام کو جائز فرماتے ہیں اور اگر قرآنی آیت بھی بغیر قصد تلاوت پڑھے تو جائز ہے (دیکھو عام کتب فقہ) تو جبکہ میت کو قبرستان لے جا رہے ہیں یہ بھی ایک حالت ہی ہے اس حالت میں بھی ہر طرح ذکر الہی جائز ہوا۔ قرآن فرماتا ہے۔

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ”خبردار ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر دے دل چین پاتے ہیں۔“

اس کی تفسیر میں صاحب روح البیان فرماتے ہیں۔

فَالْمُؤْمِنُونَ يَسْتَأْنِسُونَ بِالْقُرْآنِ وَذِكْرِ اللَّهِ الَّذِي هُوَ الْإِسْمُ الْأَعْظَمُ وَيُحِبُّو استِمَاعَهَا وَالْكَفَّارُ يَفْرَحُونَ بِاللُّدْنِيَا وَيَسْتَبْشِرُونَ بِذِكْرِ غَيْرِ اللَّهِ

”پس قرآن سے اور اللہ کے ذکر سے (جو کہ اسمِ اعظم ہے) مسلمان انس لیتے ہیں اور اس کو سننا چاہتے ہیں اور کفارِ اردنیا سے خوش ہوتے ہیں اور ذکرِ غیر اللہ سے سرور پاتے ہیں۔“

اس آیت اور تفسیری عبارت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر مسلمان کی خوشی فرحت کا باعث ہے مگر کفار اس سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔ بحمد اللہ میت بھی مسلمان ہے اور سب حاضرین بھی۔ سب کو ہی اس سے خوشی ہوگی۔ نیز میت کو اس وقت اپنے اہل و عیال سے چھوٹنے کا غم ہے یہ ذکر اس غم کو دور کرے گا۔ خیال رہے کہ اس آیت میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے لہذا ہر طرح جائز ہوا محض اپنی رائے سے اس میں قید نہیں لگا سکتے منتخب کنز العمال جلد ہشتم صفحہ ۹۹ میں براویت حضرت انس ہے۔

كثُرُوا فِي الْجَنَازَةِ قَوْلَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مشکوٰۃ کتاب الدعوات باب ذکر اللہ میں ہے۔

إِنَّ اللَّهَ مَلَكَةٌ يَطُوفُونَ فِي الطَّرِيقِ يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الذِّكْرِ فَإِذَا وَجَدُوا قَوْمًا يَذْكُرُونَ اللَّهَ تَنَادَوْا هَلُمُّوا إِلَيَّ حَاجَتِكُمْ قَالَ فَيَحْفُوا لَهُمْ بِأَجْنِبَتِهِمْ

”اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں چکر لگاتے ہیں ذکر اللہ کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں پس جبکہ کسی قوم کو ذکر الہی کرتے ہوئے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ اپنے مقصد کی طرف پھر ان ذاکرین کو پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں الخ۔ لہذا اگر میت کے ساتھ لوگ ذکر اللہ کرتے ہوئے جائیں گے تو ملائکہ راستے ہی میں ملیں گے۔ اور ان سب کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیں گے میت بھی ملائکہ کے پروں کے سایہ میں قبرستان تک جاویگا خیال رہے کہ اس حدیث میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز ہے۔

مشکوٰۃ اسی باب میں ہے۔“

إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا قَالُوا وَمَا رِیَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ حِلَقُ الذِّكْرِ ”حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم جنت کے باغوں میں سے گذرو تو کچھ کھالیا کرو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔“

اس سے ثابت ہوا کہ اگر میت کے ساتھ ذکر الہی ہوا تا ہوا جاوے تو میت جنت کے باغ میں قبرستان تک جاوے گا۔ خیال رہے کہ یہاں بھی ذکر مطلق ہے آہستہ ہو یا بلند آواز سے اسی مشکوٰۃ میں اسی باب میں ہے کہ

الشَّيْطَانُ جَائِمٌ عَلَى قَلْبِ ابْنِ آدَمَ فَإِذَا ذَاكَرَ اللَّهَ خَنَسَ

”شیطان انسان کے دل پر چمٹا رہتا ہے جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ تو ہٹ جاتا ہے۔“

معلوم ہوا کہ اگر میت کو لے جاتے وقت ذکر اللہ جاوے گا تو شیطان سے میت کو ام رہیگی یہاں بھی ذکر میں آہستہ یا بلند آواز کی کوئی قید نہیں۔ یہاں تک تو جنازہ کے آگے ذکر بالجہر کو دلالت ثابت کیا گیا۔ اب اقوال فقہاء ملاحظہ ہوں جن میں اس کی تصریح ملتی ہے۔ صدیقہ مدنیہ شرح طریقہ محمدیہ میں امام عبد الغنی نابلسی علیہ الرحمۃ اس مسئلہ کے متعلق تحقیق فرماتے ہیں کہ جن فقہاء نے جنازے کے ساتھ ذکر بالجہر کو منع فرمایا ہے وہ کراہت تنزیہی کی بناء پر ہے یا کراہت تحریمی کی بناء پر۔ پھر فرماتے ہیں۔

لَكِنَّ بَعْضَ الْمَشَائِخِ جَوَزُوا الذِّكْرَ الْجَهْرِيَّ وَرَفَعَ الصَّوْتِ بِالتَّعْظِيمِ قُدَّامَ الْجَنَازَةِ وَخَلَفَهَا لِتَلْقِيَنِ الْمَيِّتِ

وَالْأَمْوَاتِ وَالْأَحْيَاءِ وَتَنْبِيهِ الْغَفْلَةِ وَالظُّلْمَةِ وَزَطَالَةِ صُدَاءِ الْقُلُوبِ وَقَسْوَتِهَا يُحِبُّ الدُّنْيَا وَرِيَا سَتِهَا ”یعنی بعض مشائخ عظام نے جنازے کے آگے اور پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنے کو جائز فرمایا تاکہ اس سے اس میت اور زندوں کو تلقین ہو اور غافلوں کے دلوں سے غفلت اور سختی دنیا کی محبت دور ہو۔“

لواقع الانوار القدسیہ فی بیان العمود الحمد یہ میں قطب ربانی امام شعرانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

وَكَانَ سَيِّدِي عَلَى الْخَوَاصِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ إِذَا عَلِمَ مِنَ الْمَاشِيْنَ مَعَ الْجَنَازَةِ أَنَّهُمْ لَا يَتْرَكُونَ اللَّغْوَ فِي الْجَنَازَةِ وَيَسْتَغْلِبُونَ بِأَحْوَالِ الدُّنْيَا فَيَنْبَغِي أَنْ تَأْمُرَهُمْ بِقَوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ فَإِنَّ ذَلِكَ أَفْضَلُ مِنْ تَرْكِهِ وَلَا يَنْبَغِي لِلْفَقِيهِ أَنْ يُنْكِرَ ذَلِكَ إِلَّا بِنَصٍّ أَوْ إِجْمَاعٍ فَإِنَّ لِلْمُسْلِمِينَ الْإِذْنَ الْعَامَّ مِنَ الشَّارِعِ بِقَوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ كُلِّ وَقْتٍ شَأْوَ لِلَّهِ

الْعَجَبُ مِنْ عَمَى قَلْبٍ مَنْ يُنْكِرُ مَجْلَ هَذَا

حضرت علی الخواص رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب معلوم ہوا کہ جنازہ کے ساتھ جانے والے یہودہ باتیں نہیں چھوڑتے اور دیناوی حالات میں مشغول ہیں تو مناسب ہے کہ انکو کلمہ پڑھنے کا حکم دیں۔ کیونکہ یہ کلمہ پڑھنا نہ پڑھنے سے افضل ہے اور فقیہ عالم کو مناسب نہیں کہ اس کا انکار کرے مگر یا تو نص سے یا مسلمانوں کے اجماع سے اس لئے کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے مسلمانوں کو کلمہ پڑھنے کا اذن عام ہے جس وقت بھی چاہیں۔ اور سخت تعجب ہے، اس اندھے دل سے جو اس کا انکار کر لے۔

امام شعرانی اپنی کتاب عہود المشرق میں فرماتے ہیں۔

وَلَا نُمْكِنُ أَحَدًا مِنْ أَخْوَانِنَا يُنْكِرُ شَيْئًا ابْتَدَعَهَا الْمُسْلِمُونَ عَلَى جَهَةِ الْقُرْبَةِ وَرَوَاهُ حَسَنًا لَا سِيَّمَا مَا كَانَ مُتَعَلِّقًا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ كَقَوْلِ النَّاسِ أَمَامَ الْجَنَازَةِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولَ اللَّهِ أَوْ قِرَاءَةَ أَحَدِ الْقُرْآنِ أَمَا مَهَا وَنَحْوُ ذَلِكَ فَمَنْ حَرَّمَ ذَلِكَ فَهُوَ قَاصِرٌ عَنْ فَهْمِ الشَّرِيعَةِ

”ہم اپنے بھائیوں میں سے کسی کو یہ موقع نہ دیں گے کہ کسی ایسی چیز کا انکار کرے جس کو مسلمانوں نے ثواب سمجھ کر نکالا ہو اور اس کو اچھا سمجھا ہو خصوصاً وہ جو اللہ تعالیٰ و رسول علیہ السلام سے متعلق ہو جیسے کہ لوگوں کا جنازے کے آگے کلمہ پڑھنا یا جنازے کے آگے کسی کا قرآن کریم وغیرہ پڑھنا جو شخص اس کو حرام کہے وہ شریعت کے سمجھنے سے قاصر ہے۔“

پھر فرماتے ہیں۔ وَكَلِمَةُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ أَكْبَرُ الْحَسَنَاتِ فَكَيْفَ يَمْنَعُ مِنْهَا وَتَأْمُلْ أَحْوَالَ غَالِبِ الْخَلْقِ الْآنَ فِي الْجَنَازَةِ تَجِدُهُمْ مَشْغُولِينَ بِحِكَايَاتِ الدُّنْيَا لَمْ يَعْتَبِرُوا بِالْمَيِّتِ وَقَبْلَهُمْ غَافِلٌ عَنْ جَمِيعِ مَا وَقَعَ لَهُ؛ بَلْ رَأَيْتُ مِنْهُمْ مَنْ يَضْحَكُ وَإِذَا تَعَارَضَ عِنْدَنَا مِثْلُ ذَلِكَ وَكُنْ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ مَنَّا ذِكْرًا لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ كُلُّ حَدِيثٍ لَغْوٍ أَوْ لِي مِنْ حَدِيثِ أَبْنَاءِ الدُّنْيَا فِي الْجَنَازَةِ فَلَوْ صَاحَ كُلُّ مَنْ فِي الْجَنَازَةِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ فَلَا إِعْتِرَاضَ

یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ تمام نیکیوں میں بہترین کی ہے پس اس سے کیوں منع کیا جاسکتا ہے اگر تم آج کل کے لوگوں کی غالب حالت ہیں غور کرو تو تم ان کو جنازے کے ساتھ ساتھ دنیاوی قصوں میں مشغول پاؤ گے ان کے دل میت سے عبرت نہیں پکڑتے اور جو کچھ ہو چکا اس سے غافل ہیں بلکہ ہم نے تو بہت سے لوگوں کو ہنستے ہوئے دیکھا اور جب لوگوں کا اس زمانہ میں ایسا حال ہے تو ہم کو اس پر عمل کر کے یہ کلمہ پہلے زمانہ میں میت کیساتھ پکار کر نہیں پڑھا جاتا تھا۔ اس کے ناجائز ہونیکا حکم دینا درست نہیں بلکہ اس کے جائز ہونے ہی کا حکم کرنا چاہیے بلکہ دنیا داروں کی باتوں سے ہر بات جنازے میں بہتر ہے پس اگر تمام لوگ بلند آواز سے جنازے کے ہمراہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تو ہم کو کوئی اعتراض نہیں۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ اگر بلند آواز سے ذکر کیا جاوے تو جائز ہے خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ عوام میت کے ساتھ ہنستے ہوئے دنیاوی باتیں کرتے ہوئے جاتے ہیں اب تو بہت ہی بہتر ہے کہ ان سب کو ذکر الہی میں مشغول کر دیا جاوے کہ ذکر الہی دنیاوی باتوں سے افضل ہے۔

دوسرا باب

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات میں

اس پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں۔ انشاء اللہ اس سے زیادہ نہ ملیں گے۔

اعتراض ۱

الجنائزہ میں ہے۔

جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنے کو فقہاء منع فرماتے ہیں، چنانچہ عالمگیری جلد اول کتاب الجنائز فصل فی حمل

وَعَلَىٰ مُتَبِعِي الْجَنَازَةِ الصَّمْتُ وَيُكْرَهُ لَهُمْ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَقِرْنَةُ الْقُرْآنِ فَإِنْ أَرَادَ أَنْ يُذَكِّرَ اللَّهَ يَذْكُرُهُ فِي نَفْسِهِ كَذَافِي فِتَاوَى قَاضِي خَانَ

”جنازے کے ساتھ جانوروں کو خاموش رہنا واجب ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن پڑھنا مکروہ ہے اگر اللہ کا ذکر کرنا چاہیں تو اپنے دل میں کریں۔“

وَيُكْرَهُ النَّيَاحُ وَالصَّوْتُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ وَفِي مَنْزِلِ الْمَيِّتِ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَقِرْنَةُ الْقُرْآنِ وَقَوْلُهُمْ كُلُّ حَيٍّ يَمُوتُ وَنَحْوِ ذَلِكَ خَلْفَ الْجَنَازَةِ بِدْعَةٌ

”جنازے کے پیچھے اور میت کے گھر میں نوحہ کرنا آواز نکالنا اور بلند آواز سے ذکر کرنا قرآن پڑھنا مکروہ ہے اور جنازے کے پیچھے یہ کہتے جانا کہ ہر زندہ مرے گا بدعت ہے۔“

درمختار جلد اول کتاب الجنائز مطلب فی دفن المیت میں ہے۔ کَمَا كُرِهَ فِيهَا رَفْعُ صَوْتٍ بِذِكْرِ أَوْ قِرْنَةُ هِيَ كَ جَنَازَةٍ فِي بَلَدٍ آواز سے ذکر کرنا یا قرأت کرنا مکروہ ہے۔ اس کے ماتحت شامی میں ہے۔ قُلْتُ وَإِذَا كَانَ هَذَا فِي الدُّعَاءِ فَمَا ظَنُّكَ بِالْغِنَاءِ

الْحَادِثِ فِي هَذَا الزَّمَانِ جبکہ دعا میں اس قدر سختی ہے تو اب اس گانے کا کیا حال ہے جو اس زمانہ میں پیدا ہو گیا ہے۔ ابن منذر نے اشراف میں نقل کیا کہ۔

قَالَ قَيْسُ بْنُ عُبَادَةَ كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُونَ رَفْعَ الصَّوْتِ عِنْدَ ذَلِكَ عِنْدَ الْقِتَالِ وَفِي الْجَنَازَةِ وَفِي الذِّكْرِ یعنی صحابہ کرام جہاد، جنازہ، ذکر میں بلند آواز کو ناپسند کرتے تھے۔ ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ میت کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا منع ہے خصوصاً وہ گانا جس کو آج کل نعت خوانی کہتے ہیں وہ تو بہت ہی برا ہے (مخالفین کا یہ انتہائی اعتراض ہے)

جواب فقہاء کی ان عبارات میں چند طرح گفتگو ہے اولاً یہ کہ انہوں نے جو میت کے ساتھ ذکر بالجہر کو مکروہ لکھا اس سے کراہت تنزیہی مراد ہے یا تحریمی، کراہت تنزیہی جائز میں داخل ہے یعنی اس کو کرنا ناجائز ہے مگر نہ کرنا بہتر، دوسرے یہ حکم اس زمانے کے لیے تھا کہ ہر زمانہ کے لئے۔ تیسرے یہ کہ مطلقاً بولنا منع ہے۔ یا کہ خاص ذکر بالجہر یا کہ نوحہ وغیرہ۔ چوتھے یہ کہ بلند آواز سے ذکر کرنا ہر شخص کو منع ہے یا کہ خاص اشخاص کو۔ جب یہ چار باتیں طے ہو جائیں تو مسئلہ بالکل واضح ہو جاوے گا۔ حق یہ ہے کہ جن فقہاء نے میت کے ساتھ ذکر بالجہر کو مکروہ فرمایا۔ ان کی مراد مکروہ تنزیہی ہے چنانچہ شامی نے اسی منقولہ عبادت کے ساتھ ساتھ فرمایا۔

قِيلَ تَحْرِيمًا وَقِيلَ تَنْزِيهًا كَمَا فِي الْبَحْرِ عَنِ الْغَايَةِ وَفِيهِ عَنْهَا وَيَنْبَغِي لِمَنْ تَبَعَ الْجَنَازَةَ أَنْ يُطِيلَ الصَّمْتَ ”کہا گیا ہے کہ مکروہ تحریمی ہے اور کہا گیا ہے کہ مکروہ تنزیہی جیسا کہ بحر الرائق میں غایت سے نقل کیا اسی بحر میں بروایت غایت ہے کہ جو شخص جنازے کے ساتھ جاوے اس کو بہتر ہے کہ خاموش رہے۔“

جس سے معلوم ہوا کہ خاموش رہنا بہتر ہے اور خاموش نہ رہنا بلکہ ذکر بالجہر کرنا بہتر نہیں جائز ہے۔ نیز کراہت تنزیہی اور تحریمی کی پہچان خود علامہ شامی نے مکروہات کی تعریف کرتے ہوئے بیان فرمائی۔ فرماتے ہیں، شامی اول کتاب الطہارت مطلب تعریف المکروہ۔

فَحِينَئِذٍ إِذَا كَرِهُوا مَكْرُوهُمْ فَلَا بُدَّ مِنَ النَّظَرِ فِي دَلِيلِهِ فَإِنْ كَانَ نَهْيًا ظَنِّيًّا يَحْكُمُ بِكَرَاهَةِ التَّحْرِيمِ إِلَّا بِصَارِفِ النَّهْيِ عَنِ التَّحْرِيمِ إِلَى النَّدْبِ فَإِنْ لَمْ يَكُنِ الدَّلِيلُ نَهْيًا بَلْ كَانَ مُفِيدًا التَّرْكَبِ الْغَيْرِ

الْجَازِمُ فِيهِ تَنْزِيهِةٌ

”جب فقہاء مکروہ فرماویں تو ضروری ہے کہ کراہت کی دلیل میں نظر کی جاوے اگر اس کی دلیل ظنی ممانعت ہو تو مکروہ تحریمی ہے سوائے کسی مانع کے اور اگر دلیل ممانعت نہ ہو بلکہ غیر ضروری ترک کا فائدہ دے تو کراہت تنزیہی ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ اگر فقہاء کراہت کی دلیل میں کوئی شرعی ممانعت پیش فرمادیں تو کراہت تحریمی ہے ورنہ کراہت تنزیہی۔ اور جن فقہاء نے بھی اس ذکر بالجہر کو منع کیا ہے کوئی ممانعت کی حدیث یا آیت پیش نہیں کی۔ صرف شامی نے یہ دلیل بیان فرمائی کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا۔ جس کا ترجمہ فرمایا

أَيُّ الْمَجَاهِرِينَ بِاللُّدْعَاءِ یعنی بلند آواز سے دعا کرنے والوں کو۔ معلوم ہوا کہ اس کی ممانعت کی کوئی صاف حدیث نہیں ملی۔ لہذا یہ مکروہ تنزیہی ہے اور مکروہ تنزیہی جائز ہوتا ہے۔ نیز امام شعرانی نے عہود مشائخ میں اسی ذکر مع الجنائزہ کے لئے فرمایا وَقَدَرَجَّحَ النُّوَوِيُّ أَنَّ

الْكَلَامَ خِلَافَ الْأُولَى امام نووی نے اس کو ترجیح دی کہ جنازے کے ساتھ کلام کرنا بہتر نہیں۔ شرح طریقہ محمدیہ نے بیان فرمایا وَهُوَ يُكْرَهُ عَلَى مَعْنَى أَنَّهُ تَارِكُ الْأُولَى جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے بایں معنی کہ خلافِ اولیٰ ہے یعنی بہتر نہیں۔ بہر حال ماننا پڑے گا کہ جن فقہاء نے اس کو مکروہ کہا ان کی مراد مکروہ تنزیہی ہے دوسرے یہ کہ یہ ممانعت اُس زمانے کیلئے تھی اب اس زمانہ میں چونکہ لوگوں کے حالات بدل گئے یہ حکم کراہت بھی بدل گیا۔ کیوں کہ اس زمانہ میں جو بھی جنازے کے ساتھ جاتا تھا وہ خاموش رہتا تھا اس سے عبرت پکڑتا تھا اہل میت کے ساتھ رنج و غم میں شرکت کرتا تھا اور شرعی مدعی بھی یہ ہے کہ میت کے جلوس میں لوگ عبرت حاصل کر لیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَإِذَا حَمَلْتُ إِلَى الْقُبُورِ جَنَازَةً فَأَعْلَمُ بِأَنَّكَ بَعْدَ هَا مُحْمُولٌ

جب تم قبرستان کی طرف کوئی جنازہ لے جاؤ تو خیال رکھو کہ ایک دن تم کو بھی اسی طرح لے جایا جائیگا اس حالت میں کچھ بھی بات کرنا خلافِ حکمت تھا کہ بات کرنے میں دھیاں بنے گا۔ اور دل اور طرف متوجہ ہو جاوے گا۔ لہذا فقہاء نے فرمایا کہ اس حالت میں سکوت کرو۔ کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی باب ما یقول الماشی مع الجنائزہ میں ہے۔

وَالْحِكْمَةُ فِيهِ ظَاهِرَةٌ وَهِيَ أَنَّهُ أَسْكَنُ لِحَاظِهِ وَأَجْمَعُ لِفِكْرِهِ فِيمَا يَتَعَلَّقُ بِالْجَنَازَةِ وَهُوَ الْمَطْلُوبُ فِي هَذَا الْحَالِ

مشکوٰۃ باب دفن المیت میں ہے کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم قبرستان میں میت دفن کرنے کے لئے گئے۔ وَجَلَسْنَا مَعَهُ كَأَنَّ عَلَى رُؤُوسِنَا الطَّيْرُ تیاری قبر میں دیر تھی تو ہم اس طرح خاموش بیٹھ گئے جیسے کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں پرندوں کا شکاری جب جال لگا کر بیٹھتا ہے تو بالکل خاموش رہتا ہے تاکہ آواز سے پرندے اُڑ نہ جاویں اب وہ زمانہ ہے کہ جنازے کے ساتھ جانے والے دنیاوی باتیں ہنسی مذاق مسلمانوں کی غیبتیں کرتے جاتے ہیں۔ اگر قبرستان میں کچھ دیر بیٹھنا پڑے تو خوش گپیاں اڑاتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کچھ کھیل کا مشغلہ کر کے دل بہلاتے ہیں ان کو ذکر الہی میں مشغول کر دینا ان بیہودہ باتوں سے بہتر ہے۔ لہذا اب یہ بھی مستحب ہے کہ میت کے ساتھ سب لوگ کلمہ وغیرہ بلند آواز سے پڑھتے ہوئے جاویں۔ حالات بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں اور جو مفتی اپنے اہل زمانہ کی حالت سے بے خبر رہے وہ جاہل ہے۔ امام شعرانی اپنی کتاب عہود مشائخ میں فرماتے ہیں۔

وَأَمَّا لَمْ يَكُنِ الْكَلَامُ وَالْقِرَاءَةُ وَالذِّكْرُ أَمَامَ الْجَنَازَةِ فِي عَهْدِ السَّلَفِ لَا تَنْهَى عَنْهُمْ كَانُوا إِذَا أَمَاتَ لَهُمْ مَيِّتٌ مِنْ غَيْرِهِ فَكَانُوا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى النَّطْقِ الْكَثِيرِ لِمَا هُمْ عَلَيْهِ مِنْ ذِكْرِ الْمَوْتِ بَلْ خَرَسَتْ أَلْسِنُهُمْ عَنْ كُلِّ كَلَامٍ فَإِذَا وَجَدْنَا جَمَاعَةً بِهَذَا الصِّفَةِ فَلَكَ يَا أَخِي عَلَيْنَا أَنْ لَا تَأْمُرَهُمْ بِقِرَاءَةٍ وَلَا ذِكْرِ

”گذشتہ زمانہ میں جنازہ کے آگے بات کرنا قرآن پڑھنا ذکر کرنا اس لئے نہ تھا کہ جب کسی کا انتقال ہو جاتا تھا تو سارے شرکاء رنج و غم میں شریک ہو جاتے تھے یہاں تک کہ میت کے اہل قرابت اور غیروں میں فرق نہ رہتا تھا اور اس قدر موت کا دھیان کرتے تھے کہ بولنے پر ان کو قدرت نہ رہتی تھی۔ اور ان کی زبانیں گوئی ہو جاتی تھیں۔ اگر ہم آج اس صفت کے لوگ پالیں تو ہم انکو قرآن پڑھنے اور ذکر کرنے کا حکم نہ دیں گے۔“

سبحان اللہ کیا نفیس فیصلہ فرمایا۔ کہیے کیا آجکل لوگوں کا یہ حال ہے۔ حضرت شیخ عثمان بحیری شرح اہتمام کے حاشیہ جلد دوم میں فرماتے ہیں۔

قَوْلُهُ، وَكَرَّرَ لَفْظَ "فِي الْجَنَازَةِ" قَوْلُهُ، لَفْظَ "أَي رَفَعَ صَوْتٍ وَلَوْ بِقُرْآنٍ أَوْ ذِكْرٍ أَوْ صَلَوةٍ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهَذَا بِأَوْتَبَارٍ مَا كَانَ فِي الصَّدْعِ الْأَوَّلِ وَالْأَفْأَلَانِ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ لِأَنَّهُ شِعَارُ الْمَيِّتِ لِأَنَّ تَرْكَهُ، مَزْدَرِيَّةٌ" بِهِ وَلَوْ قِيلَ بِوُجُوبِهِ لَمْ يُبْعَدْ كَمَا نَقَلَهُ، الْمُدَابِغِيُّ

یعنی جنازے کے ساتھ شور کرنا مکروہ ہے خواہ یہ شور قرآن خوانی سے ہو یا ذکر اللہ سے یا درود خوانی سے۔ یہ حکم اس حالت کے لحاظ سے ہے جو کہ پہلے زمانے میں مسلمانوں کی تھی۔

امام شعرانی نے مہود مشائخ میں فرمایا۔

فَمِمَّا أَحَدَّثَهُ، الْمُسْلِمُونَ وَاسْتَحْسَنُوهُ قَوْلُهُمْ أَمَامَ الْجَنَازَةِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ "رَسُولُ اللَّهِ أَوْ وَسَيَلْتَنَا يَوْمَ الْعَرَضِ عَلَى اللَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ" رَسُوْلُ اللَّهِ وَنَحُوذِلكَ فَمِثْلُ هَذَا لَا يَجِبُ أَنْكَارُهُ، فِي هَذَا الزَّمَانِ لِأَنَّهُمْ إِنْ لَمْ يَسْتَغْلَوْا بِذَلِكَ لِأَنَّ قَبْلَهُمْ فَارِغٌ" مِنْ ذِكْرِ الْمَوْتِ بَلْ رَأَيْتُ بَعْضَهُمْ يَضْحَكُ أَمَامَ الْجَنَازَةِ وَيَمْزُحُ

ورنہ اس زمانہ میں اب اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ذکر بالجہر میت کی علامت ہے اس کے چھوڑنے میں میت کی توہین ہے لہذا اس کو اگر ضروری بھی کہا جاوے تو بھی بعید نہیں ہے جیسا کہ مد ابی علیہ الرحمۃ سے نقل فرمایا۔

مسلمانوں نے جس کام کو اچھا سمجھ کر ایجاد کیا ہے وہ یہ ہے کہ جنازے کے آگے کہتے ہیں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ "رَسُوْلُ اللَّهِ" یا یہ کہتے ہیں کہ خدا کے سامنے قیامت کے دن ہمارا وسیلہ یہ ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ "رَسُوْلُ اللَّهِ" یا اسی طرح اور ذکر۔ اس زمانہ میں اس سے منع کرنا ضروری نہیں۔ کیوں کہ اگر وہ لوگ اس ذکر میں مشغول نہ ہوئے تو دنیاوی باتیں کریں گے کیونکہ ان کے دل موت کی یاد سے خالی ہیں۔ بلکہ ہم نے تو بعض لوگوں کے آگے ہنستے ہوئے مذاق کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

امام شعرانی قدس سرہ نے جو اپنے زمانہ کا حال بیان فرمایا اُس سے بدتر حال آج کل ہے۔ میں نے بعض جگہ دیکھا کہ قبر میں دیر تھی۔ لوگ علیحدہ علیحدہ جماعتیں بن کر بیٹھ گئے اور باتوں میں ایسے مشغول ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ بازار لگا ہوا ہے۔ بعض لوگ زمین پر لکیریں کھینچ کر کنکروں سے کھیلنا چاہتے تھے اس حالت کو دیکھ کر میں نے سب کو جمع کر کے وعظ کہنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو تجہیز و تکفین کے احکام بتائے۔ اس سے یہ ہی بہتر تھا۔

لطیفہ مخالفین جنازے کے ساتھ ذکر اللہ کرنے کو تو بدعت اور حرام کہتے ہیں۔ مگر باتیں کرنا، کبھی مسائل بیان کرنا، کبھی شرک و بدعت کے فتوے سُنانا، لوگوں کے اُس میں ہنسی مذاق کرنے کو نہ منع کرتے ہیں نہ اُس کو برا کہتے ہیں۔ حالانکہ فقہاء بالکل خاموش رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس اعتراض میں نقل کی ہوئی عبارات سے معلوم ہوا۔ یہ الہی لنگا کیوں بد رہی ہے کہ کلام، سلام، ہنسی، مذاق، وعظ و فتاویٰ تو سب جائز۔ حرام ہے تو ذکر اللہ، خدا سمجھ دے۔

نوٹ ضروری شاید کوئی کہے کہ اسلام احکام تو کبھی بدلتے نہیں پھر یہ تبدیلی کیسی؟

اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جو احکام کسی علت کے بدلنے سے بدل جائیں گے۔ جیسے کہ اوّل زمانہ میں نماز پڑھانے، تعلیم قرآن دینے وغیرہ پر اجرت لینا حرام تھی۔ اب جائز ہے۔ اسی طرح مقابر اولیاء اللہ پر چار دیو ڈالنا اب ضرور ثا زمانہ کے لحاظ سے جائز ہیں اسی طرح ماہ رمضان میں ختم قرآن پر دعائیں مانگنا جائز قرار دی گئیں۔ قرآن میں آیات اور سورتوں کے نام لکھنا زمانہ سلف میں نہ تھا لیکن اب عوام کے فائدے کے لحاظ کر کے جائز قرار دیا گیا۔ عالمگیری کتاب الکراہیت باب آداب المصنف میں ہے۔

لَا بَأْسَ لِكِتَابَةِ إِسْمِ السُّورِ وَعَدِّ الْآيِ وَهُوَ وَإِنْ كَانَ أَحَدًا أَنَّهُ بَدْعٌ "حَسَنَةٌ" وَكَمْ مِنْ شَيْءٍ كَانَ أَحَدًا وَهُوَ حَسَنٌ "وَكََمْ مِنْ شَيْءٍ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ

"سورتوں کے نام اور آیتوں کی تعداد لکھنے میں حرج نہیں یہ اگرچہ بدعت ہے لیکن حسنہ ہے اور بہت سی چیزیں بدعت ہیں لیکن اچھی ہیں اور بہت سی چیزیں زمانہ اور ملک کے بدلنے سے بدل جاتی ہیں۔"

اس کی بہت تفصیل ہم پہلی بحثوں میں کر چکے ہیں۔ تیسرے یہ کہ کاٹھیاواڑ وغیرہ میں میت کے آگے اس طرح نعت شریف پڑھتے ہیں کہ سننے والے جان لیتے ہیں کہ کسی کا جنازہ جارہا ہے لہذا گھروں میں جو ہوتے ہیں وہ بھی نماز جنازہ کے لئے نکل آتے ہیں۔ تو یہ نعت خوانی میت کا اعلان بھی ہوا اور جنازے یا دفن میں شرکت کر لیں جائز ہے۔ چنانچہ در مختار دفن میت کی بحث میں ہے۔

وَلَا بَأْسَ بِنَقْلِهِ قَبْلَ دَفْنِهِ وَبِالْإِعْلَامِ بِمَوْتِهِ وَبِإِرْتِهَ بِشَعْرِ أَوْ غَيْرِهِ

یعنی میت کو دفن کرنے سے پہلے اس کو منتقل کرنا اس کے جنازے کا اعلان کرنا، میت کا مرثیہ پڑھنا خواہ اشعار میں ہو یا اسکے سوا جائز ہے۔
اس کی شرح شامی میں ہے۔

أَيُّ إِعْلَامٍ بَعْضُهُمْ بَعْضًا لِيَقْضُوا حَقَّهُ، وَكَرِهَ بَعْضُهُمْ أَنْ يُنَادَى عَلَيْهِ فِي الْأَقْلَى وَالْأَسْوَأِ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ، إِذَا لَمْ يَكُنْ مَعَهُ، تَنْوِيهِ، بِذِكْرِهِ

یعنی جائز ہے کہ بعض لوگ بعض کو خبر دیں تاکہ لوگ اس میت کا حق کو ادا کریں اور بعض لوگوں نے مکروہ جانا ہے یہ کہ گلی کو چوں اور بازاروں میں اس کا اعلان کیا جاوے اور صحیح ہی ہے کہ اعلان مکروہ نہیں ہے جب کہ اس اعلان میں میت کی زیادہ تعریف نہ ہو۔

بلکہ اعلان جنازہ کے لئے میت کا مرثیہ یا میت کے نام کا اعلان جائز ہے تو اعلان جنازہ کی نیت سے نعت شریف یا کلمہ طیبہ بلند آواز سے پڑھنا کیوں حرام ہے؟ کہ اس میں جنازے کا اعلان بھی ہے اور حضور علیہ السلام کی نعت بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس جبر کو فقہاء منع فرماتے ہیں وہ ذکر بلا فائدہ ہے جبکہ اس سے فائدہ خاص ہو تو جائز ہے۔ اسی لئے علامہ شامی نے اسی بحث میں تارخانہ سے نقل کیا۔

وَأَمَّا رَفْعُ الصَّوْتِ عِنْدَ الْجَنَائِزِ فَيَحْتَمِلُ أَنَّ الْمُرَادَ مِنْهُ، النَّوْحُ أَوِ الدُّعَاءُ لِلْمَيِّتِ بَعْدَ مَا افْتَتَحَ النَّاسُ الصَّلَاةَ أَوِ الْإِفْرَاطُ فِي مَدْحِهِ كَعَادَةِ الْجَاهِلِيَّةِ بِمَا هُوَ يَشَبُّهَا الْمَحَالُ وَأَمَّا أَصْلُ الشَّنَاءِ عَلَيْهِ فَغَيْرُ مَكْرُوهٍ

”لیکن جنازوں کے پاس بلند آواز کرنا اس میں یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد نوحہ کرنا یا میت کے لئے نماز شروع ہو چکنے کے بعد دعا کرنا یا اس کی تعریف میں مبالغہ کرنا ہے جیسا کہ اہل جاہلیت کی عادت تھی لیکن میت کی تعریف کرنا یہ مکروہ ہے۔“

حاصل یہ کہ بے فائدہ بلند آواز کرنا منع ہے اور با فائدہ ذکر کرنا بلا کراہت جائز ہے فی زمانہ اس میں بہت سے وہ فائدے ہیں جو کہ عرض کر دیئے گئے۔ چوتھے یہ کہ اس ذکر سے ممانعت خاص اہل علم کو ہے۔ اگر عوام مسلمین ذکر کریں تو نوحہ کو منع نہ کیا جاوے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ عوام کو ذکر الہی سے نہ روکو کیونکہ وہ پہلے ہی سے ذکر الہی سے بے رغبت ہیں۔ اب جس قدر ذکر کریں کرنے دو۔ درمختار باب صلوٰۃ العیدین میں ہے۔

وَلَا يُكْبَرُ فِي طَرِيقِهَا وَلَا يَسْتَفْلُ قَبْلَهَا مُطْلَقًا وَكَذَا لَا يَسْتَفْلُ بَعْدَهَا فِي مُصَلًّا فَإِنَّهُ، مَكْرُوهٌ عِنْدَ الْعَامَّةِ
عید گاہ کے راستہ میں تکبیر نہ کہے اور نہ عید سے پہلے نفل پڑھے اور نماز عید کے بعد بھی عید گاہ میں نفل نہ پڑھے کیونکہ یہ عام فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

هَذَا لِلْخَوَاصِّ أَمَّا الْعَوَامُ فَلَا يَمْنَعُونَ مِنْ تَكْبِيرٍ وَلَا تَنْقِلُ أَصْلًا لِقَلَّةِ رَغْبَتِهِمْ فِي الْخَيْرَاتِ
”یہ حکم خاص لوگوں کے لئے ہے لیکن عام کو اس سے منع نہ کیا جاوے نہ تکبیر کہنے سے اور نہ نفل پڑھنے سے کیونکہ ان کی رغبت کا خیر میں کم ہے۔“

اس کے ماتحت شامی میں ہے **أَيُّ لَا سِرًّا وَلَا جَهْرًا فِي التَّكْبِيرِ** یعنی ان کو آہستہ اور بلند آواز سے تکبیر کہنے سے نہ روکا جاوے۔ نیز ہم ذکر بالجہر کی بحث میں بحوالہ شامی باب العیدین ذکر کر چکے ہیں کہ کسی نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ لوگ بازاروں میں بلند آواز سے تکبیریں کہتے ہیں کیا ان کو منع کیا جاوے فرمایا کہ نہیں۔ ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ بعض موقعوں پر خواص کو کسی خاص ذکر سے منع کیا جاتا ہے لیکن عوام کو روکنے کا حکم نہیں۔ اسی لئے فقہاء نے تو یہ فرما دیا کہ جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر نہ کرو لیکن نہ فرمایا کہ ذکر کرنے والوں کو اس سے روک بھی دو۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ اولاً تو یہ ممانعت کراہت تنزیہی کی بناء پر ہے دوم یہ کہ پہلے زمانہ کے لئے تھی اب یہ حکم بدل گیا۔ کیونکہ علت حکم بدل گئی۔ تیسرے یہ کہ چونکہ اس ذکر سے جنازہ کا اعلان لہذا فائدہ مند ہے جائز ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ حکم خاص لوگوں کے لئے ہے عامۃ المسلمین اگر ذکر الہی کریں تو ان کو منع نہ کیا جاوے۔

اعتراض ۲ جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنا ہندوؤں سے مشابہت ہے کیونکہ وہ چیخے جاتے ہیں ”رام رام ست ہے“ اور تم بھی شور مچاتے ہوئے جاتے ہو۔ اور کفار سے مشابہت نا جائز ہے لہذا یہ منع ہے۔

جواب کفار بتوں کا نام پکارتے ہیں۔ اور ہم خدائے قدوس کا ذکر کرتے ہیں پھر مشابہت کہاں رہی۔ کفار بت کے نام پر ذبح کرتے ہیں ہم خدا کے نام پر۔ کفار گنگا سے گنگا کا پانی لے کر آتے ہیں۔ ہم مکہ معظمہ سے آب زمزم لاتے ہیں۔ یہ مشابہت نہ ہوئی نیز جو کام کہ کفار کے قومی یا مذہبی نشان بن گئے ہوں۔ ان میں مشابہت کرنا منع ہے نہ کہ ہر کام میں آگ رکا کر بھی اپنے جنازوں کے آگے کلمہ پڑھنے لگیں۔ تو شوق سے پڑھیں یہ اچھا کام ہے۔ اور اچھے کام میں مشابہت بُری نہیں ہوتی۔“

راستہ میں کلمہ طیبہ آواز سے پڑھنا بے ادبی ہے کیوں کہ وہاں گندگی وغیرہ ہوتی ہے لہذا یہ منع ہے۔

یہ اعتراض محض لغو ہے۔ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ راستوں میں چلتے ہوئے ذکر جائز ہے۔ ہاں جو جگہ نجاست ڈالنے کے لئے

بنائی گئی ہو وہاں ذکر بالجہر منع ہے جیسے کہ پاخانہ یا گھورا (روزی) شامی بحث قرعت عند المیت میں ہے۔ **وَلَيْسَ الْقُنْعَةُ لِأَنَسَ بِالْفِرَّةِ رَاكِبًا**

أَوْ مَا شِئًا إِذَا لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ الْمَوْضِعُ مَعْدًا لِلنَّجَاسَةِ سوار یا پیدل چلتے ہوئے قرآن پڑھنے میں حرج نہیں جبکہ وہ جبکہ نجاست کے

لئے نہ بنائی گئی ہو۔ قرآن بغل میں لے کر راستے سے گزرنا ناجائز ہے اور تکبیر تشریق کہتا ہوا جاوے۔ درمختار باب صلوٰۃ العیدین میں ہے۔

وَيُكْبَرُ جَهْرًا اتِّفَاقًا فِي الطَّرِيقِ راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہے۔ حالانکہ راستے میں نجاست وغیرہ ہوتی ہے۔ اسی طرح فقہاء

فرماتے ہیں کہ حمام میں تسبیح و تہلیل بلند آواز سے جائز ہے۔ حالانکہ وہاں اکثر گندگی ہوتی ہے۔ عالمگیری کتاب الکراہیت باب الصلوٰۃ والتسبیح میں اور

عمدة الابرار مجموع النوازل، خانہ، سراجیہ، مقتطع تجنیس وغیرہ میں ہے۔ **وَأَمَّا التَّسْبِيحُ وَالتَّهْلِيلُ لِأَنَسَ بِذَلِكَ وَإِنْ رَفَعَ صَوْتَهُ**

حمام میں تسبیح و تہلیل بلند آواز سے بھی جائز ہے۔

جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنے میں گھر کی عورتیں اور بچے ڈر جاتے ہیں۔ کیونکہ اُن کو موت یاد آ جاتی ہے جس

کی وجہ سے وہ بیمار ہو جاتے ہیں لہذا بقاعدہ طہی یہ بھی منع ہونا چاہئے۔

قرآن فرماتا ہے **الْأَبَدُ كَرِ اللَّهُ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ اللَّهُ** اللہ کے ذکر سے دل چین میں آتے ہیں مسلمانوں کو تو اس سے

چین اور راحت ہوتی ہے۔ ہاں کفار ڈرتے ہوں گے۔ اُن کو ڈرنے دو کفار تو اذان سے بھی ڈرتے ہیں تو کیا اُن کی وجہ سے اذان بند کی جاوے گی۔

ہاں اگر کسی حاذق طیب نے لکھا ہو کلمہ طیبہ کی آواز دبا کے اسباب میں سے ہے تو پیش کیا جاتے لیکن وہ طیب مسلمان اور حاذق ہو۔ کوئی دیوبندی یا

کہ وہی طیب نہ ہو وہی باتوں کا اعتبار نہیں۔ ثابت ہوا کہ میت کے آگے بلند آواز سے ذکر بہت بہتر اور باعث برکت ہے۔ مخالفین کے پاس بخیر

غلط فہمی کے اور کوئی اعتراض قوی نہیں۔ **وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى ذَلِكَ**

خاتمہ کتاب

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب تک جس قدر مسائل میں دیوبندی اختلاف کرتے ہیں ان کی تحقیق کر دی گئی۔ لیکن ان مسائل مذکورہ میں بہت سے مسائل وہ ہیں جن پر ایمان کا دار و مدار نہیں صرف کراہت اور استحباب میں ہی اختلاف ہے جن مسائل کی بناء پر عرب و عجم کے علماء نے دیوبندیوں کو کافر کہا وہ ان کے خلاف اسلامی عقائد ہیں۔ ہم مسلمانوں کی واقفیت کے لئے ان عقائد کی فہرست پیش کرتے ہیں اور ہر ایک کے مقابل اسلامی عقیدہ بھی بیان کرتے ہیں۔ اور ہم نے اس فہرست میں ان کا جو عقیدہ بیان کیا ہے وہ ان کی کتابوں میں چھپا ہوا موجود ہے اگر کوئی صاحب فلفظ ثابت کریں تو وہ انعام کے مستحق ہیں بعض صاحبوں کا اسرار تھا کہ ان عقائد باطلہ کی تردید بھی کر دی جاوے مگر اس وقت کا فہرست تیار نہیں ہوتا۔ لہذا ہم ان شاء اللہ عز و جل اس کتاب کی دوسری جلد تیار کریں گے جس میں ان عقائد سے ہی بحث ہوگی۔ فی الحال صرف فہرست پیش کرتے ہیں۔

اسلامی عقائد

دیوبندی عقائد

جھوٹ بولنا عیب ہے جیسے کہ چوری یا زنا کرنا وغیرہ اور رب تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے **وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا** (قرآن کریم) نیز خدا کی صفات واجب ہیں نہ کہ ممکن لہذا خدا کے لئے سکنا کہنا بے دینی ہے۔

(۱) خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے (مسئلہ مکان کذب) براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد صاحب ایٹھوی جہد المقتل مصنفہ محمود حسن صاحب۔

خدائے پاک ہر وقت عالم الغیب ہے اس کا علم اسکی صفت ہے اور واجب ہے جب چاہے تب معلوم کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ نہ چاہے تو جاہل رہے یہ کفر ہے خدا کے صفات خدا کے اختیار میں نہیں وہ واجب ہیں نیز رب نے اپنے محبوبوں کو بھی علوم غیبیہ عطا کیے۔ (قرآن کریم)

(۲) اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب چاہے غیب دریافت کر لے۔ کسی ولی نبی جن فرشتے بھوت کو اللہ نے یہ طاقت نہیں بخشی (تھیو الا ایمان مصنفہ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی)

خدائے قدوس جگہ اور زمانہ اور ترکیب و ماہیت سے پاک ہے نہ وہ کسی جگہ میں رہتا ہے نہ اس کی عمر ہے نہ وہ اجزاء سے بنا ہے اس کو دیوبندیوں نے بھی بیخبری میں کفر لکھ دیا (کتاب علم کلام)

(۳) خدا تعالیٰ کو جگہ اور زمانہ اور مرکب ہونے اور ماہیت سے پاک ماننا بدعت ہے۔ (ایضاح الحق مصنفہ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی)

خدا تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اس کا عمل واجب اور قدیم ہے جو ایک آن کے لئے کسی چیز سے اس کو بے علم ماننے بے دین ہے۔

(۴) خدا تعالیٰ کو بندوں کے کاموں کی پہلے سے خبر نہیں ہوتی۔ جب بندے اچھے یا برے کام کر لیتے ہیں تب اس کو معلوم ہوتا ہے۔ بلغتہ الخیر ان صفحہ ۵۷ زیر آیت

إِلَّا عَلَ اللَّهِ رِزْقَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ

(مصنفہ مولوی حسین علی صاحب بھرانوالہ شاگرد مولوی رشید احمد صاحب)

(عام کتب عقائد) دیوبندی خدا کے علم غیب کے بھی منکر ہیں تو اگر حضور علیہ السلام کے علم غیب کا انکار کریں تو کیا تعجب ہے۔

خاتم النبیین کے یہی معنی ہیں کہ حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں حضور علیہ السلام کے زمانہ ظہور یا بعد میں کسی اصلی، بروزی، مراقی، مذاقی کا نبی بننا محال بالذات ہے۔ اسی معنی پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے اور یہی معنی حدیث نے بیان فرمائے جو اس اس معنی کا انکار کرے وہ مرتد ہے۔ (جیسے قادیانی اور دیوبندی)

(۵) خاتم النبیین کے معنی یہ سمجھنا غلط ہے کہ حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں لیکن یہ معنی ہیں کہ آپ اصلی نبی ہیں باقی عارضی لہذا اگر حضور علیہ السلام کے بعد اور بھی نبی آجاویں تو بھی خاتمیت میں فرق نہ آویگا۔ (تحدیر الناس مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب ہائی مدرسہ دیوبند)

<p>کوئی غیر نبی خواہ والی ہو یا غوث یا صحابی کسی کمال علمی و عملی میں نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ غیر صحابی صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ صحابی کا کچھ بھ خیرات کرنا ہمارے صد ہا من سونا خیرات کرنے سے بدرجہا بہتر ہے۔ (حدیث)</p>	<p>(۶) اعمال میں بظاہر امتیازی نہیں کے برابر ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں۔ (تخذیر الناس مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند)</p>
<p>رب تعالیٰ بے مثل خالق ہے اور اُس کے محبوب بے مثل بندے وہ رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین ﷺ ہیں۔ ان اوصاف کی وجہ سے آپ کا مثل محال بالذات ہے۔ (دیکھو رسالہ امتناع الطہر معقود مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی)</p>	<p>(۷) حضور علیہ السلام کا مثل و نظیر ممکن ہے۔ (میکروزی مصنفہ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی مطبوعہ فاروقی صفحہ ۱۴۳)</p>
<p>حضور علیہ السلام کو الفاظ عام سے پکارنا حرام ہے اور اگر بہ نیت حقارت ہو تو کفر ہے۔ (قرآن کریم) یا رسول اللہ یا حبیب اللہ کہنا ضروری ہے۔ نسبت خود بہ سکتا کردم و بس منفعلم زانکہ نسبت بہ سب کوئے تو شد بے ادبی است</p>	<p>(۸) حضور علیہ السلام کو بھائی کہنا جائز ہے کیونکہ آپ بھی انسان ہیں۔ (براہین قاطعہ مصنفہ مولوی غلیل احمد صاحب و تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی)</p>
<p>جو شخص کسی مخلوق کو حضور علیہ السلام سے زیادہ علم مانے وہ کافر ہے۔ (دیکھو شفا شریف) حضور علیہ السلام تمام مخلوق الہی میں بڑے عالم ہیں۔</p>	<p>(۹) شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ (براہین قاطعہ مولوی غلیل احمد صاحب)</p>
<p>حضور علیہ السلام کے کسی وصف پاک کو ادنیٰ چیزوں سے تشبیہ دینا یا اُن کے برابر بتانا صریح توہین ہے اور یہ کفر ہے۔</p>	<p>(۱۰) حضور علیہ السلام کا علم بیچوں، پانگلوں، جانوروں کی طرح یا ان کے برابر ہے۔ (حفظ الایمان مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب)</p>
<p>رب تعالیٰ نے ساری زبانیں حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم فرمائیں اور حضور علیہ السلام کا علم ان سے کہیں زیادہ ہے تو جو کہے کہ حضور علیہ السلام کو یہ زبان فلاں مدرسہ سے آئی وہ بے دین ہے۔</p>	<p>(۱۱) حضور علیہ السلام کو اردو بولنا مدرسہ دیوبند سے آگیا۔ (براہین قاطعہ مولوی غلیل احمد صاحب)</p>
<p>رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِہَا پھر فرماتا ہے الْعِزَّةُ لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ نبی کو خدا کے سامنے ذلیل جانے وہ خو ج چمار ہے ذلیل ہے۔</p>	<p>(۱۲) ہر چھوٹا بڑا مخلوق (نبی اور غیر نبی) اللہ کی شان کے آگے چھار سے بھی ذلیل ہے (تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسماعیل صاحب)</p>
<p>جن نماز میں حضور علیہ السلام کی عظمت کا خیال نہ ہو وہ نماز ہی نامقبول ہے اسی لیے التحیات میں حضور علیہ السلام کو سلام کرتے ہیں۔ وہ بھی کوئی نماز ہے یا نہ ہو نماز ہو۔ (دیکھو بحث حاضر و ناظر)</p>	<p>(۱۳) نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال لانا اپنے گدھے اور بتیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدتر ہے (صراط مستقیم مصنفہ مولوی اسماعیل دہلوی)</p>

(۱۴) میں نے حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ مجھے آپ ٹپ صراط پر لے گئے اور کچھ آگے جا کر دیکھا کہ حضور علیہ السلام گرے جا رہے ہیں تو میں نے حضور علیہ السلام کو گرنے سے روکا۔
(بلغۃ المجران، بہشتات معنفہ مولوی حسین علی صاحب شاگرد مولوی رشید احمد صاحب)

حضور علیہ السلام کے بعض غلام ٹپ صراط سے بجلی کی طرح گزر جائیں گے۔ اور ٹپ صراط پر پھسلنے والے لوگ حضور علیہ السلام کے مدد سے سنبھل سکیں گے آپ دُعا فرمائیں گے **رَبِّ سَلِّمْ** (حدیث)

جو کہے میں نے حضور علیہ السلام کو صراط پر گرنے سے بچایا وہ بے ایمان ہے۔

(۱۵) مولوی اشرف علی صاحب نے بڑھاپے میں ایک کمسن شاگردنی سے نکاح کیا۔ اس نکاح سے پہلے اُن کے کسی مُرید نے خواب میں دیکھا کہ مولوی اشرف علی کے گھر حضور عائشہ صدیقہ آنے والی ہیں جس کی تعبیر مولوی اشرف علی صاحب نے یہ کی کہ کوئی کمسن عورت میرے ہاتھ آوے گی کیونکہ حضور عائشہ صدیقہ کا نکاح جب حضور علیہ السلام سے ہوا۔ تو آپ کی عمر سات سال تھی وہ ہی نسبت یہاں ہے کہ میں بڑھا ہوں اور بیوی لڑکی ہے۔
(رسالہ مدار) معنفہ مولوی اشرف علی صاحب ماہ صفر ۱۳۳۵ھ

حضور علیہ السلام کی ساری بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں (قرآن کریم) خصوصاً صدیقہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ شان ہے کہ دنیا بھر کی مائیں ان کے قدم پاک پر قربان ہوں کوئی کمین آدمی بھی ماں کو خواب میں دیکھ کر جو رو سے تعبیر نہ دے گا۔ یہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سخت توہین بلکہ اس جناب کے حق میں صریح گالی ہے اس سے زیادہ اور کیا بے ایمانی اور بے غیرتی ہو سکتی ہے کہ ماں کو جو رو سے تعبیر دی جاوے۔

عقائد دیوبند کا یہ ایک نمونہ ہے اگر تمام عقائد بیان کئے جاویں تو اس کے لئے دفتر چاہئے حق یہ ہے کہ رافضیوں اور خارجیوں نے تو صحابہ کرام یا اہل بیت عظام ہی پر تہم کیا۔ مگر دیوبندیوں کے قلم سے نہ خدا کی ذات بچی نہ رسول علیہ السلام اور نہ صحابہ کرام کی نہ ازواج مطہرات سب کی اہانت کی گئی اور اگر کوئی شخص کسی شریف آدمی سے کہے کہ میں نے تمہاری والدہ کو خواب میں دیکھا اور اس کو بیوی سے تعبیر کیا تو وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا ہم اُن کے غلامان غلام اپنی صدیقہ ماں کے لئے یہ باتیں کس طرح برداشت کریں۔ صرف قلم ہاتھ میں ہے اس لیے مسلمانوں کو مطلع کر دیتے ہیں تاکہ مسلمان اُن سے علیحدہ رہیں یا وہ لوگ ان عقائد سے توبہ کریں۔

میرے شاگرد و صاحبزادے بلند اقبال عزیزی مولوی سید محمود شاہ صاحب سلمہ، کا اسرار تھا کہ امکان کذب، امکان نظیر، دیوبندیوں کی عبارات کی توضیحوں پر بھی ہم کچھ گفتگو کریں مگر چونکہ اب کاغذ بالکل نہیں ملتا۔ اس لیے دیوبندیوں کے صرف عقائد پیش کر دیئے اور انشاء اللہ اسی کتاب کی دوسری جلد میں ان مذکورہ مسائل کی معرکہ الآرا تحقیق کریں گے جس سے علمائے دیوبند کی منطق دانی کا بھی انشاء اللہ پتہ چل جائیگا اور مولوی حسین احمد صاحب و مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے جو کچھ توجیہات عبارات کی ہیں ان کی حقیقت بھی معلوم ہو جاوے گی ان شاء اللہ ہم اہل سنت پر الزام ہے کہ ہم لوگ پیر پرست ہیں۔ نبی علیہ السلام کو اور اپنے پیروں کو خدا سے ملا دیتے ہیں۔ لہذا مشرک ہیں ہم دکھاتے ہیں کہ دیوبندی کس وجہ کے پیر پرست ہیں اور یہ حضرات اپنے پیروں کو کیا سمجھتے ہیں۔ مولوی محمود حسن صاحب نے اپنے شیخ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھا ہے۔
شعر تمہاری تربت انور کو دیکر طور سے تشبیہ
کہوں ہوں بار بار اُربنی مری دیکھی بھی نادانی

مولوی رشید احمد صاحب کی قبر تو طور ہوئی اور مولوی محمود حسن صاحب ارنی فرمانے والے موسے ہوئے تو مولوی رشید احمد صاحب رب ہی ہوں گے؟ اس میں شیخ کو رب بتایا۔ اسی مرثیہ میں فرماتے ہیں۔

شعر بنان پراہل آہوا کی ہے کیوں اُٹھن ٹھٹھن شاید
اشھا دنیا سے کوئی بانی اسلام کا ثانی

اس میں مولوی رشید احمد صاحب کو بانی اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی کہا گیا پھر فرماتے ہیں۔

وہ تھے صدیق اور فاروق پھر کہئے عجب کیا ہے
شہادت نے تہجد میں قدم بوسی کی گر ٹھانی

اس میں ان کو صدیق اور فاروق بھی بتایا۔ پھر فرماتے ہیں

شعر قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں
عبید سود کا اُن کا لقب ہے یوسف ثانی

مولوی رشید احمد صاحب کے کالے بندے ماشاء اللہ ایسے حسین ہیں کہ اُن کو یوسف ثانی کا لقب دیا گیا۔ ناظرین غور فرمائیں کہ از خدا تا فاروق کونسا درجہ باقی رہا جو کہ رشید احمد صاحب کو نہ دیا گیا۔ تمام مرثیہ ہی قابل دید ہے اس میں یہ شعر بھی ہے۔

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسجائی کو دیکھیں ذرا ابن مریم!

اس شعر میں مولوی صاحب نے حضرت روح اللہ عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے مرشد سے مقابلہ کا چیلنج دیا ہے کہ اے عیسیٰ علیہ السلام آپ نے تو ایک کام ہی کیا یعنی مردوں کو زندہ کرنا۔ مگر میرے رشید احمد نے دو کام کیے مردوں کو زندہ کیا اور زندہ کو مرنے نہ دیا۔ یعنی اس میں رشید احمد صاحب کو عیسیٰ علیہ السلام سے افضل بتایا۔

مولوی اشرف علی صاحب کے ایک مرید نے مولوی موصوف کو لکھا کہ میں نے خواب کی حالت میں اس طرح کلمہ پڑھا۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَشْرَفَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ چاہتا تھا کہ کلمہ صحیح پڑھوں مگر یہ ہی منہ سے نکلتا تھا پھر بیدار ہو گیا۔ تو درود شریف پڑھا۔ تو یوں **اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى عِبْدِنَا وَنَبِيِّنَا وَمَوْلَانَا أَشْرَفَ عَلَى** بیدار ہوں مگر دل بے اختیار ہے۔

اس کا جواب مولوی اشرف علی صاحب نے یہ دیا کہ اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے۔ ۲۴ شوال ۱۳۳۵ء ماخوذ از رسالہ مداد بابت ماہ صفر ۱۳۳۶ء صفحہ ۳۵ غور کرنا چاہیے کہ مولوی اشرف علی صاحب کا کلمہ پڑھ لو اور ان پر درود پڑھو مگر بے اختیاری زبان کا بہانہ کر دو۔ سب جائز ہے۔ کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور کہے کہ بے اختیار زبان سے نکل گیا طلاق ہو جاتی ہے۔ یہ بہانا کافی مانا گیا۔ اور اس کو پیر کے قمع سخت ہونے کی دلیل قرار دیا گیا۔ تذکرۃ الرشید صفحہ ۴۶ میں ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی بھانج اپنے مہمانوں کا کھانا پکارتی ہیں کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اُن سے فرمایا کہ اُٹھ تو اس قابل نہیں کہ امداد اللہ کے مہمانوں کا کھانا پکاوے۔ اس کے مہمان علماء (بچی دیوبندی) ہیں اس کے مہمانوں کا کھانا میں پکاؤں گا۔ (چشم بد زور)

مولوی اسماعیل صاحب دہلوی صراط مستقیم کے آخر میں اپنے مرشد سید احمد صاحب کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے ان کا داہنا ہاتھ خاص اپنے دست قدرت میں پکڑ کر امور قدسیہ سے بہت بلند اور نادر چیزیں اُن کے سامنے پیش کیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کا سید احمد صاحب کو حکم ہوا کہ جو شخص تیرے ہاتھ پر بیعت کرے گا اگرچہ وہ لکھو کھو بھی نہ ہوں ہم ہر ایک کو کفایت کریں گے۔ اسی صراط مستقیم میں اولیاء کا ذکر فرماتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اور اُن کو انبیاء کے ساتھ وہی نسبت ہے جو چھوٹے بھائیوں کو بڑے بھائیوں سے کیوں کہ ان کے درمیان بھی **مِنْ وَجْهِ** نبوت کا علاقہ ہے۔ اور مِنْ وَجْهِ اخوت کا یعنی اولیاء اللہ میں نبوت موجود ہے معاذ اللہ کہیے آج تک کسی مرید نے اپنے پیر و مرشد کے لئے ایسی تعلیم نہ کی ہوں گی۔ مگر ان حضرات پر فتویٰ شرک ہے نہ حکم کفر نہ یہ قبر پرست کہلائیں۔ جو کچھ عرض کیا گیا۔ نہ تو اس سے اپنی علمی لیاقت کا اظہار منظور ہے نہ اپنی قابلیت دکھانا مقصود۔ میں کیا اور میری لیاقت کیا اور قابلیت کیا۔ یہ جو کچھ ہے حضرت مرشدی و استاذی قبلہ عالم حامی دین، ناصر مسلمین مولانا الحاج سید محمد نعیم الدین صاحب قبلہ مراد آبادی و ام ظلم الاقدس کے در کا صدقہ ہے مقصود صرف یہ ہے کہ مسلمان اپنے دوست و دشمن کو پہچانیں، دولت ایمان کو دینی راہزنوں سے محفوظ رکھیں اور کوشش کریں کہ دنیا سے ایمان سلامت لے جاویں اور جو بھی اس سے فائدہ اٹھائے۔ اس فقیر بے نوا کے لئے دعائے حسن خاتمہ کر لے۔ مولے تعالیٰ اسلام کا بول بالا فرمادے۔ مسلمانوں کو راہ مستقیم پر قائم رکھے اور اس فقیر حقیر کے ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ کو قبول فرمادے۔ **آمِنْ يَارَبَّ الْعَالَمِينَ بِجَاهِ حَبِيبِكَ الرَّءُوفِ الرَّحِيمِ الْكَرِيمِ**

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ وَنُورِ عَرْشِهِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِهِ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ

ناچیز احمد یار خان نعیمی اشرفی اوجھانوی بدایونی سرپرست مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات مغربی پاکستان ۶ زلیقہ درویش ایمان سافروزد و شنبہ مبارکہ ۱۳۶۱ھ اس کتاب کو لکھ چکنے کے بعد حضور امیر ملت قبلہ عالم محدث علی پوری دام ظللہم کا گرامی نامہ تشریف لا کر باعث عزت افزائی ہوا۔ جس میں ایک ایمان افروز نہایت باریک علمی نکتہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اور مجھے حکم ملا کہ وہ کتاب میں لکھ دوں۔ میں نہایت فخر سے ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ جو لوگ حضور علیہ السلام کو اپنی طرح بشر کہتے ہیں وہ نور ایمانی سے بے بہرہ ہیں۔ حضور علیہ السلام کی شان تو ایمان سے بالاتر ہے۔ جس چیز کو اُس ذات گرامی سے نسبت ہو جاوے اس کی مثل کوئی نہیں ہو سکتا وہ بے مثل ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اے نبی کی بیویاں تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات بے مثل بیویاں ہیں۔ اے مسلمانو! تم بہترین امت ہو۔ معلوم ہوا کہ امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل امت ہے۔ مدینہ منورہ بے مثل شہر۔ قبرانور کی زمین بے مثل زمین، جو پانی سرکار علیہ السلام کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا وہ بے مثل پانی۔ حضور علیہ السلام کا پسینہ مبارک بے مثل پسینہ غرض کہ جس کو اُس ذات کریم سے نسبت ہوگئی وہ بے مثل و بے نظیر ہے تو کیا وجہ ہے منسوب الیہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی یہ ساری بہار ہے وہ بے مثل نہ ہوں۔

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

مرین از یک نسبت عیسیٰ عزیز	از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نور چشمہٴ حَمَہٴ لِّلْعَلَمِین	آں امام اوّلین و آخرین
بانوئے آں تاجدارِ مہلِ اُتّی	مرتضیٰ مشکل کشا شیرِ خدا
مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق	مادرِ آں قافلہ سالارِ عشق!
رہتہٴ آمینِ حق زنجیرِ پاست	پاس فرمانِ جنابِ مصطفیٰ است
ورنہ گردِ جُو بَشِ گردیدے	سجد ہا بر خاکِ دے پاشیدے

فاطمہ زہرا اس لیے افضل ہیں کہ نبی کی لاڈلی، ولی کی بیوی، شہیدوں کی ماں ہیں رضی اللہ عنہا سبحان اللہ کیا طرزِ استدلال ہے! علیحضرت قدس سرہ نے خوب فرمایا۔

اللہ کی سرتابقدم شان ہیں یہ!	ان سائیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن بتاتا ہے کہ ایمان ہیں یہ	ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم	

قہرِ کبریا بر منکرین عصمتِ انبیاء

دیوبندیوں کی دریدہ دہنی اور توہینِ انبیاء نے لوگوں کو بارگاہِ انبیاء میں بے ادبی کرنے پر دلیر کر دیا۔ ہندوستان میں ایک فرقہ وہ بھی پیدا ہو گیا۔ جو انبیاء کرام کو معاذ اللہ گنہگار بلکہ مشرک کافر بھی کہتا ہے کہ وہ سب حضرات خاکش بدہن پہلے مشرک و کفار تھے۔ اور گناہ کبائر کے مرتکب بھی۔ پھر توبہ کر کے نبی ہوئے میرے پاس صرف چوب قلم ہے اور کچھ اوراق جس سے ان عقائد باطلہ کی تردید کرتا ہوں اور ناز کرتا ہوں کہ میری عزت و آبروزبان و قلمِ عظمتِ انبیاء کے لئے ڈھال بنے سیدنا حسان نے کیا خوب فرمایا۔

فَإِنَّ أَبِي وَالدَّتِي وَ عَرَضِي لِعَرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْكُمْ وَقَاءَ

یہ رسالہ بہت دن ہوئے الفقہ میں قسط وار شائع ہوا۔ مسلمانوں کے اصرار پر جاء الحق کے دوسرے ایڈیشن میں بطور ضمیمہ درج کرتا ہوں۔ رب تعالیٰ قبول فرما کر نافع خلائق بنائے اسمیں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں۔

مقدمہ گناہ چند طرح کے ہیں۔ شرک، کفر، کبائر، پھر صغائر و قسم کے بعض وہ جو دنائت اور ذلت طبع پر دلالت کرتے ہیں، جیسے چوری، کم تولنا وغیرہ۔ اور بعض ایسے نہیں۔ پھر ان گناہوں میں بھی دو نوعیتیں ہیں عمدہ اور سہو۔ نیز انبیائے کرام کی بھی دو حالتیں ہیں۔ ایک ظہور نبوت سے پہلے کا وقت۔ دوسرے نبوت کے بعد انبیائے کرام شرک، کفر بد عقیدگی کی گمراہی اور ذلیل حرکتوں سے ہر وقت بفضلِ تعالیٰ معصوم ہیں کہ وہ حضرات نبوت سے پہلے اور اس کے بعد عمدہ سہو ایک آن کے لئے بھی بد عقیدہ نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں مدارج اور مواہب میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی ساقِ عرش پر لکھا ہوا پایا۔ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ** اس سے آدم علیہ السلام کا پیدائشی عارف باللہ ہونا بھی ثابت ہوا۔ اور بغیر استاذ پڑھا لکھا ہونا بھی کہ پیدا ہوتے ہی لکھی ہوئی تحریر پڑھ لی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا۔

إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ إِنِّي أَلِكْتُ وَ جَعَلَنِي نَبِيًّا (پارہ ۶ سورہ ۱۹ آیت ۳۰) ”میں اللہ کا بندہ ہوں کہ مجھے اس نے کتاب عطا فرمائی اور نبی بنایا۔“

نیز فرمایا۔ **وَأَوْصِنِي بِاللَّصْلِ وَالزُّكُوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا وَ بَرًّا بِوَالِدَتِي** (پارہ ۶ سورہ ۱۹ آیت ۳۱)

”یعنی مجھے تاحینِ حیات نماز، زکوٰۃ کا حکم دیا اور میں اپنی والدہ سے سلوک کر نیوالا بھی ہوں۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جناب مسیح بوقت پیدائش ہی حکمتِ نظری یعنی رب کی ربوبیت اپنی نبوت اور عطائے انجیل کو بھی جانتے تھے اور حکمتِ عملی تہذیبِ اخلاق و تدبیر منزل سے بھی باخبر ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچپن شریف میں ہی اپنی کافرو قوم پر توحید کی ایسی قوی حجت قائم فرمائی کہ سبحان اللہ آفتاب و چاند تاروں کے ڈوبنے اور ان کے حالات بدلنے کو انکی مخلوقیت کی دلیل بنایا کہ تاروں کو دیکھ کر فرمایا **هَذَا رَبِّي** اے کافرو کیا رب میرا یہ ہو سکتا ہے؟ اور ڈوبتا دیکھ کر فرمایا **لَا أَحِبُّ إِلَّا فُلِينَ** کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا بچپن شریف کی اس ساری گفتگو پاک

پر بعلی سینا اور فارابی کی ساری منطق قربان۔ اسی کو منطقی لوگ یوں بیان کرتے ہیں۔ **الْعَالَمُ مُتَغَيِّرٌ حَدِثٌ لِهَذَا الْعَالَمِ حَدِثٌ** پھر

یوں کہتے ہیں کہ **الْعَالَمُ حَدِثٌ وَلَا شَيْءٌ مِنَ الْحَادِثِ بِمَعْبُودٍ** اس طرز استدلال کو رب نے پسندگی کی سند بخش کر فرمایا

وَبَلَدِكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ حضور سید الانبیاء ﷺ نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرما کر امت کی شفاعت فرمائی

(مدارج و مواہب) معلوم ہوا کہ رب کو اپنے کو اپنے مراتب کو اور اپنے درجات کو نیز امت مرحومہ کو جانتے پہچانتے پیدا ہوئے ہیں۔ بچپن میں بچوں نے کھیل کی رغبت دی۔ تو انہیں وہ جواب دیا کہ جس پر اسطو و افلاطون کی ساری حکمتیں قربان۔ وہ ہی ایک جواب انسانی زندگی کا اصل مقصد ہے

فرمایا۔ **مَا خَلَقْنَا لِهَذَا** اہم اس لئے پیدا نہیں ہوئے رب نے اسکی تائید یوں فرمائی کہ **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ**

خود فرماتے ہیں ﷺ **كُنْتُ نَبِيًّا وَ أَدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَ الطِّينِ** ہم اس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام آب و گل میں جلوہ گر تھے۔

تفسیرات احمدیہ میں **لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ** کی تفسیر فرماتے ہیں۔ **إِنَّهُمْ مَعْصُومُونَ عَنِ الْكُفْرِ قَبْلَ الْوَحْيِ وَ بَعْدَهُ**

با جماع انبیاء کرام وحی سے پہلے اور وحی کے بعد کفر سے معصوم ہیں۔

اس مختصری گفتگو سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں انکا دامن عصمت گمراہی سے کبھی بھی داغدار نہیں ہو سکتا رہے گناہ ان کی

تفصیل یہ ہے کہ انبیاء کرام ارادۂ گناہ کبیرہ کرنے سے ہمیشہ معصوم ہیں کہ جان بوجھ کر نہ توبہ نبوت سے پہلے گناہ کبیرہ کر سکتے ہیں اور نہ اس کے بعد۔

ہاں نسیان صادر ہو سکتے ہیں مگر اس پر قائم نہیں رہتے۔ بلکہ رب کی طرف سے انہیں متوجہ کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

گناہ صغائر میں سے ذلیل حرکتوں سے ہمیشہ معصوم کہ نبوت سے پہلے اور بعد ان سے کبھی بھی ایسی حرکتیں صادر نہیں ہوتیں جو دنائت اور چھو ندرے پن پر دلالت کریں اور وہ صغائر و ایسے نہ ہوں انبیاء سے صادر ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ تفصیل ان امور میں ہے جن کا تعلق تبلیغ سے نہیں رہے احکام تبلیغیہ ان میں کمی بیشی کرنے یا چھپانے سے انبیاء ہمیشہ معصوم ہیں کہ یہ حرکت ان سے نہی تو جان بوجھ کر صادر ہونہ خطاء یہ بھی خیال رہے کہ گناہوں کی یہ تفصیل دیگر انبیائے کرام کے لئے ہے کہ ان سے بعض گناہ صغیرہ صادر ہو سکتے ہیں مگر سید الانبیاء حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق امت کا اجماع ہے کہ سے کبھی بھی کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہوا۔ یعنی ظہور نبوت سے پہلے اور اسکے بعد آپ نے کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ عمداً نہیں کیا۔ چنانچہ تفسیرات احمدیہ میں آیت **لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ** کی تفسیر میں ہے **لَا خِلَافَ لِأَحَدٍ فِي أَنَّ نَبِيَّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يُرْتَكَبْ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً طُرْفَتَهُ عَيْنَ قَبْلِ الْوَحْيِ وَبَعْدَهُ أَبُو حَنِيفَةَ فِي الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ** تفسیر روح البیان آیت **مَا كُنْتُ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ** کی تفسیر میں ہے۔

يَذُلُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَبْلَ لَهُ هَلْ عَبَدْتُ وَتَنَا قَطُّ قَالَ لَا قِيلَ هَلْ شَرِبْتُ خَمْرًا قَطُّ قَالَ لَا فَمَا زِلْتُ أَعْرِفُ أَنَّ الَّذِي هُمْ عَلَيْهِ كُفْرٌ

”یعنی حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ نے کبھی بت پرستی کی تھی؟ فرمایا نہیں کیا آپ نے کبھی شراب استعمال فرمائی؟ فرمایا نہیں ہم تو ہمیشہ سے جانتے تھے کہ اہل عرب کے یہ عقیدے کفر ہیں۔“

پہلا باب

عصمت انبیاء کا ثبوت

عصمت انبیاء قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اجماع امت دلائل عقلیہ سے ثابت ہے اس کا انکار وہ ہی کرے گا۔ جس کے پاس دل و دماغ کی آنکھیں نہ ہوں۔

قرآنی آیات -

(۱) رب تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا۔

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَنٌ ”اے ابلیس میرے خاص بندوں پر تیری دسترس نہیں۔“

(۲) شیطان نے خود بھی اقرار کیا تھا کہ۔

لَا أُخَوِّدُهُمْ أَتَعْجَبُ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْخَاصِّينَ ”کہا اے مولیٰ میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا سوا تیرے خاص بندوں کے۔“

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام تک شیطان کی پہنچ نہیں اور وہ انہیں نہ تو گمراہ کر سکے اور نہ ب راہ چلا سکے پھر ان سے گناہ کیونکر سرزد ہوں تعجب ہے کہ شیطان تو انبیاء کو معصوم مان کر ان کے بہکانے سے اپنی معذوری ظاہر کرے مگر اس زمانہ کے بے دین ان حضرات کو مجرم مانیں۔ یقیناً یہ شیطان سے بدتر ہیں (۳) یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ”ہم گروہ انبیاء کیلئے لائق نہیں کہ خدا کے ساتھ شرک کریں۔“

(۴) حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔

وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَكُمْ عَنْهُ (پارہ ۱۲ سورہ ۱۱ آیت ۸۸)

”میں اسکا ارادہ بھی نہیں کرتا کہ جس چیز سے تمہیں منع کروں خو کرنے لگوں۔“

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام شرک اور گناہ کرنے کا کبھی ارادہ نہیں فرماتے یہ ہی عصمت کی حقیقت ہے۔

(۵) یوسف علیہ السلام نے فرمایا **وَمَا أُبْرِي نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ إِنَّ النَّفْسَ لَا مَارَةَ بِالسَّوْءِ إِلَّا مَارَ حِمِّ رَبِّي**

”یہاں یہ نہ کہا کہ میرا نفس برائی کا حکم کرتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ عام نفوس انسانوں کو برائی کا حکم کرت ہیں سوان نفوس کے جن پر رب رحم فرمائے اور وہ نفوس انبیاء ہیں۔“

معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نفوس انہیں فریب دیتے ہی نہیں۔

(۶) رب تعالیٰ فرماتا ہے **إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَ نُوحًا وَ آلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ** جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام

سارے جہان سے افضل ہیں تو ملائکہ معصومین بھی داخل ہیں۔ ملائکہ کی صفت یہ ہے کہ **لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ** وہ کبھی نافرمانی کرتے ہی نہیں۔ اگر انبیاء گنہگار ہوں تو ملائکہ ان سے بڑھ جائیں۔

(۷) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ** ہمارا عہد نبوت ظالمین یعنی فاسقین کو نہ ملے گا معلوم ہوا کہ فسق و نبوت جمع

ہو سکتے ہی نہیں۔ قرآن کریم نے انبیاء کرام کے اقوال کو نقل فرمایا۔

لَيْسَ بِي ضَلَالَةٍ وَ لَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (پارہ ۸ سورہ ۷ آیت ۶۱)

”اے میری قوم! مجھ میں بالکل گمراہی نہیں لیکن میں رب العالمین کا رسول ہوں۔“

لَكِنِّي سے معلوم ہوا کہ گمراہی اور نبوت کا اجتماع نہیں ہو سکتا کیونکہ نبوت نور ہے اور گمراہی تاریکی نور و ظلمت کا اجتماع ناممکن ہے۔

احادیث -

(۱) مشکوٰۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے جسے قرین کہا جاتا ہے۔ مگر میرا قرین مسلمان ہو گیا لہذا اب وہ مجھے نیک مشورہ ہی دیتا ہے۔

(۲) اسی مشکوٰۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر بچے کو بوقت ولادت شیطان مارتا ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام کو پیدائش میں چھو بھی نہ سکا معلوم ہوا کہ یہ دو بچہ شیطانی وسوسہ سے محفوظ ہیں۔

(۳) مشکوٰۃ کتاب الغسل سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام کو خواب سے احتلام نہیں ہوتا کہ انہیں شیطانی اثر ہے بلکہ ان کی پیماں بھی احتلام سے پاک ہیں۔

(۴) انبیائے کرام کی جمائی نہیں آتی کیونکہ یہ بھی شیطانی اثر ہے۔ اسی لئے اس وقت لاحول پڑھتے ہیں۔

(۵) مشکوٰۃ شریف علامات نبوت میں ہے کہ حضور علیہ السلام کا سینہ مبارک چاک کر کے اس میں سے ایک پارہ گوشت نکال دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ شیطانی حصہ ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا نفس قدسیہ شیطانی اثر سے پاک ہے اور پھر اسے ماء زمزم سے دھویا گیا۔

(۶) مشکوٰۃ شریف باب مناقب عمر میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس راستہ سے گزرتے ہیں وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ معلوم ہوا جن پر پیغمبر کی نظر کرم ہو جائے وہ بھی شیطان سے محفوظ رہتے ہیں پھر خود ان حضرات کا کیا پوچھنا۔

اقوال علماء امت ہمیشہ سے امت مصطفیٰ ﷺ کا عصبت انبیاء پر اجماع رہا سو فرقہ ملعونہ حشویہ کے کوئی اس کا منکر نہ ہوا چنانچہ شرح عقائد نسفی شرح فیقہ اکبر، تفسیرات احمدیہ، تفسیر روح البیان، مدارج النبوة، مواہب لدینہ، شفا شریف، نسیم الریاض وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔

تفسیر روح البیان آیت مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ الْآيَةُ كِي تَفْسِيرِ مِيں هِي فَإِنَّ أَهْلَ الْوُصُولِ إِجْتَمَعُوا عَلَى أَنَّ الرُّسُلَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ كَانُوا مُتَوَمِّنِينَ قَبْلَ الْوَحْيِ مَعْصُومِينَ مِنَ الْكَبَائِرِ وَمِنَ الصَّغَائِرِ الْمُوجِبَةِ لِنَفَرَةِ النَّاسِ عَنْهُمْ قَبْلَ الْبَعْثِ وَبَعْدَهَا فَضْلًا عَنِ الْكُفْرِ

یعنی اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام وحی سے پہلے مومن تھے اور گناہ کبیرہ نیز ان صغائر سے جو نفرت کا باعث ہوں نبوت سے پہلے معصوم تھے اور بعد بھی چہ جائیکہ کفر۔

تفسیرات احمدیہ میں ہے۔

إِنَّهُمْ مَعْصُومُونَ عَنِ الْكُفْرِ قَبْلَ الْوَحْيِ وَبَعْدَهُ بِالْإِجْمَاعِ وَكَذًا عَنْ تَعَمُّدِ الْكَبَائِرِ عِنْدَ الْجُمْهُورِ

”انبیاء کرام کفر سے قبل وحی اور بعدہ بالاتفاق معصوم ہیں ایسے ہی عام علماء کے نزدیک دیدہ و دانستہ گناہ کبیرہ کرنے سے بھی معصوم ہیں۔“
غرض کہ امت مرحومہ کا اجماع انبیائے کرام کی عصمت پر ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے اسکے لئے زیادہ عبارتیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

عقلی دلائل عقل بھی چاہتی ہے کہ انبیائے کرام کفر و فسق سے ہمیشہ معصوم ہوں چند وجوہ سے۔

(۱) کفر یا تو عقائد کی بے خبری سے ہوتا ہے یا نفس کی سرکشی سے یا شی کیا غوا سے اور ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ انبیاء کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں نیز ان کے نفوس پاک ہیں اور وہ شیطانی اثر سے محفوظ ہیں۔ جب یہ تینوں وجہیں نہیں تو اب ان سے کفر و فسق کیونکر سرزد ہو۔

(۲) فسق بھی نفس امارہ یا شیطان کے اثر سے ہے اور وہ حضرات ان دونوں سے محفوظ ہیں۔

(۳) فاسق کی مخالفت ضروری ہے اور نبی کی اطاعت فرض کہ بہر حال انکی فرمانبرداری کی جائے اگر نبی بھی فاسق ہوں تو ان کی اطاعت بھی ضروری ہو اور مخالفت بھی اور یہ اجتماع ضدین ہے۔

(۴) فاسق کی بات بلا تحقیق نہ ماننی چاہئے رب تعالیٰ فرماتا ہے **إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا** اور نبی کی ہر بات ماننی فرض ہے۔
رب تعالیٰ فرماتا ہے **مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ** اگر نبی بھی فاسق ہوں تو ان بات بلا تحقیق ماننا بھی ضروری اور نہ ماننا بھی۔ اور یہ اجتماع نقیضین ہے۔

(۵) گنہگار سے شیطان راضی ہے اسی لئے وہ حزب الشیطان میں داخل ہے اور نیک کار سے رحمان خوش اسی لئے وہ حزب اللہ سے ہے اگر پیغمبر ایک آن کے لئے بھی گنہگار ہوں تو معاذ اللہ وہ شیطانی گروہ میں سے ہوں گیا اور یہ ناممکن ہے۔

(۶) فاسق سے متقی افضل رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ** اگر نبی کسی وقت گناہ کریں اور اس وقت ان کا امتی نیکی کر رہا ہو تو لازم آوے گا کہ امتی اس گھڑی نبی سے افضل ہو اور یہ باطل ہے کہ کوئی امتی ایک آن کے لئے بھی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔

(۷) بدعتیہ کی تعظیم حرام ہے حدیث میں ہے۔

”مَنْ وَفَّرَ صَاحِبَ بَدْعٍ فَقَدْ أَفْكَانَ عَلَىٰ عَدَمِ الْإِسْلَامِ“ جس نے بدعتیہ کی تعظیم کی اس نے اسلام ڈھانے پر مدد دی۔

اور نبی کی تعظیم واجب۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَتَعَزَّزُوا وَتَتَّقُوا** اگر نبی ایک آن کے لئے بے دین ہوں تو ان کی تعظیم واجب بھی ہو اور حرام بھی۔

(۸) گنہگاروں کی بخشش حضور کے وسیلہ سے ہے رب فرماتا ہے **وَلَوْ أَنَّهُمَا ذَا ظَلَمُوا أَنفُسَهُم جَانُوكَ** (الآیۃ اس آیت میں عام مجرمین کو بارگاہ مصطفویٰ میں حاضر ہو کر ان کے وسیلہ سے استغفار کرنے کی دعوت دی گئی۔ اگر اکش بدہن آپ کا دامن عفت گناہوں سے آلودہ ہو تو بتاؤ پھر آپ کا وسیلہ کون ہوگا؟ اور کس کے ذریعے آپ کی معافی ہوگی۔ جو سب مجرموں کا وسیلہ مغفرت ہو ضروری ہے کہ وہ جرموں سے پاک ہوا گروہ بھی گنہگار ہو تو پھر ترجیح بلا مرجح کا سوال پیدا ہوگا اور دور یا تسلسل لازم ہوگا۔

(۹) قیمتی چیز قیمتی برتن میں رکھی جاتی ہو موتی کا ڈبہ بھی قیمتی ہوتا ہے سنہری زیورات کا بکس بھی قیمتی دودھ کا برتن بھی ہر گندگی و ترشی سے محفوظ رکھا جاتا ہے تاکہ دودھ خراب نہ ہو جائے کارخانہ قدرت میں نبوت بڑی ہی انوکھی اور بے بہا نعمت ہے تو چاہیے کہ اس کا ظرف یعنی انبیاء کے دل کفر و فسق اور ہر قسم کی گندگی سے پاک و صاف ہوں اسی لئے رب نے فرمایا **اللّٰهُ یَعْلَمُ حَیْثُ یَجٰلُ رَسَالَتُہٗ** اللہ ہی ان نفوس کو جانتا ہے جو اس کی رسالت کے لائق ہیں۔

(۱۰) فاسق و فاجر کی خبر بغیر گواہی قابل اعتماد نہیں۔ اگر انبیاء کرام بھی فاسق ہوتے تو انہیں اپنی ہر خبر پر گواہی پیش کرنا ہوتی حالانکہ ان کا ہر قول صد ہا گواہیوں سے بڑھ کر ہے۔ حضرت ابو خزیمہ انصاری نے اونٹ کے متعلق یہ ہی تو کہا تھا کہ یا حبیب اللہ اونٹ کی تجارت جنت و دوزخ حشر و نشر سے بڑھ کر نہیں۔ جب ہم آپ سے سن کر ان پر ایمان لے آئے تو اس زبان سے سن کر یہ کیوں نہ مان لیں کہ واقعی آپ نے اونٹ لیا ہے۔ جس کے نعام میں حضور نے ان ایک کی گواہی دو کے برابر کر دی۔

دوسرا باب

عصمت انبیاء پر اعتراضات و جوابات

آئندہ اعتراضات کے تفصیلی جوابات سے پہلے بطور مقدمہ اجمالی جواب عرض کئے دیتا ہوں جس سے بہت سے اعتراضات خود بخود اٹھ جائیں گے۔ وہ یہ کہ عصمت انبیاء قطعی و اجمالی مسئلہ ہے اور احادیث جن سے پیغمبروں کا گناہ ثابت ہے اگر متواتر اور قطعی نہیں بلکہ مشہور احادیث ہیں وہ قبول نہیں۔ راوی کو جھوٹا ماننا۔ پیغمبر کو گناہ گار ماننے سے آسان ہے اور وہ قرآنی آیات اور متواتر روایات جن سے ان حضرات کا جھوٹ یا کوئی او گناہ ثابت ہوتا ہو سب واجب التاویل ہیں۔ کہ ان کے ظاہری معنی مراد نہ ہوں گے یا کہا جائیگا کہ یہ واقعات عطاءِ نبوت سے پہلے کے تھے۔ تفسیرات احمد یہ آیت **لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ** کی تفسیر میں ہے **وَإِذَا تَقَرَّرَ هَذَا فَمَا نُقِلَ عَنِ الْأَنْبِيَاءِ مِمَّا يَشْعُرُ بِكَذِبٍ أَوْ عَصِيَّتِهِ فَمَا كَانَ مَنَقُولًا بِطَرِيقِ التَّوَاتُرِ فَمَصْرُفٌ عَنْ ظَاهِرِهِ إِنْ أَنْ أَمَكَّنَ إِلَّا فَمَحْمُولٌ عَلَى تَرْكِ الْأُولَى أَوْ كَوْنِهِ قَبْلَ الْبُعْثِ** بلکہ مدارج النبوة شریف جلد اول باب چہارم میں تو فرمایا کہ اس قسم کی آئیں متشابہات کی مثل ہیں۔ جن می خاموشی لازم دیکھو رب تعالیٰ کا قدوس، غنی، علیم، قادر مطلق بلکہ تمام صفات کمالیہ سے موصوف ہونا قطعی اجماعی ہے مگر بعض آئیں ظاہری معنی کے لحاظ سے اس کے بالکل خلاف ہیں رب فرماتا ہے رب فرماتا ہے **يُخَذِ عُونََ اللَّهِ وَهُوَ خَادِعُهُمْ** وہ رب کو دھوکا دیتے ہیں رب انہیں اور فرماتا ہے **مَكْرُوا وَمَكَّرَ اللَّهُ** انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے اور فرماتا ہے **فَإِنَّمَا تَوَلَّوْا فَنَمَّ وَجْهُ اللَّهِ** جدھر تم منہ کرو ادھر ہی رب کا منہ ہے فرماتا ہے **يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ** ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے فرماتا ہے **ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ** پھر اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہو گیا۔ رب تعالیٰ چہرہ، ہاتھ، برابری مکر اور دھوکہ سے پاک و منزہ ہے اور ان آیتوں میں بظاہر یہ ہی ثابت ہو رہا ہے لہذا واجب ہے کہ ان میں تاویل کی جائے بلکہ ان کے حقیقی معنی خدا کے سپرد کئے جائیں جو کوئی ان آیتوں کی وجہ سے رب کو عیب دار مانے وہ بے ایمان ہے ایسے ہی جو کوئی بعض آیتوں کے ظاہری معنی کر کے انبیائے کرام کو فاسق یا مشرک جانے وہ بے دین ہے یہ ایک جواب ہی انشاء اللہ تمام اعتراضات کی جزا کاٹ دے گا مگر پھر بھی ہم کچھ تفصیلی جواب عرض کئے دیتے ہیں۔

اعتراض ۱ ابلیس نے بھی سجدہ نہ کر کے خدا کی نافرمانی کی اور آدم علیہ السلام نے بھی گندم کھا کر یہ یہ جرم کیا۔ دونوں کو سزا بھی یکساں دی گئی کہ اسے فرشتوں کی جماعت سے اور انہیں جنت سے خارج کر دیا گیا جرم و سزا میں دونوں برابر ہوئے بعد میں آدم علیہ السلام نے توبہ کر کے معافی حاصل کر لی۔ ابلیس نے یہ نہ کیا معلوم ہوا کہ آپ معصوم نہ تھے۔ (محدثہ شریعت کا پتھر)

جواب یتان سجدہ نہ کرنے میں مجرم بھی تھا اور سزا یاب بھی ہوا۔ آدم علیہ السلام گندم کھانے میں نہ گنہگار تھے اور نہ انہیں کوئی سزا دی گئی کیونکہ شیطان نے دیدہ دانستہ سجدہ سے انکار ہی نہ کیا بلکہ حکم رب کو غلط سمجھ کر اس کے بالمقابل گفتگو کر نیکی ہمت کی کہ بولا **خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ خَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ** جس کی سزا میں فرمایا گیا کہ **فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَى يَوْمِ الدِّينِ** گویا یہ زمین اس کے لئے کالے پانی کی طرح سزا کی جگہ تجویز کی گئی کہ وہ قیامت تک یہاں ذلیل و خوار اولاد حول کے کوڑے کھاتا پھر۔ آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم نے بار بار اعلان فرمایا کہ وہ بھول گئے انہوں نے گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا **نَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا** کہیں فرمایا **فَإِذَا لَهُمَا الشَّيْطَانُ** کہیں فرمایا **فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ** غرض کہ اس واقعہ کا ذمہ دار تو شیطان کو بنایا اور ان کے متعلق فرمایا کہ دھوکہ کھا گئے ان سے خطا ہو گئی دھوکہ یہ ہوا کہ ان سے رب نے فرمایا تھا کہ تم اس درخت کے قریب نہ جانا۔ شیطان نے کہا کہا آپ کو کھانے کی ممانعت نہیں۔ وہاں جانے سے روکا گیا ہے۔ آپ وہاں نہ جائیے میں لا دیتا ہوں آپ کھا لیجئے اور جھوٹی قسم کھا گیا کہ یہ پھل فائدہ مند ہے اور میں آپ کا خیر خواہ ہوں آپ سمجھے کہ کوئی بھی رب کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا یا لا تفر با ممانعت تنزیہی سمجھے اس کی پوری تحقیق ہماری تفسیر کے پہلے پارہ میں اسی آیت کے ماتحت دیکھو۔ یہ تو عملوں میں فرق ہوا۔ اب رہا زمین پر آنا۔ رب تعالیٰ نیا نہیں زمین ہی کی خلافت کے لئے پیدا کیا تھا کہ فرمایا **إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَتَهُ** جنت میں تو کچھ روز اس لئے رکھا گیا تھا کہ وہاں کے مکانات اور باغات وغیرہ دیکھ کر اسی طرح زمین کو آباد کریں گویا وہ جگہ ان کی ٹریننگ کی تھی ک ٹریننگ سکول میں ہمیشہ نہیں رکھا جاتا۔ ان کو زلا کر اس لئے بھیجا گیا کہ تمام فرشتوں نے سوائے گریہ و زاری ساری عبادتیں کی تھیں درود دل ہی تو وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان ملائکہ سے افضل ہوا جنت کا بہانہ تھا درحقیقت اپنے عشق میں رُلانا تھا۔ حسنات الابرار سینات المقر بین۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروہیاں

اے خیال یار کیا کرنا تھا اور کیا کر دیا تُو تو پردہ میں رہا اور مجھ کو رسوا کر دیا

یہ راز وہ سمجھے جو لذت عشق سے واقف ہو۔ رب نے شیطان سے کہا تھا اخرج منها اور یہاں فرمایا گیا **إِهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعاً** جس میں بتایا کہ تم کچھ عرصہ کے لئے زمین میں بھیجے جا رہے ہو۔ پھر اپنی کروڑہا اولاد کے ساتھ واپس یہیں آؤ گے یعنی دو جا رہے ہو اور کروڑوں کو ساتھ لاؤ گے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے ہم کو جنت سے نہ نکالا۔ بلکہ ہم نے انہیں وہاں سے علیحدہ کیا کیوں کہ ان کی پشت شریف میں کفار فساق سب ہی کی رو میں تھیں جو کہ جنت کے قابل نہ تھے حکم ہوا کہ اے آدم نیچے جا کر ان ٹھٹھا کو چھوڑ آؤ۔ پھر آپ کی جگہ یہ ہی ہے (مرقات باب الایمان بالقدر و روح البیان آیت **فَإِزْ لَّهُمَا الشَّيْطَانُ**) (۲) شیطان کا زمین پر آنا پردیس میں آنا ہے مگر آدم علیہ السلام کا یہاں آنا پردیس میں آنا نہیں کیونکہ آدم جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے اور ان کا جسم چونکہ زمین پر اور مٹی سے بنا لہذا زمین ان کا وطن جسم ہوئے اور عالم ارواح گویا وطن روح وطن روح سے وطن جسم کی طرف آئے جو انسا نمر کر جنت میں گیا۔ وہ پردیس میں نہیں بلکہ وطن جسم سے وطن روح میں گیا۔ مگر شیطان کی پیدائش آگ سے ہے لہذا زمین اس کے لئے پردیس ہوا۔ (۳) اگر آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا عذاب ہوتا تو یہاں انہیں خلیفہ نہ بنایا جاتا۔ ان کے سر پر تاج نبوت نہ رکھا جاتا ان کی اولاد میں انبیاء و اولیاء خصوصاً سید الانبیاء ﷺ پیدا نہ فرمائے جاتے طرم کو معافی دیکر قید سے نکالتے ہیں۔ شاہی محل میں لا کر پھر اس پر انعامات کی بارش کرتے ہیں نہ کہ جیل خانہ میں ہی رکھ کر حقیقت یہ ہے کہ بڑوں کی ظاہری خطا جھوٹوں کے لئے عطا ہوتی ہے دنیا اور یہاں کی ساری نعمتیں اس خطائے اول کا ہی صدقہ ہی لطف یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے لئے دانہ گندم خطا قرار دیا گیا۔ اور ان کی اولاد کے لئے وہ ہی غذا تجویز ہوئی۔

اعتراض ۲ حضرت آدم و حوا نے اپنے ایک بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا۔ حارث شیطان کا نام ہے اس کو قرآن کریم نے فرمایا **فَلَمَّا اتَا هُمَا صَٰلِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَآءَ** جس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کا یہ کام بھی شرک تھا۔ ثابت ہوا کہ پیغمبر شرک بھی کر لیتے ہیں۔ حاکم کی روایت میں ہے کہ اس آیت میں حضرت آدم و حوا مراد ہیں

جواب آدم علیہ السلام اس قسم کے عیب سے پاک ہیں معترض نے اس آیت میں دھوکا دیا ہے بہت سے سرین فرماتے ہیں کہ **جَعَلَا** کا فاعل قصی اور اس کی بیوی ہے کیونکہ **خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا** کے معنی یہ ہیں کہ اے قریش رب نے تمہیں ایک جان یعنی قصی سے پیدا فرمایا۔ اواس کا نام عبدالحارث رجھ دیا (تفسیر خزائن العرفان وغیرہ) اس صورت میں کوئی اعتراض ہی نہیں اور بعض نے فرمایا **جَعَلَا** میں مضاف پوشیدہ ہے اور اس کا فاعل اولاد آدم و حوا ہی ہیں یعنی آدم و حوا کی بعض اولاد نے شرک شروع کر دیا (دیکھو روح البیان و مدارک وغیرہ) اسی لئے آگے جمع کا صیغہ ارشاد ہوا۔ **فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ** اگر یہ فعل حضرت آدم و حوا کا ہوتا تو **يُشْرِكُونَ** حشینیہ کا صیغہ ارشاد ہوتا۔ نیز ایک معمولی سی خطا یعنی گندم کھا لینے پر عتاب ہو گیا تھا تو چاہئے تھا کہ شرک کرنے پر بڑا سخت عذاب ہوتا لیکن بالکل نہ ہوا۔ حاکم کی یہ روایت بالکل معتبر نہیں کیونکہ وہ خبر واحد ہے اور عصمت پیغمبر یقینی و قطعی

اعتراض ۳ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ** آدم علیہ السلام نے رب کی نافرمانی کی پس گمراہ ہو گئے اس سے آدم علیہ السلام کا گناہ اور گمراہی دونوں معلوم ہوئے۔

جواب یہاں مجازاً خطا کو عصیان فرمایا گیا اور غوی کے معنی گمراہی نہیں بلکہ مقصود نہ پانا ہیں یعنی حبات دائمی کے لئے گندم کھایا تا وہ ان کو حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ گندم سے بجائے نفع کے نقصان ہوا یعنی اپنے مقصد کی طرف راہ نہ پائی۔ دیکھو روح البیان یہ ہی آیت۔ جب رب نے ان کے بھول جانے کا بار بار اعلان فرمایا تو عصی سے گناہ ثابت کرنا کلام اللہ میں پیدا کرنا ہے۔

اعتراض ۴ ابراہیم علیہ السلام نے چاند سورج بلکہ تاروں کو اپنا خدا مانا کہ فرمایا **هٰذَا رَبِّي** اور یہ صریحی شرک سے معلوم ہوا کہ آپ نے پہلے شرک کیا پھر توبہ کی۔

جواب اس کا جواب مقدمہ میں گزرا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے بطریق سوال فرمایا کہ کیا یہ میرا رب ہے پھر خود ہی اس کا جواب مع دلیل بھی ارشاد کیا کہ **لَا أَحِبُّ إِلَّا فَلِينَ** کیونکہ اس سے پہلے ارشاد ہوا **وَ كَذٰلِكَ نُرِي اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوٰتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوقِنِيْنَ** پھر ستارے دیکھتے کا واقعہ بیان ہوا اور بعد میں فرمایا **وَتَلٰكُ حُبَّتُنَا اَتَيْنٰهَا اِبْرٰهِيْمَ**

عَلَىٰ قَوْمِهِ اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ ملکوت عالم دیکھنے کے بعد تاروں کا واقعہ ہوا اور رب نے اس کلام کی تعریف فرمائی۔ اگر یہ بات شرک تھی تو تعریف فرمانا کیسا؟ پھر تو سخت عتاب ہونا چاہیے۔

اعتراض ۵ ابراہیم علیہ السلام نے تین بار جھوٹ بولا کہ آپ تندرست تھے مگر قوم سے فرمایا **إِنِّي سَقِيمٌ** (قرآن) میں بیمار ہوں خود بتوں کو توڑا مگر قوم کے پوچھنے پر فرمایا **بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا** اس بڑے بت نے یہ کام کیا اپنی بیوی سارہ کو فرمایا **هَذِهِ أُخْتِي** یہ میری بہن ہیں اور یقیناً جھوٹ بولنا گناہ ہے معلوم ہوا کہ آپ معصوم نہیں۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ بحالت مجبوری جبکہ جان کا خطرہ ہو تو جھوٹ گناہ نہیں حتیٰ کہ ایسی مجبوری میں منہ سے کفر بھی نکال دینے کی اجازت ہے **أَلَا أَكْرَهُ وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ** جن موقعوں پر آپ نے یہ کلام فرمائے وہاں یا تو خطرہ جان تھا یا خطرہ عصمت تھا وہ ظالم بادشاہ آپ سے حضرت سارہ کو جبراً چھیننا چاہتا تھا اور دوسرے موقعوں پر آپ کو خطرہ جان تھا اسلئے یہ فرمایا۔

(روح البیان آیت **فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ** لہذا یہ فعل گناہ نہ ہوا دوسرے یہ کہ ان میں سے کوئی کلام جھوٹ نہیں بلکہ اسمیں بعید معنی مراد لئے گئے ہیں جسے تو یہ کہتے ہیں تو یہ ضرورتاً جائز ہے نبی کریم ﷺ نے ایک بڑھیا سے فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہ جائیگی دیکھو ایک شخص نے اونٹ مانگا تو فرمایا کہ تجھے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ ایک صحابی کو آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اس غلام کو کون خریدتا ہے؟ وغیرہ (مشکوٰۃ باب المزاح) حضرت سارہ کو بہن فرمانے سے دینی بہن مراد تھی نہ کہ نسبی۔ جیسے کہ داؤد علیہ السلام پاس دو فرشتے بشكل مدعی علیہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ **هَذَا أَخِي لَهُ تَسْعٌ**

وَتِسْعُونَ نَعْتَهُ یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ۹۹ بکریاں ہیں یہاں بھائی اور بکریوں کے مجازی معنی مراد ہیں ایسے ہی آپ کا یہ فرمانا کہ

إِنِّي سَقِيمٌ اسکے معنی ہیں میں بیمار ہونے والا ہوں نہ کہ فی الحال بیمار جیسے **إِنَّكَ مَيِّتٌ** و **إِنَّهُمْ مَيِّتُونَ يَا سَقِيمٌ** سے دلی

بیاری یعنی ناراضی و رنج مراد ہے یعنی میرا دل تم سے ناراض ہے اسی طرح **بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ** میں کبیر سے اللہ تعالیٰ مراد ہے اور **هَذَا** سے اسی

کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کفار رب تعالیٰ کو بڑا خدا اور بتوں کو چھوٹی معبود سمجھتے تھے یعنی یہ کام اس رب کا ہے جسے تم ان سب سے بڑا خدا اور بتوں کو

چھوٹے معبود سمجھتے تھے یعنی یہ کام اس رب کا ہے جسے تم ان سب سے بڑا سمجھتے ہو نبی کا کام رب کا کام ہے وہ سمجھے کہ اس بڑے سے بڑا بت مراد ہے یا

فَعَلَهُ شک کے طریقہ پر فرمایا یعنی بڑے بت نے کیا ہوگا اور شک انشاء ہے جس میں جھوٹ کج کا احتمال نہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رب نے

یہ واقعات بیان فرماتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام پر کوئی عتاب نہ فرمایا بلکہ انہیں پسندیدگی کی سند عطا فرمائی۔ چنانچہ بت شکنی کے بیان سے پہلے فرمایا

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ الا یہ معلوم ہوا کہ آپ کا یہ فعل رشد و ہدایت تھا اور ظاہر ہے کہ جھوٹ رشد نہیں۔ بیماری کا واقعہ بیان فرماتے

ہوئے ارشاد فرمایا **إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ** اذ قال لا بیہ (الایہ) جس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام سلامت طبیعت پر دلالت کرتا ہے اور

جھوٹ بیماری ہے نہ کہ سلامتی۔

اعتراض ۶ داؤد علیہ السلام نے پرانی عورت یعنی اوریا کی بیوی کو نظر بد سے دیکھا جس کا واقعہ سورہ ص میں ہے اور فعل یقیناً جرم ہے۔

جواب مؤرخین نے داؤد علیہ السلام کے قصہ میں کچھ زیادتی کر دی ہے اور جو کچھ احادیث احاد میں ہے وہ بھی نامقبول۔ اسی لئے حضرت علی

رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا تھا کہ جو کوئی داؤد علیہ السلام کا قصہ قصے کہانیوں کی طرح بیان کریگا میں اسے ایک سوساٹھ کوڑے لگاؤں گا یعنی تہمت کی

سزا ۸۰ کوڑے ہیں اور اسکو دھکے لگیں گے (روح البیان سورہ ص قصہ داؤد واقعہ صرف یہ تھا کہ ایک شخص اوریا نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ داؤد

علیہ السلام نے بھی اسے پیغام پر پیغام دے دیا۔ اس نے آپ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اور یہ شخص نکاح نہ کر سکا چنانچہ۔

تفسیرات احمدیہ آیت **لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ** کی تفسیر میں ہے **وَعَنْ دَاوُدَ بِكُونِهِ إِقْدَامًا عَلَى الْفِعْلِ**

الْمَشْرُوعِ وَهُوَ نِكَاحُ الْمَطُوبَةِ لَا نَظَرُهُ مِنْكُوتُهُ مگر چونکہ اس جائز کام سے بھی نبوت کی شان بلند و بالا ہے اسلئے رب تعالیٰ

نے ان کے احترام کو زیادہ فرماتے ہوئے دو فرشتوں کو ایک فرضی مقدمہ لے کر بھیجا اور انہوں نے اپنی طرف نسبت کر کے آپ سے فیصلہ کرا کر اشارتاً

سمجھا دیا۔ سبحان اللہ کیا شان ہے اور انبیاء کا رب تعالیٰ کے ہاں کتنا احترام ہے کہ نہایت عمدہ طریقہ سے انہیں معاملہ سمجھایا گیا۔ رب تو ان کی عظمت

فرمائے اور یہ بے دین ان حضرات پر نظر بد کا اتہام لگائیں خدا کی پناہ۔

اعتراض ۷ یوسف علیہ السلام نے عزیز کی بیوی زلیخا سے گناہ کا ارادہ کیا جسے رب فرما رہا ہے **وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْ أَن رَّاهُهَا رَبُّهُ** یعنی زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا اور انہوں نے زلیخا کا ارادہ کر لیا اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے تو نہ معلوم کیا ہو جاتا۔ دیکھو کتاب بڑا گناہ تھا جو یوسف علیہ السلام سے صادر ہوا؟

جواب یوسف علیہ السلام ارادہ گناہ تو کیا اس خیال سے بھی محفوظ رہے جو کہے کہ انہوں نے اس کا ارادہ کر لیا تھا وہ کافر ہے روح البیان میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے **فَمَنْ نَسَبَ إِلَى الْإِنِّيَاءِ الْفَوَاحِشَ كَالْعَزْمِ عَلَى الزِّنَاءِ وَنَحْوِهِ الَّذِي يَقُولُهُ الْحَشَوِيَّتُهُ كَفَرًا لَا نَهٍ شَتَمَ لَهُمْ كَهَا فِي الْقَنِيتَةِ** رہا تمہارا اعتراض اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ **وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ** پر وقف کر دو اور **هَمَّ بِهَا** سے علیحدہ آیت شروع ہو۔ معنی یہ ہوئے کہ بیشک زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا قصد کر لیا اور وہ بھی قصد کر لیتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے۔ اب کوئی اعتراض نہ رہا یہ معنی **نَهَا** ہر طرح صحیح ہیں خازن نے فرمایا کہ اصل عبارت یہ ہے۔ **وَلَوْ لَا أَن رَّاهُهَا رَبُّهُ لَهَمَّ بِهَا** مدارک شریک میں ہے کہ **وَمِنْ حَقِّ الْقَارِي إِذَا قَدَّرَ خُرُوجَهُ مِنْ حُكْمِ الْقَسَمِ وَجَعَلَهُ كَلَامًا بِرَأْسِهِ أَنْ يَقِفَ عَلَى بِهِ وَيَتَدَي بِقَوْلِهِ وَهَمَّ بِهَا** قاری کو چاہئے کہ یہ پر وقف کرے اور **هَمَّ بِهَا** سے آیت شریع کرے اور یہ ہی بات قرین قیاس بھی ہے کیونکہ قرآن کریم دنیا مقام پر زلیخا کی تیاریاں بیان فرمائی **وَعَلَّقَتِ الْبَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ** کہ اس نے آپ کو ہر طرح راغب کرنے کی کوشش بھی کی اور بایا بھی دروازہ بھی بند کر لیا۔ مگر یوسف علیہ السلام کی بیزاری نفرت و عصمت کا ہی ذکر فرمایا۔

قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ
 ”خدا کی پناہ وہ میرا ربی ہے اس کے مجھ پر احسانات ہیں ایسی حرمت ظلم ہے اور ظالم کامیاب نہیں۔“
 اور پھر فرمایا **كَذَلِكَ لِيُصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ** فحشاء سے زنا اور سوء سے ارادہ زنا مراد ہے معلوم ہوا کہ رب نیا ارادہ زنا سے بھی ان کو محفوظ رکھا۔ آرکار زلیخا نے بھی یہی کہا کہ۔

الآن حَصَحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَأَوْهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ”کہ میں نے ہی انہیں رغبت دینے کی کوشش کی تھی۔“
 وہ تو سچے ہیں بلکہ شیر خوار بچے سے بھی ان کی پاکدامنی اور زلیخا کی خطا کاری کی گواہی دلا دی کہ **وَفَجَّهَ هَاجِدًا** ”ان اہل بطن عزیز مصر نے بھی یہی کہا **يُؤْسَفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ إِنَّكِ كُنتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ** اے زلیخا تم اپنے گناہ سے توبہ کرو تم ہی خطا کار ہو دیکھو شیر خوار بچے عزیز مصر خود زلیخا بلکہ خود رب تعالیٰ نے ان کے بے گناہ ہونے پر گواہیاں دیں۔ اگر زلیخا کی طرح وہ بھی ارادہ گناہ کر لیتے تو آپ بھی ملزم ہوتے اور یہ گواہیاں غلط ہو جاتیں اور وہاں صرف یہ ہوتا کہ زلیخا نے جرم کی ابتداء کی مگر بعد میں آپ بھی اس میں شریک ہو گئے۔ نیز اگر یوسف علیہ السلام نے ارادہ زنا کیا ہوتا تو ان کی توبہ اور استغفار کا ذکر ضرور آتا۔ تفسیر مدارک میں ہے۔ **وَلَا نَهٍ لَوْ وَجَدَ مِنْهُ ذَلِكَ لَذَكَرَتْ تَوْبَتَهُ وَاسْتِغْفَارُهُ** غرض کہ اس آیت کے یہ معنی کرنا بہت بہتر ہیں وہ بھی ارادہ کر لیتے اگر رب کی برہان نہ دیکھتے، تفسیر کبیر فرمایا لولا کا جواب اس پر مقدم بھی ہو سکتا ہے جیسے آیت میں ہے۔ **إِنْ كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَن رَّبَّنَا عَلَي قَلْبِهَا** (تفسیر کبیر آیت **وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ**) دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ پر وقف نہ بلکہ بھٹکا ایک ہی جملہ مانو اور آیت کے معنی یہ ہوں بے شک زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا اور انہوں نے زلیخا کا **هَمَّ** کر لیا۔ لیکن اب ان دونوں **هَمَّ** میں فرق کرنا ضروری ہے۔

هَمَّتْ بِهِ میں ہم کے معنی ارادہ زنا ہیں اور **هَمَّ بِهَا** میں اس کے معنی ہیں قلب کی غیر اختیار رغبت جس کے ساتھ قصد نہیں ہوتا یعنی زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا ارادہ کیا اور ان کے دل میں رغبت غیر اختیاری پیدا ہوئی جو نہ گناہ ہے نہ جرم جیسے کہ روزہ میں ٹھنڈا پانی دیکھ کر اس طرف دل راغب تو ہوتا ہے مگر اسکے پی لینے کا ارادہ تو کیا خیال تک نہیں ہوتا صرف ٹھنڈا پانی اچھا معلوم ہوتا ہے اگر دونوں **هَمَّ** کے ایک ہی معنی ہوتے تو دو جگہ یہ لفظ نہ بولا جاتا۔ بلکہ **وَلَقَدْ هَمَّا** ثنئیہ سے کہہ دینا کافی تھا یعنی ان دونوں نے قصد کر لیا دیکھو **مَكْرُوا وَمَكَّرَ اللَّهُ** کہ یہاں پہلے مکر کے معنی ہی اور ہیں اور دوسرے مکر کا مقصد ہی کچھ اور تفسیر خازن میں ہے **قَالَ الْإِمَامُ فَخْرُ الدِّينِ إِنَّ يَوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ**

كَانَ بَرِيئًا مِنَ الْعَمَلِ الْبَاطِلِ وَالْهَمِّ الْمُحَرَّمِ خیال رہے کہ زلیخا نے دروازہ پر عزیز مصر کو دیکھ کر یوسف علیہ السلام کو زنا کی تہ لگائی بلکہ ارادہ زنا کی کہہ **قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنَا يُسْجَنَ** جو تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اس کی سزا جیل کے سوا اور کیا ہے۔ اسی کی تردید یوسف علیہ السلام نے فرمائی کہ **هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي** بدکاری کا ارادہ اسی نے کیا تھا۔ اس کی تردید شیر خوار بچہ نے بھی کی اور اس کی تردید مصری عورتوں نے بھی کیا اور اس کی تردید آخر کار خود زلیخا نے بھی کر کے اپنا جرم قبول کر لیا اب اگر **هَمُّ بِهَا** کے یہ معنی ہوں کہ یوسف علیہ السلام نے ارادہ زنا کر لیا تھا تو لازم آتا ہے کہ رب تعالیٰ نے زلیخا کی تائید کی اور ان سب حضرات کی تردید اور یہ کلام کے مقصد کے خلاف ہے یہ تقریر بہت خیال رہے ان شاء اللہ کام آئے گی۔

اعتراض ۸ موسیٰ علیہ السلام نے ایک قطبی کو جان سے مار دیا اور فرمایا **هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ** کہ یہ شیطان کا کام ہے معلوم ہوا کہ آپ نے **ظلمًا** قتل کیا جو کہ بڑا جرم ہے۔

جواب آپ کا ارادہ قتل کا نہ تھا بلکہ قطبی ظالم سے مظلوم اسرائیلی کو چھڑانا تھا جب قطبی نے نہ چھوڑا آپ نے ہٹانے کے لئے چپت لگا دی۔ وہ طاقت نبی کی نہ برداشت کر سکا مر گیا تو یہ قتل خطا ہوا اور انبیاء سے خطا ہو سکتی ہے نیز یہ واقعہ عطاء نبوت سے پہلے کا ہے روح البیان میں ہے۔
كَانَ هَذَا قَبْلَ النَّبَوَةِ نیز وہ قطبی کا فرح ربی تھا جس کا قتل جرم نہیں آپ نے تو ایک ہی قطبی کو مارا۔ کچھ دنوں بعد تو سارے ہی قطبی غرق کر دیئے گئے۔ رہا اس فعل کو عمل شیطان فرمانا۔ یہ آپ کی انتہائی کسرت نفسی اور عاجزی کا اظہار ہے کہ خلاف اولیٰ کام کو بھی اپنی سمجھا یعنی یہ کام وقت سے پہلے ہو گیا جب قطبیوں کی ہلاکت کا وقت آتا تو یہ بھی ہلاک ہوتا **فَغَفَرَ لَهُ** اور **ظَلَمْتُ نَفْسِي** سے دھوکا نہ کھاؤ کہ یہ الفاظ خطا پر بھی بولے جاتے ہیں یا ہذا سے قطبی کا ظلم مراد ہے یعنی یہ ظلم شیطانی کام ہے۔

اعتراض ۹ رب تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ سے فرمایا **وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ** معلوم ہوا کہ آپ بھی پہلے گمراہ تھے بعد کو ہدایت ملی۔

جواب یہاں جو کوئی بھی ضال کے معنی گمراہ کرے وہ خود گمراہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔
مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (پارہ ۲۷ سورہ ۵۳ آیت ۲) ”تمہارے محبوب ﷺ نہ کبھی گمراہ ہوئے نہ بہکے۔“

یہاں ضال کے معنی وارفتہ محبت الہی ہیں اور ہدایت سے مراد درجہ سلوک ہے یعنی رب نے آپ کو اپنی محبت میں سرشار اور وارفتہ پایا تو آپ کو سلوک عطا فرمایا۔ برادران یوسف علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا تھا **إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ يَا إِنْكَ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ** یہاں ضلال بمعنی وارفتگی محبت ہیں۔ شیخ عبدالحق نے مدارج النبوت جلد اول باب پنجم میں فرمایا کہ عربی میں ضال وہ اونچا درخت ہے جس سے گئے ہوئے لوگ ہدایت پائیں یعنی اے محبوب ہدایت دینے والا بلند و بالا درخت رب نے تمہیں کو پایا کہ جو عرش فرش ہر جگہ سے نظر آئے لہذا تمہارے ذریعہ خلقت کو ہدایت دے دی حدی کا مفعول عالم لوگ ہیں نہ کہ نبی ﷺ اور بھی اس کے بہت سے معنی کئے گئے ہیں۔

اعتراض ۱۰ رب فرماتا ہے **لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ** یعنی رب تعالیٰ تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کرے۔ معلوم ہوا کہ آپ گنہگار تھے۔ حضور علیہ السلام بھی ہمیشہ اپنے لئے دعائے مغفرت کرتے تھے اگر گنہگار نہ تھے تو استغفار کیسی؟

جواب اس کے عند جواب ہی ایک یہ کہ مغفرت سے مراد عصمت اور حفاظت ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ آپ کو ہمیشہ گناہ ہونے رکھے۔

روح البیان **الْمُرَادُ بِالْمَغْفِرَةِ الْحِفْظُ وَالْعَصْمَةُ أَزْلًا وَ أَبَدًا فَيَكُونُ الْمَعْنَى يَتَحَفَظُكَ مِنَ الذَّنْبِ الْمَتَقَدَّمِ وَالْمَتَأَخَّرِ** دوسرے یہ کہ ذنب سے نبوت سے پہلے کی خطائیں مراد ہیں۔ تیسرے یہ کہ ذنب میں ایک مضاف پوشیدہ ہے یعنی آپ کی امت کے گناہ جیسے کہ لک فرمانے سے معلوم ہوا۔ یعنی تمہاری وجہ سے تمہاری امت کے گناہ معاف کرے اگر آپ کے گناہ مراد ہوتے تو لک سے کیا فائدہ ہوتا (روح البیان و خازن) اس آیت کی تفسیر دوسری آیت ہے **وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذَا ظَلَمُوا** (الآیہ) کبھی گناہ کی نسبت گنہگار کی طرف ہوتی ہے اور کبھی بخش کے ذمہ دار کی طرف جیسے مقدمہ کبھی جرم کی طرف منسوب ہوتا ہے اور کبھی وکیل کی طرف کہ وکیل کہتا ہے کہ یہ میرا مقدمہ ہے جس کا میں ذمہ دار ہوں۔ یہاں نسبت دوسری طرح کی ہے یعنی آپ کے ذمہ والے گناہ جن کی شفاعت کے آپ ذمہ دار ہیں۔

اعتراض ۱۱ حضور علیہ السلام سے رب نے فرمایا وَلَوْ لَا أَنْ تَبْتَئَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكُنَ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا اگر ہم آپ کو نہ ثابت قدم رکھتے تو قریب تھا کہ آپ کفار کی طرف کچھ مائل ہو جاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کفار کی طرف مائل ہو چلے تھے مگر رب نے روکا۔ اور کفر کی طرف میلان بھی گناہ ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس میں شرط و جزا ہے یعنی یہ قضیہ شرطیہ ہے جس میں دونوں مقدموں کا ہونا تو کیا امکان بھی ضروری نہیں رب فرماتا ہے۔ **قُلْ لَوْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَبِيدِينَ** اگر رب کے بیٹا ہوتا تو اس کا پہلا پجاری میں ہوتا۔ نہ خدا کا بیٹا ہونا ممکن اور نہ نبی علیہ السلام کا اس کی پوجا کرنا ایسے ہی یہاں نہ تو رب تعالیٰ کا حضور علیہ السلام کو محفوظ نہ رکھنا ممکن اور نہ آپ کا ان کی طرف مائل ہونا ممکن۔ دوسری یہ کہ یہاں فرمایا گیا کہ اگر ہم آپ کو پہلے ہی سے معصوما و ثابت قدم نہ فرما چکے ہوتے تو آپ ان کی طرف کیسی قدر جھکنے کے قریب ہو جاتے کیونکہ ان کے مکر و فریب بہت سخت خطرناک تھے یعنی چونکہ آپ معصوم ہیں لہذا آپ کفار کی طرف نہ جھکے بلکہ قریب بھی نہ ہوئے۔ اس سے تو آپ کی عصمت ثابت ہوئی دیکھو خازن، مدارک، روح البیان، تیسرے یہ کہ ایک تو حضور علیہ السلام کی طبیعت مبارکہ ہے دوسرے آپ کی نبوت اور عصمت الہی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت و عصمت سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی آپ کی فطرت پاک عیب اور گناہوں سے ایسی پاک ہے جس میں اس کی صلاحیت ہی نہیں کیونکہ آپ کی روحانیت بشریت پر غالب ہے۔ یعنی اگر ہم آپ کو معصوم نہ بھی بناتے تب بھی آپ کفار سے ملنے نہیں، ان کی طرف جھکنے نہیں بلکہ کچھ جھکنے کے قریب ہو جاتے اب جبکہ فطرت سلیمہ پر رب کا یہ کرم ہوا کہ آپ کو معصوم بھی بنایا، سر مبارکہ پر نبوت کا تاج بھی رکھا۔ اب تو سبحان اللہ کیا ہی کہنا۔ کسی قصور کی گنجائش ہی نہیں۔ اس کی تفسیر میں روح البیان میں ہے۔

إِنَّمَا سَمَاهُ قَلِيلًا لَّأَنَّ رُوحَانِيَّتَهُ النَّبِيِّ كَانَتْ فِي أَصْلِ الْخَلْقِ غَالِبًا عَلَى الْبَشَرِيَّتِهِ إِذْ لَمْ يَكُنْ حِينَئِذٍ لِرُوحِهِ شَيْءٌ يَحْجِبُهُ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى فَالْمَعْنَى لَوْلَا التَّثَبُّثُ وَقُوَّةُ النُّبُوَّةِ وَنُورُ الْهِدَايَةِ وَآثَرُ نَظَرِ الْعَنَانِيَّةِ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكُنَ

اعتراض ۱۲ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **مَا كُنْتُ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ** اے نبی علیہ السلام آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام پیداؤں اُنشی عارف باللہ نہیں آپ کو تو ایمان کی خبر بھی نہ تھی۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں علم کی نفی نہیں بلکہ درایت یعنی اٹکل او قیاس سے جاننے کی نفی ہے۔ پوری آیت یہ ہے۔ **وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتُ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ (الآیہ)** یعنی ہم نے آپ پر اپنے فضل سے قرآن وحی کیا۔ آپ خود بخود نہ جانتے تھے یعنی اس علم کا ذریعہ وحی الہی ہے نہ کہ محض اٹکل و قیاس۔ دوسرے یہ کہ اس سے پیدائش مبارک کا حال نہیں بیان ہو رہا بلکہ نور محمدی کی پیدائش کا حال ہے۔ یعنی ہم نے آپ کو عالم ارواح میں سفید اور سادہ پیدا فرمایا تھا۔ پھر اس پر علوم کے نقش و نگار فرما کر نبوت کا تاج سر پر رکھ کر دنیا میں بھیجا۔ آپ عالم ارواح میں ہی نبی تھے خوف فرماتے ہیں۔ **كُنْتُ نَبِيًّا وَادَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطَّيْنِ** ہم اس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام مٹی اور پانی میں جلوہ گرتے۔ تیسرے یہ کہ اس سے ایمان اور قرآن کے تفصیلی احکام مراد ہیں۔

یعنی آپ وحی سے پہلے احکام اسلامی تفصیل وار نہ جانتے تھے۔ اس کی تفسیر میں روح البیان میں ہے **أَيِ الْإِيمَانِ فَتَفَاصِيلُ مَا فِي تَضَاعِيفِ الْكِتَابِ** پھر فرماتے ہیں۔ **لَا نَهَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَفْضَلُ مِنْ يَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَقَدْ أُوتِيَ كُلُّ الْحِكْمَةِ وَالْعِلْمِ صَبِيًّا** یعنی نبی علیہ السلام بچگی اور عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اور انہیں تو علم و حکمت بچپن ہی میں عطاء ہوئی تھی۔ تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ بچپن شریف میں علم سے خالی رہے ہوں۔

اعتراض ۱۳ رب فرماتا ہے **فَإِذَا لَهُمَا الشَّيْطَانُ** آدم و حوا علیہم السلام کو شیطان نے پھسلا دیا۔ معلوم ہوا کہ شیطان کا داؤ انبیاء پر چل جاتا ہے۔ پھر تم نے کیوں کہا کہ شیطان ان تک نہیں پہنچ سکتا۔

جواب ہم نے یہ کہا ہے کہ شیطان انہیں گمراہ نہیں کر سکتا اور نہ ان سے عدا گناہ کبیرہ کر سکتا ہے اس نے خود کہا تھا **لَا غَوْ يَنْهَمُ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ** اور یہاں ہے **فَإِذَا لَهُمَا الشَّيْطَانُ** گمراہی اور چیز ہے اور پھسلانا اور چیز ہے۔

اعتراض ۱۴ یوسف علیہ السلام ک بھائیوں کو بہت سے لوگوں نے پیغمبر مانا ہے حالانکہ انہوں نے بڑے بڑے گناہ کئے بے قصور بھائی کو ستانا آزاد بھائی کو بچکر اس کی قیمت کھانا اپنے والد سے جھوٹ بول کر انہیں چالیس سال تک رلانا غرضکہ جرموں کو انتہا کر دی اور پھر بھی نبی ہوئے معلوم ہوا کہ نبی کا معصوم ہونا شرط نہیں۔

جواب جمہور علماء نے انہیں پیغمبر نہ مانا۔ ہاں ایک جماعت نے کچھ ضعیف دلائل سے ان کی نبوت کا وہم کیا ہے اسی لئے ہم نے مقدمہ میں عرض کیا کہ انبیاء کرام کا نبوت سے پہلے بد عقیدگی سے پاک ہونا اجتماعی مسئلہ ہے اور گناہ کبیرہ سے پاک ہونا جمہور کا قول ہے اور بعد نبوت گناہ کبیرہ سے پاک ہونے پر بھی اجماع ہے ان حضرات کی نبوت کسی صریحی آیت یا حدیث یا قول صحابی سے ثابت نہیں۔ رب نے یہ فرمایا ہے۔

وَيُثِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ یہاں نعمت سے نبوت مراد نہیں اور نہ آل یعقوب سے انکی صلی ساری اولاد مراد ہے۔

رب تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا **اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي** بعضوں نے کہا کہ رب فرماتا ہے **وَمَا أُنْزِلَ إِلَيَّ إِلَّا بِرُوحٍ أَمِينٍ**

إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی سب صاحب وحی تھے مگر

یہ بھی کمزوری بات ہے کہ کیونکہ نہ تو **أُنْزِلَ** میں بلا واسطہ وحی آنے کا بیان ہے نہ اس کی کوئی دلیل ہے کہ اسباط ان کے بیٹوں ہی کا لقب ہے،

رب فرماتا ہے **قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ** (الآیۃ) یہاں **أُنْزِلَ عَلَيْنَا** کا یہ مطلب نہیں کہ ہم

سب پر وحی آئی اور ہم سب پیغمبر ہیں اور اسباط بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا لقب ہے اور واقعی ان میں انبیاء آتے رہے رب فرماتا ہے۔

فَالَّذِي عَلَيْهِ إِلَّا كَثْرُونَ سَلَفًا وَخَلَفًا أَنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا أَنْبِيَاءَ أَصْلًا فَلَمْ يَنْقُلْ مِنَ الصَّحَابَةِ أَنَّهُ قَالَ بَنَتُوهُمْ

اسی طرح تفسیر روح البیان وغیرہ نے بھی ان کی نبوت کی بہت تردید کی ہے۔ ہاں وہ سب حضرات توبہ کے بعد اولیاء اللہ بلکہ پیغمبر کے صحابی ہوئے

انہیں یوسف علیہ السلام نے خواب میں تاروں کی شکل میں دیکھا کیونکہ وہ صحابہ نبی تھے حضور ﷺ فرماتے ہیں **أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ** نیز ان

کے یہ سارے گناہ یعقوب علیہ السلام کی محبت حاصل کرنے کے لئے تھے۔ پھر انہوں نے ان سے بھی اور یوسف علیہ السلام سے بھی معافی حاصل

کر لی اوان دونوں حضرات نے ان کے لئے دعائے مغفرت کی لہذا یہ مغفور ہوئے۔ ان کی شان میں گستاخی سخت محرومی کی علامت ہے، قاتل نے ایک عورت کی محبت میں گناہ کیا اور پھر آدم علیہ السلام سے معافی بھی حاصل نہ کر سکا لہذا وہ بے ایمان رہا اور یہ ایماندار ہوئے۔

اعتراض ۱۵ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ زلیخا نے ارادہ زنا کیا جو کہ سخت جرم ہے اور تم کہہ چکے ہو کہ نبی کی بیوی فاحشہ نہیں ہوتی تو زلیخا

علیہ السلام کی بیوی کیونکر ہو سکتی ہے۔ وہ فاحشہ بدکار تھی لہذا یا تو مانو کہ ان کا نکاح نہیں ہوا یا یہ قاعدہ غلط ہے۔

نوٹ گجرات کے بعض جاہل دیوبندیوں نے حضرت زلیخا کے زوجہ یوسف علیہ السلام ہونیکا انکار کیا اور ان کی شان میں سخت گندے الفاظ کہے۔

انہیں کا یہ اعتراض ہے۔

جواب حضرت زلیخا یوسف علیہ السلام کی زوجہ اور قابل احترام بیوی ہیں ان کا یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آنا مسلم و بخاری کی حدیث اور

عام تفاسیر سے ثابت ہے انہیں سے یوسف علیہ السلام کے فرزند پیدا ہوئے۔ افراسیم اور میثاء تفسیر خازن، تفسیر کبیر، مدارک معالم التنزیل وغیرہ میں

اسکی تصریح ہے چنانچہ حضور ﷺ نے جناب ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اپنی دوسری ازواج پاک سے فرمایا **إِن كُنَّ لَا تُحِبُّنَّ**

كَصَوَاحِبِ يُوسُفَ تم تو یوسف علیہ السلام کی بیوی کی طرح ہو گئیں یعنی زلیخا کی۔ صواحب صاحب کی جمع ہے صاحبہ بیوی کو کہتے ہیں۔

قرآن مجید **وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةً** آپ نہ تو فاحشہ تھیں نہ آپ سے زنا جیسا گناہ کبھی صادر ہوا۔ بیوی زلیخا سے ارادہ جماع بیخودی، عشق کی

حالت میں ہوگی جمال یوسف نے انہیں وارفتہ و دیوانہ بنا دیا۔ اس والہانہ حالت میں یہاں ادھر بیٹھیں، جب مصری عورتوں نے اسی جمال سے بیخود

ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تو اگر حضرت زلیخا نے اس حسن پر فریفتہ ہو کر دامن صبر چاک کر دیا تو کیا تعجب ہے؟ پھر ان تمام خطاؤں سے توبہ کر لی، یہ

بھی خیال رہے کہ زلیخا نے صرف یوسف علیہ السلام سے یہ رغبت کی نہ کسی دوسرے سے رب نے انہیں ہر طرح محفوظ رکھا۔ ہم نے انبیاء کی بیویوں کو

زنا اور فحش سے محفوظ مانا ہے نہ کہ معصوم۔ حضرت زلیخا نے یہ گناہ کر کے توبہ کر لی کہ عرض کیا **أَلَا نَحْصَحُ الْحَقَّ أَنَّا رَأَوْهُ عَنِ**

نَفْسِهِ زلیخا نے اپنی خطا کا اقرار کیا اور اقرار جرم توبہ ہے اسی لئے رب تعالیٰ نے زلیخا کی خطا کا ذکر تو فرما دیا مگر ان پر عتاب یا عذاب کا ذکر نہ کیا۔

تاکہ معلوم ہو کہ ان کے گناہ کی معافی ہو چکی۔ اب ان کی خطاؤں کا بے ادبی کے طور پر ذکر کرنا سخت برا ہے ان سے زنا یا فحش کبھی صادر نہیں ہوا۔ نہ

معلوم دیوبندیوں کی کسی شیطان نے عقل ماردی کہ ان کا حملہ ہمیشہ انبیائے کرام کے عزت و آبرو پر ہوتا ہے۔ حضرت زلیخا یوسف علیہ السلام کی اہل بیت ہیں ان کی توہین اس باکمال پیغمبر کی توہین رب تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے۔ خاتمہ خیال رہے کہ رب تعالیٰ انبیائے کرام کا رب ہے اور وہ حضرات اسکے پیارے بندے رب جس طرح چاہے ان کی لغزشوں اور خطاؤں کا ذکر فرمائے اور یہ حضرات جیسے چاہیں اپنے رب سے اپنی نیاز مندی اور بندگی کا اظہار کریں ہمیں کسی طرح حق نہیں کہ ان کی لغزشوں کی بیان کرتے پھریں یا گستاخیاں کر کے اپنا نامہ اعمال سیاہ کر لیں۔ رب تعالیٰ نے ہم کو ان کی تعظیم و توقیر کا حکم دیا۔ دیکھو یوسف علیہ السلام چونکہ مصر میں مظاہر فروخت ہوئے تھے اہل مصر سمجھے تھے کہ یہ عزیز مصر کے زر خرید ہیں۔ رب تعالیٰ ان اسی داغ کو ان کے دامن سے مٹانے کے لئے سات سال کی عام قحط سالی بھیجی پہلے سال میں سب نے آپ کو روپیہ پیسہ دے کر غلہ خریدا دوسرے سال زیور و جواہرات دے کر تیسرے سال جانور اور چوپائے دے کر چھوٹے سال اپنے غلام ندیاں دیکر پانچویں سال اپنے مکانات و زمین دیکر چھٹے سال اپنی اولاد دے کر ساتویں سال مصر والوں نے اپنے کو یوسف علیہ السلام کے ہاتھ فروخت کر دیا اور عرض کیا کہ ہم آپ کے لونڈی غلام بنتے ہیں۔ ہمیں غلہ دو۔ تب آپ نے ان پر احسان فرمایا (مدارک و روح البیان وغیرہ) یہ کیوں ہوا۔ صرف اس لئے کہ جب سارے مصر والے آپ کے غلام بن گئے تو اب انہیں غلام کون کہے۔ پتہ چلا کہ ایک پیغمبر کی عظمت برقرار رکھنے کیلئے سارے جہان کو مصیبت میں ڈالا جاسکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک امام ہمیشہ نماز میں سورہ عبس پڑھتا تھا۔ آپ کو پتہ لگا تو اسے قتل کر دیا دیکھو روح البیان تفسیر سورہ عبس اس سورۃ کی نہایت عمدہ تفسیر ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو جسمیں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ حضور کی نعت ہے رب تعالیٰ دیوبندیوں کو ہدایت دے۔ انہوں نے انبیاء کرام پر بکواس بکنے کی جرات پیدا کر دی۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی خَيْرِ خَلْقِهِ وَ نُوْرٍ عَرِشِهِ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٌ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

لمعات المصباح على ركعات التراويح

پہلا باب

بیس رکعت نماز تراویح کا ثبوت

تراویح بیس رکعت پڑھنا سنت اور آٹھ رکعت پڑھنا خلاف سنت ہے ہم بفضلہ تعالیٰ اس کا ثبوت قرآن پاک کی ترتیب و احادیث صحیحہ و اقوال علماء اور عقلی دلائل سے دیتے ہیں۔ (۱) قرآن پاک میں سورتیں بھی ہیں آیتیں بھی اور رکوع بھی۔ وہ مضمون جس کا کوئی نام رکھ دیا گیا ہو وہ سورت کہلاتا ہے اور قرآن کا وہ جملہ ج رکعات علیحدہ نام نہ ہو آیت کہلاتا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں کیونکہ سورت کے معنی احاطہ کرنے والی چیز ہے اور آیت کے معنی ہیں نشانی۔ سورۃ چونکہ ایک مضمون کو گھیرے ہوئی ہے جیسے شہر پناہ (سورۃ البلد) اور آیت قدرت الہی کی نشانی ہے اسلئے ان کے یہ نام ہوئے۔ مگر رکوع کے معنی ہیں جھلنا۔ دیکھنا یہ ہے کہ قرآنی رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں۔ کتب قراۃ سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما تراویح میں جس قدر قرآن پڑھ کر رکوع فرماتے تھے اس حصہ کا نام رکوع رکھا گیا یعنی ان حضرات کے رکوع کرنے کا مقام اتنا پڑھ کر رکوع ہوا اور چونکہ تراویح بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں اور ستائیسویں رمضان کو ختم ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے قرآن پاک کے کل ۵۴۰ رکوع ہونے چاہئیں۔ لیکن چونکہ ختم کے دن بعض رکعتوں میں چھوٹی چھوٹی دوسورتیں پڑھ لی جاتی تھیں اس لئے قرآن کریم کے ۵۵۷ رکوع ہوئے۔ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوئیں تو رکوع ۲۱۶ ہونے چاہیے تھے قرآنی رکوعات کی تعداد بتا رہی ہے کہ تراویح بیس رکعت چاہئیں کیا وہابی آٹھ رکعت تراویح مان کر رکوعات قرآنی کی وجہ بتا سکیں گے؟

(۲) تراویح جمع ترویجہ کی ہے جس کے معنی ہیں جسم کو راحت دینا۔ چونکہ ان میں ہر چار رکعت پر کسی قدر راحت کے لئے بیٹھتے ہیں اس بیٹھنے کا نام ترویجہ ہے اسی لئے اس نماز کو تراویح کہا جاتا ہے یعنی راحتوں کا مجموعہ اور تراویح جمع ہے۔ جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو اس کے درمیان میں ایک ترویجہ آتا پھر اس کا نام تراویح نہ ہوتا تین ترویجوں کے لئے کم از کم سولہ رکعت تراویح چاہئیں۔ جن میں ہر چار رکعت کے بعد ایک ترویجہ ہو اور وتر سے پہلے کوئی ترویجہ نہیں ہوتا۔ تراویح کا نام ہی آٹھ رکعت کی تردید کرتا ہے۔ (۳) ہر دن میں بیس رکعت نماز ضروری ہے۔ سترہ فرض اور تین وتر، دو فرض فجر میں چار ظہر میں چار عصر میں تین مغرب میں اور چار عشاء میں۔ رمضان شریف میں رب تعالیٰ نے ان بیس رکعات کی تکمیل کے لئے بیس رکعت تراویح اور مقرر فرمادیں جس کی ہر رکعت ان کی ہر رکعت کی تکمیل کرے غیر مقلد شاید نماز منجگا نہ میں بھی آٹھ رکعت ہی پڑھتے ہوں گے۔ ورنہ آٹھ تراویح کو ان بیس رکعت سے کیا نسبت۔ (۴) احادیث، خیال رہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے نماز تراویح باجماعت پابندی سے ادا نہ فرمائی۔ صرف دو دن ادا کیں اور بعد میں فرمادیا کہ اگر اس پر پابندی کی گئی تو فرض ہو جائیگا اندیشہ ہے۔ جس سے میری امت کو دشواری ہوگی۔ لہذا اتم لوگ اپنے گھر ہی میں نماز پڑھ لیا کرو۔ بعض تو کہتے ہیں کہ نماز تہجد ہی تھی جو ماہ رمضان میں اہتمام سے ادا کرائی گئی اسی لئے صحابہ کرام سحری کے آخری وقت اس سے فارغ ہوتے زمانہ صدیقی میں بھی اس کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ فرمایا گیا۔ لوگ متفرق طور پر پڑھ لیتے تھے عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا اہتمام فرمایا اور بیس رکعت تراویح مقرر فرمائیں اور باقاعدہ جماعت میں رکعت سنت فاروقی ہے چونکہ نبی کریم ﷺ نے نہ تو آٹھ رکعت کا حکم دیا اور نہ اس پر پابندی فرمائی بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کا آٹھ رکعت تراویح پڑھنا صراحۃً کہیں ثابت ہی نہیں ہوا لہذا صحابہ کرام کا میں پر اتفاق کرنا سنت کی مخالف نہیں ہمیں حکم دیا گیا ہے **عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّتِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ** لہذا اب ہم صحابہ کرام کا عمل پیش کرتے ہیں غیر مقلدوں کو چاہئے کہ کوئی حدیث مرفوعہ صحیح ایسی پیش کریں جس سے تراویح کی آٹھ رکعت صراحۃً ثابت ہوں۔ ان شاء اللہ نہ کر سکیں گے ہماری احادیث ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بیس رکعت تراویح کی باقاعدہ جماعت کا انتظام فرمایا اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا۔ موطا امام مالک میں حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ **قَالَ كُنَّا نَقُومُ فِي عَهْدِ عُمَرَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْفَرْقَةِ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ**

(۲) ابن منبج نے حضرت ابن کعب سے روایت کی **فَصَلَّى بِهِمْ عِشْرِينَ رَكْعَةً** یعنی میں ہے۔ **عَنْ أَبِي الْمُحَسِّنَاتِ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ أَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ عِشْرِينَ رَكْعَةً**

(۳) ابن ابی شیبہ اور طبرانی کبیر میں بیہقی و عبد بن حمید و بخاری نے روایت کی **عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً سِوَى الْوُتْرِ** اس سے معلوم ہوا کہ خود حضور علیہ السلام میں رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

(۵) بیہقی میں ہے **وَعَنْ شَكْلٍ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ أَنَّهُ كَانَ يَتَوَّعُ فِي رَمَضَانَ فَيُصَلِّي خَمْسَ**

(۶) اسی بیہقی میں ہے وَعَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السَّلْمِيِّ أَنَّ عَلِيًّا رَعَى الْقِرَاءَ فِي رَمَضَانَ فَأَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّيَ النَّاسَ عِشْرِينَ رَكَعَةً وَكَانَ عَلَى يُوتِرُهُمْ

(۷) اسی بیہقی نے باسناد صحیح نقل فرمایا عَنِ السَّائِبِ ابْنِ يَزِيدٍ قَالَ كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِينَ رَكَعَةً اس کی تحقیق کے لئے صحیح البہاری لم یقرل فی التَّراویح دیکھو، ان روایات سے معلوم ہوا کہ خود حضور علیہ السلام میں تراویح پڑھتے تھے اور عہد فاروقی میں تو اس میں رکعات پر عمل جاری ہو گیا تھا۔ حضرت ابن عباس علی ابی بن کعب و عمر سائب ابن یزید وغیرہم تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی معمول تھا۔

اقوال علماء امت (۱) ترمذی شریف ابواب الصوم باجاء فی قیام شہر رمضان میں ہے وَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى مَا رَوَى عَنْ عَلِيٍّ وَ عُمَرَ وَ غَيْرِهِمَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِشْرِينَ رَكَعَةً وَهُوَ قَوْلُ سَفِيَانَ الثَّوْرِيِّ وَ ابْنِ الْمُبَارَكِ وَ الشَّافِعِيِّ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ هَكَذَا أَدْرَكْتُ بِبَلَدٍ مَكَّتَهُ يَصَلُّونَ عِشْرِينَ رَكَعَةً یعنی اہل علم کا عمل اس پر ہے جو حضرت علی و عمر و دیگر صحابہ کرام سے مروی ہے یعنی بیس رکعت یہی فرمان سفیان ثوری ابن مبارک اور امام شافعی کا ہے امام شافعی نے اپنے شہر مکہ معظمہ میں یہی مروی ہے یعنی بیس رکعت یہی فرمان سفیان ثوری ابن مبارک اور امام شافعی کا ہے امام شافعی نے اپنے شہر مکہ معظمہ میں یہی عمل پایا کہ مسلمان بیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔

(۲) فتح الملہم شرح مسلم جلد دوم صفحہ ۲۹۱ میں ہے رَوَى مُحَمَّدُ ابْنُ نَصْرِ بْنِ طَرِيقٍ عَطَاءٌ قَالَ أَدْرَكْتُهُمْ يُصَلُّونَ عِشْرِينَ رَكَعَةً وَتِلْكَ رَكَعَاتُ الْوِتْرِ وَفِي الْبَابِ اثْنَا كَثِيرَةٌ أَخْرَجَهَا ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَغَيْرُهُ وَقَالَ ابْنُ قَدَامَةَ وَهَذَا كَالْإِجْمَاعِ اس سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت پر گویا مسلمانوں کا اجماع ہو گیا۔

(۳) عمدۃ القاری شرح بخاری میں جلد پنجم صفحہ ۳۰۷ میں ہے وَ رَوَى الْحَارِثُ ابْنُ عُبَيْدِ الرَّحْمَنِ ابْنُ زُبَّانٍ عَنِ السَّائِبِ ابْنِ يَزِيدٍ قَالَ كَانَ الْقِيَامُ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ رَكَعَةً قَالَ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ هَذَا مَحْمُولٌ عَلَى أَنَّ التَّلَاكَ لِلْوِتْرِ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح اور تین و تر پر عمل تھا۔

(۴) اسی عمدۃ القاری میں اسی جگہ ہے كَانَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ مَسْعُودٍ يُصَلِّيَ بِنَافِي شَهْرِ رَمَضَانَ فَيَنْصَرِفُ وَ عَلَيْهِ لَيْلٌ قَالَ الْأَعْمَشُ كَانَ يُصَلِّيَ عِشْرِينَ رَكَعَةً

(۵) اسی عمدۃ القاری جلد پنجم صفحہ ۳۵۵ میں ہے قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ وَهُوَ قَوْلُ جَمْهُورِ الْعُلَمَاءِ دَبَّ قَالَ الْكُوفِيُّونَ وَالشَّافِعِيُّ وَ أَكْثَرُ الْفُقَهَاءِ وَهُوَ الصَّحِيحُ عَنْ كَعْبٍ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ مِنَ الصَّحَابَةِ یعنی ابن عبدالبر نے فرمایا کہ بیس رکعت تراویح عام علماء کا قول ہے اسی کے اہل کوفہ اور امام شافعی اور اکثر فقہاء قائل ہیں اور یہی حضرت ابی ابن کعب سے مروی ہے اس میں کسی صحابی کا اختلاف نہیں۔

(۶) ملا علی قاری نے شرح نقایہ میں فرمایا فَصَارَ إِجْمَاعًا لِأَزْوَی الْبِیْهَقِيِّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ أَنَّهُمْ كَانُوا يُصَلُّونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بِعِشْرِينَ رَكَعَةً وَ عَلَى عَهْدِ عُثْمَانَ وَ عَلِيٍّ صحابہ کرام حضرات عمرو عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بیس تراویح پڑھتے تھے لہذا اس پر اجماع ہو گیا۔

(۷) مولوی عبدالحی صاحب نے اپنے فتاویٰ جلد اول صفحہ ۱۸۲ میں علامہ ابن حجر کی بیہقی کا قول نقل فرمایا إِجْمَاعُ الصَّحْبَةِ عَلَى أَنَّ التَّارَوِيحَ عِشْرُونَ رَكَعَةً یعنی صحابہ کرام کا بیس تراویح پر اجماع ہے۔

(۸) عمدة القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۲۵۷ میں ہے **وَأَمَّا الْقَائِلُونَ بِهِ مِنَ الثَّابِعِينَ فَشِبْرُ ابْنِ شَكْلٍ وَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ وَ الْحَارِثُ الْهَمْدَانِيُّ وَ عَطَاءُ ابْنِ أَبِي بَكْرٍ وَ عِمْرَانُ الْعَبْدِيُّ** ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام تابعین و تبع تابعین و فقہاء محدثین کا بیس رکعت تراویح پر اتفاق ہے۔ ان میں سے نہ کسی آٹھ تراویح پڑھیں نہ اس کا حکم دیا۔

لطیفہ غیر مقلد دراصل اپنی خواہش نفس کے مقلد ہیں اس لئے انہیں اہل ہوا یعنی ہوا پرست کہا جاتا ہے جس میں نفس کو آرام مل وہ ہی ان کا مذہب۔ ہم ان کے آرام دہ مسائل دکھاتے ہیں مسلمان دیکھیں اور عبرت پکڑیں۔ (۱) دو منگے پانی کبھی گندہ نہیں ہوتا لہذا کنواں کتنا ہی پلید ہو جائے اس کا پانی پئے جاؤ۔ (۲) سفر میں چند نمازیں ایک وقت میں پڑھ لو۔ روافض کی طرح کون بار بار تارے اور پڑھے ریل میں بہت بھیڑ ہوتی ہے۔ (۳) عورتوں کے زیورات پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہاں جناب کیوں ہوا اس میں خرچ جو ہوتا ہے۔ (۴) تراویح صرف آٹھ رکعت پڑھ کر آرام کرو۔ ہاں صاحب نماز نفس پر گراں ہے (۵) وتر صرف ایک رکعت پڑھ کر سو رہو کیوں نہ ہو جلد نماز سے چھٹکارا اچھا۔ (۶) ایک بارتین طلاق دے دو۔ صرف ایک ہی واقع ہوگی۔ دوبارہ رجوع ہو سکتا ہے کیوں نہ ہو اس میں آسانی ہے غرضکہ جس میں آرام دہ یاروں کا دین ایمان۔

لطیفہ مسلم شریف کتاب الطلاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تین طلاق ایک ہی واقع ہوتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں نے اس میں جلدی پیدا کر دی لہذا اب اس سے تین طلاق ہی واقع ہونی چاہئیں۔ آرام طلب غیر مقلدین لے اڑے کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہے ان اللہ کے بندوں نے یہ نہ سوچا کہ کیا عمر رضی اللہ عنہ خلاف سنت حکم کر سکتے ہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ آپ نے یہ قانون بنا دیا اور کسی صحابی نے مخالفت نہ کی۔ بات صرف یہ تھی کہ زمانہ نبوی میں بعض لوگ یوں کہہ دیتے تھے تجھے طلاق ہے طلاق طلاق اور آخری میں دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کرتے تھے جیسے کوئی کہے میں کل جاؤں گا کل کل۔ میں روٹی کھاؤں گا روٹی روٹی۔ اب بھی اگر کوئی اس نیت سے یہ الفاظ بولے تو عند اللہ ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ زمانہ فاروقی میں لوگ تین طلاقیں ہی دینے لگے۔ چونکہ عمل بدل گیا حکم بھی بدل گیا تب آپ نے یہ حکم نافذ فرمایا۔ اس مسئلہ کی نہایت ہی نفیس تحقیق ہماری تفسیر جلد دوم آیت **الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ** کی تفسیر میں دیکھو جہاں بہت سی احادیث سے ثابت کیا ہے کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔

دوسرا باب

بیس تراویح پر اعتراضات و جوابات

اعتراض ۱ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان اور منوطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں ثابت ہوا کہ آٹھ رکعت تراویح ہے باقی وتر۔

جواب اس کے عند جواب ہیں اولاً یہ کہ یہ حدیث مضطرب ہے اور مضطرب سے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی کیونکہ اس کے راوی محمد ابن یوسف ہیں موطا میں تو ان سے گیارہ کی روایت ہے اور محمد ابن نصر مروزی نے انہی محمد ابن یوسف سے بطریق محمد اسحاق تیرہ رکعت کی روایت کی اور محدث عبد الرزاق نے انہی محمد ابن یوسف سے دوسری اسناد سے اکیس رکعت نقل کیں۔ اس کی تحقیق کے لئے دیکھو فتح الباری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ ۱۸۰ مطبوعہ مطبع خیر مصر۔ ایک ہی راوی کے بیانات میں اس قدر تضاد اور اختلاف ہے اس کو اضطراب کہتے ہیں تو اس سے تراویح آٹھ رکعت ثابت ہوئیں مگر وتر تین رکعت کہئے آپ وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہیں؟ آپ کے قول پر تو ۹ رکعتیں ہونی چاہئیں کیا ایک ہی حدیث کا آدھا حصہ مقبول اور آدھا غیر مقبول۔ تیسری یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اولاً آٹھ تراویح کا حکم دیا گیا۔ پھر بارہ کا، پھر آخر میں بیس پر قرار ہوا۔ کیونکہ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان میں اسی حدیث کے بعد ہے **وَكَانَ الْقَارِي يَقْرَأُ سُورَةَ الْبَقَرَةِ فِي ثَمَانِ رَكَعَاتٍ وَإِذَا قَامَ بِهَا فِي ثِنْتَيْنِ عَشْرَةَ رَكَعَةً رَأَى النَّاسَ أَنَّهُ قَدْ خُفِّفَ** یعنی قاری آٹھ رکعت میں سورۃ بقرہ پڑھتا تھا اور جب بارہ رکعت میں یہ سورۃ پڑھتا تو لوگوں کو ہلکا پن محسوس ہوتا۔ اس حدیث کے ماتحت مراقاۃ میں ہے **نَعَمْ ثَبَتَ الْعِشْرُونَ فِي زَمَنِ عُمَرَ وَ فِي الْمَوْطَا رِوَايَةً**

بِاحِدَى عَشْرَةٍ وَ جَمَعَ بَيْنَهُمَا أَنَّهُ وَقَعَ أَوْ لَا تُمْ اسْتَقَرَّ الْأَمْرُ عَلَى الْعِشْرِينَ فَإِنَّهُ الْمُتَوَارِثُ یعنی ان روایت کو یوں جمع کیا گیا کہ اولاً تو آٹھ رکعت کا حکم ہوا پھر بیس پر قرار ہوا یہ بیس رکعت ہی منقول ہیں چھتھے یہ کہ اصل تراویح سنت رسول اللہ ﷺ ہے اور تین چیزیں سنت فاروقی۔ ہمیشہ پڑھنا۔ باقاعدہ جماعت سے پڑھنا بیس رکعت پڑھنا۔ حضور علیہ السلام نے بیس رکعت ہمیشہ نہ پڑھیں اور نہ صحابہ کرام کو باقاعدہ جماعت کا حکم دیا۔ اب اگر آٹھ رکعت پڑھی جائیں تو سنت فاروقی پر عمل چھوٹ گیا اور اگر بیس رکعت پڑھی جائیں تو سب پر عمل ہو گیا کیونکہ بیس میں آٹھ آجاتی ہیں۔ اور آٹھ میں بیس نہیں آتیں حدیث شریف میں ہے کہ میری اور خلفائے راشدین کی سنتوں پر عمل کرو۔ تم بھی تراویح ہمیشہ اور

باقاعدہ جماعت سے پڑھتے ہو۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں حضور سے ثابت نہیں سنت فاروقی ہیں لہذا ہمیں رکعت پڑھا کرو۔

اعتراض ۲ بخاری فی بخاری شریف میں ہے کہ ابوسلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ حضور علیہ السلام رمضان کی راتوں میں کتنی رکعت

پڑھتے آپ نے جواب دیا **مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَفِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشَرَ رَكْعَاتٍ** معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے تراویح آٹھ رکعت سے زیادہ کبھی نہ پڑھیں اور باقی وتر ہیں رکعت پڑھنا بدعت سیئہ ہے۔

جواب اس کے بھی چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس سے نماز تہجد مراد ہے نہ کہ تراویح کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ رکعت سے زیادہ نہ پڑھیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ وہی نماز ہے جو ہمیشہ پڑھی جاتی ہے نہ کہ تراویح کہ وہ صرف

رمضان میں ہوتی ہے۔ نیز ترمذی میں اسی حدیث کے لئے باب **بَابُ مَا جَاءَ فِي وَصْفِ صَلَوةِ النَّبِيِّ ﷺ بِاللَّيْلِ** معلوم ہوا کہ یہ صلوٰۃ اللیل یعنی نماز تہجد ہے نہ کہ نماز تراویح۔ نیز اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ

آپ وتر سے پہلے کیوں سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اے عائشہ ہماری ہتکھیں سوتی ہیں ہمارا دل نہیں سوتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ رکعتیں سو کے آٹھ کراد فرماتے تھے۔ اور وتر بھی اس کے ساتھ ہی پڑھتے تھے۔ تب ہی تو حضرت صدیقہ کو تعجب ہوا کہ آپ نے ہم کو تو وتر پڑھ کر سونے کا حکم دیا اور خود سو

کر مع تہجد وتر پڑھتے ہیں جواب دیا کہ چونکہ ہمیں جاگنے پر پورا بھروسہ ہے۔ جسے بھروسہ نہ ہو وہ وتر پڑھ کر سونے اور تراویح سونے سے پہلے پڑھی جاتی ہے اور تہجد سونے کے بعد مدارج النبوة جلد اول صفحہ ۴۰ میں ہے تحقیق آنست کہ صلوٰۃ آنحضرت در رمضان ہماں نماز معتمد بود یا زدہ رکعت کہ دائم در تہجد

مے گزارد۔ "دوسرے یہ کہ اگر بیس رکعت تراویح بدعت سیئہ ہے تو حضرت عمر و دیگر صحابہ کرام نے کیوں اختیار فرمائی اور خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے ان کی مخالفت کیوں نہ کی۔ ان پر کیا فتویٰ لگاؤ گے نیز آج سارے غیر مقلد پورے ماہ رمضان میں باجماعت تراویح پڑھتے ہیں۔ بتاؤ ان کی

یہ بیگنی بدعت سیئہ ہے یا نہیں؟

اگر حضور ﷺ نے آٹھ تراویح پڑھیں۔ تو صرف دو تین روز پڑھیں تم اس کی بیگنی کر کے کون ہوئے؟ اگر پورے مجمع حدیث ہو تو سارے ماہ رمضان میں صرف تین دن تراویح پڑھا کرو۔

نیز ترمذی شریف کی روایت سے ثابت ہوا کہ مکہ والوں کا بیس تراویح پر اتفاق ہے اور مدینہ والوں کا اکتالیس پران میں سے کوئی بھی آٹھ کا عامل نہیں۔ بتاؤ یہ سارے لوگ بدعتی اور فاسق ہوئے یا نہیں؟ اگر ہوئے تو ان سے حدیث لینا کیسا؟ فاسق کی روایت معتبر نہیں نیز بتاؤ کہ کیا کسی ملک میں مسلمانوں

نے آٹھ رکعات تراویح پڑھیں۔ تیسرے یہ کہ اسی حدیث سے اگر آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوئی۔ تو تین رکعت وتر بھی ثابت ہوئے تب ہی تو گیارہ رکعت ثابت ہوں گی۔ پھر وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہو؟ آرام کے لئے حق یہ ہے کہ آٹھ رکعت تراویح کی تصریح کہیں نہیں ملتی کیونکہ جہاں قیام

رمضان کا ذکر ہے وہاں تعدید رکعت سے خاموشی ہے اور جن حدیث میں گیارہ کا ذکر ہے وہاں تراویح کی تصریح نہیں بلکہ اس سے تہجد مراد ہے ایسی روایت پیش کرو جس میں آٹھ تراویح ہو۔ ایسی انشاء اللہ نہ ملے گی۔ چونکہ سلطنت مصطفیٰ ﷺ کا ہم نے مستقل رسالہ لکھ دیا۔ اس لئے ضمیمہ میں یہ

مضمون شامل نہ کیا گیا۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ وَنُوْرٍ عَرِضَہٗ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَۃِہٖ وَہُوَا رَحْمُ الرَّحِیْمِیْنَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رسالہ طلاق الاولہ فی حکم الطلاق الثلثہ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے دے تو اگرچہ اس نے برا کیا مگر اس صورت میں طلاقیں تین ہی واقع ہوگی نہ کہ ایک اور یہ عورت بغیر حلالہ اس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ چونکہ زمانہ موجود کے غیر مقلد وہابی اس کے منکر ہیں اور خواہش نفسانی کے ماتحت کہتے ہیں کہ اس صورت میں طلاق ایک ہی واقع ہوگی اور عورت سے رجوع کرنا صحیح ہوگا اس لئے اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب لکھے جاتے ہیں پہلے باب میں مسئلہ کے دلائل اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

مقدمہ بہتر یہ ہے کہ اگر عورت کو طلاق دینا ہو تو صرف ایک ہی طلاق طہر میں دے۔ اور اگر تین طلاقیں ہی دینا ہوں تو ہر طہر میں ایک طلاق دے۔ لیکن اگر بحالت حیض طلاق دیدے۔ یا تینوں طلاقیں ایک دم دیدے تو اگرچہ اس نے برا کیا۔ مگر جو طلاق دے گا وہ ہی واقع ہوگی ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے صرف نکاح ہوا ہو اور خلوت نہ ہوئی ہو ایک دس تین طلاقیں اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ اس صورت میں صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور آخری دو واقع نہ ہوں گی۔ کیونکہ پہلی طلاق بولتے ہی وہ عورت نکاح سے خارج ہوگئی اور اس پر عدت بھی واجب نہ ہوئی۔ اور طلاق کے لئے نکاح یا عدت چاہیئے ہاں اگر اس عورت سے یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تینوں پڑ جائیں گی کیونکہ اس صورت میں تینوں طلاقیں نکاح کی موجودگی میں پڑیں (عامہ کتب)۔

(۲) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے خلوت ہو چکی ہے اس طرح طلاق دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق طلاق۔ اور آخری دو طلاقیں پہلی طلاق کی تاکید کی نیت کرے۔ نہ کہ علیحدہ طلاقیں کی تب بھی دیائے طلاق ایک ہی ہوگی (قاضی اس کی یہ بات نہ مانے گا) کیونکہ اس شخص نے ایک طلاق کی دو تاکیدیں کی ہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ پانی پی لو۔ پانی پانی۔ کھانا کھا لوں کھانا کھا لوں میں کل گیا تھا کل کل۔ ان سب صورتوں میں پچھلے دو لفظوں سے پہلے لفظ کی تاکید ہے۔

(۳) اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے جس سے خوت ہو چکی ہے۔ بیک وقت تین طلاقیں دے خواہ یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں یا یہ کہے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے، طلاق ہے۔ بہر حال طلاقیں تین ہی واقع ہوگی اور یہ عورت اب بغیر حلالہ اس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ اس پر امام ابو حنیفہ و شافعی و مالک و احمد اور سلفاً خلفاً جمہور علماء کا اتفاق ہے۔ ہاں بعض ظاہرین مولوی اس آخری صورت میں اختلاف کرتے ہیں۔

چنانچہ تفسیر صاوی میں پارہ دوم زیر آیت **فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ (الایہ) ۛ وَالْمَعْنَىٰ فَإِنْ ثَبَّتَ طَلَّاقَهَا ثَلَاثًا فِي مَرَّةٍ أَوْ مَرَّاتٍ فَلَا تَحِلُّ (الایہ) ۛ كَمَا إِذَا قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ ۛ ثَلَاثًا أَوْ أَلْبَتَّهُ وَهَذَا هُوَ الْمُجْمَعُ عَلَيْهِ** یعنی علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو تین طلاقیں الگ الگ دے یا ایک دم۔ عورت بہر حال حرام ہو جائے گی۔ نیز نووی شرح مسلم جلد اول باب الطلاق الثلث میں ہے **وَقَدْ اِخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي مَنْ قَالَ لِامْرَأَةٍ أَنْتِ طَالِقٌ ۛ ثَلَاثًا فَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَمَالِكٌ ۛ وَابُو حَنِيفَةَ وَأَحْمَدُ وَجَمَاهِيرُ الْعُلَمَاءِ مِنَ السَّلَفِ وَالخَلْفِ يَقَعُ الثَّلَاثُ وَقَالَ طَاءُوسٌ ۛ بَعْضُ أَهْلِ الظَّاهِرِ يَقُولُ لَا يَقَعُ بِذَلِكَ إِلَّا وَاحِدَةٌ** یعنی جو کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو چاروں امام اور سلف و خلف کے عام علماء فرماتے ہیں کہ تین ہی واقع ہوں گی۔ ہاں بعض اہل ظاہر نے کہا ہے کہ ایک ہی واقع ہوگی۔ بلکہ حجاج ابن ارجاث اور ابن مقاتل اور محمد ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس سے ایک طلاق بھی نہیں پڑیگی۔ دیکھو نووی یہ ہی مقام۔ چونکہ موجودہ زمانہ کے غیر مقلد ہر جگہ نفس کا آرام ڈھونڈتے ہیں جس چیز میں نفس امارہ کو راحت ملے خواہ وہ باطل سے باطل اور ضعیف قول ہو وہ ہی ان دین ایمان ہے اس لئے انہوں نے ابن تیمیہ کی اتباع کرتے ہوئے یہ ہی عقیدہ رکھا ہے کہ ایک دم تین طلاقیں سے ایک ہی واقع ہوگی۔

تفسیر صاوی پارہ دوم زیر آیت **فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ (الایہ) ۛ وَمَا الْقَوْلُ بِأَنَّ الطَّلَاقَ الثَّلَاثَ فِي مَرَّةٍ وَاحِدَةٍ لَا يَقَعُ إِلَّا طَلَّقَتْهُ لَا يَعْرِفُ إِلَّا ابْنُ تَيْمِيَّةٍ وَرَدَّ عَلَيْهِ أَئِمَّتُهُ مَذْهَبُهُ حَتَّىٰ قَالَ الْعُلَمَاءُ أَنَّهُ الضَّلَالُ الْمُضِلُّ وَنَسَبْتُهَا إِلَى الْإِمَامِ أَشْهَبُ مِنَ الْأَئِمَّةِ الْمَالِكِيَّةِ بِاطِلَّتْهُ** یعنی یہ کہنا کہ ایک دم دی ہوئی تین طلاقیں سے ایک ہی واقع ہوتی ہے یہ سوا ابن تیمیہ حنبلی کے اور کسی نے بھی نہیں کہا ہے اور ابن تیمیہ کی خود اس کے مذہب کے اماموں نے تردید کر دی علماء کرام تو فرماتے ہیں کہ ابن

تیم یہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے اور اس مسئلہ کی نسبت امام، اہلب ماہکی کی طرف غلط ہے بہر حال پتہ یہ لگا کہ موجودہ غیر مقلد شخص نفسانی آسانی کے لئے یہ باطل عقیدہ لئے بیٹھے ہیں۔ ہم نے اس مسئلہ کی نفیس تحقیق اپنی تفسیر نعیمی جلد دوم زیر آیت **فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ** (الآیہ) میں کر دی ہے مگر چونکہ آجکل اس مسئلہ کے متعلق بہت شور مچا ہوا ہے اور ہمارے پاس اس قسم کے سوالات بہت کثرت سے آرہے ہیں اس لئے ہم رب کے بھروسہ پر اس مسئلہ کا فیصلہ کئے دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ سے امید قبول ہے اور ناظرین سے امید انصاف۔ بیان کا یہ ہی طریقہ ہوگا کہ مسئلہ دو بابوں میں بیان کیا جائے گا۔ پہلے باب میں اپنے دلائل اور دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات۔

پہلا باب اس کے ثبوت میں

بہتر تو یہ ہے کہ طلاق ایک ہی دے زیادہ دے ہی نہیں اور اگر تین طلاق ہی دینا ہے تو ہر طہر میں ایک طلاق ہے تین طہر میں تین۔ ایک دم چند طلاقیں دینا سخت برا ہے لیکن اگر کسی نے ایک دم چند طلاقیں دے دیں تو اگرچہ بُرا کیا مگر تینوں واقع ہو جائیں گی بحالت حیض کہ اگرچہ برا ہے مگر طلاق واقع ہو جاتی ہے اسکے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے **الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فَاِمَسَاكَ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيحٍ بِاِحْسَانٍ** پھر فرماتا ہے **فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ** (الآیہ) اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو طلاقوں تک رجوع کا حق ہے تین میں نہیں اور مرتان کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ الگ الگ دینا شرط نہیں جس کے بغیر طلاقیں واقع ہی نہ ہوں خواہ ایک دم دے یا الگ الگ حکم یہ ہی ہوگا۔ چنانچہ تفسیر صاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے **فَإِنْ طَلَّقَهَا إِلَى طَلْقَةٍ ثَالِثَةٍ سَوَاءٌ وَقَعَ الْاِثْنَانِ فِي مَرَّةٍ اَوْ مَرَّتَيْنِ وَالْمَعْنَى فَإِنْ ثَبَّتَ طَلَقَهَا ثَلَاثًا فِي مَرَّةٍ اَوْ مَرَّاتٍ فَلَا تَحِلُّ** یعنی آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں دیں تو واقع ہو جائیں گی خواہ ایک دم دے یا الگ الگ عورت حلال نہ رہے گی آگے فرماتے ہیں **كَمَا إِذَا قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا اَوْ الْبَتَّةَ وَهَذَا هُوَ الْمَجْمَعُ عَلَيْهِ** یعنی اگر کوئی شخص یوں کہہ دے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تین ہی واقع ہو جائیں گی اس پر امت حضرت محمد ﷺ کا اتفاق ہے اسی طرح اور تفاسیر میں بھی ہے۔

(۲) رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَدَرِي لَعَلَّ اللَّهُ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا** یعنی جو کوئی اللہ کی حدیں توڑے کہ ایک دم تین طلاقیں دیدے تو اپنی جان پر ظلم کرتا ہے کیونکہ کبھی انسان طلاق دے کر شرمندہ ہوتا ہے اور رجوع کرنا چاہتا ہے اگر تین طلاقیں ایک دم دیدیگا تو رجوع نہ کر سکے گا اس آیت میں یہ نہ فرمایا کہ ایک دم تین طلاقیں دینے والے کی واقع نہ ہوں گی بلکہ فرمایا یہ گویا کہ ایسا آدمی ظالم ہے اگر اس سے طلاق ایک واقع ہوئی تو یہ ظالم کیسے؟ نووی شرح مسلم باب الطلاق الثلث میں ہے

وَاحْتِجَّ الْجُمْهُورُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ الْخ مَعْنَاهُ أَنَّ الْمُطَلَّقَ قَدْ يُحْدِثُ لَهُ نَدَمٌ فَلَا يُمَكِّنُهُ تَذَارُكُهُ لَوْ قُوعِ الْبَيْنُونَةِ فَلَوْ كَانَتِ الثَّلَاثُ لَمْ تَقَعْ طَلَاقُهُ هَذَا إِلَّا رَجَعِيًّا فَلَا يَنْدَمُ ترجمہ وہ ہے جو ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔

(۳) بیہقی اور طبرانی میں سوید ابن غفلہ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی عائشہ خیمہ کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں۔ بعد میں خبر ملی کہ وہ حضرت امام کے فراق میں بہت روتی ہیں تو آپ بھی رو پڑے اور فرمانے لگے کہ اگر میں نے اپنے والد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو الگ الگ یا ایک دم تین طلاقیں دیدے تو وہ عورت بغیر حلالہ اسے جائز نہیں تو میں ضرور رجوع کر لیتا

حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں **لَوْلَا اِنِّي سَمِعْتُ جَدِّي وَحَدَّثَنِي أَبِي اَنَّهُ سَمِعَ جَدِّي يَقُولُ اَيُّمَا رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَةً ثَلَاثًا عِنْدَ الْاَقْرَاءِ اَوْ ثَلَاثًا مُبْهَمَةً لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ** (سنن کبریٰ للبیہقی جلد نمبر ۷ صفحہ ۳۳۶)

(۴) اس سنن کبریٰ بیہقی میں حبیب ابن ابی عابت کی روایت سے ہے **قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ طَلَّقْتُ امْرَأَةً ثَلَاثًا فَقَالَ ثَلَاثٌ تَحْرِمُهَا عَلَيْكَ وَأَقْسِمُ سَائِرَ هُنَّ بَيْنَ نِسَاءٍ ك** (سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۵)

یعنی ایک شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا کہ میں نے اپنی بیویوں کو بانٹ دے یعنی وہ لغو ہیں ظاہر ہے کہ اس سائل نے یہ ہزار طلاقیں ہزار مہینوں میں تو نہ دی ہوں گی ورنہ ۸۲ سال ۲ مہینے اسی میں صرف ہو جاتے۔ ایک دم ہی دی تھیں اور سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے تینوں جائز رکھیں۔

(۵) بیہقی میں ہے **عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ لَا تُحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكَحُ زَوْجًا غَيْرَهُ** اسنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۵ یعنی امام جعفر صادق اپنے جدا محمد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے تو بیوی بغیر حلالہ حلال نہیں۔ اس کی تائید بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں بغیر حلالہ حلال نہیں۔ اسکی تائید بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے جو اس مقام پر ابی یعلیٰ سے مروی ہے کہ **عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِيمَنْ طَلَّقَ امْرَأَةً ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا قَالَ لَا تُحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكَحُ زَوْجًا غَيْرَهُ**

(۶) بیہقی نے محمد ابن ایاز ابن کبیر سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو خلوت سے پہلے ایک دم تین طلاقیں دیدیں پھر اس کا خیال ہوا کہ اس سے دوبارہ نکاح کرے۔ تو وہ ابو ہریرہ اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا ان دونوں صحابیوں نے فرمایا ہم اس نکاح کے جواز کی کوئی صورت نہیں دیکھتے جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے وہ بولا حضرت میں نے ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دی تھیں اس پر حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جو کچھ تیرے قبضہ میں بچا کچھا تھا تو نے اکٹھا ہی دے دیا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَسَلَّ أَبَاهُ رَيْرَةً وَعَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَا نَرَى أَنْ تَنْكِحَهَا حَتَّى تَنْكَحَ زَوْجًا غَيْرَكَ قَالَ إِنَّمَا كَانَ طَلَاقِي إِيَّاهَا وَاحِدَةً فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّكَ أَرْسَلْتَ مِنْ يَدِكَ مَا كَانَ لَكَ مِنْ فَضْلٍ (سنن کبریٰ جلد ۷ صفحہ ۳۳۵)

(۷) اسی بیہقی میں عبدالحمید ابن رافع سے بروایت عطا ہے کہ کسی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ **عَبَّاسٍ طَلَّقْتُ امْرَأَتِي مَائَتَةً قَالَ تَأْخُذُ ثَلَاثًا وَدَعَّ سَبْعًا تِسْعِينَ** (سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۷)۔

(۸) بیہقی میں سعید ابن جبیر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ ابن عباس سے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا تین لے لو۔ اور نو سو ستانوے چھوڑ دو۔ عبارت یہ ہے **إِنْ رَجَلًا جَاءَ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَ طَلَّقْتُ امْرَأَتِي أَلْفًا فَقَالَ تَأْخُذُ ثَلَاثًا وَدَعَّ تِسْعَ مَائَتِهِ وَسَبْعَةَ وَتِسْعِينَ** (سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۷)

(۹) بیہقی میں بروایت سعید ابن جبیر ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے اس شخص سے فرمایا کہ جس نے اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دی تھیں کہ تجھ پر تیری بیوی حرام ہوگئی۔ عبارت یہ ہے **عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ لِرَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَةً ثَلَاثًا حُرِّمَتْ عَلَيْكَ** (سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۷)

(۱۰) بیہقی میں بروایت عمرو ابن دینار ہے کہ کسی شخص نے عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ستاروں کے برابر طلاقیں دے اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اس سے کہ دو کہ تجھے برج جوزہ کا سری کافی ہے۔ خیال رہے کہ برج جوزہ کے سر پر تین ستارے ہیں۔ عبارت یہ ہے۔

عَنْ عُمَرَ ابْنِ دِينَارٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ سَأَلَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَةً ثَلَاثًا فَقَالَ إِنَّمَا يَكْفِيكَ رَأْسُ الْجَوْزَاءِ (سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۷)

(۱۱) ابن ماجہ شروع ابواب الطلاق باب **مَنْ طَلَّقَ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ** میں ہے کہ فاطمہ قیس فرماتی ہیں کہ مجھے میرے شوہر نے یمن جاتے وقت تین طلاقیں ایک دم دیدیں۔ ان تینوں کو حضور ﷺ نے جائز رکھا عبارت یہ ہے **قَالَتْ طَلَّقَنِي زَوْجِي ثَلَاثًا وَهُوَ خَارِجٌ إِلَى الْيَمَنِ فَأَجَازَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ**

(۱۲) حاکم ابن ماجہ ابوداؤد نے ابن علی ابن یزید ابن رکانہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میرے دادا نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی۔ پھر وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے اس بارے میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا اور عرض کیا کہ میں نے ایک نیت کی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا اللہ کی قسم تم نے ایک ہی کی نیت کی تھی۔ عرض کیا قسم ہے رب کی میں نے نہ نیت کی مگر ایک کی پس حضرت محمد ﷺ نے ان کی بیوی کو ان کو واپس فرما دیا۔

چنانچہ ابن ماجہ اور ابوداؤد میں ہے **عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَلِيٍّ ابْنِ يَزِيدَ ابْنِ رُكَانَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ فَأَنَّى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ مَا أَرَدْتَ بِهَا وَاحِدَةً قَالَ أَوْ اللَّهُ مَا أَرَدْتُ بِهَا إِلَّا وَاحِدَةً قَالَ وَاللَّهِ مَا أَرَدْتُ بِهَا إِلَّا وَاحِدَةً قَالَ فَرَدَّهَا إِلَيْهِ** (ابن ماجہ باب طلاق البتہ والوداؤد باب البتہ) اگر ایک دم تین طلاقیں سے ایک ہی طلاق ہوتی تو حضور علیہ السلام حضرت رکانہ سے اس نیت کی قسم کیوں لیتے انہوں نے کہا تھانے **طَالِقٌ طَالِقٌ طَالِقٌ** اور آخری دو طلاقیں سے پہلی طلاق کی تاکید کی تھی۔ اس لئے اسے ایک قرار دیا گیا یہ روایت نہایت صحیح قابل اعتماد ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ **مَا أَشْرَفَ هَذَا الْحَدِيثُ** یہ حدیث کیا ہی شریف الاسناد ہے ابوداؤد نے فرمایا ہے **هَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ جُرَيْجٍ** یہ روایت بمقابلہ روایت ابن جریج زیادہ صحیح ہے (۱۳) امام مالک وشافعی و ابوداؤد و تیمی میں بروایت معاویہ ابن ابی عباس سے کہ کسی نے حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دیدے۔ اس کا کیا حکم ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ ایک طلاق اسے جدا کر دے گی اور تین حرام کہ بغیر حلالہ نکاح درست نہ ہوگا۔ عبداللہ ابن عباس نے اس کی تاکید فرمائی۔ عبارت یہ ہے **عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ أَيَّاسٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَأَبَا هُرَيْرَةَ وَعَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ ابْنَ الْعَاصِ سَنِلُوا عَنِ الْبِكْرِ وَطَلَّقَهَا زَوْجَهَا ثَلَاثًا قَالَ لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكَحَ زَوْجًا غَيْرَهُ وَرَوَى مَلِكٌ عَنْ يَحْيَى ابْنِ سَعِيدٍ عَنْ بُكَيْرِ ابْنِ أَشْجٍ عَنْ مَعَاوِيَةَ ابْنِ عِيَّاشٍ أَنَّهُ شَهِدَ هَذِهِ الْقِصَّةَ** (ابوداؤد باب نكاح المرأة بعد الطلاق الثلث)

(۱۴) تیمی نے بسام صریفی سے روایت کی کہ جعفر بن محمد فرماتے ہیں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو نادانی سے یا جان بوجھ کر تین طلاقیں دیدے وہ عورت اس پر حرام ہو جائے گی۔ (۱۵) اسی تیمی نے مسلمہ ابن جعفر احمد سے روایت کی کہ میں نے امام جعفر ابن محمد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ یہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ایک دم تین طلاقیں دے تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی؟ فرمایا معاذ اللہ ہم نے یہ کبھی نہ کہا اس کی طلاقیں تین ہی ہوں گی (تفسیر روح المعانی پارہ دوم) (۱۶) مسلم شریف کتاب الطلاق باب الطلاق الثلث میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ قانون بنادیا کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی عبارت یہ ہے۔

فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ إِنَّ النَّاسَ قَدْ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرِ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ عَنَاءٌ قَضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ فَأَمْضَاءٌ عَلَيْهِمْ (۱۷) اس حدیث کی شرح نووی میں ہے کہ صحابہ کرام کا اجماع اس پر ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کبھی غلط پر اجماع نہیں کر سکتے۔

(۱۸) جب شوہر کو تین طلاقیں دینے کا حق ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ دے تین اور پڑے ایک مالک کا تصرف معتبر ہونا چاہیے۔ (۱۹) فعل حرام ہونے سے قانون نہیں بدل جاتا۔ ایک دم تین طلاقیں دینا پیشک سخت منع ہے لیکن جب شوہر تین طلاقیں منہ سے بول رہا ہے تو واقعہ کیوں نہ ہوں دیکھو چوری کی مٹھری سے جانور زنج کرنا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی زنج کرے تو پیشک حلال ہے بحالت حیض طلاق دینا حرام ہے لیکن اگر کوئی دیدے تو واقعہ ہو جائے گی۔

(۲۰) اسقاط میں مسبب سبب سے وابستہ ہوتا ہے کہ سبب کے ہوتے ہی مسبب کا ہونا ضروری ہے۔ ہدایہ کتاب الوکالت میں ہے۔

لَاَنَّ الْحُكْمَ فِيهَا لَا لَا يَقْبَلُ الْفَضْلُ عَنِ السَّبَبِ لِأَنَّهُ اسْقَاطٌ فَيَتَلَأْشِي یعنی اسقاط میں حم اپنے سبب سے علیحدہ نہیں ہو سکتا طلاق بولنا سبب ہے اور طلاق واقع ہونا اس کا حکم اور طلاق زوج کی ملکیت کا محض اسقاط کرنا ہے لہذا ناممکن ہیکہ سبب پایا جائے اور حکم نہ پایا جائے کہ وہ بولے تین اور پڑے ایک۔

(۲۱) جمہور علماء خصوصاً چاروں امام حنفیہ امت مسلمہ کی مخالفت ہے جو گمراہی ہے غرضیکہ یہ مسئلہ قرآن و حدیث اجماع صحابہ اقوال علماء محدثین و مفسرین و لائل عقلیہ ہی سے ثابت ہے اس کی مخالفت عقل و نقل کی مخالفت ہے۔

دوسرا باب

اس مسئلہ پر اعتراض و جوابات

غیر مقلدین اس مسئلہ پر اب تک حسب ذیل اعتراضات کر سکتے ہیں انشاء اللہ اس سے زیادہ انہیں نہ ملیں گے بلکہ عام غیر مقلدوں کو تو اتنے بھی نہیں معلوم جو ہم انکی وکالت میں بیان کرتے ہیں۔

پہلا اعتراض رب تعالیٰ فرماتا ہے **الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَاِمَسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيحٌ بِاِحْسَانٍ** کچھ آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے **فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مَرَّتَيْنِ** اور **فَاِنْ كَفَّ** سے معلوم ہوا کہ طلاقیں الگ الگ چاہئیں۔ ایک دم تین طلاقیں الگ الگ کہاں ہوں گیں۔ **مرتان** علیحدگی بتا رہا ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہی ہوں گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ طلاق رجعی دو طلاقیں ہیں۔ **الطَّلَاق** میں الف لام عہدی ہے پھر فرمایا کہ جو کوئی دو سے زیادہ یعنی تین دے۔ تو بغیر حلالہ اسے عورت حلال نہیں۔ تفسیر احمدی و صاوی و جلالین میں ہے **الطَّلَاقُ اَيُّ التَّطْلِيْقِ الَّذِي يُرَاجَعُ بَعْدَهُ مَرَّتَيْنِ** دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جاوے کہ **مَرَّتَانِ** سے تین طلاقیں کی علیحدگی مراد ہے تو یہ کہنا کہ تجھے طلاق طلاق ہے طلاق ہے اس میں بھی طلاقیں کی لفظاً علیحدگی ہے اور یہ کہنا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں اس میں عددی علیحدگی کیونکہ علیحدگی کے بعد کیسے عدد بنے گا؟ آیت کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ طلاقیں کے درمیان ایک حیض کا فاصلہ ہونا شرط ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **فَارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ** آسمان کو بار بار دیکھو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مہینہ میں ایک ہی بار دیکھ لیا کرو تیسرے یہ کہ تمہاری تفسیر سے بھی آیت کا یہ مطلب بنے گا کہ طلاقیں الگ الگ ہونی چاہئیں ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ بیشک ایک دم طلاقیں دینا سخت منع ہے۔ الگ الگ ہی دینا ضروری ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ جو کوئی حماقت سے ایک دم تین طلاقیں دیدے تو واقع بھی ہوگی یا نہیں اس آیت ساکت ہے۔

دوسرا اعتراض مسلم شریف کتاب الطلاق میں عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی بلکہ شروع عہد فاروقی میں بھی حکم یہ تھا کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہوں گی عبارت یہ ہے **عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَ اَبِي بَكْرٍ وَ ثَنَيْنِ مِنْ خِلَافَتِ عُمَرَ طَلَاقِ الثَّلَاثِ وَ اَحَدَةٍ** نیز اسی مسلم میں اسی جگہ ہے کہ ابوالصحابہ نے حضرت عبد اللہ ابن عباس سے پوچھا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں تین طلاقیں ایک مانی جاتی تھیں انہوں نے فرمایا ہاں عبارت یہ ہے **اِنَّ اَبَا الصَّحْبَاءِ قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ اَتَعْلَمُ اَنَّمَا كَانَتِ الثَّلَاثُ تُجْعَلُ وَ اَحَدَةٌ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ وَ اَبِي بَكْرٍ وَ ثَلَاثًا مِنْ اِمَارَةِ عُمَرَ فَقَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ نَعَمْ** ان حدیثوں سے صراحۃً معلوم ہوا کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہیں۔

نوٹ غیر مقلدوں کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ سیدنا ابن عباس ہی کی تو یہ روایت ہے اور خود ان کا یہ فتویٰ ہے کہ ایک دم تین طلاقیں۔ تین طلاقیں ہی ہوں گی۔ جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا اور جہاں راوی حدیث کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو وہاں معلوم ہوگا کہ اس راوی کے علم میں یہ حدیث منسوخ ہے، نیز صحابہ کرام کی موجودگی میں حضرت عمر فاروق کا یہ قانون بنادینا کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور اس پر عمل درآمد ہو جانا اور کسی صحابی بلکہ خود سیدنا عبد اللہ ابن عباس کا اس پر اعتراض نہ کرنا باوازا بلند خبر دیتا ہے کہ وہ حدیث یا منسوخ ہے یا ماؤل۔ کیا صحابہ کرام حدیث کے خلاف اجماع کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس عورت کو طلاق دینا مراد ہے جس سے خلوت نہ ہوئی ہو اور واقعی اگر کوئی شخص اپنی ایسی بیوی کو تین طلاقیں ایک دم اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے تو اول ہی واقع ہوگی اور اخیر کی دو طلاقیں لغو۔ چنانچہ ابو داؤد کتاب الطلاق **بَابُ نَسْخِ الْمُرَاجَعَةِ بَعْدَ التَّطْلِيْقَاتِ الثَّلَاثِ** میں ہے کہ ابو صحبا نے عبد اللہ ابن عباس سے پوچھا کہ آپ کو خبر نہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی اور شروع خلافت فاروقی میں جو کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھیں۔ فرمایا ہاں جو غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا۔ اس کی طلاق ایک پڑتی تھی۔ عبارت یہ ہے **قَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ بَلَى كَانَ الرَّجُلُ اِذَا طَلَّقَ اِمْرَاَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ اَنْ يَدْخُلَ بِهَا جَعَلُوْهَا وَ اَحَدَةً** الخ اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ مسلم کی روایت کا یہ ہی مطلب ہے اور یہ حکم اب بھی باقی ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے تیسرے یہ کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں لوگ تین طلاقیں اس طرح دیتے تھے کہ تجھے طلاق

ہے طلاق طلاق۔ گویا پچھلی دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کرتے تھے۔ اور زمانہ فاروقی میں لوگوں کا یہ حال بدل گیا کہ دو تین طلاقیں ہی دینے لگے۔
 ہذا صورت مسئلہ بدلنے سے حکم بدل گیا۔ نووی شریف میں ہے۔

فَالَا صَحُّ أَمَعْنَاهُ أَنَّهُ كَانَ فِي الْأَمْرِ الْأَوَّلِ إِذَا قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ أَنْتِ طَالِقٌ وَلَمْ يَنْوِ تَأْكِيداً وَلَا إِسْتِينَاتاً يُحْكَمُ بِوُقُوعِ طَلْقِهِ لِقَلْتِهِ إِرَادَتِهِمْ الْأَسْتِينَافَ بِذَلِكَ مَحْوَلٌ عَلَى الْغَالِبِ الَّذِي هُوَ إِرَادَةُ التَّأْكِيدِ فَلَمَّا كَانَ فِي زَمَانِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَكَثُرَ اسْتِعْمَالُ النَّاسِ بِهَذِهِ الصِّيغَةِ وَغَلَبَ مِنْهُمْ إِرَادَةُ الْأَسْتِينَافِ بِهَا حُمِلَتْ عَنْهُ الْأَطْلَاقُ عَلَى الثَّلَاثِ عَمَلًا بِالْغَالِبِ السَّابِقِ الْفَهْمُ مِنْهَا فِي هَلِكِ الْعَصْرِ

”یعنی چونکہ زمانہ نبوی میں عام طور پر لوگ تین طلاقوں میں اول طلاق سے طلاق کی نیت کرتے اور پچھلی دو سے تاکید کرتے تھے اس لئے جو کوئی بغیر نیت کے بھی ایک دم تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھی کہ اس وقت غالب حال یہ ہی تھا مگر زمانہ فاروقی میں لوگ عام طور پر تین طلاقوں سے تین ہی کی نیت کرنے لگے اس لئے تین جاری کر دی گئیں صورت مسئلہ بدلنے سے حکم مسئلہ بدل گیا دیکھو قرآن شریف میں زکوٰۃ کے مصرف آٹھ بیان ہوئے۔ مولفۃ القلوب (کفار مائل باسلام) کو بھی زکوٰۃ دینے کی اجازت دی گئی۔ مگر زمانہ فاروقی میں صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا کہ مصرف زکوٰۃ صرف سات ہیں مولفۃ القلوب خارج کیونکہ نزول قرآن کے وقت مسلمانوں کی جماعت تھوڑی اور کمزور تھی اس لئے ایسے کافروں کو زکوٰۃ دیکر مائل کیا جاتا تھا۔ عہد فاروقی میں نہ مسلمانوں کی قلت رہی نہ کمزوری لہذا ان کو زکوٰۃ دینا بند کر دیا گیا۔ وجہ بدلنے سے حکم بدلا نہ نکلا۔ اب تک زید فقیر تھا اسے زکوٰۃ لینے کا حکم دیا گیا۔ اب غنی ہو گیا تو زکوٰۃ دینے کا حکم ہو گیا۔ کپڑا ناپا کھا اس سے نماز ناجائز قرار دی اب پاک ہو گیا اس سے نماز جائز ہو گئی۔ ہندوستان میں آج کل کوئی طلاق کی تاکید جانتا بھی نہیں تین ہی کی نیت سے طلاقیں دیتے ہیں تو عجیب بات ہے کہ صورت مسئلہ کچھ اور حکم کچھ اور دیا جائے اللہ غیر مقلدوں کو عقل دے جس سے حدیث کا مقصد صحیح سمجھا کریں۔

تیسرا اعتراض ابوداؤد جلد اول ۱۱ اور درمنثور جلد اول ص ۲۷۹ و عبد الرزاق و بیہقی نے عبد اللہ ابن عباس سے روایت کی کہ عبد یزید ابورکانہ نے اپنی بیوی ام رکانہ کو طلاق دی حضور ﷺ نے فرمایا کہ طلاق سے رجوع کرلو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور میں نے تین طلاقیں دی ہیں فرمایا ہاں ہم جانتے ہیں مگر رجوع کرو اور یہ آیت تلاوت فرمائی **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلْقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ** ابوداؤد وغیرہ کی عبارت یہ ہے **طَلَّقَ عَبْدُ يَزِيدَ أَبُورُ كَانَتْهُ أُمُّ رُكَانَتْهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ ارْجِعْ بِأَمْرٍ أَتَيْكَ فَقَالَ إِنِّي طَلَقْتُهَا ثَلَاثًا قَالَ قَدْ عَلِمْتُ ارْجِعْهَا وَتَلَايَا أَيُّهَا النَّبِيُّ** (الآیۃ) (بیہقی سنن کبریٰ جلد ۳۳۹ و ابوداؤد ہاب خ المرحۃ صفحہ ۲۹۹) اگر اکٹھی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتیں تو رجوع ناممکن تھا وہاں تو حلالہ کی ضرورت درپیش لوم ہوا کہ ایک طلاق باقی رکھی گئی اور دو کو رد کر دیا گیا حالانکہ خود ابورکانہ عرض کر رہے ہیں کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں یہاں تاکید کا احتمال نہیں اور پھر بھی ایک ہی مانی گئی۔

جواب افسوس کہ معترض نے ابوداؤد اور بیہقی کی آدمی روایت نقل کی آگے اس اعتراض کا نہایت نفیس جواب وہاں ہی دیا گیا ہے جسے معترض چھوڑ گیا۔ اس جگہ ابوداؤد و بیہقی میں ہے کہ نافع ابن عقیل اور عبد اللہ بن علی ابن یزید ابن رکانہ نے اپنے دادا رکانہ سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی لہذا حضور نے ان کی بیوی کو ان کی طرف واپس کر دیا۔ یہ حدیث دیگر احادیث سے صحیح ہے کیونکہ اسکا بیٹا اور اس کے گھر والے اس کے حالات بمقابلہ غیروں کے زیادہ واقف ہوتے ہیں رکانہ کے پوتے تو فرماتے ہیں کہ میرے دادا نے میری دادی کو طلاق بتہ دی اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ طلاقیں تین دیں۔ لاملحہ پوتے کی روایت زیادہ صحیح ہوگی عبارت یہ ہے۔

وَحَدِيثُ نَافِعِ ابْنِ عَجِيزٍ وَ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَلِيٍّ ابْنِ يَزِيدَ ابْنِ رُكَانَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ إِنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَ إِمْرَأَةً تَهَ الْبَتَّةَ فَرَدَّهَا النَّبِيُّ ﷺ أَصَحُّ لَا نُهُ مَوْلِدُ الرَّجُلِ وَ أَهْلُهُ أَعْلَمُ بِهِ أَنَّ رُكَانَةَ إِنَّمَا طَلَّقَ إِمْرَأَةً تَهَ الْبَتَّةَ وَ جَعَلَهَا النَّبِيُّ ﷺ وَاحِدَةً (سنن کبریٰ بیہقی و ابوداؤد، یہی مقام)

خلاصہ یہ کہ تین طلاق والی روایات سب ضعیف ہیں بلکہ امام بیہقی نے اسی جگہ فرمایا ہے کہ عبد اللہ ابن عباس سے آٹھ روایتیں اس کے خلاف ہیں اور پھر رکانہ کی اولاد سے بھی طلاق بتہ کی روایت ہے بتاؤں کہ تین طلاقوں والی ایک روایت معتبر ہوگی یا طلاق بتہ والی آٹھ اور ایک نوروایتیں بیہقی کی عبارت یہ ہے۔

وَهَذَا الْإِسْنَادُ لَا تَقُومُ بِهِ الْحُجَّةُ مَعَ ثَمَانِيَّتِهِ وَرَدَّ عَنْ عَبَّاسٍ فَأَفْتَاهُ بِخُلْفِ ذَلِكَ وَمَعَ رَوَايَةِ
 أَوْلَادِ رُكَانَتِهِ أَنَّ طَلَاقَ "رُكَانَتِهِ كَانَ وَاحِدَةً" وَبِاللَّهِ التَّوْفِيقُ (سنت کبریٰ پہلی جلد ۷ صفحہ ۳۳۹) ہم پہلے باب میں عرض
 کر چکے ہیں کہ ابورکانہ نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا تھا کہ یا حبیب اللہ ﷺ میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی اور نبی ﷺ نے اس پر قسم بھی لی تھی
 تب انہیں رجوع کا حکم دیا۔ امام نووی نے فرمایا کہ ابورکانہ کی تین طلاقیں کی روایت ضعیف ہے اور مجہول لوگوں سے مروی ہے۔ ان کی طلاق کے متعلق
 صرف وہی روایت صحیح ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے طلاق بتہ دی تھی۔ اور لفظ بتہ میں ایک کا بھی احتمال ہوتا ہے اور تین کا بھی۔ شاید تین
 طلاق کے ضعیف راوی نے سمجھا کہ بتہ تین طلاق کو کہتے ہیں۔ اس لئے بجائے بتہ کے تین کی روایت بالمعنی کر گیا۔ جس میں اس نے سخت غلطی کی
 عبارت یہ ہے وَأَمَّا بِالرَّوَايَةِ الَّتِي رَوَاهَا الْمُخَالِفُونَ أَنَّ رُكَانَتَهُ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَجَعَلَهَا وَاحِدَةً فَرَوَايَتُهُ
 ضَعِيفَةٌ عَنْ قَوْمٍ مَجْهُولِينَ وَإِنَّمَا الصَّحِيحُ مِنْهَا مَقْدَمُ أَنَّهُ طَلَّقَهَا الْبَتَّةَ وَلَفْظُ الْبَتَّةِ مُحْتَمَلٌ
 لِلْوَاحِدَةِ وَالثَّلَاثِ وَلَعَلَّ صَاحِبَ هَذَا الرَّوَايَةِ الضَّعِيفَةِ اعْتَقَدَ أَنَّ لَفْظَ الْبَتَّةِ ثَلَاثٌ أَفَرَوَاهُ بِالْمَعْنَى
 الَّذِي فَهَمَهُ وَغَلَطَ فِي ذَلِكَ

چوتھا اعتراض سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو بحالت حیض تین طلاقیں اکٹھی دیں تھیں۔ جنہیں حضور ﷺ نے ایک قرار
 دیا اور اس سے رجوع کرنے کا حاکم یہ طلاقیں تین ہی ہوتیں تو رجوع ناممکن ہوتا۔

جواب یہ غلط ہے حق یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو بحالت حیض طلاق ایک ہی دی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں رجوع کا حکم دیا
 کیونکہ طلاق بحالت طہر ہونی چاہیے چنانچہ مسلم شریف جلد اول باب تحریم الطلاق الحائض میں ہے عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ طَلَّقَ
 امْرَأَةً لَهُ وَهِيَ حَائِضٌ "تَطْلِيقَتُهُ وَاحِدَةٌ" فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُرَاجِعَ ثُمَّ يُمَسِّكَهَا حَتَّى تَطْهَرَ
 نیز نووی شریف شرح مسلم باب الثالث میں فرمایا وَ أَمَّا حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ فَرَوَايَاثُ الصَّحِيحَةِ الَّتِي ذَكَرَهَا مُسْلِمٌ وَ
 غَيْرُهُ أَنَّهُ طَلَّقَهَا وَاحِدَةً ان کے متعلق تین کی روایت بالکل ضعیف ہیں۔

پانچواں اعتراض تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۱۴۷ الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ کی تفسیر میں ہے مَعْنَاهُ أَنَّ تَطْلِيقَ "الشَّرْعِيَّةِ يَجِبُ أَنْ
 يَكُونَ تَطْلِيقَةً" عَلَى التَّفْرِيقِ ذَوْنِ الْجَمْعِ وَالْإِسْنَادِ وَهَذَا التَّفْسِيرُ هُوَ قَوْلُ مَنْ قَالَ الْجَمْعُ بَيْنَ
 الثَّلَاثِ حَرَامٌ یعنی طلاق شرعی الگ الگ بغیر جمع کئے دینا واجب ہے یہی ان لوگوں کی تفسیر ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام
 ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک دم تین طلاقیں شرعی طلاق نہیں۔

جواب اس کا کون منکر ہے بیشک طلاقیں الگ الگ ہی دینا ضروری ہیں گفتگو اس میں ہے کہ اگر کوئی اپنی حماقت سے تین طلاقیں اکٹھی دیدے تو
 واقع بھی ہوگی یا نہیں تفسیر کبیر کی اس عبارت میں یہ کہاں ہے کہ تین واقع نہ ہوں گی صرف یہ ہے کہ یہ کام ناجائز ہے۔ کسی چیز کا حرام ہونا اور چیز ہے اور
 اس پر شرعی احکام کا مرتب ہونا کچھ اور۔ رمضان شریف میں دن میں کھانا پینا حرام ہے لیکن اگر کوئی کھا جائے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ زنا حرام ہے
 لیکن اگر کوئی کرے تو اس پر غسل ضرور واجب ہو جائے گا۔ حرمت کا اثر اسباب کی سمیت پر نہیں پڑتا۔

چھٹا اعتراض تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۲۴۷ میں ہے وَهُوَ اخْتِيَارٌ "كَثِيرٌ" مِنْ عُلَمَاءِ الدِّينِ أَنَّهُ لَوْ طَلَّقَهَا اثْنَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا
 لَا يَقَعُ إِلَّا الْوَاحِدَةُ یعنی بہت علماء دین نے یہ بھی اختیار کیا ہے کہ اگر کوئی اکٹھی دو یا تین طلاقیں دیدے اس سے ایک ہی واقع ہوگی۔ معلوم ہوا
 کہ عام علماء اسلام کے نزدیک اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہیں۔

جواب معترض نے یہ نہ بتایا کہ وہ کون سے علماء ہیں جن کا یہ مذہب ہے اور ہم بتائیں وہ علماء ابن تیمیہ اور اسکے وہابی پیروکار ہیں۔ انہیں کا یہ مذہب
 ہے جیسا کہ ہم پہلے باب میں تفسیر صاوی کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں اور ابن تیمیہ اور اسکے تبعین کو علماء کرام نے گمراہ اور گمراہ کر لکھا ہے۔ نیز معترض
 نے تفسیر کبیر کی پوری عبارت نقل نہ کی۔ اس عبارت کے آگے یہ ہے وَالْقَوْلُ الثَّانِي وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ
 وَإِنْ كَانَ مُحَرَّمًا إِلَّا أَنَّهُ يَقَعُ یعنی دوسرا قول امام ابوحنیفہ کا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا اگر چہ منع ہیں۔ لیکن واقع ہو جائیں گی۔ کچھ آگے جا کر
 تفسیر کبیر نے فرمایا کہ آئمہ مجتہدین کا یہی مذہب ہے کہ جسے تین طلاقیں دی جائیں وہ شوہر کے لئے حلال نہیں دیکھو تفسیر کبیر مصری جلد دوم صفحہ ۲۶۵۔

ساقواں اعتراض عقل بھی چاہتی ہے کہ کٹھی تین طلاقیں ایک ہی مانی جائیں کیونکہ جن جن چیزوں کی علیحدگی کا حکم ہے ان کو اکٹھا کر دینا ایک کے حکم میں ہوتا ہے۔ مثلاً لعان میں الگ الگ چار قسمیں کھانا واجب ہے، اور حج میں جمروں پر الگ الگ سات کنکر مارنا واجب ہیں اگر کوئی چاروں میں سے ایک لفظ سے کھائے تو یہ ایک قسم مانی جائے گی کہ تین قسمیں اور کھانی پڑیں گی۔ اگر کوئی ساتوں کنکر ایک دم پھینک دے تو ایک ہی رمی مانی جائیگی اور چھ کنکر اسکے علاوہ مارنے ہوں گے۔ ایسے ہی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں ہزار درود پڑھوں گا اور پھر اس طرح پڑھے **اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَلْفَ مَرَّةٍ** تو اس کا یہ درود ہزار نہ مانا جائے گا بلکہ ایک ہی مانا جائیگا لہذا چاہیے کہ اگر کوئی ایک دم تین طلاقیں دے دے تو ایک ہی واقع ہونہ کہ تین۔

جواب الحمد للہ آپ قیاس کے تو قائل ہوئے اور آپ نے قیاس کرنے کی زحمت گوارا فرمائی مگر جیسے آپ ویسا آپ کا قیاس جناب لعان اور رمی میں فعل مقصود ہے نہ کہ اس کا اثر اور طلاق میں اثر مقصود ہے، نہ کہ محض فعل لہذا یہ قیاس صحیح نہیں۔ لعان کی ہر قسم ایک گواہ کے قائم مقام ہے۔ جب کہ زنا میں گواہیاں چار ہیں تو لعان میں جو اس کا قائم مقام ہے۔ یعنی فعل قسم بھی چار ہی چاہیے۔ بیک لفظ چار قسمیں کھانے میں فعل ایک ہی چونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے رمی میں سات فعل فرمائے ہیں۔ اس کی پیروی چاہیے۔ درود شریف میں ثواب بقدر محنت ملتا ہے ایک ہزار درود کی منت اتنی محنت کی منت ہے اور ظاہر کہ ایک بار **الف مَرَّة** کہہ لینے میں ہزار درود کی محنت نہیں پڑتی۔ لہذا ان کے احکام بھی مختلف، قسم کا مدار عرف پر ہوتا ہے، طلاق کون سا ثواب کا کام ہے۔ تاکہ اس میں زیادہ ثواب ملے۔ غرضیکہ تمام اعتراضات مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہیں ان سب کی بناتن آسانی اور نفس پروری ہے خدا تعالیٰ قرآن وحدیث کی صحیح فہم عطا فرمائے۔ اگر تین طلاقیں سے ایک ہی واقع ہو اور شوہر بیوی سے الگ ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر تینوں واقع ہو جائیں اور بغیر رجوع کر لیا جائے تو عمر بھر حرام کاری ہوگی۔ لہذا احتیاط بھی اسی میں ہے کہ تین طلاقیں تین ہی مانی جائیں اسی لئے علماء اصول فرماتے ہیں کہ اباحت اور حرمت میں جب تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ وَنُوْرٍ غَرِبِهِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ وَالصَّحْبِہِ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِهِ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ

مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفَى وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أُولِي الصِّدْقِ وَالصِّفَا

وجه تصنیف

جاننا چاہیے کہ موجودہ دور بہت فتنہ و فساد کا زمانہ ہے۔ کفر و الحاد بے دینی کی ہوس رہا آندھیاں چل رہی ہیں بد مذہبی لا دینی نئی نئی صورتوں میں نمودار ہو رہی ہے۔ مسلمان کو ایمان سنبھالنا مشکل ہو گیا ہے وہ ہی اس وقت ایمان سنبھال سکتا ہے جو کسی مقبول بارگاہ بندے کے دامن سے وابستہ ہے۔ ان فتنوں میں سے ایک خطرناک فتنہ غیر مقلدیت کا ہے جو اتباع سنت کے پردہ میں نمودار ہوا ہے یہ لوگ اہل حدیث کے نام سے مشہور ہیں۔ اپنے سواء سب کو مشرک سمجھتے ہیں۔ تقلید شخصی کو شرک کہتے ہیں۔

افسوس ہے کہ جسے یہ بھی پتہ نہیں کہ حدیث کیا ہے اور سنت کیا۔ بلکہ جنہیں عربی عبارت پڑھنا نہیں آتی وہ آئین بالجہد و رفع یدین کی چار حدیثیں یاد کر کے اپنے آپ کو امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر سمجھتا ہے۔ فقیر نے اپنی کتاب جاء الحق اول میں مسئلہ تقلید اور ضمیمہ جاء الحق میں بیس رکعت تراویح اور تین طلاق پر معرکتہ الآرا بحث کی جاء الحق میں وعدہ کیا گیا تھا کہ ہم اس کا حصہ دوم بھی تحریر کریں گے۔ بہت عرصہ تک یہ وعدہ پورا کرنے کا موقع نہ ملا۔ پھر بعض احباب کا اصرار ہوا کہ دوسرے حصہ میں غیر مقلد و ہابیوں کی پر زور تردید کی جاوے اور احناف کے دلائل غیر مقلدوں کے دندان شکن جواب دیئے جاویں۔ مگر اس حکم کی تعمیل میں دی ہی ہوتی چلی گئی۔ نیز ہم نے ان مسائل پر اپنے ”فتاویٰ نعیمیہ“ اور حاشیہ بخاری نعیم الباری عربی میں مفصل گفتگو کی خیال تھا کہ اب علیحدہ کتاب لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مگر بزرگوں کا اصرار ہوا کہ ان مسائل پر مستقل کتاب اردو زبان میں لکھی جاوے۔ تو کلا علی اللہ ادھر توجہ کی اس حصہ کا طریقہ وہ ہی ہوگا۔ جو جاء الحق حصہ اول کا ہے۔ کہ ہر مسئلہ علیحدہ باب میں بیان ہوگا۔ اور ہر باب میں دو فصلیں ہوں گی۔ پہلی فصل میں حنفیوں کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے سوالات و جوابات غیر مقلدوں کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مخالف ہر حدیث کو ضعیف کہہ دیتے ہیں۔ اور کسی نہ کسی معقول نام معقول حوالہ کی آڑ لیتے ہیں۔ حالانکہ محدثین کے نزدیک جرح مبہم معتبر نہیں۔ نیز اگر جرح و تعدیل میں مقابلہ ہو تو تعدیل مقدم ہے۔ نیز کسی استاد کے ضعیف ہونے سے متین حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ نیز بعد کا ضعف پہلے والوں کو معتبر نہیں۔ یہ تمام بحثیں ان شاء اللہ مقدمہ کی جائیں گی۔ مگر انہیں ان سے کیا غرض۔ انہیں صرف ضعیف کا سبق یاد ہے ان کے اس ضعیف ضعیف کے رٹ لگانے نے آج مسلمانوں میں منکرین حدیث کر دیئے۔ جو کہنے لگے کہ کسی حدیث کا اعتبار نہیں۔ سب ضعیف ہی ہیں۔ صرف قرآن کو مانو۔

نیز مقام تعجب ہے کہ غیر مقلد ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ وغیرہم کی تقلید کو شرک کہتے ہیں۔ مگر ابن جوزی وغیرہ ناقدین حدیث کے ایسے مقلد ہیں کہ جس حدیث کو وہ ضعیف کہہ دیں۔ آسے بغیر سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے مان لیتے ہیں۔ چونکہ اس وقت یہ فتنہ بڑھ رہا ہے اس لیے فقیر نے ان کے جواب میں قلم اٹھایا۔ قلم تو اٹھا دیا۔ مگر مجھے اپنی بے بضاعتی و کم علمی کا اعتراف و اقرار ہے۔ اپنے رب کریم کے کرم اور اس کے حبیب ﷺ کے فضل پر بھروسہ ہے رب تعالیٰ اس رسالہ کو قبول فرمادے۔ میرے لیے اے کفار یہ سیئات و صدقہ جاریہ بنائے اس کا نام جاء الحق حصہ دوم رکھتا ہوں۔ جو کوئی اس سے فائدہ اٹھائے۔ وہ مجھ فقیر بے نوا کے حسن خاتمہ کی دعا کرے اللہ اسے جزائے خیر دے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

احمد یا خان نعیمی اشرفی بدایونی خطیب جامع

مسجد غوثیہ چوک پاکستان گجرات

یکم ماہ رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ دوم اپریل ۲۰۱۵ء

دوشنبہ مبارکہ

مقدمہ

اصل کتاب کے مطالعہ سے پہلے حسب ذیل قواعد اچھی طرح مطالعہ فرما کر یاد فرمائیں۔ یہ قواعد بہت ہی کارآمد ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱

اسناد کے لحاظ سے حدیث کی بہت قسمیں ہیں مگر ہم صرف تین قسموں کا ذکر کرتے ہیں۔ حدیث صحیح، حدیث حسن، حدیث ضعیف

صحیح وہ حدیث ہے جس میں چار خوبیاں ہوں۔

(۱) اس کی اسناد متصل ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مؤلف کتاب تک کوئی راوی کسی جگہ چھوٹا نہ ہو۔

(۲) اس کے سارے راوی اوّل درجہ کے متقی پرہیزگار ہوں۔ کوئی فاسق یا مستوالحال نہ ہو۔

(۳) تمام راوی نہایت قوی الحافظہ ہوں کہ کسی کا حفظہ بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے کمزور نہ ہو۔

(۴) وہ حدیث شاذ یعنی احادیث مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔

حسن وہ حدیث ہے جس کے کسی راوی میں یہ صفات اعلیٰ درجہ نہ ہوں۔ یعنی کسی کا تقویٰ یا قوت حافظہ اعلیٰ درجہ کا نہ ہو۔

ضعیف وہ حدیث ہے جس کا کوئی راوی متقی یا قوی الحافظہ نہ ہوں۔ یعنی جو صفات حدیث صحیح میں معتبر تھیں اُن میں سے کوئی ایک صفت نہ ہو۔

قاعدہ نمبر ۲

پہلی دو قسمیں یعنی صحیح اور حسن احکام اور فضائل سب میں معتبر ہیں۔ لیکن حدیث ضعیف صرف فضائل میں معتبر ہے۔ احکام میں معتبر نہیں یعنی اس سے حلال و حرام ثابت نہ ہوں گے ہاں اعمال یا کسی شخص کی عظمت و فضیلت ثابت ہو سکتی ہے۔

نتیجہ

ضعیف حدیث جھوٹی یا غلط یا گڑھی ہوئی حدیث کو نہیں کہتے۔ جیسا کہ غیر مقلدوں نے عوام کے ذہن نشین کر دیا ہے کہ لوگوں نے اسے کھا جانے والا ہوا سمجھ رکھا ہے۔ بلکہ محدثین نے محض احتیاط کی بنا پر اس حدیث کا درجہ پہلی دو سے کچھ کم رکھا ہے۔

قاعدہ نمبر ۳

اگر حدیث ضعیف کسی وجہ حسن بن جاوے تو وہ بھی مطلقاً معتبر ہے۔ اس سے احکام و فضائل سب کچھ ثابت ہو سکتے ہیں۔ حسب ذیل چیزوں سے حدیث ضعیف حسن بن جاتی ہے۔ دو یا زیادہ سندوں سے روایت ہو جانا اگرچہ وہ سب اسنادیں ضعیف ہوں۔ یعنی اگر ایک حدیث چند ضعیف روایتوں سے مروی ہو جاوے تو اب وہ ضعیف نہ رہی حسن بن گئی۔

قاعدہ نمبر ۴

(مرقات، موضوعات کبیر، شامی، مقدمہ مشکوٰۃ شریف، مولانا عبدالحق۔ رسالہ اصول حدیث للبحر جانی اوّل ترمذی شریف وغیرہ)

۲۔ علماء کالمین کے عمل سے ضعیف حدیث حسن بن جاتی ہے۔ یعنی اگر حدیث ضعیف پر علماء دین عمل شروع کر دیں تو وہ ضعیف نہ رہے گی حسن ہو جاوے گی اس ہی لیے امام ترمذی فرمادیتے ہیں۔

هَذَا الْحَدِيثُ غَرِيبٌ ضَعِيفٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ ”یہ حدیث ہے تو غریب یا ضعیف مگر اہل علم کا اس پر عمل ہے۔“

ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حدیث ہے تو ضعیف ناقابل عمل مگر علماء امت نے بیوقوفی سے عمل کر لیا اور سب گمراہ ہو گئے۔ بلکہ مطلب یہ ہی ہے کہ حدیث روایتیہ کے لحاظ سے ضعیف تھی۔ مگر علماء امت کے عمل سے قوی ہو گئی۔

۳۔ علماء کے تجربہ اور اولیاء کے کشف سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے شیخ محی الدین بن عربی ایک حدیث سنیں تھی کہ جو ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھے۔ اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ ایک جوان نے کہا کہ میں اپنی مری ہوئی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ شیخ نے ستر ہزار بار کلمہ پڑھا ہوا تھا۔ اپنے دل میں اس کی ماں کو بخش دیا دیکھا کہ جوان ہنس پڑا اور بولہ کہ اپنی ماں میں جنت میں دیکھتا ہوں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت اس ولی کے کشف سے معلوم کی (صحیح البہاری) تخذیر الناس مصنفہ مولانا محمد قاسم میں یہی واقعہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کا نقل فرمایا۔

قاعدہ نمبر ۵

اسناد کے ضعف سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ لہذا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث ایک اسناد میں ضعیف ہو دوسری اسناد میں حسن ہو تیسری میں صحیح اسی لیے امام ترمذی ایک حدیث کے متعلق فرمادیتے ہیں۔

هَذَا الْحَدِيثُ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ ”یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی ہے غریب بھی۔“

ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ ہی ہوتا کہ یہ حدیث چند سندوں سے مروی ہے ایک اسناد حسن ہے دوسری سے صحیح تیسری سے غریب۔

قاعدہ نمبر ۶

بعد کا ضعف اگلے محدث یا مجتہد کے لئے معتبر نہیں۔ لہذا اگر ایک حدیث امام بخاری یا ترمذی کو ضعیف ہو کر ملی ہو۔ کیونکہ اس میں ایک راوی ضعیف شامل ہو گیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہی حدیث امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو سند صحیح سے ملی ہے۔ آپ کے زمانہ تک وہ ضعیف، راوی اس کی اسناد میں شامل نہ ہوا۔ لہذا کسی وہابی کو یہ ثابت کرنا آسان نہیں کہ یہ حدیث امام اعظم کو ضعیف ہو کر ملی۔

ایک دفعہ ایک وہابی غیر مقلد سے قرآنہ خلف الامام پر ہماری معمولی گفتگو ہوئی۔ ہم نے یہ حدیث پیش کی۔

قِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ، قِرَاءَةٌ ”امام کی قرأت مقتدی کی قراءت ہے۔“

وہابی جی بولے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی اسناد میں جابر جہنی ہے۔ جو ضعیف ہے ہم نے پوچھا کہ جابر جہنی کب پیدا ہوتا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ضعیف ہے۔ تڑپ کر بولے ۳۳۵ھ میں ہم نے کہا کہ جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا تھا تب جابر اپنے باپ کی پشت میں بھی نہ آئے تھے۔ کیونکہ امام اعظم کی ولادت ۸۰ھ ہجری میں ہوئی اور وفات ۱۵۰ھ میں لہذا اس وقت یہ حدیث بالکل صحیح تھی۔ بعد کے محدثین کو ضعیف ہو کر ملی وہابی صاحب سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔ بغیر جواب دیئے فوت ہو گئے۔

لہذا حنفی علماء کو خیال رکھنا چاہئے کہ وہابی کو ضعیف ضعیف کہنے سے روکیں۔ وجہ ضعیف پوچھیں پھر یہ تحقیق کریں کہ ضعف امام اعظم سے پہلے کا ہے یا بعد کا ان شاء اللہ وہابی جی پانی مانگ جائیں گے اور ضعیف کا سبق بھول جائیں گے۔ کیونکہ امام اعظم کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریب ہے۔ اس وقت حدیثیں بہت کم ضعیف تھیں امام صاحب تابعی ہیں۔

قاعدہ نمبر ۷ جرح مبہم قابل قبول نہیں یعنی کسی ناقد حدیث خصوصاً ابن جوزی وغیرہ کا یہ کہہ دینا کہ فلاں حدیث یا راوی ضعیف ہے غیر معتبر ہے۔ جب تک یہ نہ بتائے کہ کیوں ضعیف ہے۔ اور اس راوی میں کیا ضعف ہے۔ کیونکہ وجہ ضعف میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ ایک چیز کو بعض عیب سمجھتے ہیں۔ بعض نہیں۔ دیکھو تالیس۔ ارسال۔ گھوڑے دوڑانا۔ مذاق۔ نو عمری۔ فقہ میں مشغولیت کو بعض لوگوں نے راوی کا عیب جانا ہے۔ مگر خفیوں کے نزدیک ان میں سے کچھ بھی عیب نہیں۔ (نور الانوار بحث طعن علی الحدیث)

قاعدہ نمبر ۸ اگر جرح و تعدیل میں تعارض ہو تو تعدیل قبول ہے نہ کہ جرح یعنی ایک راوی کو محدث نے ضعیف کہا کسی نے اسے قوی فرمایا۔ بعض تواریخ سے اس کا فسخ ثابت ہوا بعض نے فرمایا وہ متقی صالح تھا تو اسے متقی مانا جاوے گا۔ اور اس کی روایت ضعیف نہ ہوگی۔ کیونکہ مومن میں تقویٰ اصل ہے۔

قاعدہ نمبر ۹ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا ضعیف ہونا لازم نہیں۔ لہذا اگر کوئی محدث کسی حدیث کے متعلق یہ فرمادیں کہ یہ صحیح نہیں اس کے معنی یہ نہیں کہ ضعیف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث حسن ہو۔ صحیح و ضعیف کے درمیان بہت درجے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۰ صحیح حدیث کا دار و مدار مسلم بخاری یا صحاح ستہ پر نہیں صحاح ستہ پر نہیں صحیح ستہ کو صحیح کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی ساری حدیثیں صحیح حدیثیں زیادہ ہیں۔ ہمارا ایمان حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ نہ کہ محض بخاری و مسلم وغیرہ پر حضور ﷺ کی حدیث جہاں سے ملے ہمارے سر آنکھوں پر ہے بخاری میں ہونہ ہو تعجب ہے۔ غیر مقلدوں پر کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کو شرک قرار دیتے ہیں۔ مگر مسلم بخاری پر ایسا ایمان رکھتے ہیں اور ان کی ایسی اندھی تقلید کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔

قاعدہ نمبر ۱۱ کسی عالم فقیہ محدث کا کسی حدیث کو بغیر اعتراض قبول کر لینا اس حدیث کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔ اگر کوئی فقیہ عالم مجتہد ضعیف حدیث کو قبول فرمادے تو اس سے وہ ضعیف حدیث قوی ہو جاوے گی۔ ولی الدین محمد ابن عبد اللہ خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ خطبہ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

وَإِنِّي إِذَا أَسْنَدْتُ الْحَدِيثَ إِلَيْهِمْ كَأَنِّي أَسْنَدْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

”میں نے جب حدیث کو ان محدثین کی فرط منسوب کر دیا تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی منسوب کر دیا۔“

ان قواعد سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے۔ ان میں کوئی ضعیف نہیں ہو سکتی کہ ان پر امت کا عمل ہے ان کو علماء فقہاء نے قبول فرمایا ہے ان میں سے ہر حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے۔ فقیر حقیر ان شاء اللہ ہر مسئلہ پر اتنی حدیثیں پیش کرے گا۔ جن سے کوئی حدیث ضعیف نہ کہی جاسکے کیوں کہ اسنادوں کی کثرت ضعیف کو حسن بنا دیتی ہے۔ احمد یار خاں

قاعدہ نمبر ۱۲ اگر حدیث و قرآن میں تعارض نظر آئے تو حدیث کے معنی ایسے کرنے چاہئیں جس سے دونوں میں موافق ہو جاوے تعارض جاتا رہے ایسے ہی اگر حدیثیں آپ میں مخالف معلوم ہوں تو ان کے ایسے معنی کرنے لازم ہیں کہ مخالف نہ رہے اور سب پر عمل ہو جاوے اس کی مثال یہ ہے کہ رب فرماتا ہے۔

فَاقْرَأْ وَ مَا تيسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ”جس قدر قرآن مجید آسان ہو نماز میں پڑھ لو۔“

لیکن حدیث شریف میں ہے۔

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ”جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔“

یہ حدیث اس آیت کی مخالف معلوم ہوتی ہے لہذا حدیث کے معنی یہ کرو کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی۔ مطلقاً قراءت نماز میں فرض ہے اور

سورہ فاتحہ پڑھنا واجب تعارض اُٹھ گیا اور قرآن وحدیث دونوں پر عمل ہو گیا۔ نیز رب فرماتا ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ، وَأَنْصِتُوا ”جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو۔“

لیکن حدیث شریف میں ہے

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ”جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔“

یہ حدیث اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ قرآن مطلقاً خاموشی کا حکم دیتا ہے اور حدیث شریف مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتی ہے۔ لہذا یہ مانو کہ قرآن کا حکم مطلق ہے۔ اور حدیث شریف کا حکم اکیلے نمازی یا امام کے لئے ہے۔ مقتدی کے لئے امام کا پڑھ لینا کافی ہے کہ یہ اس کی حکمی قرأت ہے، غرض کہ یہ قاعدہ نہایت اہم ہے اور اگر کوئی حدیث آیت قرآنی کے یا اپنی سے اوپر والی حدیث کے ایسے مخالف ملے کہ کسی طرح مطابقت ہو ہی نہ سکے تو پھر قرآن کریم یا اس سے اوپر والی حدیث کو ترجیح ہوگی اور یہ حدیث قابل عمل نہ ہوگی۔ یہ حدیث منسوخ مانی جاوے گی۔ یا حضور ﷺ کی خصوصیت میں سے شمار ہوگی۔ اسکی بہت مثالیں ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۳ حدیث کا ضعیف ہو جانا غیر مقلدوں کے لئے قیامت ہے۔ کیونکہ ان کے مذہب کا دار و مدار ان روایتوں پر ہی ہے۔ روایت ضعیف ہوئی تو ان کا مسئلہ بھی فنا ہوا۔ مگر حنفیوں کے لئے کچھ مضرت نہیں۔ کیونکہ حنفیوں کے دلائل یہ روایتیں نہیں ان کی دلیل صرف قول امام ہے۔ قول امام کی تائید یہ روایتیں ہیں۔ ہاں امام کی دلیل قرآن وحدیث ہیں۔ مگر امام صاحب کو جب حدیثیں ملیں تو صحیح تھیں کہ ان کی اسنادیں یہ نہ تھیں جو مسلم بخاری کی ہیں اگر پولیس ملزم کو جیل میں دیدے تو پولیس کی دلیل حاکم کا فیصلہ ہے نہ کہ تعزیرات ہند کے دفعات ہاں حاکم کی دلیل یہ دفعات ہیں یہ بات یاد رکھو۔ تقلید اللہ کی رحمت ہے غیر تقدیریت رب کا عذاب۔

حصہ دوم

پہلا باب

کانوں تک ہاتھ اٹھانا

نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت مردوں کو کانوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے مگر وہابی غیر مقلد عورتوں کی طرح کندھوں سے انگوٹھے چھو کر ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ لہذا ہم اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے خفیوں کے دلائل۔ دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے اعتراضات و جوابات۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

پہلی فصل

کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی بہت سی احادیث ہیں جن میں سے ہم چند پیش کرتے ہیں۔
حدیث نمبر ۱ تا ۳ بخاری، مسلم، طحاوی نے مالک ابن حویرث سے روایت کی۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَادِثَ أُذُنَيْهِ وَفِي لَفْظٍ حَتَّى يُحَادِثَ بِهِمَا فَرَفَعَ أُذُنَيْهِ
”حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کانوں تک اٹھاتے دیگر الفاظ یہ ہیں کہ کانوں کی لو تک اٹھاتے۔“

حدیث نمبر ۴ ابوداؤد شریف میں حضرت براء ابن عازب سے روایت ہے۔

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى قَرِيبٍ مِنْ أُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَعُودُ.
”میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کان کے قریب تک اٹھاتے۔ پھر رفع یدین نہ فرماتے۔“
حدیث نمبر ۵ مسلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ قَالَ أَحَدُ الرُّوَاةِ جِبَالُ أُذُنَيْهِ ثُمَّ التَّحَفَّ ثَوْبِيهِ.
”انہوں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ حضور جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے۔ ایک راوی نے فرمایا کہ اپنے کانوں کے مقابل پھر کپڑے میں ہاتھ چھپا لیے۔“

حدیث نمبر ۶ تا ۸ بخاری، ابوداؤد، نسائی نے حضرت ابوقلابہ سے روایت کی۔

أَنَّ مَالِكَ ابْنَ حُوَيْرِثٍ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا كَبَّرَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ حَتَّى يَبْلُغَ فَرْوُعَ أُذُنَيْهِ
”مالک ابن حویرث نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ہاتھ شریف اٹھاتے تھے جب تکبیر تحریمہ فرماتے اور جب رکوع سے سر شریف اٹھاتے یہاں تک کہ ہاتھ کانوں کی لو تک پہنچ جاتے۔“

حدیث نمبر ۹ تا ۱۲ امام احمد۔ اسامہ ابن راہیہ۔ دارقطنی۔ فحوی نے براء ابن عازب سے روایت کی۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى تَكُونِ ابْهَامَاهُ حَدَاءَ أُذُنَيْهِ
”جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کے مقابل ہو جاتے۔“

حدیث نمبر ۱۳ تا ۱۵ حاکم نے مستدرک میں دارقطنی اور بیہقی نے نہایت صحیح اسناد سے جو بشرط مسلم و بخاری ہے۔ حضرت انس سے روایت کی۔

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فَحَادَى بِأَبْهَامَيْهِ أُذُنَيْهِ

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے تکبیر کہی اور اپنے انگوٹھے اپنے کانوں کے مقابل کر دیے۔“

حدیث نمبر ۱۶ تا ۱۷ عبد الرزاق اور طحاوی نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ لَفْتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يَكُونَ ابْهَامَاهُ قَرِيبًا مِنْ سَحْمَةِ أُذُنَيْهِ
”جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرمانے کیلئے تکبیر فرماتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کی گدیہ کے مقابل ہو جاتے۔“

حدیث نمبر ۱۸ ابو داؤد نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى كَانَتْ بِجَبَالِ مُنْكَبَيْهِ وَحَاضِي بَابِهَا مِيَهُ أُذُنِيهِ

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک کہ ہاتھ شریف تو کندھوں کے اور انگوٹھے کانوں کے مقابل ہو گئے۔“

حدیث نمبر ۱۹ دارقطنی نے حضرت براء، عازب سے روایت کی۔

أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ افْتَتَحَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَذَا بِهِمَا أُذُنِيهِ ثُمَّ لَمَقَ يَعْدُ إِلَى شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ حَتَّى فَرَغَ مِنْ صَلَوَتِهِ

”انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ نے نماز شروع کی تو اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک کہ انہیں کانوں کے مقابل فرمادیا۔ پھر نماز سے فراغت تک ہاتھ نہ اٹھائے۔“

حدیث نمبر ۲۰ طحاوی شریف نے ابو حمید ساعدی سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ لِأَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَذَاءَ وَجْهِهِ

”وہ حضور علیہ السلام کے صحابہ سے فرمایا کرتے تھے۔ کہ تم سب سے زیادہ حضور کی نماز کو میں جانتا ہوں۔ آپ کھڑے ہوتے نماز میں تو تکبیر فرماتے اور اپنے ہاتھ مبارک چہرے شریف کے مقابل تک اٹھاتے۔“

کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی اور بہت احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ صرف بیس حدیثوں پر کفایت کرتا ہوں۔ اگر زیادہ مطلوب ہوں تو کتب احادیث خصوصاً صحیح البہاری شریف کا مطالعہ کرو کہ اس جیسی کتاب حنفی مذہب کی تائید میں احادیث کی جامع آج تک نہ دیکھی گئی۔

عقلی دلائل عقل بھی چاہتی ہے۔ کہ نماز شروع کرنے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھائے جائیں کیونکہ نمازی نماز شروع کرتے وقت عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔ اور دنیاوی جھگڑوں سے بیزار و بے تعلق ہوتا ہے۔ کھانا پینا بولنا ادھر ادھر دیکھنا سب کو اپنے پر حرام کر لیتا ہے۔ گویا دنیا سے نکل کر عالم بالا کی سیر کرتا ہے۔ اور اعراف میں جب کسی چیز سے توبہ یا بیزارگی کراتے ہیں تو کانوں پر ہاتھ رکھواتے ہیں۔ کندھے نہیں پکڑواتے گویا نمازی قول سے نماز شروع کرتا ہے۔ اور اپنے عمل سے کانوں پر ہاتھ رکھ کر دنیا سے بیزار ہوتا ہے۔ ایسے موقعہ پر کندھے پکڑنا بالکل ہی خلاف عقل ہے۔ جسے سجدے میں مسلمان زبان سے تو رب تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اقرار کرتا ہے اور سر زمین پر رکھ کر اپنے عجز و نیاز کا اظہار ایسے ہی شروع نماز کے وقت ایک جز کا اقرار زبان سے ہے دوسری جز کا اظہار عمل سے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

غیر مقلدین کے پاس اس مسئلہ پر دو اعتراض ہیں جو ہر جگہ پیش کرتے ہیں۔

اعتراض ۱ مسلم و بخاری نے حضرت ابو حمید ساعدی سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں الفاظ یہ ہیں۔

إِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حَذَاءَ مُنْكَبَيْهِ

”حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ شریف کندھوں کے مقابل کرتے تھے۔“

انہی مسلم و بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ نقل کیے۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذَوِ مُنْكَبَيْهِ

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک کندھوں کے مقابل کرتے تھے۔“

یہ حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے معلوم ہوا کہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے اور کانوں تک ہاتھ اٹھانا خلاف سنت۔

جواب یہ احادیث حنفیوں کے بالکل خلاف نہیں کیونکہ کانوں سے انگوٹھے لگنے میں ہاتھ کندھوں تک ہو جائیں گے۔ اور دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے گا۔ لیکن کندھوں تک انگوٹھے لگانے میں ان احادیث پر عمل نہ ہو سکے گا۔ جن میں کانوں تک کا ذکر ہے۔ حنفی مذہب دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل کرتا ہے۔ وہابی مذہب ایک قسم کی حدیثیں چھوڑ دیتا ہے۔ لہذا حنفی جامع ہیں۔

بلکہ حدیث نمبر ۱۸ میں اس کی تصریح گزر گئی۔ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ شریف ایسے اٹھاتے تھے کہ ہاتھ تو کندھوں تک ہوتے تھے اور انگوٹھے

کانوں تک لہذا نہ احادیث متعارض ہیں نہ ان دونوں حدیثوں کا جمع کرنا مشکل صرف تمہاری سمجھ میں پھیر ہے۔

سارے غیر مقلدوں کو عام اعلان ہے کہ کوئی مرفوع حدیث ایسی دکھاؤ جس میں یہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے انگوٹھے کا ندھوں تک اٹھاتے۔ جہاں کا ندھوں کا ذکر ہے وہاں ہاتھ ارشاد ہوا اور جہاں کانوں کا ذکر ہے وہاں انگوٹھا فرمایا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ کا ندھوں تک ہاتھ اسی طرح اٹھتے تھے کہ انگوٹھے کانوں تک پہنچ جاتے تھے۔

اعتراض ۲ کانوں کی جتنی احادیث آپ نے پیش کیں۔ وہ سب ضعیف ہیں۔ لہذا قابل عمل نہیں۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ وہابی غیر مقلد اپنی عادت سے مجبور ہیں کہ اپنے مخالف حدیثوں کو بلا وجہ ضعیف کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم نے اسی سلسلہ میں مسلم و بخاری کی احادیث بھی پیش کی ہیں۔ جن پر تمہارا پختہ ایمان ہے۔ تیسرے یہ کہ ضعیف حدیث جب کئی اسنادوں سے منقول ہو تو قوی اور حسن بن جاتی ہے۔ کمزور تنکے مل کر مضبوط رستی بن جاتے ہیں۔ تو کمزور اسنادیں مل کر تین حدیث کو قوی کیسے نہ کریں گی۔ دیکھو اسی کتاب کا مقدمہ چوتھے یہ کہ ان احادیث پر امت کے علماء اولیاء صالحین نے عمل کیا ہے۔ امت کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ پانچویں یہ کہ اگر یہ احادیث ضعیف بھی ہوں تب بھی امام اعظم ابو حنیفہ جیسی ہستی کا اسے قبول کرنا ہی قوی بنا دے گا۔ کیونکہ عالم صالح کا قبول کر لینا ضعیف حدیث کو قوی کر دیتا ہے۔ چھٹے یہ کہ آپ کا ان احادیث کو ضعیف کہہ دینا جرح مجہول ہے جو کسی طرح قابل قبول نہیں کیونکہ اس میں وجہ ضعف نہ بتائی گئی کہ کیوں ضعیف ہے۔ ساتویں یہ کہ اگر محدثین کو یہ احادیث ضعیف ہو کر ملیں تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس کا اثر نہیں ہو سکتا کیوں کہ ان کے وقت میں ضعیف راوی اسنادوں میں شامل ہی نہیں ہوئے تھے۔ بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضرت نہیں وہابیوں کے اس مایہ ناز اعتراض کے ٹکڑے

اڑ گئے۔ **الحمد لله رب العالمین۔**

دوسرا باب

ناف کے نیچے ہاتھ باندھا سنت ہے

غیر مقلدین وہابی نماز میں سینے پر یعنی ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے ہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے دلائل۔ دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات و جوابات۔

پہلی فصل

نماز میں مرد کو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ سینے پر ہاتھ باندھنا سنت کے خلاف ہے۔ اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں ہم صرف چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱ عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ تَهْتَ الشُّرَّةَ رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ بِمُسْنَدٍ صَحِيحٍ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ

”حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا ناف کے نیچے یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے صحیح اسناد سے نقل کی۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔“

حدیث نمبر ۲ ابن شاہین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ ثَلَاثٌ مِنْ أَخْلَاقِ النَّبَوَةِ تَعْجِيلُ الْإِفْطَارِ وَتَاخِيرُ السُّحُورِ وَوَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ تَحْتَ الشُّرَّةِ

”تین چیزیں نبوت کی عادات سے ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا، سحری دیر کرنا، نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔“

حدیث نمبر ۳ ابوداؤد شریف نسخہ ابن اعرابی میں حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ أَبُو وَائِلٍ أَخَذَا الْكَفَّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ الشُّرَّةِ

”ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا چاہیے۔“

حدیث نمبر ۴، ۵ دارقطنی اور عبد اللہ ابن احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ فِي الصَّلَاةِ وَضْعُ الْكَفِّ وَفِي رِوَايَةٍ وَضْعُ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ الشُّرَّةِ

”نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اور ایک روایت میں ہے داہنا ہاتھ بائیں پر رکھنا ناف کے نیچے سنت ہے۔“

حدیث نمبر ۶، ۹ ابوداؤد نسخہ ابن اعرابی، احمد، دارقطنی اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

إِنَّهُ قَالَ السُّنَّةُ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ تَحْتَ الشُّرَّةِ

”ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے۔“

حدیث نمبر ۱۰ رزین نے حضرت ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ فِي الصَّلَاةِ وَضْعُ الْكَفِّ وَفِي رِوَايَةٍ وَضْعُ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ الشُّرَّةِ

”نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھے۔“

حدیث نمبر ۱۱ امام محمد نے کتاب الآثار شریف میں ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى الْعِدَةِ الْيُسْرَى تَحْتَ الشُّرَّةِ

”آپ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۲ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ يَضَعُ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ تَحْتَ الشُّرَّةِ

”آپ نے فرمایا کہ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔“

حدیث نمبر ۱۳ ابن حزم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهُ قَالَ مِنْ اَخْلَاقِ النَّبُوَّةِ وَضَعُ الْيَمِيْنِ عَلٰى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ

”آپ نے فرمایا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا نبوت کے اخلاق میں سے ہے۔“

حدیث نمبر ۱۴ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے حجاج ابن حستان سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ اَبَا مُجَلِّزٍ وَسَالَتْهُ، قُلْتُهٖ، كَيْفَ يَصْنَعُ قَالَ يَضَعُ بَاطِنَ كَفِّهِ يَمِيْنَهُ عَلٰى ظَاهِرِ كَفِّ شِمَالِهٖ وَ يَجْعَلُهُمَا اَسْفَلَ مِنَ السُّرَّةِ اسْنَادُهُ جَيِّدٌ وَرَوَاتُهُ، كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ

”میں نے ابوجلز سے پوچھا کہ نماز میں ہاتھ کیسے رکھے آپ نے فرمایا کہ اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے ناف کے نیچے اس کی اسناد بہت قوی ہے اور سارے راوی ثقہ ہیں۔“

اس کے متعلق اور بہت حدیثیں پیش کی سکتی ہیں۔ صرف چودہ پر قناعت کرتا ہوں۔ اس کی تحقیق دیکھ۔ صحیح البہاری اور فتح القدیر میں۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ رکھے۔ کیونکہ غلام آقا کے سامنے ایسے ہی کھڑے ہوتے ہیں۔ نماز میں چونکہ بندہ رب کی بارگاہ میں حاضری دیتا ہے۔ لہذا ادب سے کھڑا ہونا چاہیئے۔ غیر مقلد جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو پتہ نہیں لگتا کہ مسجد میں کھڑے ہیں یا اکھاڑے میں۔ نیاز مندی کے لئے کھڑے ہیں یا کشتی لڑنے ختم ٹھونک کر۔

اللہ کے بند و جب رکوع میں ادب کا اظہار سجدہ میں ادب۔ التحیات میں ادب اور نیاز مندی کا لحاظ ہے تو قیام میں اکڑ کر خم ٹھونک کر بے ادبی سے پہلوانوں کی طرح کپوں کھڑے ہوتے ہو یہاں بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر غلاموں کی طرح کھڑے ہو۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے غیر مقلدوں کے پاس ایک مرفوع صحیح حدیث مسلم بخاری کی نہیں۔ جس میں مردوں کو سینے پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا ہو۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات میں

اعتراض نمبر ۱ ابوداؤد شریف میں ابن جریر رضی نے اپنے والد سے روایت کی۔

قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا يُمَسِّكُ شِمَالَهُ، بِيَمِيْنِهِ عَلٰى الرَّسِّعِ فَوْقَ السُّرَّةِ

”میں نے حضرت علی مرتضیٰ کو دیکھا کہ آپ نے بایاں ہاتھ داہنے ہاتھ سے کلائی پر پکڑا ناف کے اوپر۔“

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ آپ نے ابوداؤد شریف کی یہ حدیث پوری نہیں لکھی۔ اس کے بعد مفصل یہ ہے۔ (نسخہ ابن اعرابی)

قَالَ اَبُو دَاوُدَ رَوٰى عَنْهُ سَعِيْدُ ابْنِ جُبَيْرٍ السُّرَّةِ وَقَالَ اَبُو جَلَادٍ تَحْتَ السُّرَّةِ وَرَوٰى عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ

وَلَيْسَ بِالْقَوِيَّ ”ابوداؤد نے فرمایا کہ سعید ابن جبیر سے ناف کے اوپر کی روایت ہے۔ ابوجلاد نے ناف کے نیچے کی روایت کی۔ ابو ہریرہ سے بھی روایت ہے مگر یہ کچھ قوی نہیں۔

نوٹ ضروری: زیر ناف یا ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کی احادیث مروجہ ابوداؤد کے نسخوں میں نہیں ابن اعرابی والے ابوداؤد کے نسخوں میں موجود ہیں۔ جیسا کہ حاشیہ ابوداؤد میں اس کی تصریح ہے اسی نسخے سے فتح القدیر اور صحیح البہاری نے روایت کیں۔

بہر حال آپ کی پیش کردہ ابوداؤد کی حدیث میں تعارض واقع ہو گیا۔ اور ان تمام متعارض روایتوں کو خود ابوداؤد نے ضعیف فرمایا تعجب ہے کہ آپ ابو داؤد کی ضعیف حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جب حدیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ زیر ناف والی احادیث قابل عمل ہوں۔ کیونکہ سجدہ۔ رکوع۔ التحیات کی نشست سب میں ادب ملحوظ ہے تو چاہیئے کہ قیام میں بھی ادب ہی کا لحاظ رہے۔ زیر ناف ہاتھ باندھنا ادب ہے سینے پر ہاتھ رکھنا بے ادبی گویا کسی کوششی کی دعوت دینا ہے۔ رب کو زور نہ دکھاؤ وہاں زاری کرو۔

اعتراض نمبر ۲ آپ کی پیش کردہ احادیث ضعیف ہیں اور ضعیف سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔

جواب ضعیف ضعیف کی رٹ لگانا آپ بزرگوں کی پرانی عادت ہے۔ اس کے ساتھ جواب ہم باب اول کی دوسری فصل میں دے چکے ہیں۔ کہ جو روایت چند اسنادوں سے مروی ہو جاوے وہ ضعیف نہیں رہتی۔ ہم نے دس اسنادیں پیش کی ہیں۔ نیز امت کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ نیز امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر امام کے قبول فرمالینے سے ان کا ضعف جاتا رہا۔ نیز ان میں اگر ضعف ہے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد پیدا ہوا بعد کا ضعف امام اعظم کو معز کیوں ہوگا۔ وغیرہ۔

لطیفہ ہم نے چھ رمضان المبارک دو شنبہ کو حافظ الہی بخش صاحب سکنہ جمال پور گجرات کو فخر اہل حدیث مولانا حافظ عنایت اللہ صاحب مقیم گجرات کی خدمت عریضہ دے کر بھیجا۔ جس میں اُن سے درخواست کی کہ براہ مہربانی سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث مع حوالہ تحریر فرما کر ارسال فرمائیے۔ ہمارا خیال تھا کہ چونکہ حافظ مولانا عنایت اللہ صاحب اہل حدیث کے چوٹی کے مایہ ناز عالم ہیں وہ ضرور مسلم و بخاری یا صحاح ستہ سے اس کے متعلق بے شمار احادیث نقل فرما کر بھیجیں گے۔ جو آج تک ہم نے دیکھی بھی نہ ہوں گی۔ مگر مولانا موصوف کی طرف سے جو جواب آیا وہ سینے اور سر دھینے۔ ایک انچ پرچہ پر ایک سطر لکھی تھی۔ جس میں یہ تھا۔

بلوغ المرام صہ ۱۲ **عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ أَنَّهُ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى عَلَى صَدْرِهِ**

”وائِل ابن حجر سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ پس آپ نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر اپنے سینے پر رکھا۔“

اور مولانا موصوف نے زبانی یہ ارشاد کہا بھیجا کہ تفسیر قادری اردو میں بھی لکھا ہے کہ **فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ** کے معنی یہ ہیں کہ ”آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور نحر یعنی سینے پر نماز میں ہاتھ رکھیں۔“

یہ جواب دیکھ کر اور سن کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی ہمیں صرف یہ افسوس ہے کہ یہ اکابر ہم سے ہر مسئلہ میں مسلم بخاری کی حدیث کا مطالبہ فرماتے ہیں اور صحاح ستہ سے باہر نہیں نکلنے دیتے اور جب اپنی باری آتی ہے تو ایسی روایت پر قناعت فرماتے ہیں جس کا سر تا پاؤں نا کوئی اس کی سند نہ کسی مستند کتاب کا حوالہ حافظ بخش نے ہمیں بتایا کہ بلوغ المرام کوئی تیس چالیس ورق کا رسالہ ہے۔ جس میں سے یہ حدیث مولوی صاحب نے نقل فرمادی۔ اگر کسی مسئلہ پر ہم ایسے رسالہ سے کوئی حدیث نقل کرتے تو قیامت آجاتی بخاری مسلم کا مطالبہ ہوتا۔

اول تو یہ نہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ ضعیف ہے یا کیسی ہے۔ اگر مان لو کہ حدیث صحیح ہے تو حدیث میں بھی ذکر نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سینے پر ہاتھ رکھا بلکہ موضع کی ت عاطفہ تعقیبہ سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد کسی حاجت سے سینے مبارک پر ہاتھ رکھے۔

رب فرماتا ہے۔ **فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا** ”جب تم کھانا کھاؤ تو چلے جاؤ۔“

اس کا مطلب یہ نہیں کہ کھانے کے دوران میں روٹی ہاتھ میں لئے چلے جاؤ۔ اس صورت میں یہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہ ہوگی۔ پھر اس حدیث میں اس کا طریقہ مذکور نہ ہوا کہ آیا عورتوں کی طرح سینہ پر ہاتھ رکھے یا پہلو انوں کی طرح لہذا حدیث مجمل ہے۔ قابل عمل نہیں

آیت کریمہ کے متعلق صرف یہ گزارش ہے کہ **وَالنَّحْر** کے اٹھوتے معنی نہ کسی مرفوع صحیح، حدیث میں آئے نہ جمہور مفسرین نے بیان فرمائے۔ سب یہ ہی معنی کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ کیلئے نماز پڑھو اور قربانی کرو اور حوالہ کیسی بڑی معتبر تفسیر کا دیا۔ تفسیر قادری اردو جل جلالہ اگر بغرض محال مان لو۔ تو اہل حدیث حضرات کو چاہئے کہ اب سے نماز میں بجائے سینے کے گلے پر ہاتھ رکھا کریں کیونکہ حُر گلے کے آخری حصے کو کہتے ہیں۔ جو سینے سے متصل اوپر کی جانب ہے قربانی کو حُر اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں ذبح کے وقت جانور کا گلا چیرا جاتا ہے۔ نہ کہ سینہ۔ لہذا اب ان بزرگوں کو ترقی کر کے سینے سے اوپر گلا پکڑنا چاہیے۔

بہر حال ہم کو مولانا موصوف کے جواب پر سخت افسوس ہوا۔ اور ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان بزرگوں کے پاس سینے پر ہاتھ رکھنے کی کوئی حدیث مسلم، بخاری یا صحاح ستہ کی موجود نہیں ان بچاروں کو صحاح ستہ کی حدیث صحیحہ کی ملتی۔ اس کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف یہ فرمایا۔

وَأَرَى بَعْضَهُمْ أَنَّ يَضَعُهَا قُوْتُ السُّرَّةِ وَرَأَى بَعْضُهُمَا تَحْتَ السُّرَّةِ وَكُلُّ ذَلِكَ وَاسِعٌ عِنْدَهُمْ

”بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ہاتھ ناف کے اوپر رکھے بعض کی رائے یہ ہے کہ ناف نیچے رکھے ان میں سے ہر ایک جائز ہے ان کے نزدیک۔“

اگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کو سینے پر ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث ملتی تو ضرور نقل فرماتے۔ صرف علماء کی رائے کا ذکر نہ فرماتے۔

تیسرا باب

نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا

سنت یہ ہے کہ نمازی سورۃ فاتحہ کے اول **بسم اللہ** شریف آہستہ پڑھے۔ **الحمد للہ** سے قرأت شروع کرے۔ مگر غیر مقلد وہابی **بسم اللہ** بھی اونچی آواز سے پڑھتے ہیں۔ جو بالکل خلاف سنت ہے۔ بسم اللہ آہستہ پڑھنے کے متعلق بہت احادیث شریفہ ہیں جن میں سے یہاں چند پیش کی جاتی ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

حدیث نمبر ۳۵۱ مسلم و بخاری و امام احمد نے حضرت انس سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَلْفَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقْرَأُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

”میں نے نبی کریم ﷺ اور ابو بکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ان میں سے کسی کو نہ سنا کہ **بسم اللہ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ** پڑھتے ہوں۔“

حدیث نمبر ۴ مسلم شریف نے حضرت انس سے روایت کی۔

وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوا يَفْتَتِحُونَ الصَّلَاةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

”پیغمبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہ الحمد للہ رب العالمین سے قرأت شروع فرماتے تھے۔“

حدیث نمبر ۷۵۵ نسائی۔ ابن حبان۔ طحاوی شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَجْهَرُ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

”میں نے نبی ﷺ ابو بکر و عمر و عثمان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ ان حضرات میں سے کسی کو **بسم اللہ** اونچی آواز سے پڑھتے نہ سنا۔ رضی اللہ عنہم“

حدیث نمبر ۸۱۴ طبرانی نے معجم کبیر میں ابو نعیم نے حلیہ میں ابن خزیمہ اور طحاوی نے حضرت انس سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

”پیغمبر نبی ﷺ اور ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم **بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ** آہستہ پڑھا کرتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۵ مسلم شریف نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا يَذْكُرُونَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فِي أَوَّلِ الْقِرَاءَةِ وَلَا فِي آخِرِهَا

”پیغمبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم الحمد للہ سے قرأت شروع فرماتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۶ ابن شیبہ نے سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ كَانَ يُخْفِي بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَالْإِسْتِعَاذَةَ وَرَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

”عبداللہ ابن مسعود الحمد للہ اور اعوذ باللہ اور رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ آہستہ پڑھا کرتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۷ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ أَرْبَعٌ ”يُخْفِيهِنَّ الْإِمَامُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَسُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَاتَّعُذُ وَآمِينَ

”آپ نے فرمایا کہ چار چیزوں کو امام آہستہ پڑھے۔ **بِسْمِ اللَّهِ**۔ **سبحانک اللہم**۔ **اعوذ باللہ** اور **آمین**۔“

حدیث نمبر ۱۸ تا ۱۹ مسلم ابوداؤد شریف نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

”فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز تکبیر سے شروع فرماتے تھے۔ اور قرآنۃ الحمد للہ سے۔“

حدیث نمبر ۲۰ عبدالرزاق نے ابوقاۃ سے روایت کی۔

أَنَّ عَلِيًّا كَانَ لَا يَجْهَرُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَكَانَ يَجْهَرُ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

حضرت علی مرتضیٰ بسم اللہ اونچی آواز سے نہ پڑھتے تھے الحمد للہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔“

اس کے متعلق اور بہت سی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر ہم یہاں صرف بیس حدیثوں پر کفایت کرتے ہیں۔ اگر شوق ہو تو طحاوی اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ بسم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھی جاوے۔ کیونکہ سورتوں کے اول میں جو بسم اللہ لکھی ہوئی ہے وہ ان سورتوں کا جز نہیں۔ فقط سورتوں میں فصل کرنے کے لیے لکھی گئی۔ اور حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ جو اچھا کام سے بسم اللہ شروع نہ ہو وہ ناقص ہے تو جیسے برکت کیلئے نمازی قرآن سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہ پڑھتے ہیں۔ مگر آہستہ کیونکہ اعوذ سورۃ کا جز نہیں۔ ایسے ہی برکت کے لئے بسم اللہ پڑھے۔ مگر آہستہ کیونکہ یہ بھی ہر سورۃ کا جز نہیں۔ ہاں سورۃ نمل شریف میں سورۃ بسم اللہ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ جز ہے۔ امام وہاں بلند آواز سے پڑھتا ہے۔ کیونکہ وہاں کی آیت ہے۔ غرضیکہ امام صرف قرآن کریم کو آواز سے پڑھے جو بسم اللہ سورۃ کے اول میں ہے۔ وہ سورۃ کا جز نہیں۔ لہذا آہستہ پڑھنی چاہئے۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات

اعتراض ۱ چونکہ بسم اللہ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ہر سورۃ کا جز ہے۔ اگر جز نہ ہوتی۔ تو قرآن میں لکھی نہ جاتی۔ قرآن کریم میں صرف آیات قرآنیہ لکھی گئیں۔ غیر قرآن نہ لکھا گیا۔ لہذا جیسے اور آیتیں بلند آواز سے پڑھی جاتی ہیں۔ ویسے ہی بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھنی چاہئے۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ بسم اللہ ہر سورۃ کا جز نہیں۔ کیونکہ ہر سورۃ کے ساتھ نازل نہیں ہوئی۔ چنانچہ شروع بخاری شریف باب کیف کان بدالوحی میں سب سے پہلی وحی کے متعلق روایت کی ہے۔ کہ جبریل امین نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا اقراء پڑھ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ مَا اَنَا بِقَارِئٍ میں پڑھنے والا نہیں پھر عرض کیا اقراء حضور علیہ السلام نے پھر وہی جواب دیا۔ آخر میں عرض کیا۔ **اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ الْخ** غرضیکہ پہلی وحی یہ ہے۔ جس میں کا ذکر نہیں معلوم ہوا کہ سورتوں سے اول میں **بِسْمِ اللّٰہ** شریف نازل نہیں ہوئی دوسرے یہ کہ اگر **بِسْمِ اللّٰہ** ہر سورۃ کا جز ہو تو سورۃ کے اوپر علیحدہ کر کے لمبے حروف سے نہ لکھی جاتی بلکہ جیسے اور آیتیں ملی ہوئی لکھی گئی ہیں۔ ایسے ہی بسم اللہ تمام آیتوں کے ساتھ لکھی جاتی۔ دیکھو سورۃ نمل شریف میں **بِسْمِ اللّٰہ** سورۃ کا جز ہے تو وہاں علیحدہ امتیازی شکل میں نہ لکھی گئی بلکہ تمام آیات کے ساتھ تحریر ہوئی۔ معلوم ہوا کہ سورتوں کے اول میں **بِسْمِ اللّٰہ** کا امتیازی شکل میں علیحدہ لکھنا فاصلہ کے لئے ہے۔

اعتراض ۲ طحاوی شریف میں حضرت المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں نماز پڑھتے تھے۔ تو پڑھتے تھے بسم اللہ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الحمد للہ۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نماز میں بسم اللہ آواز سے پڑھتے تھے۔ ورنہ ائمہ سلمہ کیسے سن لیتیں۔

جواب اس حدیث میں آواز کا ذکر نہیں۔ صرف بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھے۔ مگر آہستہ پڑھے ظاہر یہ ہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر آہستہ ہی پڑھتے تھے۔ یہ نماز جو حضور ام سلمہ کے گھر پڑھتے تھے۔ فرض نماز نہ تھی۔ نفل تھی۔ فرض تو مسجد میں جماعت سے پڑھتے تھے۔ نفل میں قرآن آہستہ ہوتی ہے۔ لہذا یہاں بسم اللہ بھی آہستہ تھی۔ اور اُحْمَدُ لِلّٰہ بھی آہستہ۔ ام سلمہ اس موقع پر حضور کے قریب ہوتی تھیں۔ اسی لیے حضور کی آہستہ آواز شریف سن لیتی تھیں آہستہ قرآن میں بھی اتنی آواز چاہئے کہ برابر والا سن لے ورنہ وہ قرآن نہ ہوگی نظر ہوگا لہذا اس حدیث سے آپ کا مدعی ثابت نہیں۔

اعتراض ۳ ترمذی شریف میں عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَحُ صَلَوَتَهُ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نمازِ بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع فرماتے تھے۔“

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ افسوس ہے آپ نے ترمذی کا یہ مقام آگے نہ دیکھا فرماتے ہیں۔

من احديث ليس اسناده بذاك ”یہ ایسی حدیث ہے جس کی اسناد کچھ بھی نہیں۔“

افسوس ہے کہ ہماری پیش کردہ حدیثوں کو بلاوجہ ضعیف کر کے رد کرتے ہو اور خود ایسی حدیث پیش کر رہے ہو۔ جس کا سرانہ پتہ دوسرے یہ کہ اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لو تو بھی اس میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنے کا ذکر نہیں۔ صرف یہ ہے کہ نمازِ بسم اللہ سے شروع فرماتے تھے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ مگر آہستہ تیسرے یہ کہ ہو سکتا ہے کہ تکبیر تحریر سے پہلے بسم اللہ پڑھتے ہوں کیونکہ صلوات فرمایا نہ کہ قراءۃ۔

اعتراض ۴ طحاوی شریف نے حضرت عبدالرحمن ابن ابی زبئی سے روایت ہے۔

صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ فَجَهَرَ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَكَانَ يَجْهَرُ ابْنِي بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

”میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔“

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ حدیث تمام ان مشہور احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلے فصل میں ذکر کر چکے ہیں۔ جب میں بخاری مسلم وغیرہ کی احادیث ہیں۔ جن سے بہت قوت سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خلفاء راشدین اَلْحَمْدُ لِلّٰہ سے قراءۃ شروع کرتے تھے۔ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔ لہذا یہ حدیث شاذ ہے اور احادیث مشہورہ کے مقابل حدیث شاذ قابل عمل نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس کی تصریح نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کے اندر سبحان پڑھنے کے بعد الحمد سے پہلے بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے اس کے معنی کی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز ختم فرما کر دعاء سے پہلے برکت کے لئے بسم اللہ شریف پڑھتے تھے۔ پھر دعا فرماتے تھے اس صورت میں یہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہیں جہاں تک ہو سکے احادیث میں مطابقت کرنی چاہیے۔ تیسرے یہ کہ سورۃ سے پہلے بسم اللہ کا اونچی آواز سے پڑھنا اس لیے ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جز ہے اور سورۃ کا جز ہونا قطعی یقینی حدیث سے ہو سکتا ہے نہ کہ حدیث واحد سے۔ آپ کی پیش کردہ حدیث خبر واحد ہے جو یہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں افسوس یہ ہے کہ ہم آہستہ بسم اللہ کے لئے بخاری و مسلم کی روایات پیش کریں اور آپ اس کے مقابل طحاوی شریف کی آڑ لیں۔ حالانکہ طحاوی شریف پر آپ کا اعتماد نہیں۔

چوتھا باب

امام کے پیچھے مقتدی قرأت نہ کرے

امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن شریف پڑھنا سخت منع ہے مگر غیر مقلد و ہابی مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض جانتے ہیں۔ اس ممانعت پر قرآن کریم احادیث شریفہ۔ اقوال صحابہ کبار عقلی دلائل بے شمار ہیں لہذا ہم اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس ممانعت کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن کی تلاوت کرنا منع ہے۔ خاموش رہنا ضروری ہے دلائل ملاحظہ ہوں قرآن شریف فرماتا ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ، وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ

”اور جب قرآن شریف پڑھا جاوے تو اُسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ رحم کیے جاؤ۔“

خیال رہے کہ شروع اسلام میں نماز میں دنیاوی بات چیت بھی جائز تھی اور مقتدی قرأت بھی کرتے تھے۔ بات چیز تو اس آیت سے منسوخ ہوئی۔

وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ”اور کھڑے ہو اللہ کیلئے اطاعت کرتے ہوئے۔ (خاموش)“

چنانچہ مسلم نے باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ اور بخاری نے باب مانعی من الکلام فی الصلوٰۃ میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا دَتَنُكَلُّمُ فِي الصَّلَاةِ يُكَلِّمُ الرَّجُلُ صَاحِبَهُ، وَهُوَ إِلَى جَنْبِهِ فِي الصَّلَاةِ حَتَّى نَزَلَتْ وَ قَوْمُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ فَأَمَرَنَا بِالسَّكُوتِ وَنَهَيْنَا عَنِ الْكَلَامِ (لفظ مسلم)

”ہم لوگ نماز میں باتیں کر لیا کرتے تھے ہر ایک اپنے ساتھی سے نماز کی حالت میں گفتگو کر لیتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ آیت اتری **وقوموا لله قانتين** الخ پس ہم کو حکم دیا گیا خاموش رہنے کا اور کلام سے منع فرما دیا گیا۔“

پھر نماز میں کلام تو منع ہو گیا۔ مگر تلاوت قرآن مقتدی کرتے رہے۔ جب یہ آیت اتری۔ تو مقتدی کو تلاوت بھی ممنوع ہو گئی۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا الخ ”جب قرآن پڑھا جاوے تو غور سے سنو اور چپ رہو۔“

چنانچہ تفسیر مدارک شریف میں اسی آیت واذا اقرا کی تفسیر میں ہے۔

وَجَمَهُوْرُ الصَّحَابَةِ عَلَى أَنَّهُ فِي السَّمَاعِ الْمُؤْتَمِّ

”عام صحابہ کرام کا فرمان یہ ہے کہ یہ آیت مقتدی کے قرأت امام سننے کے متعلق ہے۔“

تفسیر خازن میں اسی آیت واذا اقرا کی تفسیر میں ایک روایت یہ نقل فرمائی۔

وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ سَمِعَ نَاسًا يَقْرَأُونَ مَعَ الْإِمَامِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ أَمَا أَنْ لَكُمْ أَنْ تَفْقَهُوْا وَإِذَا تَرَى الْقُرْآنَ

”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کو امام کے ساتھ قرآن پڑھتے سنا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا ابھی تک یہ وقت نہ آیت کہ تم

اس آیت کو سمجھو واذا اقرا الخ“

تنویر مقیاس سن تفسیر ابن عباس شریف میں آیت کی تفسیر میں ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فِي الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ فَاسْتَمِعُوا لَهُ، إِلَى قِرَائَتِهِ وَأَنْصِتُوا لِقِرَاءَتِهِ

”جب فرض نماز میں پڑھا جائے تو اس کی قرأت کو کان لگا کر سنو اور قرآن پڑھے جاتے وقت خاموش رہو۔“

ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اول اسلام میں امام کے پیچھے مقتدی قرأت کرتے تھے اس آیت مذکورہ کے نزول کے بعد امام کے پیچھے قرأت منسوخ ہو گئی اب احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱:

مسلم شریف باب سجود و التلاوة میں عطاء ابن یسار سے مروی ہے۔

أَنَّهُ سَأَلَ زَيْدَ ابْنِ ثَالِثٍ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ الْإِمَامِ فِي شَيْءٍ

انہوں نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ صحابی سے امام کے ساتھ قرآن کرنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ امام کے ساتھ بالکل قرآن جائز نہیں۔

حدیث نمبر ۲:

مسلم شریف باب التشہید میں ہے۔

فَقَالَ لَهُ، أَبُو بَكْرٍ فَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَالَ هُوَ صَحِيحٌ "يَعْنِي وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا

ابو بکر نے مسلمان سے پوچھا کہ ابو ہریرہ کی حدیث کیسی ہے تو آپ نے فرمایا کہ بالکل صحیح یہ یعنی یہ حدیث کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو بالکل صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۳:

ترمذی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ إِلَّا أَنْ يَكُونَ وَرَاءَ الْإِمَامِ هَذَا حَدِيثٌ "حَسَنٌ صَحِيحٌ"

”جو کوئی نماز پڑھے اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس نے نماز ہی نہ پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔ (یعنی جب نہ پڑھے) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“

حدیث نمبر ۴:

نسائی شریف میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ "اللَّهِ صَلَّ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا"

”حضور ﷺ نے فرمایا کہ امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے تو جب وہ تکبیر کہی تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔“

ہم حدیث نمبر ۲ میں مسلم شریف کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۵:

طحاوی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهُ، إِمَامٌ "فَقَرَأَهُ الْإِمَامُ لَهُ، قِرَاءَةً"

”جس کا کوئی امام ہو تو امام کی تلاوت اس کی تلاوت ہے۔“

حدیث نمبر ۶ تا ۱۰:

امام محمد نے موطا شریف میں امام ابو حنیفہ عن موسیٰ ابن ابی عائشہ عن عبداللہ ابن شداد عن جابر ابن عبداللہ سے روایت کی ہے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهُ، إِمَامٌ "فَقَرَأَهُ الْإِمَامُ لَهُ، قِرَاءَةً" قَالَ مُحَمَّدُ ابْنُ مَنِيعٍ وَابْنُ الْهَمَامِ هَذَا الْإِسْنَادُ صَحِيحٌ "عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ"

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا امام ہو تو امام کی تلاوت اُس کی تلاوت ہے محمد ابن منیع اور امام ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ اسناد صحیح ہے اور مسلم بخاری کی شرط پر ہے۔“

یہ حدیث امام احمد۔ ابن ماجہ۔ دا قطنی۔ بیہقی نے بھی روایت کی۔ (صحیح البہاری)

حدیث نمبر ۱۱:

طحاوی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اقْبَلَ بِوَجْهِهِ فَقَالَ اتَّقِرُّوْا وَنَ الْإِمَامَ يَقْرَأُ، فَسَكْتُوا فَسَاءَ لَهُمْ ثَلَاثًا فَقَالُوا إِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوا

”حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور نے نماز پڑھائی پھر صحابہ پر متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا کہ کیا امام کی قرأت کی حالت میں تم تلاوت کرتے ہو۔ صحابہ خاموش رہے حضور نے تین بار یہ سوال فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا ہاں فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا۔

حدیث نمبر ۱۲:

طحاوی شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَلَيْسَ عَلَى فِطْرَةٍ ”جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ دین فطرت پر نہیں۔“

حدیث نمبر ۱۳:

دارقطنی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ ”لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ أَوْ أَنْصَتُ قَالَ بَلْ أَنْصَتُ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ

”ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے سوال کیا کہ میں امام کے پیچھے تلاوت کروں یا خاموش رہوں فرمایا خاموش رہو۔ امام تیرے لیے کافی ہے۔

حدیث نمبر ۱۴:

دارقطنی شریف نے حضرت شعبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قِرَاءَةَ خَلْفَ الْإِمَامِ ”حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ امام کے پیچھے جائز نہیں۔

حدیث نمبر ۱۵:

تبہقی نے قرأت کی بحث میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی۔

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ صَلَاةٍ يُقْرَأُ فِيهَا بِأَمِّ الْكِتَابِ فَهِيَ مَدَاجٌ ”إِلَّا صَلَاةَ خَلْفَ الْإِمَامِ

”انہوں نے حضور علیہ السلام سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جاوے وہ ناقص ہے سواء اس نماز کے جو امام کے پیچھے ہو۔“

حدیث نمبر ۱۶ تا ۱۷:

امام محمد نے مؤطا میں عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَتْ فِي فَمِ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ حَجَرٌ ”۱“ ”جو امام کے پیچھے تلاوت کرے کاش اس کے منہ میں پتھر ہو۔“

حدیث نمبر ۱۸ تا ۲۴:

امام طحاوی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود زید ابن ثابت عبداللہ ابن عمر عبداللہ ابن عباس۔ جابر ابن عبداللہ حضرت علقمہ۔ حضرت علی مرتضیٰ۔ حضرت عمرو وغیرہ ہم صحابہ کرام سے مکمل اسنادوں سے روایات پیش کیں کہ یہ تمام حضرات امام کے پیچھے قرأت کے سخت خلاف تھے ان میں سے کوئی صاحب فرماتے ہیں اس کے منہ میں پتھر ہو کوئی فرماتے ہیں ہو فطرت کے خلاف ہے اگر ہم کو اس رسالہ کے بڑھ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو وہ تمام روایات

یہاں نقل کرتے ان کے علاوہ قرآن خلف الامام کے خلاف بہت زیادہ احادیث ہیں جن میں سے ہم نے صرف ۲۳ پر کفایت کی اگر کسی کو ان کے مطالعہ کا شوق ہو تو طحاوی شریف۔ مؤطا امام محمد۔ صحیح ابی ہریرہ۔ ہمارا حاشیہ بخاری نعیم ابی ہریرہ۔ کتب کا مطالعہ کرے۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرے چند وجوہ سے۔

(۱) نماز سے جیسے سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ ایسے ہی سورۃ ملانی بھی ضروری ہے مسلم شریف میں ہے۔

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأَمَّا الْقُرْآنِ فَصَاعِدًا ”اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ اور کچھ اور نہ پڑھے۔“

غیر مقلدین بھی مانتے ہیں کہ مقتدی امام کے پیچھے سورۃ نہ پڑھے تو چاہئے کہ سورۃ فاتحہ بھی نہ پڑھے کہ جیسے سورۃ میں امام کی قرأت کافی ہے۔ ایسے ہی سورہ فاتحہ میں بھی کافی ہے۔

(۲) جو کوئی رکوع میں امام کے ساتھ مل جاوے اسے رکعت مل جاتی ہے۔ اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنی لازم ہوتی تو اسے رکعت نہ ملنی چاہئے تھی۔ دیکھو اگر یہ شخص تکبیر تحریمہ نہ کہے یا تکبیر تحریمہ کے ساتھ ایک تسبیح کے بقدر قیام نہ کرے بلکہ سیدھا رکوع میں چلا جاوے تو اسے رکعت نہ ملے گی کیونکہ تحریمہ اور قیام مقتدی پر فرض ہے تو ایسے ہی اگر اس پر سورۃ فاتحہ فرض ہوتی تو اس کے بغیر رکعت نہ ملتی معلوم ہوا کہ امام کی قرأت اس کے لئے کافی ہے۔ جب اس مقتدی کے لئے قرأت ساقط ہوگئی تو چاہئے کہ دوسرے مقتدیوں سے بھی ساقط ہو۔

(۳) اگر مقتدی پر قرأت فاتحہ بھی ہو اور آمین بھی تو بتاؤ کہ اگر امام مقتدی سے پہلے سورہ فاتحہ سے فارغ ہو جاوے تو یہ مقتدی جو ابھی فاتحہ کے بیچ میں ہے آمین کہے یا نہ کہے تو اپنی فاتحہ ختم کر کے بھی آمین کہے یا نہ کہے جو بھی جواب دو حدیث دکھا کر دو۔ نہ دو آمین جائز ہیں۔ نہ فاتحہ کے بیچ میں آمین درست ہے۔

(۴) اگر مقتدی فاتحہ کے بیچ میں ہو اور امام رکوع میں چلا جاوے تو بتاؤ یہ مقتدی آدمی فاتحہ چھوڑ دے یا رکوع چھوڑ دے۔ جو بھی جواب دو حدیث دکھاؤ اپنی عقل و قیاس سے جواب نہ دینا۔ مشرق و مغرب کے علماء اہل حدیث کو اعلان عام ہے کہ ان سوالات ۲-۳-۴ نمبر کے جوابات تمام حضرات مل کر مشورہ کر کے دیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ حدیث صریح سے دیں محض اپنی رائے شریف سے نہ دیں۔ انشاء اللہ نہ دے سکیں گے تو چاہئے کہ ضد چھوڑ دیں اور احناف کی طرح حکم قرآن و حدیث پر عمل کریں کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کیا کریں۔

(۵) شاہی دربار میں جب کوئی وفد جاتا ہے تو دربار کے آداب سب بجالاتے ہیں۔ مگر عرض و معروض سب نہ کریں گے جو نمائندہ ہو گیا وہ ہی کرے گا۔ ایسے ہی جماعت نمازی رب کی بارگاہ میں وفد کی شکل میں حاضر ہوتے ہیں تو تکبیر۔ تسبیح۔ تشہد وغیرہ سب پڑھیں کہ یہ اس دربار کا سلامی مجرا ہے سب ادا کریں۔ مگر تلاوت قرآن جو عرض و معروض ہے۔ صرف قوم کا نمائندہ کرے یعنی امام۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر سوالات و جوابات

اس مسئلہ پر غیر مقلدین اب تک جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم بفضلہ تعالیٰ ہر ایک نقل کر کے سب کے جوابات علیحدہ علیحدہ دیتے ہیں اور جس سلیقے سے ان کے سوال ہم نقل کر رہے ہیں۔ ان شاء اللہ عزوجل اس طریقہ سے وہ بھی نہ کر سکیں گے رب تعالیٰ قبول فرمادے۔

اعتراض نمبر ۱:

آیت کریمہ **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ** میں قرآن سے مراد جمعہ کا خطبہ ہے۔ نہ کہ مقتدی کی نماز جیسا کہ بعض مفسرین نے اسی آیت کے ماتحت فرمایا۔ لہذا خطبہ جمعہ کے وقت خاموشی ضروری ہے مگر مقتدی کا سورۃ فاتحہ پڑھنا منع نہیں۔

جواب یہ غلط ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ مکہ ہے۔ سورہ اعراف کی آیت ہے اور جمعہ کی نماز و خطبہ مدینہ منورہ میں بعد ہجرت شروع ہوئے پھر اس آیت میں خطبہ مراد کیسے ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر بفرض محال مان لو تب بھی چونکہ آیت میں خطبہ کی قید نہیں صرف قرأت قرآن کا ذکر ہے۔ لہذا یہ حکم سب کو شامل ہے۔ کیونکہ آیت کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ شان نزول کی خصوصیت کا۔ تیسرے یہ کہ جب خطبہ میں لوگوں کو بولنا حرام ہے حالانکہ سارا خطبہ قرآن نہیں بلکہ اس میں ایک دو آیات قرآن کی پڑھی جاتی ہیں۔ تو امام کے پیچھے۔ جبکہ سارا قرآن ہی پڑھا جا رہا ہے۔ خاموشی کیوں ضروری نہ ہوگی۔ تعجب ہے کہ آپ خطبہ جمعہ میں تو خاموشی ضروری کہتے ہیں۔ اور امام کے پیچھے نہیں۔

آیت کریمہ **وَإِذَا قُرِئَ** ”میں مشرکین مکہ سے خطاب ہے جو حضور کی تلاوت کے وقت شور مچاتے تھے اور آیت کا منشا یہ ہے کہ قرآن پڑھتے وقت دنیاوی باتیں کر کے شور نہ کیا کرو لہذا سورہ فاتحہ پڑھنا اس میں داخل نہیں۔“

جواب یہ بھی غلط ہے۔ آیت میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے۔ کیونکہ کفار پر کوئی عبادت واجب نہیں۔ جب تک کہ ایمان نہ لائیں۔ قرآن سننا بھی عبادت ہے یہ ان پر بغیر ایمان لائے کیسے واجب ہوگی۔ دوسرے یہ کہ آیت کریمہ کے آخر میں ہے۔ **لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ** تاکہ تم پر رحمت کی جاوے۔ قرآن سننے سے رحمت صرف مسلمانوں پر آتی ہے۔ کافر ایمان کے بغیر کوئی بھی نیکی کرے۔ رحمت کا مستحق نہیں رب فرماتا ہے۔

مِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً

”یعنی بعض کفار آپ کی طرف کان لگاتے ہیں۔ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے۔“
دیکھو کفار کا کان لگانا مفید نہ ہوا۔ اور فرماتا ہے۔

وَقَدْ مَنَّا إِلَى عَمَلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا

”اور جو کچھ انہوں نے کام کئے تھے۔ ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک غبار کے ریزوں کی طرح بنا دیا۔“

اگر کافر سارا قرآن حفظ بھی کرے اور روزانہ تلاوت بھی کیا کرے۔ تب بھی ثواب کا مستحق نہیں بغیر وضو نماز درست نہیں۔ بغیر ایمان کوئی عبادت قبول نہیں۔ دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔ **وَأَنصِتُوا** خاموشی کے معنی یہ ہیں کہ نابات کرو نہ کچھ پڑھو اگر سورہ فاتحہ پڑھتے رہے تو خاموشی کہاں ہوئی غرضکیہ آیت نہ تو کفار کے حق میں نازل ہوئی نہ خطبہ جمعہ کے لئے نمازیوں کو امام کے پیچھے قراءۃ سے روکنے کے لئے نازل ہوئی چنانچہ بیہمتی شریف میں حضرت مجاہد سے روایت ہے۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ فَسَمِعَ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ الخ (بہاری)

”حضور علیہ السلام نماز میں قراءۃ فرما رہے تھے کہ آپ نے ایک انصاری جوان کی قرأت سنی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی **وَإِذَا قُرِئَ**“
ابن مرویہ نے اپنی تفسیر میں اسناد کے ساتھ معاویہ ابن قزۃ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مغفل صحابی رسول سے اس آیت کے نزول کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا۔

قَالَ إِنَّمَا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فِي الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ إِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَاسْتَمِعْ لَهُ، وَأَنْصِتْ (بہاری)

”یہ آیت واذا قری الخ امام کے پیچھے قراءۃ کرنے کے متعلق نازل ہوئی لہذا جب امام قراءت کرے تو تم کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔“

اگر تلاوت قرآن کے وقت سب کو خاموش رہنے کا حکم ہو تو مصیبت آجاوے گی۔ آج ریڈیو پر تلاوت قرآن ہوتی ہے جو تمام ملک میں سنی جاتی ہے۔ تو سب کو کاروبار کلام سلام حرام ہو جاوے گا۔ امام تراویح پڑھا رہا ہے ایک آدمی آیا جس نے ابھی فرض نہیں پڑے وہ اس ہی مسجد میں فرض عشاء پڑھتا ہے۔ جہاں قراءۃ کی آواز آرہی ہے۔ یہ بھی حرام ہوگا۔ غرضیہ معنی امت کے لئے سخت تکلیف کا باعث ہیں۔ (موجودہ وہابی)

جواب ساری امت کا اجتماع ہے کہ تلاوت قرآن سننا فرض کفایہ ہے نہ کہ فرض عین اگر قاری کی قراءۃ ایک مسلمان بھی سن رہا ہے تو کافی ہے جیسے نماز جنازہ کہ اگرچہ سب پر فرض ہے مگر ایک کے ادا کرنے سے سب بری الذمہ ہو گئے۔ امام کے پیچھے سب مقتدی ایک شخص کے حکم میں ہیں۔ جیسے نماز جنازہ کی جماعت لہذا مقتدیوں میں سے کوئی تو کلام سلام۔ تلاوت نہیں کر سکتا غیر مقتدی کیلئے ان مقتدیوں کا سن لینا کافی ہے۔ ہاں اگر سب لوگ کاروبار میں لگے ہوں کوئی نہ سن رہا ہو تو بلند آواز سے تلاوت منع ہے ایسے ہی ایک مجلس میں چند لوگوں کا بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا منع ہے یا تو ایک تلاوت کرے باقی سنیں یا سب خاموشی سے پڑھیں۔ اس کی تحقیق شامی وغیرہ کتب فقہ میں دیکھو۔ لہذا نہ کوئی آفت ہے نہ مصیبت۔

اس سے لازم آتا ہے کہ مکتب میں چند بچے ایک ساتھ قرآن شریف بلند آواز سے یا نہیں کر سکتے پھر بھی مصیبت ہی رہی۔

جواب وہاں تعلیم قرآن ہے۔ تلاوت قرآن نہیں۔ تلاوت کا سننا فرض ہے نہ کہ تعلیم قرآن کا اس لیے رب نے **إِذَا قُرِئَ** فرمایا **إِذَا تَعَلَّمَ** نہ فرمایا۔ دیکھو رب فرماتا ہے۔

إِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ”جب تم قرآن پڑھو تو اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو۔“

تلاوت قرآن پر اعوذ پڑھنا چاہئے۔ مگر جب شاگرد استاد کو قرآن سنائے تو اعوذ نہ پڑھے کہ ہی تلاوت قرآن نہیں تعلیم قرآن ہے۔ (شای وغیرہ) ایسے ہی قرآن کریم خلاف تربیت چھاپنا منع ہے۔ ترتیل و ترتیب چاہئے۔ مگر بچوں کی تعلیم کے لئے آخری پارہ الٹا چھاپتے بھی ہیں اور انہیں الٹا پڑھاتے بھی ہیں تعلیم و قرآن کے احکام میں فرق ہوتا ہے قرآن نے بھی تلاوت و تعلیم میں فرق کیا رب فرماتا ہے۔

تِلْوُوا عَلَيْهِمْ آیَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ الْحَنُوفِ ”وہ نبی مسلمان پر آیتیں تلاوت کرتے ہیں۔“

اور انہیں پاک کرتے ہیں۔ اور انہیں قرآن و حکمت سکھاتے ہیں۔ اگر تلاوت اور تعلیم میں فرق نہیں تو یہاں ان دونوں کا ذکر علیحدہ کیوں ہوا۔

اعتراض نمبر ۵:

آپ کی پیش کردہ حدیث **قِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ** اور حدیث **وَإِذَا قُرِئَ فَانصِتُوا** میں لفظ قراء ہے جس کے معنی ہیں پڑھنا تو اُن احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جب امام پڑھے تم خاموش رہو کیا پڑھے قرآن یا کچھ اور تو چاہئے کہ امام کے پیچھے سبحان - التحیات - درود وغیرہ کچھ نہ پڑھا جاوے کیونکہ امام جو پڑھ رہا ہے۔ (موجودہ عقلمند وہابی)

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ اگر ایسے ہی لفظوں کے لغوی معنی کیئے گئے تو آپ کو مصیبت پڑ جاوے گی۔ آپ اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ حدیث کے معنی ہیں۔ بات چیت یا قصہ کہانی۔ رب فرماتا ہے۔

فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ اور فرمایا **فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ** اس کے بعد اب کس بات پر ایمان لاؤ گے ہم نے ان قوموں کو قصہ کہانیاں بتا دیا۔

تو اہل حدیث کے معنی یا تو ہوئے باتیں بتانے والا بنی یا قصہ کہانیاں ناول پڑھنے سنانے والا جناب یہاں حدیث کی اصطلاحی معنی مراد ہیں۔ فرمان رسول اللہ ﷺ۔ وحی کے لغوی معنی ہیں۔ اشارہ اسلام کے معنی ہیں فرماں برداری کلمے کے معنی ہیں لفظ ان تمام معنی ہیں یہ الفاظ قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں۔ کہو اب کہاں جاؤ گے سارا اسلام ہی ختم اور قرآن کے احکام ہی فنا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ نماز کے ذکر میں جب لفظ قرآن بولا جاتا ہے تو اس سے تلاوت قرآن مراد ہوتی ہے۔ ہم کہتے ہیں نماز کے چھ رکن ہیں۔ تکبیر تحریمہ، قیام، قرآن، رکوع، سجدہ، اختیات میں بیٹھنا تو یہاں قیام کے معنی ناچنے کیلئے کھڑا ہونا۔ اور قرآن کے معنی ناول پڑھنا نہیں ذرا سمجھ سے بات کیا کرو کیا اتنی سمجھ پر حدیث رسول سمجھنے کا دعویٰ ہے۔

اگر ہمیں مکتب دہمیں ملا کار پٹھان تمام خواہد شد

اعتراض نمبر ۶:

مسلم و بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ”اُس کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔“

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے کہ اس کے بغیر نماز بالکل صحیح نہیں ہوتی۔ جیسے قیام و رکوع وغیرہ دوسرے یہ کہ سب پر فرض ہے۔ نمازی اکیلا ہو یا امام یا مقتدی حدیث میں کوئی قید نہیں۔

جواب: اس کے تین جواب ہیں دو الزامی ایک تحقیقی پہلا جواب الزامی تو یہ ہے کہ حدیث امام مسلم نے اس طرح نقل فرمائی۔

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَصَاعِدًا ”اُس کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ اور کچھ زیادہ نہ پڑھے۔“

اور مؤطا امام مالک میں یہی حدیث اس طرح ہے۔

لَا صَلَوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَالسُّورَةِ ”نماز میں ہوتی مگر سورہ فاتحہ سے اور ایک اور سورہ سے“

آپ کو چاہیے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ بھی فرض جانو اور سورہ ملنا بھی کیا۔ بعض حدیثوں پر ایمان ہے بعض کا انکار ہے۔

دوسرا جواب الزامی یہ ہے۔ تمہاری پیش کردہ وہ حدیث قرآن کے بھی خلاف ہے اور ان حدیثوں کے بھی جو ہم نے پہلے فصل میں پیش کیں بلکہ

تمہارے بھی مخالف ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

فَأَقْرءُ وَ أَمَاتِيَسَّرَمِنَ الْقُرْآنِ ”جس قدر قرآن آسان ہو پڑھ لیا کرو۔“

پھر وہ فاتحہ پڑھنا کیسے فرض ہو سکتا ہے۔ نیز فرماتا ہے۔

وَ إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَ انصِتُوا لآيَتِهِ ”جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو۔ اور خاموش رہو۔“

پھر مقتدی امام کے ساتھ سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس حکم ربانی کی مخالفت کیسے کرے ہم بہت احادیث بیان کر چکے ہیں۔ جن میں ارشاد ہوا کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ جب امام قرأت کرے تو تم چپ رہو وغیرہ۔

تم بھی کہتے ہو کہ جو رکوع میں امام کے ساتھ مل گیا اُسے رکعت مل گئی اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ فرض تھی تو اس کے بغیر رکعت کیسے مل گئی۔ اس پر وضو طہارت تکبیر تحریمہ۔ قیام فرض رہا کہ اگر ان میں سے کچھ بھی چھوڑ کر رکوع میں شامل ہو جاوے تو نماز نہ پائے گا۔ سورۃ فاتحہ کیسے معاف ہو گئی وہ فرض تھی۔

جواب تحقیقی یہ ہے کہ اس حدیث کے ایسے معنی کرنے چاہیں جس سے قرآن و حدیث میں مخالفت نہ رہے احادیث آپس میں ٹکرائیں جائیں کوئی اعتراض بھی نہ پڑے وہ یہ کہ الاصلوۃ میں لافنی جنس ہے جس کا اسم تو ہے۔ صلوۃ جز پوشیدہ ہے یعنی ”کامل“ مطلب یہ ہوا کہ نماز بغیر سورۃ فاتحہ کامل نہیں ہوتی مطلق قرأت بحکم قرآن فرض ہے اور سورہ فاتحہ بحکم حدیث واجب جیسے۔

لَا صَلَوةَ إِلَّا بِحُضُورِ الْقَلْبِ لَا صَلَوةَ لِبَجَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ

”نماز نہیں ہوتی مگر حضور قلب سے جو مسجد کے قریب رہتا ہو اس کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں۔“

ان دونوں حدیثوں میں لاصلوۃ سے کمال نماز کی نفی ہے نہ کہ اصل نماز کی ایسے ہی یہاں پھر لم یقر اقرءۃ حکمی و تحقیقی دونوں کو شامل ہے کہ امام اور اکیلے نمازی پر حقیقۃً فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور مقتدی پر حکمنا کہ امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔ ہماری پیش کردہ احادیث اس حدیث کی تفسیر ہیں۔ یا یہ حدیث عام ہے۔ اور ہماری پیش کردہ احادیث اس کی تخصیص کرتی ہیں، جنہوں نے مقتدی کو اس حکم سے خاص کر دیا۔

اعتراض نمبر ۷:

ترمذی شریف میں حضرت عبادہ ابن صامت سے ایک حدیث مروی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ اِنِّي اَرَاكُمْ تَقْرءُونَ وَ رَاءَ اِمَامِكُمْ قَالَ قُلْنَا بَلَى قَالَ لَا تَقْرءُوا إِلَّا بِأَمِّ الْقُرْآنِ

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ میرے خیال میں تم اپنے امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا۔ سورۃ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو۔“

اس حدیث میں صریحاً ارشاد ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی سورہ فاتحہ پڑھے اور دوسری سورت نہ پڑھے یہی ہم کہتے ہیں۔ عبادہ ابن صامت کی ہی حدیث ابوداؤد۔ نسائی۔ بیہقی میں بھی ہے۔

جواب: اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ امام کے ساتھ رکوع میں مل جانے سے رکعت مل جاتی ہے۔ کیوں جناب جب مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی فرض ہے تو اس مقتدی کو یہ رکعت بغیر سورہ فاتحہ پڑھے کیسے مل گئی۔ اس کا جواب سوچو جو تم جواب دو گے وہ ہی ہمارا جواب ہوگا۔

دوسرے یہ کہ صرف عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مرفوع نقل ہے۔

جس میں حضور ﷺ نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا حکم دیا لیکن اس کے خلاف حضرت جابر علقمہ۔ عبد اللہ ابن مسعد۔ زید ابن ثابت۔ عبد اللہ ابن عباس۔ عبد اللہ ابن عمر حضرت علی و عمر سے بکثرت روایات منقول ہیں۔ جن میں سے کچھ روایتیں ہیں پہلی فصل میں بیان کر چکے اور طحاوی شریف صحیح البہاری شریف میں بہت زیادہ منقول ہیں تو حضرت عبادہ کی یہ روایت حدیث واحد ہے اُن صحابہ کرام کی وہ روایات حدیث مشاہیر ہیں لہذا انہیں ترجیح ہے۔ تیسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث عبادہ قرآن کے خلاف ہے قرآن نے تلاوت قرآن کے وقت خاموشی کا حکم دیا۔ ہماری پیش کردہ احادیث کی چونکہ قرآن تائید کر رہا ہے۔ لہذا انہیں ترجیح ہے۔ چوتھے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے اور اُن احادیث میں جو ہم نے پیش کیں۔ اس کی ممانعت یہ نصوص میں مقابلہ ہو تو ممانعت کی نص کو ترجیح ہوتی ہے۔ دیکو غیر اللہ کو سجدہ تعظیسی کا حکم قرآن کریم میں موجود ہے۔ فرشتوں کو اس کا حکم دیا گیا۔ بلکہ شیطان اس غیر اللہ کے سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے مردود کر دیا گیا۔ مگر دوسری نصوص میں اس

سجدے کی ممانعت کی گئی۔ اب اس ممانعت پر ہی عمل ہے۔ پانچویں یہ کہ عبادہ ابن صامت کی یہ حدیث نہ تو بخاری نے نقل کی نہ مسلم نے ممانعت کی۔ حدیث مسلم شریف میں موجود۔ نیز امام ترمذی نے اسے نقل کر کے اسے صحیح نہ فرمایا۔ بلکہ حسن کہا اور فرمایا کہ زیادہ صحیح کچھ اور ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔ ترمذی میں اسی تمہاری حدیث کے ساتھ ہے۔

قَالَ أَبُو عِيْسَى حَدِيثُ "عِبَادَةَ حَدِيثُ" حَسَنٌ" وَرَوَى هَذَا الْحَدِيثُ الزُّهْرِيُّ عَنْ مَحْمُودِ ابْنِ الرَّبِيعِ عَنْ عِبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ قَالَ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَهَذَا أَصَحُّ

”ابو عیسیٰ کہتے ہیں کہ عبادہ کی یہ حدیث حسن ہے۔ (صحیح نہیں) یہی حدیث زہری نے محمود ابن ربیع سے انہوں نے عبادہ ابن صامت سے روایت کی کہ حضرت عبادہ نے فرمایا کہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی یہی روایت زیادہ صحیح ہے۔“
پتہ لگا کہ زیادہ صحیح وہ الفاظ ہیں۔ جن میں مقتدی کے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا ذکر نہیں۔ تعجب ہے کہ آپ صحیح حدیثوں کے مقابلہ میں ایک ایسی حدیث پیش کر رہے ہیں۔ جو قرآن کے خلاف مشہور حدیثوں کے بھی خلاف اور امام ترمذی کے نزدیک صحیح بھی نہیں۔ بلکہ حسن ہے۔ اور اس کے خلاف زیادہ صحیح ہے۔ جو الزام خفیوں پر دیا کرتے ہو۔ وہ خود بھی کر رہے ہو۔

اعتراض نمبر ۸:

اکثر صحابہ کرام کا عمل یہی ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے امام ترمذی اس حدیث عبادہ ابن صامت کے ماتحت فرماتے ہیں۔
وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا الْحَدِيثُ فِي الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ

”امام کے پیچھے قرأت کرنے کے متعلق اکثر صحابہ و تابعین کا اس حدیث عبادہ پر عمل ہے۔“
جب اکثر صحابہ کا عمل اس پر ہے تو فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیئے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ امام ترمذی کا یہاں اکثر فرمانا اصافی نہیں۔ بلکہ حقیقی ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ زیادہ صحابہ تو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے اور کم صحابہ نہ پڑھتے تھے۔ بلکہ اکثر بمعنی چند اور متعدد ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَكَثِيرٌ "حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ" "أَنْ مِّنْ سَعَةٍ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ يُرِيدُ أَنْ يُنَزِّلَ بِالْحَقِّ سَوْدًا"

حق یہ ہے کہ زیادہ صحابہ قراءۃ خلف الامام کے سخت خلاف ہیں۔ حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (صحیح البہاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کا منہ آگے سے بھر جاوے۔ (ابن حبان) حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں بدو بھر جاوے۔ ابن حبان حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے قراءۃ کرے اس کے منہ میں خاک (طھاری شریف) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (ابن جوزی فی الحلال) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے تلاوت کرے کاش اس کے منہ میں پتھر (موطا امام محمد و عبدالرزاق) حضرت سعد ابن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں انگارے ہوں۔

(موطا امام محمد و عبدالرزاق) حضرت عبداللہ ابن عمر خود بھی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرتے تھے۔ اور سختی سے منع بھی فرماتے تھے۔ کہتے تھے کہ امام کی قرأت کافی ہے۔ (موطا امام محمد یہ تمام روایات طحاوی شریف اور صحیح البہاری میں موجود ہیں یہ تو بطور نمونہ عرض کیا گیا۔ ورنہ اسی صحابہ سے منقول ہے کہ وہ حضرات امام کے پیچھے قرأت سے سخت منع فرماتے۔ دیکھو شامی۔ فتح القدیر وغیرہ اگر بعض روایات میں آجاوے کہ ان میں سے بعض حضرات فاتحہ پڑھتے تھے تو یا تو ان کا پہلا فعل ہوگا جو بعد کو منسوخ ہو گیا یا وہ روایات قابل ترک ہوں گی کیونکہ قرآن کے خلاف ہیں۔

اعتراض نمبر ۹:

وہ تمام روایات ضعیف ہیں۔ (وہی پرانا سبق)

جواب:

جی ہاں۔ اس لیے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں آپ کو ان کے ضعف کا الہام ہوا ہوگا۔ ہم ضعیف کے متعلق اس سے پہلے بہت کچھ عرض کر چکے ہیں کہ جرح مبہم معتبر نہیں۔ نیز امام صاحب نے جب یہ احادیث لیں اس وقت کوئی ضعیف نہ تھی بعد میں ضعف آیا بعد کا ضعف امام صاحب

کو مضرب نہیں چند ضعیف اسنادیں مل کر حدیث کو حسن بنا دیتی ہیں وغیرہ۔

اعتراض نمبر ۱۰ :

اگر امام آہستہ تلاوت کر رہا ہو۔ جیسے ظہر و عصر میں یا مقتدی بہت دور ہو کہ وہاں تک امام کی تلاوت کی آواز نہ پہنچتی ہو تو چاہئے کہ وہ سورہ فاتحہ پڑھ لے۔ کیونکہ فاتحہ پڑھنا قرآن سننے میں حارج نہیں۔

جواب یہ اعتراض جب درست ہوتا جبکہ خاموشی صرف قرآن سننے کے لئے ہوتی حالانکہ خاموشی کا علیحدہ حکم ہے اور سننے کا علیحدہ حکم۔ رب فرماتا ہے **اقِمُْوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ** جیسے زکوٰۃ کی فضیلت نماز کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ نماز سے علیحدہ مستقل فرض ہے ایسے ہی خاموشی مستقل ضروری چیز ہے۔ خفیہ نمازوں میں خاموشی ہے سننا نہیں۔ جہری نمازوں میں خاموشی بھی ہے اور سننا بھی۔

اعتراض نمبر ۱۱ :

بلکہ جب مقتدی نماز کے سارے ارکان ادا کرتا ہے جیسے تکبیر تحریمہ قیام رکوع وغیرہ تو تلاوت بھی نماز کا ایک رکن ہے۔ وہ بھی ادا کرے یہ کیا کہ سب ارکان ادا کرے ایک چھوڑ دے۔

جواب اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جماعت کی نماز مسلمان وفد بن کر دربار خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں۔ جن کا نمائندہ امام ہوتا ہے۔ آداب شائی قیام، رکوع، سجدہ اور تحیۃ و ثنا سب عرض کریں گے عرض معروض یعنی تلاوت و قرآن صرف ان کا نمائندہ ان سب کی طرف سے کرے گا۔ مقتدی پر اسی لئے تلاوت فرض نہیں۔ بلکہ منع ہے۔ اس پر ادب سے خاموش رہنا بحکم قرآن کریم فرض ہے۔

اعتراض نمبر ۱۲ :

رکوع میں ملنے والے مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا معاف ہے۔ جیسا کہ مسافر پر چار رکعت والی نماز میں دو رکعت معاف ہیں۔ کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

جواب: الحمد للہ آپ قریباً حنفی ہو گئے بس یہی ہم کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا معاف ہے۔ جیسے مسافر پر دو رکعتیں فرض کی معاف ہیں۔ کیونکہ امام کی قرآۃ اس کی قرآۃ ہے آپ نے مان لیا کہ **لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ** والی حدیث اپنے ظاہری عموم پر نہیں۔ بعض نمازی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ بس ہم یہ ہی سننا چاہتے تھے۔ آپ کے نزدیک خاص مقتدی متعلق ہیں۔ ہمارے نزدیک عام مقتدی۔ حدیث میں استثناء ماننے میں ہم اور آپ برابر ہوئے۔ صرف مقدار استثناء میں تھوڑی بحث رہ گئی۔ انشاء اللہ عزوجل وہ بھی آپ مان جائیں گے یہ جواب الزامی تھا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ شریعت میں نماز بعض صورتوں میں آدمی رہ جاتی ہے جیسے سفر اور کبھی بالکل معاف ہو جاتی ہے جیسے دائمی جنون اور عورت کی پلیدی کی حالت۔ لیکن نماز کے شرائط و ارکان کسی صورت میں معاف نہیں ہوتے۔ البتہ بعض مجبوریوں میں ان کا بدلہ کر دیا جاتا ہے۔ بالکل معاف کبھی نہیں ہوتی وضو کا بدلہ تیمم اور قیام کا بدلہ قعود کر دیا گیا۔ مگر بغیر وضو کی مجبوری سے بھی جائز نہ ہوئی۔ اگر مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنا نماز کا رکن ہوتا تو اس کے چھوٹ جانے سے رکعت ہرگز نہ ملتی۔ معلوم ہوا کہ اس کے لئے امام کی قرآۃ بدل ہے بس یہی ہم کہتے ہیں۔ لہذا اس مسئلہ کو سفر کی نماز پر قیاس کرنا بالکل بے عقلی ہے دیکھو نماز میں کوئی شخص رکوع میں شامل ہو تو واجب ہے کہ رکوع میں ہی عید کی تکبیریں کہے۔ نماز جنازہ میں جو کوئی آخری تکبیر میں ملے تو اس پر واجب ہے کہ پہلی تکبیریں کہہ لے جب رکوع میں شامل ہونے والے پر تکبیرات عیدین معاف نہ ہوئیں اور آخر شامل ہونے والے پر نماز جنازہ کی تکبیریں معاف نہیں ہوتیں۔ تو اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی فرض تھی تو رکوع میں شامل ہونے پر کیوں معافی ہو گئی۔

اعتراض نمبر ۱۳ :

رکوع پانے والے پر اسی رکعت کا قیام معاف ہو گیا۔ جو فرض تھا تو اگر سورہ فاتحہ معاف ہو جاوے تو کیا حرج ہے۔ **جواب** یہ لفظ ہے اس پر قیام معاف نہیں ہو ضروری ہے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر بقدر ایک تسبیح قیام کرے پھر دوسری تکبیر کہہ کر رکوع کرے ورنہ نماز نہ ملے گی۔

آیت کریمہ **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ** الع کی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور سورہ فاتحہ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی تو سورہ فاتحہ پڑھنا اس

آیت سے کیسے منسوخ ہو سکتا ہے۔ کیا مقدم آیت مؤخر آیت کی ناسخ ہو سکتی ہے۔ (بعض نئے وہابی)

جواب: یہ محض آپ کی رائے ہے آپ نے کوئی حوالہ نہ دیا۔ جب سورہ فاتحہ کی ہے اور نماز بھی مکہ معظمہ میں فرض ہو چکی تھی تو کیا وجہ ہے کہ سورہ

فاتحہ مکہ معظمہ میں فرض نہ ہو۔ کیا فرضیت طہارت و وضو بھی مدنی ہے۔

پانچواں باب

آمین آہستہ کہنی چاہئیے

احناف کے نزدیک ہر نمازی خواہ امام ہو یا مقتدی یا اکیلا اور نماز جہری ہو یا ستری آمین آہستہ کہے۔ مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک جہری نماز میں امام و مقتدی بلند آواز سے چیخ کر آمین کہیں۔ اس لیے اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں۔ پہلی فصل میں ہمارے دلائل، دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

آہستہ آمین کہنا حکم خدا و رسول کے موافق ہے۔ چیخ کر آمین کہنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور حدیث و سنت کے بھی مخالف دلائل حسب ذیل ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

”أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً“ اپنے رب سے دعا مانگو عاجزی سے اور آہستہ آمین بھی دعا ہے۔ لہذا یہ بھی آہستہ کہنی چاہیے۔“

رب فرماتا ہے۔ ”وَإِذَا اسْتَأْذَنَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ“ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ

”اے محبوب جب لوگ آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں بہت نزدیک ہوں مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جو مجھ سے دعا کرتا ہے۔“ معلوم ہوا کہ چیخ کر دعا اس سے کی جاوے جو ہم سے دور ہے۔ رب تو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے پھر آمین چیخ کر کہنا عبث بلکہ خلاف تعلیم قرآنی ہے۔ اس لیے کہ آمین دعا ہے۔

حدیث نمبر ۱ قا ۸: بخاری۔ مسلم۔ احمد۔ مالک۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِنُوا فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ

”فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جسکی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی۔ اس سے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ کی معافی اس نمازی کے لئے ہے۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کی طرح ہو اور ظاہر ہے کہ فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں۔ ہم نے ان کی آمین آج تک نہ سنی تو چاہیے کہ ہماری آمین نچ آہستہ ہوتا کہ فرشتوں کو موافقت ہو اور گناہوں کی معافی ہو۔ جو وہابی چیخ کر آمین کہتے ہیں وہ جیسے مسجد میں آتے ہیں ویسے ہی جاتے ہیں ان کے گناہوں کی معافی نہیں ہوتی کیونکہ وہ فرشتوں کی آمین کی مخالفت کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۹ قا ۱۳: بخاری۔ شافعی۔ مالک۔ ابوداؤد۔ نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلَهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ

”فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب امام کہے۔ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو تمہو۔ آمین کیونکہ جس کا یہ آمین کہنا فرشتوں کی آمین کہنے کے مطابق ہوگا۔ اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔“

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک ہی کہ مقتدی کے پیچھے سورہ فاتحہ ہرگز نہ پڑھے اگر مقتدی پڑھتا تو حضور علیہ السلام فرماتے کہ جب ولا الضالین کہو تو تم آمین کہو۔ معلوم ہوا کہ تم صرف آمین کہو گے۔ ولا الضالین کہنا امام کا کام ہے۔

رب فرماتا ہے۔ ”إِذَا جَاءَ كُمْ الْمُؤْمِنَاتُ فَأَمْتَحِنُوهُنَّ“ ”جب تمہارے پاس مومنہ عورتیں آئیں تو ان کا امتحان لو۔“

دیکھو امتحان لینا صرف مومنوں کا کام ہے نہ کہ مومنہ عورتوں کا کسی حدیث میں نہیں آیا کہ۔

”إِذَا قُلْتُمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ“ ”جب تم ولا الضالین کہو تو آمین کہہ لو۔“ معلوم ہوا کہ مقتدی ولا الضالین کہے گا ہی نہیں۔

دوسرے یہ کہ آمین آہستہ ہونی چاہئے کیونکہ فرشتوں کی آمین کی موافقت سے مراد وقت میں موافقت نہیں بلکہ طریقہ ادا میں موافقت ہے۔ فرشتوں کی آمین کا وقت تو وہی ہے۔ جب امام سورہ فاتحہ ختم کرتا ہے۔ کیونکہ مہارے محافظ فرشتے ہمارے ساتھ ہی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں اور اس وقت آمین کہتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۸ تا ۱۹ امام احمد۔ ابو داؤد و طیالسی۔ ابوعلی موصلی طبرانی۔ دارقطنی اور حاکم نے متدرک میں حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی حاکم نے فرمایا کہ اس کی اسناد نہایت صحیح ہے۔

عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَأَخْفَى بِهَا صَوْتَهُ

”حضرت وائل ابن حجر نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھے۔ جب حضور علیہ السلام ولا الضالین پر پہنچے تو آپ نے فرمایا آمین اور آمین میں آواز آہستہ رکھی۔“

معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، بلند آواز سے بالکل خلاف سنت ہے۔

حدیث نمبر ۲۱ تا ۲۲ ابو داؤد۔ ترمذی۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِرَاءَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقَالَ آمِينَ وَخَفَضَ بِهِ صَوْتَهُ

”فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو سنا کہ آپ نے پڑھا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو فرمایا آمین اور آواز مبارک آہستہ رکھی۔“

حدیث نمبر ۲۲ تا ۲۳ طبرانی نے تہذیب الآثار میں اور طحاوی نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ لَمْ يَكُنْ عَمْرُ وَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَجْهَرُ أَنْ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَلَا بِآمِينَ

”حضرت عمرو علی رضی اللہ عنہما نہ تو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے نہ آمین۔“

معلوم ہوا کہ آہستہ آمین کہنی سنت صحابہ بھی ہے۔

حدیث نمبر ۲۴ یعنی شرح ہدایہ نے حضرت ابو عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَأَخْفَى بِهَا صَوْتَهُ

”حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اعوذ باللہ۔ بسم اللہ۔ آمین اور ربنا لک الحمد“

حدیث نمبر ۲۵ بیہقی نے حضرت ابو وائل سے روایت کی عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ يَخْفَى الْإِمَامُ أَرْبَعًا بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَالتَّعُودُ وَالتَّشَهُدُ

”امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ بسم اللہ ربنا لک الحمد۔ اعوذ اور التحیات“

حدیث نمبر ۲۶ امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ أَرْبَعٌ يُخْفِيَهُنَّ الْإِمَامُ التَّعُودُ وَبِسْمِ اللَّهِ وَسُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَآمِينَ رَوَاهُ مُحَمَّدٌ فِي الْأَثَارِ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهِ

”آپ نے فرمایا کہ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اعوذ و بسم اللہ۔ سبحانک اللہم اور آمین یہ حدیث امام محمد نے آثار میں اور عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں بیان کی۔“

عقل بھی چاہتی ہے کہ آمین آہستہ کہی جاوے کیونکہ آمین قرآن کریم کی آیت یا کلمہ قرآن نہیں ای لیے نہ جبریل امین اسے لائے۔ نہ قرآن کریم میں لکھی گئی۔ بلکہ دعا اور ذکر اللہ ہے تو جیسے ثناء التحیات درود ابراہیمی۔ دعا ماثورہ وغیرہ آہستہ پڑھی جاتی ہیں۔ ایسے ہی آمین بھی آہستہ ہونی چاہیے یہ کیا کہ تمام ذکر آہستہ ہوئے آمین پر تمام لوگ چیخ پڑے یہ چیخنا قرآن کے بھی خلاف ہے۔ احادیث صحیحہ کے بھی صحابہ کرام کے عمل کے بھی اور عقل سلیم کے بھی رب تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ دوسرے اس لیے کہ اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا بھی فرض ہو اور اسے آمین کہنے کا بھی حکم ہو تو مقتدی سورہ فاتحہ کے درمیان میں ہو اور امام ولا الضالین کہہ دے اب اگر یہ مقتدی آمین نہ کہے تو اس سنت کے خلاف ہو اور اگر آمین کہے اور چیختے تو آمین درمیان میں آوے گی۔ قرآن میں غیر قرآن آوے گا اور درمیان سورہ فاتحہ میں شور مچے گا۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک ہم نے غیر مقلدین کے جس قدر اعتراضات سنے ہیں تفصیل وار مع جوابات عرض کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱

اذکار کا۔

جواب آمین دعا ہے۔ اس کا دعا ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں دعا کی۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَيَّ أَمْوَالِيهِمْ وَشَدِّدْ عَلَيَّ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ

”اے رب ہمارے ان کے مال برباد کر دے اور ان کے دل سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔“

رب نے ان کی دعا قبول فرماتے ہوئے ارشاد کیا۔

قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا ”رب نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کی گئی تو ثابت قدم رہو۔“

فرمائیے دعا تو صرف موسیٰ علیہ السلام نے مانگی تھی مگر رب نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کی گئی یعنی تمہاری اور حضرت ہارون علیہ السلام کی۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے کب دعا مانگی تھی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر آمین کہا تھا۔ رب نے آمین کو دعا فرمایا معلوم ہوا کہ آمین دعا ہے اور دعا آہستہ ہونا چاہیے یہ مسائل قرآنیہ میں سے ہے۔

اعتراض نمبر ۲

ترمذی شریف میں حضرت ابن حجر سے روایت ہے۔

قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ وَقَالَ آمِينَ وَمَدَّ بِهَا صَوْتَهُ

”میں نے نبی ﷺ کو سنا کہ آپ نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا۔ اور آمین فرمایا اپنی آواز کو اس پر بلند کیا۔“

معلوم ہوا کہ آمین بلند آواز سے کہنا سنت ہے۔

جواب

آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔ اس میں مدّ ارشاد ہو مدّ مُدّ سے بنا۔ اس کے معنی بلند کرنا نہیں بلکہ آواز کھینچنا ہے مطلب یہ ہے کہ حضور نے آمین بروزن کریم قصر سے نہ فرمائی۔ بلکہ بروزن قالین الف اور میم خوب کھینچ کر پڑھی۔ لہذا اس میں آپ کی کوئی دلیل نہیں۔ ترجمہ کی غلطی ہے۔ خیال رہے کہ مد کا مقابل قصر ہے خفاء کا مقابل ہے جہر۔ رفع کا مقابل خفض ہے اگر یہاں جہر ہوتا تو دلیل صحیح ہوتی۔ جہر کسی روایت میں نہیں رب فرماتا ہے۔

إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَى ”بیشک رب تعالیٰ جانتا ہے بلند اور پست آواز کو۔“

دیکھو رب نے یہاں خفاء کا مقابل جہر فرمایا نہ کہ مدّ۔

اعتراض نمبر ۳

ابوداؤد شریف میں حضرت وائل حجر سے روایت ہے۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَأَ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ

”نبی ﷺ جب فرماتے ولا الضالین تو فرماتے تھے آمین اور اس میں آواز شریف بلند فرماتے تھے۔“

یہاں رفع فرمایا جس کے معنی ہیں اونچا کیا۔ بلند کیا معلوم ہوا کہ آمین اونچی آواز سے کہنا سنت ہے۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت وائل ابن حجر کی اصل روایت میں مدّ ہے۔ جیسا کہ ترمذی شریف میں وارد ہوا۔ جس کے معنی کھینچنے کے ہیں نہ کہ بلند کرنا۔ یہاں اسناد کے کسی راوی نے روایت بالمعنی کی مدّ کو رفع سے تعبیر فرمایا اور مراد وہی کھینچنا ہے نہ کہ بلند کرنا روایت بالمعنی کا عام دستور تھا۔ دوسرے یہ کہ نماز کے علاوہ خارجی قراءۃ کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر جو روایات ہم نے پیش کی ہیں۔ ان میں نماز کا صراحۃً ذکر ہے۔ لہذا احادیث میں تعارض نہیں اور یہ احادیث ہمارے خلاف نہیں۔ تیسرے یہ کہ آمین بالجہر اور آمین خفی کی احادیث میں تعارض مگر جہر والی روایتیں قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ لہذا چھوڑنے کے لائق ہیں اور آہستہ کی روایتیں قرآن کے مطابق ہیں۔ لہذا واجب العمل ہیں۔ چوتھے یہ کہ آہستہ آمین کی حدیثیں قیاس شرعی کے موافق ہیں اور جہری آمین کی حدیثیں اس کے خلاف لہذا آہستہ آمین کی حدیثیں قابل عمل ہیں اس کے خلاف قابل ترک۔ قرآنی آیتوں اور قیاس شرعی کا ذکر ہم پہلی فصل میں کر چکے ہیں۔ پانچویں یہ کہ آمین جہری والی حدیثیں قرآن شریف سے اور ان احادیث سے جو ہم پیش کر چکے ہیں۔ منسوخ ہیں اسی لیے صحابہ کرام ہمیشہ ہمیشہ آمین کہتے تھے اور اسی کا حکم دیتے تھے اور زور سے آمین کہنے سے منع کرتے

تھے۔ جیسا کہ پہلی فصل میں ذکر کیا گیا اگر جہر کی حدیثیں منسوخ نہیں تھیں تو صحابہ نے عمل کیوں چھوڑ دیا۔

اعتراض نمبر ۴۔ ابن ماجہ میں حضرات ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ حَتَّى يَسْمَعَهَا أَهْلُ الصَّفِّ الْأَوَّلُ فَيَرْتَجُّ بِهَا الْمَسْجِدَ

”حضور علیہ السلام جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فرماتے تو آمین فرماتے یہاں تک کہ پہلی صف والے سن لیتے تو مسجد گونج جاتی تھی۔“

اس حدیث میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں یہاں تو مسجد گونج جانے کا ذکر ہے۔ گونج بغیر شور نہیں پیدا ہوتی۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے حدیث پوری پیش نہیں کی۔ اوّل عبارت چھوڑ دی وہ یہ ہے ملاحظہ ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ تَرَكَ النَّاسُ التَّامِينَ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

”لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دی۔ حالانکہ حضور ﷺ الخ

اس جملہ سے معلوم ہوا کہ عام صحابہ کرام نے بلند آواز سے آمین چھوڑ دی تھی۔ جس پر سیدنا ابو ہریرہ یہ شکایت فرما رہے ہیں اور صحابہ کا کسی حدیث پر عمل چھوڑ دینا اس حدیث کے نسخ کی دلیل ہے۔ یہ حدیث تو ہماری تائید کرتی ہے نہ کہ تمہاری۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ حدیث صحیح مان بھی لی جاوے تو عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اور جو حدیث عقل و مشاہدہ کے خلاف ہے۔ وہ قابل عمل نہیں خصوصاً جبکہ احادیث مشہورہ اور آیات قرآنیہ کے بھی خلاف ہو۔

کیونکہ اس حدیث میں مسجد گونج جانے کا ذکر ہے۔ حالانکہ گنبد والی مسجد میں گونج پیدا ہوتی ہے نہ کہ چھپر والی مسجد میں حضور انور ﷺ کی مسجد شریف آپ کے زمانہ معمولی چھپر والی تھی۔ وہاں گونج پیدا ہو ہی کیسے سکتی تھی۔ آج کوئی غیر مقلد صاحب کسی چھپر والے گھر میں شور مچا کر گونج پیدا کر کے دکھائے ان شاء اللہ عز وجل چیختے چیختے مرجاویں گے مگر گونج نہ پیدا ہوگی۔ اس اعتراض کے باقی وہ جواب ہیں۔ جو اعتراض نمبر ۳ کے ماتحت عرض کئے گئے۔ تیسرے یہ کہ یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔ رب فرماتا ہے لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو اگر صحابہ نے اتنی اونچی آمین کہی کہ مسجد گونج گئی تو سب کی آواز حضور کی آواز سے اونچی ہو گئی۔ قرآن کریم کی صریح مخالفت ہوئی جو حدیث مخالفت قرآن ہو قابل عمل نہیں۔

اعتراض نمبر ۵ بخاری شریف میں ہے۔

فَقَالَ عَطَاءٌ ”آمِينَ دُعَاءُ“ آمَنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَمَنْ وَرَاءَهُ حَتَّى أَنْ الْمَسْجِدِ الْجَنَّةِ

”حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے۔ اور حضرت ابن زبیر اور ان کے پیچھے والوں نے آمین کہی یہاں تک کہ مسجد میں گونج پیدا ہو گئی۔“

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ آمین اتنی چیخ کر کہنا چاہیے کہ مسجد گونج جاوے۔

جواب اس اعتراض کے بھی چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا پہلا جملہ ہمارے مطابق ہے کہ آمین دعا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ دعا آہستہ مانگو دیکھو فصل اوّل۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں نماز کا ذکر نہیں نہ معلوم خارج نماز یہ تلاوت ہوئی یا نماز میں ظاہر یہ ہے کہ خارج نماز ہوگی تاکہ ان احادیث کے خلاف نہ ہو جو ہم نے پیش کیں۔ تیسرے یہ کہ حدیث عقل و مشاہدہ سے کے خلاف ہے کیونکہ کچی اور چھپر والی مسجد میں گونج پیدا نہیں ہو سکتی۔ لہذا واجب التاویل ہے۔ جناب اگر قرآن کی آیت بھی عقل شرعی اور مشاہدے کے خلاف ہو تو وہاں تاویل واجب ہوتی ہے۔ ورنہ کفر لازم آ جاتا ہے۔ آیات صفات کو متشابہ مان کر صرف ایمان لاتے ہیں اس کے ظاہری معنی نہیں کرتے کیونکہ ظاہری معنی عقل شرعی کے خلاف ہیں۔

جیسے يَذِ اللّٰهُ فَوْقَ اَيِّدِيْهِمْ ”اُن کے ہاتھوں اللہ کا ہاتھ۔“

فَاَيْنَمَا لُوْا۟ لَوْ اَفْتَمَّ وَجْهَ اللّٰهِ ”تم جدھر پھرو گے ادھر ہی اللہ کا منہ ہے۔“

خدا کے لئے ہاتھ منہ ہونا عقل کے خلاف ہے لہذا یہ آیات واجب التاویل ہیں رب فرماتا ہے۔

فَوَجَدَهَا تَعْرُبُ فِيْ عَيْنِ حَمِيعَةٍ ”ذوالقرنین نے سورج کو کچھڑ کے چشمے میں ڈوبتے دیکھا۔“

سورج کا ڈوبتے وقت آسمان سے اترنا اور کچھڑ میں ڈوبنا خلاف عقل تھا۔ لہذا اس کی تاویل کی جاتی ہے۔ یہ تاویل ہمارے حاشیہ القرآن میں ملاحظہ کرو۔ جناب حدیث پڑھنا اور ہے حدیث سمجھنا کچھ اور۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسی کوئی حدیث صحیح مرفوع موجود نہیں جس میں نماز میں آمین بالجہر کی تصریح ہو ایسی صحیح حدیث نہ ملی ہے۔ نہ ملے گی وہابیوں

کو چاہئے کہ ضد چھوڑ دیں اور صدقِ دل سے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا دامن پکڑیں کہ یہ ہی حضور ﷺ کا راستہ ہے اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق ہمارے حاشیہ بخاری عربی میں ملاحظہ فرماؤ۔

اعتراض نمبر ۶۔ آہستہ آہستہ آپ نے جس قدر حدیثیں پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف سے استدلال نہیں کر سکتے۔ (وہی پرانا یاد کیا ہوا سبق) دیکھو وائل ابن حجر کی ترمذی والی روایت جو تم نے پیش کی۔ اس کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں۔

حَدِيثُ "سُفْيَانَ أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ شُعْبَةَ فِي هَذَا إِلَى أَنْ وَقَالَ وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ" وَإِنَّمَا هُوَ مَذْهَبُهَا صَوْتَهُ
 ”آمین کے بارے میں سفیان کی حدیث شعبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے شعبہ یہاں کہتے ہیں۔ خفض یعنی حضور نے پست آواز سے کہا حالانکہ یہاں مد ہے یعنی آواز کھینچ کر آمین فرمائی۔“

جواب خدا کا شکر ہے کہ آپ مقلد تو ہوئے امام ابو حنیفہ کے نہ سہی امام ترمذی کے سہی کہ ہف جرح آنکھ بند کر کے قبول کر لیتے ہیں۔ جناب اس حدیث کے ضعف کی اصل درجہ یہ ہے کہ آپ کے خلاف ہے اگر آپ کے حق میں ہوتی تو آنکھ بند کر کے مان لیتے۔ آپ کے اس سوال کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ ہم نے آہستہ آہستہ کی چھبیس سندیں پیش کیں کیا سب سندیں ضعیف ہیں اور سب میں شعبہ واری آرہے ہیں۔ اور شعبہ ہر جگہ فلفلی کر رہے ہوں یہ ناممکن ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر یہ چھبیس اسنادیں ساری کی ساری ضعیف بھی ہوں جب بھی سب مل کر قوی ہو گئیں۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔
 تیسرے یہ کہ شعبہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بعد اسناد میں شامل ہوئے جن سے یہ حدیث ضعیف ہوئی۔ امام صاحب کو یہ ہی حدیث بالکل صحیح ملی تھی بعد کا ضعف پہلے والوں کو معزز نہیں۔

چوتھے یہ کہ اگر پہلے سے ہی یہ حدیث ضعیف تھی۔ جب بھی امام اعظم سراج امت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قبول فرما لینے سے قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔

پانچویں یہ کہ چونکہ اس حدیث پر عام امت مسلمہ نے عمل کر لیا ہے لہذا حدیث کا ضعف جاتا رہا اور حدیث قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

چھٹے یہ کہ اس حدیث کی قرآن کریم تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قرآن کے خلاف ہے لہذا آہستہ آہستہ قرآن کی تائید کی وجہ سے قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

ساتویں یہ کہ اس حدیث کی قیاس شرعی تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قیاس شرعی کے اور عقل شرعی کے خلاف ہے لہذا آہستہ آہستہ قرآن کی حدیث قوی ہے اور بلند آواز کی حدیث ناقابل عمل غرض کہ آہستہ آہستہ آمین کی حدیث بہت قوی ہے۔ اس پر عمل چاہئے۔

اعتراض نمبر ۷ ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور جب سورۃ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو۔

قَالَ آمِينَ حَتَّى يَسْمَعَ مَنْ يَلِيهِ مِنَ الصَّفِّ الْأَوَّلِ ”اس طرح کہتے کہ صفِ اوّل میں جو آپ سے قریب ہوتا وہ سن لیتا۔“

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ پہلی آپ کی روایتوں میں تھا کہ مسجد گونج جاتی تھی اور اس میں یہ آیا کہ صرف پیچھے والے ایک دو آدمی ہی سنتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اسی حدیث کی اسناد میں بشیر ابن رافع آرہا ہے اسے ترمذی نے کتاب الجنائز میں حافظہ بنی نے میزان میں سخت ضعیف فرمایا احمد نے اسے منکر الحدیث کہا ابن معین نے اس کی روایت کو موضوع قرار دیا۔ امام نسائی نے اسے قوی نہیں مانا۔ (دیکھو آفتاب محمدی لہذا یہ حدیث سخت ضعیف ہے قابل عمل نہیں)

چھٹا باب

رفع یدین کرنا منع ہے

احناف اہل سنت کے نزدیک رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا خلاف سنت اور ممنوع ہے مگر وہابی غیر مقلدان دونوں وقت میں رفع یدین کرتے ہیں اور اس پر بہت زور دیتے ہیں۔

لہذا ہم اس مسئلے کو بھی دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جواب رب تعالیٰ قبول فرمادے۔

پہلی فصل

نماز میں رکوع جاتے آتے رفع یدین کرنا مکروہ اور اخلاف سنت ہے جس پر بے شمار احادیث اور قیاس مجتہدین وارد ہیں ہم ان میں سے کچھ عرض کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۴۱۴ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علقمہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُودٍ أَلَا أَصَلَّى بِكُمْ صَلَوةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً مَعَ تَكْبِيرِ الْإِفْتِاحِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ "حَسَنٌ" وَبِهِ يَقُولُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ

”ایک دفعہ ہم سے حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے حضرت کی نماز نہ پڑھوں پس آپ نے نماز پڑھی۔ اس میں سوا کچھ تحریمہ کے کبھی ہاتھ نہ اٹھائے۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ ابن مسعود کی حدیث حسن ہے اس رفع یدین نہ کرنے پر بہت سے علماء صحابہ و علماء تابعین کا عمل ہے۔“

خیال رہے کہ یہ حدیث چند وجہ سے بہت قوی ہے ایک یہ کہ اس کے راوی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو صحابہ میں بڑے فقیہ عالم ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ جماعت صحابہ کے سامنے حضور کی نماز پیش کرتے ہیں اور کوئی صحابی اس کا انکار نہیں فرماتے۔ معلوم ہوا کہ سب نے اس کی تائید کی۔ اگر رفع یدین سنت ہوتا تو صحابہ اس پر ضرور اعتراض کرتے کیونکہ ان سب نے حضور کی نماز دیکھی تھی۔ تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف نہ فرمایا۔ بلکہ حسن فرمایا۔ چوتھے یہ کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ بہت علماء صحابہ و تابعین رفع یدین نہ کرے تھے۔ ان کے عمل سے اس حدیث کی تائید ہوئی۔ پانچویں یہ کہ امام ابو حنیفہ جیسے جلیل القدر عظیم الشان مجتہد وقت نے اس کو قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا چھٹے یہ کہ عام امت رسول ﷺ کا اس پر عمل ہے۔ ساتویں یہ کہ یہ حدیث قیاس و عقل کے بالکل مطابق ہے جیسا کہ ہم آئندہ عرض کریں گے۔ انشاء اللہ ان وجوہ سے ضعیف حدیث بھی قوی ہو جاتی ہے چہ جائیکہ یہ حدیث تو خود بھی حسن ہے۔

حدیث نمبر ۵ شبہ نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُهَا حَتَّى يَفْرُغَ

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تھے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھاتے تھے۔“

خیال رہے کہ حدیث براء ابن عازب کو ترمذی نے اس طرح نقل فرمایا کہ فی الباب عن البراء

حدیث نمبر ۶ ابوداؤد نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ ثُمَّ لَمْ يَرْفَعْهُمَا حَتَّى انْصَرَفَ

”میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھ اٹھائے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھائے۔“

حدیث نمبر ۷ طحاوی شریف نے سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُودُ

”وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر کبھی نہ اٹھاتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۴۸ حاکم و بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْفَعُ الْأَيْدِي فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ وَاسْتِقْبَالِ الْبَيْتِ وَالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَالْمَوْقِفَيْنِ وَالْجَمْرَتَيْنِ

”حضور ﷺ نے فرمایا کہ ساتھ جگہ ہاتھ اٹھائے جائیں نماز شروع کرتے وقت کعبہ شریف کے سامنے منہ کرتے وقت صفاء مروہ پہاڑ پر اور دو موقف منا و مزدلفہ میں اور دونوں جمروں کے سامنے۔“

یہ حدیث بزار نے حضرت ابن عمر سے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے بیہقی نے حضرت ابن عباس سے طبرانی اور بخاری نے کتاب المفرد میں عبداللہ ابن عباس سے کچھ فرق سے بیان کی بعض روایات میں نماز عیدین کا بھی ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۱۵ امام طحاوی نے حضرت مغیرہ سے روایت کی کہ میں نے ابراہیم نخعی سے عرض کیا کہ حضرت وائل نے حضور کو دیکھا کہ آپ شروع نماز میں اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے تو آپ نے جواب دیا۔

إِنْ كَانَ وَالِئِلَّاءِ "رَأَاهُ" مَرَّةً يَفْعَلُ ذَلِكَ فَقَدْ رَأَاهُ عَبْدُ اللَّهِ خَمِيسِينَ مَرَّةً لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ

”اگر حضرت وائل نے حضور کو ایک بار رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے حضور کو پچاس رفع یدین نہ کرتے دیکھا۔“ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود کی حدیث بہت قوی ہے کیونکہ وہ صحابہ میں فقیہ عالم میں۔ حضور ﷺ کی صحبت میں اکثر رہنے والے نماز میں حضور سے قریب تر کھڑے ہونے والے ہیں۔ کیونکہ حضور کے قریب وہ کھڑے ہوتے تھے جو عالم و عاقل ہوتے تھے جیسا کہ روایات میں وارد ہے۔

حدیث نمبر ۱۶، ۱۷ طحاوی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عُمَرَ فَلَمْ يَكُنْ يَدِيهِ إِلَّا فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى مِنَ الصَّلَاةِ

”کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نماز میں پہلی تکبیر کے سوا کسی وقت ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۸ یعنی شرعی بخاری نے حضرت عبداللہ ابن زبیر سے روایت کی۔

أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ رَفْعِ رَأْسِهِ مِنَ الرُّكُوعِ فَقَالَ لَهُ لَا تَفْعَلْ فَإِنَّهُ شَيْءٌ فَعَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تَرَكَهُ

”کہ آپ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو کیونکہ یہ کام ہے جو حضور ﷺ نے پہلے کیا تھا پھر چھوڑ دیا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے آگے پیچھے رفع یدین منسوخ ہے۔ جن صحابہ سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یدین ثابت ہے وہ پہلا فعل ہے بعد میں منسوخ ہو گیا۔

حدیث نمبر ۱۹، ۲۰ بیہقی و طحاوی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى مِنَ الصَّلَاةِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُ فِي شَيْءٍ مِنْهَا

”کہ آپ نماز کی پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی حالت میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔“

حدیث نمبر ۲۱ طحاوی شریف نے حضرت اسود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَفَعَ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُودُ وَقَالَ حَدِيثٌ "صَحِيحٌ"

”میں نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے پھر نہ اٹھائے امام طحاوی نے فرمایا کہ حدیث صحیح ہے۔“

حدیث نمبر ۲۲ ابوداؤد شریف نے حضرت سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ إِسْنَادُهُ بِهَذَا قَالَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ وَقَالَ بَعْضُهُمْ مَرَّةً وَاحِدَةً

”حضرت سفیان اسی اسناد سے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے پہلی بار ہی ہاتھ اٹھائے بعض راویوں نے فرمایا کہ ایک ہی دفعہ ہاتھ

اٹھائے۔“

حدیث نمبر ۲۳ دارقطنی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَاذَى بِهِمَا اُنْيَهُ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ اِلَى شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ حَتَّى فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ

”کہ انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا جب کہ حضور ﷺ نے نماز شروع کی تو ہاتھ اٹھاتے اٹھائے کہ کانوں کے مقابل کر دیئے پھر نماز سے فارغ ہونے تک کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھائے۔“

حدیث نمبر ۲۴ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت امام ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم سے اس طرح روایت کی۔

اَنَّهُ قَلَّلَ لَا تَرْفَعِ الْاَيْدِي فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاتِكَ بَعْدَ الْمَرَّةِ الْاُولَى

”آپ نے فرمایا کہ پہلی بار کے سوا نماز میں کبھی ہاتھ نہ اٹھاؤ۔“

حدیث نمبر ۲۵ ابو داؤد نے براء ابن عازب سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ اِلَى قَرِيبٍ مِّنْ اُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَعُودُ

”بیشک حضور ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے تو کانوں کے قریب تک ہاتھ اٹھاتے تھے پھر عود نہ کرتے۔“

رفع یدین کی ممانعت کی اور بہت سی احادیث ہیں۔ ہم نے یہاں بطور اختصار صرف پچیس روایتیں پیش کر دیں اگر شوق ہو تو مؤطا امام محمد۔ طحاوی شریف۔ صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماویں۔

آخر میں ہم حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا وہ مناظرہ پیش کرتے ہیں۔ جو رفع یدین کے متعلق مکہ معظمہ میں امام اوزاعی سے ہوا۔ ناظرین دیکھیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کس پایہ کے محدث ہیں اور کتنی قوی صحیح الاسناد حدیث پیش فرماتے ہیں۔

امام ابو محمد بخاری محدث رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان ابن عیینہ سے روایت کی کہ ایک دفعہ حضرت امام اعظم اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی مکہ معظمہ کے دارالحفاظین میں ملاقات ہو گئی تو ان بزرگوں کی آپس میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔ سنئے اور ایمان تازہ کیجئے۔ یہ مناظرہ فتح القدیر اور مرقات شرح مشکوٰۃ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

امام اوزاعی آپ لوگ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

امام ابو حنیفہ آپ لوگ اس لئے کہ رفع یدین ان موقعوں پر حضور سے ثابت نہیں۔

امام اوزاعی آپ نے یہ کیا فرمایا میں آپ کو رفع یدین کی صحیح حدیث سناتا ہوں۔

حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَعِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ فَعِ مِنْهُ

”مجھے زہری نے حدیث بیان کی انہوں نے سالم سے سالم نے اپنے والد سے انہوں نے نبی ﷺ سے کہ آپ ہاتھ اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت۔“

امام اعظم میرے پاس اس سے قوی تر حدیث اس کے خلاف موجود ہے۔

امام اوزاعی اچھا فورا پیش فرمائیے

امام اعظم لیجئے سنئے۔

حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا عِنْدَ افْتَتَاحِ الصَّلَاةِ ثُمَّ لَا يَعُودُ لِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ

”ہم سے حضرت حماد نے حدیث بیان کی۔ انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت علقمہ اور اسود سے انہوں نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہ آپ ہاتھ اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت۔“

انہوں نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے کہا نبی ﷺ صرف شروع نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی وقت نہ اٹھاتے تھے۔“

امام اوزاعی آپ کی پیش کردہ حدیث کو میری پیش کردہ حدیث پر کیا فوقیت ہے جس کی وجہ سے آپ نے اسے قبول فرمایا اور میری حدیث کو چھوڑ دیا۔

امام اعظم اس لیے کہ حماد زہری سے زیادہ فقیہ ہیں۔ اور ابراہیم نخعی سالم سے بڑھ کر عالم و فقیہ ہیں۔ علقمہ سالم کے والد عبد اللہ ابن عمر میں کم نہیں اسود بہت ہی بڑی مکتی فقیہ و افضل ہیں۔ عبد اللہ ابن مسعود فقہ ہیں۔ قرآنہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں حضرت ابن عمر سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں کہ بچپن سے حضور ﷺ کے ساتھ رہے۔

چونکہ ہماری حدیث کے راوی تمہاری حدیث کے راویوں سے علم و فضل میں زیادہ ہیں۔ لہذا ہماری پیش کردہ حدیث بہت قوی اور قابل قبول ہے۔

امام اوزاعی خاموش:

غیر مقلد وہابی صاحبان امام صاحب کی یہ اسناد دیکھیں اور اس میں کوئی نقص نکالیں امام اوزاعی کو بجز خاموشی کے چارہ کار نہ ہوا یہ ہے۔ امام اعظم کی حدیث دانی اور یہ ہے۔ ان کی حدیث کی اسناد اللہ تعالیٰ حق قبول کرنے کی توفیق دے۔ ضد کا کوئی علاج نہیں یہ لمبی اسنادیں اور ان میں ضعیف راویوں کی شرکت حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد کی پیداوار ہیں۔ امام صاحب نے جو حدیث قبول فرمائی وہ نہایت صحیح ہے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین نہ ہو کیونکہ تمام کا اس پر اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ میں رفع یدین ہو۔ اور تمام اس پر بھی اتفاق ہے کہ سجدہ اور قعدہ کی تکبیروں میں رفع یدین نہ ہو۔ رکوع کی تکبیر میں اختلاف ہے دیکھنا چاہیے کہ رکوع کی تکبیر تحریمہ کی طرح ہے یا سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کی تکبیر۔ تکبیر تحریمہ کی طرح نہیں۔ بلکہ سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح ہے۔ کیونکہ تکبیر تحریمہ فرض ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور رکوع و سجدے کی تکبیریں سنت کہ ان کے بغیر بھی نماز ہو جاوے گی۔ تکبیر تحریمہ نماز میں صرف ایک دفعہ ہوتی ہے۔ رکوع سجدے کی تکبیریں بار بار ہوتی ہیں۔ تکبیر تحریمہ سے اصل نماز شروع ہوتی ہے رکوع سجدے کی تکبیروں سے رکن نماز شروع ہوتا ہے نہ کہ اصل نماز، تکبیر تحریمہ نماز پر دنیاوی کام کھانا پینا وغیرہ حرام کرتی ہے رکوع سجدہ کی تکبیروں کا یہ حال نہیں ان سے پہلی ہی حرمت آچکی ہے تو جب رکوع کی تکبیر سجدہ کی تکبیر کی طرح ہوئی نہ کہ تکبیر کی طرح تو چاہیے کہ رکوع کی تکبیر کا بھی وہی حال ہو۔ جو سجدہ کی تکبیر کا حال ہے یعنی ہاتھ نہ اٹھانا لہذا حق یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین ہرگز نہ کرے۔ (ازلمحاوی شریف)

خلاصہ یہ ہے کہ رفع یدین بقوت رکوع حضور ﷺ کی سنت اور حضرات صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین کے عمل کے خلاف ہے عقل شرعی کے بھی مخالف جن روایات میں رفع یدین آیا ہے وہ تمام منسوخ ہیں جیسا کہ حدیث نمبر ۱۸ میں صراحتاً مذکور ہے یا وہ سب مرجوع اور ناقابل عمل ہیں ورنہ احادیث میں سخت تعارض واقع ہوگا۔ یہ بھی خیال رہے کہ نماز میں سکون و اطمینان چاہیے بلاوجہ حرکت و جنبش مکروہ اور سنت کے خلاف ہے اس ہی لیے نماز میں بلا ضرورت پاؤں ہلانا، انگلیوں کو جنبش دینا منوع ہے۔

رفع یدین میں بلا ضرورت جنبش ہے۔ تو رفع یدین کی حدیثیں سکون نماز کے خلاف ہیں اور ترک رفع کی حدیثیں سکون نماز کے موافق، لہذا عقل کا بھی تقاضا ہے کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیثوں پر عمل ہو۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے اب تک مسئلہ رفع یدین پر جو اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں۔ ہم نہایت متانت سے تفصیل وار مع جوابات عرض کرتے ہیں رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

اعتراض نمبر ۱ رفع یدین نہ کرنے کے متعلق جس قدر روایات پیش کی گئیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیث قابل عمل نہیں ہوتی۔ (وہی پرانہ سبق)

جواب جی ہاں۔ صرف اس لیے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں۔ اگر آپ کے حق میں ہوتیں تو اگرچہ من گھڑت موضوع بھی ہوتیں آپ کے سرو آنکھوں پر ہوتیں۔ جناب آپ کی ضعیف ضعیف کی رٹ نے لوگوں کو حدیث کا منکر بنادیا واسطہ رب کا یہ عادت چھوڑ دو۔ ہم ضعیف کے بہت جوابات پچھلے بابوں میں عرض کر چکے۔

اعتراض نمبر ۲ ابو داؤد کی براء ابن عازب والی حدیث کے متعلق خود ابو داؤد نے فرمایا۔

هَذَا الْحَدِيثُ لَيْسَ بِصَحِيحٍ ”یہ حدیث صحیح نہیں۔“

معلوم ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر آنے سے پیش کیوں فرمایا۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضعیف ہو یا صحیح اور ضعیف کے درمیان حسن بنفسہ۔ حسن بغیرہ کا درجہ بھی ہے۔ ابوداؤد نے صحت کا انکار کیا ہے نہ کہ ضعف کا دعویٰ۔ دوسرے یہ کہ ابوداؤد کا فرمانا کہ یہ حدیث صحیح نہیں جرح مبہم ہے۔ انہوں نے صحیح نہ ہونے کی وجہ نہ بتائی کہ کون سا راوی ضعیف ہے اور کیوں عیث ہے جرح مبہم معتبر نہیں ہم ابوداؤد کے مقلد نہیں کہ ان کی ہر جرح آنکھ میچ کر مان لیں۔

اعتراض نمبر ۳ ابوداؤد آپ کی پیش کردہ حدیث نمبر ۲۵ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یزید ابن ابی زیاد ہیں۔ جو کہ آخر عمر میں بھول کی بیماری ہو گئی تھی انہوں نے بڑھاپے میں فرمایا۔

ثُمَّ لَا يَعُودُ ورنہ اصل حدیث میں یہ الفاظ موجود نہیں لیجیے جرح مفصل حاضر ہے۔ اب یہ حدیث یقیناً ضعیف ہے جو قابل عمل نہیں۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ یزید ابن ابی زیاد ابوداؤد کی اس روایت میں ہیں۔ مگر امام صاحب ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد میں نہیں تو یہ اسناد ابوداؤد کو ضعیف ہو کر ملی مگر امام ابوحنیفہ کو صحیح ہو کر ملی تھی۔ ابوداؤد کا ضعف امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے لئے مضر کیوں ہو۔

دوسرے یہ کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے سب میں یزید ابن زیاد موجود نہیں۔ اگر یہ اسناد ضعیف ہے تو باقی اسنادیں کیوں ضعیف ہوں گی۔

تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرمایا۔ اور بہت صحابہ کا اس پر عمل بیان کیا۔ آپ کی نظر ابوداؤد کے ضعیف کہنے پر تو گئی مگر امام ترمذی کے حسن فرمانے پر نہ گئی اور صحابہ کے عمل پر نہ گئی یہ کیوں۔

چوتھے یہ کہ اگر اس حدیث کی ساری اسنادیں بھی ضعیف ہوں تب بھی سب ضعیف اسنادیں مل کر قوی ہو جائیں گی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔ پانچویں یہ کہ عام علماء اولیاء جمہور ملت اسلامیہ کا عرف یدین نہ کرنے پر عمل رہا اور ہے اس سے بھی یہ حدیث قوی ہو جاتی ہے سواء مٹھی بھر دو ہاتھوں کے سب ہی اس پر عامل ہیں تعجب ہے کہ آپ کی ڈیڑھ آدمیوں کی جماعت تو حق پر ہو مگر عام امت رسول اللہ گمراہی پر۔ خیال رہے کہ دنیا میں پچانوے فی صدی مسلمان حنفی المذہب ہیں اور پانچ فی صدی دیگر مذاہب اس اندازہ کی صحت حرمین طہین جا کر معلوم ہوتی ہے۔ جہاں ہر ملک کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ پچارے وہابی تو کسی شمار میں نہیں یہ شاید ہزار میں ایک ہوں گے۔ سرکار علیہ السلام فرماتے ہیں۔

مَارَاهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ ”جیسے عامۃ المؤمنین اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔“

اور فرماتے ہیں۔ **اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مَنْ شَدَّ فِي النَّارِ**

”میری امت کے بڑے گروہ کی پیروی کرو۔ جو بڑی جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ جائیگا۔“

خیال دہے کہ شافعی، مالک، حنبلی، حنفی سب ایک گروہ ہے کہ عقائد کے ایک ہیں سب مقلد ہیں۔ غیر مقلد مٹھی بھر جماعت مسلمانوں سے عقائد میں بھی علیحدہ ہے۔ اعمال میں جدا گانہ لہذا حنفیوں کی کوئی حدیث ضعیف ہو سکتی ہی نہیں۔ امت کے عمل سے قوی ہے۔ دیکھو مقدمہ۔

اعتراض نمبر ۴ تمہاری پیش کردہ حدیث نمبر ۱ جو ترمذی وغیرہ نے حضرت ابن مسعود سے نقل کی وہ مجمل ہے کیونکہ اس میں نماز کا سارا طریقہ بیان نہ کیا گیا صرف یہ فرمایا گیا کہ ابن مسعود نے صرف ایک دفعہ ہاتھ اٹھایا آگے کیا کیا یہ مذکور نہیں اور مجمل حدیث ناقابل عمل ہوتی ہے۔

(ذریعہ غازی خاں کے ایک لائق وہابی)

جواب جناب یہ حدیث مجمل نہیں، مطلق نہیں، عام نہیں، مشترک لفظی یا معنوی نہیں بلکہ حدیث مختصر ہے۔ مختصر پر عمل کو کس نے منع کیا اور مجمل بھی بعد بیان حکم قابل عمل بلکہ واجب العمل ہو جاتی ہے کیونکہ مجمل کے بعد محکم ہو جاتی ہے۔

ہمارا اعلان دنیا بھر کے وہابی غیر مقلدوں کو اعلان ہے کہ مطلق۔ عام۔ مجمل۔ مشترک معنوی۔ مشترک لفظی میں فرق بتائیں اور ان میں سے ہر ایک کی جامع مانع تعریف کریں کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اصول فقہ، مطلق کو ہاتھ نہ لگائیں۔

وہابیو تم حدیث کے غلط ترجمے کیے جاؤ۔ تمہیں ان علمی چیزوں سے کیا تعلق کسی حنفی عالم سے مجمل کا لفظ سن لیا ہوگا تو دھونس جمانے کے لئے یہاں اعتراض جڑ دیا اور اس میں یہ سنا ہوا لفظ استعمال کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے علوم کے دریا تو مقلدین کے سینوں میں بہائے ہیں۔

اعتراض نمبر ۵ ابوداؤد۔ ترمذی۔ واری ابن ماجہ نے حضرت ابو حمید ساعدی سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں رفع یدین کے متعلق عبارت یہ ہے۔

ثُمَّ يَكْبُرُ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَازِيَ بِهِمَا مَنْكَبَيْهِ ثُمَّ يَرْكَعُ وَيَضَعُ رَاحَتَيْهِ عَلَى رُكَّتَيْهِ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ

فَيَقُولُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَازِيَ بِهِمَا مَنْكَبَيْهِ

”پھر آپ تکبیر کہتے تھے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے اٹھاتے کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے اور اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھتے پھر اپنا سر اٹھاتے پھر کہتے سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ پھر اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے۔“

ابو حمید ساعدی نے جماعت صحابہ میں یہ حدیث پیش کی جس میں بوقت رکوع رفع یدین کا ذکر ہے اور سب نے ان کی تصدیق کی معلوم ہوا کہ رفع یدین حضور کا فعل ہے اور صحابہ کی تصدیق و عمل لہذا اس پر عمل ہم کو بھی چاہیے۔

(نوٹ یہ حدیث وہابی غیر مقلدوں کی انتہائی دلیل ہے جس پر انہیں بہت ناز ہے۔)

جواب اس کے چند جواب ہیں غور سے ملاحظہ کرو۔ ایک یہ کہ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے قابل عمل نہیں کیونکہ اس حدیث کی اسناد ابوداؤد وغیرہ میں یہ ہے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى وَهَذَا حَدِيثٌ أَحْمَدُ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ يَعْنِي ابْنَ جَعْفَرٍ

أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ ابْنُ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا حُمَيْدٍ السَّاعِدِيَّ فِي عَشْرَةِ الْخ

”ہم سے مسدد نے حدیث بیان کی وہ فرماتے ہیں ہمیں یحییٰ نے حدیث سنائی۔ احمد نے فرمایا کہ ہمیں عبد الحمید ابن جعفر نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو حمید ساعدی سے دس صحابہ کی جماعت میں سنا۔“

ان میں سے عبد الحمید ابن جعفر سخت مجروح و ضعیف ہیں۔ دیکھو طحاوی۔ دوسرے محمد ابن عمر ابن عطاء نے ابو حمید ساعدی سے ملاقات ہی نہیں کی۔ اور کہہ دیا میں نے ان سے سنا ہے لہذا یہ قاطع ہے۔ درمیان میں کوئی راوی چھوٹ گیا۔ جو مجہول ہے (طحاوی) ان دو نقطوں کی وجہ سے یہ حدیث ہی ناقابل عمل ہے مگر چونکہ آپ کے موافق ہے۔ اس لیے آپ کو مقبول ہے کچھ تو شرم کرو۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ حدیث میں یہ بھی ہے۔

ثُمَّ إِذَا قَامَ مِنَ الرُّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَازِيَ بِهِمَا مَنْكَبَيْهِ كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ

”پھر جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تو تکبیر فرماتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندوں کے مقابل ہو جاتے جیسے کہ نماز کے شروع پر کیا تھا۔“

فرماؤ آپ دو رکعتوں سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

تیسرے یہ کہ جب ابو حمید ساعدی نے یہ حدیث صحابہ کے مجمع میں پیش کی تو ان بزرگوں نے فرمایا جو ابوداؤد میں ہے۔

قَالُوا فَلَمَّا قَوَّى اللَّهُ مَا كُنْتَ بِأَكْثَرَ نَالَهُ، تَبَعَهُ وَأَقْدَمَنَالَهُ، صُحْبَةً قَالَ بَلَى

”انہوں نے فرمایا کہ تم ہم سے زیادہ حضور ﷺ کی نماز کے کیسے واقف ہو گئے نہ تو تم ہم سے زیادہ حضور کیساتھ رہے نہ ہم سے پہلے تم صحابی بنے تو ابو حمید بولے بیشک ایسا ہی ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ ابو حمید نہ تو صحابہ میں فقیہہ و عالم ہیں نہ انہیں حضور کی زیادہ صحبت میسر ہوئی اور سیدنا عبد اللہ ابن مسعود عالم فقیہہ صحابی ہیں جو حضور کے ساتھ سایہ کی طرح رہے۔ وہ رفع یدین کے خلاف روایت کرتے ہیں تو یقیناً ابو حمید کی روایت کے مقابل میں حضرت ابن مسعود کی روایت معتبر ہے جیسا کہ تعارض احادیث کا حکم ہے لہذا تمہاری یہ حدیث بالکل ناقابل علم ہے۔

چوتھے یہ کہ ابو حمید ساعدی نے یہ نہ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر حیات شریف تک رفع یدین کیا صرف یہ فرمایا کہ حضور ایسا کرتے تھے مگر کب تک اس سے خاموشی ہے ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں کہ رفع یدین کی حدیثیں منسوخ ہیں۔ لہذا یہ اُس منسوخ حدیث کا بیان ہے کہ ایک زمانہ میں حضور ایسا کرتے تھے اب لائق عمل نہیں۔

پانچویں یہ کہ یہ حدیث قیاس شرعی کے خلاف ہے اور سیدنا ابن مسعود کی روایت قیاس کے مطابق لہذا وہ حدیث واجب العمل ہے اور تمہاری یہ روایت واجب التکرار کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس شرعی سے ایک کو ترجیح ہوتی ہے اس کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ دیکھو ایک حدیث میں ہے۔

أَلَوْ ضَوْءٌ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ ”آگ کی پکی چیز کے استعمال سے وضو کرنا واجب ہے۔“

دوسری حدیث شریف میں وارد ہوا کہ حضور انور ﷺ نے کھانا ملا خطہ فرما کر بغیر وضو کئے نماز پڑھی۔ یہاں حدیثوں میں تعارض ہوا تو پہلی حدیث

چھوڑ دی گئی کہ قیاس کے خلاف ہے دن رات گرم پانی سے وضو کیا جاتا ہے۔ دوسری حدیث واجب العمل ہوئی کہ قیاس کے مطابق ہے ایسے ہی یہاں ہے۔

چھٹے یہ کہ عام صحابہ کرام کا عمل تمہاری پیش کردہ حدیث کے خلاف رہا جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے معلوم ہوا کہ صحابی کی نظر میں رفع یدین کی حدیث منسوخ ہے۔

ساتویں یہ کہ ابو حمید ساعدی کی اس روایت میں عبد الحمید ابن جعفر اور محمد ابن عمرو ابن عطاء ایسے غیر معتبر راوی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ چنانچہ امام ماروی نے جو ہر نقلی میں فرمایا کہ عبد الحمید منکر الحدیث ہے۔ یہ امام ماروی وہ ہیں۔ جنہیں یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں۔ **هُوَ إِمَامُ النَّاسِ فِي هَذَا الْبَابِ** حدیث کے فن میں وہ امام ہیں۔ محمد ابن عمرو ایسا چھوٹا راوی ہے۔ کہ اس کی ملاقات ابو حمید ساعدی سے ہرگز نہ ہوئی۔ مگر کہتا ہے سمعت میں نے اُن سے سنا۔ ایسے جھوٹے آدمی کی روایت موضوع یا کم سے کم اول درجہ کی مدلس ہے۔ نیز اس حدیث کی اسناد میں سخت اضطراب ہے اسناد بھی مضطرب ہے اور متن بھی۔ نیز اس حدیث کی اسناد میں سخت اضطراب ہے اسناد بھی مضطرب ہے اور متن بھی۔ چنانچہ عطاء ابن خالد نے جب یہ روایت کی تو محمد ابن عمرو اور ابو حمید ساعدی کے درمیان ایک مجہول الحال راوی بیان کیا لہذا یہ حدیث مجہول بھی و غرضیکہ اس حدیث میں ایک نہیں بہت خرابیاں ہیں یہ منکر بھی ہے مضطرب بھی مدلس یا موضوع بھی ہے۔ مجہول بھی ہے۔ دیکھو حاشیہ ابو داؤد یہ ہی مقام ایسی روایت تو نام لینے کے قابل بھی نہیں۔ بجائے کہ اس سے دلیل پکڑی جاوے۔

آٹھویں یہ کہ بخاری نے بھی ابو حمید ساعدی کی یہ روایت لی ہے مگر نہ اس میں ایسے راوی ہیں نہ وہاں رفع یدین کا ذکر ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف باب صفحہ الصلوٰۃ اگر ان کی روایت میں رفع یدین کا ذکر درست ہوتا تو امام بخاری ہرگز نہ چھوڑتے۔ بہر حال تمہاری یہ حدیث کسی لحاظ سے توجہ کے قابل نہیں۔

حنفی بھائیو: رفع یدین غیر مقلد وہابیوں کا چوٹی کا مسئلہ ہے اور یہ حدیث ابو حمید ساعدی پایہ ناز دلیل ہے جو وہابیوں کے بچہ بچہ کو حفظ ہوتی ہے عام حنفی لوگ انکی لن ترانیاں دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ان کے دلائل بڑے خوب قوی ہیں۔ الحمد للہ کہ اس دلیل کے پرچھے اڑ گئے اب وہابی یہ حدیث پیش کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔

خیال دہے کہ وہابیوں کی کسی اسناد کا مجروح ہو جانا وہابیوں کے لئے قیامت ہے کیوں کہ ان کے مذہب کی بنیاد صرف انہیں اسنادوں پر ہی ہے اگر ایک اسناد غلط ہو گئی تو سمجھو کہ انکے مذہب کی آنکھ پھوٹ گئی کیونکہ ان بیچاروں کا سواء اسنادوں کے کوئی سہارا نہیں یہ بے پیرے، بے مرشد بے نور سے اس آیت کے مصداق ہیں۔

رب فرماتا ہے۔ **وَمَنْ يُضِلِّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا** نیز رب فرماتا ہے **وَمَنْ يَلْعَنُهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا** ”جیسے اللہ گمراہ کرے اسے نہ کوئی ولی ملے نہ پیر مرشد۔ جس پر خدا لعنت کرتا ہے اس کا کوئی مددگار نہیں۔“

لیکن احناف کی حدیث کی کسی اسناد کے مجروح ہونے سے احناف پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہمارے مسائل فقہیہ کا دار و مدار اسنادوں پر نہیں۔ بلکہ حضرت امام الآئمہ کاشف الغمہ سراج ائمہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرمان پاک پر ہے۔ وہ امام اعظم جو امت کا چراغ ہے امام بخاری و عام محدثین کے استادوں کا استاد ہے جس کے زیر دامن ہزار ہا اولیاء اور علماء ہیں جس کا مذہب ہر اس جگہ موجود ہے جہاں دین رسول اللہ ﷺ موجود ہے ان کے قول ہمارے مسائل کی دلیل ہیں امام اعظم کی دلیلیں آیات قرآنیہ اور وہ صحیح احادیث ہیں۔ جن پر نہ کوئی خدشہ ہے نہ غبار کیونکہ امام اعظم حضور علیہ السلام سے بہت قریب زمانہ میں ہیں۔

مثال دیکھو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی میراث تقسیم نہ فرمائی حالانکہ قرآن کریم میں میراث کا حکم ہے۔ جب ان کی خدمت میں یہ سوال ہوا تو فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ انبیاء کرام کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود براہ راست یہ حدیث سنی تھی بے دھڑک اس پر عمل کیا اگر اس حدیث سے ہم استدلال کرتے تو ہم کو ہزار ہا مصیبتیں پیش آجائیں۔ اسناد پر ہزار ہا قسم کی جرح ہو جاتی مگر صدیق اکبر کی آنکھوں نے خاموش قرآن میں تقسیم میراث کا حکم دیکھا تھا لیکن اُن کے کانوں نے بولتے ہوئے صاحب قرآن ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اُس حکم سے انبیاء کرام مستثنیٰ ہیں۔ جیسے صدیق اکبر کی حدیث جرح و قدح سے پاک ہے ایسے ہی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی روایات جرح و قدح سے پاک کہ ان کا زمانہ حضور علیہ السلام سے متصل ہے لہذا وہابیوں کے لئے یہ اسنادیں آفت ہیں ہم مقلدوں پر ان جوحوں کا کوئی اثر نہیں۔ دیکھو ہم نے پہلی فصل میں جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کی اسناد پیش کی سُبْحَانَ اللہ عز و جل کیسی پاکیزہ اسناد ہے کیا کسی وہابی میں ہمت ہے کہ اسناد پر جرح کر سکے۔

اعتراض نمبر ۶ بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَسَنًا وَمَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذَلِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السُّجُودِ

”بیشک رسول اللہ ﷺ ہاتھ شریف کا ندھوں تک اٹھاتے تھے۔ جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر فرماتے۔ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے اور فرماتے سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اور سجدہ میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔“

یہ حدیث مسلم و بخاری کی ہے۔ نہایت صحیح الاسناد ہے۔ جس سے رفع یدین رکوع کے وقت بھی ثابت ہے اور بعد رکوع بھی۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک ہی کہ اس حدیث میں یہ تو ذکر ہے کہ حضور ﷺ رکوع میں رفع یدین کرتے تھے یہ ذکر نہیں کہ آخر وقت تک حضور ﷺ کا یہ فعل شریف رہا۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ واقعی رفع یدین اسلام میں پہلے تھا بعد کو منسوخ ہو گیا۔ اس حدیث میں اس منسوخ فعل شریف کا ذکر ہے۔ اس کا منسوخ ہونا ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے۔

دوسرے یہ کہ صحابہ کرام نے رفع یدین کرنا چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی نظر میں رفع یدین منسوخ ہے۔ چنانہ دارقطنی میں صفحہ نمبر ۱۱۱ پر سیدنا عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ وَمَعَ عُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعُوا أَيْدِيَهُمْ إِلَّا عِنْدَ التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ

”فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام اور حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ نمازیں پڑھی ہیں ان حضرات نے شروع نماز تکبیر اولیٰ کے سوا اور کسی وقت ہاتھ نہ اٹھائے۔“

فرماؤ جناب اگر رفع یدین سنت باقیہ ہے تو ان بزرگوں نے اس پر عمل کیوں چھوڑ دیا۔ تیسرے یہ کہ اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ ابن عمر ہیں اور ان کا خود اپنا عمل اس کے خلاف کہ آپ رفع یدین نہ کرتے تھے جیسا کہ ہم پہلی فصل میں نقل کر چکے اور جب راوی کا اپنا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو معلوم ہوگا کہ یہ حدیث خود راوی کے نزدیک منسوخ ہے ہم پہلی فصل میں یہ بھی دیکھا چکے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان صحابہ کے عمل نے اس حدیث کا نسخ ثابت کیا۔ چوتھے یہ کہ رسالہ آفتاب محمدی یہ ہے کہ یہ حدیث ابن عمر سے چند اسنادوں سے مروی ہے اور وہ سخت ضعیف ہیں کیونکہ ایک روایت میں یونس ہے جو سخت ضعیف ہے جیسا کہ تہذیب میں ہے۔ اس کی دوسری اسناد میں ابو قلابہ ہے جو خارجی المذہب تھا یعنی یا حنبلی دیکھو تہذیب تیسری اسناد میں عبداللہ ہے یہ پکارا فضی تھا۔ چوتھی اسناد میں شعیب ابن اسحاق ہے یہ بھی مرجیہ مذہب کا تھا۔ غرض کہ رفع یدین کی حدیثوں کے راوی روافض بھی ہیں کیونکہ یہ روافض کا عمل ہے وہ رفع یدین کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۷ بخاری شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَامَ مِنَ الرَّكَعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ ذَلِكَ ابْنُ عُمَرَ إِلَى النَّبِيِّ

”حضرت عبداللہ ابن عمر جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہتے جب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور اس فعل کو آپ نبی ﷺ کی طرف مرفوع کرتے تھے۔“

دیکھو سیدنا عبداللہ ابن عمر بوقت رکوع رفع یدین کرتے تھے۔ رفع یدین سنت صحابہ بھی ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کہ اس میں دو رکعتوں سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین ثابت ہے۔ تم لوگ صرف رکوع پر کرتے ہو دو رکعتوں سے اٹھتے وقت نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث بیان کر چکے ہیں کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی وہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اب حضرت ابن عمر کے دو فعل نقل ہوئے بوقت رکوع ہاتھ اٹھانا۔ اور نہ اٹھانا ان دونوں حدیثوں کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ نسخ کی خبر ہے پہلے آپ ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اور نسخ کی خبر کے بعد نہ اٹھاتے تھے کیونکہ اس حدیث میں وقت کا ذکر نہیں کہ کب اور کس زمانہ میں اٹھاتے تھے لہذا دونوں حدیثیں جمع ہو گئیں۔ چنانچہ طحاوی شریف میں ہے۔

فَلَقَدْ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ ابْنُ عُمَرَ فَعَلَ مَا رَأَاهُ طَاوُسٌ " قَبْلَ أَنْ تَقُومَ الْحُجَّةُ عِنْدَهُ، بِنَسْخِهِ ثُمَّ قَانَتْ الْحُجَّةُ عِنْدَهُ، بِنَسْخِهِ وَتَرَكَهُ، وَفَعَلَ مَا زَكَرَهُ، عِنْدَ مُجَاهِدٍ "

”جائز ہے کہ سیدنا ابن عمر نے رفع یدین جو طاوُس نے دیکھا ثبوت نسخ سے پہلے کیا۔ پھر جب سیدنا عبداللہ ابن عمر کو رفع یدین کے نسخ کی تحقیقی ہوگئی تو چھوڑ دیا اور وہ کیا۔ جو مجاہد نے دیکھا۔ (رفع یدین نہ کرتا)“

بہر حال ہمارے نزدیک دونوں حدیثیں درست ہیں مختلف وقتوں میں مختلف عمل ہیں۔ مگر وہابیوں کو ایک حدیث چھوڑنا پڑی ہے کسی حدیث کو چھوڑنے سے دونوں کو جمع کرنا بہتر ہے۔

اعتراض نمبر ۸ مسلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔ جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللَّهَ لِمَنْ حَمَدَهُ، رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمَّا سَجَدَ سَجَدَ بَيْنَ كَفْيَيْهِ

”جب حضور ﷺ نے سماع اللہ لمن حمدہ فرمایا تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کے بیچ میں کیا۔“

اس سے بھی رفع یدین ثابت ہے۔

جواب حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت سیدنا عبداللہ ابن مسعود کی روایت کے مقابلہ میں معتبر نہیں حضرت وائل ابن حجر صرف ایک بار ہاتھ اٹھانے کی روایت کرتے ہیں۔ کیونکہ ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے۔ جنہوں نے ایک آدھ بار حضور کے پیچھے نماز پڑھی انہیں نسخ احکام کی خبر بمشکل ہوتی تھی۔ مگر حضرت ابن مسعود ہمیشہ حضور ﷺ کے ساتھ رہتے تھے بڑے عالم و فقیہ صحابی تھے۔ نیز حضرت وائل ابن حجر حضور ﷺ کے پیچھے آخری صف میں کھڑے ہوئے ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود ص ۱۰۱ میں خاص حضور ﷺ کے پیچھے کھڑے ہونے والے صحابی ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے علماء فقہاء صحابہ کھڑے ہوتے تھے خود سرکار نے حکم دیا تھا کہ۔

لِيلَيْنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَخْلَامِ وَالنَّهْيُ " تم میں سے مجھ سے قریب وہ رہے جو علم و عقل والا ہو۔“

چنانچہ مسند امام اعظم ہیں ہے کہ کسی نے سیدنا ابراہیم نخعی سے حضرت وائل ابن حجر کی اس روایت کے متعلق دریافت کیا جس میں انہوں نے رفع یدین کا ذکر کیا ہے تو حضرت ابراہیم نخعی نے نفیس جواب دیا۔

فَقَالَ إِبْرَاهِيمُ " لَا يَعْرِفُ شَرَاعَ الْإِسْلَامِ وَلَمْ يُصَلِّ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا صَلَاةً وَاحِدَةً وَقَدْ حَدَّثَنِي مَنْ لَا أَحْصِي عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي بَدْءِ الصَّلَاةِ، فَقَطُّ وَحَكَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدُ اللَّهِ عَالِمٌ " بِشَرَاعِ الْإِسْلَامِ وَحُدُودِهِ مُتَّفَقٌ " أَحْوَالُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُلَازِمٌ " لَهُ، فِي إِقَامَتِهِ وَأَسْفَارِهِ وَقَدْ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَا يُحْصَى

”آپ نے فرمایا کہ وائل ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے اسلام کے احکام سے پورے واقف نہ تھے حضور ﷺ کے ساتھ ایک آدھ ہی نماز پڑھ سکے اور مجھ سے بے شمار شخصوں نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی کہ آپ صرف ابتداء نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے اور یہ حضور سے نقل فرماتے تھے۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ احکام اسلام سے خبردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تحقیقی خبر رکھنے والے۔ حضرت کے سفر حضر کے ساتھی تھے۔ انہوں نے حضرت علیہ السلام کے ساتھ بے شمار نمازیں پڑھیں۔“

خلاصہ یہ کہ عالم و فقیہ اور حضور ﷺ کے ساتھ ہمیشہ رہنے والے صحابی کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے لہذا حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت قابل عمل ہے۔ اور اس روایت کے مقابل سیدنا وائل ابن حجر کی روایت ناقابل عمل انہوں نے رفع یدین کے نسخ سے پہلے کا فعل ملاحظہ کیا اور وہی نقل فرمادیا۔

اعتراض نمبر ۹ اگر تکبیر تحریمہ کے سواء رفع یدین نہ کرنا چاہیے تو آپ لوگ نماز عید اور نماز وقت وتر میں رکوع کے وقت رفع یدین کیوں کرتے ہو کیا وہ دونوں نمازیں نماز نہیں۔ (بعض ذریعہ غازی خانی وہابی)

جواب اس سوال سے آپ کی بے بسی ظاہر ہو رہی ہے۔ احادیث میں تو آپ رہ گئے اب لگے۔ اٹکل بچہ بہانہ بنانے۔ جناب یہاں گفتگو اس رفع یدین میں ہے۔ جسے آپ سنت نماز یا سنت رکوع سمجھے بیٹھے ہیں۔ عیدین اور وتر کے رفع یدین سنت رکوع نہیں بلکہ نماز عید اور دعا قنوت کی سنتیں ہیں۔ اسی ہی لیے عید میں ایک رکعت میں تین بار رفع یدین ہوتا ہے اور وتر میں رکوع سے پہلے نہیں بلکہ دعا قنوت سے پہلے ہوتا ہے جیسے نماز

عید میں خطبہ جماعت وغیرہ اور نماز وتر میں دعا قنوت تین رکعت وغیرہ خصوصی صفات ہیں۔ ایسے ہی چھ تکبیریں اور چھ دفعہ رفع یدین نماز عید کی خصوصیت ہے اگر نماز منجگانہ کو نماز عید یا نماز وتر پر قیاس کرتے ہو تو اسے وہابیہ ہر رکوع پر تین رفع یدین کیا کرو اور ہر نماز میں دعا قنوت پڑھا کرو۔

اعتراض نمبر ۱۰ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورہ کوثر شریف نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اے جبرئیل نحر کیا چیز ہے جس کا مجھے نماز کے ساتھ حکم دیا تو حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ اس نحر سے مراد قربانی نہیں بلکہ۔

إِذَا تَحَرَّمْتَ لِلصَّلَاةِ أَنْ تَرْفَعَ يَدَيْكَ إِذَا كَبَّرْتَ وَإِذَا رَكَعْتَ وَإِذَا رَفَعْتَ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوعِ فَإِنَّهَا صَلَوَتُنَا وَصَلَاةُ الْمَلَائِكَةِ الَّذِينَ فِي السَّمَوَاتِ السَّبْعِ

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم نے جیسے نماز کا حکم دیا ہے۔ ویسے ہی رفع یدین کا بھی حکم دیا لہذا رفع یدین ایسا ہی ضرور ہے۔ جیسے نماز ضروری کہ رب نے فرمایا **فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ** یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتے بھی رفع یدین کرتے ہیں تو جو لوگ رفع یدین نہ کریں وہ حضور ﷺ کے بھی مخالف ہیں صحابہ کرام کے بھی فرشتوں کے بھی۔ فرش و عرش پر رفع یدین ہوتا ہے تم لوگ ایک امام ابوحنیفہ کی پیروی میں ان تمام مقدسین کی مخالفت نہ کرو۔

نوٹ ضروری ڈیرہ غازی خان کے وہابی غیر مقلدوں کی طرف سے رفع یدین کے متعلق ایک ٹریکٹ مفت تقسیم ہوا مجھے بھی بھیجا گیا اس میں یہ اعتراض بہت جوش کے لب و لہجہ میں مذکور ہے اب تک پرانے وہابیوں کو نہ سوجھا تھا۔

جواب وہابی جی تم نے یا تمہارے کسی ہم نوائے جھوٹی حدیث گڑھ تولی۔ مگر گڑھ ناناہ آئی جھوٹ بولنے کے لئے بھی سلیقہ درکار ہے۔ تمہاری اس گھڑی ہوئی حدیث نے ہی تمہارے مذہب کا بیڑا غرق کر دیا۔ چونکہ تم نے اس کی اسناد بیان نہ کی اس لئے اسناد پر بحث نہیں کی جاسکتی اور نہیں جا سکتا کہ اس کا گھڑنے والا کون ہے البتہ متن حدیث پر چند طرح گفتگو ہے۔

ایک یہ کہ آپ نے انحر کے معنی کئے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد ہاتھ اٹھانا یہ لغت کی کوئی کتاب سے ثابت ہیں۔ نحر کے معنی ہاتھ سے اٹھانا۔ رکوع پہلے اور بعد اتنے معنی کی پوٹلی ایک لفظ نحر میں کس نے بھردی۔ کیا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو لغت عرب کی بھی خبر نہ تھی جو نحر کے معنی یہ بتا گئے پھر نبی ﷺ اور اہل بیت اطہار نے بھی نہ پوچھا کہ اسے جبریل نحر کے یہ انوکھے معنی کہاں سے لئے گئے۔ اور کیسے لئے گئے لغت کا حوالہ پیش کرو۔ اگر قرآن و حدیث کے معنی ایسے ہونے شروع ہو گئے تو دین کا رب ہی حافظ ہے۔ صلوٰۃ کے معنی روٹی کھانا۔ زکوٰۃ کے معنی پانی پینا حج کے معنی کپڑے پہننا۔ صوم کے معنی چار پائی پر سونا۔ جہاد کے معنی دوکانداری کرنا کرلو۔ چلو اسلام کے پانچوں ارکان ختم۔ ذرا شرم کرو اپنے نام مذہب کو بنانے کے لئے کیوں ایسی حدیثیں گھڑتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ یہاں نحر۔ صلوٰۃ پر معطوف ہے۔ اور معطوف ہمیشہ معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔ تو چاہئے کہ نحر سے مراد رفع یدین نہ ہو کہ یہ نماز کا نحر ہے۔ نہ کہ نماز کا غیر۔

تیسرے یہ کہ جب وانحر کے معنی ہوئے رفع یدین کرو اور یہ امر قرآن کریم میں نماز کے حکم کے ساتھ مذکور ہوا تو چاہئے کہ جیسے نماز فرض قطعی ہے کہ اس کا منکر دین سے خارج ہو جاتا ہے ایسے ہی رفع یدین فرض قطعی ہو کہ اس کے ساتھ منکر کافر ہوں تو تم اور تمہاری ساری جماعت اسے فرض کیوں نہیں کہتے۔ صرف سنت کیوں کہتے ہو اور جب غیر مقلد حنفیوں میں پھنسیں تو رفع یدین چھوڑ کیوں دیتے ہیں یہ کہہ کر کہ رفع یدین کرنا بھی سنت ہے نہ کرنا بھی جس پر چاہو عمل کرو بتاؤ اس کی فرضیت کے منکر ہو کر تمام وہابی کون ہوئے۔

چوتھے یہ کہ کسی محدث نے رفع یدین کو فرض قطعی نہ کہا۔ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرما کر فرمایا کہ اس پر بہت علماء صحابہ و تابعین کا عمل ہے فرماؤ امام ترمذی اور سارے محدثین رفع یدین کی فرضیت کا انکار کر کے تمہارے نزدیک اسلام کے دائرہ میں رہے یا نہیں اور اب ان کی کتب سے حدیث لینا شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔

پانچویں یہ کہ ہم پہلی فصل میں دلائل سے ثابت کر چکے کہ حضرت ابو بکر صدیق۔ عمر فاروق۔ علی مرتضیٰ۔ عبداللہ ابن عباس۔ عبداللہ ابن عمر۔ عبداللہ ابن مسعود۔ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ رفع یدین نہ کرتے تھے بلکہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس سے سخت منع فرماتے تھے تو اتنا بڑا فریضہ قرآنی جو نماز کی طرح فرض ہوا ان صحابہ پر مخفی رہا اور آج چودہ سو برس کے بعد ڈیرہ غازی خان کے ایک مولوی کو معلوم ہوا۔ حیرت درحیرت کا باعث ہے یا نہیں۔

چھٹے یہ کہ تم نے یہ گھڑی ہوئی حدیث حضرت امیر المومنین مولاء کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کی تو حیرت ہے کہ حضرت علی خود یہ روایت بیان فرماتے ہیں اور خود ہی اس کے خلاف کرتے ہیں کہ رفع یدین نہیں فرماتے آخر خود کیوں عمل چھوڑ دیا۔

ساتویں یہ کہ خود حضور انور ﷺ نے حضرت جبرئیل سے وانحر کے معنی پوچھے اور پھر خود اس پر عمل نہ فرمایا۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے

چاہئے تو یہ تھا کہ رفع یدین کی ایسی ہی تبلیغ فرمائی جاتی۔ جیسے نماز کی فرضیت کی تبلیغ کی گئی اور رفع یدین نہ کرنے والوں پر ایسے ہی جہاد کیا جاتا۔ جیسے حضرت صدیق اکبر نے زکوٰۃ کے منکروں پر فرمایا۔ ملاجی حدیث گھڑنے سے پہلے تمام اونچ نیچ سوچ سمجھ لینی چاہئے۔

مسلمانو! غور کرو یہ ہے ان لوگوں کی اتباع حدیث جو ہم سے ہر مسئلہ پر بخاری و مسلم کی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اپنے لئے ایسی بے تکلی حدیثیں گھڑ لینے میں خوفِ خدا نہیں کرتے۔ شاید اہل حدیث کے معنی ہیں حدیث بنانے والے حدیث ڈھالنے والے۔

اعتراض نمبر ۱۱ حضرات امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں۔

اِذَا ثَبَّتَ حَدِيثٌ فَهُوَ مَذْهَبِي ”جب کوئی حدیث ثابت ہو جاوے تو وہ ہی میرا مذہب ہے۔“

چونکہ رفع یدین قرأت خلف الامام کے متعلق ہم کو ثابت ہو گیا کہ امام ابو حنیفہ کا قول حدیث کے خلاف ہے اس لئے ہم نے انکا قول دیوار سے مار دیا اور حدیث رسول پر عمل کیا خود تحقیق کر کے حدیث پر عمل کرنا یہی حقیقت ہے۔ (عام دہائی)

جواب جی ہاں اور خاص کر جبکہ حدیث کے محقق آپ جیسے محققین (ٹھ پنے والے) ہوں جنہیں استنجا کرنے کی تمیز نہیں جو بخاری کو بکھاری۔ مسلم کو مسلم حدیث کو حدیث فرمائیں۔

جناب حضرت امام نے آپ جیسے بزرگوں کو یہ گھلی اجازت نہیں دی۔ امام کے فرمان کا ترجمہ یہ ہے۔

اِذَا ثَبَّتَ حَدِيثٌ فَهُوَ مَذْهَبِي ”جب حدیث ثابت ہوگئی تو وہ میرا مذہب ہوئی ہے۔“

یعنی اے مسلمانوں ہم نے ہر مسئلہ پر حدیث رسول تلاش کی اور اس کے ہر پہلو پر طرح غور و خوض و بحث تجویز کی۔ اسناد اور ثمن پر خوب گرما گر جرح و قدح کی جب ہر طرح ثابت ہوئی تو اسے اپنا مذہب بنایا گیا۔ یہ مذہب بہت پختہ اور تحقیقی ہے لہذا تم کو حدیث کے سمندر میں نہ کودنا ایمان کھو بیٹھو گے۔ ہمارے نکالے ہوئے موتی استعمال کرنا۔ سمندر سے موتی نکالنا ہر ایک کا کام نہیں۔ صرف خواص کا کام ہے۔ اگر پنساری کی دکان کی دوائیں بیمار اپنی رائے سے استعمال کرے گا تو وہ ہلاک ہو جاوے گا حکیم کی تجویز سے استعمال کرو۔ قرآن حدیث روحانی دوا و نکاح دوا خانہ ہے۔ امام اعظم طبیب اعظم ہیں۔ قرآن و حدیث کی دوائیں ہوں۔ امام برحق مجتہد کی تجویز ہو دیکھو پھر فائدہ ہوتا ہے یا نہیں۔

حضرت امام کے فرمان کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے شریعت کے سارے قوانین و مسائل بغیر سوچے سمجھے انکل پتچہ بیان کر دیئے ہیں۔ اے نا سمجھنا نادانوں تم حدیث کے غلط سطرے جے کرتے جانا اور مذہب میں فتنے پھیلاتے جانا جب ایک قابل طبیب بغیر تحقیق اور بغیر سوچے سمجھے ایک بیمار کے لئے نسخہ نہیں لکھتا تو امام ابو حنیفہ جیسے حکیم ملتِ سراج امت نے آنکھیں بند کر کے بغیر قرآن و حدیث دیکھے روحانی نسخے قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے کیسے لکھ دیئے۔ رب تعالیٰ سمجھ دے۔

ساتواں باب

وتر واجب ہیں اور تین رکعت ہیں

وتر کے لغوی معنی ہیں طاق عدد یعنی جس کے برابر دو حصے نہ ہو سکیں۔ جیسے تین پانچ سات وغیرہ اس کا مقابل ہے۔ شفع لیے جفت عدد جو دو برابر حصوں پر تقسیم ہو جاوے اصطلاح شریعت میں وتر اس طاق نماز کو کہا جاتا ہے جو بعد نماز عشاء تہجد میں یا عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ وتر واجب ہے کہ اس کا چھوڑنے والا سخت گنہگار ہے۔ اس کی قضا لازم اور وتر کی تین رکعتیں ہیں۔ لیکن غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ وتر واجب نہیں سنت غیر موکدہ یعنی نفل ہے اور وتر ایک رکعت ہے مذہب حنفی حق ہے اور وہابیوں کا قول باطل محض ہم کو یہاں اصل بحث تو وتر کی تین رکعتوں پر کرنا ہے اُس سے پہلے ضمنی طور پر وتر کے جوہر پر چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

وتر واجب ہیں

حدیث نمبر ۳۱۴۱ ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابویوب سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُتْرُ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ

”حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر لازم ہیں۔“

حدیث نمبر ۴ بزار نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُتْرُ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ

”حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر واجب ہیں۔“

حدیث نمبر ۶۰۵ ابو داؤد حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْوُتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا

”میں نے حضور علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ وتر لازم ضروری ہیں جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔“

حدیث نمبر ۷ عبداللہ ابن احمد نے عبدالرحمن ابن رافع تنوخی سے روایت کی کہ حضرت معاذ ابن جبل جب شام میں تشریف لائے تو ملاحظہ

فرمایا کہ شام کے لوگ وتر میں سستی کرنے ہیں تو آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی کہ شامی لوگ وتر کیوں نہیں پڑھتے۔

فَقَالَ مَعَاوِيَةُ أَوْاجِبٌ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ

زَادَنِي رَبِّي عَزَّوَجَلَّ صَلَوةً هِيَ الْوُتْرُ فِيمَا بَيْنَ الْعِشَاءِ إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ

”تو امیر معاویہ نے پوچھا کہ کیا مسلمانوں پر وتر واجب ہیں معاذ ابن جبل نے فرمایا ہاں میں نے حضور علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے رب

نے ایک نماز اور دی ہے جو وتر ہے عشاء اور فجر کے طلوع کے درمیان۔“

حدیث نمبر ۸ ترمذی نے حضرت زید ابن اسلم سے مرسل روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ وَتْرِهِ فَلْيُصَلِّ إِذَا أَصْبَحَ

”جو وتر چھوڑ کر چو جائے وہ صبح کے وقت اس کی قضا پڑھ لے۔“

حدیث نمبر ۹۱۴۹ ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ احمد۔ ابن حبان۔ حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابویوب انصاری سے روایت کی اور

حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ شرط شخیین پر ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُتْرُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ

”حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ وتر لازم ہے۔ واجب ہے ہر مسلمان پر۔“

ان احادیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ وتر نفل نہیں۔ بلکہ واجب ہے دوسرے یہ کہ وتر کی قضا واجب ہے اور ظاہر ہے کہ قضا صرف فرض

یا واجب کی ہوتی ہے نفل کی قضا نہیں وجوب وتر کی بہت احادیث ہیں ہم نے صرف ۱۴ روایتیں پیش کیں۔

وتر تین رکعت ہیں

حدیث نمبر ۱۴۵ نسائی شریف۔ طحاوی۔ طبرانی نے صغیر ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے مسلم و بخاری کی۔

قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوترُ بِثَلَاثٍ لَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِ هُنَّ

”فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے نہ سلام پھیرتے تھے مگر آخر میں“

حدیث نمبر ۶۵ دارقطنی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُرُ اللَّيْلِ ثَلَاثٌ كَوْتُرِ النَّهَارِ صَلَوةِ الْمَغْرِبِ

”فرمایا نبی کریم علیہ السلام نے کہ رات کے وتر تین رکعت ہیں جیسے دن کے وتر نماز مغرب۔“

حدیث نمبر ۷ طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوترُ بِثَلَاثٍ رَكَعَاتٍ ”بے شک نبی ﷺ وتر پڑھتے تھے تین رکعتیں۔“

حدیث نمبر ۸ نسائی شریف نے حضرت عبداللہ ابن رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک شب میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ رات کو بیدار ہوئے اور وضو فرمایا۔ مسواک کی۔ اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے تھے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ الْخَمِيرِ دُرُجَاتٍ كَثِيرٍ لَا تُدْرِكُ الْبَصَرُ

ثُمَّ عَادَفْنَا مَحَلَّتِ سَمِعْتُ نَفْحَهُ، ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّأَ اسْتَاكَ ثُمَّ صَلَّى رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّأَ وَاسْتَاكَ

وَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ وَأَوْتَرَ بِثَلَاثٍ ”پھر آپ دوبارہ سو گئے یہاں تک کہ میں نے حضور علیہ السلام کے خراٹے سنے پھر اٹھے اور مسواک کی دو رکعتیں پڑھیں پھر اٹھے اور وضو مسواک کیا اور دو رکعتیں پڑھیں اور تین رکعت وتر پڑھے۔“

حدیث نمبر ۹ تا ۱۳ ترمذی۔ نسائی۔ دارمی۔ ابن ماجہ۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْوُتْرِ بِسَبْحِ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَقُلْ يَا

أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ فِي رَكَعَةِ رَكَعَةٍ

”فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ وتر میں بح اسم ربک الاعلیٰ اور قل یا ایہا الکافرون اور قل هو اللہ پڑھا کرتے تھے۔

ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورت۔“

حدیث نمبر ۱۴ تا ۱۸ ترمذی شریف۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ نسائی۔ امام احمد بن حنبل نے حضرت عبدالعزیز ابن جرجج۔ عبدالرحمن ابن ابی

سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْنَا عَائِشَةَ بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يُوترُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْأُولَى

بِسَبْحِ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَالْمَعُودَتَيْنِ

”فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ وتر میں کیا پڑھا کرتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ پہلی

رکعت میں بح اسم ربک الاعلیٰ دوسری میں قل یا ایہا الکافرون تیسری میں قل هو اللہ اور فلق و ناس۔“

حدیث نمبر ۱۹ نسائی شریف نے حضرت ابی ابن کعب سے روایت کی۔

قَالَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْوُتْرِ بِسَبْحِ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَفِي الرَّكَعَةِ

الثَّانِيَةِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَلَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِ هُنَّ

”بے شک نبی ﷺ ستر میں بح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل هو اللہ پڑھا کرتے تھے اور سلام نہ

پھیرتے تھے اور سلام نہ پھیرتے تھے مگر ان تینوں رکعتوں کے آخر میں۔“

حدیث نمبر ۲۰ ابن ابی شیبہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى الْوُتْرِ ثَلَاثٌ لَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِ هُنَّ

”اس پر سارے مسلمان متفق ہیں کہ وتر تین رکعتیں ہیں نہ سلام پھیرے۔ مگر ان کے آخر میں۔“

حدیث نمبر ۴۱ طحاوی شریف نے حضرت ابو خالد سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْتُ أَبَا الْعَالِيَةِ عَنِ الْوُتْرِ فَقَالَ عَلِمْنَا أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الْوُتْرَ مِثْلُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ هَذَا وَتُرُّ اللَّيْلُ وَهَذَا وَتُرُّ النَّهَارُ

”میں نے حضرت ابو العالیہ سے وتر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہم سب صحابہ رسول ﷺ تو یہ ہی جانتے ہیں کہ وتر نماز مغرب کی طرح ہیں۔ یہ رات کے وتر ہیں اور مغرب کی طرح ہیں یہ رات کے وتر ہیں اور مغرب دن کے وتر۔“

یہ اکیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ وتر کی تین رکعتوں پر بہت زیادہ حدیثیں موجود ہیں۔ اگر تفصیل ملاحظہ کرنا ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری ملاحظہ فرمائیے ان احادیث سے یہ پتہ لگا کہ حضور علیہ السلام کا عمل شریف تین رکعت وتر پر تھا۔ تمام صحابہ کا یہ یہ عمل رہا اور اس تین رکعت پر سارے مسلمان متفق رہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ تینوں رکعتیں ایک سلام سے پڑھے۔ مگر نفس امارہ پر چونکہ نماز گراں ہے اس لیے ہوائے نفس والوں نے صرف ایک رکعت وتر پڑھ کر سورہنے کی عادت ڈالی۔ ناظرین نے ان مذکورہ احادیث میں دیکھ لیا کہ حضور وتر کی پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے۔ دوسری میں فلاں سورت تیسری میں فلاں وہابی حضرات بتائیں کہ اگر وتر ایک رکعت ہے تو یہ سورتیں کیسے پڑھی جاوینگی۔

عقل کا بھی تقاضا ہے کہ وتر ایک رکعت نہ ہو کیونکہ وتر نماز نہ تو فرض ہے نہ نفل۔ بلکہ واجب ہے کہ اس کا پڑھنا ضروری ہے نہ پڑھنے والا فاسق ہے لیکن اس کے وجوب کا انکار کفر نہیں واجب کا یہ ہی حکم ہے اور ہر غیر فرض عبادت کی مثال فرض عبادت میں ضرور ہونی چاہئے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی غیر فرض عبادت بالکل جدا گانہ ہو کہ اس کی مثال فرض میں نہ ہو۔ یہ شریعت کا عام قاعدہ ہے جو کواۃ حج وغیرہ میں جاری ہے اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو چاہئے تھا کہ کوئی فرض نماز بھی ایک رکعت ہوتی۔ حالانکہ کوئی فرض نماز ایک رکعت نہیں فرض تو کیا کوئی نفل وسنت مؤکدہ وسنت غیر مؤکدہ بھی ایک رکعت نہیں۔ نماز فرض یا تو دو رکعت ہے جیسے فجر یا چار رکعت جیسے ظہر۔ عصر۔ عشا یا تین رکعت جیسے مغرب وتر نہ تو چار رکعت ہو سکتی ہیں نہ دو کہ یہ عدد شفع ہیں۔ وتر نہیں تو لا محالہ تین ہی رکعت چاہئے ایک رکعت نماز اسلامی قانون کے خلاف ہے جس کی مثال کسی نماز میں نہیں ملتی ایک رکعت نامکمل ہے ناقص ہے بھڑا ہے۔ غرضیکہ ایک رکعت وتر عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی امت کا اجماع صحابہ کرام کا عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سب ہی اس کے خلاف ہے۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات

مسئلہ وتر پر اب تک جس قدر دلائل غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے ہم کو ملے ہم سب نمبر دار مع جواب عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتِرُ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ يَرْكَعُ رَكَعَتَيْنِ

”فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔ پھر بعد وتر دو نفل پڑھتے تھے۔“

معلوم ہوا کہ وتر ایک رکعت چاہئے۔ حضور ﷺ نے یہ ہی پڑھی ہے۔

جواب آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث تمام ان احادیث کے خلاف ہو گئی جن میں تین رکعتوں کا ذکر ہے اور احادیث آپس میں متعارض ہو گئیں۔ حدیث کا ترجمہ ایسا کرنا چاہئے جس سے احادیث متفق ہو جاویں۔ اس حدیث شریف میں ب استعاذہ کی ہے۔

جیسے **كَبَّلْتُ بِالْقَلَمِ** میں نے قلم سے لکھا کیونکہ وتر باب افعال متعدی بنفسہ ہے تو حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ حضور ﷺ نے نماز تہجد کو وتر یعنی طاق بنایا ایک رکعت کے ذریعہ سے اس طرح کہ دو رکعتوں کے ساتھ ایک رکعت ملائی جس سے نماز تہجد کا عدد جنت سے طاق بن گیا۔ مثلاً آٹھ رکعت تہجد ادا فرمائی یہ عدد جنت تھا پھر تین رکعت پڑھی تو وتر کی یہ ایک رکعت ہے۔ جو دو سے مل کر ادا ہوئی۔ اس صورت میں یہ حدیث گزشتہ تمام احادیث کا کیا جواب دو گے جن میں صراحتہً تین کا عدد مذکور ہے یا جن میں وارد ہوا کہ حضور پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے دوسری رکعت میں فلاں اور تیسری رکعت میں فلاں سورت جو پہلے فصل میں مذکور ہوئیں۔

اعتراض نمبر ۲ مسلم شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمْ الصُّبْحَ صَلَّى رَكْعَةً وَاحِدَةً تُؤْتِرُ لَهُ مَا قَدْ صَلَّى ”فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تہجد کی نماز دو دو رکعت ہیں جب تم میں سے کوئی صبح ہو جانے کا خوف کرے تو ایک رکعت پڑھ لے یہ رکعت گزشتہ نماز کو وتر بنا دے گی۔“

اس سے چار مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ نماز تہجد میں دو دو رکعت نفل ادا کرنی چاہئے دوسرے یہ کہ نماز تہجد رات میں ہونے سے پہلے۔ تیسرے یہ کہ وتر تہجد کی نماز کے بعد افضل ہے چوتھے یہ کہ وتر ایک رکعت ہے۔ حنفی لوگ پہلے تین مسئلے تو مانتے ہیں چوتھے کے انکاری ہیں اگر یہ حدیث صحیح ہے تو چاروں مسئلے مانیں اگر صحیح نہیں تو چاروں نہ مانیں۔

جواب غیر مقلد وہابی تو اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہیں کہ جب صبح کا خوف ہو تو اکیلی ایک رکعت علیحدہ طور پر پڑھ لے اس ترجمہ سے یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہوگئی جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ناممکن ہو گیا حنفی اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ جب صبح کا خوف ہو تو دو کے ساتھ ایک رکعت ملا کر پڑھ لے جن کا ذکر ہو رہا ہے یعنی رکعت واحدہ کے بعد جمع رکعتیں پوشیدہ ہے کیونکہ پہلے ثنی کا ذکر ہو چکا ہے اس صورت میں احادیث میں کوئی تعارض نہ رہا اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ہو گیا جیسے کہ رب فرماتا ہے۔

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ”اصحاب کہف اپنے غار میں تین سو سال ٹھہرے تو بڑھا لیئے۔“ اس آیت میں یہ نو سال تین سو سال سے علیحدہ نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ ہیں مطلب یہ ہے کہ تین سو نو سال قیام کیا۔ چونکہ تین سے سال شمسی تھے اور تین سو نو سال قمری اس لئے رب تعالیٰ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ ایسے ہی وتر کی یہ رکعت علیحدہ اُن دو دو سے نہیں۔ بلکہ ان میں سے آخری ثنی یعنی دو کے ساتھ ہے لیکن چونکہ وہ دو دو رکعتیں۔ تہجد کی تھیں اور نفل تھیں یہ تین رکعتیں وتر کی ہیں اور واجب ہیں اسی لئے اس علم الاولین والاخرین فصیح الخلق ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ کہ وہابی جی حدیثوں کو لڑانا اچھا۔ یا احادیث میں موافق پیدا کر کے سب پر عمل کرنا بہتر کاش کہ آپ نے کسی مقلد سے حدیث پڑھی ہوتی۔

اعتراض نمبر ۳ مسلم شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

الْوُتْرُ رَكْعَةٌ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ ”وتر آخر رات میں ایک رکعت ہے۔“ اس سے معلوم ہوا کہ وتر صرف ایک رکعت ہے۔

جواب اس کا جواب بھی دوسرے اعتراض کے جواب سے معلوم ہو گیا کہ وہابی اس کے معنی کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے اکیلی سب رکعتوں سے علیحدہ اس صورت میں یہ حدیث بہت احادیث کے مخالف ہوگی، اور احادیث کا جمع ناممکن ہو گا حنفی اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے دو کے ساتھ جس کی تفسیر دوسری وہ حدیثیں ہیں جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں یا اس حدیث میں وتر بمعنی اسم فاعل ہے۔ یعنی تہجد کی نماز کو طاق بنانے والی ایک رکعت ہے کہ یہ دو سے مل کر ساری نماز کو طاق بنا دیتی ہے کہ نمازی نے آٹھ رکعت تہجد پڑھی، پھر جب وٹروں کی نیت باندھی جب تک دو رکعتیں پڑھیں تو نماز جفت ہی رہی۔ جب ان دو رکعتوں سے ایک رکعت اور ملاوی تو طاق یعنی گیارہ رکعتیں بن گئیں اس صورت میں یہ حدیث تمام دوسری حدیثوں سے موافق ہوگئی۔ احادیث کا تعارض دور کرنا ضروری ہے۔

اعتراض نمبر ۴ ابوداؤد و نسائی شریف نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتْرٌ يُحِبُّ الْوُتْرُ فَاوْتَرُوا يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اللہ وتر (بے جوڑ) ہے وتر کو پسند فرماتا ہے پس وتر پڑھا کرو اے قرآن ماننے والو۔“ حنفی بتائیں کہ اللہ ایک ہے یا تین، جب وہ ایک ہے تو وتر بھی ایک ہی رکعت چاہئے نہ کہ تین حضور ﷺ نے نماز وتر کو رب تعالیٰ کے وتر ہونے سے مثال دی ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی، دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر وہابیوں کو چاہئے کہ مغرب کے فرض بھی ایک رکعت پڑھا کریں۔ نہ تین کیونکہ مغرب کے فرض دن کے وتر ہیں اور یہ وتر رات کے وتر۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے اور ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں اگر وہابی کہیں کہ دوسری روایتوں میں آگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے فرض تین پڑھتے تھے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی روایتوں میں آگیا کہ حضور ﷺ نماز وتر بھی تین رکعت پڑھتے تھے دیکھو پہلی فصل تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے رب تعالیٰ کی محض وتریت یعنی طاق بے جوڑ ہونے میں مثال دی ہے نہ کہ ایک ہونے میں تین بھی وتر ہے ایک بھی وتر تمثیل میں ادنیٰ مناسب کافی ہوتی ہے ہر طرح مثل ہونا

ضروری نہیں اس لیے حضور ﷺ نے وتر فرمایا۔ نہ فرمایا یعنی یہ نہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے ایک رکعت کو پسند فرماتا ہے۔

دیکھو رب فرماتا ہے۔ **مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكُوهٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ** ”اللہ کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق جسمیں چراغ ہے۔“

یہاں رب تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال چراغ سے دی مطلقاً نورانیت میں اب اگر کوئی کہے کہ چراغ میں تیل بتی ہوتی ہے تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے نور میں بھی روغن بتی ہو تو اس کی حماقت ہے ہم کہتے ہیں فلاں شخص شیر ہے مطلب ہوتا ہے کہ صرف طاقت میں شیر کی طرح ہے یہ نہیں کہ اس کے دم اور پنجہ بھی ہے۔

اعتراض نمبر ۵ بخاری شریف میں حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت کی۔

أُوتِرَ مَعَاوِيَةُ بَعْدَ الْعِشَاءِ بِرَكْعَةٍ وَعِنْدَهُ 'مَوْلَى' لَابْنِ عَبَّاسٍ فَأَتَى ابْنَ عَبَّاسٍ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ دَعُهُ فَنَهَى قَدْ صَحِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

”سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھی اس وقت ان کے پاس سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام حاضر تھے انہوں نے حضرت ابن عباس سے اسکا ذکر فرمایا تو آپ نے فرمایا انہیں کچھ نہ کہو وہ صحابی رسول ہیں۔“

معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے یہ فعل صحابی ہے۔

جواب یہ حدیث تو احناف کی قوی دلیل ہے کہ وتر تین رکعت ہیں کیونکہ جب امیر معاویہ نے ایک رکعت وتر پڑھی تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام کو حیرت ہوئی جس کی شکایت حضرت ابن عباس سے کی۔ حیرت و تعجب اس کام پر ہوتا ہے۔ جو رالا اور عجیب ہے اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ کوئی صحابی ایک رکعت وتر نہ پڑھتے تھے ورنہ نہ انہیں تعجب ہوتا نہ شکایت کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اعتراض کرنے سے منع فرمایا کیونکہ امیر معاویہ مجتہد فقیہ صحابی ہیں فقیہ مجتہد کی غلطی و خطا پر اعتراض جائز نہیں اسکا ذکر اس بخاری کی دوسری روایت میں اس طرح ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قِيلَ لَهُ هَلْ لَكَ فِي أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ مَعَاوِيَةَ مَا أُوتِرَ إِلَّا بِوَاحِدَةٍ قَالَ أَصَابَ إِنَّهُ فَقِيهٌ

”حضرت ابن عباس سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ کو حضرت امیر المؤمنین معاویہ پر کوئی اعتراض ہے وہ تو وتر ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا ٹھیک کرتے ہیں وہ مجتہد عالم فقیہ ہیں۔“

صاف معلوم ہوا کہ وتر تمام صحابہ اور خود سیدنا عبداللہ ابن عباس تین رکعت پڑھا کرتے تھے اس ہی لئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت پڑھنے کی شکایت کی گئی مگر چونکہ سیدنا امیر معاویہ صحابی ہیں، عالم ہیں، مجتہد ہیں اور مجتہد فقیہ کی خطا بھی درست ہوتی ہے ان پر اعتراضات نہ کرو۔ مہربان من یہ حدیث تو خفیوں کی دلیل ہے آپ دھوکے سے اپنی دلیل سمجھ بیٹھے یہ تو آپ کے خلاف ہے۔

اعتراض نمبر ۶ خفیوں کی عجیب حالت ہے ہم ایک رکعت وتر پڑھیں تو اعتراض کرتے امیر معاویہ ایک رکعت وتر پڑھیں تو ان پر کوئی اعتراض نہیں۔ ہم رفع یدین یا اونچی آئین کہیں تو ہم پر ملامت ہے۔ امام شافعی ہماری سی نماز پڑھیں تو نہ انہیں واہابی کہا جاوے نہ ان پر کوئی اعتراض ہو یہ دورخی پالیسی کیسی اور یہ فرق کیوں ہے۔ (عام وہابی)

جواب جی ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ عالم فقیہ مجتہد کی خطا پر بھی ثواب ہے، مگر جاہل جب دیدہ دانستہ عالموں سے منہ موڑ کر غلطی کرے تو سزا کا مستحق ہے اگر رسول سرجن سند یافتہ ملازم سرکار کسی بیمار کو غلط دوا دے دے تو اس پر کوئی عتاب نہیں لیکن جاہل آدمی یوں ہی اٹکل بچو کسی کو غلط دوا کھلا دے تو شرعاً و قانوناً مجرم ہے۔ حج۔ حاکم کسی ملزم کو سزا دے حق ہے اگرچہ غلطی کرے مگر جو ایرے غیر قانون ہاتھ میں لے کر خود ہی لوگوں کو سزا دینے لگے مجرم ہے جیل کا مستحق ہے۔

دیکھو حضرت علی و امیر معاویہ رضی اللہ عنہما میں خونریز جنگ ہوئی جس میں یقیناً علی مرتضیٰ برحق تھے اور امیر معاویہ خطا پر لیکن ان میں سے گہنگا رکوی نہیں جس کو بھی بُرا کہا جاوے تو بُرا کہنے والا بے ایمان ہو جاوے گا۔ قرآن نے حضرت داؤد سلیمان علیہما السلام کے ایک مقدمے میں مختلف فیصلوں کا ذکر فرمایا۔

إِذْ يَحْكَمَانِ فِي الْحَرْبِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقُرْمِ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ فَفَهَمْنَا هَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا ”جب وہ دونوں حضرات ایک کھیت کے متعلق فیصلہ فرماتے تھے جب اس میں قول کی بکریاں پھیل گئیں۔ ہم انکا فیصلہ مشاہدہ فرما رہے تھے پس ہم نے حضرت سلیمان کو وہ سمجھا دیا اور ہم نے ان میں سے ہر ایک کو حکمت و علم بخشا۔“

دیکھو کھیت کے اس مقدمہ میں داؤد سلیمان علیہما السلام دونوں بزرگوں نے علیحدہ علیحدہ فیصلہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ برحق تھا جس کی رب تعالیٰ نے تائید فرمائی حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ خطا و اجتہاد ہی تھی۔ لیکن ان پر کسی قسم کا عتاب ہوا ہرگز نہیں کیوں اس لئے کہ آپ مجتہد مطلق

تھے اور مجتہد کی خطا پر عتاب نہیں۔ وہابیوں اگر تم بھی رفع یدین یا اونچی آمین۔ شافی بن کر کرو تو تمہیں وہابی نہ کہا جاوے گا۔ نہ تم سے یہ شکایت ہو تو خود بے عمل ہوتے ہوئے قانون ہاتھ میں لے لیتے ہو اور اپنی ذمہ داری پر یہ حرکتیں کر کے دین میں فتنہ واقع کرتے ہو اس پر تمہاری یہ درگت بنتی ہے۔

اعتراض نمبر ۷ تین رکعت وتر کی جتنی حدیثیں ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیث حجت نہیں۔

جواب جی ہاں اس لیے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں یا اس لیے کہ ساری حدیثیں ساڑھے تیرہ سو برس کی پرانی ہو چکیں آدمی تو ساٹھ برس میں بوڑھا ضعیف ہو جاتا ہے تو قریباً چودہ سو برس کی حدیثیں ضعیف کیوں نہ ہوں۔ آپ کی اس ضعیف ضعیف کی رٹ لگانے نے لوگوں کو حدیث کا منکر کر دیا۔ آپ کے اس اعتراض کے جوابات ہم کتاب میں بارہا دے چکے ہیں۔

آٹھواں باب

قنوت نازلہ پڑھنا منع ہے

نماز وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت ہمیشہ پڑھنا سنت ہے اور فجر کے فرض کی دوسری رکعت میں بعد رکوع قنوت نازلہ پڑھنا سخت مکروہ اور خلاف سنت ہے مگر غیر مقلد وہابیوں کا عمل اس کے برعکس ہے وہ وتر میں دعاء قنوت ہمیشہ نہیں پڑھتے بلکہ رمضان کی بعض تاریخوں میں لیکن فجر میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھتے ہیں۔ دوسری رکعت کے رکوع کے بعد بعض دیوبندی وہابی جو دراصل درپردہ غیر مقلد ہیں بہانہ بنا کر فجر میں قنوت نازلہ پڑھنے لگے ہیں اس لیے اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات۔

پہلی فصل

قنوت نازلہ کے معنی ہیں آفت و مصیبت کے وقت کی دعاء حضور سید عالم ﷺ نے ایک بار ایک خاص مصیبت پر چند روز یہ دعاء قنوت فجر کی رکعت دوم میں بعد رکوع پڑھی پھر آیت قرآنی نے یہ دعاء منسوخ فرمادی۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کبھی نہ پڑھی دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱، ۲ بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عاصم احوں کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

إِنَّمَا قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا إِنَّهُ كَانَ بَعَثَ أَنَسًا يَقَالُ إِنَّهُمْ الْقُرَاءُ سَبْعُونَ رَجُلًا فَأُصِيبُوا فَقَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوعِ شَهْرًا يَدْعُو عَلَيْهِمْ

”حضور ﷺ نے قنوت نازلہ صرف ایک ماہ پڑھی آپ نے ستر صحابہ کو جو قاری تھے ایک جگہ تبلیغ کے لیے بھیجا وہ شہید کر دیئے گئے تو حضور علیہ السلام نے ایک ماہ تک رکوع کے بعد ان کفار پر بددعا فرماتے ہوئے قنوت نازلہ پڑھی۔“

ایک ماہ کی قید سے معلوم ہوا کہ حضور کا یہ فعل شریف ہمیشہ نہ تھا۔ عذر کی وجہ سے صرف ایک ماہ رہا پھر منسوخ ہو گیا۔

حدیث نمبر ۳ طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدْعُو عَلَى رِجْلِ وَرُكُوعٍ فَلَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ تَرَكَ الْقُنُوتَ

”حضور انور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی قبیلہ رعل و زکوان پر بددعا فرمائی جب حضور ﷺ ان پر غالب آ گئے تو چھوڑ دی۔“

اس حدیث میں چھوڑ دینے کا صراحۃً ذکر آ گیا۔

حدیث نمبر ۴ تا ۷ ابوالعلیٰ موصلی۔ ابوبکر بزار طبرانی نے کبیر میں بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا يَدْعُو عَلَى عُصِيَّةٍ وَذَكَوَانَ شَهْرًا فَلَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ تَرَكَ الْقُنُوتَ وَقَالَ الْبَزَارُ فِي رِوَايَتِهِ لَمْ يَقْنُتِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا شَهْرًا وَاحِدًا لَمْ يَقْنُتْ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ

”حضور انور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی۔ جس میں قبیلہ عصیہ و زکوان پر بددعا فرمائی جب ان پر غلبہ آ گئے تو چھوڑ دی بزار نے اپنی روایت میں فرمایا کہ حضور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی نہ پڑھی۔“

حدیث نمبر ۸، ۹ ابوداؤد نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَهْرًا ثُمَّ تَرَكَهُ

”یہی نبی ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی پھر چھوڑ دی۔“

حدیث نمبر ۱۰ تا ۱۲ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابوما لک اشجعی سے روایت کی۔

قَالَ قُلْتُ لِأَبِي يَأْبَى إِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ هَلْ هُنَا بَانُكُونُهُ نَحْوًا مِنْ خَمْسِ سِنِينَ كَانُوا يَقْنُتُونَ قَالَ يَا بُنَيَّ مُحَدَّثٌ

”فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ابا جان آپ نے حضور ﷺ اور ابوبکر و عمر اور علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے کوفہ میں تقریباً پانچ سال نماز پڑھی کیا یہ حضرات قنوت نازلہ پڑھتے تھے انہوں نے فرمایا اے بچے یہ بدعت ہے۔“

یعنی ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنا بالکل سنت کے خلاف ہے اور بدعت سیئہ ہے۔

حدیث نمبر ۱۴، ۱۵ مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دراز حدیث نقل کی جس میں آخرتی الفاظ یہ ہیں۔

وَكَانَ يَقُولُ فِي بَعْضِ صَلَوَاتِهِ اَللّٰهُمَّ اَلْعَنُ فَلَانًا فَلَانًا لَا حَيَاءَ مِنَ الْعَرَبِ حَتّٰى اَنْزَلَ اللّٰهُ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْئٌ

”حضور انور ﷺ اپنی بعض نمازوں میں فرمایا کرتے تھے کہ خدا یا فلاں فلاں (عرب کے بعض قبیلے) پر لعنت کر یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ”لےس لک اے“

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ دعاء قنوت نازلہ فجر کی نماز میں پڑھنا منسوخ ہے دوسرے یہ کہ حدیث شریف آیۃ قرآنی سے منسوخ ہو سکتی ہے کہ قنوت نازلہ پڑھنا حدیث سے ثابت ہے اور اس کا نسخ قرآن کریم سے ثابت ہے تیسرے یہ کہ دین کے دشمنوں پر بددعا یا لعنت جائز ہے۔ جن لوگوں پر حضور ﷺ نے بددعا فرمائی وہ حضور ﷺ کی ذات شریف کے دشمن نہ تھے۔ بلکہ دین اسلام کے دشمن تھے۔ جب ان پر جہاد کر سکتے ہیں۔ تو بددعا بھی کر سکتے ہیں ہاں حضور ﷺ نے اپنے ذاتی دشمنوں کو معافی دی ہیں لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔“

حدیث نمبر ۱۵ حافظ طلحہ ابن محمد محدث نے اپنی مسند میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے روایت کی ہے۔

عَنِ الْاِمَامِ الْاَعْظَمِ عَنْ اَبَانِ بْنِ عِيَّاشٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمْ يَقْنُتْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلّٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفَجْرِ اِلَّا شَهْرًا وَاحِدًا لِاَنَّهُ حَارَبَ الْمُشْرِكِيْنَ فَقَنْتَ يَدْعُوْا عَلَيْهِمْ

”امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عیاش سے روایت فرماتے ہیں وہ ابراہیم نخعی سے وہ حضرت علقمہ سے وہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے فجر میں قنوت نازلہ کبھی نہ پڑھی سوا ایک مہینہ کے کیونکہ حضور نے مشرکین سے جنگ کی تھی تب ان پر ایک ماہ بددعا فرمائی تھی۔“

حدیث نمبر ۱۶، ۱۷ حافظ ابن خسرو نے اپنی مسند میں اور قاضی عمر ابن حسن اثنانی نے حضرت امام ابو حنیفہ سے انہوں نے حماد سے انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے۔

قَالَ مَا قَنْتَ اَبُو بَكْرٍ وَ عُمَرُ وَلَا عُثْمَانُ وَلَا عَلِيٌّ حَتّٰى حَارَبَ اَهْلَ اَشْاَمٍ فَكَانَ يَقْنُتُ

”نہ حضرت ابو بکر و عمر نے نہ حضرت عثمان نے نہ علی مرتضیٰ نے قنوت نازلہ پڑھی۔ یہاں تک کہ حضرت علی نے اہل شام سے جنگ کی تو قنوت نازلہ پڑھی۔“

حدیث نمبر ۱۸ ابو محمد بخاری نے امام ابو حنیفہ سے انہوں نے عطیہ عوفی سے انہوں نے حضرت ابوسعید خدری صحابی سے روایت کی ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلّٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ لَمْ يَقْنُتْ اِلَّا اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا يَدْعُوْا عَلٰى عَصِيَّةٍ وَذَكَرُوْا اَنْ لَّمْ يَقْنُتْ اِلٰى مَاتَ

”انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ حضور نے چالیس دن کے سوا قنوت نازلہ نہ پڑھی۔ ان چالیس دن میں آپ نے عصیہ ذکوان پر بددعا فرمائی پھر وفات تک کبھی نہ پڑھی۔“

یہ اٹھارہ احادیث بطور نمونہ پیش کی گئیں۔ ورنہ قنوت نازلہ نہ پڑھنے کے متعلق بہت زیادہ احادیث شریفہ موجود ہیں اگر شوق ہو تو طحاوی شریف۔ صحیح البہاری وغیرہ کا مطالعہ فرمادیں۔

عقل کا بھی تقاضہ یہ ہے کہ قنوت نازلہ نماز میں نہ پڑھی جاوے۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ منجگانہ فرائض کی رکعتیں مختلف نہیں۔ سب کے ارکان و دعائیں وغیرہ یکساں ہیں تو جب چار نمازوں میں قنوت نازلہ نہیں چاہئے کہ فجر کے فرضوں میں بھی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ باجماعت فرائض میں دعائیں اور ذکر مختصر ہیں نوافل میں ان کی آزادی ہے۔ دیکھو رکوع سے اٹھتے وقت اکیلا نمازی **سمع اللہ لم حمدہ** بھی کہتا ہے اور **رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ** بھی۔ مگر جب جماعت سے پڑھتا ہے تو امام **رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ** نہیں کہتا صرف **سمع اللہ لم حمدہ**

کہتا ہے اور مقتدی اس کے برعکس کہ **رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ** تو کہتا ہے مگر **سمع اللہ لم حمدہ** نہیں کہتا۔ جب ان نمازوں میں اس قدر اختصار مطلوب ہے تو فجر کے رکوع کے بعد اتنی دراز یعنی دعاء قنوت نازلہ پڑھنا مقصد شرح کے بالکل خلاف ہے تیسرے یہ کہ نماز خصوصاً فرائض منجگانہ کے ارکان ایک دوسرے سے بالکل ملے ہوئے چاہئیں۔ قیام کے بعد فوراً سجدہ اور سجدہ کے بعد فوراً قیام یا جلسہ ان میں فاصلہ کرنا مقصد شرح کے خلاف ہے۔ رکوع فجر کے بعد جو قومہ ہے۔ اس میں صرف **سمع اللہ لم حمدہ** کے بقدر ٹھہرنا چاہئے۔ اگر اس میں قنوت نازلہ پڑھی گئی تو

سجدہ جو نماز کا اعلیٰ رکن ہے۔ دیر لگے گی۔ یا خیر فرض اگر بھول کر ہو تو سجدہ سہو واجب کرتی ہے اور اگر عمدہ ہو تو نماز فاسد کر دیتی ہے لہذا اندرون نماز قنوت نازل نہ پڑھنا چاہئے تاکہ نماز کے ارکان میں اتصال رہے۔

مسئلہ فقہی مذہب حنفی یہ ہے کہ جنگ یا دوسری آفات عامہ کے موقع پر بہتر یہی ہے کہ قنوت نازلہ خارج نماز پڑھے تاکہ صحابہ کرام کے اختلاف سے بچا رہے کیونکہ بعض صحابہ آفات و جنگوں کے موقع پر قنوت نازلہ پڑھتے تھے بعض اسے بالکل منسوخ مانتے تھے لیکن اگر فجر کے فرضوں کی دوسری رکعت میں رکوع کے قنوت نازلہ پڑھے تو اگرچہ اچھا نہ کیا۔ مگر جائز ہے۔ ضرورت سے ممنوعات مباح ہو جاتے ہیں۔ لیکن آہستہ پڑھے بلند آواز سے نہ پڑھے فجر کے سواء کسی اور نماز میں پڑھے گا تو نماز فاسد ہو جاوے گی۔ کیونکہ اس نے بلا وجہ عمدہ سجدہ میں تاخیر کر دی تاخیر فرض منفسد نماز ہے۔

ایک شبہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آفت عامہ یا جہاد کے موقع پر ہر جہری نماز یعنی فجر۔ مغرب۔ عشاء میں قنوت نازلہ پڑھنا چاہئے کیونکہ شرح نقایہ اور غایۃ الاوطار میں ہے۔

قَنْتَ الْإِمَامَ فِي صَلَاةِ الْجَهْرِ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَأَحْمَدُ

”اس موقع پر امام جہری نماز میں قنوت نازلہ پڑھے امام ثوری و احمد کا یہی قول ہے۔“

پنجاب میں بہت روز تک بعض جاہل اماموں نے اسی دلیل سے مغرب و عشاء فجر کی بلکہ نماز قنوت نازلہ پڑھ کر لوگوں کی نمازیں برباد کیں۔

شبہ کا ازالہ شرح نقایہ اور غایۃ الاوطار میں یہاں کتاب نے غلطی سے بجائے فجر کے جہر لکھ دیا ہے یعنی ف کو جیم بنا دیا۔ چنانچہ اشباہ و الطائر میں اس جگہ بجائے صلوٰۃ الجہر کے صلوٰۃ الفجر ہے اور طحاوی علی درالافتاء اور علامہ ابن عابدین شامی نے منہ الخالق علی بحر الرائق میں فرمایا۔

وَلَعَلَّهُ مُحَرَّفٌ عَنِ الْفَجْرِ ”شاید کہ لفظ جہر فجر سے بگڑ کر بن دیا گیا ہے۔“

طحاوی کی عبارت یوں ہے۔ **وَالَّذِي يَظْهَرُ لِي أَنَّ قَوْلَهُ فِي الْبَحْرِ وَإِنْ نَزَلَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ نَازِلَةً قَنْتَ**

الْإِمَامَ فِي صَلَاةِ الْجَهْرِ تَحْرِيفٌ مِّنَ النَّسَاجِ وَصَوَابُهُ الْفَجْرُ بحر الرائق نے جو فرمایا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی آفت پڑے تو امام جہر نماز میں قنوت نازلہ پڑھے میرا خیال ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے صحیح یہ ہے کہ یہاں فجر ہے۔“

ہم نے بہت اختصار سے اس کے متعلق کچھ لکھ دیا ہے اگر قنوت نازلہ کی زیادہ تحقیق کرنا ہوتا۔ ہمارا فتاویٰ نعیمیہ ملاحظہ فرمادیں۔ چونکہ اب دیوبندی بھی بعض جگہ قنوت نازلہ پڑھنے لگے ہیں اس لیے وہاں اس مسئلہ پر کچھ جم کر بحث کر دی گئی ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے اب تک جس قدر اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں وہ ہم نہایت دیا ننداری سے مع جوابات پیش کرتے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی نیا شبہ نظر سے گزارا تو ان شاء اللہ اس کا جواب بھی عرض کر دیا جاوے گا۔

اعتراض نمبر ۱ تم نے قنوت نازلہ نہ پڑھنے کی جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ تمام کی تمام ضعیف ہیں اور ضعیف حدیثوں سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔ (پرانہ سبق)

جواب اس کے جوابات ہم بارہا دے چکے ہیں اب ایک فیصلہ کن جواب عرض کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ہمارے دلائل یہ روایات نہیں۔ ہماری اصل دلیل تو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے ہم یہ آیت و احادیث مسائل کی تائید کے لئے پیش کرتے ہیں احادیث یا آیات امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیلیں ہیں۔ ان کی احادیث کی یہ اسنادیں نہیں۔ ان کی اسناد نہایت مختصر اور کھری نکسالی ہوتی ہے۔ جس میں دو تین راوی ہوتے ہیں وہ بھی نہایت ثقہ اس باب کی پہلی فصل میں آپ حدیث نمبر ۱۵ میں صرف چار راوی ہیں۔ ابان ابن عیاش۔ ابراہیم نخعی۔ علقمہ ابن مسعود ہماؤان میں کون ضعیف ہے چونکہ امام صاحب کا زمانہ خیر القرون میں سے ہے۔ ان کی احادیث کی اسنادوں میں بہت کم راوی ہیں۔ لہذا وہاں ضعیف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ضعف تدلیس وغیرہ بیماریاں بعد میں لگیں۔ ہاں تمہاری کسی روایت کا ضعیف ہونا تمہارے لئے قیامت ہے کہ یہ ہی روایتیں تمہاری دلیلیں ہیں جن پر تمہارے مذہب کا دار و مدار ہے۔ اور تمہارا زمانہ حضور سے بہت دور تمہاری روایتوں کی اسنادیں بہت لمبی جن میں ہر طرح کی بیماریاں موجود ہیں۔ لہذا ضعیف ضعیف کی رٹ سے کسی غیر مقلد کو ڈراؤ۔ حنفی کے لئے اس سے کچھ خطرہ نہیں باقی جوابات وہ ہیں۔ جو ہم پہلے بالوں میں عرض کر چکے ہیں ہم نے ہر حدیث کی بفضلہ تعالیٰ اتنی اسنادیں پیش کی ہیں کہ وہ وہ احادیث حسن ہو گئیں ضعف جاتا رہا۔

اعتراض نمبر ۲ تاہن ملجہ نے روایت کی کہ کسی نہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ حضرت نے کب قنوت پڑھی تو جواب دیا۔

قَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوعِ وَفِي رِوَايَةٍ قَبْلَ الرُّكُوعِ وَبَعْدَهُ

”حضور ﷺ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی اور ایک روایت میں ہے کہ رکوع سے پہلے بھی قنوت پڑھی اور بعد بھی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ قنوت نازلہ پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس حدیث میں قنوت نازلہ کا ذکر نہیں اور صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث دعاء قنوت کے بحث میں لائے ہیں جو تروں میں پڑھی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دعاء قنوت مراد ہے۔ لہذا آپ کا استدلال غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر قنوت نازلہ ہی مراد ہو تو یہاں یہ ذکر نہیں کہ حضور علیہ السلام نے ہمیشہ پڑھی اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ حضور نے قنوت نازلہ صرف ایک یا سوا ماہ پڑھی پھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دی۔ لہذا یہ حدیث منسوخ ہے اور منسوخ سے دلیل پکڑنا سخت جرم۔ تیسرے یہ کہ اگر اس حدیث میں قنوت نازلہ ہی مراد ہو تو اس میں یہ فیصلہ نہ فرمایا گیا کہ رکوع سے پہلی یا بعد میں۔ تو تم نے بعد رکوع کا فیصلہ کیسے کر لیا۔ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے چوتھے یہ کہ یہ حدیث ابن ماجہ کی ہے اس کی اسناد مجروح ہے۔ اس ہی لئے اسے مسلم و بخاری نے نہ لیا مسلم و بخاری کی روایتیں اس کی خلاف ہیں۔ جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں۔ لہذا یہ حدیث مجروح ہے غرضیکہ یہ حدیث تمہارے لئے کسی طرح حجت نہیں۔

اعتراض نمبر ۳ طحاوی شریف نے بہت سی اسنادوں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی اتنی اسنادوں والی روایت ضعیف نہیں ہو سکتی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ حِينَ يُقْرَعُ مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ مِنَ الْقِرَاءَةِ وَيُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ رَأْسَهُ يَقُولُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ “اللَّهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ ابْنَ الْوَلِيدِ“

”حضور علیہ السلام جب نماز فجر کی قراءۃ سے فارغ ہوتے اور تکبیر کہہ کر رکوع فرماتے اور رکوع سے سر مبارک اٹھاتے۔ اور سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فرماتے تو کھڑے ہوئے یہ دعا پڑھتے اے اللہ ولید ابن ولید کو نجات دے ان“

طحاوی شریف حنفیوں کی کتاب ہے اس سے قنوت نازلہ کا ثبوت ہے۔

اعتراض نمبر ۴ احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے زمانہ میں فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قنوت نازلہ پڑھنا منقول ہے ایسے طویل القدر صحابہ کا قنوت نازلہ پڑھنا اسکے سنت ہونے کی روشن دلیل ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں الزامی اور تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ روایت تمہارے بھی خلاف ہیں کیونکہ ان میں بحالت جنگ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگ کفار کے زمانہ میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خوارج یا بغاۃ کی جنگ میں یہ دعا پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ امن کے زمانہ میں نہیں پڑھتے مگر تم ہمیشہ پڑھتے ہو تم نے آج تک کفار سے کتنی جنگیں کیں۔ تم نے مسلمانوں کو مشرک بنانے اور مسلمانوں سے لڑنے کے سوا کون سے جہاد کئے۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں کہ قنوت نازلہ کے متعلق صحابہ کرام میں اختلاف رہا بعض صحابہ کرام اسے بالکل منسوخ مانتے اور بدعت فرماتے ہیں جیسے حضرت ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ جیسا کہ ہم بحوالہ انسائی و ابن ماجہ پہلی فصل میں عرض کر چکے اور بعض صحابہ کرام بحالت جنگ قنوت نازلہ پڑھتے تھے جیسے حضرت عمر علی رضی اللہ عنہ اس لئے ہمارے فقہاء فرماتے ہیں۔

کہ اب بھی بحالت جنگ قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے اگرچہ بہتر نہیں لیکن ہمیشہ پڑھنا کسی صحابی کا قول نہیں ہماری ساری گفتگو ہمیشہ پڑھنے کے متعلق ہے آپ کا دعویٰ کچھ اور ہے دلیل کچھ اور تمام وہابیوں کو اعلان امام ہے کہ ایک حدیث مرفوع صحیح ایسی دکھاؤ جس میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنے کا حکم یا ذکر ہو ان شاء اللہ قیامت تک نہ ملے گی۔ لہذا کیون ضد کرتے ہیں مقلد بن کر صحیح نمازیں پڑھا کرو۔

تتمہ

وتر میں دعائے قنوت ہمیشہ پڑھو

چونکہ غیر مقلد وہابی و تروں میں ہمیشہ دعاء قنوت پڑھنے کو منع کرتے ہیں۔ صرف آخری پندرہ رمضان میں دعاء قنوت پڑھتے ہیں۔ ہم خفی سال بھر تک پڑھتے ہیں۔ اس لیے بطور اختصار کچھ اس کے متعلق بھی عرض کرتا ہوں۔ ہمیشہ دعاء قنوت وتر کے آخر رکعت میں قراءۃ کے بعد رکوع سے پہلے پڑھنا سنت ہے۔ اس کے خلوف کرنا سخت بُرا ہے۔ احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱، ۲ امام محمد نے آخر میں اور حافظ ابن خسر و محدث نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ ﷺ سے روایت کی۔

اَنَّهُ كَانَ يَقْنُتُ السَّنَةَ كُلَّمَا فِي الْوُتْرِ قَبْلَ الرُّكُوعِ ”کہ آپ وتروں میں تمام سال رکوع سے پہلے دعائوت پڑھتے تھے۔“
حدیث نمبر ۷۳ دارقطنی اور بیہقی نے حضرت سید ابن غفلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيًّا يَقُولُونَ قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخِرِ الْوُتْرِ وَكَانُوا يَفْعَلُونَ ذَلِكَ ”وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو بکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی علی مرتضیٰ سے سنا کہ وہ سب حضرات فرماتے تھے کہ حضور ﷺ وتر کی آخری رکعت میں دعائوت پڑھتے تھے اور تمام صحابہ بھی یہ ہی کرتے تھے۔“

حدیث نمبر ۸۶ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي الْخِرِ وَتْرِهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَلْیَوْمَ ”یقیناً حضور ﷺ اپنی آخری وتر میں یہ دعا پڑھتے تھے۔“ اَللّٰهُمَّ اِن اَعُوْذُ بِكَ اَلْیَوْمَ

خیال رہے۔ کہ غیر مقلد وہابیوں کے پاس صرف آخری نصف رمضان میں دعائوت پڑھنے کی صرف ایک حدیث ہے۔ جو ابوداؤد نے حضرت حسن بصری سے روایت کی الفاظ یہ ہیں۔

أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلَى أَبِي ابْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّي بِهِمْ عِشْرِينَ لَيْلَةً وَلَا يَقْنُتُ بِهِمْ إِلَّا فِي النِّصْفِ الْبَاقِي ”حضرت عمر ابن خطاب نے لوگوں کو ابی ابن کعب پر جمع کر دیا وہ انہیں بیس رات تراویح پڑھاتے تھے۔ اور قنوت نہ پڑھتے تھے مگر باقی آدھے رمضان میں۔“

غیر مقلد کہتے ہیں کہ آخری نصف رمضان میں دعائوت پڑھنا سنت صحابہ ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اے وہابیو! تمہارا پورا حدیث پر ایمان ہے یا آدھی پر۔ اگر آدھی پر ہے تو کیوں۔ اور اگر پوری پر ہے تو اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت ابی ابن کعب تمام صحابہ کو بیس رات تراویح پڑھاتے تھے۔ تم آٹھ تراویح ہمیشہ کیوں پڑھتے ہو۔ صرف بیس رات کیوں نہیں پڑھتے اس قسم کی حرکات کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے۔

اَفْتَوِمُنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ”کیا بعض کتاب پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔“

اگر اس حدیث سے پندرہ دن دعائوت ثابت ہوتی ہے۔ تو بیس رکعت تراویح صرف بیس رات بھی ثابت ہوتی ہیں۔ لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں دعائوت کا ذکر نہیں۔ ظاہر یہ ہے۔ کہ یہ دعا کوئی اور ہوگی۔ جس میں کفار کی ہلاکت کی دعا کی گئی ہو چونکہ اس زمانہ میں کفار سے جہاد بہت زیادہ ہوتے تھے تو صحابہ کرام آخر رمضان میں جس میں سب قدر بھی ہے۔ اعتکاف کی راتیں بھی کفار کی ہلاکت اور اسلام کی فتح کی دعائیں کرتے ہوں گے۔ اگر اس سے دعائوت مراد ہو تو یہ حدیث ان احادیث کے خلاف ہوگی۔ جو ہم پیش کر چکے ہیں جن میں فرمایا گیا کہ صحابہ کرام سارا سال دعائوت پڑھتے تھے۔ جہاں تک ہو سکے احادیث میں تعارض پیدا نہ ہونے دیا جاوے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے بھی پندرہ دن دعائوت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ابی ابن کعب نے بیس رات تراویح پڑھائیں جن میں سے آخری نصف میں دعائوت پڑھی تو حساب سے کل دس دن یعنی دسویں رمضان سے بیس رمضان تک دعائوت ہوئی تم پندرہویں سے تیس تک کیوں پڑھتے ہو۔

ہمارا اعلان ہم تمام دنیا کے وہابیوں کو اعلان کرتے ہیں کہ کوئی حدیث مرفوع صحیح مسلم بخاری کی ایسی پیش کرو جس میں پندرہ دن دعائوت کا حکم ہوا آگے پیچھے بڑھنے کی ممانعت ہو۔ قیامت تک نہ لاسکو گے لہذا اپنے موجودہ عمل سے توبہ کرو اور ہمیشہ دعائوت پڑھا کرو۔ ہمیشہ رب سے دعا مانگنے سے شرم نہ کرو۔

نواں باب

التَّحِيَّاتِ مِیں بیٹھنے کی کیفیت

مرد کے لیے سنت یہ ہے کہ دونوں التحیات میں داہنا پاؤں کھڑا کرے اور بائیں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے۔ عورت دونوں پاؤں داہنی طرف نکال دے اور زمین پر بیٹھے وہابی غیر مقلد پہلی التحیات میں تو مردوں کی طرح بیٹھتے ہیں مگر دوسری میں عورتوں کی طرح یہ سنت کے خلاف ہے اور بہت بُرا اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

التحیات میں خواہ پہلی ہو یا دوسری مرد داہنا پاؤں کھڑا کرے اور اس کی انگلیوں کا سرا کعبہ کی طرف بائیں پاؤں بچھائے اس پر بیٹھے اس پر بہت سی احادیث وارد ہیں۔ بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱ مسلم شریف نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَكَاَنَ يَفْتَرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنَى

”آپ اپنا بائیں پاؤں شریف بچھاتے تھے اور داہنا پاؤں کھڑا فرماتے تھے۔“

حدیث نمبر ۲، ۳ بخاری و نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ إِنَّمَا السُّنَّةُ فِي الصَّلَاةِ أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنَى وَتُثْبِتَ الْيُسْرَى زَاذًا لِنِسَائِي وَاسْتَقْبَلَهُ بِأَصَابِعِهَا الْقَبْلَةَ

”سنت یہ ہے کہ تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کرے اور بائیں پاؤں بچھائے نسائی میں یہ زائد ہے کہ داہنے پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف کرے۔“

حدیث نمبر ۴، ۷ بخاری شریف۔ مالک۔ ابوداؤد۔ نسائی نے سیدنا عبداللہ ابن عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعین سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يَرَى عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ يَتَرَبَّعُ فِي الصَّلَاةِ إِذَا جَلَسَ قَالَ فَعَلْتُهُ، وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ السَّنَنِ

فَنَهَانِي عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عُمَرَ وَقَالَ سُنَّةٌ الصَّلَاةِ أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنَى وَتُثْبِتَ رِجْلَكَ الْيُسْرَى

فَقُلْتُ لَهُ، إِنَّكَ تَفْعَلُ ذَلِكَ فَقَالَ إِنَّ رِجْلِي لَا تَحْمَلَانِ فِي

”کہ وہ اپنے والد عبداللہ ابن عمر کو دیکھتے تھے کہ آپ نماز میں چار زانو بیٹھتے تھے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں بھی ایسے ہی بیٹھا اس وقت میں نو عمر تھا تو مجھے حضرت عبداللہ نے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ پاؤں بچھاؤ میں نے کہا کہ آپ تو یہ کرتے ہیں یعنی چار زانو بیٹھتے ہیں تو فرمایا کہ میرے پاؤں میرا

بوجھ نہیں اٹھا سکتے (یعنی معذوری ہے)۔“

حدیث نمبر ۸، ۹ ترمذی شریف اور طبرانی نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ قُلْتُ لَا نَظَرَنَّ إِلَى صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا جَلَسَ وَوَضَعَ

يَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى فَخْذِهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى

”فرمایا کہ میں مدینہ منورہ میں آیا تو میں نے دل میں کہا کہ میں حضور ﷺ کی نماز دیکھوں گا۔ جب آپ نے اپنا بائیں پاؤں بچھا دیا اور بائیں ہاتھ

بائیں ران پر رکھا اور داہنا پاؤں کھڑا کر دیا۔“

حدیث نمبر ۱۰، ۱۳ امام احمد۔ ابن حبان۔ طبرانی نے کبیر میں حضرت رفاعہ ابن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ فَإِذَا جَلَسْتَ فَاجْلِسْ عَلَى فَخْذِكَ الْيُسْرَى ”پھر جب تم بیٹھو تو اپنی بائیں ران پر بیٹھو۔“

حدیث نمبر ۱۴ طحاوی شریف نے حضرت ابواہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يُسْتَجَبُّ إِذَا جَاسَ الرَّجُلُ فِي الصَّلَاةِ أَنْ يَفْتَرِشَ قَدَمَهُ الْيُسْرَى عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَجْلِسُ عَلَيْهَا

”آپ مستحب جانتے تھے کہ مرد نماز میں اپنا بائیں پاؤں بچھائے زمین پر اور اس پر بیٹھے۔“

حدیث نمبر ۱۵ ابو داؤد شریف نے حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ افْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى حَتَّىٰ أَسْوَدَ ظَهْرُهُ قَدَمَهُ

”وہ فرماتے تھے کہ نبی ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے یہاں تک کہ اس قدم شریف کی پشت سیاہ ہو گئی تھی۔“

حدیث نمبر ۱۶ یحییٰ شریف نے سیدنا ابوسعید خدری سے ایک دراز حدیث نقل کی۔ جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَإِذَا جَلَسَ فَلْيَنْصِبْ رِجْلَهُ الْيُمْنَىٰ وَلْيُخْفِضْ رِجْلَهُ الْيُسْرَىٰ

”جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے داہنے پاؤں کو کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھائے۔“

حدیث نمبر ۱۷ طحاوی شریف نے حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ لَا حِفْظَنَ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَمَّا قَعَدَ لِلتَّشَهُدِ فَرَشَ

رِجْلَهُ الْيُسْرَىٰ ثُمَّ قَعَدَ عَلَيْهَا

”میں نے حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو دل میں کہا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز یاد کروں گا۔ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ التہیات کے

لیے بیٹھے تو بایاں پاؤں بچھایا پھر اسی پر بیٹھے گئے۔“

حدیث نمبر ۱۸ طحاوی شریف نے حضرت ابو حمید ساعدی سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَإِذَا قَعَدَ لِلتَّشَهُدِ اضْجَع رِجْلَهُ الْيُسْرَىٰ وَنَصِبِ الْيُمْنَىٰ عَلَىٰ صَدْرِهَا وَيَتَشَهَّدُ

”جب حضور ﷺ التہیات کیلئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور داہنا پاؤں اس کے سینے پر کھڑا کیا اور التہیات پڑھتے تھے۔“

یہ اٹھارہ حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ اس بارے میں بہت حدیثیں ہیں۔ ان تمام حدیثوں میں مطلق التہیات کا ذکر ہے اول آخر کی قید نہیں

معلوم ہوا کہ مرد التہیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے عورتوں کی طرح دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر زمین پر نہ بیٹھے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ دوسری التہیات میں بھی بائیں پاؤں پر بیٹھے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پہلی التہیات میں مرد بائیں پاؤں پر بیٹھے اور

دو سجدوں کے درمیان میں اسی طرح بیٹھے آخری التہیات میں وہابیوں کا اختلاف ہے۔ پہلی التہیات میں بیٹھنا واجب ہے اور دو سجدوں کے درمیان

بیٹھنا فرض۔ دوسری التہیات میں بیٹھنے کو اگر فرض مانتے ہو تو اسے سجدوں کی درمیانی نشست کی طرح ہونا چاہیے یعنی بائیں پاؤں پر اور اگر اس نشست کو

واجب مانا جاوے تو اسے پہلے التہیات کی نشست کی طرح ہونا چاہئے یعنی بائیں پاؤں پر یہ کیا کہ وہ دونوں نشستیں بائیں پاؤں پر ہوں اور یہ آخری

نشست زمین پر دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر اس نشست کی مثال نماز میں نہیں ملتی غرضیکہ بائیں پاؤں پر بیٹھنا قرین قیاس ہے اور زمین پر سرین

رکھ کر بیٹھنا عقل و نقل سب کے ہی خلاف ہے اس سے بچنا چاہیے خیال رہے کہ عورت زمین پر سرین رکھ کر دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر ضرور بیٹھتی ہے

مگر وہ پہلی التہیات میں بھی ایسے ہی بیٹھتی ہے اور دو سجدوں کے بیچ میں بھی اسی طرح لہذا اس کا اس طرح بیٹھنا قرین قیاس ہے کہ اس کی ہر نشست اسی طرح ہے۔

غرضیکہ عورتوں کی ہر نشست زمین پر ہے۔ مردوں کی ہر نشست بائیں پاؤں پر نہ معلوم وہابیوں کی یہ رواگلی البتہ نشست کس میں شامل ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں غیر مقلدوں کے جس قدر دلائل ہم کو مل سکتے ہیں۔ ہم انہیں مع جوابات پیش کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول

فرماوے۔ آمین

اعتراض نمبر ۱ طحاوی شریف نے حضرت یحییٰ ابن سعید سے روایت کی۔

أَنَّ الْقَاسِمَ ابْنَ مُحَمَّدٍ أَرَاهُمُ الْجُلُوسَ فَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنَىٰ وَثَنَىٰ رِجْلَهُ الْيُسْرَىٰ وَجَلَسَ عَلَىٰ وَرْكِهِ

الْيُسْرَىٰ وَلَمْ يَجْلِسْ عَلَىٰ قَدَمَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَرَانِي هَذَا عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ وَحَدَّثَنِي أَنَّ أَبَاهُ

عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَدْعُلُ ذَالِكَ

”کہ قاسم ابن محمد نے ان لوگوں کو نماز میں بیٹھنا دکھایا تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کیا۔ اور بایاں پاؤں بچھایا اور اپنے بائیں سرین پر بیٹھے۔ آپ دونوں

قدموں پر نہ بیٹھے پھر قاسم نے فرمایا کہ یہ ہی مجھے عبداللہ ابن عبد اللہ ابن عمر نے دکھایا اور مجھے خبر دی کہ ان کے والد حضرت عبداللہ ابن عمر ایسا ہی کرتے تھے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر زمین پر بیٹھنا سنت صحابہ ہے اور صحابہ کرام نے یہ عمل اسی لیے کیا کہ حضور ﷺ کو ایسے کرتے دیکھا ہوگا۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر نماز کی ہر التحیات میں اس ہی طرح بیٹھتے تھے مگر تم کہتے ہو کہ پہلی التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ دوسرے میں اس طرح بیٹھے۔ لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ حدیث اس روایت کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر دونوں التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھتے تھے وہ حدیث نہایت قوی تھی۔ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے بھی ضعیف ہے قیاس شرعی کے بھی خلاف اور جب حدیثوں میں تعارض ہو تو جو حدیث قیاس شرعی کے موافق ہوگی اُسے ترجیح ہوگی۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث سے تمہارا قول ثابت نہیں ہوتا۔ کیوں کہ اس میں یہ تفریح نہیں۔ کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ زمین پر سرین رکھ کر بیٹھتے تھے یہ ہے دونوں قدموں پر نہ بیٹھتے تھے واقعی نمازی دونوں قدموں پر نہیں بیٹھتا۔ بلکہ صرف ایک قدم یعنی بائیں پر بیٹھتا ہے لہذا اس میں تمہاری کوئی دلیل نہیں۔

اعتراض نمبر ۲ طحاوی شریف اور ابوداؤد نے محمد ابن عمرو ابن عطاء سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کا ملخص یہ ہے۔

سَمِعْتُ أَبَا حَمِيدٍ السَّاعِدِيَّ فِي عَشْرَةِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا عَلَّمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَنَّهُ كَانَ فِي الْجَلْسَةِ الْأُولَى يُثْنِي رَجُلَهُ الْيُسْرَى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا حَتَّى إِذَا كَانَتْ السَّجْدَةُ الَّتِي يَكُونُ فِي آخِرِهِ التَّسْلِيمِ آخَرَ رَجُلَهُ الْيُسْرَى وَقَعَدَ مُتَوَرِّكًا عَلَى شِقِّهِ الْإَيْسَرِ فَقَالُوا

”میں نے ابو حمید ساعدی کو دس صحابہ کرام کی جماعت میں فرماتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم سب میں حضور ﷺ کی نماز کو زیادہ جانتا ہوں۔ فرمایا کہ حضور ﷺ پہلی التحیات میں اپنا بائیں پاؤں بچھاتے اور اس پر بیٹھتے تھے جب وہ سجدہ فرما لیتے جس کے آخر میں سلام ہے تو اپنا بائیں پاؤں ایک جانب نکال دیتے اور اپنے بائیں سرین پر زمین پر بیٹھتے تو صحابہ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو۔“

اس حدیث میں صاف طور پر فرمایا گیا کہ پہلی التحیات میں پاؤں پر اور دوسری التحیات میں زمین پر بیٹھنا سنت ہے اور ابو حمید ساعدی نے یہ حدیث دس صحابہ کی جماعت میں ذکر کی اور ان سب نے اس کی تصدیق فرمائی معلوم ہوا کہ عام صحابہ کا وہی طریقہ تھا جس پر ہم عامل ہیں۔

(یہ غیر مقلد وہابیوں کی مایہ ناز حدیث ہے)

جواب یہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ محض گڑھی ہوئی ہے کیونکہ اس کا راوی محمد ابن عمرو ابن عطاء ہے جو بہت جھوٹا ہے وہ کہتا تھا۔

میں نے ابو حمید اور ابوققادہ سے سنا۔ حالانکہ حضرت ابوققادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ اونہی کے زمانہ میں شہید ہوئے۔ حضرت علی نے ہی ابوققادہ کی نماز جنازہ پڑھی اور محمد ابن عمرو خلافت حیدری کے بعد پیدا ہوا۔ پھر ابوققادہ سے کیسے ملا۔ ایسا جھوٹا آدمی ہرگز قابل اعتبار نہیں نہ اس کی حدیث قابل عمل ہے دیکھو طحاوی شریف اسی باب کا آخر۔

ابو حمید ساعدی کی صحیح حدیث وہ ہے جو طحاوی شریف نے اسی باب میں بروایت عباس ابن سہیل روایت کی جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے جس میں فرمایا کہ حضور ﷺ بائیں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے اور التحیات پڑھتے تھے۔ افسوس ہے کہ آپ ایسی وانی اور ضعیف بلکہ جھوٹے روایوں کی روایتوں پر اپنے مذہب کی بنیاد قائم کرتے ہیں۔ اور جب حنفی اپنی تائید میں صحیح حدیث پیش کریں تو اس پر حیلوں بہانوں سے ضعیف کی رٹ لگاتے ہیں اور اگر یہ حدیث صحیح مان بھی لی جاوے تب بھی گزشتہ اُن احادیث کے خلاف ہوگی جو ہم عرض کر چکے ہیں ہماری تمام احادیث چونکہ قیاس شرعی کی تائید سے قوت حاصل کر چکیں لہذا وہ ہی قابل عمل ہیں۔ یہ حدیث بالکل ناقابل عمل۔

اعتراض نمبر ۳ ترمذی شریف نے عباس ابن سہیل ساعدی سے روایت کی۔

قَالَ اجْتَمَعَ أَبُو حَمِيدٍ أَوْ بُوَاسِيْدٌ وَسَهْلُ ابْنُ سَعْدٍ وَمُحَمَّدُ ابْنُ مُسْلِمَةَ فَذَكَرُوا صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو حَنِيدٍ أَنَا عَلَّمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ يَغْنِيُ لِلتَّشَهُدِ فَأَفْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَأَقْبَلَ بِصَدْرِ الْيُمْنَى عَلَى قِبْلَتِهِ وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُمْنَى وَكَفَّهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُسْرَى وَأَشَارَ بِأَصْبُعِهِ يَغْنِيُ سَبَابَةَ

”ایک بار ابو حمید ابو اسید سمیل ابن سعد اور محمد ابن مسلمہ جمع ہوئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابو حمید فرمانے لگے کہ تم سب سے زیادہ حضور ﷺ کی نماز کو میں جانتا ہوں حضور ﷺ التحیات کے لئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھا دیا اور داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف کر دیا اور اپنی داہنی ہتھیلی داہنے گھٹنے پر رکھی بائیں ہتھیلی بائیں گھٹنے پر رکھی اور اپنی انگلی (کھلی انگلی) سے اشارہ فرمایا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ اس ہی طرح التحیات میں بیٹھتے تھے جیسے ہم بیٹھتے ہیں۔ ورنہ آپ کے داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف نہ ہوتا بلکہ یہ پاؤں کھڑا ہوتا۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ ہر التحیات میں زمین پر بیٹھتے تھے تم پہلی التحیات میں تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے ہو دوسری میں زمین پر یہ کیوں جو تم جواب دو گے وہ ہی ہمارا جواب ہو گا اپنی فکر کرو۔

دوسرے یہ کہ تمہاری دوسری التحیات میں تین کام ہوتے ہیں بائیں پاؤں کا داہنی طرف لٹکنا۔ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا۔ سرین کا زمین پر لگنا عورتوں کی طرح اس حدیث میں ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں۔ نہ تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف لٹکنا۔ نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔ نہ ایک بھی ثابت نہیں نہ تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف لٹکنا۔ نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔ نہ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا تعجب ہے کہ اسے آپ نے اپنی تائید میں کیسے سمجھ لیا یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔ داہنے پاؤں کے سینے کا قبلہ کی طرف ہونا تمہارے بھی خلاف ہے۔

تیسرے یہ کہ ابو حمید سعدی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے نیز خود انہی ابو سعید سعدی سے اس کے خلاف بھی منقول ہے وہ تمام احادیث اس حدیث سے زیادہ قوی ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل اور خود اس فصل میں عرض کر چکے۔ لہذا وہ احادیث قابل عمل ہیں اور یہ ناقابل عمل۔

چوتھے یہ کہ اس ہی ترمذی میں اس ہی جگہ حضرت ابو وائل کی وہ حدیث بھی موجود ہے جس میں حنفیوں کی طرح بیٹھنا مذکور ہے اس کے متعلق امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور فرمایا کہ اکثر علماء کا اس پر عمل ہے آپ نے ایسی صحیح و صاف حدیث کو کیوں چھوڑا اور مجمل حدیث پر کیوں عمل کیا جو آپ کے بھی موافق نہیں معلوم ہوا کہ آپ حدیث کے قبیح نہیں۔ اپنی رائے اتباع کرتے ہیں آپ اپنا نام اہل حدیث نہیں بلکہ اہل رائے یا اہل صدر رکھیں۔

اعتراض نمبر ۷ بائیں پاؤں پر بیٹھنے کے متعلق آپ نے جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں قابل حجت نہیں۔ (پرانہ سبق)

جواب کسی حنفی کو آپ اس منتر سے نہ ڈرایا کریں حنفی پر روایت کے ضعیف ہونے کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حنفی مجتہد تعالیٰ اتنی حدیثیں پیش کرتے ہیں کہ اگر بفرض محال وہ سب ضعیف بھی ہوں۔ تو بھی قوی ہو جاویں۔ نیز امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر مجتہد سراف امت کا قبول فرمالینا ہی اس کو قوی کرنے کے لئے کافی ہے۔ حنفی مذہب کی دلائل یہ روایات نہیں۔ یہ تو تائیدیں ہیں حنفیوں کی دلیل قول امام ہے ہمارا ایمان کتاب پر بھی ہے سنت پر بھی اور اجتماع امت و قیاس مجتہد پر بھی ہمارے سامنے یہ آیت کریمہ ہے۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ

”اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے امر والوں (مجتہدین امت) کی“

دسواں باب

بیس رکعت تراویح

ہم میں رکعت تراویح کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ چکے ہیں جس کا نام ہے۔ ملعات المصانع علی رکعات التروایح جس میں بہت تفصیل سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اس کتاب کو مکمل کرنے کے لیے کچھ بطور اختصار یہاں عرض کیا جاتا ہے جس کو تفصیل دیکھنی ہو وہ ہمارا رسالہ ملاحظہ کرے۔ خیال رہے کہ ساری امت رسول اللہ ﷺ کا اس پر اتفاق ہے کہ وہابی وہ فرقہ ہے جسے نمازگراں ہے محض نفس پر بوجھ سمجھ کر تراویح صرف آٹھ رکعت پڑھ کر سو رہتے ہیں اور کچھ روایتوں کا بہانہ بناتے ہیں۔ اس لیے ہم اس مسئلہ کو دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں پہلی فصل میں بیس رکعت تراویح کے دلائل دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔ آمین

پہلی فصل

بیس رکعت تراویح کا ثبوت

بیس رکعت تراویح سنت رسول اللہ ﷺ صحابہ سنت عامۃ المسلمین ہے آٹھ رکعت تراویح خلاف سنت ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱۵۵ ابن ابی شیبہ، طبرانی نے کبیر ہیں یحییٰ۔ عبد بن حمید اور امام بغوی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

”أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً سِرَى الْوُتْرَ وَزَادَ الْبَيْهَقِيُّ فِي غَيْرِ جَمَاعَةٍ“
”بیٹھ نبی ﷺ ماہ رمضان شریف میں بیس رکعت پڑھتے تھے وتر کے علاوہ یحییٰ نے یہ زیادہ فرمایا کہ بغیر جماعت تراویح پڑھتے تھے۔“

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خود حضور انور ﷺ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ جن روایات میں آیا ہے کہ آپ نے صرف تین دن تراویح وہاں باجماعت پڑھنا مراد ہے یعنی بغیر جماعت تو ہمیشہ پڑھتے تھے جماعت سے صرف تین دن پڑھیں۔ لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تراویح سنت مؤکدہ علی العین ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیشہ پڑھیں اور لوگوں کو رغبت بھی دی۔

حدیث نمبر ۱۶ امام مالک نے حضرت یزید ابن رومان سے روایت کی۔

”كَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ فِي زَمَنِ عُمَرَ الْخَطَّابِ فِي رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ رَكْعَةً“

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں لوگ تیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔“

اس سے دوسرے معلوم ہوئے ایک یہ کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ دوسرے یہ کہ وتر تین رکعت ہیں اس لیے کل تیس رکعتیں ہوئیں۔

حدیث نمبر ۷ یحییٰ نے معرفہ میں صحیح اسناد سے حضرات سائب ابن یزید سے روایت کی۔

”قَالَ كُنَّا نَقُومُ فِي عَهْدِ عُمَرَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوُتْرَ“ ”ہم صحابہ کرام عمر فاروق کے زمانہ میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔“

حدیث نمبر ۸ ابن منیع نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

”أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ أَمَرَهُ أَنْ تُصَلَّى بِاللَّيْلِ فِي رَمَضَانَ قَالَ إِنَّ النَّاسَ يَصُومُونَ النَّهَارَ وَلَا يَحْسِنُونَ أَنْ يَقْرَأُوا فَلَوْ قَرَأَتْ عَلَيْهِمْ بِاللَّيْلِ قَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ هَذَا شَيْءٌ لَمْ يَكُنْ فَقَالَ فَقَدْ عَلِمْتُ وَلَكِنَّهُ حَسَنٌ“ فَصَلَّى بِهِمْ عِشْرِينَ رَكْعَةً

”حضرت عمر نے انہیں حکم دیا کہ تم لوگوں کو رات میں تراویح نماز پڑھاؤ کیونکہ لوگ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور قرآن کریم اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے بہتر یہ ہے کہ تم ان پر قرآن پڑھا کرو رات میں حضرت ابی نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین یہ وہ کام ہے جو اس سے پہلے نہ تھا آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں۔ لیکن یہ اچھا کام ہے تو حضرت ابی ان کو بیس رکعتیں پڑھائیں۔“

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ عہد فاروقی سے پہلے مسلمانوں میں تراویح جاری ہی تھی۔ مگر باجماعت اہتمام سے ہمیشہ تراویح کا رواج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہوا اصل تراویح سنت رسول اللہ ﷺ ہے اور جماعت۔ اہتمام بیٹھ کر سنت فاروقی ہے۔

دوسرے یہ کہ بیس رکعت تراویح پر تمام صحابہ کا اجماع ہوا۔ کیونکہ حضرت ابی ابن کعب نے تمام صحابہ کو بیس رکعت پڑھائیں۔ صحابہ کرام نے پڑھیں کسی نے اعتراض نہ کیا۔

تیسرے یہ کہ بدعت حسنا اچھی چیز ہے کہ حضرت ابی ابن کعب نے عرض کیا کہ جماعت تراویح باقاعدہ جماعت کا اہتمام سے بدعت ہے اس سے پہلے نہ ہوئی۔ فاروق اعظم نے فرمایا بالکل ٹھیک ہے واقعی یہ بدعت ہے مگر اچھی ہے۔

چوتھے یہ کہ جو کام حضور ﷺ کے زمانہ میں نہ ہو وہ بدعت ہے اگرچہ عہد صحابہ میں رائج ہو کہ تراویح کی جماعت اگرچہ زمانہ فاروقی میں ہوئی مگر اسے بدعت حسنا فرمایا گیا۔

حدیث نمبر ۹ بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابو عبد الرحمن سلمیٰ سے روایت کی۔

أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ دَعَا الْقُرَاءَ فِي رَمَضَانَ رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرَوِيحَاتٍ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَكَانَ عَلِيٌّ يُوْتِرُ بِهِمْ

”کہ علی رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف میں قاریوں کو بلایا پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھاؤ حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں وتر پڑھاتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۰ بیہقی نے اپنی حضرت ابوالحسناء سے روایت کی۔

أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ أَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرَوِيحَاتٍ عِشْرِينَ رَكْعَةً

”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو پانچ ترویج یعنی بیس رکعت پڑھائیں۔“

بطور نمونہ چند حدیثیں پیش کی گئیں ورنہ بیس رکعت کی احادیث بہت ہیں۔ اگر شوق ہو تو ہماری لمعات المصابیح اور صحیح السبہاری ملاحظہ کریں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہوں نہ کہ آٹھ چند وجوہ سے ایک یہ کہ دن رات میں بیس رکعت فرض و واجب ہیں۔ ۷ رکعت فرض تین رکعت واجب ماہ رمضان میں بیس تراویح پڑھی جاویں۔ ان رکعات کی تکمیل اور مدارج بڑھانے کے لیے لہذا آٹھ رکعت تراویح بالکل خلاف قیاس ہیں۔

دوسری یہ کہ صحابہ کرام تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھتے تھے بلکہ قرآن کریم کے رکوع کو رکوع اس ہی لیے کہتے ہیں کہ اتنی آیات پر حضرت عمرو عثمان و صحابہ کرام رکوع میں رکوع کرتے تھے اور ستائیسویں شب کو ختم قرآن ہوتا تھا۔ آٹھ رکعت ہوتیں تو چاہیے تھا کہ قرآن کریم کے رکوع دل دوسو سولہ ہوتے۔ حالانکہ قرآن کریم کے کل رکوع ۵۵۷ ہیں بیس رکعت کے حساب سے ۵۴۰ رکوع ہوتے کوئی وہابی صاحب آٹھ رکعت تراویح مان کر قرآن کریم کے رکوع کی تعداد کی وجہ بیان فرماویں۔

تیسرے یہ کہ تراویح کی جمع ہے۔ ترویجہ ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر راحت کرنے کو کہتے ہیں اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو بیچ میں ایک ترویجہ ہوتا۔ اس صورت میں اس کا نام تراویح جمع نہ ہوتا جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے۔

علماء امت کا عمل ہمیشہ سے قریباً ساری امت کا عمل بیس رکعت تراویح پر رہا اور آج بھی ہے۔ حرمین شریف اور ساری دنیا کے مسلمان بیس رکعت تراویح ہی پڑھتے ہیں۔ چنانچہ ترمذی شریف باب قیام شہر رمضان میں اس طرح فرماتے ہیں۔

وَأَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى مَا رَوَى عَنْ عَلِيٍّ وَعَمَرَ وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ هَكَذَا أَذْرَكُمْتُ بَلَدَ مَكَّةَ يُصَلُّونَ عِشْرِينَ رَكْعَةً

”اور اکثر علماء کا عمل اسی پر ہے جو حضرت عمرو علی و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے یعنی بیس رکعت تراویح اور یہی سفیان ثوری۔ ابن مبارک اور امام شافعی رحمۃ اللہ کا فرمان ہے امام شافعی نے فرمایا کہ ہم مکہ والوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے پایا۔“

عمدہ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ نمبر ۳۵۵ میں ارشاد فرمایا۔

قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ وَهُوَ قَوْلُ جَمْهُورِ الْعُلَمَاءِ وَبِهِ قَالَ الْكُوفِيُّونَ وَالشَّافِعِيُّ وَأَكْثَرُ الْفُقَهَاءِ وَهُوَ الصَّحِيحُ عَنْ أَبِي ابْنِ كَعْبٍ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ مِنَ الصَّحَابَةِ

”ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح ہی جمہور علماء کا قول ہے یہی کہ فی حضرات اور امام شافعی اور اکثر علماء فقہاء فرماتے ہیں اور یہی صحیح ہے ابی ابن کعب سے منقول ہے اس میں صحابہ کا اختلاف نہیں۔“

مولانا علی قاری شرح نقایہ میں بیس رکعت تراویح کے بارے میں فرماتے ہیں۔

فَصَارَاجْمَاعًا لِمَا رَوَى الْبَيْهَقِيُّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ كَانُوا يَقُمُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ رَكْعَةً وَعَلَى عَهْدِ

عُثْمَانَ وَعَلَى عَشْرِينَ

”بیس رکعت تراویح پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ کیونکہ بیہقی نے صحیح اسناد سے روایت کی صحابہ کرام اور سارے مسلمان حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔“

علامہ ابن حجر مزیہی فرماتے ہیں۔

اجْمَاعُ الصَّحَابَةِ عَلَى أَنَّ التَّرَاوِيحَ عَشْرُونَ رَكْعَةً ”تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔“

ان تمام حوالوں سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت تراویح سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ بیس رکعت تراویح پر صحابہ کا اجماع ہے بیس رکعت تراویح پر عام مسلمانوں کا عمل ہے بیس رکعت تراویح حرمین شریفین میں پڑھی جاتی ہیں بیس رکعت تراویح عقل کے مطابق ہیں بیس رکعت تراویح قرآنی رکوعات کی تعداد کے مناسب ہیں بلکہ آج حرمین طہین میں نجدیوں کی سلطنت ہے مگر اب بھی وہاں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی ہیں جس کا جی چاہے جا کر دیکھ لے۔ نہ معلوم ہمارے ہاں کے ہابی غیر مقلد کس کی تقلید کرتے ہیں۔ جو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہیں آٹھ رکعت تراویح سنت رسول کے خلاف سنت صحابہ کے خلاف سنت مسلمین کے خلاف سنت علماء مجتہدین کے خلاف سنت حرمین طہین کے خلاف ہے ہاں ہوائفس کے مطابق ہے کہ نماز نفس امارہ پر بوجھ ہے۔ رب تعالیٰ نفس امارہ کے پھندوں سے نکالے اور سنت رسول ﷺ پر عمل کی توفیق بخشے۔ آمین

دوسری فصل

بیس رکعت تراویح پر اعتراضات و جوابات

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدوں کے پاس آٹھ رکعت تراویح کی کوئی قوی دلیل نہیں کچھ اوہام رکیکہ اور کچھ ثبات فاسدہ ہیں۔ دل تو نہیں چاہتا تھا کہ ہم ان کا ذکر کریں مگر بحث مکمل کرنے کے لیے ان کے اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب کرے۔

اعتراض نمبر ۱ امام مالک نے سائب ابن یزین رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

”أَنَّه قَالَ أَمَرَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ أَبِي ابْنُ كَعْبٍ وَتَمِيمُ الدَّارِي أَنَّ يَقُومَا لِلنَّاسِ بِأَحْدَى عَشْرَةِ رَكْعَةٍ رَوَى“
”وہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابی ابن کعب اور تميم واری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آٹھ تراویح کا حکم دیا تھا۔ اگر تراویح بیس رکعت ہوتیں تو کل رکعات ۲۳ بنتیں مع وتر کے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی سخت خلاف ہے کیونکہ اس سے جہاں آٹھ تراویح کا ثبوت ہوا وہاں ہی تین وتر کا بھی ثبوت ہوا تب ہی تو کل رکعتیں گیارہ ہوں گی۔ آٹھ تراویح تین وتر۔ اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو کل نو رکعتیں ہوتیں۔ نہ کہ گیارہ۔ بتاؤ تم ایک رکعت وتر کیوں پڑھتے ہو کیا ایک ہی حدیث کے بعض حصہ کا اقرار ہے بعض کا انکار۔ لہذا اس روایت کا جو تم جواب دو گے وہ ہی جواب ہمارا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث کے روای محمد ابن یوسف ہیں۔ ان کی روایات میں سخت اضطراب ہے۔ موطا امام مالک کی اس روایت میں تو ان سے گیارہ رکعتیں منقول ہوئیں۔ اور محمد ابن نهر مروزی نے انہیں سے تیرہ رکعات نقل کیں۔ محدث عبدالرزاق نے انہی سے اکیس نقل فرمائیں دیکھو فتح البہاری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ نمبر ۱۸ مطبوعہ مطبع خیر یہ مصر۔ لہذا ان کی کوئی روایت معتبر نہیں تعجب ہے کہ آپ نفس امارہ کی خواہش پوری فرمانے کے لئے ایسی واہیات روایتوں کی آڑ پکڑتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ عہد فاروقی میں اولاً آٹھ رکعت تراویح کا حکم ہوا۔ پھر بارہ رکعت کا پھر آخر میں بیس رکعت پر ہمیشہ کے لئے عمل ہوا۔ چنانچہ اسی موطا امام مالک میں حضرت اعرج سے ایک طویل حدیث نقل فرمائی جس کے آخر الفاظ یہ ہیں۔

وَكَانَ الْقَارِي يَقْرَأُ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي عَشْمَا رَكْعَاتٍ فَإِذَا أَقَامَهَا فِي إِثْنَى عَشْرَةِ رَكْعَةٍ رَأَى النَّاسَ أَنَّهُ قَدْ خَفَّفَ

”قاری آٹھ رکعت تراویح میں سورہ بقرہ پڑھتے تھے پھر جب بارہ رکعتوں میں پڑھنے لگے تو لوگوں نے محسوس کیا کہ ان پر آسانی ہوگئی۔“

اس حدیث کی شرح میں مولانا قاری مرتقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

وَفِي الْمَوْطَأِ رَوَايَةٌ بِإِحْدَى وَعَشْرَةِ رَكْعَةٍ وَجُمِعَ بَيْنَهُمَا أَنَّهُ وَقَعَ أَوَّلًا ثُمَّ اسْتَقَرَّ الْأَمْرُ عَلَى الْعِشْرَيْنِ فَلِأَنَّهُ الْمُتَوَارِثُ

”ہاں ہمیں کا حکم حضرت عمر کے زمانہ میں ثابت ہوا، موطا شریف میں گیارہ رکعت کا ذکر ہے ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ عہد فاروقی میں پہلے تو آٹھ رکعت کا حکم تھا۔ پھر بیس رکعت پر تراویح کا قرار ہوا یہی مسلمانوں میں رائج ہے۔“

معلوم ہوا آٹھ رکعت تراویح پر عمل متروک ہے۔ بیس رکعت تراویح صحابہ کرام اور تمام مسلمانوں میں معمول۔

اعتراض نمبر ۲ تمہاری پیش کردہ احادیث سے ثابت ہوا کہ حضور انور ﷺ بیس تراویح پڑھتے تھے تو حضرت عمر نے پہلے آٹھ رکعت کا حکم ہی کیوں دیا خلاف سنت حکم صحابہ کی شان سے بعید ہے۔

جواب حضور ﷺ نے خود تو بیس رکعت تراویح پڑھیں۔ مگر صحابہ کو اس تعداد کا صریح حکم نہ دیا تھا۔ صرف رمضان کی راتوں میں نماز خصوصی کی رغبت دی تھی بلکہ خود جماعت بھی باقاعدہ ہمیشہ نہ کرائی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ تراویح فرض ہو جانے کا اندیشہ ہے اس لیے صحابہ کرام پر تراویح کی رکعات کی تعداد ظاہر نہ ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اولاً اپنے اجتہاد سے آٹھ پھر بارہ مقرر فرمائیں۔ بیس کی سند مل جانے پر بیس ہی کا دائمی حکم دے دیا۔ اس زمانہ میں آج کی طرح حدیث کتابوں میں جمع نہ تھی ایک ایک حدیث بہت کوشش و محنت سے حاصل کی جاتی تھی۔

اعتراض نمبر ۳ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوسلمہ نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی ﷺ رمضان کی راتوں میں کتنی رکعات پڑھتے تھے۔ تو ام المؤمنین نے ارشاد فرمایا۔

مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَ رَكْعَاتٍ
”حضور ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تراویح آٹھ رکعت پڑھتے تھے اگر بیس پڑھتے تو کل رکعات ۲۳ ہوتیں۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے اس لیے کہ اگر اس سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوتی ہے تو تین رکعت وتر بھی ثابت ہوئیں۔ تب ہی تو کل رکعت گیارہ ہوئیں بتاؤ تم وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہو جواب دو کیا بعض حدیث پر ایمان ہے۔ بعض کا انکار۔

دوسرے یہ کہ حضرت ام المؤمنین یہاں نماز تہجد کا ذکر فرما رہی ہیں نہ کہ نماز تراویح کا اس ہی لیے آپ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان دیگر مہینوں میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ تراویح رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں کب پڑھی جاتی ہے۔ اگر آپ اس پر غور کر لیتے تو ایسی جرات نہ کرتے اس ہی لیے ترمذی شریف نے اس حدیث کو باب صلوٰۃ الیل یعنی تہجد کے باب میں ذکر فرمایا۔ نیز اس ہی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ وتر سے پہلی کیوں سے جاتے ہیں تو فرمایا کہ اے عائشہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا جس سے معلوم ہوا کہ یہ نماز سرکار صلی اللہ علیہ وسلم آخر رات میں سو کر اٹھ کر ادا فرماتے تھے تراویح سونے کے بعد نہیں پڑھی جاتیں تہجد پڑھی جاتی ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر اس نماز سے مراد تراویح ہے اور آٹھ تراویح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح کا حکم کیوں دیا اور تمام صحابہ نے یہ حکم کیوں قبول کیا اور خواہ ام المؤمنین نے یہ سب کچھ دیکھ کر کیوں نہ اعلان فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے دیکھا ہے۔ تم بیس رکعت پڑھتے ہو۔ یہ خلاف سنت اور بدعت سیئہ ہے آپ کیوں خاموش رہیں ذرا ہوش کرو حدیث کو صحیح سمجھنے کی کوشش کرو۔

وہابیوں سے سوالات

تمام دنیا کے وہابیوں سے حسب ذیل سوالات ہیں سارے مل کر ان کے جوابات دیں

۱۔ کہ حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم نے بیس رکعت کا حکم کیوں دیا کیا اس سنت کی انہیں خبر نہ تھی، آج قریباً چودہ سو برس بعد تم کو پتہ لگا۔
۲۔ اگر نعوذ باللہ خلفاء راشدین نے بدعت سیئہ کا حکم دے دیا تھا تو تمام صحابہ نے بے چون و چرا قبول کیوں کر لیا گیا ان میں کوئی بھی حق گو اور متبع سنت نہ تھا آج اتنے عرصے کے بعد تم حق گو بھی پیدا ہوئے اور متبع سنت بھی۔

۳۔ اگر تمام صحابہ بھی خاموش رہے تو امیر المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ایک سنت رسول ﷺ کے خلاف بدعت سیئہ کا رواج دیکھا تو وہ کیوں خاموش رہیں۔ ان پر تبلیغ حق فرض تھی یا نہیں جیسے آج تم آٹھ رکعت تراویح کے لیے ایڑی چوٹی کا زبانی قلبی بدنی و مالی زور لگا رہے ہو

انہوں نے یہ کیوں نہ کیا پھر تو ام المؤمنین سے تم افضل ہوئے۔

۴۔ وہ تمام خلفاء راشدین اور سارے صحابہ بلکہ خود حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم بیس رکعت تراویح پڑھ کر پڑھوا کر یا جاری ہوتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہ کر ہدایت پر تھے یا نعوذ باللہ گمراہ۔ اگر آج خفی بیس رکعت تراویح پڑھنے کی بناء پر گمراہ اور بدعتی ہیں تو ان حضرات پر تمہارا کیا فتویٰ ہے۔ جواب دو، جواب دو، جواب دو۔

۵۔ اگر بیس رکعت تراویح بدعت سیدہ ہے اور آٹھ رکعت تراویح سنت اور تم بہادروں نے چودہ سو برس بعد یہ سنت جاری کی تو بتاؤ حرمین طہیین کے تمام مسلمان بدعتی اور گمراہ ہیں یا نہیں اگر نہیں تو کیوں اور اگر ہیں تو تم آج نجدی وہابیوں کو اس کی تبلیغ کیوں نہیں کرتے تمہارے فتوے صرف ہندو پاکستان میں فساد پھیلانے ہی کے لیے ہیں۔

۶۔ حضرت آئمہ مجتہدین اور اُن کے سارے تبعین جن میں لاکھوں اولیاء علماء محدث فقہاء مفسرین داخل ہیں جو سب بیس تراویح پڑھتے تھے وہ سب بدعتی اور گمراہ تھے یا نہیں۔

۷۔ اگر سارے یہ حضرات گمراہ تھے اور ہدایت پر تمہاری مٹھی بھر جماعت ہے تو اُن گمراہوں کی کتابوں سے حدیث لینا حدیث پڑھنا جائز ہے یا حرام اور ان کی روایت حدیث صحیح ہے یا نہیں جب بدعمل کی روایت صحیح نہیں تو بدعقیدہ کی روایت صحیح کیوں ہو سکتی ہے۔

۸۔ تمام دنیا کے مسلمان جو بیس تراویح پڑھتے ہیں تمہارے نزدیک گمراہ اور بدعتی ہیں یا نہیں اگر ہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔

اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ ”مسلمانوں کے بڑے گروہ کی اتباع کرو۔“

اور قرآن کریم نے عامۃ المسلمین کو خیر امت اور شہداء علی الناس کیوں فرمایا۔

امید ہے کہ حضرات وہابیہ نجد تک کے علماء سے مل کر ان سوالات کے جواب دیں ہم منتظر ہیں۔

ہمارا مطالبہ ہم ساری دنیا کے وہابیوں نجدیوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ایک صحیح مرفوع حدیث مسلم بخاری یا کم از کم صحاح ستہ کی ایسی پیش کریں۔ جس میں صراحۃً مذکور ہو کر حضور ﷺ آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے یا اس کا حکم فرماتے تھے۔ مگر تراویح کا لفظ ہو یا صحابہ کرام نے آٹھ تراویح دائمی طور پر قائم فرمائیں۔

اور ہم کہہ دیتے ہیں کہ قیامت تک نہ دکھا سکو گے صرف ضد پر ہو رب تعالیٰ توفیق بخشے آمین۔ بیس رکعت تراویح کا ثبوت الحمد للہ حضور ﷺ کے فعل شریف صحابہ کرام کے فرمان و عمل عامۃ المسلمین کے طریقہ شرعی اور عقل سے ہوا۔ والحمد للہ رب العالمین

لطیفہ غیر مقلد وہابی جب کبھی خفیوں میں پھنس جاتے ہیں۔ تو تراویح بیس رکعت پڑھ لیتے ہیں جس کا بار بار مشاہدہ ہوا اور ہو رہا ہے معلوم ہوا کہ انہیں خود بھی اپنے مذہب پر اعتماد نہیں۔

گیارہواں باب

ختم قرآن پر روشنی کرنا

عامۃ المسلمین کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ ثواب اور روشنی قبر حاصل کرنے کے لئے یوں تو ہمیشہ ہی مگر رمضان شریف یا شب قدر اور ختم قرآن کے دن خصوصیت سے مسجدوں میں چراغاں یعنی دھوم دھام سے روشنی کرتے ہیں۔ مسجدوں کو خوب آراستہ کرتے ہیں وہابیوں کی مسجدیں بے رونق بے نور رہتی ہیں انہیں مسجدوں میں چراغاں کرنے وہاں زینت دینے کی توفیق نہیں ملتی وہابی مسلمانوں کے اس کارِ ثواب کو بدعت حرام بلکہ شرک تک کہتے ہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں ان مسائل کا ثبوت دوسری فصل میں ان مسائل پر اعتراضات مع جوابات۔ ناظرین سے توقع انصاف اور اپنے رب سے امید قبول ہے۔

پہلی فصل

روشنی کا ثبوت

مسجدوں میں ہمیشہ روشنی کرنا۔ خصوصاً ماہ رمضان خصوصاً شب بقدر یا ختم قرآن شریف کے دن وہاں چراغاں کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے جس کا بہت ثواب ہے دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) اللہ رب العزت قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔

”إِنَّمَا يَعْزَمُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مِنْ آمْنٍ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ“

”اللہ کی مسجدوں کو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔“

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مسجدوں میں جماعت نماز قائم کرنا، وہاں صفائی رکھنا، عمدہ چٹائیاں، فرش وغیرہ بچھانا وہاں روشنی چراغاں کرنا وغیرہ سب مسجد کی آبادی میں داخل ہیں۔ تفسیر روح البیاء نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام مسجد بیت المقدس میں کبریت احمر کی روشنی فرماتے تھے جس کی روشنی میں میلوں تک عورتیں چرخہ کات لیتی تھیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسجدوں میں رونق و چراغاں کرنا ایمان کی علامت ہے تو ظاہر ہے کہ مسجدوں کو بے نور بے آباد رکھنا کفار کی نشانی۔

(۲) ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

”قَالَ أَوَّلُ مَنْ أَسْرَجَ فِي الْمَسَاجِدِ تَمِيمُ الدَّارِيُّ“

”وہ فرماتے ہیں کہ جس نے پہلے مسجدوں میں چراغ جلانے وہ تمیم داری صحابی ہیں۔ (رضی اللہ عنہ)

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں روشنی کرنا سنت صحابی ہے خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چراغ کا عام رواج نہ تھا بوقت جماعت کھجور کی لکڑیاں جلا کر روشنی کر لی جاتی تھی حضرت تمیم داری نے وہاں چراغاں کیا۔

(۳) ابوداؤد شریف نے حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

”قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْتِنَا فِي بَيْتِ الْمُقَدَّسِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيْتُوهُ فَصَلُّوْ فِيهِ وَكَانَتْ الْبِلَادُ فِي ذَلِكَ جَرَبًا فَإِنْ لَمْ تَأْتُوهُ وَفَصَلُّوْ فِيهِ فَابْعَثُوا بِزَيْتٍ يُسْرَجُ فِي قَنَادِيلِهِ“

”انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمیں مسجد بیت المقدس شریف کے متعلق حکم دیں تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس مسجد میں جاؤ اور وہاں نماز پڑھو اس زمانہ میں شہروں میں جنگ تھی تو فرمایا کہ اگر تم وہاں نہ پہنچ سکو اور نماز نہ پڑھ سکو تو وہاں تیل بھجیج دو کہ وہاں کی قندیلوں میں جلایا جاوے۔“

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے سفر کر کے جانا سنت ہے، ہمارے حضور ﷺ نے معراج میں تمام نبیوں کو نماز پڑھائی۔ خود حضور انور ﷺ اور سارے پیغمبر سفر کر کے وہاں نماز پڑھنے پہنچے، دوسرے یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں بہت قندیلیں روشن جاتی تھیں۔ جیسا قنابل جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ تیسرے یہ کہ مسجد روشنی کرنے کا ثواب وہاں نماز پڑھنے کی طرح ہے یعنی اعلیٰ درجہ کی عبادت اور باعث ثواب ہے چوتھے یہ کہ مسجد میں چراغاں کرنے کے لئے دور سے تیل بھیجنا سنت صحابہ ہے۔

(۴) حدیث امام رافعی محدث نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَنَى مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ عَلَّقَ فِيهِ قِنْدِيلًا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يَنْطَفِيَ ذَلِكَ الْقِنْدِيلُ

”کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جو اللہ تعالیٰ کے لیے مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا اور جو مسجد میں قندیل جلائے گا اس پر ستر ہزار فرشتے دعاء رحمت کریں گے جب تک کہ یہ چراغ بجھ نہ جائے۔“
معلوم ہوا کہ مسجد کی روشنی ستر ہزار فرشتوں کی دعا لینے کا ذریعہ ہے۔

(۵) حدیث ابن بخاری نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَلَّقَ فِي مَسْجِدٍ قِنْدِيلًا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يَنْطَفِيَ ذَلِكَ الْقِنْدِيلُ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جو مسجد میں کوئی قندیل لٹکائے تو اس پر ستر ہزار فرشتے دعاء رحمت کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ قندیل گل ہو۔“
معلوم ہوا کہ جیسے مسجد میں چراغ جلا نا ثواب ہے ایسے ہی مسجد میں چراغ یا تیل یا بتی دینا بھی ثواب ہے خواہ ایک چراغ ہو یا بہت۔
(۶) حدیث ابن شاہین محدث نے حضرت ابی اسحاق ہمدانی سے روایت کی۔

قَالَ خَرَجَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فِي أَوَّلِ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ وَالْقِنَادِيلُ تَزْهَرُ وَكِتَابُ اللَّهِ تُتْلَى فَقَالَ نَوَّرَ اللَّهُ لَكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ فِي قَبْرِكَ كَمَا نَوَّرْتَ مَسَاجِدَ اللَّهِ تَعَالَى بِالْقُرْآنِ

”فرماتے ہیں کہ رمضان کی پہلی شب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے مسجد نبوی میں قندیلیں جگمگا رہی تھیں اور قرآن کی تلاوت ہو رہی تھی تو آپ نے فرمایا اے عمر ابن خطاب اللہ تعالیٰ تمہاری قبر روشنی کرے جیسے تم نے اللہ کی مسجدوں کو قرآن کے وقت روشن کر دیا۔“
(۷) حدیث صحیح البہاری شریف نے بعض محدثین سے روایت کی کہ انہیں امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی۔

أَنَّهُ قَالَ نُوِّرَ لِلَّهِ قَبْرَ عُمَرَ كَمَا نُوِّرَ عَلَيْنَا مَسَاجِدَنَا

”آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی قبر روشن کرے جیسے انہوں نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا۔“

ان آخری روایتوں سے معلوم ہوا کہ رمضان شریف میں مسجدوں میں چراغاں کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے مروج ہے۔ حضرات صحابہ کرام نے اس پر اعتراض نہ فرمایا بلکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں دعائیں دیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ روشنی مسجد سے ان شاء اللہ قبر منور ہوگی، لہذا اب جو اس روشنی مسجد کو روکتا ہے وہ درپردہ ستم صحابہ پر اعتراض کرتا ہے اس چراغاں کے روکنے والے اپنی قبریں تاریک کر رہے ہیں۔

(۸) قرآن میں رب تعالیٰ ان بند کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا

”اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں کو اللہ کے ذکر سے روکے اور ان کی بے آبادی میں کوشش کرے۔“

اس آیت میں ان لوگوں پر بھی عتاب ہے جو مسجدوں میں نماز، ذکر الہی، تلاوت قرآن، نعت خوانی سے منع کریں اور ان لوگوں پر بھی عتاب ہے جو مسجدوں میں چٹائیاں ڈالنے فرش بچھانے روشنی کرنے چراغاں وغیرہ سے روکیں کہ آبادی میں یہ سب چیزیں داخل ہیں۔“

عقل کا تقاضا بھی ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسجدوں کو آراستہ کرنا وہاں ہمیشہ یا بعض خصوصی موقع پر چراغاں کرنا اچھا ہے کیونکہ آج ہم اپنے مکانوں میں زیب و زینت کرتے ہیں بیاہ شادی وغیرہ پر خوب دل کھول کر روشنی و چراغاں کرتے ہیں، عمارتیں سجاتے ہیں جب ہمارے گھر آرائشی روشنی چراغاں کے مستحق ہیں تو اللہ کا گھر جو تمنا گھروں سے افضل ہے اسے عام گھروں سے زیادہ آراستہ کیا جاوے تاکہ مسجدوں کی عظمت لوگوں کے دلوں میں قائم ہو، یہ کام احترام مسجد اور تبلیغ دین کا ذریعہ ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد و ہابیوں کے جس قدر اعتراضات اب تک ہم نے سنے ہیں وہ نہایت دیانتداری سے مع جوابات عرض کرتے ہیں، رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱ مسجدوں میں چراغاں کرنا فضول خرچی و اسراف ہے اور اسراف سے قرآن کریم میں منع فرمایا گیا، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ

”کھاؤ اور پوؤ اور پسند نہ کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ فضول خرچوں کو پسند نہیں فرماتا۔“

جواب مسجد کے چراغاں کو فضول خرچی کہنا غلط ہے، فضول خرچی اس خرچ کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی دینی یا دنیاوی نفع نہ ہو مسجد کے چراغاں میں مسجد کی زینت ہے جو عبادت اور باعث ثواب ہے۔

اعتراض نمبر ۲ جب ایک چراغ سے روشنی حاصل ہو سکتی ہے تو باقی چراغان بے کار ہیں اور بے کار خرچ فضول خرچی میں داخل ہے۔

جواب جب ایک قمیص و پانجامہ سے ستر حاصل ہو جاتا ہے تو چاہیے کہ اچکن و اسکت پہننا فضول خرچی اور حرام ہے۔ جب چھ آنہ گز کے گاڑھے سے ستر چھپ جاتا ہے تو چاہیے کہ دور پے گز کی ملل۔ لٹھا۔ چکن۔ وائل پہننا حرام ہو۔ جب گھر میں دو آنہ کے چراغ سے روشنی حاصل ہو سکتی ہے تو وہاں صد ہا روپیہ خرچ کر کے بجلی فٹنگ کرانا اور گیس کی روشنی کرنا اسراف و حرام ہونا چاہیے جب تھرڈ کلاس سے بھی راستہ طے ہو جاتا ہے تو انٹر بلکہ سیکنڈ۔ فٹ میں روپیہ خرچ کرنا حرام ہونا چاہیے۔ جناب ایک دیئے سے تو روشنی حاصل ہوتی ہے اور زیادہ چراغوں سے مسجد کی زینت و رونق مسجد کی روشنی بھی عبادت ہے اور وہاں کی زینت بھی عبادت۔

اعتراض نمبر ۳ اگر مسجد میں چراغاں کرنا اچھی چیز ہے تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ شریف میں مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیوں نہ کیا، کیا تم حضور ﷺ سے افضل ہو یا دین کے زیاندہ ہمدرد جو کام حضور نہ کریں تمہیں کرنے کا کیا حق ہے۔

جواب اگر واسکت۔ اچکن اعلیٰ درجہ کی مملکیں پہننا اچھا کام ہے تو حضور انور ﷺ نے کیوں نہ استعمال فرمائیں جو کام حضور ﷺ نے نہ کیا وہ اے وہابیو تم کیوں کرتے ہو تم اپنے گھروں میں بجلی کی فٹنگ کیوں کرتے ہو تم اپنے گھر میں بجلی گیس کیوں جلاتے ہو جناب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں لوگوں کے گھر بھی سارے معمولی تھے۔ جہادوں کا زمانہ تھا اس طرف توجہ فرمانے کا موقع ہی نہ تھا جب صحابہ کرام کے زمانہ میں لوگوں نے اپنے گھر اچھے بنائے، تو فقہاء صحابہ نے سوچا کہ دین تو دنیا سے اعلیٰ ہے اور اللہ کا گھر یعنی مسجد نبوی شریف ہمارے گھروں سے افضل ہے جب ہمارے گھر شاندار ہیں تو اللہ کا گھر بہت شاندار ہونا چاہئے یہ سوچ کر حضرت عثمان نے مسجد نبوی شریف بہت عالی شان بنائی اور وہاں بہت زیب و زینت کی، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ ”تم میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت مضبوطی سے پکڑو۔“

جیسے حضور کی سنت قابل عمل ہے ایسے ہی حضور ﷺ کے صحابہ کرام کی سنت لائق عمل حضور کے صحابہ نے مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیا بلکہ خود حضور انور ﷺ نے بیت المقدس کی مسجد میں چراغاں کرنے کے لیے تیل بھیجے کا حکم دیا۔

اعتراض نمبر ۴ ابوداؤد شریف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أُمِرْتُ بِتَشْبِيدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتَزَخَّرَ فَنَهَا كَمَا زَخَّرَتْ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ مجھے مسجدیں سجانے کا حکم نہیں دیا گیا، حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تم یہود و نصاریٰ کی طرح آراستہ کرو گے۔“

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجدیں سجانے کا حکم نہیں۔ یہ بھی پتہ لگا کہ عبادت خانے سجانا یہود و نصاریٰ کی سنت ہے نہ کہ مسلمانوں کا طریقہ اور ظاہر ہے کہ مسجد میں چراغاں کرنا بھی سجاوٹ ہی ہے لہذا یہ بھی منع ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ اگر اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسجدوں کی زینت اور وہاں چراغاں کرنا منع ہے تو انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو عثمان رضی اللہ عنہم کو مسجدوں کی زینت دیتے وہاں چراغاں کرتے دیکھا اور منع نہ فرمایا۔ کیا خود ہی اپنی روایت کی مخالفت کی نیز کیا تمام صحابہ کرام اس حدیث کا وہ مطلب نہ سمجھے جو تم سمجھے نیز اس صورت میں یہ حدیث قرآن کے مخالف ہوگی کہ رب تعالیٰ نے مسجد کی زینت و

آبادی کو ایمان کی علامت قرار داکہ فرمایا۔ **إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ** الخ پتہ لگا کہ تم نے حدیث کا مطلب غلط سمجھا۔

دوسرے یہ کہ جہاں ہر زینت کی ممانعت نہیں بلکہ ناجائز ٹیپ ٹاپ پر عتاب ہے جیسے فوٹو تصویروں سے سجانا اس ہی لیے یہود نصاریٰ سے تشبیہ دی گئی، ان کے عبادت خانے تصاویر و فوٹو سے سجائے جاتے ہیں یا وہ زینت مراد ہے جو اللہ کے لیے نہ ہو دکھلاوے اور نام و نمود ریاکاری کے لیے جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے مگر جو زینت و چراغاں صرف مسجد کے احترام اور رب تعالیٰ کی رضا کے لیے وہ بہتر ہے رب تعالیٰ اپنے اور اپنے محبوب کے کلام کی صحیح فہم نصیب فرمائے۔

اعتراض نمبر ۵ ابو داؤد۔ نسائی۔ واری اور ابن ماجہ نے حضرت انس سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ
 ”وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہا یقیناً علامات قیامت سے یہ ہے کہ لوگ مسجدوں میں فخر کریں گے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجدوں کی زینت علامت قیامت ہے۔ اس سے اللہ بچائے۔

جواب اس حدیث کے وہ ہی معنی ہیں۔ جو ہم اعتراض نمبر ۴ کے جواب میں عرض کر چکے یعنی فخر یہ مسجدیں بنانا اور شنی کے طور پر مسجدیں سجانا علامت قیامت ہے کہ ایک محلے والے دوسرے محلہ والوں کے مقابلہ میں مسجد کو زینت دے کر انہیں طعنہ دیں کہ ہماری مسجد تمہاری مسجد سے زیادہ آراستہ ہے جناب فخر دریا کے لیے پڑھنا ممنوع ہے تو اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ اخلاص کی نماز بھی منع ہو جاوے۔

یہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ قریب قیامت لوگ مسجدوں میں جا کر بجائے ذکر اللہ کرنے کے دنیاوی باتیں ایک دوسرے کے مقابل شنی مارا کریں گے، یہ سخت گناہ ہے اور اگر حدیث کے وہ ہی معنی ہوں جو تم سمجھے یعنی مسجدوں کی زینت علامات قیامت ہے تو بھی اس سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی قیامت کی ہر علامت بُری نہیں۔ عیسے علیہ السلام کا نزول، امام مہدی کا ظہور بھی علامت قیامت ہے، مگر بُرا نہیں بلکہ بہت بابرکت ہے۔

اعتراض نمبر ۶ مسجدوں میں چراغاں کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔

جواب یہ غلط ہے یہ تو سنت صحابہ ہے جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور اگر یہ بدعت بھی تو تو ہر بدعت نہ حرام ہے نہ گمراہی۔ بخاری شریف چھاپنا بدعت ہے مگر حرام نہیں بلکہ ثواب ہے حدیث کا فن اسکی قسمیں بدعت ہیں مگر حرام نہیں بدعت کی نفیس تحقیقی اسی جاء الحق کے پہلے حصے میں دیکھو جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ آج کلمہ و نماز بلکہ ساری عبادتوں میں بہت بدعتیں شامل ہیں ان بدعتوں پر ثواب ہے۔

بارہواں باب

شبینہ پڑھنا ثواب ہے

ہمیشہ سے صالح مسلمانوں کا دستور ہے کہ ماہ رمضان المبارک میں شبینہ کرتے ہیں کبھی ایک رات میں، کبھی دو میں، کبھی تین راتوں میں پورا قرآن شریف تراویح میں ختم کرتے ہیں، بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ ماہ رمضان کے علاوہ بھی روزانہ ایک قرآن شریف پڑھ لیتے تھے یہ سب کچھ جائز اور ثواب ہے۔ بشرطیکہ اتنی جلدی نہ پڑھے کہ حروف قرآن درست ادا نہ ہوں، نہ سستی اور کسل سے پڑھے مگر غیر مقلد و ہابی اسے بھی حرام کہتے ہیں رات بھی سنیما دیکھنے والوں کو بُرائی نہیں کہتے مگر تمام رات قرآن پڑھنے والوں پر لعن طعن کرتے ہیں اُن پر شرک و بدعت کے فتوے لگاتے ہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں پہلی فصل میں شبینہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلی فصل

شبینہ کا ثبوت

ایک شب میں قرآن ختم کرنا باعث ثواب ہے اس کا ثبوت قرآن وحدیث عقل بلکہ خود وہابیوں کی کتابوں سے ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔
(۱) قرآن کریم اپنے محبوب ﷺ سے فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الْمَزْمَلُ قُمْ الْيَلِ إِلَّا قَلِيلًا نِصْفَهُ، أَوْ انْقُصْ مِنْهُ أَوْزُدْ عَلَيْهِ وَرَتَّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا

”اے چادر اوڑھنے والے محبوب رات بھر قیام فرماؤ سوا کچھ رات کے آدھی رات یا اُس سے کچھ کم کرو یا اس پر کچھ بڑھاؤ اور قرآن ٹھیر ٹھیر کر پڑھو۔“
اس آیت کریمہ میں حضور ﷺ کو قریباً تمام رات نماز پڑھنے کا حکم دیا اور شروع اسلام میں رات بھر عبادت کرنا فرض تھا کچھ تھوڑا حصہ آرام کے لئے رکھا گیا تھا، پھر ایک سال کے بعد یہ فرضیت منسوخ ہو گئی مگر استحباب اب بھی باقی ہے اب جو شخص شبینہ میں تمام رات جاگے بہت کم سوئے وہ اس آیت پر عامل ہے مگر چاہئے یہ کہ شبینہ وہ پڑھے جو قرآن صحیح پڑھ سکے، جیسا کہ ترتیل کے حکم سے معلوم ہو رہا ہے۔

(۲) حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی جس میں نماز خوف کا ذکر ہے۔ اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا نَحْوًا مِنْ قِرْرَةِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ

”حضور ﷺ نے گریہ کی نماز میں بہت دراز قیام فرمایا قریباً سورہ بقرہ کی بقدر۔“

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے گریہ کی نماز میں سورہ بقرہ یعنی ڈھائی پارہ کی برابر قرأت کی شبہ میں فی رکعت ڈیڑھ پارہ آتا ہے جب ایک رکعت میں ڈھائی پارہ پڑھنا ثابت ہے تو ڈیڑھ پارہ پڑھنا بد بجا دلے جائز ہے۔

(۳) حدیث ابوداؤد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کی نماز تہجد کے متعلق ایک بہت دراز حدیث نقل فرمائی، جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَرَأَ فِيهِنَّ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ وَالْأَنْعَامَ

”حضور ﷺ نے نماز تہجد میں چار رکعت پڑھیں، جن میں سورہ بقرہ اور آل عمران اور سورہ نساء اور مائدہ و سورہ انعام پڑھیں۔“

دیکھو نبی ﷺ نے تہجد کی چار رکعتوں میں قریباً آٹھ چارے پڑھنے یعنی فی رکعت قریباً دو پارے شبینہ میں ہر رکعت میں اتنی قرأت نہیں ہوتی، ڈیڑھ پارہ فی رکعت ہوتا ہے تو یہ کیوں حرام ہوگا۔

(۴) حدیث مسلم و بخاری نے حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيلَ لَهُ؛ لِمَا تَصْنَعُ هَذَا وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا

تَقْدَمُ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأْخُرُ قَالَ أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا

”حضور ﷺ نے نماز سب میں اتنا قیام فرمایا کہ قدم مبارک پر درم آگیا تو عرض کیا گیا کہ آپ ایسی مشقت کیوں کرتے ہیں آپ کی بدولت آپ کی امت کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے تو فرمایا کہ کیا میں بندہ شکر گزار نہ ہوں۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادت میں مشقت اٹھانا سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے اگر کسی شبینہ میں کسی مومن کے پاؤں پر ورم آ جاوے تو اس خوش نصیب کو یہ سقت نصیب ہوگئی، وہابیوں کو خود تو عبادت کی توفیق نہیں ملتی دوسروں کو بھی عبادت سے روکتے ہیں۔

(۵) حدیث طحاوی شریف نے حضرت ابن سیرین سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ تَمِيمُ الدَّارِي يُحْيِي الْاَيْلَ كُلَّهُ بِالْقُرْآنِ كُلَّهُ فِي رَكْعَةٍ

”فرماتے ہیں کہ حضرت تمیم داری تمام رات جاگتے تھے اور ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھتے تھے۔“

شبینہ میں تو بیش رکعت تراویح میں قرآن شریف پڑھا جاتا ہے۔ حضرت تمیم داری صحابی رسول تو ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔

(۶) حدیث طحاوی شریف نے حضرت اسحاق ابن سعید سے روایت کی۔

عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي رَكْعَةٍ

”وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر نے ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا۔“

(۷) حدیث ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت عثمان ابن عبدالرحمن جمحی سے روایت کی۔

قَالَ لِي أَبِي أَغْلَبَنَّ الْاَيْلَةَ عَلَى الْمَقَامِ فَلَمَّا صَلَّيْتُ الْعَتَمَةَ تَخَلَّصْتُ إِلَى الْمَقَامِ حَتَّى قُمْتُ فِيهِ فَبَيْنَا أَنَا

قَائِمٌ إِذَا رَجُلٌ وَضَعَ يَدَهُ بَيْنَ كَفْئِي فَإِذَا هُوَ عُثْمَانُ ابْنُ عَفَّانَ فَبَدَأَ بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَقَرَأَ حَتَّى خَتَمَ

الْقُرْآنَ فَرَكَعَ وَسَجَدَ ثُمَّ أَخَذَ نَعْلَيْهِ فَلَا أَذْرِي أَصَلَّى قَبْلَ ذَلِكَ شَيْئًا أَمْ لَا

”مجھ سے میرے والد نے فرمایا کہ آج تمام رات مقام ابراہیم پر جاگوں گا جب میں نماز عشاء پڑھ چکا تو مقام ابراہیم پر پہنچا میں کھڑا ہی ہوا تھا کہ

اچانک ایک صاحب نے میری پشت پر ہاتھ رکھا۔ وہ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ تھے آپ نے سورہ فاتحہ سے قرآن شروع کیا باس پڑھتے

رہے یہاں تک کہ قرآن ختم کر لیا پھر رکوع کیا اور سجدہ کیا پھر اپنے نعلین شریف اٹھائے یہ مجھے خبر نہیں کہ اس سے پہلے نماز پڑھی یا نہیں۔“

(۸) حدیث ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابراہیم جمحی سے روایت کی۔

كَانَ أَسْوَدُ يَخْتِمُ الْقُرْآنَ فِي رَمَضَانَ فِي كُلِّ لَيْلَتَيْنِ وَكَانَ يَنَامُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

”کہ حضرت اسود رضی اللہ عنہ ماہ رمضان میں ہر دو رات میں ایک قرآن ختم فرماتے تھے اور مغرب و عشاء کے درمیان سوتے تھے۔“

(۹) حدیث طحاوی شریف نے حضرت حماد سے روایت کی۔

عَنْ سَعِيدِ ابْنِ جُبَيْرٍ أَنَّهُ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي رَكْعَةٍ فِيَقِ الْبَيْتِ

”حضرت سعید ابن جبیر صحابی نے بیت اللہ شریف میں ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا۔“

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اکثر رات جاگنا نماز پڑھنا، روزانہ قیام فرمانا حتیٰ کہ پاؤں پر ورم آ جاوے، ایک رکعت میں ڈھائی پارے پڑھنا سنت

رسول ﷺ ہے اور ایک رات دو رات بلکہ ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھنا سنت صحابہ ہے، جو شبینہ کو حرام یا شرک یا فسق کہے وہ نرا جا مل ہے۔

(۱۰) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب تلاوت القرآن میں صفحہ ۶۱۵ پر صحابہ کرام کا دستور اس طرح بیان فرمایا۔

فَخَتَمَهُ جَمَاعَةٌ فِي يَوْمٍ وَ لَيْلَةٍ مَرَّةً وَ آخِرُونَ مَرَّتَيْنِ وَ آخِرُونَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَ خَتَمَهُ فِي رَكْعَةٍ مِّنْ لَا

يُحْصَوْنَ كَثْرَةً

”ایک جماعت نے دن رات میں ایک ختم کیا ایک نے دو بار بعضوں نے تین بار اور ایک رکعت میں قرآن پڑھنے والے تو بے شمار ہیں۔“

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ شبینہ عبادت ہے نہ کہ حرام کیونکہ عبادت کا ثواب بقدر مشقت ملتا ہے گرمیوں کے روزے، تلوار کا جہاد، مشقت کے حج پر

ثواب ملے گا، عذاب نہ ہوگا، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مسلمان رب کی رضا کے لیے تمام رات نماز بھی پڑھے۔ قرآن شریف کی تلاوت بھی کرے اور

بجائے ثواب کے عذاب پائے، قرآن کے ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ہیں تو تعجب ہے کہ سارے قرآن پڑھنے پر بجائے نیکیوں کے الٹا عذاب ہو

حضرت داؤد علیہ السلام بطور معجزہ تھوڑی دیر میں ساری زبور شریف پڑھ لیتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو اگر ایک سب میں قرآن پڑھنے پر

عذاب ہوتا ہو تو پھر نعوذ باللہ ساری زبور شریف پڑھ لیتے تھے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو اگر ایک سب میں قرآن پڑھنے پر عذاب ہوتا ہو تو پھر

نعوذ باللہ حضرت داؤد علیہ السلام بقول وہابیہ پوری زبور پڑھنا پر گنہگار ہوتے ہوں گے۔ رب تعالیٰ سمجھ دے۔

لطیفہ وہابیوں نے اپنی کتاب ارواحِ ثلاثہ میں اپنے بانی مذہب مولوی اسماعیل صاحب کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھا کہ مولوی اسماعیل صاحب عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے لوگوں نے خود ان سے اتنی دیر میں سارا قرآن سنا۔ اب میں وہابیوں سے پوچھتا ہوں کہ تم مارے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس لیے لعن طعن کرتے اور ان کی جناب میں گالیاں بکتے ہو کہ وہ جناب ماہ رمضان میں روزانہ دن کو ایک قرآن شریف اور شب کو ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ بولو تمہارے اسماعیل تو عصر سے مغرب تک ایک قرآن ختم کر لیتے تھے وہ بھی اسی لعن طعن کے مستحق ہیں یا نہیں، وہ بھی فاسق و فاجر ہوئے یا نہیں یا تمہارا امام جو کرے وہ مباح ہے، جواب دو۔

دوسری فصل

شبینہ پر اعتراضات و جوابات

شبینہ کے متعلق ہم وہ اعتراضات بھی نقل کرتے ہیں جو غیر مقلد وہابی کرتے ہیں، اور وہ اعتراضات بھی بیان کرتے ہیں جو آج تک ان کو نہ سمجھے نہیں، ہم ان کی وکالت میں عرض کرتے ہیں مع جوابات کے رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

اعتراض نمبر ۱ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً ”قرآن شریف کی تلاوت ٹھیر ٹھیر کر کرو۔“

اور ظاہر ہے کہ جب ہر رکعت میں ڈیڑھ پارہ پڑھ کر سارا قرآن ایک رات میں ختم کیا جاوے گا تو حافظ کو بہت تیز پڑھنا پڑے گا۔ جس سے سواء یعملون، تعلمون سمجھ میں نہ آوے گا، لہذا شبینہ پڑھنا حکم قرآن کے خلاف ہے۔

جواب

اس اعتراض کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ تمہارے بانی مذہب مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک پورا قرآن پڑھ لیتے تھے، بتاؤ وہ ٹھیر ٹھیر کر پڑھتے تھے یا یعملون تعلمون وہ حرام کے مرتکب تھے یا نہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام بہت جلد ساری زبور پڑھ لیتے تھے، حضرت عثمان غنی، تمیم داری، عبداللہ ابن زبیر وغیرہم اکابر صحابہ نے ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھا ہے۔ خود حضور ﷺ تہجد کی ایک رکعت میں دو پارے اور نماز خوف میں ایک رکعت میں ڈھائی پارے تلاوت فرماتے تھے جن کے حوالے پہلی فصل میں گزر گئے کیا آپ کا یہ اعتراض ان ہستیوں پر بھی جاری ہوگا۔ اگر نہیں تو کیوں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے بعض کو قوت لسانی ایسی بخشی ہے کہ وہ بہت تیز پڑھ کر بھی صاف اور واضح پڑھ سکتے ہیں، بعض میں یہ قوت نہیں، وہ اگر تیز پڑھیں تو صرف یعملون تعلمون ہی سمجھ میں آوے گا، شبینہ صرف پہلی قسم کے حافظ پڑھیں دوسری قسم کے حافظ ہرگز نہ پڑھیں اس آیت کریمہ کا یہ ہی منشا ہے آیت کریمہ اپنی جگہ حق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان بزرگ صحابہ کرام کا عمل شریف جنہوں نے ایک رکعت میں بہت دراز تلاوت کی اپنی جگہ حق ہے۔

اعتراض نمبر ۲ حدیث ترمذی، ابوداؤد، وارومی نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے روایت کی۔ (مشکوٰۃ باب تلاوة القرآن)

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي أَقَلِّ مِنْ ثَلَاثِ

”بیشک فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو تین دن سے کم میں قرآن پڑھے، وہ قرآن نہ سمجھے گا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین دن سے کم میں پورا قرآن ہرگز نہ پڑھنا چاہیے کیونکہ پھر قرآن سمجھ میں نہ آوے گا۔ لہذا شبینہ بالکل منع ہے۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے تم تو تین شب کا شبینہ بھی حرام کہتے ہو اور اس حدیث میں اس کی اجازت آگئی، دوسرے یہ کہ تمہارے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے، وہ بھی اس زد میں آجاتے ہیں ان کی صفائی پیش کرو جو تمہارا جواب ہے وہ ہی ہمارا۔

تیسرے یہ کہ سرکار عالم ﷺ نے اس حدیث میں عام لوگوں کی بیان فرمائی کہ علی العموم حافظ اگر ایک یا دو دن میں ختم قرآن کریں، تو سمجھ نہ سکیں گے بعض بندے جو اس پر قادر ہیں وہ اس حکم سے علیحدہ رہیں، جیسے حضرت عثمان وغیرہ ہم صحابہ کرام ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے تھے اس ہی لیے اس حدیث کی شرح میں مرقات و لمعات شریف میں ہے کہ بعض بزرگ ایک دن و رات میں تین ختم کرتے تھے، بعض حضرات آٹھ ختم فرما لیتے تھے اور شیخ ابو مدین مغربی ایک دن و رات میں ستر ہزار قرآن پڑھ لیتے تھے انہوں نے ایک دفعہ حجر اسود چوم کر دروازہ کعبہ پر آتے آتے ختم قرآن کر لیا۔ اور لوگوں نے حرف بحرف سنا (مرقات جلد صفحہ ۲۱۶ باب تلاوت القرآن میں ہے)

وَالْحَقُّ أَنَّ ذَٰلِكَ تَخْتَلِفُ بِأَشْخَاصٍ ”حق یہ ہے کہ حکم مختلف لوگوں کے لحاظ سے مختلف ہے۔“

اعتراض نمبر ۳ حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے طویل حدیث نقل فرمائی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَأَقْرَأْنِي كُلَّ سَبْعٍ لَيْالٍ وَلَا تَزِدْ (مکتوۃ صوم تطوع) ”ہر ہفتہ میں ایک قرآن ختم کرو۔ اس پر زیادہ نہ کرو۔“

دیکھو حضرت عبداللہ ابن عمرو نے حضور سے جلد ختم کرنے کی اجازت مانگی حضور ﷺ نے اوّل تو حکم دیا کہ ایک ایک ماہ میں ایک ختم کرو۔ اصرار کرنے پر ارشاد ہوا کہ ایک ہفتہ سے کم میں قرآن ختم نہ کرنا چاہیے لہذا شبینہ منع ہے۔

جواب سرکار ﷺ کا یہ جواب عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ کی حالت کے لحاظ سے ہے، وہ ایک دورات میں ختم کرنے پر صاف نہ پڑھ سکتے ہوں گے یا یہاں دائمی تلاوت کا ذکر ہے کہ اگر روزانہ ہر انسان ایک ختم کیا کرے تو دنیاوی کاروبار معطل ہو جاویں گے اگر سال میں ایک آدھ دن میں قرآن ختم کیا جاوے تو کوئی حرج نہیں جن صحابہ نے ایک ایک رکعت میں ایک ایک قرآن پڑھا ہے انہیں یہ حدیث معلوم تھی پھر بھی ایک رکعت میں ختم کرتے تھے۔

اعتراض نمبر ۴ حضور ﷺ نے کبھی ایک دورات میں پورا قرآن نہ پڑھا لہذا شبینہ بدعت ہے اور بدعت سے بچنا چاہیے۔

جواب حضور ﷺ کا ایک سب میں پورا قرآن پڑھنا دو وجہ سے ایک یہ کہ آپ کی اوّل حیات شریف میں پورا قرآن اُتر اسی نہ تھا، وفات سے کچھ پہلے قرآن کی تکمیل ہوئی، لہذا وہاں ختم قرآن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ آپ ﷺ نے اپنی امت پر رحم فرمایا، تاکہ شبینہ پڑھنا ان پر ضروری سنت نہ ہو جائے، پھر صحابہ نے شبینہ پڑھا، جیسے حضور ﷺ نے تراویح ہمیشہ نہ پڑھی، پھر صحابہ نے باقاعدہ جماعت سے پڑھی۔ (شبینہ سنت صحابہ ہے) جس پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ وہی ثواب ملے گا، جو سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے سے ملتا ہے سنت صحابہ کو بدعت کہہ کر منع کرنا وہابیوں کو ہی بچتا ہے ہم اہل سنت یہ نہیں کہہ سکتے۔

اعتراض نمبر ۵ آج کل شبینہ کا یہ حال ہے کہ حافظ تلاوت کر رہا ہے، مقتدیوں میں کوئی سو رہا ہے، کوئی اونگھ رہا ہے، کوئی سُست بیٹھا ہے، اس میں قرآن کریم کی بے ادبی ہے اس لیے شبینہ بند ہو جانا چاہیے۔

جواب: یہ محض جھوٹا الزام ہے، شبینہ میں بعض لوگ باقاعدہ شبینہ سننے آتے ہیں وہ کھڑے ہو کر خوب شوق سے سنت ہیں، بعض محض شبینہ دیکھنے آتے ہیں وہ لیٹے بیٹھے رہتے ہیں، جس میں کوئی حرج نہیں، قرآن سننا فرض کفایہ ہے، بعض کا سننا کافی ہے اور اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ سارے مسلمان سُستی سے سنتے ہیں تو کوشش کر کے سُست دور کرو، شبینہ بند نہ کرو، آج کل شادی بیاہ میں بہت گناہ کیئے جاتے ہیں، ناچ تماشے، باجے آکھ بازی سب ہی کچھ ہوتی ہے، براہ مہربانی نکاح بند نہ کرو، بلکہ ان چیزوں کو روکنے کی کوشش کرو، حضور ﷺ کے زمانہ میں کعبہ شریف میں بت تھے، تو حضور ﷺ نے کعبہ نہ ڈھایا بلکہ جب رب نے قوت دی، تب بتوں کو نکال دیا، اگر مسجد میں کتا گھس جاوے تو مسجد کو نہ گراؤ، ٹٹے کو نکالو، اگر چارپائی میں کھٹل کپڑوں یا سر کے بالوں میں جوئیں ہو جاویں، تو یہ کیڑے مار دو، چارپائی یا کیڑے یا بالوں کو آگ نہ لگا دو، وہابیوں کا یہ عجیب قاعدہ ہے کہ عبادتوں سے خرابیاں دور کرنے کی بجائے خوب عبادت کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ لوگ اسی قسم کے بہانوں سے سارے امور خیر کو روکتے ہیں، جیسے میلاد شریف، ختم بزرگاں وغیرہ اگر سنی بھائیوں نے ہمارا یہ جواب یاد رکھا تو ان شاء اللہ وہابیوں کے فتنوں سے بچے رہیں گے، ہم نے شبینہ کے مسئلہ پر قدرے تفصیل سے گفتگو اس لیے کر دی کہ آج کل عام طور سے وہابی اس کے پیچھے بڑے ہوئے ہیں، جہاں رمضان شریف میں کسی جگہ شبینہ کا اہتمام ہوا جھٹ دیوبندی اور غیر مقلد وہابیوں نے حرام و شرک کے فتوے جڑے۔

تیرہواں باب

بوقت جماعت سنت فجر پڑھنا

فقہی مسئلہ یہ ہے، کہ اگر کوئی شخص فجر کے وقت مسجد میں جب آئے جبکہ جماعت ہو رہی ہو اور ابھی اس نے سنت فجر نہ پڑھی ہوں تو اسے چاہیے کہ جماعت سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو کر سنت فجر پڑھ لے بشرطیکہ جماعت مل جائیگی قوی اُمید ہو اگر التحیات بھی مل سکے تب بھی سنت فجر پڑھ لے مگر وہابی غیر مقلد اس کے سخت خلاف ہیں اور اسی مسئلہ کی وجہ سے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ ایسے موقعہ پر سنت فجر چھوڑ دے اور جماعت میں شرکت کرے ہم نہایت دیانتداری سے اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد وہابیوں کے سوالات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

(۱) طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن ابی موسیٰ اشعری سے روایت کی۔

عَنْ أَبِيهِ حِينَ دَعَاهُمْ سَعِيدُ ابْنِ الْعَاصِ دَعَا أَبَا مُوسَى وَحَذِيفَةَ وَعَبْدُ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ الْغَدَاةَ ثُمَّ خَرَجُوا مِنْ عِنْدِهِ وَقَدْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَجَلَسَ عَبْدُ اللَّهِ إِلَيَا سَطْوَانَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَصَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ

”وہ اپنے والد حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں، جب انہیں سعید ابن عاص نے بلایا اس نے حضرت ابو موسیٰ حضرت حذیفہ اور عبداللہ ابن مسعود کو بلایا نماز فجر پڑھنے سے پہلے یہ حضرت سعید ابن عاص کے پاس سے واپس ہوئے حالانکہ فجر کی تکبیر ہو چکی تھی۔ حضرت ابن مسعود مسجد کے ایک ستون کے پاس بیٹھ گئے، پھر وہاں دو رکعتیں پڑھیں پھر نماز میں شامل ہوئے۔“

دیکھو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے جو فقہ صحابی ہیں، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ کی موجودگی میں جماعت فجر ہوتے ہوئے سنت فجر پڑھیں، پھر جماعت میں شامل ہوئے اور اس پر نہ تو ان دونوں صحابیوں نے کچھ اعتراض کیا نہ کسی اور نمازی نے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کا عام طریقہ یہ ہی تھا کہ بوقت جماعت فجر سنت فجر پڑھتے پھر جماعت میں شامل ہوتے تھے اور صحابہ کرام بغیر حضور کے حکم کے ایسا نہ کر سکتے تھے غرضیکہ یہ فعل سنت صحابہ ہے۔

(۲) اسی طحاوی نے حضرت ابو مجلہ سے روایت کی۔

قَالَ ذَكَلْتُ الْمَسْجِدَ فِي صَلَاةِ الْغَدَاةِ مَعَ ابْنِ عُمَرَ وَبْنِ عَبَّاسٍ وَالْإِمَامُ يُصَلِّيُ فَأَمَّا ابْنُ عُمَرَ فَدَخَلَ فِي الصَّفِّ وَأَمَّا ابْنُ عَبَّاسٍ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْإِمَامِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْإِمَامُ قَعَدَ ابْنُ عُمَرَ مَكَانَهُ حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ

”وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن عباس کے ساتھ مسجد میں گیا حالانکہ امام نماز پڑھا رہا تھا حضرت ابن عمر تو صف میں داخل ہو گئے، لیکن حضرت ابن عباس نے اولاد و سنتیں پڑھیں پھر امام کے ساتھ نماز میں داخل ہوئے پھر جب امام نے سلام پھیرا تو ابن عمر وہاں ہی بیٹھے رہے جب سورج نکل آیا تو دو رکعتہ نقل پڑھیں۔“

حضرت عبداللہ ابن عباس نے جو بڑے فقہ صحابی اور حضور ﷺ کے اہل بیت اچھا رہیں سے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ و تمام صحابہ کی موجودگی میں جماعت فجر کے وقت دو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شرکت فرمائی اور کسی نے آپ پر اعتراض نہ کیا۔

(۳) اس طحاوی نے حضرت ابو عثمان انصاری سے روایت کی۔

قَالَ جَاءَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عَبَّاسٍ وَالْإِمَامُ فِي صَلَاةِ الْغَدَاةِ وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ فَصَلَّ ابْنُ عَبَّاسٍ الرَّكْعَتَيْنِ خَلْفَ الْإِمَامِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَهُمْ

”کہ حضرت عبداللہ ابن عباس مسجد میں اس حال میں آئے، کہ امام نماز فجر میں تھے اور حضرت ابن عباس نے ابھی سنت فجر نہ پڑھی تھیں، تو آپ نے امام کے پیچھے (دور) دو رکعتیں پڑھیں پھر ان سے کے ساتھ شامل ہوئے۔“

(۴) طحاوی شریف نے حضرت محمد ابن کعب سے روایت کی۔

قَالَ خَرَجَ ابْنُ عُمَرَ مِنْ بَيْتِهِ فَأَقِيمَتْ صَلَاةُ الصُّبْحِ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ وَهُوَ فِي الطَّرِيقِ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى الصُّبْحَ مَعَ النَّاسِ

”فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اپنے گھر سے نکلے ادھر نماز صبح کی تکبیر ہوئی تو آپ مسجد میں آنے سے پہلے ہی دو سنتیں پڑھیں حالانکہ آپ راستہ میں تھے پھر مسجد میں آئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔“

(۵) طحاوی شریف نے حضرت ابی عبید اللہ سے روایت کی۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ أَنَّهُ كَانَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَالنَّاسُ صُفُوفٌ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَيُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي الصَّلَاةِ

”کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لاتے تھے، حالانکہ لوگ نماز فجر میں صف بستہ ہوتے تھے تو آپ مسجد کے ایک گوشہ میں دو رکعتیں پڑھ لیتے تھے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے۔“

(۶) طحاوی شریف نے حضرت ابو عثمان نہدی سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا نَأْتِي عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ قَبْلَ أَنْ نُصَلِّيَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَتُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ فِي آخِرِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ نَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلَاتِهِمْ

”فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر فاروق کے پاس سنت فجر پڑھنے سے پہلے آتے تھے۔ حالانکہ حضرت عمر نماز میں ہوتے تھے تو ہم مسجد کے کنارے پر سنت فجر پڑھ لیتے تھے پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاتے تھے۔“

(۷) طحاوی شریف نے حضرت یونس سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ الْحَسَنُ يَقُولُ يُصَلِّيهِمَا فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلَاتِهِمْ

”کہ امام حسن فرماتے تھے کہ سنت فجر مسجد کے ایک گوشہ میں پڑھ لے پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاوے۔“

(۸) طحاوی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

يَقُولُ أَيْقَظْتُ ابْنَ عُمَرَ لَصَلَاةِ الْفَجْرِ وَقَدْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَقَامَ فَصَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ

”فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد ابن عمر کو نماز فجر کے لیے بیدار کیا حالانکہ فجر کی تکبیر ہو رہی تھی تو آپ نے پہلے سنت فجر پڑھیں۔“

(۹) طحاوی شریف نے حضرت امام شعبی سے روایت کی۔

كَانَ مَسْرُوقٌ يَجِيءُ إِلَى الْقَوْمِ وَهُمْ فِي الصَّلَاةِ وَلَمْ يَكُنْ رَكَعَ رَكْعَتَيْ الْفَجْرِ فَيُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلَاتِهِمْ

”حضرت مسروق قوم کے پاس آتے تھے جب کہ وہ نماز فجر میں مشغول ہوتے اور مسروق نے سنت فجر نہ پڑھی ہوتی تو آپ مسجد میں پہلے دو سنتیں پڑھ لیتے پھر قوم کیساتھ نماز میں شامل ہوتے تھے۔“

(۱۰) طحاوی شریف نے حضرت عبد اللہ ابن ابی موسیٰ اشعری سے روایت کی۔

أَنَّهُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْإِمَامُ فِي الصَّلَاةِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْ الْفَجْرِ

”کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری مسجد میں آئے حالانکہ امام نماز میں تھا، آپ نے پہلے دو سنت فجر پڑھیں۔“

یہ دس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں ورنہ اس کے متعلق بہت روایات ہیں، اگر شوق ہو تو طحاوی شریف کا مطالعہ فرماویں۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسی حالت میں سنت فجر پہلے پڑھے، پھر جماعت میں شریک ہو، کیونکہ تمام ماکدہ سنتوں میں سنت فجر کی زیادہ تاکید ہے، حتیٰ کہ مسلم بخاری ابوداؤد ترمذی اور نسائی شریف نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

(۱۵ تا ۱۱) لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ تَعَاهُداً مِنْهُ عَلَى رَكْعَتَيْ الْفَجْرِ

”حضور ﷺ جتنی تکمہانی و پابندی سنت فجر کی فرماتے تھے اتنی کسی سنت کی نہ فرماتے تھے۔“

اور احمد۔ طحاوی، ابوداؤد شریف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

(۱۸۵۱۶) قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْعُوا رَكْعَتِي الْفَجْرِ وَإِنْ طَرَوْتُكُمْ الْخَيْلُ

”فرمایا نبی ﷺ نے کہ سنت فجر نہ چھوڑو، اگرچہ تمہیں دشمن کا لشکر بھگا رہا ہو۔“

غرضیکہ سنت فجر کی بہت تاکید ہے اور اگر سنت فجر رہ جائے فرض پڑھ لیئے جاویں تو ان کی قضا نہیں ہوتی، سنت ظہر تو فرض ظہر کے بعد بھی پڑھ لیئے جاتے ہیں، ادھر جماعت بھی واجب ہے اگر یہ شخص سنت فجر کی وجہ سے جماعت چھوڑ دے، تو واجب کا تارک ہوا، اور اگر جماعت کی وجہ سے سنت فجر چھوڑ دے، تو اتنی اہم سنت مؤکدہ کا تارک ہوا۔ لہذا ان میں سے کسی کو نہ چھوڑے اگر جماعت مل سکے تو پہلے سنت فجر پڑھ لے، پھر جماعت میں شامل ہو جاوے دس عبادتیں کرنا بہتر ہے، ایک کو چھوڑنا بہت نہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ جہاں جماعت ہو رہی ہو، وہاں ہی سنت فجر پڑھنا منع ہے کہ اس میں جماعت مخالفت اور اس سے منہ پھیرنا ہے، لہذا ایسی جگہ کھڑا ہو، جہاں جماعت میں شامل نہ معلوم ہو، مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں۔

ظہر کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں، مگر بعد فرض پڑھی جاسکتی ہیں اور سنت عصر وعشاء مؤکدہ نہیں غیر مؤکدہ ہیں اس لیے انہیں بوقت جماعت نہیں پڑھ سکتے سنت فجر مؤکدہ بھی ہیں اور بعد فرض پڑھی بھی نہیں جاتیں، اس لیے اگر جماعت مل جانے کی امید ہو، تو پڑھ لے لیکن اگر جماعت نہ مل سکے تو پھر سنت فجر چھوڑ دے، کہ جماعت واجب ہے، واجب سنت سے زیادہ اہم ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک اس مسئلہ پر جس قدر اعتراضات معلوم کر سکے ہیں وہ مع جوابات نہایت دیانتداری سے عرض کیئے دیتے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا بھی جواب عرض کر دیں گے۔

اعتراض نمبر ۱ طحاوی وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قِيَمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ

”آپ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو فرض کے سوا کوئی نماز نہیں۔“

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر سنتیں پڑھنا، اس حدیث کے صریح خلاف ہے، کیونکہ تکبیر ہو چکنے کے بعد صرف فرض نماز ہی پڑھی جانی چاہیے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے، کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر اگر گھر میں یا مسجد کے علاوہ دوسری جگہ سنتیں پڑھ لے، اگر وہ وہ جگہ مسجد کے بالکل متصل ہو جہاں تک امام کی قرأت کی آواز جاری ہو، اور جماعت وہاں سے نظر آرہی ہو تو جو تم جواب دے گے وہ ہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی سنت فجر یا دوسرے فرض جماعت سے پہلے شروع کر دیئے ہوں اور درمیان میں فجر کی جماعت کھڑی ہو جاوے تو تم بھی اس نماز کا توڑنا واجب نہیں کہتے بلکہ جائز ہے کہ یہ نماز پوری کر کے جماعت میں شریک ہو حالانکہ اس حدیث میں کچھ تفصیل نہیں، لہذا یہ حدیث گویا مجمل ہے، جس پر بغیر تفصیل عمل ناممکن ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث مرفوع صحیح نہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا فرمان ہے جیسا کہ اسی جگہ طحاوی شریف نے بہت تحقیقی سے بیان فرمایا اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ فقہاء صحابہ جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھ کر جماعت میں شریک ہوتے تھے لہذا ان کا عمل و قول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول پر ترجیح پاوے گا۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث پر ہر شخص عمل نہیں کر سکتا کیونکہ صاحب تربیت جس پر ترقی نماز فرض ہے اگر اس کی عشاء قضاء ہوگئی ہو اور جماعت فجر قائم ہو جاوے تو وہ اولاً عشاء قضاء کرے، پھر جماعت میں شرکت کرے ورنہ ترتیب کے خلاف ہوگا۔

پانچویں یہ کہ اگر یہ حدیث مرفوع درست ہو، تب اس کے معنی یہ ہی ہوں گے کہ تکبیر فجر کے وقت جماعت کی جگہ یعنی صف سے متصل سنت فجر نہ پڑھے، بلکہ مسجد کے گوشہ میں جماعت سے علیحدہ پڑھے، تاکہ مذکورہ بالا خرابیاں لازم نہ آویں، خفی یہ ہے کہتے ہیں کہ جماعت سے متصل سنت فجر ہرگز نہ پڑھے۔

چھٹے یہ کہ بھتی شریف میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے۔

إِذَا أُقِيِمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ إِلَّا رَكْعَتِي الْفَجْرِ

”جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو سوائے فرض کوئی نماز جائز نہیں، بجز سنت فجر کے۔“

اس صورت میں آپ کا اعتراض جڑ سے کٹ گیا۔ بھتی کی یہ روایت اگر ضعیف بھی ہو تو بھی عمل صحابہ کی وجہ سے قوی ہو جاوے گی، عمل صحابہ پہلی فصل میں عرض کر چکے وہاں ملاحظہ فرماؤ۔

ساتویں یہ کہ آپ کی پیش کردہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ تکبیر نماز کے بعد کوئی نفل جائز نہیں یعنی یہ درست نہیں کہ جماعت ہو رہی ہو اور دوسرا آدمی اس جگہ نفل پڑھے جاوے۔ سنت فجر نفل نہیں بلکہ مکہ سنت ہے ہی تاویل اس لیے ہے تاکہ احادیث میں تعارض نہ رہے۔

اعتراض نمبر ۲ طحاوی شریف نے حضرت مالک ابن انسینہ سے روایت کی۔

قَالَ أُقِيِمَتِ الصَّلَاةُ الْفَجْرِ فَاِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَجُلٍ يُصَلِّي رَكْعَتِي الْفَجْرِ

فَقَامَ عَلَيْهِ وَلَا تَبِ النَّاسُ فَقَالَ اتَّصَلِيْهَا اَرْبَعًا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ

”کہ ایک دن فجر کی تکبیر کہی گئی پس حضور ﷺ ایک شخص پر گزرے جو سنت فجر پڑھ رہا تھا اس پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں نے بھی اسے گھیر لیا فرمایا کہ کیا تو فجر کے فرض چار پڑھتا ہے یہ تین بار فرمایا۔“

اس حدیث میں سنت فجر کا صراحتہ ذکر ہو گیا جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ تکبیر فجر کے وقت سنت فجر سخت منع ہے۔

جواب یہ صاحب مالک ابن انسینہ کے صاحبزادے عبد اللہ تھے اور وہاں ہی سنت فجر پڑھ رہے تھے جہاں جماعت ہو رہی تھی یعنی صف سے متصل، یہ واقعی مکروہ ہے، اسی پر حضور ﷺ نے عتاب فرمایا، چنانچہ اسی طحاوی شریف میں اس حدیث سے کچھ آگے یہ حدیث مفصل طور پر اس طرح مذکور ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِعَدِ اللّٰهِ ابْنِ مَالِكِ ابْنِ بُحَيْنَةَ

وَهُوَ مُنْتَصِبٌ ثُمَّ بَيْنَ يَدَيَّ نِدَاءِ الصُّبْحِ فَقَالَ لَا تَجْعَلُوْا هَذِهِ الصَّلَاةَ كَصَلَاةِ ابْنِهِمَا فَصَلَاً

”محمد ابن عبد الرحمان سے روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام عبد اللہ ابن مالک ابن انسینہ پر گزرے حالانکہ وہ وہاں ہی کھڑے ہوئے تھے تکبیر فجر کے بالکل سامنے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس سنت فجر کو ظہر کی پہلی پچھلی سنتوں کو طرح نہ بناؤ، سنت فجر اور فرض فجر میں فاصلہ کرو۔“

اس حدیث نے آپ کی پیش کردہ حدیث کو بالکل واضح کر دیا، کہ اگر سنت فجر جماعت سے دور پڑھی جاوے تو بلا کر بہتہ جائز ہے، جماعت سے متصل پڑھنا منع ہے، یہ ہی ہم کہتے ہیں لہذا آپ کا اعتراض اصل سے ہے غلط ہے۔

اعتراض نمبر ۳ جماعت فجر کے وقت چونکہ امام کی تلاوت کی آواز اس شخص کے کان میں بھی آوے گی اس لیے اس وقت سنت فجر نہ پڑھنا چاہیے، رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو، لہذا سنت فجر جماعت کے وقت پڑھنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ ہم کو سخت تعجب ہے کہ یہاں تو آپ سنت فجر اس لیے منع فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہنا فرض ہے اور خود آپ ہی امام کے پیچھے مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض کہتے ہیں، کیا قرآن خلف الامام میں آپ کو یہ آیت یاد نہ رہی۔

دوسرے یہ کہ یہ اعتراض خود تم پر بھی پڑتا ہے تم کہتے ہو کہ مسجد کے باہر سنت فجر پڑھ سکتے ہیں اگرچہ وہ جگہ مسجد سے بالکل متصل ہو جہاں قرآن شریف پڑھنے کی آواز پہنچ رہی ہو۔

تیسرے یہ کہ قرآن کا سننا اور تلاوت کے وقت خاموش رہنا فرض کفایہ ہے، فرض عین نہیں، مقتدیوں کا سننا اور خاموش رہنا کافی ہے، اگر فرض عین ہوتا تو بہت مشکل درپیش آتی، ایک شخص کی تلاوت جہاں تک اس کی آواز پہنچتی ہو، وہاں تک طعام کلام اور دنیاوی کاروبار بند ہو جاتے، آج سائنس کا زور

ہے، ریڈیو پر تلاوت قرآن ہوتی ہے، جس کی آواز ساری دنیا میں پہنچتی ہے اگر سننا خاموش رہنا فرض عین ہو تو مصیبت آ جاوے بہر حال یہ اعتراض محض لغو ہے۔

اعتراض نمبر ۱ جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھنے میں جماعت کے مخالفت ہے کہ لوگ قیام میں ہیں یہ رکوع یا سجدہ میں، لوگ سجدہ میں ہیں، یہ التحیات میں اور مخالفت جماعت سخت بُری چیز ہے۔

جواب یہ مخالفت جب ہوگی جبکہ جماعت سے متصل سنت فجر پڑھی جاویں اسے ہم بھی سخت مکروہ کہتے ہیں اگر جماعت سے دور مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں پڑھے تو مخالفت بالکل نہیں، بلکہ بوقت ضرورت یہ مخالفت بھی جائز ہوتی ہے، دیکھو جس مقتدی کا وضو ٹوٹ جاوے، اور وہ وضو کر کے واپس آئے اسی اثناء میں دو ایک رکعت ہو چکیں تو اپنی جگہ پہنچ کر یہ شخص پہلی اپنی فوت شدہ رکعتیں پڑھے گا، پھر جماعت کے ساتھ شامل ہوگا، ان رکعتوں کے ادا کرنے میں ظاہر ہے کہ جماعت کی مخالفت ہوگی مگر ضرورتاً جائز ہے سنت فجر بھی ضروری ہیں اگر جماعت سے دور رہ کر ادا کر لی جاویں تو کوئی حرج نہیں۔

چودھواں باب

نمازیں جمع کرنا منع ہے

ہر مسلمان پر لازم ہے، کہ ہر نماز اس کے وقت میں ادا کرے، مقیم ہو یا مسافر، بیمار ہو یا تندرست، مگر غیر مقلد و ہابی بحالت سفر ظہر و عصر ایسے ہی مغرب و عشاء جمع کر کے پڑھتے ہیں، یعنی عصر کے وقت میں ظہر و عصر ملا کر اور عشاء کے وقت میں مغرب و عشاء ادا کرتے ہیں ان کا یہ عمل قرآن شریف کے بھی خلاف ہے، اور احادیث صحیحہ کے بھی مخالف، ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد و ہابیوں کے اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

نمازیں جمع کرنا منع ہے

ہر نماز اپنے وقت میں پڑھنا فرض ہے اور عمدہ کسی نماز کو اپنے وقت کے بعد پڑھنا بلا عذر سخت گناہ اور منع ہے، دلائل حسب ذیل ہیں۔

نمبر ۱ رب تعالیٰ نماز کے اوقات کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

”إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا“ ”مسلمانوں پر نماز فرض ہے اپنے وقت میں۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جیسے نماز فرض ہے ویسے ہی ہر نماز کا اپنے وقت میں پڑھنا بھی فرض ہے، جیسے نماز کا تارک گنہگار ہے، ایسے ہی بلا عذر نماز کو بے وقت پڑھنے والا بھی مجرم ہے، اس آیت میں مقیم و مسافر کا کوئی فرق نہیں، ہر مومن ہو یہ حکم ہے کوئی ہو۔

نمبر ۲ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

”فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ“ ”خراب ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں میں سستی کرتے ہیں۔“

اس آیت میں نماز سستی سے پڑھنے والوں پر عتاب ہے، بلا عذر وقت گزار کر نماز پڑھنا بھی سست میں داخل ہے بلکہ اول درجہ کی سستی ہے۔

نمبر ۳ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

”أَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ“ ”نماز قائم کرو زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔“

قرآن کریم نے کہیں نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا ہر جگہ نماز قائم کرینا حکم دیا ہے، نماز قائم کرنا یہ ہے کہ ہمیشہ نماز پڑھے، صحیح پڑھے، وقت پر پڑھے، نماز کا وقت گزار کر پڑھنا نماز قائم کرنے کے خلاف ہے۔

نمبر ۴ رب تعالیٰ متقیوں کی تعریف اس طرح فرماتا ہے۔

”هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ“

”قرآن ان متقی لوگوں کے لیے ہادی ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، اور ہمارے دیئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ متقی و پرہیزگار وہ مومن ہے، جو نماز قائم کرے، یعنی ہر نماز اسکے وقت پر پڑھے، اور ہمیشہ پڑھے، خواہ مقیم ہو یا مسافر، سفر میں ظہر یا عصر کا وقت نکال کر نماز پڑھنا ان آیات کریمہ کے صریح خلاف ہے۔

نمبر ۵ حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

”قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ قَالَ الصَّلَاةُ لَوْ قُتِلْتُ ثُمَّ أَيْ“

”قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ أَيْ“ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي بِهِنَّ وَلَوْ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي“

”فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ کونسا عمل سب سے اچھا ہے فرمایا وقت پر نماز پڑھنی میں نے کہا پھر کونسا عمل فرمایا، ماں باپ کی

خدمت میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے یہ باتیں فرمائیں اگر زیادہ پوچھتا تو زیادہ بتاتے۔“

نمبر ۷ تا ۱۰ احمد، ابوداؤد، مالک، نسائی نے حضرت عباد، ابن صامت سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُمُسُ صَلَوَاتِ إِفْتَرَضَهُنَّ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ أَحْسَنَ وَضُوءٍ هُنَّ وَصَلَا هُنَّ لَوْ قَتِهِنَّ وَأَتَمَّ رُكُوعَ هُنَّ وَخُشُوعَهُنَّ كَانَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ ۱۱

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے رب نے پانچ نمازیں فرض کیں جو مسلمان ان کا وضو اچھی طرح کرے اور انہیں ان کے وقت پر ادا کرے اور ان کا رکوع اور حضور قلبی پورا کرے تو اس کے متعلق اللہ کے کرم پر وعدہ ہے کہ اسے بخش دے۔“

نمبر ۱۱ ترمذی شریف نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤْخَرُهَا الصَّلَاةُ إِذَا آتَتْ وَالْجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ وَالْأَيْمُ إِذَا وَجَدْتَ لَا كُفُّوا

”بیشک نبی ﷺ نے فرمایا اے علی تین چیزوں میں دیر مت لگاؤ نماز جب آ جاوے اور جنازہ جب موجود ہو، لڑکی جب تم اس کا کفو پاؤ۔“

نمبر ۱۲ تا ۱۴ احمد، ترمذی، ابوداؤد نے حضرت ام فروہ سے روایت کی۔

قَالَتْ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ قَالَ الصَّلَاةُ لِأَوَّلِ وَقْتِهَا

”فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے فرمایا نماز پڑھنا اس کے اول وقت مستحب میں۔“

نمبر ۱۵ مسلم شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ وَيَرْقُبُ الشَّمْسُ حَتَّى إِذَا أَصْفَرَتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَتَقَرَّ أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہو سورج کا انتظار کرتا رہے یہاں تک کہ جب زرد ہو جائے اور سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان پہنچ جاوے تو چار چوٹیاں مارے جن میں رب کا ذکر تھوڑا کرے۔“

اس قسم کی احادیث بیشمار ہیں، جن میں نماز کو وقت پر ادا کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور دیر سے یا وقت مکروہ میں نماز پڑھنے پر سخت عتاب فرمایا، اسے منافقوں کا عمل قرار دیا گیا، یہاں بطور نمونہ چند احادیث پیش کی گئیں، افسوس ہے ان وہابی غیر مقلدوں پر، جو گھر سے دو میل جا کر، سفر کا بہانہ بنا کر، وقت نکال کر نماز پڑھتے ہیں، نہ کوئی مجبوری ہوتی ہے، نہ کوئی عذر، صرف نفس امرہ کا دھوکہ ہے، کھانا وقت پر کھائیں، دنیاوی تمام کام خوب سنبھال کر کریں، مگر نمازیں بگاڑیں، جو اسلام کا پہلا فریضہ اور اعلیٰ رکن ہمسلمانوں کو چاہیے کہ وہابیوں کی صحبت سے بچیں، اور سفر و حضر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھیں، عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ سفر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھی جاوے، ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں نہ پڑھے، کیوں کہ شریعت نے پانچوں نمازیں اور نماز جمعہ، نماز عیدین، نماز تہجد، نماز اشراق، نماز چاشت سب کے اوقات علیحدہ علیحدہ مقرر فرمائے کہ ان میں سے کسی نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ادا نہیں کیا جاتا، مسافر بحالت سفر نماز فجر، نماز عصر، نماز عشاء کو اپنے وقت میں ہی پڑھتا ہے، ایسے ہی اگر مسافر نماز تہجد، نماز اشراق، نماز چاشت، نماز جمعہ پڑھے، تو ان کے مقرر وقتوں ہی میں پڑھے گا، یہ نہیں کر سکتا کہ نماز تہجد سورج نکلنے کے بعد یا نماز جمعہ عصر کے وقت میں یا نماز فجر آفتاب نکلنے یا نماز عشاء صبح صادق ہو جانے پر پڑھے، تو ظہر اور مغرب نے کیا قصور کیا ہے کہ مسافر صاحب ظہر کو عصر کے وقت میں پڑھیں، اور مغرب عشاء کے وقت میں، حالانکہ سفر میں ان دونوں نمازوں کے وہی وقت ہیں، جو حضر میں ہیں، دوسرے یہ کہ وہابی صاحبان بتائیں کہ جب وہ سفر میں ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں پڑھتے ہیں تو یہ ظہر اور مغرب ادا ہوتی ہے، یا قضاء اگر قضاء ہوتی ہے تو دیدہ و

واستہ نماز قضا کرنا سخت گناہ ہے اور اگر ادا ہوتی ہے تو کیوں حضرت جبریل امین نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں نمازوں کے اوقات عرض کیے تو یہ نہ فرمایا کہ مسافر کے لیے ظہر کا وقت آفتاب ڈوبنے تک اور مغرب کا وقت صبح صادق تک ہوگا۔ بلکہ ہر مسلمان کے لیے وقت ظہر عصر سے پہلے ختم ہونے اور وقت مغرب عشاء سے پہلے ختم ہونے کا حکم دیا تھا، پھر تم نے مسافر کے لیے ان دو نمازوں میں یہ وقت کی گنجائش کہاں سے نکالی، اور مسلمانوں کی نمازیں کیوں خراب کیں، بہر حال پانچوں نمازوں کے اوقات مسافر و مقیم ہر ایک کے لیے یکساں ہیں، ہر مسلمان پر فرض ہے کہ ہر حال میں نماز اس کے وقت میں پڑھے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد وہابی اب تک اس مسئلے کے متعلق جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم وہ تمام نقل کر کے ہر ایک کے جوابات عرض کرتے ہیں، آئندہ اگر کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو ان شاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی عرض کر دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ إِذَا كَانَ عَلَى ظَهْرِ سَيْرٍ وَ يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

”فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب سفر میں ہوتے تو نماز ظہر و عصر جمع فرما لیتے تھے اور مغرب و عشاء بھی جمع فرماتے تھے۔“

یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی، موطا امام مالک، موطا امام محمد، طحاوی شریف وغیرہ بہت محدثین نے مختلف روایوں سے کچھ فرق سے بیان فرمائی ہے۔ یہ ہی حدیث وہابیوں کی انتہائی دلیل ہے۔ جسے وہ بہت قوی دلیل سمجھتے ہیں۔

جواب اس کے چند جواب ہیں، بغور ملاحظہ فرماؤ۔

ایک یہ کہ ابوداؤد شریف اور طحاوی شریف وغیرہ ہم نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کی کہ حضور ﷺ بغیر سفر بغیر خوف کے مدینہ منورہ میں بھی ظہر و عصر ایسے ہی جمع فرما لیتے تھے۔ چنانچہ ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ جَمَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِينَةِ مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ

”ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ ظہر و عصر مغرب و عشاء مدینہ منورہ میں بغیر بارش اور بغیر خوف کے جمع فرما لیتے تھے۔“

چنانچہ ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ ثَمَانِيًا وَسَبْعًا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ

”حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں سات نمازیں آٹھ نمازیں جمع کر کے ہم کو پڑھائیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء۔“
تو اے وہابیو! تم صرف سفر میں، صرف ظہر و عصر یا مغرب و عشاء پر ہی مہربانی کیوں کرتے ہو؟ تمہیں چاہیے کہ روافض کی طرح سات آٹھ نمازیں ایک دم پڑھ کر آرام کیا کرو، سفر میں بھی، اور گھر میں بھی، کیا بعض احادیث کو مانتے ہو، بعض کے انکاری ہو؟

دوسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ بخاری کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر جمع فرمائی، مگر یہ تفصیل نہیں، کہ کیسے جمع فرمائی، آیا عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھایا، ظہر کو عصر کے وقت میں، ایسے ہی مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی، یا عشاء مغرب کے وقت میں، لہذا یہ حدیث مجمل ہے، اور مجمل حدیث بغیر تفصیل کے قابل عمل نہیں ہوتی۔

تیسرے یہ کہ حضور ﷺ کا سفر میں ان نمازوں کو جمع فرمانا عذر سفر کی وجہ سے تھا، ضرورت پر بہت سی ممنوع چیزیں حلال ہو جاتی ہیں، اور جمع بھی صرف صورتاً تھا، حقیقتاً نہ تھا، یعنی حضور علیہ السلام نے ظہر عصر کے وقت میں نہ پڑھی، بلکہ سفر کرتے کرتے ظہر کے آخر وقت میں قیام فرمایا، ظہر آخرت وقت میں ادا فرمائی، اور عصر اول وقت میں، بظاہر معلوم یہ ہوا کہ حضور علیہ السلام نے دو نمازیں ایک وقت میں ادا فرمائیں، لیکن حقیقتاً ہر نماز اپنے وقت میں کوئی ظہر یا مغرب آپ نے آخر وقت میں پڑھی، عصر یا عشاء اول وقت میں اس صورت میں اس صورت میں یہ حدیث نہ قرآن کے خلاف ہوئی نہ دوسری ان احادیث کے جوہم نے پہلی فصل میں پیش کیں۔ یہ جمع بالکل جائز ہے، یہ ہی ہمارا مذہب ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس کی وہ حدیث جو طحاوی و ابوداؤد نے روایت کی جس میں فرمایا گیا کہ حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں بغیر خوف بغیر بارش سات آٹھ نمازیں جمع فرما لیتے تھے وہاں سات آٹھ نمازیں مراد نہیں، بلکہ سات آٹھ رکعتیں مراد ہیں کہ اگر مغرب و عشاء صورتاً جمع فرمائیں تو فرض کی سات رکعتیں جمع ہو گئیں، تین مغرب کی چار عشاء کی، اور اگر ظہر و عصر جمع فرمائیں۔ تو آٹھ رکعت جمع ہو گئیں، تین مغرب کی چار عشاء کی، اور اگر ظہر و عصر جمع فرمائیں، تو آٹھ رکعت جمع ہو گئیں، چار ظہر کی چار عصر کی، چونکہ یہ جمع صورتاً تھی نہ کہ حقیقتاً لہذا سفر بھی جائز تھی، بیان جواز کے لیے، حدیث سمجھنے کے لیے شرعی عقل اور حدیث والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے رشٹہ غلامی چاہیے جس سے وہابی بے بہرہ ہیں۔

اس معنی کی تائید

نمازیں جمع کرنے کے جو معنی ہم نے بیان کئے اس معنی کی تائید بہت سی احادیث سے ہوتی ہے، جس میں سے بعض احادیث نقل کی جاتی ہیں، سنو اور عبرت پکڑو۔

حدیث نمبر ۱ طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی۔

”أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْمَعُ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ يَوْمَ خُرُؤِهِ فِي آخِرِ وَقْتِهَا وَيُعَجِّلُ هَذِهِ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا

”بیشک نبی ﷺ مغرب وعشاء اس طرح جمع فرماتے تھے کہ مغرب اس کے آخر وقت میں ادا فرماتے تھے اور عشاء اس کے اول وقت میں۔“

حدیث نمبر ۲ بخاری شریف میں حضرت سالم سے ایک طویل حدیث روایت کی۔ جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں۔

وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ إِذَا أَعَجَلَهُ السَّيْرُ يُقِيمُ الْمَغْرِبَ فَيُصَلِّيُهَا ثَلَاثًا ثُمَّ يُسَلِّمُ ثُمَّ قَلَمَا يَلْبِثُ حَتَّى يُقِيمَ الْعِشَاءَ فَيُصَلِّيُهَا رَكْعَتَيْنِ

”عبداللہ ابن عمر بھی حضور ﷺ کا سا عمل کرتے تھے، کہ جب سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب کی تکبیر کہتے اور تین رکعت پڑھتے پھر سلام پھیرتے پھر تھوڑی دیر ٹھرتے پھر عشاء کی تکبیر فرماتے اور دو رکعت عشاء پڑھتے۔“

حدیث نمبر ۳ نسائی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

قَالَ أَقْبَلُهَا مَعَ ابْنِ عُمَرَ مِنْ مَكَّةَ فَلَمَّا كَانَ تِلْكَ اللَّيْلَةُ سَارَيْنَا حَتَّى أَمْسَيْنَا فَظَنْنَا أَنَّهُ نَسِيَ الصَّلَاةَ فَقُلْنَا لَهُ الصَّلَاةُ فَسَكَتَ وَسَارَ حَتَّى كَادَا لَشَفَقُ أَنْ يَغِيبَ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى وَغَابَ الشَّفَقُ فَصَلَّى الْعِشَاءَ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ هَكَذَا كُنَّا نَصْنَعُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَدَّهِ السَّيْرُ

”فرماتے ہیں، کہ ہم مکہ معظمہ سے حضرت ابن عمر کے ساتھ آئے، جب یہ رات ہوئی تو آپ چلتے رہے یہاں تک کہ شام ہوگئی، لم سمجھے کہ حضرت عبداللہ نماز بھول گئے ہم نے ان سے کہا کہ نماز پڑھ لیجئے مگر آپ چلتے ہی رہے یہاں تک کہ شفق ڈوبنے کے قریب ہوگئی تو اترے اور مغرب پڑھی، پھر شفق غائب ہوگئی تو نماز عشاء پڑھی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہم حضور ﷺ کیساتھ بھی ایسا ہی کرتے تھے، جب سفر میں جلدی ہوتی۔“

اس قسم کی بیشمار حدیثیں ہیں، جن میں صراحۃً ارشاد ہوا ہے کہ سفر میں عصر و ظہر یا مغرب وعشاء صرف سورۃ جمع کی جاویں گی، کہ مغرب اپنے آخر وقت میں پڑھی جاوے، عشاء اپنے اول وقت میں، نہ تو ظہر عصر کے وقت میں پڑھی جاوے نہ مغرب عشاء کے وقت میں اگر ان احادیث کی تفصیل دیکھنی ہو؟ تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ، ہم نے صرف تین حدیثوں پر اکتفا کی، لہذا خفیوں کی توجیہ بالکل درست ہے، اس کی تائید قرآن کریم بھی کر رہا ہے، اور دیگر احادیث بھی وہابیوں کی توجیہ محض باطل ہے، قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور احادیث کے بھی۔

ایہ وہابیہ ! اگر تم ان احادیث کی وجہ سے سفر میں جمع حقیقی مانے ہو تو حضرت ابن عباس کی حدیث کی وجہ سے بحالہ اقامت سات بلکہ آٹھ نمازیں ایک دم پڑھ لیا کرو یہ حدیث ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں، جب تم اس حدیث میں جمع صوری مراد لیتے ہو، تو یہاں جمع حقیقی کیوں مراد لیتے ہو؟ کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے، بعض کا انکار۔

اعتراض نمبر ۴ بخاری شریف میں حضرت انس سے روایت کی، جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ أَخَعَ الظُّهْرَ إِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا

”فرماتے ہیں، کہ اگر حضور ﷺ سورج ڈھلنے سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک موخر کرتے پھر دونوں نمازیں جمع فرماتے۔“

اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ظہر عصر کے وقت میں پڑھتے تھے، جیسا کہ **إِلَى الْعَصْرِ** سے ظاہر ہے۔

جواب آپ نے اس حدیث کا ترجمہ غلط کیا، **إِلَى** سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کے وقت سے پہلے نزل فرماتے تھے، غایت مغیا سے خارج ہے، نہ کہ داخل عصر تک موخر فرمانے کے معنی یہ ہیں، کہ عصر کے قریب تک موخر فرماتے تھے۔ جیسا کہ اعتراض نمبر ۱ کے جواب کی حدیث سے معلوم ہوا، لہذا جمع صوری مراد ہے نہ کہ جمع حقیقی۔

اعتراض نمبر ۳ طحاوی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی، جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

حَتَّىٰ إِذَا كَانَ عِنْدَ غَيْبُوبَةِ الشَّفَقِ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا وَقَالَ رَأَيْتُمْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَكَذَا إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ

”حضرت ابن عمر چلتے رہے یہاں تک کہ شفق غائب ہونے کا وقت آگیا تو اترے، پس مغرب و عشاء جمع فرمائیں اور فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے جب سفر میں جلدی ہوتی۔“

اس حدیث میں صراحتہً مذکور ہے، کہ حضرت عبداللہ ابن عمر شفق غائب ہونیکے وقت اترے یقیناً آپ نے مغرب و عشاء کے وقت میں پڑھی۔

جواب یہ بھی آپ کی غلط فہمی پر مبنی ہے، اس کے معنی یہ کب ہیں کہ شفق غائب ہونے کے بعد اترے معنی بالکل ظاہر ہیں کہ جب شفق غائب ہونے لگی یعنی غائب ہونے کے قریب ہوئی تب اترے، نماز مغرب پڑھتے ہیں شفق غائب ہوگئی

اور وقت عشاء آگیا، عشاء پڑھ لی، ہم پہلے اعتراض کے جواب میں ان ہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل شریف بیان کر چکے ہیں جس میں تصریح ہے کہ آپ نے مغرب آخر وقت میں پڑھی اور عشاء اول وقت میں وہ حدیث تمہاری اس حدیث کی تفسیر ہے۔

اعتراض نمبر ۴ اگر ہر نماز اپنے وقت میں ہی پڑھنی چاہیے اور سفر وغیرہ عذر کی حالت میں بھی ایک نماز دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا

گناہ ہے تو حاجی لوگ عرفات میں نویں ذی الحجہ کو ظہر و عصر ملا کر کیوں پڑھتے ہیں، ظہر کے وقت میں عصر اور دسویں ذی الحجہ کی شب کو مزدلفہ میں مغرب و عشاء ملا کر عشاء کے وقت میں کیوں پڑھتے ہیں، حنفی بھی وہاں نمازوں کا جمع کرنا جائز کہتے ہیں، جب حج کے موقع پر نماز ظہر و عصر ایسے ہی مغرب و عشاء حقیقی طور پر ایک ہی وقت میں جمع ہو گئیں، تو اگر سفر میں جمع ہو جاویں تو کیا حرج ہے۔ اے خفیو! تم قرآنی آیت اور یہ احادیث حج میں کیوں بھول جاتے ہو؟ (یہ وہابیوں کا انتہائی اعتراض ہے)

جواب جناب نہ تو عرفہ میں عصر ظہر کے وقت میں ادا ہوتی ہے نہ مزدلفہ میں مغرب و عشاء کے وقت میں بلکہ وہاں حجاج کے لئے عصر کا وقت ظہر کی طرف اور مغرب کا وقت عشاء کی طرف منتقل ہو گیا ہے، یعنی وہاں مغرب کا وقت شفق غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور عصر کا وقت ظہر پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے جیسے وتر کا وقت عشاء کے غرض پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے لہذا وہاں نمازیں اپنے وقت سے نہ ہوئیں، اور تم سفر میں نمازوں کو اپنے وقت سے ہٹ گئے نمازیں اپنے وقت ہی میں ہوئیں، اور تم سفر میں نمازوں کو اپنے وقت سے ہٹاتے ہو وقت ہٹ جانے اور نماز ہٹ جانے میں بڑا فرق ہے۔

اس کی کھلی دلیل یہ ہے کہ اگر امام عرفہ میں ظہر اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھے اور عصر ہمیشہ کے وقت، تو سخت گنہگار ہوگا، گویا اس نے عصر قضا کر دی اور اگر اس دن مغرب کی نماز اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھی، اور عشاء اپنے معمولی وقت میں تو نماز مغرب ہوگی ہی نہیں اور ایسا کرنے والا سخت گنہگار ہوگا گویا اس نے مغرب کی نماز وقت سے پہلے پڑھ لی، معلوم ہوا کہ آج ان نمازوں کے وقت ہی بدل دیئے گئے ہیں۔

لیکن اگر مسافر ظہر و عصر جمع نہ کرے بلکہ ظہر اپنے وقت میں پڑھے اور عصر اپنے وقت میں ایسے ہی مغرب اپنے وقت میں پڑھے اور عشاء اپنے وقت میں تو تم بھی اسے گنہگار نہیں مانتے، بلا کراہت جائز کہتے ہو معلوم ہوا کہ تمہارے نزدیک بھی سفر میں وقت نماز نہیں بدلتا، بلکہ نماز دوسرے وقت میں ادا کی جاتی ہے لہذا حاجیوں کی عرفہ و مزدلفہ والی نمازیں۔ نہ قرآنی آیات کے خلاف ہیں نہ احادیث کے مخالف۔ وہاں ہر نماز اپنے وقت میں ادا ہوتی ہے اور مسافر کا حقیقی طور پر نمازوں کا جمع کرنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے، احادیث کے بھی۔ حج میں اوقات نماز میں تبدیلی۔ حدیث مشہور بلکہ حدیث صحیح متواتر معنوی سے ثابت ہے اس پر اسی طرح عمل واجب ہے۔ جیسے آیت قرآنیہ پر عمل ضروری ہے۔

ہم نے یہاں جمع نماز کا مسئلہ مختصر طور سے عرض کر دیا ہے اگر اس کی پوری تحقیقی دیکھنا ہو تو ہمارا حاضیہ بخاری نعیم الباری میں یہ ہی بحث ملاحظہ کرو، ان شاء اللہ وہاں لطف آ جاوے گا۔

ناظرین کو ان بحثوں سے پتہ لگ گیا ہوگا کہ مذہب حنفی بفضلہ تعالیٰ نہایت مضبوط مدلل اور بہت ہی قوی اور قرآن مجید و احادیث کے بالکل مطابق ہے۔ وہابی غلط فہمی میں مبتلا ہیں اُن کے مذہب کی بنیاد محض غلط فہمی پر قائم ہے رب تعالیٰ ہم کو ای مذہب حنفی پر قائم رکھے۔

ہمارا دین حنفی ہے۔ مذہب حنفی یعنی ملت ابراہیمی اور مذہب نعمانی۔

پندرہواں باب

سفر کا فاصلہ تین دن کی راہ ہے

شریعت اسلامیہ نے مسافر کو یہ سہولت دی ہے کہ اس پر چار رکعت فرض میں بجائے چار کے دو واجب فرمائی ہیں، لیکن وہابیوں غیر مقلدوں نے محض نفسانی خواہش سے نماز میں کمی کرنے کے لئے سفر کو ایسا عام کر دیا ہے کہ خدا کی پناہ۔ گھر سے کھیت دیکھنے گئے مسافر بن گئے، ایک آدھ میل سیر و تفریح کرنے شہر سے باہر نکلے۔ مسافر بن بیٹھے اور نماز میں کمی کر دی۔ شرعاً سفر کی مسافت تین دن کی راہ ہے کہ جب انسان اپنے وطن سے تین دن کی مسافت کا ارادہ کر کے نکلے تو وہ مسافر ہے اس پر صرف چار رکعت والی فرضوں میں قصر واجب ہے یعنی بجائے چار کے دو پڑھے۔ یہ تین دن کی مسافت عام اچھے راستوں پر تقریباً ستاون میل انگریزی بنتے ہیں ہر منزل ۱۹ میل کی کل تین منزلیں ۵۷ میل اور رتیلے یا پہاڑی راستہ اس سے کم بنے گا، غرضیکہ تین دن کی راہ کا اعتبار ہے۔

حاجیوں کو ضروری ہدایت

آج کل حرمین طہین میں نجدیوں کی حکومت ہے، نجدی امام حج کے زمانہ میں مکہ معظمہ سے منیٰ و عرفات میں آکر قصر نماز ادا کرتا ہے حالانکہ منیٰ کا فاصلہ مکہ معظمہ سے صرف تین میل ہے اور عرفات کا فاصلہ نو میل۔ حنفی مذہب کی رو سے وہ امام قصر نہیں کر سکتا اس لئے حنفی لوگ اس کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھیں ورنہ نماز ہی نہ ہوگی۔

شافعی یا حنبلی امام کو ایسے موقع پر یہ چاہئے کہ ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ کو مکہ معظمہ سے ۵۷ میل دور نکل جاوے پھر واپس ہوتے ہوئے منیٰ و عرفات میں قصر پڑھے تاکہ حنفیوں کی نمازیں بھی اُس کے پیچھے درست ہوں حاجیوں کو بہت احتیاط چاہئے، اس باب کی بھی ہم دو فصل کرتے ہیں، پہلی فصل میں سفر کی اس مسافت کا ثبوت۔ دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

مسافت سفر تین دن کا ثبوت

سفر کی مسافت کم از کم تین دن راہ ہے، اس سے کم فاصلہ شرعاً سفر نہیں نہ ایسے شخص پر سفر کے احکام جاری ہوں، دلائل حسب ذیل ہیں۔
حدیث ۱ بخاری شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَسَافِرِ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا مَعَ ذِي رَحِمٍ

”بیٹھک نبی ﷺ نے فرمایا کہ عورت تین دن کی مسافت کا سفر بغیر قریبی رشتہ دار کے نہ کرے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو اکیلے سفر کرنا حرام ہے، ذی رحم قرابتہ دار کے ساتھ سفر کر سکتی ہے اسی سفر کی مدت حضور ﷺ نے تین دن فرمائی معلوم ہوا کہ سفر کی مسافت تین دن ہے۔

حدیث ۲ مسلم شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ جَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَا لَيْلِيْنَّ لِلْمَسَافِرِ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيمِ

”حضور ﷺ نے موزوں پر مسح کی مدت مسافر کیلئے تین دن تین راتیں مقرر فرمائی اور مقیم کے لئے ایک دن رات۔“

حدیث ۳ ابوداؤد، نسائی، ابن حبان، طحاوی، ابوداؤد، طیالسی طبرانی، ترمذی نے خزیمہ ابن ثابت انصاری وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَيْنِ لِلْمُقِيمِ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ وَلِلْمَسَافِرِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَا لَيْلِيْنَّ

”وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ مقیم کیلئے موزوں پر مسح کی مدت ایک دن ایک رات ہے اور مسافر کے لئے تین دن تین راتیں ہیں۔“

حدیث ۱۲۵۱۰ اثرم نے اپنی سنن میں، ابن خزیمہ دارقطنی نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ رَخَّصَ لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَا لَيْلَهُنَّ وَلِلْمَقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً إِذَا تَطَهَّرَ فَلَيْسَ خُفْيُهُ إِنْ يَمَسَّحَ عَلَيْهَا وَقَالَ الْخَطَّابِيُّ وَهُوَ صَحِيحُ الْأَسْنَادِ (المشكوة)

”وہ روایت کرتے ہیں نبی ﷺ سے کہ حضور ﷺ نے مسافر کے لئے تین دن تین رات تک مسح کی اجازت دی اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات تک مسح کی اجازت دی اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات جب کہ وضو کر کے موزے پہنے ہوں۔“

خطابی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

حدیث ۱۵۵۱۳ ترمذی۔ نسائی نے حضرت صفوان ابن عسال سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفَرًا أَنْ نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَا لَيْلَهُنَّ الْخ (المشكوة)

”حضور ﷺ ہم حکم دیتے تھے کہ جب ہم مسافر ہوں اپنے موزے تین دن تین رات نہ اتاریں۔ الخ

ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ ہر مسافر کو تین دن موزے پر مسح کرنے کی اجازت ہے کوئی مسافر اس اجازت سے علیحدہ نہیں، اگر تین دن سے کم مسافت بھی سفر بن جاوے تو اس اجازت سے بہت سے مسافر فائدہ نہیں اٹھا سکتے، مثلاً اگر وہابی صاحب اپنے کھیت پر سیر کرنے ایک میل کے فاصلہ پر جا کر مسافر بن جاویں، تو تین دن مسح کر کے دکھاویں، ایسے ہی جو آدمی ایک دن چل کر گھر پہنچ جاوے، وہ اس اجازت سے کیسے فائدہ اٹھائے، لہذا تین دن سے کم سفر بن سکتا ہی نہیں روزہ موزوں پر مسح کی یہ احادیث عمومی طور پر قابل عمل نہ رہیں گی، اس دلیل پر اچھی طرح غور کر لیا جاوے۔

حدیث ۱۶ امام محمد نے آثار میں حضرت علی ابن ربیعہ والبی سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ إِلَى كَمْ تُقْصِرُ الصَّلَاةُ فَقَالَ أَتَعْرِفُ السُّوَيْدَةَ قُلْتُ لَا وَلَكِنِّي قَدْ سَمِعْتُ بِهَا قَالَ هِيَ ثَلَاثُ لَيَالٍ فَوَاصِلُهُ فَإِذَا أَخْرَجْنَا إِلَيْهَا قُصِرْنَا الصَّلَاةُ

”فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ ابن عمر سے پوچھا کہ کتنی مسافت پر نماز کا قصر ہو سکتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے مقام سویداء دیکھا ہے میں نے کہا دیکھا تو نہیں سنا ہے، فرمایا وہ یہاں سے تین رات کے (قاصد کی رفتار سے) فاصلہ پر ہے ہم جب وہاں تک جائیں تو قصر کر سکتے ہیں۔“

حدیث ۱۷ دارقطنی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَهْلَ مَكَّةَ لَا تَقْصِرُوا الصَّلَاةَ فِي أَدْنَى مِنْ أَرْبَعَةِ بُرْدٍ مِنْ مَكَّةَ إِلَى عُسْفَانَ

”بیشک حضور ﷺ نے فرمایا کہ مکہ والو چار برید سے کم سفر میں نماز قصر نہ کرنا، یہ فاصلہ مکہ معظمہ سے عسفان کا ہے۔“

حدیث ۱۸ مؤطا امام مالک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يُقْصِرُ الصَّلَاةَ فِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَفِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَعُسْفَانَ وَفِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَجَدَّةَ قَالَ يَحْيَى قَالَ مَالِكٌ وَذَلِكَ أَرْبَعَةُ بُرْدٍ

”کہ آپ نماز قصر کرتے تھے مکہ اور طائف اور مکہ عسفان اور مکہ اور جدہ کی برابر فاصلہ میں بھیجے فرماتے ہیں کہ امام مالک نے فرمایا یہ فاصلہ چار برید ہے۔“

حدیث ۱۹ امام شافعی نے بہ اسناد صحیح حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔

أَنَّهُ سُئِلَ أَتُقْصِرُ الصَّلَاةَ إِلَى عَرَفَةَ قَالَ لَا وَلَكِنْ إِلَى عُسْفَانَ وَإِلَى الطَّائِفِ رَوَاهُ الْإِمَامُ الشَّافِعِيُّ وَقَالَ إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ

”حضرت ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ کیا عرفات تک (۹ میل) جانے میں نماز قصر کی جاوے گی فرمایا نہیں لیکن قصر کی جاوے گی عسفان یا جدہ یا طائف تک اسے امام شافعی نے نقل فرمایا کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔“

حدیث ۲۰ امام محمد نے مؤطا شریف میں حضرت نافع سے روایت کی۔

اَنَّهُ كَانَ يُسَافِرُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ الْبَرِيِّ فَلَا يَقْصِرُ الصَّلَاةَ

”کہ آپ حضرت عبداللہ ابن عمر کے ساتھ ایک برید سفر کرتے تھے تو قصر نہ فرماتے تھے۔“

خیال رہے کہ ۴ برید انگریزی میل کے حساب سے قریباً ۵۷ میل ہوتا ہے یعنی ۳۶ کوس تین منزلیں۔ یہ چند حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں، ورنہ اس کے متعلق بہت احادیث وارد ہیں جس کو شوق ہو وہ صحیح السہاری شریف کا مطالعہ کرے ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ مطلقاً شہر سے نکل جانا سفر نہیں نہ اس پر سفر کے احکام جاری ہوں۔ سفر کے لئے چار برید فاصلہ یعنی تین منزلیں چاہئیں، صحابہ کرام کا اس ہی پر عمل تھا۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے مطلقاً شہر سے نکل جانا سفر نہ ہو کیونکہ شہر کے آس پاس کی زمین شہر کی فضا کہلاتی ہے جس سے شہری ضروریات پوری ہوتی ہیں، جیسے قبرستان عید گاہ چراگاہیں، گھوڑ دوڑ کے میدان یہاں پہنچ جانا شہر میں پہنچ جانا سمجھا جاتا ہے کوئی شخص اس جگہ سیر و تفریح کے لئے جا کر اپنے کو مسافر نہیں سمجھتا، نیز اگر اس جیسی مسافت کو سفر کہا جاوے تو چاہئے کو کوئی عورت بغیر محرم کے مطلقاً شہر سے باہر نہ جاسکے، کیونکہ عورت کو بغیر محرم سفر کرنا حرام ہے، نیز اسلامی قانون ہے کہ مسافر تین دن رات موزوں پر مسح کر سکتا ہے یہ قانون ہر مسافر کو عام نہ ہو سکے گا جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں تو چاہئے کہ سفر کی کم از کم کوئی حد مقرر ہو جسے عقل شرعی بھی فرمانے اور جس سے یہ اسلامی قانون بھی ہر مسلمان پر جاری ہو۔ وہ حد تین دی ہی ہے۔ نیز تین دن کی مسافت کا سفر ہونا تو یقینی ہے اس سے کم مسافت سفر کرنا مشکوک نماز کی چار رکعتیں یقین سے ثابت ہیں تو یقینی چیز کو مشکوک سے نہیں چھوڑ سکتے یقین کو یقین ہی زائل کر سکتا ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر وہابیوں کو صرف ایک ہی حدیث مل سکی ہے جو مختلف کتب حدیث میں مختلف راویوں سے منقول ہے چنانچہ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِالْمَدِينَةِ اَرْبَعًا وَصَلَّى بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ

”کہ نبی ﷺ نے نماز ظہر مدینہ منورہ میں چار رکعت پڑھیں اور ذی الحلیفہ میں نماز عصر دو رکعتیں ادا فرمائیں۔“

دیکھو ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے صرف ۳ میل فاصلہ پر ہے، جسے آج کل بیر علی کہا جاتا ہے، یہ ہی اہل مدینہ کے لئے حج کا میقات ہے جب حضور ﷺ مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ تو صرف ۳ میل فاصلے پر پہنچ کر قصر فرماتے تھے۔

جواب اس حدیث میں سیر و تفریس کیلئے صرف ذوالحلیفہ تک جانے کا ذکر نہیں ہے، بلکہ یہاں حضور ﷺ کے حجۃ الوداع کا واقعہ کا بیان ہو رہا ہے کہ سرکا بہ ارادہ حج مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے ذوالحلیفہ پہنچ کر وقت عصر آگیا تو چونکہ آپ آگے جا رہے تھے لہذا یہاں قصر فرمایا اس لئے یہاں فرمایا گیا، صلی الظہر ایک باریہ واقعہ ہوا، کانِ یصلی نہ فرمایا جس سے معلوم ہوتا کہ آپ ہمیشہ ایسا کیا کرتے تھے اس حدیث کی تفسیر وہ حدیث ہے جو مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمد میں حضرت نافع سے روایت کی۔

اَنَّ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا خَرَجَ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا قَصَرَ الصَّلَاةَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ

”کہ حضرت عبداللہ ابن عمر جب حج یا عمرہ کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو ذوالحلیفہ پہنچ کر قصر پڑھتے تھے۔“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل شریف تمہاری پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہے اس سے مسئلہ فقہی یہ معلوم ہوا کہ جو شخص سفر کے ارادے سے اپنے وطن روانہ ہو جاوے تو آبادی سے نکلنے ہی قصر پڑھے گا، اور واپسی میں داخل ہونے پر وہ مقیم بنے گا یہ حدیث ہمارے بالکل موافق ہے۔

اعتراض نمبر ۲ مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لَأَمْرَأَةٍ تُوْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تَسَافِرَ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لَيْسَ مَعَهَا حُرْمَةٌ

”فرمایا کہ نبی ﷺ نے کہ جو عورت اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو اُسے یہ حلال نہیں کہ ایک دن رات کی مسافت کا سفر بغیر محرم کرے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دن و رات کی مسافت طے کرنا سفر ہے کہ اسے حضور ﷺ نے سفر فرمایا اور اس پر سفر کے احکام جاری کئے کہ عورت کو بغیر محرم کے اتنی دُور جانا حرام فرمادیا گیا، معلوم ہوا کہ سفر کے لئے تین دن کی مسافت ضروری نہیں ایک دن کا بھی ہو جاتا ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ تمہارا مذہب اس حدیث سے بھی ثابت نہ ہوا، تمہارا مذہب تو یہ ہے کہ شہر سے میل دو میل سیر و تفریح کے لئے جانا بھی سفر ہے اور اس حدیث میں ایک دن و رات مسافت کی قید ہے، لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں تین دن کی روایت اسی بخاری شریف کی پیش کر چکے ہیں ہم کو دو روایتیں ملیں، تین دن والی اور ایک دن والی، اگر ایک دن کی حدیث پہلی ہو اور تین دن کی حدیث بعد کی، تو ایک دن کی حدیث منسوخ ہے اور اگر تین دن والی حدیث پہلی ہے ایک دن والی حدیث پیچھے تو تین دن کی حدیث ایک دن والی حدیث سے منسوخ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ تین دن میں ایک دن بھی آ جاتا ہے، اور جب ایک دن کی مسافت پر عورت کو اکیلے سفر حرام ہے تو تین دن کا سفر بھی حرام ہوگا، لہذا تین دن کی روایت بہر حال قابل عمل ہے اور ایک دن کی حدیث پر عمل مٹھوک اس لئے ایک دن کی حدیث قابل عمل نہیں، تین دن کی حدیث قابل عمل ہے کہ حرمت شک سے ثابت نہیں ہوتی، نہ ہر حال سفر کی مدت تین دن کی مسافت ہی ہو سکتی ہے۔

اعتراض نمبر ۳ آج کل موٹر اور ریل وغیرہ سے تین دن کا سفر ایک گھنٹہ میں طے ہو جاتا ہے، تو بتاؤ موزوں پر مسح کی مدت تین دن یہ مسافر کیسے پوری کرے گا، تمہارے قول پر بھی یہ حدیث علی العموم قابل عمل نہیں ہوئی۔

جواب یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔ ایک ہے قانون کا اپنا سقم کہ قانون خود ہر جگہ جاری نہ ہو سکے یہ قانون کا عیب ہے ایک ہے کسی عارضہ کی وجہ سے قانون جاری نہ ہونا یہ قانون کا اپنا سقم نہیں شریعت میں سفر پیدل یا اونٹ کی رفتار معتبر ہے اگر وہ تین دن کی ہے تو سفر ہے اسی رفتار میں ہر مسافر پر یہ مسح کا قانون حاوی اور جاری ہونا چاہئے اگر شخص ایک گھنٹہ میں اتنا سفر کر لیتا ہو تو یہ ایک خارجی عارضہ ہے جس کی وجہ سے یہ قانون کی زد سے بچ گیا۔ قانون اپنی جگہ درست ہے تمہارے قول کی وجہ سے قانون میں سقم لازم آتا ہے، لہذا تمہارا قول باطل ہے۔ ہمارا قول درست۔

سولہواں باب

سفر میں سنت و نفل

مسافر کو بحالت سفر صرف فرض نماز میں قصر کرنے کا حکم ہے کہ چار رکعت فرض دو پڑھے، فرض کے علاوہ تمام نفل و سنت، وتر گھر کی طرح پورے پڑھے، ان نمازوں کا جو حکم گھر میں ہے وہ ہی سفر میں ہے نہ تو ان میں قصر ہے نہ یہ منع ہیں نہ بالکل معاف مگر غیر مقلد وہابی سفر میں نفل نہ خود پڑھتے ہیں نہ اوروں کو پڑھنے دیتے ہیں بعض تو اس میں بہت سخت ہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں پہلی فصل میں اس مسئلہ کا شرعی ثبوت، دوسری فصل میں اس پر وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات حق تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

سفر میں سنت و وتر، نفل پوری پڑھو

مسافر صرف چار رکعت فرض میں قصر کرے، باقی ساری نماز پوری پڑھے اسے روکنا یا منع کرنا سخت جرم ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى عَبْدًا إِذَا صَلَّى ”کیا آپ نے اُس مرد کو دیکھا جو بندہ مومن کو روکتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے۔“

حدیث نمبر ۲ رب تعالیٰ کفار مکہ کے عیوب اس طرح بیان فرماتا ہے۔“

وَلَا تُطْعُ كُلَّ حَلَاَفٍ مُّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَاءً بِنَمِيمٍ مَّنَاءٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَنِئِمٍ

”اس کی بات نہ مانو جو بہت قسمیں کھانے والا ذلیل، چغل خور، بھلائی سے روکنے والا حد سے آگے بڑھنے والا سخت گنہگار ہے۔“

معلوم ہوا کہ لوگوں کو بھلائی سے روکنا کفار کا طریقہ ہے، ان کی بات ہرگز نہ ماننا چاہیے مسلمانوں کو بھلائیوں سے روکنا وہابیوں کی زندگی کا محبوب مشغلہ ہے، سنیماء، جوئے اور شراب سے نہیں چڑتے۔ چڑتے ہیں تو کس سے؟ سفر میں سنت، نفل نماز پڑھنے سے کوئی مسلمان ان کی بات ہرگز نہ مانے، اس آیت پر عمل کرے۔

حدیث نمبر ۳ رب تعالیٰ مومنوں کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ

”مومن وہ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں سلطنت دے دیں تو نمازیں قائم کریں اچھی باتوں کا حکم دیں بُری باتوں سے روکیں۔“

اگر خدا نہ کرے زمین میں وہابیوں کی سلطنت ہو جاوے تو لوگوں کو کس چیز سے روکیں گے، سفر میں سنت و نفل نماز پڑھنے سے، اللہ کے ذکر کی مجلسوں سے، میلاد شریف ختم و فاتحہ و تلاوت قرآن سے۔ کن چیز کا حکم دیں؟ گندے کنوؤں سے وضو کرنے کا۔ کوئے نہیے کھانے کا لڑکے پیشاب اور منی کے پاک سمجھنے کا، اپنے نطفے کی زنا کی لڑکی سے نکاح کر لینے کا۔ جیسا کہ ہم آخر کتاب میں وہابیوں کے خصوصی مسائل بیان کریں گے۔

حدیث نمبر ۴، ۵ ترمذی شریف اور طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ مگر قدرے لفظی اختلاف سے۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ الظُّهْرِ أَرْبَعًا وَبَعْدَ هَا رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي السَّفَرِ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ بَعْدَهَا شَيْئًا وَالْمَغْرِبَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَاءً ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ وَلَا يَنْقُصُ فِي حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ وَهِيَ رِثْرُ النَّهَارِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ

”فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ وطن اور سفر میں نمازیں پڑھی ہیں پس میں نے آپ کے ساتھ وطن میں ظہر چار رکعت پڑھی اسکے بعد دو رکعت سنت اور آپ کے ساتھ سفر میں ظہر دو رکعت پڑھیں، اس کے بعد دو رکعتیں سنت عصر دو رکعت اس کے بعد کچھ نہ پڑھا اور مغرب وطن سفر میں برابر تین رکعتیں اس میں کمی نہ فرماتے تھے وطن میں نہ سفر میں وہ دن کے وتر ہیں اس کے بعد دو رکعت سنت پڑھیں۔“

طحاوی شریف میں یہ الفاظ اور زیادہ ہیں۔

وَصَلَّيْتُ الْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ ”حضور ﷺ نے عشاء کی نماز دو رکعتیں پڑھیں اسکے بعد دو رکعتیں۔“

دیکھو نبی ﷺ نے سفر میں ظہر کے فرض دو اور بعد میں سنت دو مغرب کے فرض تین اور بعد میں سنتیں دو، عشاء کے فرض دو اور بعد میں سنتیں دو پڑھیں

اگر سفر میں سنت یا نفل پڑھنا ممنوع ہوتا تو سرکارِ انوار صلی اللہ علیہ وسلم کیوں پڑھتے یہ وہابی سنت سے چڑتے ہیں۔

حدیث نمبر ۷، ۶ ابوداؤد ترمذی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَحِبْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَرًا فَمَا رَأَيْتُهُ تَرَكَ رَكْعَتَيْنِ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ

”فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ اٹھارہ سفر کیے میں نے آپ کو نہ دیکھا کہ آپ نے آفتاب ڈھلنے کے بعد ظہر کے پہلے کی دو نفل چھوڑے ہوں۔“

حدیث نمبر ۸ ابوداؤد شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَافَرَ وَارَادَ أَنْ يَتَطَوَّعَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ بِنَاقَتِهِ فَكَبَّرَ ثُمَّ صَلَّى

”فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب سفر کرتے اور نفل پڑھنا چاہتے تو اپنی ناقہ کو کعبہ کی طرف متوجہ فرما دیتے پھر تکبیر کہہ کر نفل پڑھتے۔“

حدیث نمبر ۹، ۱۰ مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي السَّفَرِ عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهْتُ بِهِ يَوْمِي

يُمَاءَ صَلَوةَ اللَّيْلِ إِلَّا الْفَرَائِضَ وَيُوتِرُ عَلَى رَاحِلَتِهِ

”فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سفر میں اپنی سواری پر نفل پڑھتے تھے۔ جدھر بھی اس کا منہ ہوتا آپ اشارے سے نماز پڑھتے، تہجد کی نماز سوائے فرض کے۔ وتر بھی سواری پر پڑھتے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ سفر میں راستہ طے کرتے ہوئے، نماز تہجد بھی پڑھا کرتے تھے اور یہ لوگ ٹھرے ہوئے مسافر کو سنت مؤکدہ تک سے روکتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۱ موطا امام مالک میں حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَرِيْهِ ابْنَهُ عُبَيْدَ اللَّهِ يَتَفَلُّ فِي السَّفَرِ فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ

”فرماتے ہیں کہ بے شک عبداللہ ابن عمر اپنے فرزند عبید اللہ کو سفر میں نفل پڑھتے دیکھتے تھے تو آپ منع نہ فرماتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۲ ترمذی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

”فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں اسکے بعد دو رکعت سنت اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔“

حدیث نمبر ۱۳، ۱۴ مسلم و ابوداؤد نے حضرت ابوقحادہ رضی اللہ عنہ سے سفر میں تعریس کی رات نماز صبح قضاء ہو جانے کی بہت دراز حدیث روایت کی جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

صَلَّى رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ كَمَا كَانَ يُصَلِّي

”حضور علیہ السلام نے فجر کی سنتیں فرض سے پہلے پڑھیں پھر فجر کے فرض پڑھے جیسے ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۵، ۱۸ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد نے حضرت ابن ابی العلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ مَا أَخْبَرَنَا أَحَدٌ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّحَى غَيْرُ أُمَّ هَانِي ذَكَرْتُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اغْتَسَلَ فِي بَيْتِهَا فَصَلَّى ثَمَانِ رَكْعَاتٍ

”فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت ام ہانی کے سوا اور کسی نے یہ خبر نہ دی کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز چاشت پڑھے دیکھا، ام ہانی فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضور ﷺ نے ان کے گھر میں غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نفل نماز چاشت پڑھیں۔“

دیکھو فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام مکہ معظمہ میں مسافر ہیں اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بہن ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں نماز چاشت آٹھ رکعت پڑھی، حالانکہ نماز چاشت نفل ہے۔

حدیث نمبر ۱۹ ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَوةَ الْحَضَرِ وَصَلَوةَ السَّفَرِ فَكُنَّا نُصَلِّي فِي الْحَضَرِ قَبْلَهَا وَبَعْدَهَا وَكُنَّا نُصَلِّي فِي السَّفَرِ قَبْلَهَا وَبَعْدَهَا

”فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے وطن میں بھی نماز فرض ادا فرمائی اور سفر میں بھی ہم وطن میں فرض نماز سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے اور سفر میں بھی فرض سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے۔“

حدیث نمبر ۲۰ بخاری شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي التَّطَوُّعَ وَهُوَ رَاكِبٌ فِي غَيْرِ الْقِبْلَةِ

”نبی کریم ﷺ سواری پر غیر قبلہ کی طرف نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔“

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ سفر میں سنت و نفل کی نہ تو معافی ہو اور نہ قصر چند وجہ سے۔

ایک یہ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج کی رات نمازیں دو دو رکعت فرض کی گئیں، پھر سفر میں تو وہ ہی دور ہیں، حضر میں بعض نمازوں میں زیادتی کر دی گئی اور ظاہر ہے کہ معراج میں فرض نمازیں ہی لازم کی گئیں تھیں نہ کہ سنت و نوافل وغیرہ لہذا قصر صرف فرض میں ہو نہ کہ نفل سنت میں دوسرے یہ کہ بحالت سفر فرض نماز میں بہت پابندی ہے کہ سواری پر چلتی ریل میں، غیر قبلہ کی طرف ادا نہیں ہو سکتی، سنت و نفل میں یہ کوئی پابندی نہیں، سواری پر، غیر قبلہ کی طرف بھی ادا ہو جاتی ہیں، فرض کے لیے مسافر کو سفر توڑنا پڑتا ہے جس سے دریگتی ہے اس لیے وہ نماز آدھی کر دی گئی چونکہ سنت و نفل کے لیے سفر توڑنا نہیں پڑتا ہے۔ سواری پر ادا ہو جاتی ہیں، اس لیے نہ تو ان میں قصر کی ضرورت ہے نہ معافی کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہ سمجھنا کہ جب سفر میں فرض کم ہو گئے تو سنتیں کوئی کم نہیں ہوئی، فرض علیحدہ نماز ہے اور سنت و نفل علیحدہ یعنی سنت و نفل فرض کی ایسی تابع نہیں کہ اگر فرض پوتے پڑھے جاویں تو سنتیں بھی پوری ہوں اور اگر فرض میں قصر ہو تو سنتوں میں بھی قصر ہو یا بالکل معاف ہو جاویں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد و ہابیوں کے پاس اس مسئلہ پر بہت ہی تھوڑے دلائل ہیں جنہیں وہ ہر جگہ الفاظ بدل کر بیان کرتے ہیں ہم ان کی دکالت میں ان کے سوالات کے جوابات پیش کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱ مسلم و بخاری وغیرہ نے حضرت حفص ابن عاصم سے روایت کی۔

قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ فِي فَرِيقِي مَكَّةَ فَصَلَّى لَنَا الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَاءَ رَحْلَهُ، وَجَلَسَ فَرَأَى نَاسًا قِيَامًا فَقَالَ مَا يَصْنَعُ هَؤُلَاءِ قُلْتُ يُسَبِّحُونَ قَالَ لَوْ كُنْتُ مُسَبِّحًا أَتَمَمْتُ صَلَاتِي صَحِبْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ لَا يَزِيدُ فِي السَّفَرِ عَلَى رَكْعَتَيْنِ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ وَغُثْمَانُ كَذَلِكَ

”فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ معظمہ کے راستہ میں تھا تو آپ نے ہم کو نماز ظہر دو رکعت پڑھائیں پھر آپ اپنی منزل پر تشریف لائے اور بیٹھ گئے تو کچھ لوگوں کو کھڑا ہوا دیکھا۔ فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ نفل پڑھ رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر نفل پڑھتا تو نماز ہی پوری پڑھتا میں حضور ﷺ کے ساتھ رہا تو آپ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اور میں نے حضرت ابو بکر و عثمان رضی اللہ عنہم کو ایسے ہی دیکھا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں نفل و سنت پڑھنا سنت رسول علیہ السلام و سنت خلفائے راشدین کے خلاف ہے اس لیے مسافر دو رکعت فرض پڑھے باقی کچھ نہ پڑھے۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور ﷺ اور خلفائے راشدین نے سفر میں کہیں دو فرض سے زیادہ نہ پڑھے، اور تم کہتے ہو کہ مسافر چاہے قصر پڑھے یا پوری۔ تم نے پوری نماز پڑھنے کا حکم اس حدیث کے خلاف کیوں دیا۔

دوسرے یہ کہ آپ کی اس حدیث سے نفل نہ پڑھنا ثابت ہے اور ہماری پیش کردہ بہت سی احادیث سے نفل پڑھنا ثابت ہوا، تو آپ ان بہت سی احادیث کے مقابل صرف اس ایک حدیث پر کیوں عمل کرتے ہو۔ ان احادیث پر کیوں عمل نہیں کرتے؟ صرف نفسانی خواہش کی وجہ سے کہ نفس امارہ پر نماز بھاری ہے۔

تیسرے یہ کہ خود سیدنا عبداللہ عمر رضی اللہ عنہ کی وہ احادیث ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے جن میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پُر نور ﷺ کو سفر میں سواری پر نفل پڑھتے دیکھا، پھر ان ثبوت کی احادیث کو آپ نے کیوں نہ قبول کیا؟ صرف ایک اسی حدیث پر ہی کیوں عمل کیا؟ کیا نماز کم کرنے کا شوق ہے۔

چوتھے یہ کہ جب ثبوت نفی میں تعارض ہو، تو ثبوت کو نفی پر ترجیح ہوتی ہے جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی دو روایتیں ہیں، ثبوت نفل کی بھی اور نفی کی بھی، تو ثبوت کی روایت قابل عمل ہوگی نفی کی۔ دیکھو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام کو جسمانی معراج نہیں ہوئی۔ دیگر صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہوئی، آج تمام دنیا معراج جسمانی کے قائل ہے؟ کیوں؟ اس لیے کہ ثبوت نفی پر مقدم ہے۔

پانچویں یہ کہ جب احادیث میں تعارض نظر آئے، تو ان کے ایسے معنی کیے جاویں، جن سے تعارض دور ہو جاوے، جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایات میں تعارض ہے، تو تمہاری اس حدیث کے معنی یہ ہیں، کہ نفل نماز اہتمام سے پڑھنا، ان کے لئے سفر توڑنا باقاعدہ اتر کر، زمین پر کھڑے ہو کر پڑھنا، چلتی سواری پر نفل درست نہ سمجھنا، یہ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، نہ ان خلفائے راشدین سے رضی اللہ عنہم، چنانچہ اس حدیث کے بعض الفاظ بھی یہ ہی بتا رہے ہیں، راوی فرماتے ہیں، کہ آپ نے بعض لوگوں کو ڈیرے پر کھڑے ہوئے نفل پڑھتے دیکھ کر یہ فرمایا حالت بھی سفر کی تھی سفر بھی حج کا تھا راستہ بہت تھا جلد پہنچنا تھا۔ ان حضرات کے اس طریقہ عمل سے سفر میں دشواری ہوتی تھی، اس لیے آپ نے یہ فرمایا لہذا یہ حدیث نہ تو دوسری احادیث کے خلاف ہے نہ خود حضرت ابن عمر کی دوسری روایتوں کے مخالف حدیث میں مقابلہ پیدا نہ کرو بلکہ موافقت کی کوشش کرو۔

چھٹے یہ کہ تمہاری اس حدیث میں بھی سفر میں نفل پڑھنے کی ممانعت نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے صرف قیاس فرما کر یہ فرمایا کہ اگر نفل کا ایسا اہتمام ضروری ہوتا، تو نماز فرض ہی پوری کیوں نہ پڑھی جاتی۔

اعتراض نمبر ۲ جب سفر میں فرض نماز ہی بجائے چار کے دو رکعت ہوگئی، تو سنت و نفل تو فرض سے درجہ میں کم ہیں چاہئے کہ وہ بھی یا تو بجائے چار کے دو ہو جاویں یا بالکل معاف ہو جاویں۔

جواب الحمد للہ کہ آپ قیاس کے قائل ہو گئے کہ سنت کو فرض پر قیاس کرنے لگے لیکن جیسے آپ ویسا آپ کا قیاس بہتر تھا۔ کہ مجتہدین آئمہ کی تقلید کر لی ہوتی تاکہ آپ کو ایسے قیاسات نہ کرے پڑتے۔ جناب سنت و نفل کو فرض پر قیاس نہیں کر سکتے، فرض نماز میں صرف دو رکعتیں بھری پڑھی جاتی ہیں، باقی خالی مگر سنت و نفل کی چاروں رکعت بھری ہیں، فرمائیے، وہاں سنت و نفل فرض کی طرح کیوں نہ ہوں۔ وہاں بھی کہہ دو کہ جب فرض میں دو رکعت خالی ہوں تو چاہئے سنتیں و نفل کی چاروں رکعت خالی ہوں۔ جمعہ کی نماز میں فرض نماز بجائے چار کے دو رکعت ہو جاتی ہیں، مگر سنتیں بجائے گھنٹے کے بڑھ جاتی ہیں، کہ بعد فرض جمعہ چار سنتیں مؤکدہ ہیں، چاہئے کہ وہاں بھی قیاس کرو کہ جب جمعہ کے فرض بجائے چار کے دورہ گئے تو چاہئے کہ جمعہ کے بعد کی سنتیں بجائے دو کے ایک رکعت ہی رہ جاوے سنت و نفل میں قصر نہ ہونے کی وجہ ہم پہلی فصل کی عقلی دلیلوں میں عرض کر چکے کہ مسافر کو سنت کے لیے سفر توڑنا نہیں پڑھا، سواری پر ہی پڑھ سکتا ہے اس لیے اس میں قصر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

نوٹ ضروری۔ یہ جو کہا گیا کہ نفل و سنت سواری پر پڑھی جاسکتی ہیں، سواری کا رخ کدھر ہی ہو، یہ مسافر کے لیے راستہ طے کرنے کی حالت میں ہے جبکہ وہ جنگل میں ہو شہر میں یا کسی جگہ ٹھرنے کی حالت کا یہ حکم نہیں، اگر مسافر کسی بستی میں دو چار دن کے لیے ٹھرا ہوا ہو تو سنت و نفل بھی فرض کی طرح تمام شرائط و ارکان کے ساتھ ادا کرے گا غیر مقلد و ہابیوں کے نزدیک مسافر خواہ راستہ طے کر رہا ہو یا کہیں دو چار دن کے لیے ٹھرا ہوا ہو سنت و نفل نہ پڑھے۔

اعتراض نمبر ۳ حضور ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں، جب رب تعالیٰ نے سفر میں اپنی فرض نماز میں رعایت کردی تو چاہیے کہ حضور ﷺ بھی اپنی سنتوں میں کمی کر دیں، سنت کا اسی طرح رہنا حضور کی رحمت کے خلاف ہے۔

جواب جی ہاں۔ چونکہ حضور ﷺ رحمت عالم ہیں، اس لیے حضور نے اپنی سنتیں کم نہ فرمائیں نماز رحمت ہے، بوجھ نہیں شاید وہابیوں کے نفس پر نماز بوجھ ہوگی، اس لیے انہیں ایسے سوالات سوچتے ہیں، جناب اللہ کے فرض مومن کے بالغ ہونے پر لگتے ہیں اور مرنے سے پہلے چھوڑ دیتے ہیں مگر سنت رسول اللہ ﷺ کسی وقت اور کسی حالت میں مومن کا ساتھ نہیں چھوڑتی، مومن سنت رسول ﷺ کی آغوش میں پیدا ہوتا ہے سنت کے سایہ میں پرورش پاتا ہے۔ سنت کے دامن میں مرتا ہے اور ان شاء اللہ سنت والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت دنیا ہی میں قیامت میں اٹھے گا، دیکھو فتنہ، عقیقہ بچے کو دو سال تک دودھ پلانا سنت ہی تو ہیں۔ پھر مرتے وقت وضو۔ کعبہ کو رخ ہونا مرد کا کفن تین کپڑے عورت کا کفن پانچ کپڑے یہ سب سنتیں ہی ہیں، اس لیے ہمارا نام اہل فرض یا اہل واجب نہیں اہل سنت ہے، ہمارے حضور ﷺ کی سنت رحمت ہے، بوجھ نہیں رحمت کا کم نہ ہونا ہی اچھا رب تعالیٰ مالک الملک ہے، جب چاہے جتنی چاہے رحمت دے، اس کی رحمتیں یکساں نہیں ہوتیں، کبھی کم کبھی زیادہ، ایسے ہی فرض نماز مقیم کے لیے پوری مسافر کے لیے آدھی۔

سترہواں باب

سفر میں قصر واجب ہے

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ مسافر پر چار رکعت والی فرض نماز میں قصر فرض ہے۔ مسافر یہ نماز پوری نہیں پڑھ سکتا، اگر بھول کر بجائے دو کے چار پڑھ لے تو اس کا وہ ہی حکم ہوگا، جو کوئی فجر کے فرض چار پڑھ لے کہ اگر پہلی التیحات پڑھ کر تیسری رکعت میں کھڑا ہوا تو سجدہ سہو کرے ورنہ نماز کا اعادہ کرے، لیکن اگر دیدہ دانستہ بجائے دو کے چار پڑھے تو نہ ہوگی، مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ مسافر کو اختیار ہے خواہ قصر پڑھے یا پوری مسافر کسی چیز کا پابند نہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں پہلی فصل میں اپنے دلائل دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات و جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

سفر میں قصر ضروری ہے

سفر میں قصر ضروری ہونے پر احناف کے پاس بہت دلائل ہیں جن میں سے کچھ پیش کیئے جاتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۴۴۱ بخاری۔ مسلم۔ موطا امام محمد۔ موطا امام مالک نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کچھ لفظی فرق کے ساتھ روایت کی یہ لفظ مسلم و بخاری کے ہیں۔

قَالَتْ فَرَضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ هَاجَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَتْ أَرْبَعًا وَتُرِكَتِ صَلَاةُ السَّفَرِ عَلَى الْفَرِيضَةِ الْأُولَى

”فرماتی ہیں کہ اول نماز دو رکعتیں فرض ہوئیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو نمازیں چار رکعت فرض کی گئیں اور نماز سفر پہلے ہی فریضہ پر رہی۔“
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہجرت سے پہلے ہر نماز کی دو رکعتیں تھیں بعد ہجرت بعض کی چار رکعتیں کر دی گئیں مگر سفر کی نماز ویسے ہی رہی تو جیسے ہجرت سے پہلے اگر کوئی شخص چار رکعت پڑھ لیتا تو اس کی نماز نہ ہوتی، ایسے ہی اب بھی جو مسافر سفر میں چار فرض پڑھ لے تو بھی نماز نہ ہوگی، لفظ فرض، اور فریضہ کو غور سے ملاحظہ کرو۔

موطا امام محمد و امام مال کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فَرَضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَأَقْرَثَ صَلَاةُ السَّفَرِ وَزِيدَ فِي صَلَاةِ الْحَضَرِ

اولا سفر و حضر میں نمازیں دو دو رکعتیں فرض ہوئی تھیں پھر نماز سفر تو ویسے ہی رہی اور نماز حضر میں زیادتی کر دی گئی۔“

حدیث نمبر ۷۴۵ مسلم شریف۔ نسائی۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ فَرَضَ اللَّهُ الصَّلَاةَ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً

”فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبان شریف پر وطن میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں خوف میں ایک رکعت فرض کیں۔“
(یعنی جماعت سے ایک رکعت)

اس میں صراحت ہوا کہ سفر میں دو رکعت ہی فرض ہیں۔ جیسے وطن میں فجر کی نماز۔

حدیث نمبر ۱۳۴۸ مسلم بخاری۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ

”فرماتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرح گئے تو حضور انور ﷺ دو دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے،“

حدیث نمبر ۱۶۱۴ بخاری۔ مسلم۔ نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنَى رَكْعَتَيْنِ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرُ وَمَعَ عُثْمَانَ صَلَدًا مِنْ إِمَارَتِهِ ثُمَّ أَتَمَّهَا

”فرماتے ہیں کہ میں نے منیٰ میں حضور ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کے پیچھے دو دو رکعتیں پڑھیں اور خلافت عثمانی کے شروع میں بھی پھر حضرت عثمان نے پوری پڑھنا شروع کر دی۔“

حدیث نمبر ۱۷ طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ افْتَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ فِي السَّفَرِ كَمَا افْتَرَضَ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا

”فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے سفر میں دو رکعت ہی فرض فرمائیں جیسے وطن میں چار رکعت فرض کیں۔“

حدیث نمبر ۲۰۶۱۸ نسائی ابن ماجہ۔ ابن حبان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَوةُ السَّفَرِ رَكْعَتَانِ وَ صَلَوةُ الصُّحْرِ رَكْعَتَانِ وَ صَلَوةُ الْفِطْرِ رَكْعَتَانِ وَ صَلَوةُ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَانِ

نَمَامٌ غَيْرُ قَصْرِ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

”فرماتے ہیں کہ سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں، چاشت کی نماز دو رکعتیں عید الفطر کی نماز دو رکعتیں ہیں، جمعہ کی نماز دو رکعتیں ہیں، ہی دو رکعتیں پوری ہی ناقص نہیں، حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان شریف پر۔“

حدیث نمبر ۲۱ مسلم شریف نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کچھ دراز حدیث نقل کی، جس کے آخری الفاظ شریفہ یہ ہیں۔

فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ اللَّهُ بِهِ فَأَقْبَلُوا صَدَقَتَهُ

”میں نے حضور ﷺ سے نماز قصر کے بارے میں پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ کا صدقہ ہے جو صدقہ فرمایا اس صدقہ کو قبول کرو۔“ اس حدیث میں فاقبول صغیر امر ہے۔ امر وجوب کے لیے آتا ہے معلوم ہوا کہ جو شخص سفر میں چار رکعت پڑھے، وہ خدا تعالیٰ کے صدقہ سے منہ پھیرتا ہے، رب کا صدقہ قبول کرنا اور سفر میں قصر کرنا فرض ہے۔

حدیث نمبر ۲۲ طبرانی نے نجم صغیر میں سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ عُمَرَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ تَفَرَّقْتُ بِكُمْ السُّبُلَ فَوَاللَّهِ لَوِ دِدْتُ أَنْ أُخْطِيَ مِنْ أَرْبَعِ رَكْعَاتٍ رَكْعَتَيْنِ مُتَقَبِّلَتَيْنِ

”میں نے سفر میں حضور ﷺ کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں اور ابو بکر صدیق عمر فاروق کے پیچھے دو دو رکعتیں پڑھیں پھر تم لوگوں کو مختلف راہوں نے متفرق کر دیا۔ قسم رب کی میں تمنا کرتا ہوں کہ مجھے بجائے چار رکعتوں کے دو مقبول رکعتوں کا حصہ ملے۔“

ہم نے بطور نمونہ صرف بائیس حدیثیں پیش کیں، ورنہ اس کے متعلق بے شمار احادیث ہیں، اُن پیش کردہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں قصر ہی فرض ہے حضور ﷺ و خلفاء راشدین نے قصر ہی پڑھی، چار رکعت پڑھنے سے صحابہ نے منع فرمایا، یا اس پر ناراضی کا اظہار کیا۔

عقل کا تقاضا بھی ہے کہ سفر میں قصر فرض ہے مسافر کو قصر و تمام دنوں کا اختیار دنیا عقل شرعی کے بالکل خلاف ہے اس لیے کہ سفر میں ہر چار رکعت والی نماز کی پہلی دو رکعتیں بالاتفاق فرض ہیں آخری دو رکعتوں کے متعلق سوال ہوتا ہے کہ وہ بھی مسافر پر فرض ہیں یا نہیں اگر فرض ہیں تو ان کے نہ پڑھنے کا اختیار کیوں فرض ہیں، اختیار نہیں ہوگا، فرض و اختیار جمع نہیں ہوتے اور اگر فرض نہیں بلکہ نفل ہیں، تو ایک ایک تحریمہ سے فرض و نفل کی تکبیر تحریمہ علیحدہ ہوتی ہے، نفل کی علیحدہ ایک تحریمہ سے ایک ہی نماز ہو سکتی ہے نہ کہ دو۔

یہ ہر حال یہ اختیار کہ چاہے دو رکعت پڑھے چاہے چار شرعی عقل کے بالکل خلاف ہے نیز جیسے وطن میں چار رکعت ہی فرض ہیں، کم و بیش کا اختیار نہیں ایسے ہی سفر میں صرف دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں، اختیار نہیں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر ہم غیر مقلد و ہابیوں کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے اتنے اعتراضات مع جوابات عرض کیئے دیتے ہیں، جو ان شاء اللہ خود انہیں بھی یاد نہ ہوں گے، رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ أَنْ يَفْتِكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا

”اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر فرض نہیں، بلکہ اس کی اجازت ہے کیونکہ ارشاد باری ہوا کہ تم پر قصر میں گناہ نہیں، نہ قصر پڑھنے میں گناہ ہے، نہ قصر نہ پڑھنے میں۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ آیت ظاہری معنی سے تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ یہاں قصر کے لیے کفار کے خوف کی شرط ہے، کہ اگر تمہیں کفار سے خوف ہو تو قصر میں گناہ نہیں، اور تم کہتے ہو کہ امن کے سفر میں بھی قصر کی اجازت ہے، اب جو تم جواب دو گے وہی ہمارا جواب ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ **لَا جُنَاحَ** حاجی کے صفا مروہ کی سعی کے بارے میں بھی ارشاد ہوا ہے رب فرماتا ہے۔

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ غَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ بِهِمَا

”تو جو بیت اللہ کی حج یا عمرہ کرے، اس پر اس میں گناہ نہیں کہ صفا مروہ کا طواف کرے۔“

حالانکہ صفا مروہ کا طواف حج میں واجب ہے عمرہ میں فرض ایسے ہی سفر میں قصر فرض ہے لا جناح فرضیت کے خلاف نہیں۔

تیسرے یہ کہ اگر سفر میں قصر مباح ہوتا تو قرآن کریم یوں ارشاد فرماتا کہ تم پر قصر نہ کرنے میں گناہ نہیں، کیونکہ مباح کی پہچان یہ ہے کہ اس کے کرنے اور نہ کرنے میں گناہ نہیں ورنہ فرض کام کرنے میں گناہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے نہ کرنے میں گناہ ہوتا ہے لہذا کرنے میں گناہ نہ ہونا مباح ہونے کی دلیل نہیں، فرض واجب بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔

چوتھے یہ کہ زمانہ نبوی ﷺ میں صحابہ کرام کو خیال ہوا کہ بجائے چار رکعت کے دو رکعتیں پڑھنا گناہ ہوگا کہ یہ نماز ناقص ہے انہیں سمجھائے کے لیے یہ ارشاد ہوا لہذا آیت بالکل واضح ہے تمہارے لیے مفید نہیں۔

اعتراض نمبر ۲ شرح سنہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

قَالَتْ كُلُّ ذَالِكَ قَدْ فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصَرَ الصَّلَاةِ وَأَتَمَّ

”فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے سب کچھ کیا، قصر بھی کیا اور پوری نماز بھی پڑھی۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر بھی سنت ہے اور پوری پڑھنی بھی سنت، صرف قصر فرض نہیں۔

جواب اس اعتراض کے چند جوابات ہیں۔

ایک یہ کہ اس کی اسناد میں ابراہیم ابن یحییٰ ہے، جو تمام محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، لہذا یہ حدیث بالکل قابل عمل نہیں، دیکھو مرقات شرح مشکوٰۃ اسی حدیث کی شرح۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث ان تمام احادیث کے مخالف ہے جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے کہ جلیل القدر صحابہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ہمیشہ سفر میں دو رکعتیں ہی پڑھیں۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث خود ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے بھی خلاف ہے، جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کی، آپ فرماتی ہیں کہ اؤلاً نماز دو رکعت فرض ہوئی پھر سفر میں وہ ہی دو رکعتیں فرض رہیں وطن میں بعض نمازوں میں زیادتی کر دی گئی، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سفر میں دو رکعتیں فرض بھی ہوں اور کبھی حضور علیہ السلام نے چار رکعت بھی پڑھ لی ہوں، لہذا یہ حدیث واجب التاویل ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں لفظ سفر نہیں، یعنی آپ نے یہ نہ فرمایا کہ حضور ﷺ نے سفر میں قصر و اتمام فرمایا۔ لہذا حدیث کے معنی یہ ہیں کہ حضور انور ﷺ نے شروع اسلام میں اؤلاً قصر یعنی ہر نماز دو دو رکعت پڑھی، پھر جب فرمایا یعنی دو سے زیادہ بعض چار رکعت کر دی گئیں اور بعض تین تو حضور ﷺ نے اتمام فرمایا یعنی دو سے زیادہ پڑھیں، اس صورت میں یہ حدیث بالکل واضح بھی ہو گئی اور گزشتہ احادیث کے خلاف بھی نہ رہی۔

پانچویں یہ کہ اگر یہاں حالت سفر میں قصر و اتمام مراد تب بھی مطلب یہ ہوگا کہ حضور علیہ السلام نے بحالت سفر قصر پڑھی، اور جب کہیں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت فرمائی تو اتمام فرمایا اب بھی حدیث بالکل واضح ہے۔

لطیفہ عجیبہ غیر مقلد وہابی ہمیشہ حنفیوں سے مسلم بخاری کی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں، مگر جب انہیں خود حدیث پیش کرنا پڑھے تو بخاری مسلم کی ہو یا نہ صحیح ہو یا ضعیف ہر قسم کی حدیث پیش کر دینے سے شرم نہیں کرتے۔

یہ حدیث ایسی ضعیف ہے کہ اسے صحاح ستہ نے روایت نہ کیا، امام ترمذی نے بھی اس حدیث کا ذکر تک نہ کیا، بلکہ وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ قصر تو حضور ﷺ اور حضرات خلفائے راشدین سے ثابت ہے اتمام صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اپنا فعل ہے، چنانچہ امام ترمذی قصر نماز کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقْصِرُ فِي السَّفَرِ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ صَدْرًا

مَنْ خِلَافَتِهِ وَالْعَمَلُ عَلَىٰ هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ

”حضور ﷺ سے صحیح حدیث یہ ہی ثابت ہے کہ آپ ہمیشہ سفر میں قصر کرتے تھے اور ابو بکر صدیق بھی عمر فاروق بھی حضرت عثمان بھی اپنی شروع خلافت میں اور اس پر ہی اکثر علماء صحابہ وغیرہ کا عمل ہے۔“

اور سفر میں اتمام کے متعلق امام ترمذی نہایت ضعیف طریقے سے فرماتے ہیں۔

وَقَدْ رَوَى عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تُتِمُّ الصَّلَاةَ فِي السَّفَرِ

”ہاں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ سفر میں اتمام فرماتی تھیں۔“

اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ مرفوع حدیث قابل اعتبار ہوتی جو تم نے پیش کی۔ تو امام ترمذی حدیث مرفوع کو چھوڑ کر صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے عمل شریف کا ذکر نہ فرماتے۔

بہر لطف بات وہ ہے جو آگے فرماتے ہیں۔

وَالْعَمَلُ عَلَىٰ مَا رَوَىٰ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ

”عمل اس پر ہے جو حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ سے مروی ہے یعنی (قصر)۔“

امام ترمذی کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی قصر و اتمام دونوں کا اختیار نہ دیتی تھیں، بلکہ آپ ہمیشہ سفر اتمام فرماتی تھیں، اہل علم نے حضور علیہ السلام کے فعل شریف پر عمل کیا یعنی ہمیشہ قصر پڑھنا۔

اعتراض نمبر ۳ نسائی و دارقطنی اور باہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ خَرَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عُمْرَةٍ رَمَضَانَ فَطَرَّ وَصُمْتُ وَقَصَرْتُ وَأَتَمَمْتُ

وَأَفْطَرْتُ وَصُمْتُ قَالَ أَحْسَنْتِ ي. ا. عَائِشَةُ وَمَاعَابَ عَلَيَّ

”فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ رمضان کے عمرہ میں گئی تو آپ نے روزہ نہ رکھا میں نے رکھا آپ نے نماز قصر پڑھی میں نے پوری پڑھی یعنی اتمام کیا، تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے قصر کیا، میں نے پوری پڑھی، آپ نے افطار کیا، میں نے روزہ رکھا فرمایا اے عائشہ تم نے اچھا کیا مجھ پر اعتراض نہ کیا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر بھی جائز ہے اور اتمام بھی۔

جواب یہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ محض غلط اور بناوٹی ہے، کیونکہ حضور انور ﷺ نے کوئی عمرہ رمضان میں نہ کیا۔ حضور علیہ السلام نے کل چار عمرے کیئے ہیں، جو سب کے سب ذی قعدہ میں تھے، البتہ حجۃ الوداع کے عمرہ کا احرام تو ذی قعدہ میں تھا۔ اور افعال عمرہ ذی الحجۃ میں ادا ہوئے، خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رمضان کے عمرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونا ایسا عجیب اور پیچیدہ مسئلہ ہے جسے وہابی صاحبان ہی حل فرما سکتے ہیں، وہابیو! پہلے اپنے بات عقل کی ترازو میں تولو، بعد کو بولو۔

اعتراض نمبر ۴ مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنَى رَكْعَتَيْنِ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ بَعْدَ أَبِي بَكْرٍ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِنْ خِلَافَتِهِ ثُمَّ أَنَّ عُثْمَانَ صَلَّى بَعْدَ أَرْبَعًا فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا صَلَّى مَعَ الْإِمَامِ صَلَّى أَرْبَعًا وَإِذَا صَلَّى وَحْدَهُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ

”فرماتے ہیں حضور ﷺ نے منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں، ابو بکر صدیق نے ان کے بعد عمر فاروق نے اور عثمان غنی نے اپنی شروع خلافت میں، پھر حضرت عثمان نے چار رکعتیں منیٰ میں پڑھیں، حضرت ابن عمر جب امام کے ساتھ پڑھتے تو چار پڑھتے، جب اکیلے پڑھتے تو دو پڑھتے تھے۔“

اگر سفر میں قصر فرض اور اتمام ناجائز ہوتا، تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ منیٰ شریف میں اتمام کیوں کرتے؟

جواب اس کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بالکل خلاف ہے، آپ نے تو مسافر کو قصر و اتمام کا اختیار دیا ہے، کہ چاہے قصر کرے، چاہے پوری پڑھے، مگر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ نے اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما نے ہمیشہ قصر پڑھی حضرت عثمان غنی نے اپنی شروع خلافت میں جب قصر پڑھی تو

اتمام نہ کیا پھر جب پوری پڑھنے لگے تو کبھی قصر نہ پڑھی اختیار کسی بزرگ نے نہ دیا، آپ کا یہ اختیار کہاں سے ثابت ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صرف منی شریف میں اتمام کیا عام سفروں میں نہیں معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی سفر میں اتمام کے قائل نہ تھے، کسی وجہ خاص سے صرف منی شریف میں اتمام فرماتے تھے۔

تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا منی میں اتمام فرمانا اس لیے نہ تھا کہ آپ قصر و اتمام دونوں جائز مانتے تھے بلکہ اس کی وجہ کچھ اور تھی، کیا وجہ تھی، اس کے متعلق دو روایتیں ہیں امام ابن حنبل نے روایت کی کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منی میں چار رکعت پڑھیں تو لوگوں نے اس کا انکار کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں مکہ معظمہ میں اہل والا ہو گیا ہوں، اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو کوئی کسی شہر میں گھر والا ہو جاوے وہ وہاں مقیم کی نماز پڑھے، چنانچہ مسند امام احمد کی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

أَنَّهُ صَلَّى بِمَنَى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فَأَنكَرَ النَّاسُ عَلَيْهِ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي تَاهَلْتُ بِمَكَّةَ مُنْذُ قَدِمْتُ وَإِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) يَقُولُ (مَرْقَاة. فتح القدیر)

”حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منی شریف میں چار رکعت پڑھیں تو لوگوں نے آپ پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب سے میں مکہ معظمہ میں آیا، میں گھر والا ہو گیا ہوں۔“

اس روایت سے تین مسئلہ معلوم ہوئے، ایک یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صرف منی میں چار رکعتیں پڑھیں، ہر سفر میں نہیں، دوسرے یہ کہ عام صحابہ نے آپ کے اس فعل پر اعتراض کیا، جس سے پتہ لگا کہ تمام صحابہ ہمیشہ سفر میں قصر ہی کرتے تھے، اتمام کبھی نہ کرتے تھے، ورنہ آپ پر اعتراض نہ کرتے، تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مکہ معظمہ آپ کا ایک قسم کا وطن بن گیا، اور اپنے وطن میں اگر کوئی ایک دن کے لیے بھی جائے تو مقیم ہوگا، اور قصر نہ پڑھے گا، پوری نماز پڑھے گا، لہذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ عمل وہابیوں کے اس مسئلہ اختیار سے کوسوں دور ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ زمانہ عثمانی کے نو مسلم لوگوں نے حج میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دو رکعت پڑھتے ہوئے دیکھ کر سمجھا، کہ اسلام میں نمازیں دو دو رکعتیں ہی فرض ہیں جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اس غلط فہمی کا علم ہوا، تو آپ نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے صرف منی میں اتمام کیا یعنی چار رکعتیں پڑھیں، چنانچہ عبدالرزاق اور دارقطنی نے ابن جریج سے روایت کی۔

بَلَّغَنِي أَنَّهُ أَوْفَى أَرْبَعًا بِمَعْنَى فَقَطُّ مِنْ أَجْلِ أَنَّ أَعْرَابِيًّا نَادَاهُ فِي مَسْجِدٍ خَيْفٍ بِمَنَى يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَا زِلْتُ أَصَلِّيَهَا رَكَعَتَيْنِ مُنْذُ بَرَأَيْتُكَ عَامَ الْأَوَّلِ صَلَّيْتُهَا رَكَعَتَيْنِ فَخَشِيَ عُثْمَانُ أَنْ يَظُنَّ جُهَالُ النَّاسِ الصَّلَاةَ رَكَعَتَيْنِ وَإِنَّهَا كَانَتْ أَوْ فَاهَا بِمَنَى

”مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صرف منی میں ہی چار رکعتیں پڑھیں کیونکہ ایک دیہاتی نے مسجد خیف میں آپ کو پکار کر کہا کہ میں تو برابر دو رکعتیں ہی پڑھ رہا ہوں جب سے کہ سال گذشتہ میں نے آپ کو دو رکعتیں پڑھتے دیکھا، تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خطرہ پیدا ہوا، کہ جہلاء نماز کی دو رکعتیں ہی سمجھ لیں گے اس لیے آپ نے منی میں چار رکعتیں پڑھیں۔“

امام احمد اور عبدالرزاق کی یہ دونوں روایتیں اس طرح جمع کی جاسکتی ہیں کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی اس غلط فہمی کا علم ہوا تو آپ نے مکہ معظمہ میں بھی اپنا گھریا بنا لیا تاکہ آپ یہاں آکر مقیم ہوا کریں اور نماز پوری پڑھا کریں۔

لہذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس فعل شریف سے وہابی غیر مقلد کسی طرح دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

اعتراض نمبر ۵ جیسے شریعت نے مسافر کو روزہ کا اختیار دیا ہے کہ روزہ رکھے یا نہ رکھے مسافر پر سفر میں نہ روزہ رکھنا فرض ہے نہ قضا کرنا فرض ہے ایسے ہی چاہیے کہ مسافر کو سفر میں نماز کا اختیار ہو کہ چاہے قصر کرے چاہے پوری پڑھے، اس پر قصر لازم کر دینا روزے کے اختیار کے خلاف ہے۔

جواب شکر ہے کہ آپ بھی قیاس کے قائل ہو گئے، کہ نماز کے قصر کو روزے کی قضاء پر قیاس کرنے لگے، مقلد خفی قیاس کو مانیں تو تمہارے نزدیک مشرک ہو جائیں اور آپ قیاس کریں تو پختہ توحید یے رہیں، افسوس۔

جناب روزہ سفر میں معاف نہیں ہوا، بلکہ مسافر کو روزہ قضا کر دینے کی اجازت ملی ہے اگر سفر میں رکھے تو پورا، اگر قضا کرے تو پورے کی، لیکن فرض نماز سفر میں آدمی معاف ہو گئی ہے کہ چار رکعت والی نماز کی صرف دو رکعت باقی رہ گئیں، باقی دو رکعتیں نہ اب پڑھیے نہ وطن پہنچ کر، معافی اور چیز ہے، تاخیر کی اجازت کچھ اور، لہذا نماز کے قصر کو روزے کی، تاخیر پر قیاس کرنا مع الفارق ہے، مسافر پر روزہ معاف نہ ہوا ورنہ اس کی قضا واجب نہ ہوتی، اس پر

روزہ فرض ہے۔

مگر یہ دو رکعتیں اسے معاف ہیں، اس لیے ان کی قضاء نہیں لہذا یہ رکعتیں اس کے لیے نفل نہیں، اور نفل نماز فرض کے تحریمہ شے ادا ہونا خلاف قاعدہ شرعیہ ہے۔

مسئلہ مسافر پر فرض ہے کہ وطن میں پہنچتے ہی سفر کے رہے ہوئے روزوں کی قضاء شروع کر دے، اگر سفر میں آٹھ روزے قضا ہو گئے پھر وطن پہنچ کر چار دن بعد فوت ہو گیا تو قیامت میں ان چاروں روزوں کی پکڑ ہوگی، باقی چار روزوں کی پکڑ نہیں کہ ان کے قضا کرنے کا وقت ہی نہ پایا، یہ ہی بیمار اور حائضہ عورت کا حکم ہے، کہ شفا پاتے ہی روزوں کی قضاء شروع کر دیں۔

اٹھارہواں باب

نماز فجر اوجیالے میں پڑھو

حنفیوں کے نزدیک بہتر یہ ہے، کہ نماز فجر خوب اور اوجیالے میں پڑھی جاوے، جب سورج طلوع ہونے میں آدھ گھنٹہ باقی ہو، تو جماعت کھڑی ہو، مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک نماز فجر بالکل اول وقت یعنی بہت اندھیرے میں پڑھنا چاہئے، اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں اس کا ثبوت، دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔

نوٹ ضروری خیال رہے کہ مذہب حنفی میں دو نمازوں یعنی نماز مغرب اور موسم سرما کی ظہر کے سوا تمام نمازیں کچھ دیر سے پڑھنا افضل ہیں، نماز مغرب میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ ایسے ہی سردی کے موسم میں نماز ظہر میں، اگر ہم کو اس کتاب کے طویل ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ہر نماز کی تاخیر پر دلائل قائم کرتے، صرف نماز فجر کی تاخیر پر مکمل بحث کرتے ہیں، تاکہ ناظرین غور کریں، کہ مذہب حنفی کتنا بخشنے اور مدلل ہے۔

پہلی فصل

نماز فجر میں اوجیالا باعث ثواب ہے

ہر زمانہ اور ہر موسم میں مستحب یہ ہے، کہ نماز فجر خوب روشنی ہو جانے پر پڑھی جاوے البتہ دسویں ذی الحجہ کو حاجی لوگ مزدلفہ میں فجر اندھیرے میں پڑھیں، اس پر بہت احادیث شاہد ہیں جن میں سے بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱۴۸ ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بخاری، ابن حبان، ابوداؤد طیالسی و طبرانی نے کچھ فرق سے حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْآجِرِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

”وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ نماز فجر خوب اوجیالا کر کے پڑھو، کہ اس کا ثواب زیادہ ہے ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔“
خیال رہے کہ اس حدیث میں اوجیالے کرنے سے مردا خوب اوجیالا کرنا ہے جب کہ روشنی پھیل جاوے، یہ مطلب نہیں کہ فجر یقیناً ہو جاوے کیونکہ اس کے بغیر تو نماز ہوتی ہی نہیں جس اوجیالے سے ثواب زیادہ ہوتا ہے وہ یہی روشنی ہے جو ہم نے عرض کی۔
حدیث نمبر ۹، ۱۰ بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَوةً بَغَيْرِ وَقْتِهَا إِلَّا بِجَمْعٍ وَيُصَلِّيُ صَلَوةَ الصُّبْحِ مِنَ الْغَدِ قَبْلَ وَقْتِهَا

”میں نے حضور ﷺ کو کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز غیر وقت میں پڑھی ہو سوا مزدلفہ کے کہ وہاں حضور ﷺ نے مغرب و عشاء جمع فرمائی اور اس کی صبح نماز فجر اپنے وقت سے پہلے پڑھی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ ہمیشہ فجر خوب روشنی میں پڑھتے تھے، مگر مزدلفہ میں دسویں ذوالحجہ کو اندھیرے میں یعنی وقت معقود سے پہلے اگر حضور ﷺ ہمیشہ ہی اول وقت فجر پڑھتے ہوتے تو مزدلفہ میں پہلے پڑھنے کے کیا معنی، کیونکہ اس سے پہلے تو فجر کا وقت ہوتا ہی نہیں۔
خیال رہے کہ مزدلفہ میں کوئی نماز اپنے وقت سے پہلے نہیں ہوتی، ہاں نماز مغرب و عشاء کے وقت میں ادا ہوتی ہے، اور نماز فجر اپنے وقت میں اس پر ساری امت کا اتفاق ہے۔ اور اس حدیث کے یہ معنی نہیں کہ حضور نے نماز فجر وقت سے پہلے یعنی رات میں پڑھی بلکہ روزانہ کے وقت معبود سے پہلے پڑھی اس معنی پر حدیث بالکل واضح ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۹ ابوداؤد۔ طیالسی، ابن ابی شیبہ، اسحاق ابن رواہویہ، طبرانی نے معجم میں حضرت رافع ابن خدیج سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبَلَالٍ يَا بَلَالُ نَوِزْ بِصَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى يُبْصِعَ الْقَوْمُ مَوَاصِعَ نَبْلِهِمْ مِنَ الْإِسْفَارِ

”فرماتے ہیں کہ حکم دیا حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا اے بلال نماز صبح میں اوجیالے کر لیا کرو، یہاں تک کہ لوگ اوجیالے کی وجہ

سے اپنے پھینکے ہوئے تیر گرنے کی جگہ دیکھ لیا کریں۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ نے نماز فجر ایسے وقت پڑھنے کا حکم دیا جبکہ تیز انداز اپنے تیر گرنے کی جگہ کا مشاہدہ کر سکے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب خوب روشنی پھیل جاوے۔

حدیث نمبر ۱۵ ویلی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَوَّرَ بِالْفَجْرِ نَوَّرَ اللَّهُ فِي قَبْرِهِ وَقِيلَ فَيَقِ صَلَاتِهِ
 ”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے جو نماز فجر روشنی میں پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی قبر اور اس کے دل میں روشنی کرے ایک روایت میں ہے کہ اس کی نماز میں روشنی کرے۔“

حدیث نمبر ۱۶، ۱۷ طبرانی نے اوسط میں اور بزار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ أُمْتِي عَلَى الْفِطْرَةِ مَا أَسْفَرُ بِصَلَاةِ الْفَجْرِ
 ”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے میری امت دین فطرت پر رہے گی جب تک کہ نماز فجر اوجیا لے میں پڑھے۔“

حدیث نمبر ۱۸، ۱۹، ۲۰ طحاوی۔ بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے تھوڑے فرق سے حضرت یسار ابن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ دَخَلْتُ مَعَ أَبِي عَلِيٍّ ابْنِ أَبِي بَرْزَةَ يَسْتَلُّ لَهُ أَبِي عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يُنْصَرِّدُ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَالرَّجُلُ يَعْرِفُ وَجْهَ جَلِيسِهِ وَكَانَ يَقْرَأُ فِيهَا بِالسِّتِينَ إِلَى الْمِائَةِ
 ”میں اپنے والد کے ساتھ حضرت ابو بزرہ صحابی کے پاس گیا، میرے والد ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز متعلق پوچھتے تے تو انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ نماز صبح سے اس وقت فارغ ہوتے تھے جب ہر شخص اپنے ساتھی کا چہرہ پہچان لیتا تھا حالانکہ حضور انور ﷺ ساٹھ سے سو آیتوں تک پڑھتے تھے۔“

حدیث نمبر ۲۱ طحاوی شریف نے حضرت عبدالرحمن ابن یزید سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا نَصَلِّي مَعَ ابْنِ مَسْعُودٍ فَكَانَ يُسْفِرُ بِصَلَاةِ الصُّبْحِ
 ”فرماتے ہیں کہ ہم عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھتے تھے آپ خوب اوجیا لے میں نماز پڑھتے تھے۔“
حدیث نمبر ۲۲ یحییٰ نے سنن کبریٰ میں ابو عثمان مہدی سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ الْفَجْرَ فَمَا سَلَّمَ حَتَّى ظَنَّ الرِّجَالُ ذُوَ وَالْعُقُولُ أَنَّ الشَّمْسَ طَلَعَتْ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالُوا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ كَاوَتْ الشَّمْسُ، تَطْلُعُ قَالَ فَتَكَلَّمْتُ شَيْءٌ لَمْ أَفْهَمْهُ، فَقُلْتُ أَيْ شَيْءٌ قَالَ قَالُوا لَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ لَمْ تَجِدْنَا غَافِلِينَ

”فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کے پیچھے نماز فجر پڑھی، تو آپ نے نہ سلام پھیرا یہاں تک کہ عقل والے لوگوں نے سمجھا کہ سورج نکل آیا جب آپ نے سلام پھیرا تو لوگوں نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین سورج نکلنے ہی والا ہے، آپ نے کچھ فرمایا جو میں نہ سمجھ سکا میں نے لوگوں سے پوچھا کہ حضرت عمر نے کیا فرمایا لوگوں نے بتایا کہ یہ فرمایا اگر سورج نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔“

حدیث نمبر ۲۳ یحییٰ نے سنن کبریٰ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّى بِنَا ابْنِ أَبِي بَكْرٍ صَلَاةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ آلَ عِمْرَانَ فَقَالُوا كَاذَبَتِ الشَّمْسُ تَطْلُعُ قَالَ لَوْ طَلَعَتْ لَمْ تَجِدْنَا غَافِلِينَ
 ”فرماتے ہیں کہ ہم کو ابو بکر صدیق نے نماز فجر پڑھائی اس میں سورہ آل عمران پڑھی لوگوں نے کہا کہ سورج نکلنے کے قریب ہے، آپ نے فرمایا کہ اگر نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔“

حدیث نمبر ۲۴، ۲۵ طحاوی اور ملا خسر محدث نے اپنی مسند میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ مَا اجْتَمَعَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ كَاجْتِمَاعِهِمْ عَلَى التَّوْبَةِ فِي الْفَجْرِ وَالْعَصْرِ فِي الْمَغْرِبِ قَالَ الطَّحَاوِيُّ لَا يَصِحُّ أَنْ يَجْتَمِعُوا عَلَى خِلَافِ مَا كَانَ عَلَيْهِ رَسُولُ

اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

”فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے صحابہ کسی مسئلہ پر ایسے متفق نہ ہوئے جیسے نماز فجر کی روشنی اور نماز مغرب کی جلدی پر متفق ہوئے امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کے خلاف عمل پر متفق ہو جاویں۔“

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق خوب اوجیلائے میں نماز فجر پڑھتے تھے، حتیٰ کہ لوگوں کو سورج نکل آنے کا شبہ ہو جاتا تھا اور صحابہ کرام کا متفقہ عمل اس پر تھا، کہ نماز فجر خوب روشنی میں پڑھی جاوے۔

حدیث نمبر ۲۹ طحاوی شریف نے حضرت علی ابن ربیعہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ يَا قَنْبَرُ اسْفِرْ اسْفِرْ

”فرماتے ہیں میں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرماتے تھے اے قنبر اوجیلا کرو اور اوجیلا کرو۔“

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خوب اوجیلائے میں نماز فجر پڑھتے تھے جیسا کہ **اسْفِرْ** دوبار فرمانے سے معلوم ہوتا ہے۔

ہم نے یہاں یہ انتیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں، اگر زیادہ تحقیقی مقصود ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماؤ، بہر حال پتہ لگا کہ اوجیلائے میں فجر پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ سنت صحابہ کرام کا اتفاق عمل ہے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ فجر کی نماز اوجیلائے میں پڑھی جاوے چند وجہ سے ایک یہ کہ فجر کے لغوی معنی ہیں اوجیلا اور روشنی، لہذا نماز فجر اوجیلائے میں پڑھنے سے کام نام کے مطابق ہوگا اور اندھیرے میں پڑھنا، نام کے مخالف ہے۔

دوسرے یہ کہ اوجیلائے میں نماز پڑھنا زیادتی جماعت کا ذریعہ ہے، کیونکہ اکثر مسلمان صبح کو دیر سے اٹھتے ہیں اگر جلدی بھی انھیں تو اس وقت استنجاء بعض کو غسل وضو کرنا، سنتیں پڑھنا ہوتا ہے بعض لوگ اس وقت سنتوں کے بعد استغفار اور کچھ اعمال اذکار کرتے ہیں اڈل وقت فجر کی جماعت کر لینے میں بہت سے لوگ جماعت سے یا تکبیر اوٹی سے رہ جاتے ہیں اوجیلائے میں پڑھنے سے تمام نمازی بخوبی جماعت کی تکبیر اوٹی میں شرکت کر سکتے ہیں دیکھو نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ کو دراز قرأت سے اس لیے منع فرما دیا تھا کہ ان کے مقتدیوں پر بار ہوتی تھی، جس چیز سے جماعت گھٹ جاوے اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے جو جماعت کی زیادتی کا سبب ہو، وہ بہتر ہے اندھیرا جماعت کی کمی کا سبب ہے اسفار جماعت کی زیادتی اور مسلمانوں کی آسانی کا ذریعہ لہذا اسفار بہتر ہے۔

تیسرے یہ کہ اندھیرے میں مسلمانوں کو مسجد میں آنا دشوار ہوگا۔ اوجیلائے میں آسان چنانچہ حضرت عمر کو جب اندھیرے میں صین نماز کی حالت میں شہید کیا گیا تو صحابہ نے فجر میں بہت اوجیلا کرنے کا اہتمام کیا، دیکھو طحاوی شریف صحیح البہاری اور ابن ماجہ وغیرہ۔

چوتھے یہ کہ نماز فجر کو چند امور میں نماز مغرب سے مناسبت ہے، مغرب رات کی پہلی نماز ہے فجر کے دن کی پہلی نماز، مغرب کا روبر بار بند ہونے کا وقت ہے، فجر کا روبر بار کھلنے کا وقت مغرب نیند کا فجر بیداری کا پیش خیمہ ہے، ہمیشہ وقت فجر وقت مغرب کے برابر ہوتا ہے یعنی جس زمانہ میں جتنا وقت مغرب کا ہوگا اتنا ہی فجر کا جب نماز فجر نماز مغرب کے مناسب ہوئی، تو جیسے نماز مغرب اوجیلائے میں پڑھنا افضل ہے، ایسے ہی نماز فجر اوجیلائے میں پڑھنا بہتر ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب

تاخیر فجر پر اب تک وہابیوں غیر مقلدوں کی طرف سے جس قدر اعتراضات ہم کو معلوم ہو سکے، وہ ہم تفصیل وار مع جواب عرض کرتے ہیں، اگر بعد میں اور کوئی اعتراض معلوم ہوا تو ان شاء اللہ تیسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱ ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرُهَا الصَّلَاةُ إِذَا آتَتْ وَالْجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ وَالْأَيِّمُ إِذَا وَجَدَتْ لَهَا كُفُوًا

”کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا اے علی تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ، نماز جب اس کا وقت آ جاوے، جنازہ جب حاضر ہو، لڑکی کا نکاح جب اس کے لیے کفول جاوے۔“

نیز اسی ترمذی میں سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُقْتُ الْأَوَّلُ مِنَ الصَّلَاةِ رِضْوَانُ اللَّهِ وَالْوُقْتُ الْآخِرُ عَفْوُ اللَّهِ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا حضور ﷺ نے کہ نماز کا اول وقت رب کی رضا و خوشنودی ہے اور نماز کا آخر وقت اللہ تعالیٰ کی معافی ہے۔“

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ہر نماز اول وقت پڑھنی چاہیے، خفی لوگ فجر دیر میں پڑھ کر رب تعالیٰ کی رضا مندی سے محروم ہیں۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث ہمارے بھی خلاف ہے، کیونکہ تم بھی نماز عشاء اور گرمیوں کی ظہر میں تاخیر مستحب و بہتر جانتے ہو تم بھی خدا کی خوشنودی سے محروم ہو جو تمہارا جواب ہے، وہ ہی ہمارا۔

دوسرے یہ کہ ان حدیثوں میں اول وقت سے وقت مستحب کا اول مراد ہے نہ کہ مطلق وقت کا اول یعنی جب نماز کا مستحب وقت شروع ہو جاوے تب دیر نہ لگاؤ۔ نماز فجر میں روشنی ہی اول وقت ہے جیسے نماز عشاء کے لیے تہائی رات اول وقت ہے۔

اعتراض نمبر ۲ مسلم بخاری اور تمام محدثین نے روایت کی کہ حضور ﷺ ہمیشہ نماز فجر غلّس یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے، لہذا خفیوں کا دیر سے فجر پڑھنا سنت کے خلاف ہے۔

جواب اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں، ایک یہ کہ غلّس کے معنی ہیں، اندھیرا خواہ وقت کے اعتبار سے اندھیرا ہو یا مسجد کا اندھیرا ہو یا مسجد کا اندھیرا حضور ﷺ نماز فجر روشنی میں ہی پڑھتے تھے۔ مگر مسجد میں اندھیرا ہوتا تھا، کیونکہ مسجد نبوی شریف ﷺ بہت گہری بنی ہوئی تھی، چھت میں روشندان وغیرہ نہ تھے، اب بھی اگر مسجد میں روشندان نہ ہوں تو اندر بہت اندھیرا ہے کیونکہ بہت گہری بنی ہوئی ہے محض دور ہے، اس صورت میں یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے۔

دوسرے یہ کہ اگر غلّس سے صبح کا اندھیرا ہی مراد ہو تو یہ حضور ﷺ کا فعل شریف ہے۔ اور قول شریف وہ ہے، جو ہم پہلی فصل میں بتا چکے ہیں، یعنی حضور ﷺ نے اندھیرے میں فجر پڑھی مگر ہم کو اوجیالے میں پڑھنے کا حکم دیا، اور جب حدیث قولی و فعلی میں تعارض معلوم ہو تو حدیث قولی کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ فعلی حدیث میں خصوصیت کا احتمال ہے دیکھو سرکار ﷺ نے خود نو بیویاں نکاح میں رکھیں مگر ہم کو چار بیویوں کی اجازت دی۔ ہم حکم پر عمل کر کے صرف چار بیویاں رکھ سکتے ہیں، آپ کے فعل پر عمل نہ کریں گے یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیے، کہ قول عمل پر راجح ہے۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے کہ عام صحابہ کرام اوجیالے میں فجر پڑھتے تھے حالانکہ انہوں نے حضور ﷺ کا یہ عمل شریف دیکھا تھا، معلوم ہوا کہ حدیث قولی کو ترجیح دے کر اس پر عمل کرتے تھے، دوسری حدیث کو لائق عمل نہ سمجھتے تھے۔

چوتھے یہ کہ نماز فجر کا اندھیرے میں ہونا قیاس شرعی کے خلاف ہے، اوجیالے میں ہونا قیاس کے مطابق لہذا اوجیالے والی حدیث کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو اس حدیث کو ترجیح ہوتی ہے جو مطابق قیاس ہو۔

دیکھو ایک حدیث میں ہے۔ **الْوُضُوءُ مِمَّا مَسَّتُهُ النَّارُ** آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو واجب ہوتا ہے، دوسری حدیث میں ہے کہ حضور نے کھانا کھا کر نماز پڑھ لی وضو نہ کیا، پہلی حدیث خلاف قیاس ہے، دوسری مطابق قیاس لہذا دوسری حدیث کو ترجیح ہوئی پہلی حدیث کی تاویل کی گئی کہ وہاں وضو سے مراد کھانا کھا کر ہاتھ دھونا، کلی کرنا ہے، ایسے ہی یہاں تاویل کی جاوے کہ غلّس سے مراد مسجد کا اندھیرا ہے، نہ کہ وقت کا بہر حال ترجیح روشنی کی حدیث کو ہے۔

ہمارا اعلان ہے کہ کوئی وہابی صاحب ایسی مرفوع حدیث پیش کریں جس میں فجر اندھیرے میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو، جیسے ہم نے اوجیالے میں فجر پڑھنے کی ایک دو نہیں، بہت احادیث پیش کر دیں، جن میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

پانچویں یہ کہ اندھیرے کی تمام احادیث بیان جواز کے لیے ہیں اور اوجیالے کی تمام احادیث بیان استحباب کے لیے، لہذا دونوں حدیثیں موافق ہیں، مخالف نہیں، یعنی اندھیرے میں فجر پڑھنا جائز ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے اس پر عمل فرمایا اور اوجیالے میں فجر پڑھنا مستحب ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے اس کا حکم دیا۔

اعتراض نمبر ۳ مسلم و بخاری نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّفَاتٍ بِمُرُؤَاتِهِنَّ مَا يُعْرِفْنَ مِنَ الْغُلَسِ

”فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نماز صبح سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے کہ عورتیں اپنی چادروں میں لپی ہوئی مسجد سے واپس ہوتیں اور اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔“

معلوم ہوا کہ نماز فجر اتنی جلدی شروع کرنا سنت ہے کہ جب ساٹھ یا سو آیتیں پڑھ کر نماز سے فارغ ہو، تو کوئی نمازی اندھیرے کی وجہ سے پہچانا نہ جا

سکے، خفی اتنا اوجیلا کر کے فجر پڑھتے ہیں، کہ شروع نماز کے وقت ہی لوگ پہچانے جاتے ہیں، ان کا یہ عمل سنت کے خلاف ہے۔

جواب اس کے جوابات اعتراض ۲ کے جواب میں گذر چکے کہ یا تو یہ مسجد کا اندھیرا ہوتا تھا نہ کہ وقت کا، یا اس عمل شریف پر حضور علیہ السلام کے فرمان اور حکم کو ترجیح ہے، وغیرہ، یہاں ایک جواب اور بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ شریف میں عورتوں کو جماعت نماز میں حاضری کا حکم تھا، ان کے لحاظ سے نماز فجر جلدی پڑھی جاتی تھی، کہ وہ بیویاں پردہ سے گھر چلی جاویں، پھر عہد فاروقی میں عورتوں کو مسجد سے روک دیا گیا، تو یہ رعایت بھی ختم ہو گئی، عورتوں کو جماعت سے روکنے کی پوری تحقیق اور اس کی وجہ ہماری کتاب اسلامی زندگی میں ملاحظہ کرو۔

اعتراض نمبر ۴ ترمذی شریف نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ مَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَوةً لَوْ قُتِلَ فِيهَا الْآخِرُ مَرَّتَيْنِ حَتَّى قَبِضَهُ اللَّهُ

”فرماتی ہیں کہ حضور انور ﷺ نے دو دفعہ بھی کوئی نماز آخر وقت میں نہ پڑھی یہاں تک کہ رب نے آپ کو وفات دی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ تمام نمازیں خصوصاً نماز فجر اوّل وقت پڑھنا حضور ﷺ کی دائمی سنت ہے، یہ حکم منسوخ نہ ہوا، حضور علیہ السلام نے آخر حیات شریف تک اس پر عمل کیا افسوس کہ خفی ایسی دائمی سنت سے محروم ہیں، جو حضور علیہ السلام نے ہمیشہ کی۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح بھی نہیں، اور اس کی اسناد متصل بھی نہیں کیونکہ اس حدیث کو اسحاق ابن عمر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا، اور اسحاق ابن عمر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کبھی ملاقات نہ کی، لہذا درمیان میں راوی رہ گیا ہے۔ اس لیے امام ترمذی نے اس حدیث کے ساتھ فرمایا۔

قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ

”ابو عیسیٰ نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد متصل نہیں۔“

اس کے حاشیہ میں ہے۔

لَاَنَّهُ لَمْ يَفُتْ مُلَاقَاةً اِسْحَقَ مَعَ عَائِشَةَ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

”کیونکہ اسحاق کی ملاقات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے ثابت نہ ہوئی۔“

لہذا یہ حدیث قابل عمل نہیں، افسوس ہے کہ وہابی ہم سے تو بالکل صحیح اور نکالی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں، اور خود ایسی ضعیف اور ناقابل عمل حدیثیں پیش کر دینے میں تامل نہیں کرتے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث بہت احادیث کے خلاف ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے بہت دفعہ نمازیں آخر وقت پڑھی ہیں۔ جب حضرت جبریل نماز کے اوقات عرض کرنے آئے، تو انہوں نے دو دن حضور ﷺ کو نمازیں پڑھائیں، پہلے دن تمام نمازیں اوّل وقت میں، دوسرے دن آخر وقت میں ایک دفعہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے نماز کے اوقات پوچھے تو آپ نے اسے دو دن اپنے پاس ٹھرایا، ایک دن نمازیں اوّل وقت میں پڑھائیں دوسرے دن آخر وقت، تفریس کی رات میں حضور ﷺ نے فجر کی نماز قضا پڑھی، غزوہ خندق میں حضور علیہ السلام نے کئی نمازیں قضا کر کے پڑھیں، عام طور پر سفر میں حضور ﷺ نماز ظہر آخر وقت اور عصر اوّل وقت پڑھتے تھے، ایسے ہی مغرب آخر وقت عشاء اوّل وقت پڑھتے تھے۔ ایک حضور ﷺ نماز فجر کے لیے بالکل آخر وقت تشریف لائے، اور بہت جلد فجر پڑھائی، بعد میں فرمایا کہ آج ہم ایک خواب دیکھ رہے تھے کہ رب تعالیٰ نے اپنا دست قدرت ہمارے سینہ اقدس پر رکھا۔ (مشکوٰۃ باب المساجد)

غرضیکہ حضور علیہ السلام نے بارہا نمازیں آخر وقت میں پڑھیں اور اس حدیث میں ہے کہ آپ نے کوئی نماز آخر وقت میں دو بار بھی نہ پڑھی لہذا یہ روایت ناقابل عمل ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے پھر تم عشاء آ کر وقت یعنی تہائی رات گئے پڑھنا مستحب کیوں کہتے ہو اور گرمیوں میں ظہر آخر وقت میں مستحب کیوں۔

اعتراض نمبر ۵ تم نے جو حدیث پیش کی تھی کہ فجر کو اوجیلا لے میں پڑھو، اس میں اوجیلا لے سے مراد صبح صادق کی وہ روشنی ہے جس سے وقت فجر آ جانا، یقینی ہو جاوے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز فجر شک کی حالت میں نہ پڑھو، بلکہ یقین ہو جاوے کہ وقت ہو گیا، تب پڑھو، وہاں اسفار سے وہ روشنی مراد نہیں جو خفیوں نے کبھی یعنی خوب اوجیلا بہت سے محدثین نے اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا۔

جواب ہرگز نہیں کیونکہ اتنا اوجیلا کرنا تو فرض ہے، شک کی حالت میں نماز فجر پڑھنا جائز ہی نہیں، اور یہاں فرمایا گیا کہ اس اوجیلا لے کا ثواب زیادہ ہے یعنی یہ اوجیلا مستحب ہے نہ کہ فرض، لہذا اس اوجیلا لے سے مراد وہی روشنی صبح ہے جس میں فجر پڑھنا مستحب ہے اور جو ہم نے معنی کیئے وہ

یہی درست ہیں حدیث سمجھنے کے لیے تفقہ ضروری ہے۔

انیسواں باب

ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو

وقت ظہر سورج ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے نصف النہار کے سایہ کے علاوہ دو گنا ہو جاوے، سردیوں میں نماز ظہر جلدی پڑھنا اور گرمیوں میں کچھ دیرس پڑھنا، کہ دوپہر کی تیزی جاتی رہے کچھ ٹھنڈک ہو جاوے سنت ہے مگر غیر مقلد وہابی نماز ظہر چلچلاتی دوپہر میں پڑھ لیتے ہیں اور ایک مثل سایہ کے بعد عصر پڑھ لیتے ہیں، طرح طرح خفیوں کو بہکاتے ہیں کہ تمہارا مذہب حدیث کے خلاف ہے اس لیے اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں، پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات، خفیوں کو چاہیے کہ اپنے دلائل اور وہابیوں کے جوابات یاد رکھیں۔

پہلی فصل

ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو

سردیوں میں چونکہ دوپہر ٹھنڈی ہوتی ہے لہذا اس زمانہ میں سورج ڈھلتے ہی ظہر پڑھنی سنت ہے لیکن گرمیوں میں دیر سے پڑھنی سنت جبکہ ٹھنڈک ہو جاوے اور دوپہر کا جوش کم ہو جاوے، دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱۵۴۱ بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ "حَسَنٌ صَحِيحٌ"

”فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب گرمی تیز ہو تو نماز ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو، ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“

حدیث نمبر ۱۵۴۶ ابوداؤد طیالسی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسلم بخاری نسائی بیہقی نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے کچھ اختلاف کے ساتھ روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شِدَّةُ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَأَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ وَاشْتَكَّتِ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا فَقَالَ رَبِّ أَكَلُ بَعْضِي بَعْضًا فَإِذَنْ لَهَا بِنَفْسَيْنِ نَفْسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفْسٍ فِي الصَّيْفِ النَّحْ

”فرمایا نبی ﷺ نے گرمی کی تیزی دوزخ کی بھڑک سے ہے، لہذا ظہر ٹھنڈی کرو آگ نے رب کی بارگاہ میں شکایت کی عرض کیا کہ مولا میرے بعض نے بعض کو کھا ڈالا تو رب نے اس دو سانسوں کی اجازت دی ایک سانس سردی میں ایک سانس گرمی میں۔“

حدیث نمبر ۱۱ نسائی شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَلَ

”فرماتے ہیں کہ جب گرمی زیادہ ہوتی تھی تو حضور ﷺ ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھتے تھے اور جب سردی ہوتی تھی تو جلد پڑھ لیتے تھے۔“

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گرمیوں میں ظہر جلد پڑھنا سنت کے خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۱۹۴۱۲ بخاری۔ ابوداؤد۔ ابن ابی شیبہ، ترمذی، ابوداؤد طیالسی، طحاوی، ابوعوانہ بیہقی نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ يُؤَذِّنَ لِلظُّهْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْرِدْ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ أَبْرِدْ حَتَّى رَأَيْنَا فِيهِ التَّلَّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ شِدَّةَ

الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدْتُمْ بِالصَّلَاةِ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ "حَسَنٌ صَحِيحٌ"

”فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے، مؤذن نے ظہر کی اذان دینی چاہی تو حضور ﷺ نے فرمایا ٹھنڈا کرو، پھر انہوں نے اذان کا قصد کیا تو فرمایا ٹھنڈا کرو یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا تو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گرمی کی تیزی دوزخ کی بھڑک سے ہے، پس جب گرمی تیز ہو تو نماز ٹھنڈی کیا کرو، ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر غیر مقلد وہابیوں کے بعض اعتراضات تو وہ ہیں جن کے جوابات ہم اس سے پہلے باب میں دے چکے ہیں، جیسے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ نماز اول وقت میں پڑھنا افضل ہے یا جیسے تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ۔ نماز، توبہ، لڑکی کا نکاح بعض اعتراضات ان کے علاوہ ہیں، ہم وہ اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں، رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱ ابو داؤد۔ ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے ایک دراز حدیث روایت کی جس میں ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل نے مجھے دو نماز پڑھائی ایک دن ہر نماز اول وقت پڑھی دوسرے دن ہر نماز آخر وقت میں اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

وَصَلَّى بِي الْعَصْرَ حِينَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ

”حضرت جبریل نے مجھے پہلے دن عصر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کا وقت ایک مثل سایہ پر شروع ہو جاتا ہے اور ظہر کا وقت اس سے پہلے نکل جاتا ہے۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اسی حدیث میں ایک جگہ یہ بھی ہے

فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ صَلَّى بِي الظُّهْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ

”جب دوسرا دن ہوا تو مجھے حضرت جبریل نے نماز ظہر پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا۔“

فرمائیے پہلے دن ایک سایہ پر نماز عصر پڑھائی اور دوسرے دن خاص اس ہی وقت نماز ظہر پڑھائی، حالانکہ وقت عصر، ظہر کا وقت نکل جانے کے بعد شروع ہوتا ہے اگر ایک مثل سایہ پر وقت عصر داخل ہو جاتا ہے تو دوسرے دن اسی وقت نماز ظہر کیوں پڑھائی گئی، دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اسی جگہ یہ الفاظ ہیں۔

وَصَلَّى بِي الْعَصْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلِيهِ ”اور دوسرے دن مجھے نماز عصر جب پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عصر کا آخری وقت دو مثل سایہ ہے حالانکہ آخری وقت سورج کا غروب ہے۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث میں اول دن کی نماز عصر میں صرف ایک مثل سایہ کا ذکر ہے اور دوسرے دن کے آخر عصر میں دو مثل سایہ کا ذکر ہے اصل سایہ کے علاوہ ہونا چاہیے تو تمہارا جواب ہے، وہ ہمارا۔ چوتھے یہ کہ اس حدیث میں تو یہ ہے کہ حضور کو ایک مثل سایہ پر نماز عصر پڑھادی گئی اور جو حدیثیں ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں ان میں ذکر ہے کہ حضور ﷺ نے گرمی میں نماز ظہر ٹھنڈی کر کے اور ٹیلے کا سایہ پڑ جانے پر ادا فرمائی جو ایک مثل کے بعد ہوتا ہے تو حدیثیں آپس میں متعارض ہوئیں لہذا ہماری پیش کردہ حدیثوں کو ترجیح ہوگی کیونکہ وہ قیاس شرعی کے مطابق ہیں اور یہ حدیث قابل عمل نہیں کیونکہ قیاس شرعی کے خلاف ہے تعارض کے وقت حدیث کو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔

پانچویں یہ کہ حضرت جبریل کا یہ عمل پہلے واقع ہوا کیونکہ شب معراج کی صبح کو ہوا جب کہ نماز فرض ہی ہوئی تھی اور حضور ﷺ کا عمل جو ہم ثابت کر چکے ہیں یعنی ٹھنڈک میں نماز پڑھنا بعد کا عمل ہے لہذا تمہاری پیش کردہ حدیث منسوخ ہے ہماری پیش کردہ احادیث اس کی ناسخ اس لیے یہ حدیث قابل عمل نہیں۔

چھٹے یہ کہ شرعی قاعدہ ہے کہ یقینی چیز شک سے زائل نہیں ہو سکتی یقین کو یقین ہی دفعہ کر سکتا ہے اس قاعدہ پر صد ہا مسائل نکالے گئے ہیں، سورج ڈھلنے سے وقت ظہر یقیناً آگیا اور ایک مثل سایہ پر اس وقت کا ٹکنا مشکوک ہے، تو اس شک سے وقت ظہر نہ نکلے گا اور وقت عصر داخل نہ ہوگا دو مثل پر ظہر کا نکل جانا یقینی ہے لہذا یہی حکم قابل عمل ہے نہ کہ تمہارا قول۔

اعتراض نمبر ۲ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ نماز ظہر اتنی جلدی پڑھتے تھے کہ فرش بہت گرم ہوتا تھا ہم اس پر بجدہ نہ کر سکتے تھے اسی لیے سجدے کی جگہ کپڑا یا ٹھنڈی بجری رکھتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ نماز ظہر گرمیوں میں بھی اول وقت ہی پڑھنی چاہیے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک ہی کہ یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جن میں گرمیوں کی ظہر کی تاخیر کرنے ٹھنڈی کرنے کا حکم ہے، اور وہ حدیثیں قیاس شرعی کے مطابق لہذا وہ ہی قابل عمل ہیں یہ حدیث ناقابل عمل یا منسوخ ہے۔

دوسرے یہ کہ فرش کی گرمی خصوصاً ملک عرب میں بہت دیر تک یعنی ایک مثل سایہ کے بعد تک رہتی ہے، یہ گرمی پہلے کی ہوتی تھی وقت ٹھنڈا ہو چکا تھا لہذا یہ حدیث ان احادیث کے بالکل خلاف نہیں جن میں ٹھنڈک کا حکم ہے، جہاں تک ہو سکے احادیث میں مطابقت کی جاوے۔

اعتراض نمبر ۳ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ عصر اتنی جلدی پڑھتے تھے کہ بعد نماز عصر اونٹ ذبح کر کے بوٹیاں بنا کر بھون کر آفتاب ڈوبنے سے پہلے کھا لیتے تھے اور ہم میں سے بعض لوگ نماز عصر کے بعد تین میل مسافت طے کر کے اپنے گھر پہنچ جاتے تھے اور ابھی سورج چمکتا ہوتا تھا جیسا کہ مسلم شریف وغیرہ میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ عصر کی نماز دو مثل سے پہلے پڑھی جاتی تھی کیونکہ دو مثل کے بعد اتنا وقت نہیں بچتا کہ یہ کام کیئے جاویں۔ (عام دہانی)

جواب یہ تمام حدیثیں درست ہیں مگر آپ کا یہ مذکورہ نتیجہ نکالنا غلط۔ دو مثل کے بعد عصر پڑھ کر تین میل فاصلہ بخوبی طے ہو سکتا ہے اہل عرب بہت تیز رفتار ہیں ہمارے ہاں بھی بعض لوگ دس منٹ میں ایک میل چل لیتے ہیں تین میل آدھ گھنٹے میں چلے جاتے ہیں، عصر کا وقت بعض زمانہ میں دو گھنٹہ سے بھی زیادہ ہوتا ہے ایسے ہی اونٹ کا ذبح کر لینا اور بھون کر کھا لینا غروب آفتاب سے پہلے ہو سکتا ہے اہل عرب ذبح اور گوشت صاف کرنے پکانے میں بہت ہی پھرتیلے ہوتے ہیں جیسا کہ تجربہ ہے۔

اعتراض نمبر ۴ مسلم بخاری میں حضرت اہل ابن سعد سے روایت ہے۔

قَالَ مَا كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَعَذَّى إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ ”ہم صحابہ نہیں قیلولہ کرتے تھے، نہ ناشتہ کھاتے تھے مگر جمعہ کے بعد۔“

اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز سخت گرمی میں بہت جلد پڑھنی چاہیئے کہ دوپہر کا آراں بلکہ صبح کا ناشتہ بھی بعد نماز کا جاوے، پھر تم کیسے کہتے ہو کہ گرمیوں میں جمعہ ٹھنڈا کر کے پڑھو۔

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث ظاہری معنی سے تمہارے خلاف ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ نماز جمعہ ناشتہ اور قیلولہ یعنی دوپہر کے آرام سے پہلے پڑھی جاوے تو چاہیئے کہ فجر کے بعد فوراً جمعہ پڑھ لیا جاوے کیونکہ ناشتہ تو بالکل سویرے ہوتا ہے تم بھی اتنی جلدی جمعہ پڑھ لینے کے قائل نہیں۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہم جمعہ کے دن جمعہ کی تیاری کی وجہ سے نماز سے پہلے نہ ناشتہ کرتے تھے نہ دوپہر کا آرام بعد نماز یہ سب کچھ کرتے تھے یعنی نماز کی وجہ سے ناشتہ اور آرام پیچھے کر دیتے تھے، نہ کرنا ناشتہ اور آرام کی وجہ سے جمعہ پہلے پڑھ لیتے تھے جیسا کہ تم سمجھتے۔ تیسرے یہ کہ اس حدیث میں سردیوں کے جمعہ کا ذکر ہے کہ اس زمانہ میں دن چھوٹا ہوتا ہے دوپہر میں گرمی نہیں ہوتی اس لیے سورج ڈھلتے ہی جمعہ پڑھ لیتے تھے دوپہر کھانا اور آرام بعد جمعہ کرتے تھے اب بھی مدینہ والے ایسا ہی کرتے ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ

”حضور ﷺ آفتاب ڈھلنے کے بعد جمعہ پڑھتے تھے۔“

لہذا اس مذکورہ حدیث کے معنی یہ نہیں کہ نماز جمعہ سورج ڈھلنے سے پہلے پڑھ لی جاتی تھی چونکہ نماز جمعہ نماز ظہر کی نائب ہے لہذا ظہر کے وقت میں ہی ادا ہوگی اور گرمیوں میں ٹھنڈک کر کے سردیوں میں سورج ڈھلتے ہی پڑھی جاوے گی ظہر کی طرح اب احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔

بیسواں باب

آذان و تکبیر کے الفاظ

شریعت میں آذان و اقامت کے (تکبیر) الفاظ اور احکام تقریباً یکساں ہیں جو الفاظ آذان کے ہیں وہ ہی تکبیر کے صرف حی علی الفلاح کے بعد قدامت الصلوٰۃ دو بار زیادہ ترجیح نہ آذان میں ہے نہ اقامت میں آذان کے کل پندرہ کلمے ہیں، اور اقامت کے سترہ کلمے جیسا کہ عام طور پر مسلمانوں میں رائج ہے۔ مگر غیر مقلد وہابیوں کی آذان بھی اس آذان سے علیحدہ ہے اور اقامت بھی اس اقامت کے سوا ہے، وہ آذان کی دونوں شہادتوں کو دو دو بار کی بجائے چار چار بار کہتے ہیں، اولاً دو بار آہستہ پھر بلند آواز سے اسے ترجیع کہتے ہیں یعنی پہلے **أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** آہستہ کہتے ہیں پھر چیخ کرا لیتے ہی **أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کو اس حساب سے ان کے نزدیک آذان کے کلمات پندرہ کے بجائے انیس ہیں اور اقامت (تکبیر) کے کلمات ایک ایک بار کہتے ہیں اس طرح کہ دونوں شہادتیں اور **حی علی الصلوٰۃ** اور **حی علی الفلاح** ایک ایک بار ان کے نزدیک اقامت کے کلمات بجائے سترہ کے تیرہ ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلامی آذان و اقامت وہ ہی ہے جو ہم کہتے ہیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس وجہ سے لعن طعن کرتے ہیں اور اس ذات کریم کو گالیاں دیتے ہیں، پہلی فصل میں اس مروجہ اسلامی آذان کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات اللہ رسول قبول فرماوے۔

پہلی فصل

موجودہ آذان و اقامت کا ثبوت

حق یہ ہے کہ آذان اقامت کے کلمات دو دو ہیں، نہ آذان میں ترجیع ہے، نہ اقامت (تکبیر) کے کلمات ایک ایک پہلی تکبیر چار بار آخر میں کلمہ **لا اله الا الله** ایک بار باقی تمام الفاظ دو دو لاکل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۶ الوداد، نسائی، ابن خزیمہ، ابن حبان، بیہقی۔ دارقطنی نے سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی

أَنَّهُ قَالَ كَانَ الْأَذَانُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَالْإِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً غَيْرَ أَنَّهُ يَقُولُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ الْخ

”وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں آذان کے کلمات دو دو بار تھے اور تکبیر ایک ایک بار اس کے سوا کہ تکبیر میں **قد قامت الصلوٰۃ** بھی کہتے تھے۔“

اس حدیث کے متعلق ابن جوزی جیسے ناقد فرماتے ہیں۔

هَذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ سَعِيدُ الْمُقْبَرِيِّ وَثَّقَهُ ابْنُ حَبَانَ وَغَيْرُهُ (بہاری)

”یہ اسناد صحیح ہے۔ سعید المقبری کی ابن حبان نے توثیق کی۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آذان میں ترجیع نہیں ورنہ آذان کے کلمات دو دو نہ ہوتے شہادتیں چار چار بار ہوتیں، اقامت کے ایک بار ہونے کا جواب دوسری فصل میں عرض کیا جاوے گا۔

حدیث نمبر ۷ طبرانی نے یحییٰ بن یحییٰ ابو مجذورہ مؤذن رسول اللہ ﷺ کے پوتہ حضرت ابراہیم بن اسماعیل ابن عبدالمالک ابن ابی محذورہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ جَدِّي عَبْدَ الْمَلِكِ ابْنَ أَبِي مَحْذُورَةَ يَقُولُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ أَبَا مَحْذُورَةَ يَقُولُ أَلْقَى عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْأَذَانَ فَأَحْرَفَ اللَّهُ أَكْبَرَ اللَّهُ أَكْبَرَ إِلَى آخِرِهِ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ تَرْجِيعًا.

”فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا عبدالمالک ابن ابی محذورہ کو سنا کہ فرماتے ہیں تھے کہ انہوں نے اپنے والد ابو محذورہ فرماتے سنا کہ حضور انور ﷺ نے مجھے آذان کا ایک ایک لفظ بتایا **اللہ اکبر اللہ اکبر** آخر تک اس میں ترجیع کا ذکر نہ فرمایا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آذان میں ترجیع کا حکم حضور ﷺ نے دیا لہذا ترجیع سنت کے خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۹ ابن ابی شیبہ۔ ترمذی نے حضرت ابن ابی سلیم تاہی سے کچھ اختلاف الفاظ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ زَيْدٍ الْأَنْصَارِيُّ مُنَوِّذُنَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَشْفَعُ الْآذَانَ وَالْإِقَامَةَ،

فرماتے ہیں، کہ عبد اللہ ابن زید انصاری حضور ﷺ کے منوذن اذان اور تکبیر دو دو بار کہتے تھے۔

اس حدیث سے مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ اذان ترجیع نہیں، دوسرے یہ کہ اقامت یعنی تکبیر کے کلمات دو دو بار کہے جاویں، نہ کہ ایک ایک بار۔

حدیث نمبر ۱۰ بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ الْآذَانَ مَثْنِي مَثْنِي وَالْإِقَامَةَ مَثْنِي مَثْنِي وَمَرَّ بِرَجُلٍ يُقِيمُ مَرَّةً مَرَّةً فَقَالَ اجْعَلْهَا مَثْنِي

مَثْنِي لَا أَمَّ لَكَ

”آپ فرماتے تھے کہ اذان بھی دو دو بار ہے تکبیر بھی دو دو بار اور آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) ایک شخص پر گذرے جو اقامت ایک ایک بار کہہ رہا

تھا۔ تو آپ نے فرمایا اسے دو دو بار کر تیری ماں نہ رہے۔“

حدیث نمبر ۱۱ ابوداؤد شریف نے حضرت مغاذ بن جبل سے ایک طویل حدیث بیان فرمائی جس میں عبد اللہ ابن زید انصاری کی خواب

کا واقعہ مذکور ہے جو انہوں نے اذان کے متعلق دیکھی تھی انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا، کہ میں نے فرشتے کو خواب میں دیکھا

، جس نے قبلہ کی طرف منہ کر کے **اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** الخ کہا پھر کچھ ٹھہر کر اذان کی طرح تکبیر بھی کہی الخ

حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَقْنَهَا بَلَا لَا فَاذَنْ بِهَا

راوی کہتے ہیں، کہ حضور نے عبد اللہ سے فرمایا کہ یہ اذان حضرت بلال پر تلقین کرو، پس حضرت بلال نے اذان انہی کلمات سے دی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ تو خواب والے فرشتے نے اذان میں ترجیع کی تعلیم دی نہ اسلام کی پہلی اذان میں ترجیع تھی جو حضرت بلال نے حضور

کی موجودگی میں عبد اللہ ابن زید کی تعلیم سے کہی یہ بھی معلوم ہوا کہ اقامت بھی اذان کی طرح دو دو بار ہے۔ لیکن اس میں **قد قامت الصلوة**

بھی ہے۔

حدیث نمبر ۱۲، ۱۳ ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے عبد الرحمن ابن الی لیلیٰ سے روایت کی۔

قَالَ حَدَّثَنَا أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ زَيْدٍ الْأَنْصَارِيَّ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ

اللَّهِ ﷺ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ رَجُلًا قَامَ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ أَحْضَرَانِ فَقَامَ عَلَى حَائِطٍ فَاذَنْ مَثْنِي مَثْنِي

وَأَقَامَ مَثْنِي مَثْنِي

”فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور ﷺ کے بہت صحابہ نے خبر دی کہ عبد اللہ ابن زید انصاری حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ میں نے

خواب دیکھا، جیسے ایک مرد کھڑا ہوا اس پر دو ہنر کپڑے ہیں۔ پس وہ دیوار پر کھڑا ہوا اور اذان بھی دو دو بار دی، تکبیر بھی دو دو بار کہی۔“

خیال رہے کہ اذان کی تعلیم رب تعالیٰ نے صحابہ کرام کو خواب میں فرشتہ کے ذریعہ دی اس خواب میں نہ تو اذان میں ترجیع، نہ اقامت ایک ایک بار

معلوم ہوا کہ حنفی اذان و تکبیر وہ ہے، جس کی رب نے تعلیم دی۔

حدیث نمبر ۱۴، ۱۵ دارقطنی، عبد الرزاق، طحاوی شریف نے حضرت اسود ابن یزید سے روایت کی۔

أَنَّ بِلَالَ كَانَ يُثْنِي الْآذَانَ وَيُثْنِي الْإِقَامَةَ وَكَانَ يَبْدَأُ بِالتَّكْبِيرِ وَيَخْتِمُ بِالتَّكْبِيرِ

”بے شک حضرت بلال اذان بھی دو دو بار کہتے تھے۔ اور اقامت بھی دو دو بار ان دونوں کو تکبیر ہے ہی شروع کرتے تھے تکبیر پر ہی ختم کرتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۶ طبرانی نے اپنی کتاب مسند الشامین میں حضرت جنادہ ابن ابی امیہ سے روایت کی۔

عَنْ بِلَالٍ أَنَّهُ كَانَ يَجْعَلُ الْآذَانَ وَالْإِقَامَةَ سَوَاءً مَثْنِي مَثْنِي

”وہ حضرت بلال سے روایت کرتے ہیں، کہ وہ آذان و اقامت دونوں برابر کہتے تھے یعنی دو دو بار۔“

حدیث نمبر ۱۸ - دارقطنی نے حضرت ابو جحیفہ سے روایت کی۔

أَنَّ بَلَالًا كَانَ يُثَوِّذُ لِلنَّبِيِّ ﷺ مَثْنِي مَثْنِي وَيَقِيمُ مَثْنِي مَثْنِي

حضرت بلال حضور انور ﷺ کے سامنے اذان دودو بار کہتے تھے۔ اور اقامت دودو بار۔

حدیث نمبر ۱۹ - طحاوی نے حضرت حماد ابن ابراہیم سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ ثَوْبَانُ يُثَوِّذُ مَثْنِي مَثْنِي "حضرت ثوبان اذان دودو بار بلکہ تھے۔"

حدیث نمبر ۲۰ - طحاوی نے حضرت عبید مولیٰ سلمہ ابن اکوع سے روایت کی۔

أَنَّ سَلَمَةَ ابْنَ الْأَكْوَعِ كَانَ يُثْنِي الْأَذَانَ وَالْإِقَامَةَ "واقامت دو دو بار کہتے تھے۔"

ہم نے یہ بیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں، ورنہ اس کے متعلق بہت زیادہ احادیث ہیں اگر تفصیل دیکھنی ہو تو صحیح البہاری، طحاوی شریف وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ ان احادیث سے حسب ذیل چیزیں معلوم ہوں گی۔

۱۔ عبد اللہ ابن زید ابن عبد اللہ ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی خواب جو اسلامی اذان کی اصل ہے اس میں نہ تو ترجیع کا ذکر ہے نہ اقامت ایک ایک بار کا، بلکہ وہ ہی اذان و تکبیر مذکور ہے۔ جو عام طور پر رائج ہے۔

۲۔ فرشتے نے جو اذان کی تعلیم دی، اس میں ترجیع بھی نہیں، اور اقامت ایک ایک بار بھی نہیں، وہ ہی ہماری اذان ہے۔

۳۔ حضور ﷺ کے مشہور مؤذن حضرت بلال، حضرت ثوبان وغیرہم ہمیشہ وہ ہی اذان و اقامت دیتے تھے جو عام مسلمانوں میں مروج ہے یعنی خفی اذان و اقامت۔

۴۔ جلیل القدر صحابہ و تابعین جیسے حضرت علی، عبد اللہ ابن عمر، سلمہ ابن اکوع، عبد ابن زید ابراہیم نخعی، حضرت عبید، ابو جحیفہ وغیرہم رضی اللہ عنہم یہی اذان کہتے اور کہلاتے تھے جو مروجہ ہے، ترجیع یا اقامت ایک ایک بار کے قائل نہ تھے۔

۵۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک ایک اقامت کہنے والے پر ناراض ہوتے تھے دودو بار کہلاتے تھے، اگر ترجیع یا اقامت ایک بار سنت ہوتی، تو یہ حضرات جو مزاج شناس رسول سنت کے تبع، بدعت سے متنفر تھے، انہوں نے اس کو کیوں ترک کیا، اور کرنے والوں کو کیوں روکا اور ان پر کیوں ملامت کی۔

عقل کا تقاضہ۔ بھی یہ ہے کہ اذان کی شہادتوں میں ترجیع نہ ہو کیونکہ اذان میں اصل چیز **صلوٰۃ** اور **فلاح** ہے کہ اذان نماز ہی کے ارکان و دعوت کے لئے ہے باقی کلمات تکبیر و شہادت وغیرہ برکت یا تمہید یا نماز کی ترغیب کے لئے ہیں جب صلوٰۃ اور فلاح میں ٹکراؤ اور ترجیع نہیں جو اصل اذان ہے تو ان کلمات میں بھی ترجیع نہ ہونی چاہیے۔ جو اس کے تابع ہیں۔

دوسرے یہ کہ آذان کا مقصد ہے نماز کی عام اطلاع اس لئے اذان بلند مقام پر اونچی آواز سے کہنی چاہئے، مقصد اذان کے بالکل خلاف ہے۔ اس کا ہر کلمہ بلند آواز سے چاہئے دیکھو اذان کے اوّل میں تکبیر چار دفعہ کہی جاتی ہے۔ مگر چاروں بار خوب اونچی سے اگر شہادتیں بھی چار دفعہ ہوتیں تو چاروں بار اونچی آواز سے ہوتیں۔

تیسرے یہ کہ اقامت اذان ہی کی طرح ہے، حتیٰ کہ اسے بعض احادیث میں اذان فرمایا گیا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا **بَيْنَ كُلِّ أَذْنَيْنِ**

صَلوٰۃ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے یعنی آذان و اقامت کے درمیان ہاں فرق صرف **قَدْ قَامَتِ الصَّلوٰۃ** کا ہے کہ اقامت میں ہے اذان میں نہیں تو چاہئے کہ اقامت کے الفاظ بھی اذان کی طرح دودو بار ہوں۔ چوتھے یہ کہ اذان میں بعض الفاظ مکرر آئے ہیں کہ اوّل میں بھی میں آخر میں بھی جیسے تکبیر اور کلمہ اور بعض الفاظ غیر مکرر ہیں کہ صرف ایک جگہ آئے جیسے **صلوٰۃ** **فلاح** جو الفاظ مکرر ہیں وہ پہلی بار دو گئے ہیں دوسری بار اس کے نصف تکبیر پہلی چار دفعہ ہے اور پچھلی بار دودفعہ شہادت توحید پہلی بار دودو دفعہ ہے تو آخر بار ایک دفعہ۔ تو چاہئے کہ تکبیر میں بھی ایسا ہی ہو۔ لہذا خفی اذان و اقامت جو آج عام مسلمانوں میں رائج ہے بالکل صحیح اور سنت کے مطابق ہے۔ اس پر طعن کرنا جہالت اور حماقت ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات

خفی اذان و اقامت پر غیر مقلد وہابی اب تک جو اعتراضات کر سکے ہیں اور جن کی اطلاع ہم کو پہنچی ہے وہ تمام مع جوابات عرض کرتے ہیں اگر آئندہ اور نئے اعتراضات ہمارے علم میں آئے تو انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں ان کے جوابات میں عرض کر دیئے جائیں گے۔

اعتراض نمبر ۱ مسلم شریف نے حضرت ابو محمد زہری رضی اللہ عنہ سے پوری اذان کی حدیث نقل کی کہ حضور ﷺ نے انہیں بنفس نفیس اذان کی تلقین فرمائی اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

ثُمَّ تَعُوذُ فَتَقُولُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ : أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

”دونوں شہادتوں کے بعد پھر بولو اور کہو أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الخ“

أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ

أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ

اس سے معلوم ہوا کہ خود حضور انور ﷺ نے حضرت ابو محمد زہری کو اذان کی شہادتیں میں ترجیع سکھائی، اذان میں ترجیع سنت ہے۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت ابو محمد زہری رضی اللہ عنہ کی روایات سخت متعارض ہیں اس حدیث میں تو وہ ترجیح کا ذکر فرماتے ہیں، اور ان ہی کی جو روایت ہم پہلی فصل میں بحوالہ طبرانی پیش کر چکے ہیں اس میں ترجیح کا ذکر بالکل نہیں، طحاوی شریف نے انہیں ابی محمد زہری سے جو حدیث نقل کی اس میں اول اذان میں بجائے چار کے دو بار تکبیر کا ذکر ہے۔ لہذا ابو محمد زہری کی روایت متعارض کی وجہ سے ناقابل عمل ہے جیسا کہ تعارض کا حکم ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت ابو محمد زہری کی یہ ترجیع والی حدیث تمام ان مشہور حدیثوں کے خلاف ہے۔ جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں، جن میں ترجیح کا ذکر نہیں، لہذا وہ احادیث مشہورہ قابل عمل ہیں۔ نہ کہ یہ حدیث واحد۔

تیسرے یہ کہ حضور ﷺ کے مشہور مؤذن حضرت بلال اور حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں انہوں نے حضور ﷺ کے زمانہ میں اور بعد میں کبھی اذان میں ترجیع نہ فرمائی۔ لہذا ان کا عمل زیادہ قابل قبول ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں ابو محمد زہری کو عام صحابہ نے ترک کر دیا۔ ان کا عمل ترجیع پر نہ تھا۔ بلکہ ترجیع کے خلاف تھا۔ لہذا وہ ہی زیادہ قوی ہے۔

پانچویں یہ کہ یہ حدیث ابو محمد زہری قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے اور ہماری پیش کردہ احادیث قیاس کے مطابق، لہذا وہ احادیث قابل عمل ہیں نہ کہ یہ حدیث جیسا کہ تعارض کا حکم ہے۔

چھٹے وہ جواب ہے جو عنائے شرح ہدایہ نے دیا کہ سیدنا ابو محمد زہری کو زمانہ کفر میں توحید و رسالت سے سخت نفرت تھی اور حضور ﷺ کی بہت مخالفت،

جب یہ اسلام لائے اور حضور ﷺ نے انہیں اذان دینے کا حکم دیا تو انہوں نے شرم کی وجہ سے **أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** اور **أَشْهَدُ**

أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ آہستہ آہستہ کہا۔ بلند آواز سے نہ کہا، تو حضور ﷺ نے انہیں دوبارہ بلند آواز سے یہ کلمات ادا کرنے کا حکم دیا یہ

دوبارہ کہلوانا، اس وقت تھا۔ تعلیم کے لئے اور شرم دور کرنے کے لئے، لہذا یہ حکم عارضی ہے۔ جیسے اگر آج کوئی شخص آہستہ آہستہ اذان کہدے۔ تو

دوبارہ بلند آواز سے کہلوائی جاتی ہے۔ اس صورت میں ابو محمد زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہماری پہلی فصل کی حدیثوں کے خلاف نہیں۔

ساتویں وہ جواب ہے جو فتح القدیر نے دیا کہ حضرت ابو محمد زہری نے یہ دونوں شہادتیں بغیر مد کے کہہ دی تھیں، اس لئے دوبارہ مد کے ساتھ کہلوائیں۔

بہر حال یہ ترجیع ایک خصوصی واقعہ تھا۔ نہ کہ سنت اسلام۔

اعتراض نمبر ۲ ابو داؤد، نسائی اور دارمی نے حضرت ابو محذورہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَّمَهُ، الْأَذَانَ تِسْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً وَالْأَقَامَةَ سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً

”بے شک نبی ﷺ نے انہیں اذان ۱۹ کلمے اور تکبیر ۷ کلمے سکھائے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کے کلمے انیس ہیں، یہ ترجیع سے ہی بنتے ہیں، اگر اذان میں ترجیع نہ ہو، تو کل پندرہ کلمے ہیں۔ لہذا ترجیع اذان میں چاہیے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اگر اس حدیث سے اذان میں ترجیع ثابت ہوتی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اقامت کے کلمات دو بار ہیں۔ اگر تمہاری طرح ایک ایک بار کلمات ہوتے تو اس کے کلمات بجائے سترہ کے تیرہ ہوتے، کیا آدمی حدیث پر ایمان لاتے ہو آدمی کے انکاری ہو۔

ترجیع اذان کے تمام وہ جوابات ہیں جو اعتراض ۱ کے ماتحت گذر گئے، کہ حضور ﷺ نے حضرت ابو محذورہ کو ترجیع ایک خاص وجہ سے تعلیم دی تھی وغیرہ۔

اعتراض نمبر ۳ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ ذَكَرُوا النَّاقُوسَ فَتَكْرَرُوا الْيَهُودَ وَ النَّصَارَى فَأَمَرَ بِلَالٌ أَنْ يُشَفِّعَ الْأَذَانَ وَ يُثَوِّبَ الْأَقَامَةَ

”فرماتے ہیں کہ صحابہ نے اعلان نماز کے لئے آگ اور ناقوس کی تجویز کی تو یہود و عیسائیوں کا ذکر بھی کیا کہ وہ بھی ان چیزوں سے اعلان عبادت کرتے ہیں تو حضرت بلال کو حکم دیا گیا کہ اذان دو دو بار کہیں اور اقامت ایک ایک بار۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہے جاویں۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ اقامت کے سارے کلمات ایک ایک بار ہوں۔ مگر تم کہتے ہو کہ اقامت میں اولاً تکبیر چار بار ہو۔ **قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ** دو بار ہو، پھر تکبیر دو بار ہو لہذا جو جواب تمہارا ہے وہ ہی ہمارا۔ اگر

کہو کہ دوسری حدیثوں میں **قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ** کو دو بار کہنے کا حکم ہے خفی کہیں گے کہ دوسری احادیث میں یہ بھی ہے کہ اقامت کے تمامی کلمات دو بار کہے جاویں وہ احادیث قابل ذکر نہیں بلکہ فرمایا گیا کہ جب صحابہ نے آگ یا ناقوس کے ذریعہ اعلان نماز کا مشورہ کیا اور بعض صحابہ نے فرمایا کہ اس میں یہود و نصارے سے مشابہت ہے۔ اسلامی اعلان ان کے خلاف چاہیے تو فوراً ہی حضرت بلال کو اذان یعنی اعلان نماز مراد ہے جو محلہ میں جا کر کیا جاوے اور اقامت سے مراد بوقت جماعت مسجد والوں کو جمع کرنے کے لئے کیا جاوے کہ آجاوے کہ آجاوے جماعت کھڑی ہو رہی ہے۔ چونکہ یہ اعلان ایک ہی بار کافی تھا۔ اس لئے بار کا ذکر ہوا، پھر اس کے بعد عبد اللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواب کا واقعہ پیش آیا، جس سے مراد اذان شرعی اذان مراد نہیں بلکہ لغوی اذان یعنی اعلان نماز مراد ہے جو محلہ میں جا کر کیا جاوے اور اقامت سے مراد بوقت جماعت مسجد والوں کو جمع کرنے کے لئے کیا جاوے کہ آجاوے جماعت کھڑی ہو رہی ہے۔ چونکہ یہ اعلان ایک ہی بار کافی تھا۔ اس لئے ایک بار کا ذکر ہوا، پھر اس کے بعد عبد اللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواب کا واقعہ پیش آیا۔ جس سے مراد اذان و اقامت قائم کی گئی۔ وہ اعلانات چھوڑ دیئے گئے۔ تیسرے یہ کہ حضرت عبد اللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواب کا واقعہ پیش آیا۔ جس سے مراد اذان و اقامت قائم کی گئی وہ اعلانات چھوڑ دیئے گئے۔

تیسرے یہ کہ حضرت عبد اللہ ابن زید کی خواب میں فرشتے نے جو اقامت کی تعلیم دی اس میں الفاظ و اقامت دو دو بار ہیں۔ اور وہ خواب ہی اذان و اقامت کی اصل ہے۔ لہذا وہ ہی روایت قابل عمل ہے۔ دوسری روایات جو اسکے خلاف ہیں واجب التاویل ہیں یا ناقابل عمل۔ خیال رہے کہ یہ خواب صرف حضرت عبد اللہ کی نہیں بلکہ ان کے علاوہ سات صحابہ نے یہی خواب دیکھا۔ گویا یہ حدیث متواتر کے حکم میں ہوگئی۔

چوتھے یہ کہ روایات کا اسی پر اتفاق ہے، کہ حضرت بلال اور ابن ام مکتوم نے اذان میں ترجیع اپنے آخر دم تک نہ کی۔ دیکھو مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، نیز ان بزرگوں کی اقامت میں اقامت کے کلمات دو دو ہی رہے۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت بلال جیسے مشہور مؤذن حضرت ابن ام مکتوم اپنی ساری عمر نہ تو میں ترجیع کریں نہ تکبیر کے کلمات ایک ایک بار کہیں، حالانکہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ حکم دیا ہو۔ لہذا ترجیع وغیرہ کی ساری روایتیں واجب التاویل ہیں۔ پانچویں یہ کہ یہ روایات قیاس شرعی کے مخالف ہیں اور ہماری پیش کردہ احادیث کے موافق، لہذا انہیں کو ترجیع ہوگی جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیع ہوتی ہے۔ دیکھو حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا **الْوُضُوءُ مِمَّا مَسَّهُ النَّارُ** آگ کی پکی چیز استمالنے سے وضوء واجب ہے۔ دوسری روایت میں آیا کہ حضور علیہ السلام نے گوشت کھا کر نماز پڑھی، وضوء فرمایا ان احادیث میں تعارض ہوا، تو قیاس کی وجہ سے دوسری حدیث کو ترجیح ہوئی اب کوئی نہیں کہتا کہ کھانا کھانے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے، یہ کھلی قانون ہے۔

اکیسواں باب

متنفل کے پیچھے فرض نماز

مسئلہ شرعی یہ ہے نفل والے کے پیچھے فرض نماز ادا نہیں ہوتی، ہاں فرض والے کے پیچھے نفل نماز ہو جاتی ہے، فرض نماز میں یہ بھی ضروری ہے کہ امام بھی فرض پڑھ رہا ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ امام مقتدی دونوں ایک ہی نماز پڑھیں، ظہر والا عصر والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ فرض نماز نفل والے کے پیچھے جائز ہے۔

نوٹ ضروری۔ بالغ مسلمان کی کوئی نماز نابالغ بچے کے پیچھے جائز نہیں، نہ فرض نہ تراویح نہ نفل، کیونکہ بچے پر نماز فرض نہیں محض نفل ہے، اور بچے کی نفل شروع کرنے کے بعد بھی نفل ہی رہتی ہے۔ اگر بچہ نفل شروع کر کے توڑ دے تو اس پر اس کی قضا ضرور نہیں لیکن بالغ کی شروع ہو کر ضروری ہو جاتی ہے۔ کہ اگر توڑ دے تو قضاء لازمی ہے، اس لئے بالغ کوئی نماز بچے کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا، مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک یہ سب جائز ہے۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت، دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز ناجائز ہے

فرض نماز نفل والے کے پیچھے ادا نہیں ہو سکتی، اس پر بہت احادیث شریفہ اور قیاس شرعی شاہد ہیں، جن میں سے کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱۴۴ ترمذی، احمد، ابوداؤد (شافعی، مشکوٰۃ نے باب الاذان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "وَالْمُؤَذِّنُ مُتَوَكِّلٌ" أَلَلَّهِمَّ ارْشِدِ الْاِئِمَّةَ وَاعْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِينَ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے امام ضامن ہے اور مؤذن امین ہے۔ اے اللہ اماموں کو ہدایت دے، اور مؤذنین کو بخش دے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام سارے مقتدیوں کی نمازوں کو اپنی نماز کے ضمن میں لئے ہوتا ہے اور ظاہر ہے، کہ اعلیٰ شے ادنیٰ کو اپنے ضمن میں لے سکتی ہے نہ کہ ادنیٰ شے اعلیٰ کو فرض نفل کو اپنے اندر لے سکتا ہے، کہ نفل سے اعلیٰ ہے، نفل فرض کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی کہ فرض کو لہذا اگر امام نماز عصر پڑھ رہا ہو تو اس کے پیچھے ظہر کی قضا نہیں پڑھی جاسکتی کہ نماز عصر نماز ظہر کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی کہ یہ دونوں نمازیں علیحدہ ہیں۔

حدیث نمبر ۵ امام احمد نے حضرت سلیم سلمیٰ سے روایت کی۔

اَنَّهُ اَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ اَنْ مَعَاذَ ابْنِ جَبَلٍ يَاتِنَا بَعْدَ مَا نَنَامُ وَنَكُونُ فِيْ اَعْمَالِنَا بِالنَّهَارِ فَيُنَادِيْ بِالصَّلَاةِ فَتُخْرَجُ اِلَيْهِ فَيَطْوِلُ عَلَيْنَا فَقَالَ لَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَامَعَاذُ لَا تَكُنْ فِتْنَةً اِمَّا تُصَلِّيَ مَعِيَ وَاِمَّا اَنْ تُخَفِّفَ عَلَيَّ قَوْمِكَ

حضرت سلیم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ یا رسول ﷺ حضرت معاذ ابن جبل ہمارے پاس ہمارے سو جانے کے بعد آتے ہیں۔ ہم لوگ دن میں اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں۔ پھر نماز کی اذان دیتے ہیں۔ ہم نکل کر ان کے پاس آتے ہیں وہ نماز بہت دراز پڑھاتے ہیں تو ان سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے معاذ قنکے کا باعث نہ بنو یا تو میرے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو یا اپنی قوم کو ہلکی نماز پڑھایا کرو۔

خیال رہے کہ حضرت معاذ ابن جبل نماز عشاء حضور انور ﷺ کے پیچھے پڑھ کر اپنی قوم میں پہنچ کر انہیں پڑھاتے اور دراز پڑھاتے تھے، جس کی شکایت بارگاہ نبوی ﷺ میں ہوئی۔ جس کا واقع یہاں ذکر ہوا۔

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ ابن جبل کو اس کی اجازت نہ دی کہ حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر اپنی قوم کو پڑھائیں۔ کیونکہ نفل والے کے پیچھے فرض جائز نہیں۔ بلکہ فرمایا کہ یا میرے پیچھے پڑھو، تو قوم کو نہ پڑھاؤ۔ یا قوم کو پڑھاؤ تو میرے پیچھے نہ پڑھو۔

حدیث نمبر ۶ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سے انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ اِذَا دَخَلْتَ فِيْ صَلَاةِ الْقَوْمِ وَاَنْتَ لَا تَتَوَيَّ صَلَاتَهُمْ لَا تُجْزِكَ وَاِنْ صَلَّ الْاِمَامُ صَلَاتَهُ وَنَوِي الَّذِي خَلْفَهُ غَيْرَهَا اَجْزَا ابِ الْاِمَامِ وَ لَمْ تُجْزِهِمْ رَوَاهُ الْاِمَامُ مُحَمَّدٌ " فِي الْاَثَارِ

فرماتے ہیں، کہ جب تم قوم کی نماز میں شامل ہو اور تم ان کی نماز کی نیت نہ کرو۔ تو تمہیں یہ نماز کافی نہیں اور اگر امام ایک نماز کی نیت کرے اور پیچھے والا مقتدی دوسری نماز کی نیت کرے تو امام کی نماز تو ہو جاوے گی اور پیچھے والے کی نہ ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ علماء ملت کا بھی یہی مسلک ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ ایسے ہی ایک فرض کے پیچھے دوسرا فرض ادا نہیں ہو سکتا۔

مقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض ادا نہ ہو، کیونکہ امام پیشوا ہے مقتدی اس کا تابع دار امام کی نماز اصل ہے مقتدی کی نماز اس پر متفرع، اس لئے امام کے سہو سے مقتدی پر سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن مقتدی کے سہو سے نہ امام پر سجدہ سہو واجب نہ خود اس مقتدی پر امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے۔ مگر مقتدی کی قراءت امام کے لئے کافی نہیں۔ حنفیوں نزدیک تو مطلقاً وہابیوں کے نزدیک سورہ فاتحہ کے سوا میں۔ اگر امام بے وضو نماز پڑھاوے تو مقتدی کی نماز بھی نہ ہوگی۔ لیکن اگر مقتدی بے وضو نماز پڑھے تو امام کی نماز درست ہوگی۔ امام سجدہ کی آیت تلاوت کرے تو مقتدی پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔ مقتدی نے یا نہ سنے۔ لیکن اگر مقتدی امام کے پیچھے سجدہ کی آیت تلاوت کرے، تو نہ امام پر سجدہ تلاوت واجب ہو نہ خود اس مقتدی پر۔ اگر امام مقیم ہو اور مقتدی مسافر تو مقتدی مسافر تو مقتدی کو پوری نماز پڑھنی پڑے گا۔ لیکن اگر امام ہو اور مقتدی مقیم تو امام پوری نماز نہ پڑھے گا۔ بلکہ قصر کرے گا۔ اس قسم کے بہت مسائل ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مقتدی اور اس کی نماز تابع ہے امام اور امام کی نماز اصل و متبوع ہے متبوع تابع سے یا تو برابر ہو یا اعلیٰ و افضل ادنیٰ کے تابع نہ ہو جاوے اسی طرح ایک فرض دوسرے فرض کے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایک نوع دوسرے نوع کے تابع نہیں ہو سکتی۔ جب نماز عید پڑھانے والے امام کے پیچھے نماز فجر نہیں ہو سکتی غرض کہ ضروری یہ ہے کہ یا تو امام و مقتدی کی نماز اور امام کی نماز سے ادنیٰ ہو کہ امام فرض پڑھ رہا ہو۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

ہم اس پر غیر مقلد وہابیوں کی وکالت میں ان کی طرف سے وہ اعتراضات بھی عرض کئے دیتے ہیں، جو وہ کیا کرتے ہیں، اور وہ بھی جواب تک ان کو سوچے بھی نہ ہوں گے اور ان تمام کے جوابات دیئے دیتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱ عام محدثین نے حدیث روایت کی کہ معراج کی رات نماز مہیجگا نہ فرض ہوئیں۔ اس کے بعد دو دن تک حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور کو پانچوں نمازیں پڑھائیں پہلے دن ہر نماز اول وقت میں دوسرے دن آخر وقت میں اور پھر عرض کیا کہ حضور ﷺ ان وقتوں کے درمیان ان نمازوں کے اوقات ہیں۔ دیکھو حضور پر یہ نمازیں فرض تھیں اور حضرت جبریل علیہ السلام کے لئے نفل کیونکہ نماز مہیجگا نہ فرشتوں پر فرض نہیں مگر اس کے باوجود جبریل علیہ السلام امام ہیں اور حضور ﷺ مقتدی معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز درست ہے بلکہ اسلام میں پہلی نماز ایسی ہی ہوئی۔ یعنی نفل کے پیچھے فرض اور یہ فعل سنت نبوی ﷺ بھی ہے اور سنت جبریلی علیہ السلام بھی۔

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ بتاؤ جبریل علیہ السلام یہ نمازیں پڑھانے رب کے حکم سے آئے تھے یا خود اپنی طرف سے آگئے بغیر حکم الہی۔ دوسری بات تو باطل ہے کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام بغیر حکم الہی کبھی نہیں آتے رب فرماتا ہے۔

وَمَا نَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ”ہم رب کے حکم کے بغیر نہیں اترتے“

لہذا امانتا پڑے گا۔ کہ رب تعالیٰ کے حکم سے آئے۔ جب حضرت جبریل کو رب نے ان نمازوں کا حکم دیا تو ان پر فرض ہو گئیں۔ رب کا حکم ہی فرض بنانے والی چیز ہے۔ لہذا ان نمازوں میں نفل کے پیچھے فرض نہ پڑھے گئے۔

دوسرے یہ کہ ان دونوں میں نہ حضور ﷺ پر یہ نمازیں فرض تھیں نہ صحابہ پر کیونکہ اگرچہ معراج کی رات میں نمازیں فرض کر دی گئیں۔ لیکن ابھی ان کا طریقہ ادا اور وقت کی تعلیم نہ دی گئی قانون تشریح سے پہلے واجب العمل نہیں ہوتا۔ اس لئے تمام مسلمانوں نے نہ تو حضرت جبریل علیہ السلام کے پیچھے یہ نمازیں پڑھیں نہ ان دنوں کی نمازیں قضا کیں۔ لہذا حضور ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے پیچھے نفل پڑھے الحمد للہ کہ تمہارا اعتراض جڑ سے اکھڑ گیا۔

اعتراض نمبر ۲ مسلم و بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ مَعَاذُ ابْنِ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ، فَيُصَلِّي بِهِمْ

فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ پھر اپنی قوم میں آتے اور انہیں نماز پڑھاتے تھے۔

دیکھو حضرت معاذ عشاء کے فرض حضور کے پیچھے پڑھ لیتے تھے پھر اپنی قوم میں آکر پڑھاتے تھے آپ کی نماز نفل تھی اور سارے مقتدیوں کی نماز فرض۔ معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض پڑھنا سنت صحابہ ہے۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور ﷺ کے پیچھے نفل پڑھتے ہوں اور قوم کے ساتھ

فرض ادا کرتے ہوں حضرت معاذ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ میں حضور ﷺ کے پیچھے فرض پڑھ لیا کرتا ہوں اور مقتدیوں کے آگے نفل کی نیت کرتا ہوں لہذا آپ کے لئے یہ حدیث بالکل بے فائدہ ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں یہ نہیں آیا کہ حضرت معاذ نے یہ کام حضور کی اجازت سے کیا کہ انہیں حضور ﷺ نے اجازت دی ہو کہ فرض میرے پیچھے پڑھ لیا کرو اور نفل مقتدیوں کے ساتھ یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا، جو کہ واقعہ میں درست نہ تھا۔ بارہا صحابہ کرام سے اجتہاد دی غلطی ہوئی۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں، کہ جب حضور انور ﷺ کی خدمت اقدس میں حضرت معاذ کے اس عمل کی اطلاع دی گئی، تو حضور نے انہیں اس سے منع فرمادیا اور حکم دیا کہ یا تو میرے ساتھ نماز پڑھا کرو یا مقتدیوں کو ہلکی نماز پڑھایا کرو۔ معلوم ہوا۔ کہ حضرت معاذ کا یہ اجتہاد سنت نبوی کے خلاف ہونی کی وجہ سے ناقابل عمل ہے۔

اعتراض نمبر ۳ تبہنی اور بخاری نے انہی حضرت جابر سے حضرت معاذ کا یہ ہی واقعہ روایت کیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ كَانَ مَعَاذٌ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْعِشَاءَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى قَوْمِهِ فَيُصَلِّي بِهِمُ الْعِشَاءَ وَهِيَ لَهُ نَافِلَةٌ

”فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ حضور ﷺ کے ساتھ نماز عشاء پڑھ لیتے تھے۔ پھر اپنی قوم کی طرف لوٹتے تھے تو انہیں عشاء پڑھاتے تھے یہ نماز ان کی نفل ہوتی تھی۔“

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور ﷺ کے ساتھ نفل نہ پڑھتے تھے۔ بلکہ فرض ہی پڑھتے تھے اور مقتدیوں کے آگے نفل ادا کرتے تھے۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ حضور کے پیچھے نفل اور مقتدیوں کے ساتھ فرض پڑھتے تھے۔

جواب آپ کی یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ حضرت معاذ کا یہ واقعہ نقل کر کے اپنے اندازے اور قیاس سے فرماتے ہیں، کہ حضور ﷺ کے ساتھ فرض پڑھتے تھے، اس میں یہ نہیں کہ حضرت معاذ نے اپنی نیت و ارادے کا پتہ دیا ہو۔ دوسرے کی نیت کے متعلق اس سے بغیر پوچھے، یقین سے نہیں کہا جاسکتا اور نہ اس میں یہ ہے کہ انہیں حضور ﷺ نے اس کی اجازت دی۔ لہذا یہ حدیث کسی طرح آپ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

اعتراض نمبر ۴ بخاری شریف نے حضرت عمرو ابن سلمہ سے ایک طویل حدیث روایت کی جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہماری قوم ایک گھاٹ پر رہتی تھی۔ جہاں سے قافلے گزرا کرتے تھے۔ میں جازی قافلوں سے نبی کریم ﷺ کے حالات اور قرآنی آیات پوچھتا رہتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد میرے والد مدینہ منورہ حاضر ہو کر اپنی قوم کی طرف سے اسلام لائے وہاں سے نماز کے احکام معلوم کیے ان سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اذان کوئی دے دیا کرے مگر نماز وہ پڑھائے جسے زیادہ قرآن کریم یاد ہو۔ جب واپس ہوئے تو انہیں پتہ لگا، کہ مجھے قرآن کریم سب سے زیادہ یاد تھا۔ مجھے امام بنادیا۔ اس وقت میری عمر چھ سال تھی، میں قوم کو نماز پڑھاتا تھا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَكَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ كُنْتُ إِذَا سَجَدْتُ قَلَصْتُ عَنِّي فَقَالَتْ امْرَأَةٌ "مِنْ الْحَيِّ لَا تَغْطُونَ عَنَّا اسْتَ قَارِنُكُمْ فَاسْتَرُوا فَقَطَعُوا لِي قَمِيصًا (مشکوٰۃ باب امامہ)

”مجھ پر ایک چادر ہوتی تھی، کہ جب میں سجدہ کرتا تو کھل جاتی تو قبیلے کی ایک عورت نے کہا کہ اپنے قاری صاحب کے چوڑے کیوں نہیں ڈھکتے تو لوگوں نے میرے لئے کپڑا خرید کر قمیض سی دی۔“

دیکھو عمرو ابن سلمہ صحابہ ہیں، اور تمام صحابہ ان کے کچھ نماز فرض پڑھتے ہیں، عمرو ابن سلمہ رضی اللہ عنہ کی عمر شریف چھ سال ہے ان پر کوئی نماز فرض نہیں بچے کی نفل بھی بہت ادنیٰ ہوتی ہے لیکن جو ان بڑھے ان کے پیچھے فرض ادا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض ادا ہو جاتے ہیں۔

جواب اس کے وہی جوابات ہیں جو اعتراض ۱ کے ماتحت گزر گئے کہ ان کا یہ عمل اپنی رائے سے تھا نہ کہ حضور ﷺ کے فرماتے سے چونکہ یہ حضرات تازہ اسلام لائے تھے۔ احکام شرعی کی خبر نہ تھی بے خبری میں ایسا کیا۔ اگر آپ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت کرتے ہو تو یہ بھی مان لو کہ ننگے امام کے پیچھے بھی نماز جائز ہے۔ کیونکہ عمرو ابن سلمہ خود فرماتے ہیں کہ میرا کپڑا اتنا چھوٹا تھا۔ کہ سجدہ میں چادر ہٹ جاتی اور چوڑے ننگے ہو جاتے تھے۔ اس کے باوجود یہ حضرات نمازیں پڑھتے رہے، کسی نے نماز نہ لوٹائی۔ کیوں مسائل شرعیہ سے بے خبری کی وجہ سے افسوس کہ آپ حضرات آنکھ بند کر کے حدیث پڑھتے ہیں۔

اس تمام گفتگو سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں کے پاس صریح مرفوع حدیث موجود نہیں نہ حدیث قولی نہ فعلی یوں ہی چند شبہات کی بنا پر اس مسئلہ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر محض عداوت سے تمہارے اور ان جناب میں گستاخیاں گالی گلوچ بکتے ہیں۔

بائیسواں باب

خون اور قے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ آٹھ چیزیں وضو توڑ دیتی ہیں۔ جو چیز پیشاب پاخانہ کی راہ سے نکلے۔ غفلت کی نیند، غشی، جنون، نماز میں ٹھٹھہ لگا کر ہنستا، بہتا ہوا خون، منہ بھرتے ان کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھو۔

مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک نہ تو بہتا ہوا خون وضو توڑے، نہ منہ بھر کرے، لہذا کوئی حنفی کسی غیر مقلد کے پیچھے نماز نہ پڑھے، کیونکہ یہ لوگ بد عقیدہ بھی ہیں اور ان کے وضو کا بھی اعتبار نہیں، کیا خبر ہے کہ قے کر کے یا تکسیر وغیرہ کر کے آئیں اور بغیر وضو کے مصلے پر کھڑے ہو جائیں، چونکہ غیر مقلد اس مسئلے پر بھی بہت شور مچاتے ہیں۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات، رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

قے اور بہتا خون بھی وضو توڑتا ہے

حنفیوں کے نزدیک منہ بھرتے اور جسم سے خون کا نکل کر ظاہر بدن پر بہ کر پہنچ جانا وضو توڑ دیتا ہے، ظاہر بدن وہ ہے، جس کا دھونا، غسل میں فرض ہے، دلائل ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱ دارقطنی نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُضُوءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ وضو واجب ہے ہر بہتے ہوئے خون سے۔“

حدیث نمبر ۲ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَصَابَهُ قَيْ " أَوْ رُعَافٌ " أَوْ قَلَسٌ " أَوْ مَذْيٌ "

فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ

”فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے جس کسی کو قے یا تکسیر یا ندی آ جاوے تو نماز سے علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے۔“

حدیث نمبر ۳ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور انور ﷺ کی خدمت میں فاطمہ بنت ابی جیش

حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں کہ مجھے استحاضہ کا خون اتنا ہے کہ میں کبھی پاک نہیں ہوتی، کیا نماز چھوڑ دوں؟ فرمایا کہ یہ حیض نہیں ہے رگ کا خون ہے

لہذا۔ **اجْتَنَبِي الصَّلَاةَ أَيَّامَ مَحِيضِكَ ثُمَّ اغْتَسِلِي وَتَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلَاةٍ وَإِنْ فَطَرَ الدَّمُ عَلَى الْحَصِيرِ**

”حیض کے زمانہ میں نماز سے بچو۔ پھر غسل کرو اور ہر نماز کے لیے وضو کرو پھر نماز پڑھو، اگرچہ خون چٹائی پر ٹپکتا رہے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استحاضہ کا خون وضو توڑ دیتا ہے، ورنہ حضور علیہ السلام ان بی بی صاحبہ پر معذور کے احکام جاری نہ فرماتے اور ہر نماز کے وقت ان پر وضو لازم نہ فرماتے دیکھو جسے ریح یا قطرے کی بیماری ہو وہ ہر نماز کے وقت ایک وضو کر کے نماز پڑھتا رہے کیونکہ ریح اور پیشاب وضو توڑنے والی چیز ہے۔

حدیث نمبر ۴ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَاءَ أَوْ رَغَفَ فِي صَلَاةٍ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَبْنِ عَلَى

صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ

”آپ نبی ﷺ سے روایت فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کو نماز میں قے یا تکسیر آ جاوے وہ نماز سے علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے

اور اپنی نماز پر بنا کرے جب تک کہ بات نہ کی ہو۔“

حدیث نمبر ۶، ۵ ترمذی و ابوداؤد نے حضرت طلق ابن علی سے روایت کی۔

قَالَ اِغْرَابِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الرَّجُلُ مِمَّا يَكُوْنُ فِي الْعَلَاةِ فَتَكُوْنُ مِنْهُ رَوِيْحَةٌ وَيَكُوْنُ فِي الْمَاءِ قِلَّةٌ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَاَ اَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ مُلَخَّصًا

”ایک بدوی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے کوئی شخص جنگل میں ہوتا ہے اسکی ریح نکل جاتی ہے اور پانی میں تنگی ہوتی ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی قے کرے تو وضو کرے۔ (ملخصاً)“

کذا فی جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد

حدیث نمبر ۷ ترمذی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَتَوَضَّأَ فَلَقِيْتُ ثُوْبَانَ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لَهُ فَقَالَ صَدَقَ اَنَا عَبِيْتُ لَهُ وَضُوْئُهُ وَحَدِيْثُ حُسَيْنٍ اَصْحٰهُ شَيْءٌ فِيْ هَذَا الْبَابِ

ایک بار نبی ﷺ کو قے آئی تو آپ نے وضو کیا پھر میں دمشق کی مسجد میں حضرت ثوبان سے ملا تو ابوالدرداء کی یہ حدیث بیان کی آپ نے فرمایا ابوالدرداء نے سچ کہا پانی میں نے ہی ڈالا تھا یعنی میں نے ہی وضو کرایا تھا۔“

حدیث نمبر ۸ طبرانی نے کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

رَفَعَهُ قَالَ اِذَا رَغَفَ اَحَدُكُمْ فِي صَلَوةٍ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَغْسِلْ عَنْهُ الدَّمَ ثُمَّ لِيُعِذْ وَضُوْءُهُ

”آپ مرفوع فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں نکسیر آ جاوے تو علیحدہ ہو جاوے اور خون کو دھو دے پھر وضو لوائے۔“

حدیث نمبر ۹ دارقطنی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَاءَ اَحَدُكُمْ اَوْ رَغَفَ وَهُوَ فِي الصَّلَوةِ اَوْ اَحَدَتْ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں قے یا نکسیر آ جاوے یا اور کوئی حدت کرے، تو علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے۔“

حدیث نمبر ۱۰ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ مَنْ رَغَفَ فِي صَلَوةٍ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ فَاِنْ لَمْ يَتَكَلَّمْ بَنِيْ عَلٰی صَلَوةٍ وَاِنْ تَكَلَّمَ اِسْتَأْنَفَ

”فرماتے ہیں کہ جسے نماز میں نکسیر آ جاوے تو وہ علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے پھر اگر کلام نہ کیا ہو تو باقی نماز پوی کرے اور اگر کلام کر لیا ہو تو نئے سرے سے پڑھے۔“

حدیث نمبر ۱۱ امام مالک نے حضرت یزید ابن قسطلعی سے روایت کی۔

اِنَّهُ رَاٰی سَعِيْدَ ابْنِ الْمَسِيْبِ رَغَفَ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَاتٰ حُجْرَةَ رُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتٰی الْوُضُوْءَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ رَجَعَ فَبَنِيْ عَلٰی مَا قَدْ صَلَّى

”انہوں نے حضرت سعید ابن مسیب کو دیکھا کہ انہیں نماز میں نکسیر آ گئی تو آپ حضرت ام سلمہ زوجہ رسول ﷺ کے گھر آئے تو انہیں پانی دیا گیا انہوں نے وضو کیا، پہرہ واپس ہوئے اور بقیہ نماز پوی کی۔“

حدیث نمبر ۱۲ ابوداؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحَدَتْ اَحَدُكُمْ فِي صَلَوةٍ فَلْيَا خُذْ بِاَنْفِهِ ثُمَّ لِيَنْصَرِفْ

”فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب نماز میں کسی کا وضو ٹوٹ جاوے تو وہ اپنی ناک پکڑے پھر چلا جاوے۔“

اس حدیث میں حضور ﷺ نے نمازی کو تدبیر یہ بتائی کہ اگر نماز میں کسی کی ریح نکل جاوے تو اپنے عیب کو چھپانے کے لیے ناک پر ہاتھ رکھ لے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی پھر مسجد سے نکل کر وضو کی جگہ جا کر وضو کر لے، گر نکسیر سے وضو نہ ٹوٹا ہوتا تو یہ تدبیر بے فائدہ ہوتی ہم نے بطور نمونہ بارہ حدیثیں پیش کر دیں، ورنہ اس کے متعلق بہت احادیث موجود ہیں اگر شوق ہو تو صحیح السہاری شریف کا مطالعہ فرماؤ۔

عقل کا تقاضا بھی وہی ہے کہ بہتا خون اور منہ بھرتے وضو توڑ دے کیونکہ وضو طہارت اور پاکی ہے، ناپاکی نکلنے سے وضو ٹوٹ جانا چاہئے، اسی لیے پیشاب م، پاخانہ اور ریح سے وضو جاتا رہتا ہے، بہتا خون، منہ بھرتے ناپاک ہے، قرآن کریم فرماتا ہے۔ **أَوْدَمًا مَّسْفُوحًا** اسی لیے بہتے خون والا جانور ذبح سے حلال ہوتا ہے تاکہ ناپاک خون اللہ کے نام پر نکل جاوے تو جیسے پیشاب پاخانہ اور ریح نکلنے پر وضو جاتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ناپاک چیز نکلی، ایسے ہی بہتا ہوا خون اور قے نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جانا چاہئے، کیونکہ یہ بھی نجس ہے، جو جسم سے نکلا، نیز استحاضہ اور بواسیر کے خون سے اور مرد کی پیشاب کی جگہ سے خون نکلنے سے بالاتفاق وضو ٹوٹ جاتا ہے، استحاضہ کے خون کے متعلق تو حدیث مرفوع بھی وارد ہے، جیسا کہ ہم اس فصل میں عرض کر چکے، جب یہ تین قسم کے خون وضو توڑ دیتے ہیں تو لامحالہ دوسری جگہ سے خون نکل کر بھی وضو توڑے گا۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلد و ہابیوں کے پاس اس مسئلہ پر کوئی قوی دلیل نہیں، صرف کچھ شبہات اور دھمیت ہیں، مگر تکمیل بحث کے لیے ہم ان کے جوابات بھی دیئے دیتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱ احمد و ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَضُوءَ إِلَّا مِنْ صَوْتٍ أَوْ رِيحٍ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ نہیں ہے وضو مگر آواز سے یا آہستہ ریح سے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ وضو صرف ریح سے ٹوٹتا ہے، خون قے اس کے علاوہ ہے لہذا اس سے وضو نہیں ٹوٹتا چاہئے الا حصر کے لیے ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ پیشاب، پاخانہ، بلکہ عورت کی شرمگاہ کو چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور الا کے حصر سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے ریح کے کسی چیز سے وضو نہ جاوے تو جو تمہارا جواب ہے وہ ہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی، مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو ریح نکلنے کا شبہ ہو تو بغیر آواز یا بدبو یا یقینی احساس ہوئے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

اس کی تفسیر وہ حدیث ہے، جو مسلم شریف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

إِذَا فَجَدَ أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِهِ شَيْئًا فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ أَخْرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ أَمْ لَا فَلَا يُخْرُجُ جُنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى

يَسْمَعَ صَوْتًا يَجْدِرُ بِهَا

”جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کچھ حرکت پائے اس لیے اسے شبہ ہو جاوے کہ کچھ ہوا نکلی یا نہیں تو مسجد سے نکلے یہاں تک کہ آواز سنے، یا ٹو پائے۔“

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آپ کی پیش کردہ حدیث اس شخص کے متعلق ہے جسے ریح نکلنے کا شبہ ہو حدیث کا منشاء کچھ اور ہے اور آپ کچھ اور کہہ رہے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲ حاکم نے حضرت جابر ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ فِي غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ فَرَمَى رَجُلٌ مِنْهُ فَتَرَفَهُ الدَّمُ فَرَكَعَ وَسَجَدَ وَمَضَى فِي صَلَاتِهِ

”کہ آپ غزوہ ذات الرقاع میں تھے کہ ایک صحابی کے تیر لگا ان کے خون نکلا مگر انہوں نے رکوع کیا سجدہ کیا اور نماز پوری کر لی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ صحابی کو عین نماز کی حالت میں تیر لگا خون نکلا، مگر انہوں نے نماز نہ توڑی بلکہ رکوع سجدہ کر کے نماز مکمل کر لی، اگر خون نکلتا وضو توڑتا تو اسی وقت آپ نماز توڑ کر وضو کرتے پھر نماز یا نئے سرے سے پڑھتے یا وہ ہی پوری فرماتے معلوم ہوا کہ خون وضو نہیں توڑتا۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ جب ان صحابی کے تیر لگا خون بہا تو یقیناً ان کے کپڑے اور جسم خون آلودہ ہو گئے لیکن اس کے باوجود وہ نماز پڑھتے ہی رہے تو چاہیے کہ آپ خون، پیشاب پاخانہ سے بھرے ہوئے کپڑوں میں نماز جائز کہو، حالانکہ تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ نمازی کا بدن و کپڑا پاک ہونا چاہئے لہذا یہ حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں۔

دوسرے یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ ان اصحابی نے حضور ﷺ کی اجازت سے یہ عہم کیا معلوم ہوتا ہے دوسری واقعیت انہیں نہ تھی، اس لیے ایسا کر گزرے۔

تیسرے یہ کہ حدیث تمام ان مرفوع و موقوف حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے لہذا ناقابل عمل ہے۔
چوتھے یہ کہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے بدن و کپڑے پاک رکھنے کا حکم دیا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ”گندگی سے دور رہو۔“ اور فرماتا ہے۔ **وَيَا بَكَ فَطَهِّرْ** ”اپنے کپڑے پاک رکھو۔“ اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان بزرگ نے گندے جسم اور گندے کپڑوں میں نماز پڑھ لی، لہذا یہ حدیث ہرگز قابل عمل نہیں۔

پانچویں یہ کہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ صحابی جن کا یہ واقعہ ہے، کون ہیں فقیہ ہیں یا غیر فقیہ اگر فقیہ ہیں تو انہوں نے اجتہاد سے یہ کام کیا جو وہ واجب تارک ہے اور اگر غیر فقیہ ہیں تو ان سے یہ ہوا بہر حال حدیث کی طرح قابل عمل نہیں۔

اعتراض نمبر ۳ اگر خون وضو توڑتا ہے تو چاہیے کہ تھوڑا خون بہتا نہ ہو وہ بھی وضو توڑ دے جیسے پیشاب ناقص وضو ہے، بے یا صرف ایک قطرہ ہی نکلے، جب تھوڑا خون یعنی نہ بہنے والا وضو نہیں توڑتا، تو زیادہ خون بھی ناقص وضو نہیں، ایسے ہی قے، اگر ناقص وضو ہے تو خواہ منہ بھر کر یا تھوڑی، وضو توڑ دیتی ہے، یہ فرق تم نے کہاں سے نکالا؟

جواب الحمد للہ آپ قیاس کے قائل تو ہوئے کہ زیادہ خون کو تھوڑے خون پر اور خون کو پیشاب پر قیاس کرنے لگے مگر جیسے آپ ہیں ایسے ہی آپ کا قیاس جناب گندگی کا نکلنا وضو توڑتا ہے پیشاب مطلقاً گندا ہے، تھوڑا ہو زیادہ، خون بہنے والا گندہ ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَوْ دَمًا مُسْفُوحًا ”نہ بہنے والا گندا نہیں، آپ کا یہ قیاس قرآنی آیت کے خلاف ہے نیز ہر گندگی اپنے معدن میں جہاں وہ پیدا ہو پاک ہوتی ہے، معدن سے نکل کر ناپاک ہوتی ہے دیکھو آنتوں میں پاخانہ اور مثانہ میں پیشاب بھرا ہے، مگر پاک ہے اس لیے آپ کی نماز درست ہوتی ہے اگر یہ ناپاک ہوتے تو نماز کسی طرح جائز نہ ہوتی کہ گندگی اٹھائے ہوئے کی نماز نہیں ہوتی ایسے ہی گندا انڈا جو اندر سے خون ہو گیا جیب میں ڈال کر نماز پڑھ سکتے ہیں، اس کے اندر کا خون چونکہ اپنے معدن میں ہے پاک ہے جب ہی سمجھ لیا، تو اب پیشاب اور خون نکلنے میں فرق سمجھو پیشاب کی جگہ نہ ہے، وہ مثانہ سے ہٹ کر پیشاب کی نالی میں آ کر سمکتا ہے، لہذا نجس ہے اگرچہ ایک بوند ہو مگر خون سارے جسم میں دوڑ رہا ہے اور کھال کے نیچے اس کا معدن ہے اگر کہیں سوئی چھ گئی اور خون چمک گیا مگر بہا نہیں تو وہ اپنی معدن میں رہ کر چمکے ناپاک نہیں ہاں جب بے تھوڑا سمجھو کہ اپنے معدن سے علیحدہ ہو گیا اور ناپاک، اس فرق کی بنا پر پیشاب تو چمک کر بھی وضو توڑ دیتا ہے مگر خون بہ کر توڑے گا، غرض کہ خون کا نکلنا رو ہے چمکنا کچھ اور لہذا خون کو پیشاب پر قیاس کرنا مع الفارق ہے۔

اعتراض نمبر ۴ حینی شرح بخاری نے اسی بہت سی حدیثیں نقل کیں۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ ”بے شک نبی ﷺ نے قے کی اور وضو نہ کیا۔“
اگر قے وضو توڑتی، تو حضور قے کر کے وضو کیوں نہ فرماتے؟

جواب ماشاء اللہ کیا نفیس اعتراض ہے، جناب یہ بھی احادیث میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے تشریف لائے اور وضو کے لیے پانی پیش کیا گیا، مگر حضور علیہ السلام نے وضو نہ کیا تو کہہ دینا کہ پیشاب پاخانہ بھی وضو نہیں توڑتا۔ جناب وضو نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت وضو کی ضرورت نہ تھی، وضو ٹوٹ جانے پر فوراً وضو کرنا واجب نہیں، وہاں اگر حضور ﷺ فرماتے کہ قے وضو نہیں توڑتی، تو آپ پیش کر سکتے تھے، اگر یہ احادیث اس مسئلہ کی دلیل ہو سکتیں تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ضرور پیش فرماتے امام ترمذی نے خون و قے کے ناقص وضو ہونے پر نہایت صحیح حدیث پیش کی اور ناقص نہ ہونے پر کوئی حدیث بیان نہ کی، صرف علماء کا مذہب بیان فرمایا، معلوم ہوا کہ ان کی نظر میں قے و خون کے وضو نہ توڑنے کی کوئی حدیث نہیں، کیونکہ وہ مسئلہ پر حدیث پیش ہیں۔

اعتراض نمبر ۵ قے و خون کے متعلق آپ نے جو احادیث پیش کیں، جن میں ارشاد ہوا کہ جس نمازی کو نماز میں قے یا نکسیر آ جاوے تو وضو کرے، وہاں وضو سے مراد خون و قے سے کپڑا دھو لینا ہے، نہ کہ شرعی وضو جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ۔

الْوُضُوءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ ”آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو ہے۔“ وہاں وضو سے مراد ہاتھ دھونا، کلی کرنا ہے نہ کہ شرعی وضو، کیونکہ کھا کر ہاتھ دھونا، کلی کرنا سنت ہے، یہ ناقص وضو نہیں، ایسے ہی یہاں ہے لہذا تمہارے دلائل غلط ہیں۔

جواب واقعی آپ کا یہ سوال ایسا ہے جو آپ تک کسی کو نہ سوجھا ہوگا، ذہن نے بہت رسائی کی، اسی کا نام تحریف ہے، اولاً تو آپ نے یہ غور نہ کیا کہ وہاں وضو کے عربی معنی خود حضور ﷺ نے بیان فرما دیئے، کہ ایک بار کھانا تناول کر کے ہاتھ دھوئے کلی کی اور فرمایا،

هَذَا وَضُوءٌ "مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ" ”آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو یہ ہے۔“ یہاں آپ یہ معنے چھوڑ کر غیر معروف معنے کیوں مراد لے

رہے ہو، نیز اس حدیث میں یہ ہے، کہ جس کو نماز میں قے یا نکسیر آ جاوے تو وضو کرے اور نامز کی بنا کرے۔ یعنی باقی نماز پوری کرے، اگر کیڑا دھونا

مراد ہوتا تو نماز کی بنا جائز نہ ہوتی بلکہ دوبارہ پڑھنی پڑھی، جس کا کیڑا نماز میں نجس ہو جاوے اور وہ دھوئے، وہ بنا نہیں کر سکتا دوبارہ پڑھے گا، لہذا

آپ کی یہ توجیہ محض باطل ہے۔

تیسواں باب

ناپاک کنواں پاک کرنا

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ ارکنوئیں، ہڑے یا ہڑے وغیرہ میں تھوڑی سی بھی ناپاکی رجاوے تو ان کا پانی نجس ہو جاوے، کہ نہ پیا جاسکتا ہے، نہ اس سے وجوہ وغیرہ جائز ایک قطرہ پیشاب کنویں کو ندا کر دیتا ہے، سمندر، تالاب یا بہتا پانی اُن کے احکام جدا نہ ہیں۔ مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ جب پانی دو مکے ہو تو اس میں خواہ کتنی ہی نجاست پڑ جاوے ناپاک نہ ہوا، جب تک کہ اس کا رن یا بو یا حرہ نہ بدلے، لہذا ان کے نزدیک کنویں میں خوب ہومو تو کنواں پاک ہے شوق سے اس کا پانی پیو۔ وضو کرو، پھر طرہ یہ ہے کہ اس مسئلہ پر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو الیاں دیتے ہیں، کہ انہوں نے ندی رجانے پر کنویں کو پاک کیوں نہیں قرار دیا، مسلمانوں کو پیشاب کیوں نہ پینے دیا، خفیوں کو چاہیے کہ نہ تو غیر مقلد وہابیوں کے پیچھے نمازیں پڑھیں نہ ان کے کنوؤں کا پانی بے تحقیقی پئیں۔ ان کے کنویں اکثر ندے ہوتے ہیں جن سے یہ لو کپڑے دھوتے، نہاتے اور وضو کرتے ہیں، نہ ان کے بدن پاک، نہ پکڑے پاک چونکہ اس مسئلہ کا یہ لو بہت مذاق اڑاتے اور آواز کستے ہیں اور کہتے ہیں، کہ یہ مسئلہ احادیث کے بالکل خلاف ہے، اس لیے ہم اس مسئلہ کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں، پہلی فصل میں اس مسئلہ کے دلائل، دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔

پہلی فصل

کنوئیں کا ناپاک ہونا

کنوآں خواہ کتنا ہی ہر اہو اور اس میں کتنا ہی پانی ہو اور اسمیں ایک قطرہ شراب یا پیشاب یا چوہا ملی وغیرہ رکر مر جاوے تو ناپاک ہے بغیر کیئے اس کا پانی باستعمال کے قابل نہیں اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں، جن میں سے ہم بطور نمونہ چند پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱۴۸۴ مسلم، نسائی، ابن ماجہ، طحاوی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى أَنْ يُبَالَى فِي الْمَاءِ الرَّأَكِدِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ فِيهِ

”منع فرمایا نبی ﷺ نے اس سے کہ ٹھرے پانی میں پیشاب کیا جاوے، پھر اس سے وضو کیا جاوے۔“

حدیث نمبر ۱۴۸۵ مسلم و طحاوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ أَحَدُخِمٍ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنْبٌ فَقَالَ كَيْفَ يَفْعَلُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ يَتَنَاوَلُهُ، تَنَاوَلًا

”فرمایا نبی ﷺ نے کہ کوئی شخص ٹھرے پانی میں جنابت سے غسل نہ کرے ابو سائب نے پوچھا کہ اے ابو ہریرہ پھر جنبی کیا کرے، فرمایا علیحدہ پانی لے لے۔“

یہ حدیث احمد، ابن حبان، عبد الرزاق وغیرہم ہم بہت محدثین نے مختلف راویوں سے بالفاظ مختلفہ روایت فرمائی۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہڑے، کنیوں اور تمام تھرے ہوئے پانیوں میں نہ پیشاب کرے نہ جنابت کا غسل ارا یا کر لیا یا تو پانی ندا ہو کر قابل استعمال نہ رہے اور دو مکے پانی ندی کرنے سے ناپاک نہ ہوتا تو حضور ﷺ یہ ممانعت نہ فرماتے۔

حدیث نمبر ۱۴۸۶ ترمذی حاکم (حدرک) ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مختلف الفاظ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي الْأَنَاءِ غُسِلَ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَوَّلُهُنَّ بِالْتَّرَابِ وَإِذَا وَلَغَ الْهَرَّةُ غُسِلَ مَرَّةً أَلْفَظًا لَابْنِ عَسَاكِرٍ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب برتن میں کتا چات جاوے تو سات بار دھویا جاوے پہلی بار مٹی سے مانجھا جاوے اور جب بلی چاٹ جاوے تو ایک بار دھویا جاوے۔“

ان احادیث سے پتہ لا کہ اگر برتن میں کتا منہ ڈال دے تو برتن سات بار دھویا جاوے اور ایک بار مٹی سے بھی مانجھا جاوے اور اگر بلی برتن سے پی لے تو ایک بار ہی دھویا جاوے، برتن خواہ چھوٹا ہو، جیسے ہانڈی، لوٹا یا ٹمرا جس میں دو چار مکے پانی آ جاوے اور دو مکے پانی کسی نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا، تو وہ برتن کیونکہ ناپاک ہو جاتا ہے جس میں یہ پانی ہے، کتے کا منہ تو پانی میں پڑا اور پانی برتن سے لا ہوا ہے جب برتن نجس ہو یا خواہ دو مکے ہو یا کم و بیش۔

حدیث نمبر ۱۳ ۱۵۵ دارقطنی، طحاوی نے ابوالطفیل سے اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ غُلَامًا وَقَعَ فِي بَيْرٍ زَمَزَمَ فَنَزَحَتْ

”زمانہ صحابہ میں چاہ زمزم میں ایک لڑکا ریا، تو کنویں کا پانی نکالایا۔“

حدیث نمبر ۱۶، ۱۷ ابن ابی شیبہ اور طحاوی نے حضرت عطا سے روایت کی، عطاء تابعی ہیں۔

أَنَّ حَبْشِيًّا وَقَعَ فِي زَمَزَمَ فَمَاتَ فَأَمَرَ بِهِ ابْنُ الزَّبِيرِ فَنَزَحَ مَاءَهُ فَجَعَلَ الْمَاءُ لَا يَنْقَطِعُ فَنَظَرَ فَأَذَا

عَيْنُ ”تَجَرِي مِنْ قَبْلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ فَقَالَ ابْنُ الزَّبِيرِ حَسْبُكُمْ

”کہ ایک حبشی چاہ زمزم میں رکر مر یا حضرت عبداللہ ابن زبیر نے حکم دیا، پانی نکالایا، پانی ختم نہ ہوتا تھا اندر دیکھا تو ایک چشمہ آب سن اسود کی طرف سے آ رہا تھا ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کافی ہے۔“

حدیث نمبر ۱۸ بیہقی نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ حَبْشِيًّا وَقَعَ فِي زَمَزَمَ فَمَاتَ فَأَنْزَلَ رَجُلًا إِلَيْهِ فَأَخْرَجَهُ، ثُمَّ قَالَ انْزَحُوا مَا فِيهَا مِنْ مَاءٍ

”وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ چاہ زمزم میں ایک حبشی رکر مر یا تو آپ نے ایک آدمی کو اتارا جس نے اسے نکالا، پھر ابن عباس نے فرمایا کہ جو پانی کنویں میں ہے اسے نکال دو۔“

ان احادیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ ار کنوئیں میں کوئی خون والا جاندار مر جاوے تو کنواں نجس ہو جاوے۔ دوسرے یہ کہ ناپاک کنوئیں کے پاک کر نیک طریقہ یہ ہے کہ اس کا پانی نکال دیا جاوے اسکی دیواریں وغیرہ دھونے کی ضرورت نہیں۔ تیسرے یہ کہ ار کنوئیں کا پانی ٹوٹ نہ سکے تو پرواہ نہ کی جاوے، جو پانی جی الحال موجود ہے وہ ہی نکال دیا جاوے، جو بعد میں آتا رہے اس کا مضا لقمہ نہیں۔ چوتھے یہ کہ جس ڈول وری سے ناپاک کنوئیں کا پانی نکالا جاوے اسے دھونا ضروری نہیں، کنوئیں کیساتھ وہ بھی پاک ہو جاویں، ار غیر مقلد وہابی ان احادیث میں غور فرمائیں، تو امام صاحب کو الیاں دینا، حنیفوں کا مذاق اڑانا آواز سے کتنا چھوڑ دیں۔

حدیث نمبر ۱۹ طحاوی شریف نے امام شعبی تابعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی

عَنِ الشَّعْبِيِّ فِي الطَّيْرِ وَالسَّنُورِ وَنَحْوِ هِمَا يَقَعُ فِي الْبَيْرِ قَالَ يُنْزَحُ مِنْهَا أَرْبَعُونَ دَلْوًا

”امام شعبی چڑیا، بلی وغیرہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ار یہ کنوئیں میں مر جاویں تو چالیس ڈول پانی نکالا جاوے۔“

حدیث نمبر ۲۰ طحاوی شریف نے حضرت حماد ابن سلیمان تابعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ قَالَ فِي زُجَاجَةٍ وَقَعَتْ فِي بَيْرٍ فَمَا تَتْ قَالَ يُنْزَحُ قَدْ رَأَيْتُ دَلْوًا أَوْ خَمْسِينَ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهَا

”آپ فرماتے ہیں کہ جب کنوئیں میں مرغی رکر مر جائے تو اس سے چالیس یا پچاس ڈول نکالے جاویں پھر اس سے وضو کیا جاوے۔“

حدیث نمبر ۲۱ طحاوی شریف نے حضرت میسرہ اور زادان سے روایت کی۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ إِذَا سَقَطَتِ الْفَارَةُ أَوِ الدَّابَّةُ فِي الْبَيْرِ فَأَخْرَجْهُمَا حَتَّى يَغْلِبَكَ الْمَاءُ

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب چوہا یا کوئی اور جانور کنوئیں میں مر جائے تو اس کا پانی نکالو یہاں تک کہ پانی تم پر غالب آجائے۔“

نمبر ۲۲ طحاوی نے حضرت ابراہیم نخعی تابعی سے روایت کی۔

عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْبَيْرِ تَقَعُ فِيهَا الْفَارَةُ قَالَ يُنْزَحُ مِنْهَا دِلَاءً

”ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ جب کنوئیں میں چوہا مر جائے تو اس سے کچھ ڈول نکال جاویں۔“

حدیث نمبر ۲۳ شیخ علاؤ الدین محدث نے بحوالہ طحاوی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ (واللہ اعلم)

عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ قَالَ فِي الْفَارَةِ إِذَا مَاتَتْ فِي الْبَيْرِ وَأُخْرِجَتْ مِنْ سَاعَتِهَا يُنْزَحُ مِنْهَا عَشْرُونَ دَلْوًا

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ جب چوہا کنوئیں میں مر جاوے اور فوراً نکال لیا جائے تو بیس ڈول نکالے جاویں۔“

حدیث نمبر ۲۴ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے حضرت خالد ابن مسلمہ سے روایت کی۔

أَنَّ عَلِيًّا سُئِلَ عَمَّنْ بَالَ فِي بَيْرٍ قَالَ يُنْزَحُ (انتصار الحق صہ ۲۵۷)

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا یا اس بارے میں کہ کوئی کنوئیں میں پیشاب کر دے فرمایا کہ کنوئیں کا پانی نکالا جائے۔“

یہ جو میں روایتیں بطور نمونہ پیش کی تیں، جن سے معلوم ہوا کہ ندی چیز رجانے سے کنواں نجس ہو جاتا، اور پانی کا نکالنا اس کی پاکی ہے، ارز یادہ تحقیق دیکھنی ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماویں۔

عقل کا تقاضا بھی ہی ہے کہ کنواں وغیرہ نجاست پڑنے سے نجس ہو جاویں، کیونکہ جب نجاست ل جانے سے کپڑا جسم برتن وغیرہ تمام چیزیں نجس ہو جاتی ہیں، تو پانی جو پتلی چیز ہے جس میں نجاست بہت زیادہ سرایت کر جاتی ہے، بدرجہ اولیٰ ناپاک ہو جانا چاہیے نیز جب دو مکے دودھ، تیل، پتلا می، شہد، لسی نجاست پڑنے سے نجس ہو جاتے ہیں تو پانی ان چیزوں سے زیادہ پتلا ہے، وہ بھی ضرور ناپاک ہو جانا چاہیے ورنہ فرق بیان کرو کہ دو مکے دودھ کیوں ناپاک ہو جاتا ہے اور اتنا پانی کیوں نہیں نجس ہوتا اس لیے سرکار محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ سو کر جاؤ تو بغیر ہاتھ دھوے پانی میں نہ ڈال دو (مسلم بخاری) پانی خواہ دو قلعے ہو یا کم و بیش، دیکھو بے وضو آدمی کو پانی میں ہاتھ ڈالنے سے منع فرمایا، ہاں ناپاک چیزوں کے پاک کرنے کے طریقے مختلف ہیں تا بنے، شیشے کے برتن صرف پونچھ دینے سے پاک ہو جاتے ہیں، ناپاک جو تا صرف چلنے پھرنے اور مٹی سے رڑ جانے سے پاک ہو جاتا ہے، نجس زمین صرف سوکھ جانے اور اثر نجاست جاتے رہنے سے پاک ہو جاتی ہے، نجس کپڑا اور جسم دھونے سے پاک ہوتے ہیں، ایسے ہی ناپاک کنواں پانی نکالنے سے پاک ہو جاتا ہے ناپاک دودھ، تیل پاک دودھ و تیل کے ساتھ مل کر بہ جانے سے پاک ہو جاتا ہے پھر ان کے پاک کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک غیر مقلد و ہابی اس مسئلہ پر جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم ان کے جوابات تفصیل وار عرض کرتے ہیں، ار اس کے بعد کوئی اور اعتراض ہمارے عمل میں آیا تو ان شاء اللہ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جاوے۔

اعتراض نمبر ۱ ترمذی شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قِيلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْتَوَضَاءُ مِنْ بِيْرُبْضَاعَةٍ وَهِيَ بِيْرٌ يُلْقَى فِيْهَا الْحَيْضُ وَلُحُوْمُ الْكِلَابِ وَلَا تَنْتِنُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يَنْجُسُهُ شَيْءٌ

”فرماتے ہیں، عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم بضاعہ کنوئیں سے وضو کر سکتے ہیں، بضاعہ ایسا کنواں تھا جس میں حیض کے کپڑے، کتوں کے دشت اور بدبودار چیزیں ڈالی جاتی تھیں تو حضور نے فرمایا کہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی۔“

بضاعہ مدینہ پاک میں ایک کنواں تھا، جس میں ہر قسم کی ندی حتیٰ کہ مرے کتے بھی پھینک دیئے جاتے تھے، مرا اس کے باوجود سرکار ﷺ نے کنوئیں کی ندی رنے پر بھی ناپاک نہیں فرماتے، مر امام ابوحنیفہ ایک قطرہ پیشاب رجانے پر بھی سارا کنواں ناپاک کہہ دیتے ہیں، حنفیوں کا یہ مسئلہ حدیث کے بالکل خلاف ہے کیا ابوحنیفہ حضور ﷺ سے زیادہ پاک و ستھرے تھے۔

جواب اس اعتراض کے چند جوابات ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ یہاں پانی میں کوئی قید نہیں، کہ کتنا پانی ناپاک نہیں، تو چاہیے کہ ہڑے لوٹے میں بھی حیض کے کپڑے کتوں کے دشت ڈال کر پیا کرو، کیونکہ پانی کو کوئی چیز ناپاک کرتی ہی نہیں۔

دوسرے یہ کہ ار یہاں پانی سے کنوئیں کا پانی ہی مراد ہوا اور مطلب یہ ہو کہ کنوئیں کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتے، تو بھی آپ کے خلاف ہے، کیونکہ تم کہتے ہو کہ ار نجاست سے کنوئیں کے پانی کا رن یا بویا مازہ بدل جاوے تو نجس ہو جاوے، وہ کونسا کنواں ہے جو مرے کتوں، حیض کپڑوں اور بدبودار چیزوں کے رنے کے باوجود ان کا رن بو، مزہ نہ بدلے، دن رات کا تجربہ ہے کہ ار ایک مرغی بھی کنوئیں میں پھول پھٹ جاوے تو پانی میں سخت تعفن آ جاتا ہے اس حدیث کی رو سے آپ کو فتویٰ دینا چاہیے کہ وہابیوں کے کنواں میں مردار، کتے، سور، حیض کے کپڑے خوب ڈالے جاویں اور تم اسی بدبودار پانی کو پیتے رہو، تم نے بو اور مزہ بدلنے کی قید کہاں سے لائی۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمام ان احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں، تعجب ہے کہ حضور علیہ السلام ٹھرے پانی میں پیشاب کرنے کو بھی منع فرماتے ہیں اور یہاں مردار کتنے ڈالنے سے ممانعت نہیں فرماتے، لہذا یہ حدیث قابل عمل نہیں تمام مشہور حدیثوں کے خلاف ہے۔

چوتھے یہ کہ حدیث قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور جب احادیث میں تعارض ہو تو جو حدیث خلاف قیاس ہو، وہ واجب ترک ہے اور جو مطابق قیاس ہو وہ واجب العمل ہے لہذا ان احادیث پر عمل کرو جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے۔

پانچویں یہ کہ بضاعہ کنواں ہمارے ملک کے کنوؤں کی طرح نہ تھا، بلکہ اس کے نیچے پانی جاری تھا جیسا کہ مکہ معظمہ کے کنوئیں بہر زبیدہ پر بنے ہوئے

ہیں اور مدینہ منورہ کے کنوئیں نہر زرقا پر واقع ہیں، بظاہر کنوئیں معلوم ہوتے ہیں مرد حقیقت وہ آب رواں کی نہریں ہیں چونکہ پانی جاری تھا اس لیے جوندی ری بہئی، پاک و صاف پانی آیا نہ اس میں بوجھی نہ کوئی ندی جاری نہر اور جاری دریا کا حکم یہ ہی ہے۔ چنانچہ طحاوی نے امام واقدی سے نقل کیا۔

أَنَّ بَرِيْضًا عَةً كَانَتْ طَرِيْقًا لِلْمَاءِ إِلَى الْبَسَاطِيْنِ فَكَانَ الْمَاءُ لَا يَسْتَقِرُّ فِيْهَا
 ”بضاعتہ کنواں پانی کا راستہ تھا جو باغوں میں جاتا تھا، اس میں پانی ٹھرتا نہ تھا۔“

اس صورت میں تمام احادیث متفق ہوئیں اور مسئلہ بالکل حل ہوا، لہذا کنواں ندی رنے سے نجس ہو جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۲ ترمذی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُسْأَلُ عَنِ الْمَاءِ يَكُونُ فِي الْفَلَاةِ مِنَ الْأَرْضِ وَمَا يَنْتُوْبُهُ مِنَ السَّبَاعِ وَالذُّوَابُ قَالَ إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلْتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخُبْثُ

”فرماتے ہیں کہ میں نے سنا نبی ﷺ کو حالانکہ آپ سے اس پانی کے متعلق سوال ہوا جو جھلوں میں ہوتا ہے جس پر درندے اور جانور وارد ہوتے ہیں، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب پانی دو مکے ہو تو نجاست کو نہیں اٹھاتا۔

اس سے معلوم وہا کہ دو مکے پانی نجاست رنے سے نجس نہیں ہوتا، امام ترمذی نے محمد ابن اسحاق سے روایت کی کہ دو قلعے پانچ مشکیزہ ہوتے ہیں، جب پانچ مشکیزے پانی نجس نہیں ہوتا تو کنوئیں میں تو سینکڑوں مشکیزے پانی ہوتا ہے وہ کیسے نجس ہو سکتا ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو مکے پانی کبھی ناپاک نہیں ہوتا خواہ کتنی ہی نجاست رنے خبث میں مقدار نجاست کی قید نہیں تو چاہیے کہ اردو مکے پانی میں چار مکے پیشاب پڑ جاوے اور اس کا بو، مزہ، رن سب پیشاب کا سا ہو جاوے تب بھی وہابی پیتے رہیں، رن و بونہ بدلنے کی قید تم نے کہاں سے لائی؟ یہ بھی حدیث کے خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ **لَمْ يَحْمِلِ الْخُبْثُ** کے یہ معنی کیسے ہوئے کہ نجس نہیں ہوتا اس کے معنی ہیں نجاست برداشت نہیں کرتا۔ یعنی نجس ہو جاتا ہے جب یہ احتمال بھی موجود ہے تو تمہارا استدلال باطل ہے۔

تیسرے یہ کہ ار یہ معنی کیئے جائیں کہ دو مکے پانی کبھی نجس نہیں ہوتا، تو یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں کہ حضور ﷺ نے ٹھرے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا خواہ دو مکے پانی ہو یا کم و بیش اور سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے چاہ زمزم میں ایک جشی رنے پر اس کا پانی نکلوایا، یہ کیوں وہاں تو ہزاروں مکے پانی تھا۔ لہذا یہ حدیث لائق عمل نہیں۔

چوتھے یہ کہ قلعین قلعہ کا ثنیہ ہے، قلعہ مکے کو بھی کہتے ہیں اور انسان کی قد و قامت کو بھی اور پہاڑ کی چوٹی کو بھی یہاں قلعہ کے معنی انسانی قد و قامت ہے اور اس سے ہرائی کا اندازہ بتانا مقصود نہیں بلکہ لمبائی کا اندازہ بیان کرنا مقصود ہے یعنی جب پانی بہہ رہا ہو اور دو قامت انسان کی بقدر اسے بہنے کیلئے فاصلہ مل جاوے تو اب کسی چیز سے نجس نہ ہوا کیونکہ وہ پانی نہروں کی طرح رواں جاری ہے ندی کو بہالے جاوایا، فوراً دوسرا پانی آوے، اس معنی سے احادیث میں تعارض بھی نہیں ہوا، اور ہر حدیث واجب العمل بھی ہوئی، یہ وجہ بہتر ہے، کیونکہ ارقلہ کے معنی ہوں مٹکا تو پتہ نہ چلے۔ کہ کتابڑا مٹکا کہاں کا مٹکا اور پانچ مشک مقدار مقرر کرنا بھی درست نہیں کہ حدیث میں یہ مقدار مذکور نہیں، نیز یہ خبر نہیں کو مشکیرہ کتابڑا اور کہاں کا، غرض کہ حدیث مجمل ہوئی، مجمل پر عمل ناممکن ہے۔

پانچویں یہ کہ اس حدیث میں وہ صورت مرا ہے کہ دو قلعے پانی زمین پر خوب پھیلا ہوا بڑے حوض کی مقدار میں ہو یعنی سوہا تھ سطح ہوئی۔ تو چونکہ یہ پانی تالاب کے حکم میں ہو یا، لہذا معمولی ندی رنے سے ناپاک نہ ہوا اس صورت میں بھی احادیث میں تعارض نہیں۔

اعتراض نمبر ۳ خفیوں کا ڈول بڑے کمال والا ہے کہ ناپاک کنوئیں سے صرف ناپاک پانی چھانٹ کر نکال لاتا ہے، پاک پانی چھوڑ آتا ہے حیرت ہے، کہ جب کنوئیں میں چڑیا مرئی جس سے سارا کنارا کنواں ناپاک ہو یا اور خفیوں نے اس میں سے صرف تیس ڈول نکالے تو یا تو کہو کہ سارا کنواں ناپاک ہو یا تھا تو تیس ڈول نکل جانے سے سارا پانی پاک کیسے ہوا۔

جواب یہ کرامت وہابیوں کے ڈول میں بھی ظاہر ہوتی ہے جب کنوئیں کا پانی بو مزہ رن بدل جانے کی وجہ سے ناپاک ہو جاوے اور کنواں چشمہ والا ہو، جس کا پانی ٹوٹ نہ سکے اب وہابی صاحبان اسے پاک کریں، بتاؤ اس صورت میں کل کنواں ناپاک ہوا ہے یا کچھ ڈول ار کچھ ڈول پانی ناپاک ہوا ہے تو وہابیوں کا ڈول واقعی کراماتی ہے کہ چھانٹ چھانٹ کر صرف ناپاک پانی نکال لایا، اور پاک پانی کو ہاتھ نہ لایا اور کل کنواں ناپاک ہوا تھا تو

کنوئیں کا کل پانی نکالا بھی نہیں، پانی کے آس پاس کی دیواریں دھوئی بھی نہ میں اور کنواں پاک ہو یا یہ کیسے ہوا اس کا جواب وہابی دیں گے وہ ہی ہماری طرف سے سمجھ لیں۔ جناب عالی چڑیا مر جانے سے سارا ہی کنواں ناپاک ہو جاتا ہے مرنا پاک چیزوں کے پاک کرنے کے طریقے مختلف ہیں کوئی چیز سوکھ کر کوئی جل کر کوئی بہہ کر کوئی صرف پونچھ دینے سے پاک ہو جاتی ہے ایسے ہی اس کنوئیں کا پانی صرف آسانی کیلئے چالیس ڈول نکال دینے سے پاک ہو جاتا ہے، دیکھو مٹی ناک ہے لیکن جب کپڑے میں ل کر خشک ہو جاوے تو صرف مل کر جھاڑ دینے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے تمہارا بھی یہ عقیدہ ہے کیسے یہ کپڑا بغیر دھوئے پاک کیسے ہو یا، صرف آسانی کیلئے ایسے ہی آسانی کے لئے صرف چالیس ڈول نکال دینے سے سارا کنواں پاک ہو جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۴ ارچڑیا چوہا مرنے سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے تو ناپاک پانی کی وجہ سے کنوئیں کی دیوار بھی نجس ہوئی اور جب اسے پاک کرنے کے لئے ڈول ڈالا یا تو وہ ڈول رسی بھی نجس ہوئی تو چاہئے تھا کہ اسے پاک کرنے کو دیوار بھی دھوئی جاتی اور ڈول رسی بھی پاک کی جاتی۔

جواب اس اعتراض کا جواب اعتراض نمبر ۳ کے جواب میں زریا کہ ایسے موقعہ پر شریعت آسانی کرتی ہے، کنوئیں کی دیواریں اور ڈول و رسی دھونے میں سخت دشواری تھی، اس لیے اس کی معافی دی گئی تم بھی اپنے ندے کنوئیں پاک کرتے وقت نہ کنوئیں کی دیواریں دھوتے ہو نہ ڈول و رسی آپ کا یہ قیاس حدیث کے مقابل ہے اور لفظ کے مقابل قیاس دوڑانا جائز نہیں ہم پہلی فصل میں بتا چکے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس وغیرہم صحابہ رضی اللہ عنہم نے چاہہاں مزمم پاک کیا، مگر نہ اس کی دیواریں دھوئیں نہ ڈول و رسی۔

چوبیسواں باب

نماز جمعہ وعیدین گاؤں میں نہیں ہوتی

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ نماز جمعہ و نماز عید و بقرہ گاؤں میں نہیں ہوتی، ان تینوں نمازوں کیلئے شہر یا شہر کی ملحقہ جگہ میں ہونا شرط ہے نہ گاؤں والوں پر جمعہ و عیدین لازم ہے نہ وہاں گاؤں میں یہ نمازیں جائز ہیں۔ ہاں اگر گاؤں والے شہر آ کر یہ نمازیں پڑھ جائیں تو ثواب پائیں گے مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ جمعہ وعیدین ہر جگہ جائز ہے نماز ظہر کی طرح ہر گاؤں شہر میں ہو سکتی ہیں، اس لئے اس مسئلہ کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں، پہلی فصل میں اس کی ممانعت کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات۔

نوٹ ضروری خیال رہے کہ شہر وہ بستی ہے جہاں کوچے و بازار ہوں ضروریات کی چیزیں مل جاتی ہوں اور وہاں کوئی حاکم بھی رہتا ہو جہاں یہ نہ ہو وہ گاؤں ہے۔

پہلی فصل

نماز جمعہ وعیدین کیلئے دوسری شرائط جماعت، خطبہ وغیرہ کی طرح شہر یا فضاء شہر بھی شرف ہے کہ یہ نمازیں صرف شہر میں ہوں گی، گاؤں میں نہیں ہو سکتیں۔ دلائل ملاحظہ ہوں، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

نمبر ۱ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ

”اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو جائے، تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور تجارتیں چھوڑ دو۔“

اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو اذان جمعہ ہو جانے پر دو حکم دیئے جمعہ کے لئے حاضر ہونا دوسرے تجارتی کاروبار چھوڑ دینا جس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ جمعہ وہاں ہی ہوگا، جہاں تجارتی کاروبار ہوں اور ظاہر ہے کہ تجارتی کاروبار بازاروں منڈیوں میں ہی ہوتے ہیں اور بازار و منڈیاں شہروں ہی میں ہوتی ہیں۔

نمبر ۲، ۳ عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں ابو عبید نے غریب میں مروزی نے کتاب الجمعہ میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مَضَرِّ جَامِعٍ ”آپ نے فرمایا کہ جمعہ اور تکبیر تشریق نہیں ہو سکتے مگر بڑے شہر میں۔“

نمبر ۴ ابن ابی شیبہ نے ان ہی امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَا جُمُعَتٌ وَلَا تَشْرِيقٌ وَلَا صَلَاةُ فُطْرٍ وَلَا أَضْحَىٰ إِلَّا فِي مَضَرِّ جَامِعٍ أَوْ مَدِينَةٍ عَظِيمَةٍ

”آپ نے فرمایا کہ نہ تو جمعہ ہوتا ہے، نہ تکبیر تشریق نہ عید بقر عید کی نماز مگر بڑے شہر میں۔“

نمبر ۵ یحییٰ نے عرفہ میں انہی حضرت علی سے روایت کی۔

قَالَ لَا تَشْرِيقَ وَلَا جُمُعَةَ إِلَّا فِي مَضَرِّ جَامِعٍ ”آپ نے فرمایا کہ نہیں ہے جمعہ اور نہ تکبیر تشریق مگر بڑے شہر میں۔“

نمبر ۶ فتح الباری شرح بخاری جلد ۲۔ ص ۳۱۶ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَيْسَ عَلَىٰ أَهْلِ الْقُرَىٰ جُمُعَةٌ إِنَّمَا الْجُمُعَةُ عَلَىٰ أَهْلِ الْأَمْصَارِ مِثْلِ الْمَدَائِنِ

”آپ نے فرمایا گاؤں والوں پر نماز جمعہ فرض نہیں جمعہ مدائن جیسے شہر والوں پر فرض ہے۔“

نمبر ۷ تا ۹ مسلم۔ بخاری، ابوداؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُونَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِي فَيَأْتُونَ فِي الْغُبَارِ وَالْعَرَقِ

”لوگ نماز جمعہ کے لئے اپنی منزلوں اور گاؤں سے مدینہ منورہ آتے تھے انہیں غبار لگ جاتا تھا اور پسینہ آ جاتا تھا۔“

نمبر ۱۰ ترمذی نے حضرت ثوید سے انہوں نے قبا والوں میں سے ایک صاحب سے انہوں نے اپنے والد سے جو صحابی رسول اللہ ﷺ ہیں روایت کیا۔

قَالَ أَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَشْهَدَ الْجُمُعَةَ مِنْ قُبَا
 ”فرمایا ہم قبا والوں کو ﷺ نے حکم دیا کہ نماز جمعہ کیلئے قبا سے چل کر مدینہ آئیں۔“

نمبر ۱۱ ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ نبی ﷺ سے روای۔

قَالَ الْجُمُعَةُ عَلَى مَنْ أَوَاهُ اللَّيْلُ إِلَى أَهْلِهِ
 ”فرمایا جمعہ اس پر فرض ہے جو جمعہ پڑھ کر رات تک اپنے گھر واپس پہنچ جائے۔“

نمبر ۱۲ ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کیا۔

أَنَّ أَهْلَ قُبَاءَ كَانُوا يَجْمَعُونَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ
 ”قبا والے لوگ جمعہ کے دن نبی ﷺ کے ساتھ جمعہ ادا کرتے تھے۔“

نمبر ۱۳، ۱۴ مؤطا امام مالک **بَابُ لَا جُمُعَةَ فِي الْعَوَالِي** اور مؤطا امام محمد **بَابُ صَلَوةِ الْعِيدَيْنِ وَأَمْرِ الْخُطْبَةِ**
 میں بروایت ابن شہاب عن ابی عبید موسیٰ ابن ازہر ہے۔

قَالَ شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ عُثْمَانَ فَصَلَّى ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَالَ إِنَّهُ قَدْ اجْتَمَعَ لَكُمْ فِي يَوْمِكُمْ هَذَا عِيدَانِ
يَنْتَظِرُ الْجُمُعَةَ فَيَنْتَظِرُهَا وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَرْجِعَ فَقَدْ أَذِنْتُ لَهُ

”فرمایا میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز عیدیں میں حاضر ہوا آپ نے نماز پڑھی پھر لوٹے اور فرمایا کہ آج کے دن میں دو عیدین جمع ہوگی ہیں، تو گاؤں والوں میں سے جو صاحب جمعہ کا انتظار کرنا چاہیں وہ کریں اور جو واپس جانا چاہیں میں انہیں اجازت دیتا ہوں۔“
 ان آخری احادیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی ﷺ اور زمانہ صحابہ میں قبا اور دیگر گاؤں سے لوگ نماز جمعہ و عیدین پڑھنے کے لیے مدینہ منورہ حاضر ہوتے تھے خواہ وہ اپنے گاؤں میں یہ نمازیں نہ پڑھ لیتے تھے اگر گاؤں میں نماز جمعہ جائز ہوتی تو یہ حضرات وہاں ہی پڑھ لیا کرتے، گردوغبار میں اور پسینہ کی زحمتیں اٹھا کر جمعہ و عیدین کے لیے مدینہ طیبہ نہ آیا کرتے۔ بخاری کے لفظ **يَنْتَابُونَ** اور مؤطا کے لفظ **أَنْ يَرْجِعَ** سے معلوم ہوا کہ گاؤں والوں پر جمع فرض نہیں، ورنہ ان کے باری باری آنے کے کیا معنی اور صرف عید پڑھ کر جو جمعہ کے دن تھی بغیر جمعہ پڑھ لوٹ جائیگا کیا مطلب؟
عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جمعہ گاؤں اور جنگلوں میں ہونہ کہ صرف شہر میں ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کاج الوداع بروز جمعہ ہوا یعنی ۹ ذی الحجہ عرفہ کے دن جمعہ تھا، جس میں ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کا اجتماع تھا مگر حضور ﷺ نے نہ تو خود میدان عرفات میں جمعہ پڑھانہ مکہ کے حاجیوں کو اس کا حکم دیا نیز صحابہ کرام نے بہت ملک فتح کیے مگر کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ ان حضرات نے گاؤں میں جمعہ قائم کیے ہوں چنانچہ فتح القدر باب الجمعہ میں ہے۔

وَلِهَذَا لَمْ يُنْقَلْ عَنِ الصَّحَابَةِ حِينَ فَتَحُوا الْبِلَادَ دَوَّاشْتَعَلُّوْا بِنَصْبِ الْمَنَابِرِ وَالْجُمُعِ إِلَّا فِي الْأَمْصَارِ
 ”صحابہ کرام سے کہیں منقول نہیں کہ جب انہوں نے علاقے فتح کیے تو انہوں نے شہروں کے سوا کہیں اور عید اور جمعہ قائم کیے ہوں۔“

اگر جمعہ ظہر کی طرح ہر جگہ ہو جایا کرتا تو یہ حضرت ہر جگہ ہی جمعہ قائم کرتے جیسے جمعہ کیلئے خطبہ جماعت وغیرہ شرط ہے جو نماز ظہر کے لیے شرط نہیں نیز جمعہ مسافر اور عورت و بیمار پر فرض نہیں، ظہر سب پر فرض ہے ایسے ہی اگر جمعہ کیلئے شہر شرط ہو تو کیا مضائقہ ہے غرض کہ جمعہ سارے احکام میں ظہر کی طرح نہیں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض و جوابات

اعتراض نمبر ۱ قرآن کریم سے نماز جمعہ کی فرضیت بطریق اطلاق ثابت ہے، وہاں شہر کی قید نہیں تو تم مذکورہ احادیث کی وجہ سے قرآن میں قید کیسے لگا سکتے ہو، قرآن مطلق حدیث واحد سے مقید نہیں ہو سکتا۔

جواب اس کے چند جوابات ہیں ایک الزامی باقی تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے، کہ قرآن شریف میں نماز جمعہ کے لیے کوئی شرط نہیں لگائی گئی نہ وقت کی، نہ خطبہ کی، نہ جماعت کی، نہ جگہ کی تو چاہئے کہ نماز جمعہ دن رات فجر مغرب ہر وقت میں پڑھا لیا کرو، نیز خطبہ کی بھی پابندی نہ ہو جنگل اور گھر میں اکیلا آدمی بھی جمعہ پڑھ سکے حالانکہ آپ لوگ بھی اس کے قائل نہیں۔

دوسرے یہ کہ آیت جمعہ مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے اور مجمل کی تفصیل حدیث واحد سے بھی ہو سکتی ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ احادیث واحد نہیں عرفات میں حضور ﷺ کا جمعہ نہ پڑھنا تمام ان حاجی صاحبان نے دیکھا، جنگی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی جس فعل شریف کو اتنے صحابہ دیکھیں، وہ خبر واحد کیونکہ ہوگی،۔

چوتھے یہ کہ خود قرآن کریم میں شہر کے شرط ہونے کی طرف اشارہ موجود ہے کہ رب نے حکم جمعہ کے ساتھ فرمایا **وَذَرُوا الْبَيْعَ** جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲ بخاری وغیرہ میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ مسجد نبوی شریف ﷺ کے بعد سب سے پہلا جمعہ عبدالقیس میں ہوا جو بحرین کے ایک قریہ جو اُلیٰ میں واقع ہے معلوم ہوا کہ قریہ یعنی گاؤں میں جمعہ ہو سکتا ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ عربی میں قریہ صرف گاؤں کو نہیں کہتے مطلقاً بستی کو کہتے ہیں گاؤں ہو یا شہر قرآن کریم میں بہت جگہ شہر کو قریہ کہا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نَزَّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ

”کفار بولے کہ یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ و طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا۔“

دیکھو اس آیت میں مکہ معظمہ و طائف کو قریہ فرمایا گیا حالانکہ یہ بڑے شہر ہیں، مکہ معظمہ کی شہریت تو قرآن سے ثابت ہے۔

وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ اور فرماتا ہے۔

وَأَسْأَلُ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا ”آپ پوچھیں اس شہر سے جس میں ہم تھے۔“

حَتَّىٰ إِذَا آتَىٰ أَهْلَ قَرْيَتِهِ نَسْتَعْطَمَ أَهْلُهَا ”یہ دنوں (موسیٰ و خضر علیہ السلام) ایک بستی میں پہنچے اور وہاں کے باشندوں سے کھانا مانگا۔“ اس آیت میں اٹھا کیہ کو قریہ فرمایا گیا، حالانکہ بڑا شہر ہے، بہر حال قریہ شہر کو بھی کہتے ہیں جو اُلیٰ گاؤں نہ تھا، بلکہ شہر تھا، چنانچہ صحاح میں ہے۔

أَنَّ جَوَالِي حِصْنٍ بِالْبَحْرَيْنِ ”جو اُلیٰ بحرین میں ایک قلعہ ہے۔“

اور ظاہر ہے کہ قلعہ شہروں میں ہوتا ہے، (فتح القدیر) مبسوط میں ہے۔

إِنَّهَا مَدِينَةٌ بِالْبَحْرَيْنِ ”وہ بحرین میں ایک شہر ہے۔“

بہر حال جب لوگوں نے کہا کہ جو اُلیٰ قریہ ہے انکی مراد قریہ سے شہر ہے، دوسرے یہ کہ اگر یہاں قریہ بمعنی گاؤں ہو تو اس کی پہلی حالت مراد ہے یعنی پہلے وہ گاؤں تھا، جمعہ قائم ہونے کے وقت شہر بن چکا تھا، لہذا شہر والی روایتیں بھی درست ہیں گاؤں والی بھی۔ تیسرے یہ کہ اگر جمعہ قائم ہونے کے وقت بھی گاؤں تھا تو وہاں جمعہ پڑھنا صحابہ کرام کے اپنے اجتہاد سے نہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان بزرگوں کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا۔

(از فتح القدیر وغیرہ)

اعتراض نمبر ۳ یہی شریف میں بروایت عبدالرحمن ابن کعب عن کعب ابن مالک ہے فرماتے ہیں سب سے پہلے جمعہ ہم کو سعد ابن زارہ نے مقام حرہ بنی بیاضہ پر پڑھایا، پوچھا گیا کہ وہاں کتنے آدمی رہتے تھے تو فرمایا صرف چالیس آدمی تھے حضرت کعب جب بھی اذان سنتے تو حضرت سعد کو دعائیں دیتے تھے دیکھو سعد بن زارہ بھی صحابی ہیں اور حضرت کعب ابن مالک بھی ان بزرگوں نے مع دوسرے صحابہ کرام ایسی جگہ جمعہ پڑھایا جہاں صرف چالیس کی بستی تھی معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ جائز ہے۔

جواب یہ واقعہ حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے کا ہے جب کہ جمعہ بھی فرض بھی نہ ہوا تھا۔ بیعت عقبہ کے بعد جب مدینہ منورہ میں اسلام پھیلا اور کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تو ان مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جیسے یہود ہفتہ کے دن اور عیسائی التوار کے دن اپنے عبادت خانوں میں جمع ہو کر عبادتیں کرتے ہیں ہم بھی عروبہ کے دن جمع ہو کر عبادت کیا کریں۔ چنانچہ حضرت سعد ابن زارہ نے حرہ بنی بیاضہ میں ایک خاص جگہ مسجد کی شکل کی بنائی اور وہاں عروبہ کے دن جمع ہونا نماز و عطا کرنا شروع کر دیا اور اس دن کا نام یوم جمعہ رکھا مسلمانوں کے اجتماع کا دن یہ نماز ان بزرگوں کی اجتہادی نماز تھی۔ نہ کہ موجودہ اسلامی جمعہ پھر رب تعالیٰ نے اسی دن میں نماز جمعہ فرض فرمائی اس کی تحقیق یہی میں اسی مقام پر اور فتح القدیر میں جمعہ کی بحث میں ملاحظہ کرو اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ نماز مروجہ جمع ہی کی نماز تھی۔ تو حرہ بنی بیاضی مستقل گاؤں نہ تھا بلکہ مدینہ منورہ کے مضافات میں

سے تھا یعنی فنائے شہر اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ فنائے شہر کے جنگلوں میں بھی جمعہ وعیدین جائز ہیں۔

اعتراض نمبر ۴ بخاری شریف میں حضرت یونس سے مروی ہے کہ جناب رزق ابن حکیم نے ابن شہاب کو خط لکھا کہ کیا میں اپنی زمین ایلہ میں جمعہ پڑھ لیا کروں جہاں چند سوڈانی وغیرہ مسلمان رہتے ہیں، انہوں نے جواب دیا ضرور دیکھو، محمد ابن شہاب نے رزق کو ایک بہت چھوٹے سے گاؤں ایلہ میں جمعہ پڑھنے کا حکم دیا معلوم ہوا کہ جمعہ گاؤں میں جائز ہے۔

جواب اس کا جواب بخاری شریف کے اسی مقام سے معلوم ہو جاتا ہے کہ محمد ابن مسلم ابن سہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ اپنے اجتہاد سے دیا ہے نہ کہ کسی حدیث کی بنا پر انہیں مسئلہ معلوم نہ تھا وہ سمجھے کہ ظہر کی طرح جمعہ ہر جگہ ہو جاتا ہوگا لہذا یہ حکم دے دیا چنانچہ بخاری میں اس جگہ اس شہاب کا پورا عطف نقل کیا ہے جس میں اس فتوے کی یہ دلیل نقل فرمائی ہے کہ مجھ سے سالم نے ان سے عبد اللہ ابن عمر نے ان سے نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے اس سے قیامت میں اپنے ماتحتوں کے متعلق سوال ہوگا اے اس سے معلوم ہوا کہ ابن شہاب کو گاؤں میں جواز جمعہ کی کوئی حدیث نہ ملی صرف اس حدیث سے استنباط کیا۔

اعتراض نمبر ۵ تمہاری پیش کردہ حدیثیں سب حضرت علی کے اقوال ہیں نہ کہ نبی ﷺ کے فرمان ایک صحابی کے قول سے قرآنی آیت کے خلاف فتویٰ کیونکر دیا جاسکتا ہے۔

جواب صحابہ کرام کے اقوال بھی حدیث ہیں جنہیں حدیث موقوف کہا جاتا ہے، اور یہ حدیثیں اگر قیاسات کی قسم کی نہ ہوں تو حدیث مرفوعہ کے حکم میں ہوتی ہیں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ قرآن شریف میں جمعہ کی نماز کے لیے شہر کی صراحۃً قید نہ لگائی گئی اور پھر آپ نے فرمایا کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں معلوم ہوا کہ آپ نے اپنی رائے سے یہ کلام نہیں فرمایا ہے، بلکہ حضور ﷺ سے سن کر فرمایا اسی لیے صاحب ہدایہ نے یہ حدیث مرفوعاً نقل فرمائی کیونکہ ایسی حدیثیں مرفوعہ کے حکم میں ہی ہوتی ہیں۔

اعتراض نمبر ۶ جمعہ کی نماز نماز ظہر کے قائم مقام ہے اسی لیے جمعہ کے دن ظہر نہیں پڑھی جاتی صرف جمعہ ہی پڑھا جاتا ہے جب ظہر گاؤں و شہر ہر جگہ ہو جاتی ہے تو جمعہ بھی ہف جگہ ہو جانا چاہیے۔

جواب یہ اعتراض تم پر بھی پڑ سکتا ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ظہر کی طرح جمعہ بھی اکیلے جماعت سے جنگل میں، گھر میں، مسجد میں ہر جگہ ہو جانا چاہیے۔ اللہ کے بند و جب جمعہ اور ظہر میں بہت سے فرق ہیں کہ ظہر کی رکعتیں چار جمعہ کی دو ظہر میں سنت مؤکدہ چھ چار تو فرضوں سے پہلے اور دو بعد میں جمعہ میں آٹھ چار فرض سے پہلے اور چار بعد میں جماعت شرط نہیں اور جمعہ میں شرط ہے۔ ظہر میں خطبہ شرط نہیں جمعہ میں شرط ظہر میں ایک اذان جمعہ میں ۲ ظہر گھر میں بھی جائز مگر جمعہ کے لیے اذان عامل کی جگہ ہونا ضروری ظہر سارے مسلمانوں پر فرض مگر جمعہ عورت و مسافر پر فرض نہیں، جب جمعہ اور ظہر میں اتنے فرق موجود ہیں تو اگر یہ فرق بھی ہو جائے کہ جمعہ کے لیے شہر شرط ہو تو کیا مضائقہ ہے تحقیق یہ ہے کہ جمعہ ہجرت سے پہلے ہی فرض ہوا تھا مگر نبی ﷺ نے نہ تو ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں جمعہ پڑھا اور نہ ہجرت کے بعد قبا کے قیام کے دوران میں کیونکہ اس وقت مکہ معظمہ دارالاسلام نہ تھا اور قبا شریف شہر نہ تھا، جمعہ کے لیے دونوں چیزیں شرط ہیں۔

اعتراض نمبر ۷ حنفی کہتے ہیں کہ موسم حج میں منی میں جمعہ پڑھا جائے، منی تو گاؤں بھی نہیں محض جنگل ہے اگر جمعہ کے لیے شہر شرط تھا تو منی میں جمعہ جائز کیوں ہو گیا۔

جواب حج کے زمانہ میں منی شہر بن جاتا ہے کیونکہ وہاں ہر قسم کی عمارتیں گلی کوچے بازار تو پہلے ہی بنے ہوئے ہیں، حج کے موسم میں وہ سب آباد ہو جاتے ہیں اور وہاں حاکم بھی موجود ہوتا ہے، اس لیے وہاں جمعہ جائز ہے۔ اس زمانہ میں دہلی و کانپور کے مقابلہ کا شہر بن جاتا ہے عرفات محض میدان ہے چاہیے تو تھا کہ وہاں نماز عید بھی پڑھی جاتی مگر چونکہ اُس دن حج کے مشاغل بہت زیادہ ہیں اس لیے حجاج پر عید معاف ہے۔ رمی، قربانی، حجامت، طوائف زیارت یہ سب دسویں تاریخ کو کئے جاتے ہیں ان کی ادا میں شام ہو جاتی ہے خیال رہے کہ مسافر پر نہ جمعہ فرض ہے نہ عدا جب اور اکثر حجاج مسافر ہی ہوتے ہیں۔

نوٹ ضروری جہاں مسلمانوں گاؤں میں جمعہ پڑھ لیتے ہوں، وہاں ان کو ظہر احتیاطی پڑھنے کا تاکید حکم دیا جائے ورنہ ان کا فرض ادا نہ ہوگا نماز ظہر رہ جائے گی۔

پچیسواں باب

نماز جنازہ میں الحمد شریف کی تلاوت نہ کرو

احناف کے نزدیک نماز جنازہ میں تلاوت قرآن مطلقاً خلاف سنت ہے اس میں نہ تو سورۃ فاتحہ پڑھی جاوے نہ کوئی اور سورت کہ اگر اس نماز میں صرف حمد الہی درود شریف اور دعا پڑھی جاوے ہاں اگر الحمد شریف یا کوئی دوسری سورت ثناء الہی یا دعا کی نیت سے پڑھے تو جائز ہے تلاوت کی نیت سے جائز نہیں، تلاوت اور دعا کی نیتوں کے احکام مختلف ہیں دیکھو ناپاکی (جنابت) کی حالت میں آیۃ قرآنی تلاوت کی نیت سے پڑھنا حرام ہے، دعا کی نیت سے پڑھنا درست کسی نے پوچھا، آپ کا مزاج کیسا ہے، ہم نے کہا **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ** اگر ہم ناپاکی کی حالت میں ہوں تب بھی یہ کہہ دینا جائز ہے لیکن اگر تلاوت قرآن کی نیت سے یہ آیت پڑھی تو سخت جرم ہے، مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن کی نیت سے سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں پہلی فصل میں اپنے دلائل، دوسری فصل میں اسی پر سوال و جواب۔

پہلی فصل

اس مسئلہ پر دلائل

نمبر ۱ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَّاتٌ ”منافقین میں سے کوئی مر جائے تو آپ اُس پر جنازہ نہ پڑھیں۔“

آیت کریمہ میں نماز جنازہ کو صلوٰۃ فرمایا مگر ساتھ میں **عَلٰی** ارشاد فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ یہ نماز درحقیقت دعا ہے۔ عرفی نماز نہیں جیسے رب فرماتا ہے۔

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ”اے مسلمانو تم نبی پر درود و سلام پڑھو۔“

یہاں صلوٰۃ اعلیٰ میں نماز مراد نہیں بلکہ درود دعا مراد ہے کیونکہ اس کے بعد **عَلٰی** ارشاد ہے جب صلوٰۃ کے بعد **عَلٰی** ہو تو وہ بمعنی دعا، رحمت ہوتی ہے نہ کہ عرفی نماز اور ظاہر ہے کہ سورۃ فاتحہ و تلاوت قرآنی عرفی نماز کا رکن ہے نہ کہ دعا کا۔ دعا کے لیے حمد الہی درود شریف چاہیے چونکہ جنازہ درحقیقت دعا ہے نہ کہ عرفی نماز لہذا اس میں تلاوت قرآن کیسی اسی لیے اس میں رکوع سجدہ نہیں اور اس میں میت کو آگے رکھا جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۱ موطا امام مالک میں بروایت نافع عن ابن عمر ہے۔

اِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْرَأُ فِی الصَّلٰوَةِ عَلٰی الْجَنَازَةِ ”سیدنا عبداللہ ابن عمر نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے۔“

حدیث نمبر ۲ اسی موطا امام مالک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَمَّنْ سَلَّ اَبَا هُرَيْرَةَ کَیْفَ یُصَلِّیْ عَلٰی الْجَنَازَةِ فَقَالَ اَبُو هُرَيْرَةَ اَنَا لَعُمْرِکَ اُخْبِرُکَ اَتَّبِعُهَا مِنْ عِنْدِ اَهْلِهَا فَاِذَا وَضَحْتُ کَبَّرْتُ وَحَمَدْتُ اللّٰہُ وَصَلَّیْتُ عَلٰی نَبِیِّہٖ ثُمَّ اَقُوْلُ اللّٰہُمَّ عَبْدُکَ وَابْنُ عَبْدُکَ وَابْنُ اُمّتِکَ کَانَ یَشْہَدُ الخ (فتح)

”روایت ہے اس سے جس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ وہ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں، تو آپ نے فرمایا تمہاری عمر کی قسم میں بتاتا ہوں میں میت کے گھر سے اس کے ساتھ جاتا ہوں جب میت رکھی جاتی ہے تو تکبیر کہتا ہوں اور اللہ کی حمد اس کے نبی ﷺ پر درود عرض کرتا ہوں پھر یہ دعا پڑھتا ہوں اَللّٰہی تیرا یہ بندہ تیرے فلاںے بندے فلاںی بندی کا لڑکا تو حید و رسالت کی گواہی دیتا تھا الخ۔“

غور کرو، کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بتائی ہوئی نماز جنازہ میں حمد، درود، دعا کا ذکر تو ہے مگر تلاوت قرآن کا بالکل ذکر نہیں، معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۳ ابو داؤد ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلٰی الْمَیّتِ فَاخْلِصُوْا لَہٗ الدُّعَاءَ

”فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لیے خاص دعا کرو۔“

ہم لوگ اس حدیث کے معنی کرتے ہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھو تو خلوص دل سے اس کے لیے دعا مانگو اس سے دعا بعد نماز جنازہ کا ثبوت ہے مگر حضرات وہابی اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھو تو نماز میں خالص دعا کرو۔

ان کے اس معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہیں صرف دعا ہے کہ خالص اس کو کہا جاتا ہے کہ جس میں اور چیز کی ملاوٹ نہ ہو ان کے ہاں مطلب یہ ہے کہ جیسے نمازوں میں تلاوت، رکوع، سجدہ، التحیات و دعا وغیرہ سب کچھ ہوتی ہے اس جنازہ کی نماز میں جہز دعا کے کچھ نہ ہو رہی، حمد و درود یہ دعا کے توابع سے ہے کہ دعا کے ادب میں سے ہے بہر حال یہ حدیث ان کے معنی سے ہی انہی کے خلاف ہے اور احناف کی تائید کرتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۴ یعنی شرح بخاری جلد دوم ص ۱۵۴ باب قراءۃ الفاتحہ علی الجنائزہ میں حسب ذیل احادیث ہیں۔

وَمِمَّنْ كَانَ لَا يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ وَيُنْكَرُ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ وَعَلِيُّ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ وَابْنُ عُمَرَ وَأَبُو هُرَيْرَةَ وَمِنْ التَّابِعِينَ عَطَاءٌ وَطَاوُسٌ وَسَعِيدُ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَابْنُ سِيرِينَ وَسَعِيدُ ابْنِ جَبْرِ وَالشَّعْبِيُّ وَالْحَكَمُ قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ وَبِهِ قَالَ مُجَاهِدٌ وَحَمَادٌ وَالثَّوْرِيُّ وَقَالَ مَالِكٌ قِرَاءَةُ الْفَاتِحَةِ لَيْسَتْ مَعْمُولًا بِهَا فِي بَلَدِ نَافِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ

”اور جو حضرات نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے اور اس کا انکار کرتے تھے، ان میں حضرت عمر ابن خطاب، علی ابن ابی طالب، ابن عمر اور ابو ہریرہ ہیں اور تابعین میں سے حضرت عطاء طائوس۔ سعید ابن مسیب، محمد ابن سیرین، سعید ابن جبیر، امام شعبی اور حکم ہیں، ابن منذر کہتے ہیں کہ یہی قول مجاہد اور حماد ثوری کا ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے شہر (مدینہ منورہ) میں نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھنے کا رواج نہیں۔“

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ ہو کیونکہ عام نمازوں میں جیسے تلاوت قرآن رکن ہے ویسے ہی انہیں رکوع، سجدہ، التحیات میں بیٹھنا بھی رکن ہے، اور ان نمازوں میں قبر یا میت یا کسی زندہ آدمی کا منہ اپنے سامنے ہونا حرام ہے نماز جنازہ میں نہ تو رکوع، سجدہ و التحیات ہے اور یہ نماز میت کو آگے رکھ کر ادا کی جاتی ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ نماز درحقیقت دعا ہے اور دعا میں حمد، درود تو ہے مگر تلاوت قرآن نہیں لہذا جنازہ میں تلاوت بھی نہیں، وہابی حضرات کو چاہیے کہ جب نماز جنازہ میں تلاوت کرتے ہیں تو رکوع سجدہ بھی کیا کریں ہمارے ہاں پنجاب میں نماز جنازہ شروع ہوتے وقت پکار کر ایک آدمی نیت کی یوں تلقین کرتا ہے۔

نماز جنازہ فرض کفایہ ثناء واسطے اللہ تعالیٰ کے درود واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا واسطے حاضر میت کے منہ طرف کعبہ شریف کے پیچھے اس امام کے، اس سے معلوم ہوا کہ عام مسلمان نماز جنازہ کو حمد، درود و دعا کا مجموعہ ہی سمجھتے ہیں اسے مروجہ پنجگانہ نماز نہیں سمجھتے، بہر حال نماز جنازہ میں تلاوت قرآن ممنوع ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک ہم کو جس قدر اعتراضات مل سکے ہیں، ان کے جوابات عرض کرتے ہیں اگر بعد میں کوئی نیا اعتراض ملا تو ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دی جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱ مشکوٰۃ شریف باب نماز جنازہ میں بحوالہ بخاری شریف ہے۔

عَنْ طَلْحَةَ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَوْفٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلَى جَنَازَةِ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَقَالَ لِتَعْلَمُوا أَنَّهَا سُنَّةٌ

”روایت ہے طلحہ ابن عبد اللہ ابن عوف سے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس کے پیچھے ایک نماز پر نماز پڑھی تو آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا میں نے اس لیے پڑھی کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کا عمل ہے۔

جواب اس حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے چند وجہ سے ایک یہ کہ اس روایت میں یہ نہیں آیا کہ جناب ابن عباس نے نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھی بلکہ ظاہر یہ ہے کہ نماز کے بعد میت کو ایصال ثواب کے لیے پڑھی ہو جیسا کہ فقراء کی ف سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ فق تعقیب کی ہے، دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جائے کہ نماز کے اندر ہی پڑھی تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ عیت حمد و ثناء پڑھی یا عیت

تلاوت، صیغہ دعا و تلاوت پڑھنا ہم بھی جائز کہتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ آپ کے سورہ فاتحہ پڑھنے پر سارے حاضرین صحابہ و تابعین کو سخت تعجب ہوا تب ہی تو آپ نے معذرت کے طور پر کہا کہ میں نے یہ عمل اس لیے کیا تا کہ تم جان لو یہ سنت ہے پتہ چلا کہ صحابہ کرام نہ تو پڑھتے تھے اور نہ اسے سنت جانتے تھے اسی لیے آپ کو یہ معذرت کرنا پڑی۔ پانچویں یہ کہ آپ نے یوں نہ فرمایا کہ یہ سنت رسول اللہ ہے بلکہ لغوی معنی میں سنت فرمایا یعنی یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ بجائے دوسری ثناء اور دعاء کے سورہ فاتحہ پڑھ لی جائے ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ چھٹے ہی کہ نبی ﷺ سے کہیں ثابت نہیں ہوا کہ آپ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی ہو۔ ساتویں یہ کہ بجز سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے کسی صحابی سے جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں بلکہ نہ پڑھنا ثابت ہے، جیسا کہ ہم فصل اول میں عرض کر چکے ہیں، چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔

وَلَمْ تَثْبُتِ الْقِرَاءَةُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ”نبی ﷺ سے جنازہ میں قرأت ثابت نہیں۔“

بہر حال اس حدیث سے جنازہ میں فاتحہ پڑھنا ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بالکل مجمل ہے۔ جس میں بہت سے احتمالات ہیں۔

اعتراض نمبر ۲ مشکوٰۃ شریف، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ میں بروایت حضرت عبداللہ ابن عباس ہے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ”کہ نبی ﷺ نے جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔“
معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس کی اسناد میں ابراہیم ابن عثمان واسطی ہے جو محدثین کے نزدیک منکر الحدیث ہے، چنانچہ ترمذی شریف میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

قَالَ أَبُو عِيْسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ "لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِذَلِكَ الْقَوِيِّ إِبْرَاهِيمُ ابْنُ عُثْمَانَ هُوَ أَبُو هَيْبَةَ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ"
”ابو عیسیٰ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباس کی یہ حدیث اسناد اقویٰ نہیں، ابراہیم ابن عثمان منکر حدیث ہیں۔“

دوسرے یہ کہ ابوداؤد نے یہ حدیث نقل نہیں کی بلکہ انہوں نے عبداللہ ابن عباس کی حدیث موقوف نقل فرمائی ہے صاحب مشکوٰۃ فلفطی سے ابوداؤد کا نام لے گئے (مرقاۃ)۔ تیسرے یہ کہ اگر حدیث صحیح بھی مان لو تو بھی اس سے نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہوتا ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ نے نماز سے آگے یا پیچھے میت کے ایصال ثواب کے لیے سورہ فاتحہ پڑھی ہو، یہاں اس کا بیان ہے چنانچہ اس حدیث کی شرح میں اشعة اللمعات میں ہے۔

واحتمال وادکر کہ ہر جنازہ بعد ان ناریا پیش ازاں بقصد تہرک خواندہ باشد چنانکہ آلاں متعاف است

”یعنی احتمال یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ سے پہلے یا بعد، جنازہ پر برکت کیلئے پڑھی ہو جیسا کہ اب بھی رواج ہے۔“

بہر حال اس حدیث سے جنازہ میں تلاوت فاتحہ کا ثبوت ہرگز نہیں ہوتا تعجب ہے کہ حضرات اہل حدیث ہم لوگوں سے جواز یا استحباب ثابت کرنے کے لیے نہایت کھری صحیح نکسالی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور خود جو ثابت کرنے کے لیے ایسی مجمل اور منکر وضع حدیثیں پیش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انصاف کی توفیق دے۔

اعتراض نمبر ۳ جب تم نماز جنازہ کو نماز کہتے ہو تو اس میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب مانو۔

حدیث شریف میں ہے۔ **لَا صَلَوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ** ”(بغیر سورہ فاتحہ کوئی نماز نہیں ہوتی)“ نماز جنازہ بھی نماز ہے یہ بھی بغیر سورہ فاتحہ نہ ہونی چاہیے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی تو یہ ہے کہ پھر آپ نماز جنازہ میں رکوع سجدہ بھی کیا کریں، کیونکہ نمازوں میں یہ بھی فرض ہے، تحقیقی جواب یہ ہے کہ نماز جنازہ نہیں بلکہ دعا ہے اسے نماز کہنا صرف اس لیے ہے کہ اس میں نماز کی بعض شرطیں ملحوظ ہیں، جیسے وضو قبلہ کو رخ، اگر یہ نماز ہوتی تو اس میں میت کو کبھی آگے نہ رکھا جاتا۔

آخر کتاب میں ہم چند اہم مسائل عرض کرتے ہیں، جن سے اہلسنت احناف کے دل باغ باغ ہو جاویں، گلشن تقلید کے ایسے پھول سگھاتے ہیں، جن سے ان کے دل دماغ ایمان مہک جاویں، کیونکہ وہابی غیر مقلدین کی خشک گفتگو سنتے سنتے دل گھبرا گیا۔

پہلا مسئلہ

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب

غیر مقلد وہابی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے سخت دشمن ہیں، ان کے مسائل پر پھبتیاں کتے اور مذاق اڑاتے ہیں، ان میں سے بعض نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تاریخ ولادت سگ، اور تاریخ وفات کو کم جہاں پاک، لکھی ہے۔ نعوذ باللہ اسی کے جواب میں بعض احناف نے کہا اور گد کے عدد ایک ہی ہیں یعنی ۲۴ گد بھی مردار خور ہے اور یہ لوگ بھی گزرے ہوئے بزرگوں کے تیرائی، غیبت کو قرآن کریم نے مرے بھائی کا گوشت کھانا قرار دیا ہے۔ خیال رہے کہ وہابی کے عدد چوبیس، چوہے کے عدد چوبیس، وہابی چوہے کی طرح دین کترتے ہیں، گد کی طرح غیبت کر کے مردار کھاتے ہیں۔ مجھے اس سے صدمہ ہوا، دل نے چاہا کہ اس عالی جناب کے کچھ حالات اور مناقب مسلمانوں کو سناؤں اور بتاؤں کہ حضرت امام کا اسلام میں کیا درجہ و منزلت ہے، شائد رب تعالیٰ ان بزرگوں کی مدح خوانی کو میرے لیے کفارہ سیات بنادے اور مجھے ان بزرگوں کے غلاموں میں حشر نصیب فرماوے مسلمان اپنے امام کے مناقب سنیں اور ایمان تازہ کریں۔

امام اعظم کا نام و نسب حضرت امام ابو حنیفہ کا نام شریف نعمان ابن ثابت ابن زوطی ہے۔ حضرت زوطی یعنی امام کے دادا فارسی النسل ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عاشق زار اور آپ کے خاص مقربین بارگاہ میں سے تھے آپ ہی کی محبت سے کوفہ میں قیام اختیار کیا، جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس کا دار الخلافہ تھا، حضرت زوطی اپنے فرزند حضرت ثابت کو جو بچہ ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس دعا کیلئے لے گئے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ثابت کے لیے دعا فرمائی اور بہت برکت کی بشارت دی، حضرت امام حضور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کرامت و بشارت ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ سنہ ۷۷ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۵۰ھ ہجری میں بغداد میں وفات پائی، خیر زان قبرستان میں دفن ہوئے، آپ کی قبر زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ ستر سال عمر شریف ہوئی۔

حضرت امام نے بہت صحابہ کا زمانہ پایا، جن میں سے چار صحابہ سے ملاقات کی، انس بن مالک جو بھرے میں تھے، عبداللہ ابن ابی اوفیٰ جو کوفہ میں تھے، سمیل ابن سعد ساعدی جو مدینہ منورہ میں تھے۔ ابو طفیل عامر ابن ساصلہ جو مکہ معظمہ میں تھے اس کے متعلق اور بھی روایات ہیں، مگر یہ قول راجح ہے۔ امام اعظم حضرت حماد کے شاگرد رشید اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے تلمیذ خاص اور مخصوص صحبت یافتہ ہیں۔ دو سال تک امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی معیت نصیب ہوئی، حضرات امام کو منصور بادشاہ کوفہ سے بغداد لایا، پھر آپ سے قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کر نیکی درخواست کی آپ نے انکار کیا اس پر آپ کو قید کر دیا اور قید میں ہی یہ آفتاب و عمل غروب ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ۔

امام اعظم کے مناقب حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام اعظم کے فضائل و مناقب ہماری حدود سے باہر ہیں۔ حضرت امام حضور ﷺ کا زندہ جاوید معجزہ اور حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی نہ مٹنے والی کرامت ہیں، امت مصطفویہ کے چراغ دینی مشکلات کو حل فرمانے والے ہیں۔ الحمد للہ اہل سنت احناف بڑے خوش نصیب ہیں ہمارا رسول رسول اعظم ﷺ ہمارا پیر غوث اعظم رضی اللہ عنہ ہمارا امام اعظم عظمت و عزت ہمارے ہی نصیب میں ہے۔ انھیں تعالیٰ و کرمہ، ہم تمہرک کے لیے چند مناقب عرض کرتے ہیں، خفی سنیں اور باغ باغ ہوں۔ حضور سید عالم ﷺ نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی پشتگوٹی اور فضیلت نہایت اہتمام سے بیان فرمائی چنانچہ مسلم و بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ابو نعیم، شیرازی، طبرانی نے قیس ابن ثابت ابن عبادہ سے روایت کی۔

لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثَّرِيَّا لَتَنَآوَلَهُ رِجَالٌ مِنْ أَسْنَاءِ فَارِسٍ وَفِي رِوَايَةِ الْبُخَارِيِّ وَالْمُسْلِمِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ كَانَ الَّذِينَ مُعَلِّقًا بِالْثَرِيَّا لَتَنَآوَلَهُ رَجُلٌ مِنْ فَارِسٍ

”اگر ایمان ثریا تارے کے پاس ہوتا تو فارسی اولاد میں سے بعض لوگ وہاں سے لے آتے مسلم بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ قسم اسکی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر دین ثریا تارے میں لٹکا ہوتا تو فارس کا ایک آدمی اسے حاصل کر لیتا۔“

بتاؤ فارسی النسل میں اس شان کا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے سوا کون ہوا؟

۲ علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام اعظم کے فضائل میں ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام ہے، خیرات المحسان فی ترجمۃ ابی حنیفۃ الصمان اس میں ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

تُرْفَعُ زَيْنَةُ الدُّنْيَا سَنَةَ خَمْسِينَ وَمِائَةً ”سنہ ڈیڑھ سو میں دنیا کی زینت اٹھالی جاوے گی۔“

سنہ ڈیڑھ سو میں حضرت امام اعظم کی وفات شریف ہے معلوم ہوا کہ امام اعظم دنیا کے شریعت کی زینت، شریعت کی رونق علم و عمل کی زیبائش تھے، امام کروری نے فرمایا کہ اس حدیث سے حضرت امام ابوحنیفہ کی طرف ہی اشارہ ہے۔

۳ حضرت امام اعظم دنیا کے اسلام میں پہلے وہ عالم دین ہیں جنہوں نے فقہ اور اجتہاد کی بنیاد رکھ کر ساری امت رسول ﷺ پر احسان عظیم فرمایا باقی تمام ائمہ جیسے امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل وغیرہم رضی اللہ عنہم نے اسی بنیاد پر عمارت قائم کی، حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسلام میں جو اچھا و نیک طریقہ ایجاد کرے اسے اپنا بھی ثواب ملے گا اور تمام عمل کرنے والوں کا بھی۔

۴ حضرت امام اعظم تمام فقہاء تمام فقہاء و محدثین کے بلا واسطہ کے بلا واسطہ یا بالواسطہ استاد ہیں، یہ تمام حضرات امام اعظم کے شاگرد چنانچہ امام شافعی حضرت امام محمد کے سوتیلے بیٹے اور شاگرد ہیں، ایسے ہی امام مالک نے حضرت امام کی تصنیفات سے فیض حاصل کیا، نیز امام بخاری محدثین کے استاد ہیں اور امام بخاری کے بہت استاد و شیخ حنفی ہیں۔ گویا آسمان علم کے سورج امام اعظم بن باقی علماء تارے۔

۵ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بلا واسطہ شاگرد ایک لاکھ سے زیادہ ہیں، جن میں سے اکثر مجتہد ہیں، جیسے امام محمد، امام ابو یوسف، امام زفر، امام ابن مبارک جو دنیا کے علم کے چمکتے ہوئے تارے ہیں حضرت امام محمد صاحب نے نو سو نوے دینی شاندار کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے چھ کتابیں بڑے پائے کی ہیں، جنہیں کتب ظاہر الروایۃ کہا جاتا ہے اور یہ تمام کتب فقہ کی اصل مانی جاتی ہیں۔

۶ تمام نبیوں کے سردار نبی ہیں آسمانی صحیفوں کی سردار چار کتب، فرشتوں کے سردار چار فرشتے، صحابہ میں افضل و اعلیٰ چار یار، علمائے مجتہدین میں افضل چار امام پھر ان چار نبیوں میں حضور افضل، چار کتابوں میں قرآن افضل، چار فرشتوں میں حضرت جبریل افضل، چار یار میں ابو بکر صدیق، افضل چار اماموں میں امام اعظم افضل، اسی لیے امام شافعی نے فرمایا کہ فقہاء ابوحنیفہ کی اولاد ہیں، وہ ان سے کے والد۔

۷ امام اعظم جیسے آسمان علم کے سورج ہیں ویسے ہی میدان عمل کے شہسوار چنانچہ آپ نے چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، چالیس سال ایسے روزے رکھے کہ کسی کو خبر نہ ہوئی، گھر سے کھانا لائے، باہر طلباء کو کھلا دیا، گھر والے سمجھے کہ باہر جا کر کھایا، باہر والے سمجھے کہ گھر میں کھا کر تشریف لائے۔ ہمیشہ ماہ رمضان میں آنکھ قرآن کریم ختم کرتے تھے، ایک قرآن دن میں، ایک رات میں ایک سارے مہینے میں تراویح میں مقتدیوں کیساتھ، بچپن حج کیئے۔

۸ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مزار پر انوار قبول دعا کے لیے اکسیر اعظم ہے، چنانچہ حضرت امام شافعی قدس سرہ فرماتے ہیں، کہ جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے، تو میں بغداد شریف امام اعظم کے مزار شریف پر حاضر ہوتا ہوں، دو رکعت نفل پڑھ کر امام اعظم کی قبر شریف کی برکت سے دعا کرتا ہوں بہت ہی جلد حاجت پوری ہوتی ہے امام شافعی جب امام اعظم قدس سرہ کی قبر انور پر حاضر ہوتے تو حنفی نماز پڑھتے تھے، کہ قنوت نازل نہ پڑھتے تھے کسی نے پوچھا اس کی وجہ کیا ہے فرمایا کہ اس قبر والے کا احترام و ادب کرتا ہوں۔ شامی۔

خیال رہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ امام شافعی بغداد شریف میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مزار کے ادب میں سنت ترک فرمادیتے تھے، مطلب یہ کہ کوئی امام یا مقلد یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میں برحق ہوں، دوسرے آئمہ غلطی پر بلکہ اپنے حق ہونے کا ظن غالب کرتا ہے یہ بھی کہتا ہے کہ شاید دوسرے امام کا قول حق ہو، عقائد میں یقین ہے اور آئمہ کے اختلافی مسائل میں ہر ایک کو ظن غالب ہے تو گویا حضرت امام شافعی نے یہاں حاضر ہو کر اس پر عمل کیا جسے امام اعظم سنت سمجھتے ہیں اس میں ایک سنت کا ترک دوسری سنت پر عمل ہے لہذا اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

۹ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سو بار رب تعالیٰ کا خواب میں دیکھا، آخری بار جو دعاء رب سے پوچھی اور رب نے جو جواب دیا وہ ردالحقار میں تفصیل وارد راج ہے۔

۱۰ امت محمدیہ کے بڑے بڑے اولیاء اللہ، غوث و قطب، ابدال، اوتاد حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں اور آپ کے مقلد ہیں، جس قدر اولیاء مذہب حنفی میں ہیں دوسرے مذہب میں نہیں، چنانچہ حضرت ابراہیم ابن ادھم، شقی بلخی، معروف کرخی، حضرت بایزید بسطامی، فضیل ابن عیاض خراسانی، داؤد ابن نصر، ابن نصیر ابن سلیمان طائی، ابو حامد لغاف خزروی بلخی، خلف ابن یحییٰ، عبد اللہ ابن مبارک دلی، فقیہ، محدث، و کعب ابن جراح شیخ الاسلام ابو بکر ابن وراق ترمذی جیسے سرداران اولیاء حنفی ہی ہیں، اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں، غرضیکہ مذہب حنفی مذہب اولیاء ہے، آج بھی تقریباً سارے اولیاء حنفی ہی ہیں، فخر پاک و ہند حضرت داتا گنج بخش جویری رحمۃ اللہ علیہ جن کا آستانہ مرجع خلایق ہے، حنفی تھے آپ نے اپنی کتاب کشف الکجوب میں حضرت امام اعظم کے بڑے فضائل کشف سے بیان فرمائے اسی طرح تمام چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی مشائخ سب حنفی ہیں۔

۱۱ حضرت امام اعظم کا مذہب حنفی عالم میں اتنا شائع ہوا، اتنا پھیلا کہ جہاں اسلام ہے، وہاں مذہب حنفی ہے، اکثر مسلمان حنفی ہیں، حرمین طہین میں اکثر حنفی بلکہ دنیائے اسلام کے بعض خطے ایسے بھی ہیں جہاں صرف حنفی مذہب ہی ہیں، دوسرے مذہب کو عوام جانتے بھی نہیں، جیسے بلخ بخارا، کابل قندھار اور تقریباً سارا ہندوستان اور پاکستان کہ یہاں شافعی، حنبلی، مائیکھنے میں نہیں آئے کچھ غیر مقلد وہابی جو کہیں کے نہیں وہ دیکھے جاتے ہیں مگر یہ مٹھی بھر جماعت ایسی گم ہے کہ اس کا ہونا نہ ہونے کی طرح ہے اس مقبولیت عامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم مقبول بارگاہ الہی ہیں اور مذہب حنفی عند اللہ محبوب ہے۔

۱۲ امام اعظم کے مخالفین نے بھی امام اعظم کے فضائل و مناقب ہیں بہت عظیم الشان کتابیں لکھیں چنانچہ علامہ ابن حنبل نے خیرات الحسان فی ترجمۃ ابی حنیفۃ العثمان لکھی اور سیوط ابن جوزی نے کتاب الانتصار الامام احمد المصنوع و جلدوں میں لکھی، امام جلال الدین سیوطی شافعی نے تمییز الصحیفہ فی المناقب ابی حنیفہ لکھی، علامہ یوسف ابن عبدالبہادی حنبلی نے تنویر الصحیفہ فی ترجمۃ ابی حنیفہ تحریر فرمائی، جس میں ابن عبد اللہ کا قول نقل فرمایا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ جیسا عالم، بھہیہ متقی بہترین نہ دیکھا۔

غرض کہ امت مرحومہ حضرت امام ابو حنیفہ قدس سرہ کے فضل و کمال کے گواہ ہیں، اگر مٹھی بھر وہابی ان کی شان میں بکواس کریں، تو کیا اعتبار، اگر چکاوڑ سورج کو برا کہتے تو سورج سیاہ نہیں ہوا جاتا، جیسے آج روافض حضرات صحابہ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں ایسے ہی وہابی غیر مقلد حضرت امام پر۔ رضی اللہ عنہ۔

۱۳ تمام ائمہ مجتہدین میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ حضور ﷺ سے نہایت قریب ہے کہ آپ کی ولادت پاک سنہ ۸۰ء ہجری میں ہے آپ تابعی ہیں آپ نے چار صحابہ سے ملاقات روایت کی۔ جنہوں نے آپ تابعیت کا انکار کیا محض تعصب سے کیا، یہ کیسے ہو سکتا ہے، کہ سیدنا عبد اللہ ابن ابی اونی جیسے صحابی امام اعظم کے زمانہ میں کوفہ میں ہوں اور حضرت امام ان سے نہ ملیں، آج بزرگوں سے ملنے دنیا کبھی آتی ہے، صحابہ کی شان کا کیا پوچھنا، بہر حال آپ تابعی ہیں اور آپ کو صحیح حدیثیں حضور سے ملیں، خیر القرون میں ہوئے۔

خیال رہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سنہ ۸۰ء ہجری میں وفات سنہ ۱۷۹ھ میں عرش شریف ۸۹ سال، مزار شریف بغداد، مدینہ منورہ میں امام شافعی کی ولادت شریف سنہ ۱۵۰ھ میں وفات سنہ ۲۰۴ھ عرش شریف ۳۵ سال، آپ امام اعظم کی وفات کے دن پیدا ہوئے، امام احمد ابن حنبل کی ولادت شریف سنہ ۱۶۳ھ میں وفات سنہ ۲۴۱ھ میں عرش شریف ۷۷ سال۔

۱۴ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل بیت نبوت سے خاص فیوض و برکات حاصل کئے جو دوسرے ائمہ کو حاصل نہ ہوئے، کیونکہ امام اعظم حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی مجلس پاک میں دو سال حاضر رہے خود فرماتے ہیں۔

لَوْلَا السِّتَانِ لَهَلَكَ النِّعْمَانُ ”اگر وہ دو سال نہ ملتے تو نعمان یعنی میں ہلاک ہو جاتا۔“

۱۵ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مظہر اتم ہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے خلیفہ اول ہیں اور امام اعظم حضور ﷺ کی امت کے مجتہد اول صدیق اکبر جامع قرآن ہیں امام اعظم جامع مسائل فقہ اور قواعد دینیہ ہیں حضرت صدیق اکبر نے حضور ﷺ کے بعد پہلے عدل و انصاف کے قوانین خلافت کی بنیاد رکھی، امام اعظم نے اجتہاد اور تفقہ کی بنیاد رکھی، ابو بکر صدیق نے امت مصطفویٰ کی بروقت مدد و اعانت کی کہ انہیں اختلاف سے بچالیا، شیرازہ بکھرنے نہ دیا۔ امام اعظم نے مسلمانوں کی اتنی بڑی مدد کی کہ انہیں کفر الحاد زندقہ کی آندھیوں سے بچالیا، آج ان کے اجتہاد علمی کی برکت سے امت کفار و مرتدین کے فتنوں سے محفوظ ہے۔

۱۶ جیسے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ تمام اولیاء اللہ کے سردار ہیں کہ سب کی گردن پر حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا قدم ہے، آپ طریقت کے امام اول ہیں کسی نے کیا خوب کہا۔

غوث اعظم درمیان اولیاء چوں جناب مصطفیٰ در انبیاء

ایسے ہی امام اعظم تمام علماء کے سردار ہیں کہ تمام علماء شریف آپ کے زیر سایہ ہیں اسی لئے طریقت کے امام اول لقب غوث اعظم ہوا اور شریعت کے امام اول لقب امام اعظم بغداد شریف مجمع بحرین ہے کہ دونوں امام وہاں آرام فرما ہیں۔

دوسرا مسئلہ

تقلید کی اہمیت

ہم نے رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے جہاں الحق حصہ اول میں مسئلہ تقلید تفصیل سے لکھ دیا ہے، جس کا جواب آج تک وہابی غیر مقلدیں سے نہ بن سکا اگر شوق ہو تو وہاں مطالعہ فرماویں، اس جگہ کتاب کی تکمیل کے لیے کچھ بطور اختصار تقلید کی ضرورت تقلید کے فوائد تقلید نہ کرنے کے نقصانات عرض کیے جاتے ہیں، رب تعالیٰ قبول فرماوے، آمین۔

خیال رہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ واکمل الخیۃ میں بعض وہ خوش نصیب لوگ ہیں، جنہیں حضور سید عالم ﷺ کی صحبت میسر ہوئی، اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیدار یا رکھا وہ حضرت آسمان نبوت کے تارے ساری امت کے ہادی و امام ہیں ان کے حق میں خود حضور انور ﷺ نے بشارت دی۔

أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمْ إِقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ

”میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔“
بدعتیگی فسق و فجور سے محفوظ و مامون رکھا، خود ارشاد فرماتا ہے۔

وَالزَّمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا

”رب تعالیٰ نے ان صحابہ پر پرہیزگاری کا کلمہ لازم فرمایا اور وہ اس کے مستحق ہیں۔“
دوسری جگہ صحابہ کرام کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

وَكُرْهُ الْيَكْمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ

”اے صحابہ کرام رب نے کفر و فسق اور گناہوں سے تمہارے دلوں میں نفرت ڈال دی۔“
اور تمام صحابہ سے رب نے جنتی ہونے کا وعدہ فرمایا کہ ارشاد فرمایا۔

وَكُلَّوْا عَدَدَ اللَّهِ الْحُسْنَىٰ ”رب نے سارے صحابہ سے جنت کا وعدہ فرمایا۔“

بلکہ رب تعالیٰ نے جماعت صحابہ کو تمام جہاں کے ایمان کا معیار بتایا کہ جسکا ایمان ان کی طرح ہو وہ مؤمن ہے جس کا ایمان ان کے خلاف ہو وہ بے دین ہے، کہ فرمایا۔

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا ”اگر یہ لوگ تمہارے ایمان کی طرح ایمان لاویں، تو ہدایت پر ہوں گے۔“

اگر صحابہ کرام کے فضائل و مراتب دیکھنا ہوں تو ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر مطالعہ کرو۔ بہر حال حضور ﷺ کی صحبت شریف کی ایک برکت سے صحابہ کے دل روشن سینے نورانی تھے، وہ حضرات فرش پر قدسی صفات کے حامل تھے، نہ ان میں دینی جھگڑے تھے نہ بہت سے فرقے نہ مذہبی اختلاف نہ فتنے و فساد لہذا اس خیر القرون کو باقاعدہ تقلید کی ضرورت نہ تھی، وہ تمام جہاں کے امام تھے وہ کس کو تقلید کرتے۔

بعد میں مسلمانوں میں مذاہب کا اختلاف خیالات انتشار مسائل کی فراوانی فلسفہ و منطق کا الحاق پیدا ہوا، تب علماء ملت نے قرآن و حدیث سے مسائل اسنباط فرمائے دین محمدی ﷺ کے جزئیات کو آئینہ کی طرح صاف فرما دیا امت نے محسوس کیا کہ اب تقلید ائمہ کے بغیر چارہ نہیں غرض کہ بعد کے مسلمان تین قسم کے ہو گئے، عوام، علماء، مجتہدین، عوام نے علماء کی پیروی اور علماء نے ائمہ مجتہدین کی تقلید کو لازمی ضروری سمجھا، یہ تقلید و اجتہاد ضروریات زمانہ کے لحاظ سے لازم ہوئی۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ اولاً جب تک ضرورت پیش نہ آئی صحابہ کرام نے قرآن کریم بھی کتابی شکل میں جمع نہ فرمایا، عہد عثمانی میں جب ضرورت پڑی تو قرآن کتابی شکل میں جمع ہوا، پھر بہت عرصہ کے بعد قرآن میں زیر لگائے پھر بہت عرصہ کے بعد اس میں رکوع سپارے مرتب کئے گئے کسی صحابی نے جمع حدیث اور حدیث کے اقسام و احکام بنانے کی ضرورت محسوس نہ فرمائی، بخاری مسلم وغیرہ عہد صحابہ کے بہت بعد کی کتابیں ہیں، غرض کہ دینی ضرورتیں بڑھتی گئیں، یہ چیزیں بنتی گئیں، یہ ہی حال آئمہ کی تقلید کا ہے، جیسے آج یہ نہیں کہا جاسکتا، کہ قرآن کا جمع، اعراب سپارے بنانا، علم حدیث اور کتب حدیث، بدعت ہیں، عہد نبوی یا عہد صحابہ میں نہ تھے ایسے ہی یہ بھی کہنا حماقت ہے کہ تقلید آئمہ اور علم فقہ بدعت ہے عہد صحابہ میں اس کا رواج نہ تھا آج اگر جمع شدہ قرآن اور مسلم بخاری ضروری ہیں تو اماموں کی تقلید بھی لازم ہے ہم اس جگہ نہایت اختصار سے تقلید کی اہمیت قرآن، حدیث عمل امت، عقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں، سنئے اور ایمان تازہ کیجئے رب فرماتا ہے۔

۱۔ **فَاسْتَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ** ”پھر اگر تم نہ جانتے ہو تو علم والوں سے پوچھو۔“

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ دینی بات میں اپنی انکل نہ لگائے ناواقف کو ضروری ہے کہ واقف سے پوچھے جاہل عالم سے نہ پوچھے، غیر مجتہد عالم مجتہد علماء سے دریافت کریں، اس ہی کا نام تقلید ہے۔

۲۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ**

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور اپنے میں سے امر والے علماء کی۔“

قرآن کریم پر عمل کی اطاعت ہے حدیث شریف پر عمل حضور کی فرمانبرداری اور فقہ پر عمل اولی المرکی اطاعت ہے، یہ تینوں اطاعتیں ضروری ہیں، امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ یہاں اولوالامر سے مراد علماء دین ہیں نہ کہ سلاطین، کیوں کہ بادشاہوں پر علماء کی اطاعت بہر حال ضروری ہے۔ مگر علماء پر بادشاہوں کی اطاعت ہر حال میں واجب نہیں، صرف انہیں احکام میں واجب ہے جو شریعت کے موافق ہوں ایسے ہی حکام و سلاطین علماء سے احکام حاصل کریں گے۔

۳۔ **وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ**

وَرَضُوا عَنْهُمْ ”اول سبقت کرینوالے مہاجرین اور انصار اور وہ جنہوں نے ان کی اتباع کی اللہ ان سے راضی ہوا، یہ اللہ سے راضی۔“

اس سے پتہ لگا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی تین جماعتوں سے راضی ہے، مہاجرین، انصار اور تاقیامت ان کی اتباع و تقلید کرنے والے مسلمان غیر مقلد ان تینوں جماعتوں سے خارج کیونکہ نہ تو وہ مہاجر صحابی ہیں نہ انصاری، اور نہ ان کے مقلدان کے نزدیک تقلید شرک ہے۔

۴۔ **وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ** ”اس کی راہ چلو جو میری طرف رجوع لایا۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ کے مقبول بندوں کا راستہ اختیار کرے چاروں امام خود بھی اللہ کے مقبول بندی ہیں اور تمام اولیاء علماء صالحین مومنین ان کے مقلد لہذا تقلید مقبولوں کا راستہ ہے غیر مقلدیت و ہابیت مردودوں کا راستہ ہے۔

۵۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ** ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔“

معلوم ہوا کہ صرف ہمارا تقویٰ و پرہیزگاری بخشش کے لیے کافی نہیں، پرہیزگاری کے ساتھ اچھوں کی شرکت بھی لازم ہے ورنہ راستہ میں ڈکیتی کا اندیشہ ہے چاروں امام اچھے ہیں اور امت کے سارے اچھوں نے تقلید کی سارے اولیاء محدثین مفسرین مقلد گزرے، غیر مقلدوں میں اگر کوئی ولی گزرا ہو تو دکھا دو، جس شاخ میں پھل پھول پتے نہ لیتیں وہ چو لھے کے لائق ہوتی ہے کیونکہ اس کا تعلق جڑ سے ٹوٹ چکا ہے ایسے ہی فرقہ میں اولیاء اللہ نہ ہوں وہ دوزخ کے قابل ہے، کیونکہ اس کا تعلق حضور ﷺ سے ٹوٹ چکا ہے۔

۶۔ **إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ** ”ہم کو ہدایت دے سیدھے راستے کی انکار راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ سیدھے راستے کی پہچان یہ ہے کہ اس پر اولیاء اللہ علماء صالحین ہوں دیکھ لو سارے اولیاء صالحین مقلد ہیں، حضور غوث پاک، خواجہ جیمیری خواجہ بہاؤ الدین نقشبند امام ترمذی وغیرہ جیسے پایہ کے بزرگ مقلدین گزرے لہذا تقلید سیدھا جنت کا راستہ ہے اور وہابیت غیر مقلدیت ٹیڑھا راستہ جو دوزخ تک پہنچائے گا۔

۷۔ **وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ**

”جو کوئی ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے راہ کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرے جدھر وہ پھرے گا ہم ادھر ہی پھر دینگے اور اسے دوزخ میں پہنچا دینگے۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو سزا حضور کی مخالفت کرنیوالے کفار کی ہے وہ ہی سزا ان کلمہ گو بے دینوں کی بھی ہے جو مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر اپنی ڈیڑھا اینٹ کی مسجد الگ بنائیں، تقلید عام مسلمانوں کا راستہ ہے، غیر مقلدان سب سے علیحدہ وہ اپنا انجام سوچ لیں۔

۸۔ **وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا**

”اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور نبی تمہارے گواہ۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان رب تعالیٰ کے دنیا و آخرت میں گواہ ہیں، جس آدمی یا جس راستے یا جس مسئلہ کو عام مسلمان اچھا کہیں واقعی اچھا ہے اور جس کو بُرا کہیں وہ واقعہ میں بُرا عام دیکھ لو۔ مسلمان تقلید کو اچھا کہتے ہیں اور مقلد ہیں اور غیر مقلدوں کو بُرا جانتے ہیں، لہذا تقلید ہی اچھا راستہ ہے اور مقلد ہی اچھی جماعت۔

احادیث شریفہ

اس بارے میں احادیث بہت ہیں کچھ بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ

”بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ جو مسلمان کی جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں علیحدہ ہی جاویگا۔“

معلوم ہوا کہ مومن کو مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ رہنا چاہئے، جماعت سے علیحدگی دوزخ میں جانے کا راستہ ہے، عام مسلمین مقلد ہیں، غیر مقلد اپنا انجام سوچ لیں۔

حدیث نمبر ۲ مسلم۔ ترمذی۔ احمد نے حضرت حارثہ اشعری سے روایت کی۔

مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ قَيْدَ شَبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ)

”جو شخص بالشت برابر جماعت سے نکل گیا، اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا۔“

حدیث نمبر ۳ مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الْإِيمَانَ لِيَارُ زُلَى الْمَدِينَةِ كَمَا تَارُزُ الْحَيَّةُ إِلَى حُجْرِهَا

(مشکوٰۃ باب الاعتصام)

”فرمایا نبی ﷺ نے کہ ایمان مدینہ منورہ کی طرف ایسا سمٹ آوے گا، جیسے سانپ اپنے سوراخ کی طرف۔“

معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ ہمیشہ سے اسلام کا مرکز ہے اور رہیگا۔ وہاں ان شاء اللہ کبھی شرک نہ ہوگا۔ الحمد للہ کہ سارے حجاز خصوصاً مکہ معظمہ و مدینہ میں سارے مسلمان مقلد تھے اور مقلد ہیں وہاں غیر مقلد ایک بھی نہیں، نذیر حسین دہلوی شریف حسین کے زمانہ میں حرمین شریفین گئے، غیر مقلدیت کی وجہ سے گرفتار کر لیے گئے وہاں ٹھہر کر کے مقلد بن کر جان چھڑائی، پھر ہندوستان آ کر غیر مقلد بن گئے، نذیر حسین غیر مقلدوں کے سرگردہ گزرے ہیں۔ اب اگرچہ وہاں نجدیوں کی سلطنت ہے مگر نجدی بھی اپنے آپ کو غیر مقلد کہتے ہوئے ڈرتے ہیں، اپنے کو ضلی کہتے ہیں اگر تقلید شرک ہوتی تو حرمین طہمیں اس سے پاک و صاف رہتے۔

حدیث نمبر ۴ امام احمد نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ ذَنْبُ الْإِنْسَانِ كَذَنْبِ الْغَنَمِ يَا خُذْ الشَّاذَّةَ

وَالْفَاصِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ أَيَّاكُمْ وَالشَّعَابَ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

”فرمایا نبی ﷺ نے کہ شیطان انسان کا بھیڑیا ہے، جیسے بھیڑیا ریوڑ سے علیحدہ رہنے والی یا کنارہ والی یا پھڑ جانہ والی کا شکار کرتا ہے ایسے ہی شیطان جماعت مسلمین سے الگ رہنے والے کا شکار کرتا ہے تم گھائیوں سے بچو جماعت اور عامۃ المسلمین کے ساتھ رہو۔“

لَا يَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ وَيَدُّ اللَّهُ عَلَى الْجَمَاعَةِ فَإِنَّ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ (مشکوٰۃ)

”میری امت گمراہی پر کبھی متفق نہ ہوگی، جماعت پر اللہ کی رحمت ہے، جو جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ ہر کر جاوے گا۔“

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے نجات کی صرف یہ صورت ہے کہ اپنے عقائد عامۃ المسلمین کے سے رکھے جو جماعت مسلمین سے الگ رہا شیطان کے شکار میں آ گیا، عام جماعت مسلمین مقلد ہے، لہذا غیر مقلد رہنا جماعت مسلمین سے علیحدگی ہے۔

عمل مسلمین ہمیشہ سے ہر طبقہ کے مسلمان غیر مقلد ہوئے، محدثین، مفسرین، فقہاء، اولیاء اللہ ان میں کوئی غیر مقلد وہابی نہیں، چنانچہ امام قسطنطینی اور تاج الدین سبکی نے صراحتاً امام نووی نے اشارۃً فرمایا کہ امام بخاری شافعی ہیں، ترمذی ابو داؤد، نسائی، دارقطنی وغیرہ تمام محدثین شافعی ہیں۔ طحاوی و امام زبیلی، عینی شارح، بخاری، طبری، علی قاری، عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ ہم تمام محدثین حنفی ہیں۔

تفسیر کبیر، تفسیر خازن، بیضاوی، جلالین، تنویر المقیاس والے سارے مفسرین شافعی ہیں۔ تفسیر مدارک، تفسیر صاوی والے سارے مفسرین حنفی، فقہاء اور اولیاء اللہ سارے کے سارے مقلد ہیں اور عام اولیاء حنفی ہیں جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، غیر مقلد وہابی سوچیں، کہ ان میں کتنے محدث، کتنے مفسر، کتنے فقہاء کتنے اولیاء ہیں، ان کی جڑ کس زمین پر قائم ہے اور وہ کس درخت کی شاخ یا کس کا پھل ہیں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ تقلید اشد ضروری فریضہ ہے اور غیر مقلدیت نجدیت زہر قاتل ہے، ایمان کے لیے سخت خطرناک ہے چند وجوہ سے ایک یہ کہ قرآن وحدیث مسائل نکالنے کے لیے آسان نہیں، اس نے مسائل کا اسباط سخت دشوار ہے، اس ہی لیے رب تعالیٰ نے قرآن سکھانے کے لیے اتنے بڑے رسول ﷺ کو بھیجا اگر اسے سمجھنے کے لیے صرف عقل انسانی کافی ہوتی تو اس کی تعلیم کے لیے حضور ﷺ نے بھیجے جاتے، فرماتا ہے۔

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ”وہ رسول مسلمانوں کو قرآن وحکمت سکھاتے ہیں۔“

جیسے قرآن سمجھانے کے لیے حضور بھیجے گئے ایسے ہی حدیث سمجھانے کیلئے آئمہ مجتہدین پیدا فرمائے گئے جو لوگ آج تقلید سے منہ پھرے ہوئے ہیں۔ وہ قرآن وحدیث میں ایسی ٹھوکریں کھاتے ہیں کہ خدا کی پناہ میں نے بڑے بڑے غیر مقلد وہابیوں کو بار بار اعلان کیا کہ حدیث سمجھنا تو کیا تم صرف یہ ہی بتاؤ کہ حدیث اور سنت میں کیا فرق ہے، حدیث کسے کہتے ہیں، اور سنت کسے تم اپنے کو اہل حدیث کہتے ہو، ہم اہل سنت ہیں بتاؤ تم میں ہم میں فرق کیا ہے؟ مگر یہ فرق کے حدیث سے ثابت کیا جاوے، آج تک نہ بتا سکے اور ان شاء اللہ قیامت تک نہ بتا سکیں گے، ہمارا اعلان عام ہے کہ آج بھی کوئی وہابی صاحب تکلیف کر کے جواب دیں، حدیث سمجھنا اس سے مسائل نکالنا تو ان بیچاروں کو نصیب ہی کہاں صرف رفع یدین اور آمین بالجہر کی چار حدیثیں بے سمجھے رٹ لیں اور اہل حدیث بن گئے حدیث سمجھنا تو خدا کے فضل سے مقلدوں کا ہی کام ہے اگر فہم حدیث کا لطف اٹھانا ہے تو ہمارا حاشیہ بخاری عربی یعنی نعیم الباری کا مطالعہ فرماؤ جس میں بفضلہ تعالیٰ ایک ایک حدیث سے آٹھ آٹھ دس دس مسائل کا استنباط کیا ہے کہ ایمان تازہ ہو جاتا ہے، بطور مثال ایک عام مشہور مختصری حدیث پیش کرتا ہوں۔

أُحَدِّثُ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنَحِبُّهُ ”اُحد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔“

ہم نے حسب ذیل مسائل شریعت وطریقت کے مستطیل کیئے۔

۱۔ حضور ﷺ کی محبوبیت صرف انسانوں سے خاص نہیں ک بے عقل جانور بے جان لکڑی پتھر بھی حضور ﷺ کے چاہنے والے ہیں، حسن یوسف لاکھوں نے دیکھا، مگر عاشق صرف زلیخا، حسن محمدی آج کسی نے نہ دیکھا مگر عاشق کروڑوں۔ حضور ساری مخلوق کے محبوب ہیں، کیوں نہ ہوں، کہ خالق کے محبوب ہیں۔

۲۔ جس انسان کو حضور ﷺ سے محبت نہ ہو وہ پتھروں سے زیادہ سخت اور جانوروں سے بھی گیا گزرا ہے۔

۳۔ جب حضور ﷺ پتھر کے دل کا حال جانتے ہیں کہ فرماتے ہیں اُحد ہم سے محبت کرتا ہے تو انسانوں کے دل کے راز کیوں نہ جانیں ان سے کوئی غیب چھپا نہیں۔

۴۔ حضور ﷺ کی بارگاہ میں عشق ومحبت اور دلی کیفیت زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں وہ دل کی گہرائیوں کو جانتے ہیں، اُحد نے منہ سے کچھ نہ کہا، مگر اس کے دل کا حال حضور ﷺ پر روشن تھا۔ اگر حضور ﷺ انسانوں کے دلی حالات نہ جانیں تو کل قیامت میں شفاعت کیسے کریں گے جو بھی حضور ﷺ سے شفاعت کی درخواست کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں کہ مجھے خبر نہیں مومن تھا یا کافر شفاعت کیسے کروں کیونکہ بعض وہ بھی ہوں گے جو بغیر وضو کیئے فوت ہوئے ان کے چہروں پر آثار وضو کی چمک نہ ہوگی۔

۵۔ تمام عبادتوں کا بدل جنت ہے مگر محبت مصطفویٰ کا نیکہ محبت ہے کہ فرمایا اُحد ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں، لہذا عشق رسول عبادات سے اعلیٰ ہے کہ اس کا بدلہ جنت والا محبوب ہے۔

بخاری شریف کی ایک حدیث سنو اور اس سے ایمانی وعرفانی مسائل کا استنباط ملاحظہ کرو ایمان تازہ کرو۔

حدیث حضور دراز گوش پر سوار جا رہے ہیں سامنے دو قبریں نمودار ہوئیں ورنہ گوش دو پاؤں سے کھڑا ہو گیا، حضور اتر پڑے اور فرمایا کہ ان قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے جسے دیکھ کر خچر گھبرا گیا، ان میں سے ایک تو انوٹوں کا چرواہا تھا جو انوٹوں کے پیشاب کے پیشاب کے چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ دوسرا چغل خور تھا اس لیے عذاب قبر میں گرفتار ہوئے، یہ فرما کر کھجور کی شاخ کی دو چریں فرما کر دونوں پر گاڑ دیں اور فرمایا کہ جب تک یہ تریں، عذاب قبر میں تخفیف ہوگی۔

فوائد اس حدیث سے چند فوائد حاصل ہوئے۔

۱۔ حضور ﷺ کی چشم مبارک کے لیے کوئی چیز آڑ نہیں، آپ پس پردہ بھی دیکھتے ہیں، دیکھو عذاب ہزاروں من مٹی کے نیچے یعنی قبر کے اندر ہو رہا ہے، مگر نگاہ پاک مصطفیٰ ﷺ قبر کے اوپر سے ملاحظہ فرما رہی ہے۔

۲۔ جس جانور پر حضور سوار ہو جاویں، اس جانور کی آنکھ سے بھی حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں کہ خچر نے حضور ﷺ کی برکت سے قبر کا عذاب دیکھ لیا اور بھڑک گیا ورنہ ہمارے خچر دن رات قبرستان سے گزرتے ہیں، نہیں بھڑکتے، لہذا اگر حضور ﷺ کسی ولی پر نظر کرم فرمادیں تو اس کی نگاہ سے بھی

غیبی حجاب اٹھا جائیں گے۔

۳ حضور ﷺ کے ظاہر و خفیہ اگلے پچھلے تمام اعمال جانتے ہیں، کہ فرمایا کہ ایک چغل خور تھا، دوسرا پیشاب سے پرہیز نہ کرتا تھا، حالانکہ ان دونوں نے یہ اعمال حضور ﷺ کے سامنے نہ کئے تھے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہر عمل سے خبردار ہیں۔

۴ حضور ﷺ عذاب الہی سے بچانا عذاب دور کرنا بھی جانتے ہیں، گویا روحانی بیماریوں اور ان کے علاج سے خبردار ہیں، کہ ان قبر والوں کا عذاب دفع کرنے کے لیے تر شاخیں قبروں پر گاڑھ کر فرمایا کہ اس سے عذاب ہلکا ہوگا۔

۵ ترسبزہ کی تسبیح کی برکت سے مومن کا عذاب قبر ہلکا ہوتا ہے۔ لہذا اگر قبر پر تلاوت قرآن یا ذکر اللہ کیا جاوے تو میت کو فائدہ ہوگا۔ کیونکہ مومن کی تسبیح و تہلیل سے ترسبزہ کی تسبیح سے اعلیٰ ہے۔

۶ اگرچہ خشک چیزیں بھی تسبیح پڑھتی ہیں، **إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ** ”مگر انکی تسبیح سے عذاب قبر دفع نہیں ہوتا۔“ ذکر کی تاثیر کے لیے زبان بھی تاثیر والی چاہیے، لہذا وہابی وغیرہ خشکوں کی تلاوت قرآن وغیرہ بے فائدہ ہے، مومن جسکے دل میں محبت مصطفیٰ ﷺ کی تری و سبزی ہے اس کا ذکر تاثیر والا ہے۔

۷ مومن کی قبر پر سبزہ وغیرہ ڈالنا مفید ہے کہ اس سے قبر والے کو فائدہ ہے حضور ﷺ نے سبز شاخ قبر پر لگائی اور فرمایا جب تک کہ یہ تر رہیگی تب تک عذاب میں تخفیف ہوگی۔

۸ حلال جانور کا پیشاب نجس ہے اس سے پرہیز ضروری ہے اس کی چھینٹیں عذاب قبر کا باعث ہیں دیکھو اونٹ حلال ہے اس سے پرہیز ضروری ہے اس کی چھینٹیں عذاب قبر کا باعث ہوں۔

یہاں تک تو ہم نے آپ کو اپنے حاشیہ بخاری کی کچھ سیر کرائی۔ اب ہمارے حاشیہ القرآن کی بھی کچھ سیر کرلو، صرف ایک آیت کے فوائد عرض کرتا ہوں۔

فَمَا ذَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّتْهُ الْأَرْضُ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ

”جنات کو حضرت سلیمان کی وفات نہ بتائی مگر زمین کی دیمک نے جو آپ کا عصا کھاتی تھی۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات بحالت نماز ہوئی بیت المقدس کی تعمیر ہو رہی تھی، آپ اسی طرح لکڑی کے سہارے کھڑے رہے چھ ماہ کے بعد دیمک نے لاشی کھالی۔ لاشی گر نیکی وجہ سے آپ کا جسم شریف زمین پر آ رہا۔ تب جنات جو بیت المقدس کی تعمیر کر رہے تھے، کام چھوڑ کر بھاگ گئے۔

فائدہ اس آیت اور واقعہ سے چند فوائد حاصل ہوئے۔

۱ انبیاء کرام کے اجسام وفات کے بعد گلنے یا بگڑنے سے محفوظ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم شریف چھ ماہ تک قائم رہا، مگر کوئی فرق نہ آیا۔

۲ انبیاء کرام کے اجسام شریفہ کو کیڑا نہیں کھا سکتا۔ دیکھو دیمک نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی لاشی کھائی پاؤں شریف نہ کھایا لہذا یعقوب علیہ السلام کو یقین تھا کہ یوسف کو بھیڑیے نے نہ کھایا، یہ فرزند قبط کہہ رہے ہیں۔

۳ پیغمبر کا کفن بھی گلنے میلا ہونے سے محفوظ ہے، دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام کا لباس شریف ان چھ ماہ میں نہ لگانا میلا ہوا، ورنہ جنات کو آپ کی وفات کا پتہ چل جاتا۔

۴ انبیاء کرام بعد وفات بھی دنیاوی دینی حاجتیں پوری کرتے ہیں، دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بعد وفات مسجد بیت المقدس کی تکمیل کرادی۔

۵ دینی ضرورت کی وجہ سے پیغمبر کے دفن و کفن میں دیر لگانا سنت الہیہ ہے، دیکھو رب تعالیٰ نے تکمیل مسجد کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بعد وفات چھ ماہ تک بغیر کفن دفن رکھا، لہذا اصحابہ کرام کا تکمیل خلافت کے لیے حضور کے کفن و دفن میں تاخیر کرنا بالکل صحیح تھا کیونکہ تکمیل خلافت تکمیل مسجد سے کہیں زیادہ اہم ہے۔

۶ ہاٹ فیل یعنی اچانک موت اللہ کے نیک بندوں کے لیے عتاب نہیں بلکہ رحمت ہے۔ دیکھو حضور سلیمان علیہ السلام کی وفات اچانک ہوئی، مگر رحمت تھی ہاں غافل کے لیے عذاب ہے کہ اسے توبہ کا وقت نہیں ملتا، لہذا حدیث شریف واضح ہے۔

ایک اور آیتہ کریمہ کے فوائد و مسائل سنو جو ہم نے اپنے حاشیہ قرآن میں بیان کیے۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے اپنی دو خاص نعمتوں کا ذکر فرمایا اور ان کے شکر یہ میں رب کی تسبیح و حمد کا حکم دیا ایک تو فتح مکہ دوسرے فتح کے دن اور اس کے بعد لوگوں کا جوق در جوق فوج در فوج اسلام قبول کرنا۔

اس آیت سے حسب ذیل فائدے حاصل ہوئے۔

۱۔ صحابہ کرام کی تعداد دو چار یا دس بیس نہیں بلکہ ہزار ہا ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے انہیں افواج یعنی فوجیں فرمایا دو چار آدمیوں کی فوجیں نہیں ہوتیں جیسے حضرات انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار میں جس میں تین سو تیرہ رسول ہیں اور چار مرسل ایسے ہی صحابہ کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں تین سو تیرہ بدر والے اور چار خلفاء راشدین جو کہے کہ مومن صحابہ کل چار پانچ تھے۔ وہ اس آیت کا منکر ہے۔

۲۔ فتح مکہ کے دن اور اس کے بعد ایمان لانے والوں کا ایمان رب تعالیٰ کے ہاں قبول ہوا کہ انہیں رب نے فرمایا کہ وہ اللہ کے دین میں داخل ہو گئے، ان کا داخل فی الدین ہو جانا قرآن سے ثابت ہوا لہذا ابوسفیان، ہند، عکرمہ، امیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سچے پکے، مخلص مومن ہیں، جو ان کے ایمان کا انکار کرے وہ اسی آیت کا منکر ہے۔

۳۔ فتح مکہ کے دن ایمان لانے والوں میں سے کوئی مرتد نہ ہوا یہ حضرات ایمان پر قائم رہے اُن کا خاتمہ ایمان پر ہوا کیونکہ ان کے ایمان میں داخل ہونے کی یہ صریحی آیت موجود ہے، اسلام سے نکل جانے کی کوئی آیت نہیں نیز رب تعالیٰ نے ان کے ایمان کا ذکر بطور نعمت الہیہ کیا اگر یہ لوگ آئندہ ایمان سے نکل جانے والے ہوتے تو رب تعالیٰ بجائے تسبیح و تحمید کے حکم کے یوں فرماتا کہ محبوب ان کے ایمان کا اعتبار نہ کریں یہ لوگ پھر جائیں گے، اب جو تاریخی واقعہ ان کا کفر ثابت کرے، وہ جھوٹا ہے کہ قرآن شریف کے خلاف ہے۔

وہابیو بولوا آج تک قرآن وحدیث کے ایسے ایمان افروز عارفانہ مسائل کی وہابی صاحب کے ذہن شریف میں بھی آئی یہ نعمت تو اللہ تعالیٰ نے مقلدوں کو ہی بخشی ہے، تم نے صرف غلط سلسلہ ترجیح کرنا ہی سیکھے ہیں۔

حنفی بہانیو اگر تمہیں اس جیسے صد ہا عارفانہ، عاشقانہ ایمانی مسائل دیکھنے کا شوق ہو تو ہمارا حاشیہ القرآن اُردو اور حاشیہ بخاری انشراح بخاری عربی کا مطالعہ کرو۔

دوسرے یہ کہ قرآن وحدیث طب ایمانی کی دوائیں ہیں جب طب یونانی کی دوائیں ہر شخص اپنی رائے سے نہیں کر سکتا اگر کریگا تو جان سے ہاتھ دھوے گا، ایسے ہی قرآن وحدیث سے ہر شخص مسئلہ نہیں نکال سکتا، اگر نکالے گا تو وہابیوں کی طرح ایمان سے ہاتھ دھوئے گا۔

تیسرے یہ کہ قرآن وحدیث سمندر ہیں، جیسے سمندر سے ہر شخص موتی نہیں نکال سکتا ایسے ہی قرآن وحدیث سے ہر شخص مسئلہ نہیں نکال سکتا، تمہیں موتی سمندر سے نہیں ملیں گے بلکہ جو ہری کی دوکان سے ایسے ہی تمہیں مسائل قرآن وحدیث سے نہ ملیں گے، بلکہ امام ابوحنفیہ و شافعی وغیرہ رضی اللہ عنہم کی دوکانوں سے ملیں گے۔

چوتھے یہ کہ دنیا میں ہر شخص کسی پیشوا کا مقلد ہوتا ہے، کھانا پکانا، کپڑا سینا پہننا، غرض کہ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جس میں اس کے ماہروں کی تقلید نہ کی جاوے، دین تو دنیا سے کہیں اہم ہے اگر اس میں ہر شخص بے تکلیف اونٹ کی طرح بے قید ہو کہ جس کا جس طرف منہ اٹھا دھر چل دیا تو دین تباہ ہو جائیگا غیر مقلد وہابیوں کے چاہئے کہ پاؤں میں ٹوپی، سر پر جوتہ ٹانگوں میں کرتہ اور کندھے پر پانچجامہ پہنا کریں، کیونکہ عام لوگوں کی طرح لباس پہننے میں تقلید ہے یہ ہیں، غیر مقلد یہ کیا بات ہے کہ آپ ہر کام میں ہر طرح مقلد اور صرف تین چار مسئلے، قرأت خلف الامام رفع یدین وغیرہ ہیں، غیر مقلد اگر غیر مقلد ہو تو پورے بنو ہر کام انوکھا کرو، ہر بات نزالی کہو۔

پانچویں یہ کہ بظاہر احادیث دیکھی جاویں تو چکر آ جاتا ہے اگر تقلید نہ کی جاوے، صرف حدیثیں دیکھی جاویں، تو حیرانی ہوتی ہے کہ یا اللہ کیا کریں کدھر جائیں کوئی وہابی صاحب دو رکعت نماز ایسی پڑھ کر دکھادیں، جس میں ساری حدیثوں پر عمل ہو، ایک ایک مسئلہ پر دس دس قسم کی روایتیں موجود ہیں حضور ﷺ وتر ایک رکعت پڑھتے تھے تین یا پانچ پڑھتے تھے، ساتھ پڑھتے تھے، تو گیارہ تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے، اب غیر مقلد ایسی وتر پڑھ کر دکھائیں، کہ سب حدیثوں پر عمل ہو جاوے ایک وہابی صاحب نے آمین بالجہر کی ایک حدیث پڑھی میں نے آمین بالانفاء کی پانچ پڑھ دیں بیچارے منہ تکتے رہ گئے یہ کام مجتہد کا ہے کہ دیکھے کون حدیث ناسخ ہے کون منسوخ کون حدیث ظاہری معنی پر ہے کون واجب التاویل، حدیث پر وہ عمل کرے جو مزاج شناس رسول ہو، اور راز دار پیغمبر یہ مزاج شناسی راز داری ہر ایرے سے غیرے کا کام نہیں۔

وہابی اور حدیث

غیر مقلدوں کا اصلی نام وہابی ہے، لقب نجدی کیونکہ ان کا مورث اعلیٰ محمد ابن عبدالوہاب ہے جو نجد کا رہنے والا تھا، اگر انہیں مورث اعلیٰ کی طرف نسبت کیا جاوے تو وہابی کہا جاتا ہے اور اگر جائے پیدائش کی طرف نسبت دی جائے تو نجدی جیسے مرزا غلام احمد قادیانی کی امت کو مرزائی بھی کہتے ہیں اور قادیانی بھی پہلی نسبت مورث کی طرف ہے، دوسری نسبت جائے پیدائش کی طرف اسی جماعت کی پیشین گوئی خود حضور ﷺ نے کی تھی کہ

نجد کے متعلق ارشاد فرمایا تھا۔

هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتْنُ وَيُخْرِجُ مِنْهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ ’نجد میں زلزلے اور فتنے میں ہوں گے، اور وہاں سے ایک شیطانی فرقہ نکلے گا۔‘

غرض کہ اس جماعت کا بانی محمد ابن عبدالوہاب نجدی ہے اور اس کا ہندوستان میں پرورش کرنے والا اسماعیل دہلوی ہے، اس فرقہ کے حالات ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میںلاحظہ فرماؤ یہ لوگ عام مسلمانوں کو مشرک اور صرف اپنی جماعت کو موحّد کہتے ہیں، مقلدوں کے جانی دشمن اور ائمہ اربعہ حضرت امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہم اجماعین کی شان اقدس میں تہرے کرتے ہیں۔

یہ لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہتے ہیں، یہ لوگ پہلے تو اپنے کو فخریہ طور پر وہابی کہتے تھے، چنانچہ ان کی بہت کتب کے نام تحفہ وہابیہ وغیرہ ہیں، مگر اب وہابی کے نام سے چڑتے ہیں، ان کے عقائد و اعمال نہایت ہی گندے اسلام اور مسلمانوں کے دامن پر بد نما داغ ہیں، ہم یہاں اہل حدیث نام پر مختصر تبصرہ کرتے ہیں، تاکہ معلوم ہو کہ ان کا نام بھی درست نہیں، مسلمانوں سے امید انصاف ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ سے امید قبول ہے۔

خیال رہے کہ دنیا کوئی شخص اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہو سکتا ہی نہیں، کسی کا اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہونا ایسا ہی ناممکن ہے، جیسے دو تھیہمین یا دو ضدیں کا جمع ہونا غیر ممکن کیونکہ حدیث کے لغوی معنی ہیں بات، گفتگو یا کلام رب فرماتا ہے۔

فَبَآيَ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ”قرآن کے بعد کوئی بات پر ایمان لائیں گے۔“

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ ”اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھا کلام نازل فرمایا۔“

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

”بعض لوگ وہ ہیں، جو کھیل کی باتیں و ناول، قصے خریدتے ہیں، تاکہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں۔“

اس تیسری آیت میں ناول قصے کہانیوں کو حدیث فرمایا گیا ہے۔

اصطلاح شریعت میں حدیث اس کلام و عبارت کا نام ہے، جس میں حضور سید عالم ﷺ کے اقوال یا اعمال اسی طرح صحابہ کرام کے اقوال و اعمال بیان کئے جاویں، اس عامل بالحدیث فرقے سے سوال ہے کہ تم کوئی حدیث پر عامل ہو، لغویہ یا اصطلاحی پر ہو اگر لغوی حدیث پر عامل ہو تو چاہئے کہ ہر ناول گو قصہ خواں اہل حدیث ہو کہ وہ حدیث یعنی باتیں کرتا ہے ہر سچی جھوٹی بات پر عمل کرتا ہے، اگر اصطلاحی حدیث پر عامل ہو تو پھر سوال یہ ہوگا کہ ہر حدیث پر عامل ہو یا بعض پر دوسری بات تو غلط ہے کیونکہ حضور کے کسی نہ کسی فرمان پر ہر شخص ہی عامل ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ سچ نجات دیتا ہے جھوٹ ہلاک کرتا ہے، ہر مشرک و کافر اس کا قاتل ہے، وہ سب ہی اہل حدیث ہو گئے، تم حقیقی، شافعی، مالکی۔ حنبلی مسلمانوں کو اہل حدیث کیوں نہیں مانتے یہ تو ہزار ہا حدیثوں پر عمل کرتے ہیں، اگر حدیث کے معنی ہیں حضور کی ساری حدیثوں پر عمل کرنے والے تو یہ نہ ممکن ہے کیونکہ حضور کی بعض حدیثوں منسوخ ہیں، بعض حدیثوں میں حضور کے وہ خصوصی اعمال شریف بیان ہوئے جو حضور کے لیے مباح یا فرض تھے، ہمارے لیے حرام ہے، جیسے منبر پر نماز پڑھنا اونٹ پر طواف فرمایا، حضرت حسین سید الشہداء خاتم آل عبا رضی اللہ عنہ کے لیے سجدہ دراز فرمایا، حضرت امامہ بنت ابی العاص کو کندھے پر لے کر نماز پڑھنا، نویویاں نکاح میں رکھنا، بغیر مہر نکاح ہونا ازواج میں عدل و مہر واجب نہ ہونا۔ بلکہ

حدیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کلمہ یوں پڑھتے تھے، **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَإِنِّي رَسُولُ اللَّهِ**

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔“

یہ حضرات اسی حدیث پر عمل کر کے اس طرح کلمہ کا ورد نہیں کر سکتے، غرض کہ حدیث میں حضور ﷺ کے ایسے اقوال و اعمال بھی ذکر ہیں جو حضور کے لئے کمال ہیں، ہمارے لیے کفر۔

اسی طرح حضور علیہ السلام کے وہ افعال کریمہ جو نسیان یا اجتہادی خطاء سے سرزد ہوئے حدیث میں مذکور ہیں، عامل بالحدیث صاحبان کو چاہیے کہ ان پر بھی عمل کیا کریں۔ ہر حدیث پر جو عامل ہوئے بہر حال کوئی شخص ہر حدیث پر عمل نہیں کر سکتا، جو اس معنی سے اپنے کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہے، وہ غلب کہتا ہے جب ہی نام جھوٹ ہے، تو اللہ کے فضل سے کام بھی سارے کھوٹے ہی ہوں گے، اسی لیے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ ”لازم پکڑو میری اور خلفاء راشدین کی سنت کو۔“

یہ نہ فرمایا کہ میری حدیث کو لازم پکڑو، کیونکہ ہر حدیث لائق عمل نہیں ہر سنت لائق عمل ہے، حضور کے وہ اعمال طیبہ جو منسوخ بھی نہ ہوئے ہوں، حضور سے خاص بھی نہ ہوں خطاء انبیاء بھی سرزد نہ ہوں، بلکہ امت کے لیے لائق عمل ہوں، انہیں سنت کہا جاتا ہے، لہذا ہمارا نام اہل سنت بالکل حق

دورست ہے، کہ ہم بفضلہ تعالیٰ حضور ﷺ کی ہر سنت پر عامل ہیں، مگر وہابیوں کا نام اہل حدیث بالکل غلط ہے کہ ہر حدیث پر عمل ناممکن۔

اب حدیثوں کی یہ چھانٹ کہ کون سی حدیث منسوخ ہے کون حکم کون حدیث حضور ﷺ کی خصائص میں سے ہے، کون سب کی اتباع کے لیے کون فعل شریف اقتداء کے لیے ہے، کون نہیں کس فرمان کا کیا منشاء ہے، کس حدیث سے کیا مسئلہ صراحۃً ثابت ہے اور کون مسئلہ اشارۃً کون دلالت کون اقتضاء یہ سب کچھ امام مجتہد ہی بتا سکتے ہیں ہم جیسے عوام وہاں تک نہیں پہنچ سکتے، جیسے قرآن عمل کرانا حدیث کا کام ہے، ایسے ہی حدیث پر عمل کرانا امام مجتہد کا کام یوں سمجھو کہ حدیث شریف رب تک پہنچنے کا راستہ ہے اور امام مجتہد اس راستہ کا نور جیسے بغیر روشنی راہ طے نہیں ہوتا، بغیر امام و مجتہد حضور ﷺ کی سنتوں پر عمل ناممکن ہے، اسی لیے علماء فرماتے ہیں۔

”الْقُرْآنُ وَالْحَدِيثُ يُضِلُّانِ إِلَّا بِالْمُجْتَهِدِ“ ”بغیر مجتہد قرآن و حدیث گمراہی کا باعث ہیں۔“

رب تعالیٰ قرآن کریم کے متعلق فرماتا ہے۔

”يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا“ ”اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعے بہت کو ہدایت دیتا ہے اور بہت کو گمراہ کر دیتا ہے۔“

چکڑالوی اس ہی لیے گمراہ ہیں کہ وہ قرآن شریف بغیر حدیث کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں، براہ راست رب تک پہنچنا چاہتے ہیں، وہابی غیر مقلد اسی لئے راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں کہ یہ حدیث کو بغیر علم کی روشنی اور بغیر مجتہد کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں، مقلدین اہل سنت کا ان شاء اللہ بیڑا پار ہے، کہ ان کے پاس کتاب اللہ بھی ہے سنت رسول اللہ بھی اور سراج امت امام مجتہد کا نور بھی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل حدیث بنان ناممکن اور جھوٹ ہے، اہل سنت بننا حق و درست ہے، اہل سنت وہ ہی ہو سکے گا جو کسی امام کا مقلد ہوگا، قیامت میں رب تعالیٰ بھی اپنے بندوں کو اماموں کے ساتھ پکارے گا، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

”يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اِقْنَاسٍ بِاِمَا مِهِمْ“ ”اس دن ہم ہر شخص کو اس کے امام کیساتھ بلائیں گے۔“

خیال رکھو کہ قرآن و سنت کا سمندر ہم مقلد بھی عبور کرتے ہیں، اور غیر مقلد وہابی بھی، لیکن ہم تقلید کے جہاز کے ذریعہ جس کے ناخدا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کی ذمہ داری پر سفر کر رہے ہیں، غیر مقلد وہابی خود اپنی ذمہ داری پر اس سمندر میں چھلانگ لگا رہے ہیں۔ ان شاء اللہ مقلدوں کا بیڑا پار ہے، اور وہابیوں کا انجام غرقابی ہے۔

آخر میں ہم اہل حدیث حضرات سے پوچھتے ہیں کہ اسلام کی پہلی عبادت نماز ہے، براہ مہربانی آپ احادیث صحیحہ کی روشنی میں بتادیں کہ فرض، واجب، سنت، مستحب، مکروہ تحریمی اور حرام میں کیا فرق ہے، اور نماز میں کتنے فرض ہیں، کتنے واجب، کتنی سنتیں، کتنے مستحبات، کتنے مکروہ تنزیہی، کتنے مکروہ تحریمی اور کتنے حرام، ان شاء اللہ تا قیامت یہ تمام مسائل یہ حضرات حدیث سے نہیں بتا سکتے، حالانکہ دن رات ان مسائل سے واسطہ ہوتا ہے تو دوست و متضد کیوں کرتے ہو، تقلید اختیار کرو، جس میں دینی و دنیا کی بھلائی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ یہ کتاب یکم رمضان سنہ ۱۴۳۶ھ اپریل سنہ ۱۹۵۷ء روز و شبہ کو شروع ہو کر ۳ ذی الحجہ سنہ ۱۳۷۶ء بروز ہینہ یعنی دو ماہ دو دن میں اختتام کو پہنچی۔ رب تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے اسے قبول فرمائے، میرے لیے کفارہ سیئات اور صدقہ جاریہ بنائے، مسلمانوں کے لئے اسے نافع بنائے جو کوئی اس کتاب سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ بے کس گناہگار کے لیے حسن خاتمہ ارو معافی سیئات کی دعا کرے کہ اس ہی لالچ میں میں نے یہ محنت کی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ وَنُوْرٍ عَرْشِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ اٰمِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ